

خواتین اور طالبات کا ماہنامہ ڈائجسٹ

حجاب

رام پور

شمارہ جنوری ۱۹۸۴ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ

مدیر مائل خیرآبادی

زرتعاون سالانہ معہ سالنامہ پچاس روپیہ، وی پی سے ۵۶ روپیہ، یہ شمارہ چار روپیہ

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اس شمارے سے آپکے سالانہ چندے کی میعاد ختم ہوگئی۔ آئندہ کیلئے زرتعاون عنایت فرمائیں۔ اگر آئندہ سرپرستی منظور نہ ہو تو ایک کارڈ کے ذریعہ منع فرمادیں تاکہ ہم VP نہ بھیجیں۔

دپرک جب

مقالات و مضامین

افسانے اور کہانیاں

گھریلو مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ۔ رسول کریم نمبر بہت پسند کیا گیا۔ میرے لئے شکر کے لائق یہ بات ہے کہ رسول کریم نمبر کے بارے میں زیادہ تر علمائے کرام کے مشورے آئے۔ بعض مشورے تو بہت ہی عمدہ ملے۔ ان مشوروں کو سامنے رکھ کر نظر ثانی کر رہا ہوں۔ اس کے بعد انشاءاللہ جلد ہی کتابی شکل میں پیش کر دوں گا۔ میں ان تمام علمائے کرام کا ممنون ہوں جنھوں نے اس سلسلے میں میری رہنمائی فرمائی ہے۔ میں نے ان صاحبانِ علم کی خدمت میں جواب اسی وقت بھیجدیا تھا جب انکا رہنما خط مجھے ملا تھا۔ جزاہم اللہ!

❊

رسول کریم نمبر شائع کرتے وقت اندازہ نہ ہو سکا کہ کتنی تعداد میں چھپوایا جائے۔ اس میں میری آنکھوں کی بینائی بھی حارج رہی۔ رسول کریم نمبر جب پوسٹ ہوا اسی وقت گھٹ گیا۔ ہمیں افسوس ہے کہ بہت سے حجاب پسند بھائی اور بہت سی بہنیں حاصل نہ کر سکیں۔ انشاءاللہ جلد ہی یعنی کتابی شکل میں چھپتے ہی ان سب کی خدمت میں بھیجدیا جائیگا۔ ابھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کتابی شکل میں اس کی قیمت کیا ہوگی۔ خیال یہ ہے کہ کتابی شکل میں اسے اس کے شایانِ شان شائع کیا جائے۔

❊

آج کا حاتم :۔ پچھلے کسی حجاب میں ہم نے اطلاع دی تھی کہ آج کا حاتم کتابی شکل

مجھ آگے نے جالا ہے لیکن اس کے بعد ہی رسول کریم نمبر سامنے آگیا اور ہم اس کے بندوبست میں لگ گئے۔ اپنی چادر دیکھی تو معلوم ہوا کہ اس میں اتنی وسعت نہیں کہ رسول کریم نمبر ہی کو سمیٹ سکے۔ اس لئے آج کا حاتم کے کتابی شکل میں لانے کو ملتوی کر دیا گیا۔ یہ بھی پوسٹنگ کے وقت ختم ہو گیا تھا لیکن ایک بڑی ایجنسی کے نام جس پر میری قوت برداشت سے زیادہ قرض ہو گیا تھا، بنڈل وی پی کئے گئے تو وہ واپس آگئے۔ ان واپس شدہ پرچوں میں سے کچھ پرچے اس وقت بھی میرے پاس ہیں۔ یہ سب اچھی حالت میں ہیں۔ دس پندرہ پرچے واپس ہونے میں خراب ہو گئے تھے، وہ الگ کر لئے گئے۔ اگر کوئی صاحب آج کا حاتم نمبر پسند فرمائیں تو منگا لیں۔ کتاب شاید دو تین ماہ بعد ہی آ سکے گی۔

❋

کچھ ایجنٹ صاحبان کا رویہ ہمارے ساتھ ایسا ہے جو شیخ سعدیؒ کے دوستوں سے ملتا جلتا ہے شیخ سے ضبط نہ ہو سکا تو بالآخر ایک مصرع زبان سے نکل ہی گیا۔ سعدی از دست خویشتن فریاد۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ سعدی اپنوں سے فریاد کرتا ہے۔ بالکل یہی حال حجاب کے میرے خاص ایجنٹ صاحبان کا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ صاحبان نہیں "حضرات" ہیں جن کے خلق و تقویٰ کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ سب مجھے اس پر دکھ نہیں کہ ان کی طرف بقایا زیادہ ہو گیا اور اب وہ میرے خطوط کا جواب نہیں دیتے بلکہ افسوس یہ ہے کہ اپنی خیریت بھی نہیں لکھتے۔ اب میں مجبور ہوں کہ ان "حضرات" کے نام ایجنسی کو بند کر دوں۔ حلقہ حجاب کی معلومات میں یہ بات بھی لانا چاہتا ہوں کہ ان حضرات کی طرف بقایا واجب الادا اتنا ہے جتنا حجاب کے سرکلیشن میں آتا جاتا رہتا ہے۔ خدانخواستہ حجاب پر اس کا برا رد عمل ہوا تو ان حضرات سے اور مجھ سے جو ذاتی تعلقات ہیں ان کی بنا پر شاید انہیں بھی افسوس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر اور ان حضرات پر رحم فرمائے۔ جب سے حجاب شائع ہونا شروع ہوا ہے یہ پہلا واقعہ ہے کہ میں بھی شیخ سعدیؒ کی طرح بیتاب ہو کر چیخ اٹھا کہ مال از دست خویشتن فریاد۔



① صبیحہ رواہل۔ بیدر ② عبدالرحمٰن مسعود ابن ابوسعید حیدرآبادی ③ محمد ابراہیم انصاری بھیوانڈی ④ عبدالرشید گودام واج پرتور جالنہ ⑤ خلیق الزماں سحرؔ سیوفی۔

①

محترم چچا جان! سلام بعد احترام

بہت دن ہوئے آپ کی طبیعت کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ خیر وادی ہدی میں میں اور ساجدہ فرزانہ اچھی طرح آپ کی صحت کا اندازہ کر لیتے تھے۔ چچا جان! آپ کی وہ نصیحت، وہ رس بھری باتیں، مشفق انداز سب کچھ نظروں میں گھوم جاتا ہے۔ ایک

بات آپ سے کہوں! اس وقت مجھے شادی ہوئے صرف ایک ماہ ہوا تھا لیکن آپ نے جو جو نصیحت کی تھی وہ تو ہیروں، موتیوں کا وزن رکھتی ہیں۔ آپ کی ان باتوں نے بڑی کامیابی عطا فرمائی۔ انشاء اللہ انہی کو محرک بنا کر کچھ اور لکھوں گی، افسانے کی صورت میں۔۔ فقط

دعاؤں کی طالب بیٹی 'صبیحہ'

۹

حیات نمبر میں کشش ہے

حجاب کا حاتم نمبر وصول ہوتے ہی پڑھنے کو دل کشش محسوس کرنے لگا۔ جیسا جیسا پڑھتا گیا ویسے ہی دلچسپی اور خوشی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ختم پڑھ کر دم لیا۔ ہمارے گھر کے تمام ہی افراد اس کو بہت بہت پسند کرتے ہیں اور شکریہ کے الفاظ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وعافیت، رحمتیں، برکتیں اور نعمتیں عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ بہت دنوں سے آپ کو مخاطب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آپ کی لکھی تمام کتابیں پسند اور بہت پسند ہیں۔ ہم لوگ اکثر آپ کی یاد پر کتابوں اور مضامینِ حجاب کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ایک کتاب تھوڑے دن قبل پڑھنے میں آئی 'نقلی شہزادہ' اس کے اسلامی کردار میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ 'آج کا حاتم' بھی بالکل آج کل کے حالات پر ہے اور پڑھنے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ حق کے پھیلانے میں بالکل اسی طرح کے حالات پیش آتے ہیں اور ایسا عین ممکن ہے۔ اور اس کے بھی ہر ہر پہلو میں بہترین انداز میں اسلامی تہذیبی، معاشی غرض زندگی کا ہر پہلو ہے۔ سب سے مجھے دادی ہڈی حیدرآباد کی ملاقات اس وقت یاد آرہی ہے۔ خدا کرے کہ آپ صحت وعافیت سے رہیں اور ہم کو مزید اچھی اچھی تحریریں پڑھنے کو ملیں۔ والسلام خدا حافظ۔ عبدالرحمٰن مسعود ابن ابو سعید حیدرآباد

۱۰

آنکھوں کا علاج موخر نہ کیجئے

میری گذارش ہے کہ آپ کسی اچھے سرجن سے جلد ہی آنکھوں کا علاج کروالیں۔ آپ کو جو تکلیف لکھنے پڑھنے میں ہو رہی ہے اس سے آپ کا ذاتی نقصان و تکلیف کم ہے بڑا نقصان تو ہم مسلمانوں کا ہو رہا ہے

جو "اسلام میں عورت کا مقام"، "مجنون کے گرفتار" اور "زنداں نمبر" جیسے مزید بصیرت آموز مضامین سے مستفیض ہونے کے محتاج ہیں۔

ایمرجنسی کا جس پامردی سے مقابلہ ارکین جماعت نے کیا اس سے کم اُن کے اراکین خاندان کا ایثار قربانی نہیں تھا۔ آبلہ پا کانٹوں پر چلنے کی تمنا اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہے۔ دنیا سے کوئی صلہ نہیں چاہئے لیکن اگر ایسی سرفروشی کی تمنا زندہ نہ رہے تو ملک وقوم کا دل بالکل مُردہ ہو جائے گا۔ آج ہم بہت سنگین حالات سے گزر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ لوگ بڑھ کر برائی کو روک دیں لیکن افسوس کہ زبان سے خدمت کرنا تو کجا دل میں مذمت کرنے والے بھی نظر نہیں آرہے ہیں۔ ایسے طوفان میں چراغ جلائے رکھئے۔ براہ کرم آنکھوں کے علاج کو اور مؤخر مت فرمائیے۔ محمد ابراہیم انصاری، بھیونڈی

آج کا حاتم

محترم چچا جان! السلام علیکم۔

ایک کارڈ تحریر کر چکی ہوں۔ اُمید ہے کہ ملا ہوگا۔ دوبارہ بھیجا ہوا "آج کا حاتم" مل گیا ہے۔ کہانی بہت ہی خوب ہے۔ سبق والوں کے لئے بہت کچھ آپ نے پیش فرما دیا ہے۔ میری والدہ آنکھوں کی معذوری کے باعث پڑھ نہیں سکیں تو مجھ سے پورا پرچہ پڑھوا کر سنا اور بہت خوش ہوئیں۔ تقریباً ہر پرچہ دوبارہ سہ بارہ بھیجنے پر آپ کا بہت نقصان ہو رہا ہے۔ کیا اس کی تلافی کی بھی کوئی صورت ہے! چچا جان! کیا یہ ممکن نہیں کہ دو تین ماہ کے پرچے ایک ساتھ مجھے وی پی سے بھیج دیا کریں! اس طرح آپ کا نقصان نہیں ہوگا۔

چچا میاں! یہ جو اسلام کا نام بار بار ہمارے کانوں میں پڑ رہا ہے اس کا رد عمل ہم نام نہاد مسلمانوں کے خون کی ہولی ہے کہ خدا کی زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ہم پر تنگ ہو رہی ہے اور یہ زمین ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہمارے ہی خون سے لالہ زار بنی ہوئی ہے۔ ایسی حالت میں کیوں کر اللہ کی زمین پر اُس کا کلمہ بلند ہوگا۔ ایسے ہی بہت سے خیال ہیں جو ذہن کو پراگندہ

کردیتے ہیں۔ آپ کی پُرخلوص و پُرمحبت دعاؤں کی طالب۔ صفیہ

⑤

یہ تربیتی ناول

حجاب کا آج کا حاتم نمبر ملا۔ تحریکی ودعوتی اور تبلیغی کاموں کے لئے بے حد معاون ومددگار ہے
اس کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اس خدمت کے صلے میں اجرِ عظیم عطا فرمائے
اور عرصہ دراز تک دین کی خدمت کے لئے آپ کی عمر میں اضافہ فرمائے۔ آمین!
دوسری تجویز یہ کہ اس نمبر کو جلد ہی ہندی زبان میں منتقل کیا جائے۔ اس وقت ایسے لٹریچر کی
جو دلچسپ انداز میں اسلام کو پیش کرتا ہو، دوسری زبانوں میں شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے۔
امید ہے کہ آنجناب اس تجویز پر غور کریں گے۔ محمد ناظر جیلانی۔ ریلوے اسٹیشن رنجنی ضلع جالنہ۔
برائے کرم حسب ذیل پتے پر ایک سال کے لئے حجاب جاری کر دیجئے:۔
عبدالرشید صاحب گودام واچ مین تحصیل کچہری پرتور۔ ضلع جالنہ

⑥

محترم چچا جان! آداب و نیاز!!
مجھے "آج کا حاتم" دستیاب ہوا۔ چچا جان! حجاب کے متعلق صرف اتنا عرض کروں گی کہ اس کے
سبب ہماری زندگی میں کافی تبدیلیاں آگئی ہیں۔ ہماری زندگی یوں ہی گزر رہی تھی بس کھانا کھانا
اور سونا۔ بے مقصد سی زندگی گزر رہی تھی۔ دین کے تعلق سے صرف نام کے مسلمان کی زندگی گزر رہی
تھی۔ لیکن اب حجاب آنے کے بعد سے ہم میں کافی تبدیلیاں آرہی ہیں۔ اب دین کا مفہوم ہماری سمجھ
میں آرہا ہے۔ ہماری عملی زندگی میں دین کا رول کیا ہے! اگرچہ ابھی ہم پورے کے پورے دین میں داخل
نہیں ہو گئے لیکن پیشقدمی جاری ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم تیزی سے دین پر چلنے کی کوشش
کریں گے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دیں۔ آمین!
اس تبدیلی کے پس منظر میں حجاب اور آپ کی دیگر تصانیف کا بہت بڑا حصہ ہے۔ بہر حال۔

ابھی بہت کچھ جاننا باقی ہے۔ اس سلسلے میں آپ سے درخواست ہے۔ ابھی کئی ایک ایسے اہم مسائل ہیں جن کے بارے میں ہمیں صحیح طور پر معلومات نہیں ہے۔ ان مسائل پر آسان اور جلد سمجھنے لائق کتب کے متعلق لکھئے تاکہ ہم انھیں خرید کر پڑھ سکیں اور معلومات حاصل کر سکیں۔ مثال کے طور پر نماز پڑھنے کی ترکیب، غسل کا طریقہ وغیرہ وغیرہ۔ امید ہے آپ ہماری رہنمائی کریں گے۔ فرزانہ ناہید گوہیرا

● آپ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے "اسلامی شریعت" نامی کتاب منگا کر پڑھئے۔ آپ کو یہ معلومات حاصل ہو جائیں گی (جاب)۔

⊖

محترم جناب مائل صاحب!! السلام علیکم۔

ایک عرصہ سے تمنا ہے کہ کچھ کاروبار میں فراغت نصیب ہو تو کیسٹ کا کاروبار غیر نفع کی بنیاد پر جاری کروں اس آرزو نے پہلی بار اس وقت انگڑائی لی جب میں نے مولانا سید حامد حسین صاحب کو سنا۔ کتنا دبدبہ، دلائل سے پُر اور اثر انگیز انداز ہوتا ہے ان کی تقریروں کا کہ سیدھے دل پر جا کر دستک ہوتی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے ماشاء اللہ ہمیں آسان ذرائع مہیا کر دیئے ہیں کہ ہم اللہ کے پیغام کی نعمت زیادہ موثر انداز میں زیادہ لوگوں تک پہونچا سکیں۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کچھ ایسی خدمات قبول فرمائے کہ حشر میں بھی آقائے نامدار کا دیدار نصیب ہو۔ امید ہے آپ کے مزاج اچھے ہوں گے۔ آنکھوں کا علاج جلد کروا لیجئے۔ زندگی مختصر ہے۔ آپ کی صلاحیتوں کی پذیرائی کم سہی مگر تحریر وہ جادو ہے جو انسان کے چلے جانے کے بعد بھی کارگر رہتا ہے۔ عزیزوں اور محبتوں تک سلام پہونچا دیجئے گا۔ والسلام۔ آپ کا مخلص:
محمد ابراہیم انصاری۔ انصاری ہاؤس ۲۹۰ پنجرا پول روڈ۔ بھیونڈی۔ ضلع تھانہ مہاراشٹر۔

⊙

آج کا حاتم نمبر

جاب کا تازہ شمارہ "آج کا حاتم" زیر مطالعہ تھا۔ اس سے قبل آج کا حاتم قسطوں میں چھپتا رہا لیکن سب قسطیں نہیں پڑھ پایا تھا۔ آپ نے یہ خوب کیا کہ تمام کہانی کو ایک ہی بار میں شائع کر دیا۔

...اج کا حاتم" میں آپ نے ہر مکتبۂ خیال کے لوگوں کی دلچسپی کا سامان رکھا ہے۔ سیاحت، ایڈونچر، سسپنس، یہ سب ہیں اور ساتھ ہی موثر اسلامی تعلیمات بھی۔ خلیق الزماں سحر سیوفی۔ ایم پی۔

بندہ اور بندگی

شادی، بیاہ یا دیگر تقاریب کے موقعے... خود اپنے ہوں یا جہاں مدعو ہونا پڑے... مختلف زحمتوں سے گزرنا اور کچھ نہ کچھ تکلیف اٹھانا ضروری ہے۔ رات دیر گئے تک جاگنا اور مصروف رہنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی تو ساری رات ان ہنگاموں کی نذر ہو جاتی ہے ورنہ رات کا بیشتر حصہ ضرور نکل جاتا ہے۔ اور یہ زحمتیں خوش دلی سے گوارا کی جاتی ہیں۔ کیوں؟ ظاہر ہے کہ عزیز و اقارب کے لئے، دوست واحباب کی خوشی کی خاطر۔ اس موقع پر ایک لمحے کے لئے سوچیں کہ کبھی اپنے خدا کے لئے بھی ایسی کوئی زحمت اٹھائی ہے اور اس ہستی کی خوشی کی خاطر بھی کچھ برداشت کیا ہے جس کے ہم ایک ایک سانس کے لئے محتاج ہیں؟ ہم خود کو فرمانبردار کہہ سکتے ہیں مگر دل کی گواہی میں خود اپنے ضمیر سے پوچھنے کی ضرورت ہے کہ دراصل تابعداری کس کی ہو رہی ہے؟

ترقی و

کہنے کو تو آج انسان نے بے پناہ ترقی کر لی ہے۔ آسمانوں پر اڑنے لگا ہے۔ چاند ستاروں تک رسائی حاصل کر لی ہے اور بہت کچھ کرنے کا اہل بن گیا ہے لیکن کیا وہ حقیقتاً اتنا ہی کامیاب ہے جتنا کہ اسے گمان ہے؟ وہ جہاز بنا سکتا ہے، راکٹوں میں چاند ستاروں کی سیر کر سکتا ہے لیکن انہیں تباہ ہونے سے نہیں روک سکتا۔ اس نے ترقی اور سائنس کے نام پر خطرناک ترین اسلحہ تو ایجاد کر لئے مگر ان کے دکن اثرات سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ نئی نئی دوائیں تو بنا سکتا ہے، بیماریاں سے چھٹکارا نہیں ممکن۔ جدید آلات سے آراستہ دواخانے تو قائم کر لئے مگر حادثوں کو نہیں ٹال سکتا۔ گویا ان ترقیوں کے باوجود وہ کہیں نہ کہیں جا کر مجبور و بے بس ہو جاتا ہے۔ پھر کیوں وہ اپنی ترقی و کامرانی کے گن تو گاتا ہے مگر اپنی واقعی بے بسی و لاچاری کا اعتراف نہیں کرتا۔ اپنے سے بالاتر اور تمام اختیارات کے مالک اس عظیم ذات خداوندی کے آگے سر نیاز خم نہیں کرتا جس نے اسے بہت کچھ کرنا سکھایا، عروج و ترقی کے زینے پر چڑھایا اور اب اسے نیچے گرنے اور برباد ہونے سے بچا لینے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔

میرے پسندیدہ اشعار

عرشیہ انجم عزیزی۔ پنڈاپلی۔ کریم نگر

* یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے — ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات — اقبالؔ
* اثر کرے نہ کرے سُن تو لے مری فریاد — نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد — "
* جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگرؔ
  جب وقت شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں — جگرؔ
* گیا تو حسن نہ دیوار میں نہ در میں تھا، — وہ ایک شخص جو مہمان میرے گھر میں تھا — ابوالمجاہد زاہد

ایس۔ اے۔ خیامی۔ کھمریا۔ وارانسی۔ یوپی

* زندہ رہنا ہے تو میر کارواں بن کر رہو — اس زمیں کی پستیوں میں آسماں بن کر رہو — نامعلوم
* تو شاہیں ہے، پرواز ہے کام تیرا، — ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں — اقبال
* تسخیر آسماں کے ارادے بجا مگر! — پہلے زمین کو مرکزِ امن واماں بنا — منظرؔ
* زمیں سلام کرے آسماں سلام کرے — وہ کام کر کہ تجھے اک جہاں سلام کرے — نامعلوم
* کیوں سفینے ڈوب جائیں آکے ساحل کے قریب
  ناخدا حالات کا پہلے جو اندازہ کریں! — ماہرؔ
* تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا — ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے — اقبال
* رات کو رات کہہ دیا میں نے — سنتے ہی بوکھلا گئی دُنیا — حفیظ میرٹھی

صبیحہ کوثر۔ اے صفی

* وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر — اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر — اقبالؔ
* ساری دنیا جو خفا ہے تو خفا ہونے دو — مرے ہونٹوں پہ مگر حق کی صدا رہنے دو — اختر سلمی

زمانے کی گواہی

① میں اِس حادثے کا منتظر تھا

وہ بڑی باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ اپنی قابلِ رشک صحت، شگفتہ مزاجی اور زبردست قوتِ کار کے سبب وہ اپنے حلقے میں "۶۰ سالہ نوجوان" کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دولت اور عزت و جاہ کے ساتھ ساتھ ایک دردمند دل اور انتہائی سلجھے ہوئے ذہن سے بھی نوازا تھا۔ دو جوان بیٹے کاروبار میں اُن کا ہاتھ بٹاتے تھے اور ایک بیٹی کالج میں زیرِ تعلیم تھی۔ ایک دن یوں ہوا کہ بیٹی اُن کے کمرے میں اس حال میں داخل ہوئی کہ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور آنکھوں میں دہشت کی لکیریں صاف پڑھی جا سکتی تھیں۔ "ابّا! کل سے میں کالج نہیں جاؤں گی" اُس نے باپ کو مخاطب کرتے ہوئے فیصلہ کُن انداز میں کہا۔ "آخر کیوں؟ اور تم اِس قدر پریشان کیوں ہو؟ مجھے بھی تو کچھ بتاؤ!"۔ "آج ایک لفنگے نے فحش فقرے کسے اور ایک نے میرے سر سے چادر اُتارنے کی کوشش کی۔" یہ کہتے کہتے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور اُس نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔ انھوں نے بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے بڑی رسانی کے ساتھ کہا "بیٹے! میرے لئے یہ کوئی غیر متوقع چیز نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ میں اِس حادثے کا بہت دنوں سے منتظر تھا۔" "جی!" کرب اور حیرت کے ملے جلے احساس کے ساتھ اُس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں!"۔ "ہاں بیٹے! مجھے اس حادثے کا واقعتاً انتظار تھا۔ بیٹے! جوانی کے زمانے میں ایک دن میں نے بھی کسی کی بیٹی کے سر سے چادر اُتارنے کی کوشش کی تھی۔ اُس وقت اُس عفیفہ نے صرف

ایک جملہ کہا تھا: کاش تم بھی کسی جوان بیٹی کے باپ ہوتے! یہ سادہ سا جملہ آج تک میرے ذہن سے چپکا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ گناہ ایک نہ ایک دن میرے سامنے عبرت کا سامان بن کر ضرور آئے گا۔" یہ کہہ کر وہ خود بھی بیٹی کے ساتھ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ جب ذرا جی ہلکا ہوا تو انھوں نے کہا "بیٹی! اب تمہیں کسی اور ناخوش گوار حادثے سے دوچار ہونا نہیں پڑے گا۔ مجھے میرے کئے کی سزا مل گئی۔"

بہت سے گناہوں کی سزا خود اس دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ اکثر اپنے کئے کا پھل سامنے آجاتا ہے۔ جب ہمارے ساتھ کوئی زیادتی ہوتی ہے اور ہمیں کسی ناانصافی یا ظلم و جبر کے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو یہ بہت ہی کم ہوتا ہے کہ ہم خود اپنا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ ہمارے آج پر ہمارے کل کی پرچھائیں تو نہیں پڑ رہی ہے۔ ہم نے کل جو کچھ بویا تھا وہی آج کاٹ تو نہیں رہے ہیں۔ اپنے اعمال کا دوسروں کے ساتھ جائزہ لیجیے اور یہ دیکھئے کہ آپ کہیں خود ہی اپنی راہ میں کانٹے تو نہیں بچھا رہے ہیں۔

(۲) ایک سروے

اتر پردیش میں ملازمت کرنے والی عورتوں کو ہر روز اپنے مرد ساتھیوں کی طرف سے چھیڑ خانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات اُن کے افسر اُن سے تعلق قائم کرنے کے متمنی رہتے ہیں اور اُن کی کارکردگی اُن کے ردِّ عمل کی روشنی میں جانچی جاتی ہے۔ سب سے زیادہ خراب حال چوتھے درجے کی ملازم خواتین کا ہے جنھیں بسا اوقات انتہائی بھدّے قسم کی دست درازیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جن عورتوں کا جائزہ لیا گیا اُن میں تقریباً پندرہ فیصد نے دست درازی کی شکایت کی جب کہ ۵۵ فیصد کو فحش فقروں کے چست کئے جانے پر اعتراض تھا اور بیس فیصد خواتین کے لئے کسی بھی صورت میں مردوں کے ساتھ کام کرنا ہی ناقابلِ برداشت تھا۔

وہ مجبور و بے بس ہیں۔ مذکورہ بالا حقائق کا انکشاف ایک سرکاری جائزے میں کیا گیا ہے جسے اتر پردیش کے محکمہ محنت نے تعلیمی اداروں، ٹیلیفون ایکسچینجوں، صحت کے شعبوں، انتظامی دفاتر اور سرکاری کارخانوں میں کام کرنے والی خواتین کا باقاعدہ سروے کرنے کے بعد تیار کیا ہے۔ ان خواتین نے جنھیں ہمارے "روشن خیال" اور "ترقی پسند" حلقے ترقی اور سماجی آزادی کی تابندہ مثال

کے روپ میں پیش کرتے نہیں تھکتے، یہ کربناک انکشاف بھی کیا ہے کہ وہ یہ ذلت و رسوائی محض اپنے کنبے کی آمدنی بڑھانے کے لیے برداشت کر رہی ہیں۔ انھیں اِس "آزادی" اور مردوں کے شانہ بہ شانہ زندگی کی دوڑ میں حصہ لینے سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ انہیں کارخانوں اور دفتروں کے مقابلے میں اپنے گھر کی چہار دیواری کے اندر کی پرسکون زندگی کہیں زیادہ عزیز ہے۔

گھاٹے میں کون؟ :- یہ سرکاری جائزہ اُن لوگوں کی توقعات کے یقیناً برعکس ہوگا جو گھریلو زندگی گزارنے والی عورتوں کو پسماندگی اور تاریک خیالی کا طعنہ دیتے رہتے ہیں۔ یہ اُن لوگوں کے منھ پر بھی ایک زبردست طمانچہ ہے جو دن رات مسلم خواتین کی بے چارگی کا رونا روتے رہتے ہیں۔ کاش یہ لوگ اِس آئینے میں یہ دیکھنے کی زحمت گوارا کریں کہ نسوانی وقار اور عورت کے حقیقی منصب و مقام کا تحفظ کن صورتوں میں ممکن ہے۔ خسارے میں وہ عورت ہے جو اپنے شوہر کی وفادار بیوی اس کے دکھ سکھ کی ساتھی اور اپنے بچّوں کی شفیق ماں ہے یا وہ عورت جو نہ صرف محض چند سکّوں کے لیے دن بھر محنت و مشقت کرتی ہے بلکہ مردوں کی ہوسناک نگاہوں، اُن کی دست درازیوں اور فحش نعروں کو برداشت کرنے کے لیے بھی مجبور ہے؟ گھاٹے میں وہ عورت ہے جو تقسیم کار کے اصول پر صرف کھانے پکانے اور بچوں کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہے، جو اپنے گھر کی ملکہ ہے یا وہ جو ساری گھریلو ذمہ داریاں سنبھالنے کے ساتھ ساتھ دن بھر دفتروں اور کارخانوں میں اپنا خون بھی جلاتی ہے اور جسے ترقی کے مراحل طے کرنے کے لیے دوسروں کے چشم و ابرو کے اشارے پر رقص بھی کرنا پڑتا ہے؟ اقبال نے عورتوں کو آزادیٔ نسواں اور زمرد کے گلوبند میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر اب جو صورت سامنے آرہی ہے اس میں زمرد کے گلوبند کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ بیچاری روشن خیال عورت تو اب صرف مردوں کی ہوس کی تکمیل کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے جس کے عوض اُسے ہر ماہ تنخواہ کی شکل میں ایک متعین رقم فراہم کردی جاتی ہے۔

کاش جسم اور لباس کی چمک دمک کو دیکھنے والے اِن بے چاری عورتوں کے مجروح روح کے زخم بھی دیکھنے کی کوشش کرتے!!

۴ قتل یا خودکشی

نئی دہلی۔ ششی اروڑہ جس کی شادی گذشتہ سال جنوری میں ہوئی تھی اور جو ایک تین ماہ کی بچی کی ماں تھی، اسپتال میں زخموں کی تاب نہ لاکر چل بسی۔ اُس کے شوہر نے پولیس کو بتایا کہ وہ بچی کے لئے دودھ گرم کرتے ہوئے جل گئی تھی لیکن متوفیہ کے باپ نے پولیس کو جو بیان دیا اُس پر پولیس نے قتل کا مقدمہ درج کر لیا ہے۔ شوہر وجے اروڑہ ایک بڑی فرم میں کام کرتا ہے۔ ایک سب ڈویژنل مجسٹریٹ کے سامنے ششی کا نزعی بیان قلمبند نہیں کیا جا سکا کیونکہ قانونی گورکھ دھندا کچھ اتنا پیچیدہ ہے کہ جب تک ایس ڈی ایم کو اسپتال لایا گیا اُس وقت تک ششی مر چکی تھی۔ ایک پولیس افسر اور اپنے رشتہ داروں کی موجودگی میں ششی نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں جو بتایا اُس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اُس کے شوہر نے اُسے کندھے سے پکڑا اور اُس کی ساس نے آگ لگا دی۔ شوہر کے ہاتھوں پر جلنے کے نشانات سے بھی اس بیان کو تقویت ملتی ہے۔ شوہر کی ہتھیلیاں جلنے سے بالکل محفوظ ہیں۔ اِس سے بھی یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس نے ششی کو کندھے سے پکڑ رکھا تھا۔ ششی HOME ECONOMICS میں B.Sc اور تربیت یافتہ ٹیچر تھی۔ شادی سے پہلے وہ ایک اسکول میں پڑھا چکی تھی۔ متوفیہ کے والد رام ناتھ نے بتایا کہ ایک لڑکی کو جنم دینے پر ششی کو اذیت دی جا رہی تھی۔ ششی کے والدین اور دوسرے رشتہ داروں نے ششی کی ارتھی کے ساتھ لیفٹننٹ گورنر کی رہائش گاہ پر مظاہرہ کیا۔ حکام نے اُن کو یقین دلایا کہ وہ تمام معاملے کی تحقیقات کریں گے اور قصوروار کو سزا دی جائے گی۔

دہلی علاقہ شاہ پورا جاٹ میں ایک چالیس سالہ عورت رساوتی نے خود کو زندہ جلا لیا۔ وہ ایک اسکول میں پانی پلانے کا کام کرتی تھی۔ اس نے اسکول کے اسٹور روم میں خود کو زندہ جلا لیا۔

پنجاب سے آنے والی ایک گاڑی سے ایک سر کٹی لاش برآمد ہوئی ہے۔ لاش ایک سولہ سالہ لڑکی کی ہے۔ بعد میں شکور بستی کراسنگ پر اُس کا سر بھی پڑا ہوا مل گیا۔ لاش ایک لحاف میں لپٹی ہوئی تھی۔ پولیس متوفیہ کے سرپرستوں کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہی ہے۔ گذشتہ دو دنوں میں ایک سرکاری افسر اور میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کے ایک اردلی نے خودکشی کر لی۔

(مرسلہ: ساجدہ فرزانہ)

حساب کے سر

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (الرعد)

جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کرلی اُن کے لئے بھلائی ہے اور جنھوں نے اسے قبول نہ کیا وہ اگر زمین کی ساری دولت کے بھی مالک ہوں اور اتنی ہی اور فراہم کرلیں تو وہ خدا کی پکڑ سے بچنے کے لئے اس سب کو فدیہ میں ڈالنے پر تیار ہو جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے بُری طرح حساب لیا جائے گا۔ اور اُن کا ٹھکانا جہنم ہے، بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ (الرعد)

تشریح:۔ بُری حساب فہمی یا سخت حساب فہمی سے مطلب یہ ہے کہ آدمی کی کسی خطا اور کسی لغزش کو معاف نہ کیا جائے۔ کوئی قصور جو اس نے کیا ہو مواخذے کے بغیر نہ چھوڑا۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کا محاسبہ اپنے ان بندوں سے کرے گا جو اس کے باغی بن کر دنیا میں رہے ہیں۔ بخلاف اس کے جنھوں نے اپنے خدا۔

کوئی یہودی، کوئی عیسائی، کوئی ہندو اور ہندو دھرم کے مطابق کوئی نجس اور ناپاک اچھوت جب اسلامی اجتماعیت کے اندر آجاتا ہے تو اس کی وہ پہلی حیثیت نہیں رہتی۔ اس کی نجاست اور ناپاکی اسلامی اجتماعیت کے دھارے میں دھل جاتی ہے۔ بات اتنی ہی نہیں کہ اس کی نجاست دھل جاتی ہے بلکہ اس کی شان ہی اور ہوتی ہے۔ اگر وہ اسلامی اجتماعیت کے تحت اپنی تربیت کرلے تو وہ بڑے بڑوں کا بڑا بن سکتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت بلالؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت صہیب رومیؓ کس حالت میں اسلامی اجتماعیت کے اندر آئے تھے اور پھر وہ کیسے بے مثل انسان بنے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے کا واقعہ ہے۔ ایک دن آنجناب جلیل القدر صحابہؓ کے درمیان بیٹھے بے تکلف باتیں کر رہے تھے۔ باتوں باتوں میں یہ ذکر چھڑ گیا کہ ہر ایک اپنی اپنی بڑی تمنا بیان کرے۔ ایک صاحب نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ اللہ مجھے کوہ اُحد کے برابر سونا دے اور میں وہ سب خدا کی راہ میں دیدوں۔ ایک بزرگ نے شہادت کی تمنا کا اظہار کیا۔ اسی طرح ہر ایک نے اپنی اپنی خواہش بیان کی۔ آخر میں حضرت عمرؓ نے ان لفظوں میں اپنی تمنا پیش کی "اے اللہ! میرے گھر کو سلمانؓ و بلالؓ اور صہیبؓ جیسے بزرگوں سے بھر دے۔" بلال حبشیؓ کو تو وہ اپنا سردار کہا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے فضائل میں حضرت عمرؓ اُن کی یہ فضیلت بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سردار ابوبکرؓ نے ہمارے سردار بلالؓ کو آزاد کرایا۔

حضرت ابوبکرؓ کا جو مقام اسلامی اجتماعیت میں ہے، ظاہر ہے۔ انہی ابوبکرؓ نے ایک بار کوئی ایسی بات کہی جو ان بزرگوں کو پسند نہیں آئی۔ بات نبی صلے اللہ علیہ وسلم تک جا پہونچی۔ آپؐ نے فرمایا "ابوبکرؓ! کیا تم نے انھیں ناراض کردیا؟ تم جانتے نہیں، جو سلمانؓ، بلالؓ اور صہیبؓ کو ناراض کردیگا اللہ اس سے ناراض ہوجائے گا۔" یہ سنتے ہی ابوبکرؓ واپس گئے اور ان سے ملے۔ کہا "کیا آپ لوگ مجھ سے ناراض ہیں؟" سب نے کہا "نہیں" تو ابوبکرؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر بات اِن ہی بزرگوں تک نہیں۔ حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو کون نہیں جانتا کہ غلام اور غلام زادہ تھے لیکن جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے انہی باپ بیٹے کو یکے بعد دیگرے اسلامی افواج کا سالار اعظم بنا کر شام کی طرف

بھیجا تو اُن کی ماتحتی میں فاروق اعظم حضرت عمرؓ تھے، امین الامت حضرت عبیدہ بن جراحؓ تھے حواریٔ رسول حضرت زبیرؓ تھے، حضرت علیؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیارؓ تھے، تاریخ اسلام کے عظیم جنرل حضرت خالدؓ بن ولید تھے۔ ایسے جیسے عظیم صحابہؓ گھوڑوں پر سوار اپنے امیر لشکر کے چشم و ابرو کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اشارہ ہو اور دشمن پر ٹوٹ پڑیں۔

لطیفہ:- مشہور لطیفہ ہے۔ ایک عباسی خلیفہ نے اپنے زمانے کے مشہور فقیہہ سے اماموں، محدثوں اور فقیہوں کے نام پوچھے۔ فقیہہ جانتا تھا کہ خلیفہ نسلی عصبیت میں مبتلا ہے۔ انھوں نے امام مالکؒ سے لے کر قدوری تک سب کے نام گنائے اور اس طرح کہ نام کے ساتھ اُن کی نسل اور پیشے کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ فلاں غلام، فلاں غلام زادہ، فلاں جولاہا، فلاں دھوبی، فلاں کمہار وغیرہ۔ خلیفہ سنتا رہا، ضبط نہ ہوا۔ بولا "کم بخت! کیا ان میں کوئی ہاشمی نہیں تھا؟" فقیہہ نے امام شافعیؒ کا نام قصداً نہیں لیا تھا۔ خلیفہ کے پوچھنے پر بتایا کہ "ہاں، ایک، صرف ایک۔" پوچھا "کون؟" بتایا "امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ۔" لطیفہ پورا ہو گیا لیکن اس کا کلائمکس خلیفہ کا وہ فقرہ ہے جو اُس نے آخر میں کہا کہ "اگر اس فہرست میں کوئی ہاشمی نہ ہوتا تو میں زہر کھا کر مر جاتا۔" دیکھا آپ نے یہ وہی ابوجہلی اور ابولہبی پندار ہے۔ ابوجہل کہا کرتا تھا کہ میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو جھوٹا نہیں کہتا لیکن اسلامی اجتماعیت میں شامل ہو کر یہ نہیں برداشت کر سکتا کہ بلال حبشیؓ کا ٹخنہ میرے ٹخنے سے چھو جائے۔ ابولہب کی سنئے، اُس نے ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "اگر میں تمہارے دین کو مان لوں تو مجھے کیا ملے گا؟" آپؐ نے فرمایا "جو اور سب ایمان رکھنے والوں کو ملے گا۔" اس نے بڑے تعجب کے ساتھ کہا "میرے لئے (یعنی نبی کے چچا کے لئے) بھی کوئی امتیازی شان نہیں!" حضورؐ نے فرمایا "اور آپ کیا چاہتے ہیں؟" اس پر وہ جھنجھلا کر بولا "ناس جائے۔ ناس جائے اس دین کا جس میں میں (نبی کا چچا) اور یہ دوسرے لوگ برابر ہوں۔"

قرآن کریم کی آیات لکھ کر مضمون کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔ کثرت سے ایسی آیتیں ہیں جن

کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے۔" (مشکوٰۃ)

"اللہ تمہاری شکل و صورت اور تمہارے مال کو نہ دیکھے گا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھے گا۔" (مسلم)

- حضرت عمرو بن عبسہ رضؓ فرماتے ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "ایمان نام ہے صبر اور سماحت کا۔" (مسلم)
- جس نے اللہ کے لئے دوستی کی اور اللہ کے لئے دشمنی کی اور اللہ کے لئے دیا اور اللہ کے لئے روک رکھا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کیا۔" (بخاری)
- ایمان کا مزہ چکھا اس شخص نے جو اللہ کو اپنا رب بنا کر اور اسلام کو اپنا دین مان کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول تسلیم کر کے خوش ہو گیا۔" (بخاری و مسلم)
- کوئی شخص (مطلوبہ درجہ کا) مومن نہیں ہو سکتا جب تک اُس کا ارادہ اور اُس کے نفس کا میلان میری لائی ہوئی (کتاب، قرآن) کے تابع نہیں ہو جاتا۔" (مشکوٰۃ)
- میں نے جہنم کی آگ سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں دیکھی کہ جس سے بھاگنے والا سو رہا ہے اور جنت سے زیادہ عمدہ چیز نہیں دیکھی کہ جس کا چاہنے والا سو رہا ہے"۔ (ترمذی شریف)
- جہنم کو لذتوں اور نفس کی خواہشوں سے گھیر دیا گیا ہے اور جنت کو سختیوں اور مشقتوں سے گھیر دیا گیا ہے۔" (بخاری و مسلم)
- جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا اور دنیا کے سر و سامان سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

اسلامی اجتماعیت کی تعمیر

افراد کی شانِ ترکیب

اسلامی ذہن رکھنے والے افراد کے آپس میں مل جانے سے اسلامی اجتماعیت وجود میں آتی ہے۔ پھر اس کی مثال ایک بڑے دریا جیسی ہو جاتی ہے جس میں اور بہت سے معاون دریا آکر ملتے ہیں یہ معاون دریا جب تک اس بڑے دریا سے نہیں ملتے اس وقت تک اپنے نام سے پکارے جاتے ہیں جیسے ستلج، راوی، بیاس، چناب لیکن جب یہی دریا بڑے دریائے سندھ سے جا ملتے ہیں تو ان کی پہلی حیثیت نہیں رہتی۔ وہ دریائے سندھ کا جزو بن جاتے ہیں اور اب ان کا پانی پہچاننا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دریائے جمنا، رام گنگا، گومتی وغیرہ جب تک دریائے گنگا سے نہیں ملتے اس وقت تک جمنا، رام گنگا اور گومتی کے نام سے پکارے جاتے ہیں لیکن جب دریائے گنگا میں آگرتے ہیں تو وہ گنگا ہی ہو جاتے ہیں۔ ہاں ان معاون دریاؤں کا پانی اس بڑے دریا سے مل کر اس کی عظمت کو بڑھاتا رہتا ہے۔

اسلامی جماعت میں افراد کا ملنا بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ کوئی آزاد، کوئی غلام، کوئی گورا، کوئی کالا

وفاداری کی ہے اور اس کے مطیع فرمان بن کر رہے ہیں ان سے "حساب سر" یعنی ہلکا حساب لیا جائے گا، ان کی خدمات کے مقابلے میں ان کی خطاؤں سے درگذر کیا جائے گا۔ اور ان کے مجموعی طرز عمل کی بھلائی کو ملحوظ رکھ کر ان کی بہت سی کوتاہیوں سے صرف نظر کیا جائے گا۔ اس کی مزید توضیح اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عائشہ رضؓ سے ابوداؤد میں مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے نزدیک اللہ کی کتاب کی سب سے زیادہ خوفناک آیت وہ ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ

مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءً یُّجۡزَ بِہٖ "جو شخص کوئی برائی کرےگا وہ اسکی سزا پائیگا"

اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ عائشہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا کے مطیع فرمان بندے کو دنیا میں جو تکلیف بھی پہنچتی ہے حتیٰ کہ اگر کوئی کانٹا بھی اس کو چبھتا ہے تو اللہ اسے اس کے کسی نہ کسی قصور کی سزا قرار دے کر دنیا ہی میں اس کا حساب صاف کر دیتا ہے؟ آخرت میں تو جس سے بھی محاسبہ ہوگا وہ سزا پاکر رہے گا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے کہ

فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا

"جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا"

حضورؐ نے جواب دیا، اس سے مراد ہے پیشی (یعنی اسکی بھلائیوں کے ساتھ اسکی برائیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ضرور ہونگی) مگر جس سے بازپرس ہوئی وہ تو بس سمجھ لو کہ مارا گیا"۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص اپنے وفادار اور فرمانبردار ملازم کی چھوٹی چھوٹی خطاؤں پر کبھی سخت گرفت نہیں کرتا بلکہ اس کے بڑے بڑے قصوروں کو بھی اس کی خدمات کے پیش نظر معاف کر دیتا ہے لیکن اگر کسی ملازم کی غداری و خیانت ثابت ہو جائے تو اس کی کوئی خدمت قابل لحاظ نہیں رہتی اور اسکے چھوٹے بڑے سب قصور شمار میں آجاتے ہیں۔

(ساجدہ فرزانہ صادق)

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے وزنی چیز جو قیامت کے دن مومن کی میزان (ترازو) میں رکھی جائے گی وہ اس کا حُسن اخلاق ہوگا اور اللہ اس شخص کو بہت ہی ناپسند کرتا ہے جو زبان سے بے حیائی کی بات نکالتا اور بدزبانی کرتا ہے۔" (ترمذی)

• رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم قیامت کے دن بدترین آدمی اُس شخص کو پاؤ گے جو دنیا میں دو چہرے رکھتا تھا، کچھ لوگوں سے ایک چہرے کے ساتھ ملتا تھا اور دوسرے لوگوں سے دوسرے چہرے کے ساتھ۔" (متفق علیہ)

• نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے دن بدترین حال میں وہ شخص ہوگا جس نے دوسروں کی دنیا بنانے کی خاطر اپنی آخرت برباد کر ڈالی۔" (مشکوٰۃ)

• حضرت عائشہ رض کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مُردوں کو بُرا بھلا نہ کہو اس لیے کہ وہ اپنے اعمال تک پہنچ چکے ہیں۔" (بخاری)

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ پر مٹی پھینکو۔" (مسلم)

• سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے، تو مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ کو وہ محبوب ہے جو اللہ کی عیال یعنی کمزوروں ناتوانو

کی بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی اجتماعیت کو ایک عالمی برادری بنا دیا نیز اپنے ارشادات اور عمل سے اس برادری میں وہ روح بھری کہ دنیا کے دوسرے دھرموں کے ماننے والے آج بھی اسلامی اجتماعیت کی مساوات کو دیکھ دیکھ کر اپنے دین کی پستی اور خفت کو محسوس کر رہے ہیں لیکن یہ انوکھی ستم ظریفی ہے کہ پدرم سلطان بود کے مقام کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔

اسلامی اجتماعیت کی شان تنظیم

جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کی گئی تو آپ نے نہ صرف یہ کہ اس اصل دین اسلام کو تازہ کیا جو حضرت آدم ؑ نے شروع کیا تھا اور نبیوں کے ذریعہ تازہ ہوتا چلا آرہا تھا بلکہ اس اسلامی اجتماعیت کو پھر سے منظم کیا جو پچھلے تمام انبیاء ؑ کے زمانے سے چلی آرہی تھی۔ اس اجتماعیت میں، جیسا کہ میں نے تمہید میں ایک مثال کے ذریعہ عرض کیا، مختلف قبیلوں، خاندانوں اور علاقوں سے نکل نکل کر جو لوگ شامل ہوتے رہے، آپ نے ان سب کو ایک دوسرے کا بھائی، ہمدرد، غمگسار، حامی اور مددگار بنا دیا۔ سب کی جان و مال اور عزت و آبرو کو برابر حرمت دی۔ سب کے حقوق و فرائض یکساں ٹھہرائے۔ کسی کے لئے کوئی امتیاز اور فرق نہ رکھا۔ پھر اسلامی اجتماعیت میں نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز۔ یہودی، عیسائی، ہندو، غلام اور اچھوت اس کے دربار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے۔ یہی چیز عرب اور ساری دنیا کے قبیلہ پرست اور ذات پات کے پجاریوں کے لئے قابل قبول نہ تھی اور نہ آج اسلامی اجتماعیت کے علاوہ کوئی اسے برداشت کرتا ہے۔

یہ اسلامی اجتماعیت ایسی نہ تھی کہ لوگ مسلمان ہو کر بس اللہ اللہ کریں، صرف نیک کام کریں اور محض اکرام مسلم کا خیال رکھیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس کا کام یہ بھی تھا کہ اس کا ہر فرد اسلام کی دعوت لے کر اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ نیک کام کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں سے بھی کہتا تھا کہ نیکیاں اپناؤ، برے کاموں سے بچنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو برائی سے روکنے لگتا تھا۔ یہ پوری کی پوری اسلامی اجتماعیت تمام قبیلوں اور قوموں میں سے چھانٹ کر اسی لئے نکالی گئی تھی کہ یہ اللہ کے بندوں کی اصلاح کرے۔ اگر

صرف نیکی کرنے اور اللہ اللہ کرنے تک بات ہوتی تو قریش اور اہل طائف نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں کو چومتے بلکہ حضورؐ کے نبی ہونے سے پہلے چومتے بھی تھے۔ لیکن یہ دوسری صورت کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں اور سب کی عزت و آبرو کو برابر حرمت حاصل ہے، قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔

شانِ تربیت

● حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ آپؐ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ایمان والوں کے گروہ (اسلامی اجتماعیت) کے ساتھ ایک مومن کا تعلق ویسا ہی ہے جیسا سر کے ساتھ جسم کا تعلق ہوتا ہے اور ایمان والوں کی ہر تکلیف کو اسی طرح محسوس کرتا ہے جس طرح سر جسم کے ہر حصے کا درد محسوس کرتا ہے۔

● حضرت نعمان بن بشیرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مومنوں کی مثال آپس کے رحم اور محبت اور ہمدردی کے معاملے میں ایک جسم کی سی ہے کہ اگر ایک عضو (انگ) میں کوئی تکلیف ہو تو سارا جسم اس کی خاطر بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

● حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا "اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا (بخاری، مسلم، ترمذی)۔ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے اس دیوار کی طرح ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔

● حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ "مومنوں کے خون برابر کی قیمت رکھتے ہیں اور دوسروں کے مقابلے میں وہ سب ایک ہاتھ کی طرح ہیں۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کی مدد سے باز رہتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی کسی حاجت کو پورا کرنے میں لگا ہوا ہوگا، اللہ اس کی حاجت کو پورا کرنے میں لگ جائے گا۔ اور جو مسلمان کسی مسلمان کو کسی مصیبت سے نکالے گا، اللہ تعالیٰ اُسے روز قیامت کی مصیبتوں سے نکال دے گا اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کے عیبوں کو چھپائے گا، اللہ قیامت کے دن اس کے عیبوں کو چھپائے گا۔"

سرمایہ ہے لیکن اس کے بعد جو اضافے ہوتے ہیں وہ اپنے اندر ارکانِ تحریک کے لئے ایک بڑا تربیتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب قرآن کی یہ گواہی موجود ہے کہ کان خُلقُہُ القرآن، تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپؐ کی خوبیوں کو کس ترتیب سے بیان کروں لیکن بہر حال اسوہ سے تربیت حاصل کرنے کے لئے بیان کرنا ضروری ہے اِس لئے سب سے پہلے میں آپؐ کے ایثار کا تذکرہ کروں گا۔

آغازِ نبوت سے پہلے آپؐ ایک نہایت کامیاب اور خوشحال تاجر تھے۔ ایک طرف ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کا مال تھا جو قریش کے مجموعی مال سے کم نہ تھا دوسری طرف آپؐ کی امانت داری، آپؐ کی ذہانت و فراست، حسنِ تدبّر اور راست بازی کی ساکھ تھی جس کا مقابلہ کوئی دوسرا تاجر نہ کر سکتا تھا۔ اگر کہیں تجارتی مال اور دماغی جمال یکجا ہو جائے تو اس کی ترقی کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے لیکن نبوت کے بعد وہ سارا مال کیا ہوا؟ اسلامی تاریخ کہتی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سارا مال اللہ کی راہ میں لگا دیا۔ آگے چل کر حالت یہ ہو گئی تھی کہ جب آپؐ دعوت و تبلیغ کے لئے طائف تشریف لے گئے تو آپؐ کے پاس سواری کے لئے کوئی دبلا اونٹ بھی نہ تھا۔ پھر جب آپؐ نے ہجرت کی تو پانچ سو درہم اپنے دوست ابوبکر صدیقؓ سے قرض لئے۔ پھر جب اسلامی ریاست کے سربراہ ہوئے تو ایسے "خوشحال" ہو گئے تھے بقول ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ مہینوں چولہا نہ جلتا تھا اور راتوں میں جلانے کے لئے چراغ میں تیل نہ ہوتا تھا۔ فرماتی ہیں کہ میرے محبوبؐ نے کبھی پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھایا۔

ظاہر ہے کہ ایثار و قربانی میں جب سربراہ کا یہ مقام ہو تو ہر دیکھنے والا اس بات کا قائل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں مخلص اور بے غرض ہے۔ سربراہ کے دشمن اور تحریک کے مخالف زبانوں سے کچھ بھی کہتے رہیں لیکن اُن کے دل جانتے ہوتے ہیں کہ وہ شخص کیسے مضبوط کردار کا آدمی ہے۔ یہی حال حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تھا یہی کردار حضرت عمر فاروقؓ کا تھا اور یہی سایہ دوسرے خلفاء اور صحابہؓ پر پڑا تھا۔

اس سلسلے میں ایک قصہ سناؤں۔ آپ جانتے ہیں کہ جنگِ یرموک میں بہت سے صحابہؓ اور مجاہدین شہید ہوئے تھے۔ ایک جنگ کے ختم پر ایک صاحب اپنے بھائی کو شہیدوں اور زخمیوں میں

تلاش کرتے کرتے پا گئے۔ بھائی زخمی پڑے تھے۔ پیاس کے مارے العطش العطش پکار رہے تھے۔ ان صاحب نے جھٹ مشکیزہ بھائی کے منھ سے لگا دیا۔ ابھی پانی کا گھونٹ لیا نہیں تھا کہ پاس سے دوسرا زخمی پکارا العطش۔ زخمی بھائی نے مشکیزے سے منھ ہٹا لیا اور کہا کہ "پہلے اُسے!" وہ صاحب دوڑ کر دوسرے آدمی کے پاس پہونچے اور اُس کے منھ سے مشکیزہ لگا دیا۔ اس نے بھی گھونٹ لیا نہیں تھا کہ ایک تیسرے زخمی نے العطش کی آواز نکالی۔ اس نے بھی مشکیزے سے منھ ہٹا لیا اور تیسرے زخمی کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس طرح یہ صاحب چار پانچ زخمیوں تک پہونچے۔ آخری زخمی کے پاس پہونچے تو وہ جاں بحق ہو چکا تھا وہ صاحب 'اناللہ' پڑھ کر چوتھے نمبر کے زخمی کے پاس پہونچے۔ اس کی جان بھی نکل چکی تھی۔ اس طرح جس کے پاس گئے وہ اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ یہ سب مر گئے لیکن ایثار و قربانی کی ایک داستان چھوڑ گئے۔

اِس دردناک منظر کو بیان کرنے کا مقصد رونا رلانا نہیں ہے بلکہ یہ عرض کرنا ہے کہ ایسے ایثار کرنے والے آپ سے آپ نہیں بن گئے تھے۔ انھوں نے رسول اللہؐ کا ایثار دیکھا تھا۔ انھوں نے ابوبکرؓ کا ایثار دیکھا تھا اور انھوں نے حضرت عمرؓ کے ایثار سے فیض حاصل کیا تھا۔ دنیا میں کوئی جماعت کبھی پھول پھل نہیں سکتی جس کے امیر و مامورین اس وصف سے خالی ہوں۔

۲ عزم

عزم ارادے کی اس پختگی کا نام ہے جسے مصیبتوں اور رکاوٹوں کا بڑے سے بڑا طوفان بھی شکست نہیں دے پاتا اور نہ اُسے کوئی خوف اپنی جگہ سے ہٹا سکتا ہے اور نہ بڑے سے بڑا لالچ ہی اُسے ڈانواڈول کر سکتا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے۔ وہ آپ کا پہاڑ جیسا ٹھوس اور محکم عزم ہی تو تھا جس سے ٹکرا کر مخالف قوتیں مایوس ہو گئیں۔ آپؐ کو امیر الملک بنانے کا لالچ دیا گیا۔ دولت اور عزتوں کا لالچ دیا گیا۔ پھر بری طرح ڈرایا، دھمکایا اور ستایا گیا لیکن وہ آپؐ کا عزم ہی تھا جس نے ہر مطالبہ کو روند کر رکھ دیا۔

ابوبکر صدیقؓ کا عزم ملاحظہ ہو۔ آپؓ کے عہد خلافت میں منکرین زکوٰۃ کا اختلاف

بجگہ خود بڑا

بنو اور رسول تم پر گواہ بنے۔

گواہ کے معنی یہ ہیں کہ امت مسلمہ کا ہر فرد زبان سے یہ گواہی دے کہ ہاں میں پورے یقین کے ساتھ وحدت الٰہ اور وحدت بنی آدم کی صداقت کو جانتا اور مانتا ہوں۔ اور اپنے عمل سے اس کا ثبوت بھی دے۔ قرآن سے جو ضابطۂ حیات ملا ہے اُسے پوری طاقت سے دنیا میں نافذ کرے اور اُس کے مقابلے میں موجود سے ہر طریقے کو مغلوب کر دے۔ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ کے یہی معنی ہیں۔

تیسرا لفظ "جماعت" ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو امت اور حزب کے معنی میں بہت زیادہ استعمال فرمایا ہے۔ اس کی جگہ قوم یا قوم سے ملتے جلتے الفاظ اسلامی اجتماعیت کے لئے کبھی استعمال نہیں کئے۔ آپ نے جب ارشاد فرمایا تو یہی کہا کہ جماعت کے ساتھ رہو۔ جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ قوم پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے یا قوم کے ساتھ رہو۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غیر اسلامی معاشرے سے الگ تھلگ اور قوم و وطن کے جذبات سے ہٹ کر اُمتِ مسلمہ یا حزب اللہ یا اسلامی جماعت کی تنظیم وحدت الٰہ اور وحدت بنی آدم کی بنیاد پر فرمائی۔ اس چیز کو قریش مکہ نے شروع ہی میں بھانپ لیا تھا۔ وہ سب اس پر بھڑک اٹھے اور اسے روکنے کے لئے انھوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا، یہاں تک کہ وہ مٹ گئے۔ آج بھی جہاں جہاں امت مسلمہ ۔۔۔ اسلامی جماعت وحدت الٰہ اور وحدت بنی آدم کی بنیاد پر بنتی ہے، خدائی کے ٹھیکیداروں اور قومیت وہ اپنے مقصد میں ۔۔۔ ہا سے اس کی ٹھنی ہوتی ہے اور یہ ٹکراؤ اُس وقت تک رہتا ہے جب تک اسلامی جماعت اور غیر اسلامی لیکن اُن کے دل پہ ۔۔۔ ے ایک ختم نہ ہو جائے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ مومن رہے۔ تمہارا یہی کردار

امیر اجتماعیت

مجاہد یوں شہید ار جو امت مسلمہ، جو حزب اللہ، جو اسلامی جماعت ایسے افراد سے بنے، ضرورت ہے کہ اس کے افراد ہیں۔ ویسے ہی بنے رہیں ۔۔۔ نہیں، بلکہ ان کے ایمان، ان کی خدائیت اور اخوت میں اضافہ

ہوتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ان کی ایک تنظیم ہو اور اس تنظیم کا ایک قائد و نگراں ہو۔ اسلام کے اصولوں کی رو سے اگر دنیا میں کہیں الجماعۃ قائم ہو اور وہ اسلامی اصولوں کے مطابق ریاست میں اسلامی قانون نافذ کر رہی ہو تو اس کے قائد اور نگراں کو امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین کہا جائیگا لیکن اگر الجماعۃ نہیں بلکہ الجماعۃ کی طرح دنیا میں بہت سی جماعتیں اپنی اپنی جگہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کی کوشش میں لگی ہوں تو ان کے قائدین کو امیر الجماعۃ نہیں، صرف امیر جماعت کہا جائے گا۔ آج کل ہمارے ملک میں، ہمارے پڑوسی ملک پاکستان میں اور دوسرے ملکوں ترکی، انڈونیشیا، سری لنکا اور مصر وغیرہ میں جہاں جہاں غلبۂ اسلام کی تحریکیں اور تنظیمیں موجود ہیں سب نے اپنے قائد کو مرشد عام یا امیر جماعت اسلامی یا اپنی مقامی زبان میں اس کے ہم معنی نام دے رکھے ہیں۔ یہ امیر جماعت تنظیم کے افراد میں سے ایک فرد ہوتا ہے۔ تمام افراد اپنے میں سے سب سے بہتر فرد کو اپنا سربراہ بنا لیتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کسی ایک خصوصیت میں بعض افرادِ جماعت اس سربراہ سے بڑھ کر ہوں لیکن اپنے ایمان، اپنے عزم، اپنے کردار، اپنی سوجھ بوجھ، اصابت رائے، اسلامی تڑپ، تدبر، فراست اور نظم و نسق کی صلاحیت کے اعتبار سے مطلب یہ کہ مجموعی حیثیت میں، سب پر فوقیت رکھتا ہے۔

امیر کی خصوصیات

ایسے امیر جماعت کے سامنے تنظیم کے نصب العین تک پہونچنے کے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوہ سامنے ہوتا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا مبارک اسوہ کیا ہے، وہ سب کا سب میں بیان نہ کرسکوں گا اور نہ آپؐ کے کردار کا احاطہ کرسکوں گا۔ جسے یہ دیکھنا ہو وہ شمائل اٹھا کر دیکھ لے یا پھر احادیث کا مطالعہ کرے۔ میں صرف چند خصوصیات بطور نمونہ پیش کروں گا۔ مثلاً:۔

① **ایثار** کسی تنظیم یا تحریک کی ابتدا اگر ایک پیرو رسولؐ کی رہنمائی میں ہو تو یہ اپنی جگہ خود بڑا

یہ میں نے چند حدیثوں کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ ایسی حدیثیں جن میں مسلمانوں کو ایک دوسرے سے جڑنے کی تربیت دی گئی ہے، سیکڑوں ہیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا تھا، ایسی مضبوط دیوار جس سے ٹکرا کر باطل اپنا ہی سر پھوڑ لیتا تھا۔ صحابہؓ میں ذرا کسی کو تکلیف ہوتی تو وہ سب بے چین ہو جاتے تھے۔ مثال میں اگر میں صحابہؓ کو پیش کروں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تو صحابہ کرامؓ ہیں۔ انھیں تو اللہ کے آخری نبیؐ نے تربیت دی تھی۔ تو میں ان میں سے کسی کی مثال پیش نہیں کروں گا۔ میں تو ایک بہت بعد کے ایسے شخص کی مثال پیش کرتا ہوں جو ایک سخت گیر شخص ہوا ہے اور اسلامی تاریخ میں ظالم کہا جاتا ہے۔ جی ہاں! میں حجاج بن یوسف کا واقعہ پیش کرتا ہوں۔

مشہور حادثہ ہے کہ لنکا سے کچھ مسلمان حج کے لئے چلے۔ اُن کا جہاز سندھ کے پاس آیا تو سندھی ڈاکوؤں نے انھیں لوٹ لیا اور ایک عورت کو پکڑ کر لے چلے کہ اُسے راجہ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ عورت نے حجاج بن یوسف کا نام لے کر دہائی دی۔ لٹے پٹے اور بچے بچائے لوگوں نے جب حجاج بن یوسف سے سارا واقعہ بیان کیا اور دُہائی کی پکار کے الفاظ دہرائے تو حجاج پکار اٹھا "لبیک، لبیک۔ ابھی آیا، ابھی آیا"۔

اس کے بعد ایک لشکر ترتیب دیا، اس لشکر کا سپہ سالار اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو بنایا اور یہ کہہ کر سندھ کی طرف روانہ کر دیا کہ جب تک عورت کو حاصل نہ کر لینا، واپس آکر مجھے منھ نہ دکھانا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم اور سندھ کے راجہ داہر میں وہ گھمسان کے رن پڑے کہ زمین تھرتھرا گئی لیکن جب تک محمد بن قاسم نے عورت کو حاصل نہ کر لیا، اپنی تلوار میان میں نہ کی۔

آج ہمیں بھی دعویٰ ہے کہ ہم بھی اسلامی اجتماعیت کے ایک فرد ہیں۔ تف ہے اسلامی اجتماعیت کے اس فرد پر جو حجاج بن یوسف کو ظالم کہے اور اسلامی اجتماعیت کے ہزاروں افراد کو کھیرے ککڑی کی طرح کٹتا ہوا اور اُن کی آبرو کو لٹتا ہوا دیکھے اور اطمینان سے گھر میں بیٹھا رہے

اسلامی اجتماعیت کے اسلامی نام

قرآن کریم میں اسلامی اجتماعیت کے لئے کئی نام آئے ہیں۔ ان میں سے ایک "حزب اللہ" ہے۔ حزب کا اردو ترجمہ "پارٹی" ہے۔ "پارٹی" کے بارے میں ہم آپ جانتے ہیں کہ وہ ایک اصول کے تحت بنائی جاتی ہے۔ قرآن اس پارٹی کو حزب اللہ کہتا ہے جو وحدت الٰہ اور وحدت بنی آدم کے اصول پر مبنی ہے اور "حزب الشیطان" اس پارٹی کو جو شرک و کفر، قوم و وطن، نسل و رنگ اور چھوت چھات کے اصولوں پر بنائی جاتی ہے۔

اسلامی اجتماعیت کے لئے قرآن نے دوسرا لفظ اُمّت استعمال کیا ہے۔ لفظ امت حزب سے زیادہ مضبوط اور ٹھوس خصوصیات اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ لفظ سورہ بقرہ ۱۲۸۔۱۴۳ میں اور آل عمران ۱۰۴۔۱۱۰ میں آیا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے لفظ امت اپنے ارشادات میں بہت ہی بار استعمال کیا ہے۔ امت مسلمہ اس جماعت کو کہتے ہیں جو اللہ کے حکموں کو دنیا میں نافذ کرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ آل عمران ۱۱۰ ملاحظہ ہو۔ فرمایا:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ط

تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے (یعنے لوگوں کو صرف اللہ کا بندہ بنانے کے لئے تمام انسانوں میں سے چھانٹ کر) نکالا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو۔ برائی سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

سورہ بقرہ ۱۴۳ میں ہے:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر وحدت الٰہ اور وحدت بنی آدم کے گواہ

میں موضوعِ بحث بن گیا۔ اس سلسلے میں ابوبکرؓ کا..... جواب یہ تھا کہ خدا کی قسم جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جانور کو باندھنے کے لائق رسّی دیتا تھا، اگر وہ وہ رسّی دینے سے بھی انکار کریگا تو میں اکیلا ایسے تمام منکرین زکوٰۃ سے جہاد کروں گا چاہے میرے جسم کا گوشت پرندے نوچ کھائیں۔ پھر کیا ہوا۔ آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ ابوبکرؓ کے عزم ویقین اور دلائل کے سامنے تمام صحابہؓ نے سر تسلیم خم کردیا اور پھر منکرین زکوٰۃ کی ساری اینٹھ اور اکڑ نکال کر رکھ دی گئی۔ حضرت عمرؓ کے عزم سے قیصر وکسریٰ جیسی طاقتیں ٹکرائیں لیکن وہ بھی پاش پاش ہو کر رہ گئیں۔

ایمرجنسی کے زمانے میں ایک مخلص نے امیر جماعتِ اسلامی کو مشورہ پہونچایا کہ اب جبکہ حکومت نے جماعت پر پابندی لگادی ہے تو عقلمندی یہ ہے کہ آپ بھی جماعت کو توڑنے کا اعلان کردیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ تمام رفقاء رہا ہو جائیں گے اور جماعت کی پراپرٹی بحال ہو جائے گی۔ ....

..........مولانا کو جیل میں جب یہ مشورہ پہونچایا گیا تو انھوں نے اس مخلص پر برہمی کا اظہار کیا اور اس کی ہمدردی کا شکریہ بھی ادا نہ کیا۔ اسی عزم کا سایہ جماعت اسلامی ہند کے تمام گرفتار رفقا پر پڑا تھا۔ جس کی بدولت وہ سارے مصائب بڑی خندہ جبینی کے ساتھ جھیل لے گئے جو سامنے آئے اور یہی وہ قوت تھی کہ گرفتار شدگان کے گھر والے بھی ثابت قدم رہے۔

۴ شجاعت اور بہادری

جماعت کے سربراہ کے لئے ضروری ہے کہ اس میں شجاعت اور بہادری بھی بدرجہ اتم موجود ہو۔ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان دو حصوں میں بٹا تو ہندوستان کے مسلمانوں کو ورثے میں خوف و ہراس ملا۔ جان ومال کی بربادی ملی۔ بے سہارا ہونے کی دولت نصیب ہوئی۔ انتشار ذہن وفکر کا سرمایہ حصے میں آیا۔ اس وقت کے اخبار و رسائل اپنے مضامین کے پروپیگنڈوں اور خبروں سے مزید ہراساں کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے اخبار و رسائل بھی اکثریت کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ ہندوستان کی جماعت اسلامی بھی دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ جماعت اسلامی پاکستان

فوراً اپنا امیر جماعت بنالیا۔ بھارت کی جماعت کے رفقاء انتشار اور افراتفری میں پھنسے تھے کہ اب کیا کریں۔ پھر انھوں نے جو کچھ کیا اس میں پہلا کام یہ تھا کہ انھوں نے اپنا امیر جماعت چنا۔ اس کے بعد جماعتِ اسلامی کے پلیٹ فارم سے پہلی آواز جو بھارت میں گونجی وہ یہ تھی "اے بھارت کے مسلمانو! تم بے سہارا نہیں ہو۔ اللہ تمہارا مالک اور مولا ہے۔ قانون نے تم کو یہ اور یہ حق دئے ہیں۔ تم اس قانون کے تحت پُرامن طور پر لڑو اور اپنا حق لو"

اس وقت یہ آواز بالکل نامانوس اور عجیب تھی۔ نامانوس اور عجیب ہی نہیں، مصلحت کے بھی خلاف تھی۔ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ دینا تھا۔ آبیل مجھے مار کے مصداق تھی۔ اپنوں نے کہا کہ جماعتِ اسلامی کی یہ بات مصلحتِ وقت کے خلاف ہے۔ اسے واپس لیا جائے۔ اسی کو غیروں نے فرقہ پرستی کہہ کر اچھالا لیکن جماعتِ اسلامی کے امیر اور پھر اس کے نقیبوں نے بڑھ بڑھ کر اپنوں اور بیگانوں میں یہی تقریر کی۔ اخباروں میں یہی بیانات دئے۔ پریس نمائندوں سے بھی یہی بات کہی۔

پھر ہم نے دیکھا کہ جماعتِ اسلامی کے امیر اور جماعت والوں کی دیکھا دیکھی مسلم پریسوں کا رویہ بدلا۔ اور اب دیکھئے۔ وہ لفظ، وہ فقرے، وہ اصطلاحات جو جماعتِ اسلامی کی دین ہیں، دوسرے اخباروں والے استعمال کرنے لگے اور جماعتِ اسلامی ہند کے آدھار پر دوسرے لوگ بھی تقریریں کرنے لگے۔ اب آپ اپنے ملک میں ہر پڑھے لکھے آدمی سے سن لیجئے کہ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ اسلام صرف نماز روزے کا نام نہیں ہے بلکہ ادخلوا فی السلم کافۃ۔ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ حاکمیت اللہ کے لئے ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ اللہ کا ہے۔ یہ جملے اور دستور جماعت اسلامی کے یہ ثقیل فقرے "مستقل بالذات پیشوائی، اقامتِ دین، فرد کا ارتقاء، معاشرے کی تعمیر، ریاست کی تشکیل، کفر بالطاغوت، اطاعت فی المعروف" یہ اور ایسے سارے الفاظ جو کبھی بور کر دینے والے تھے، آج سب کی زبانوں پر ہیں۔ یہ سب امیر جماعت اسلامی اور ارکان جماعت اسلامی کی شجاعت اور بہادری کی بدولت عوام میں سُنے جاتے ہیں۔

کسی تحریک کے لئے اس کے رہنما کا نڈر اور بے خوف اور بہادر ہونا ایک بڑا اہم وصف ہے۔ رہنما کی بزدلی اور آزمائش کے موقع پر اس کی ذرا سی کمزوری تحریک کو لے ڈوبتی ہے۔

④ عالی ظرفی

عالی ظرفی قرآن کے لفظ 'حلیم' کا ترجمہ ہے جسے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب موضح القرآن نے حروف کا بڑا پیارا لباس دیا ہے یعنی 'سمائی والا'، اور اکبر الہ آبادی نے شعر میں اس طرح اس کے معنی سمجھائے ہیں: کہتے ہیں کہ :۔

پختہ طبعوں پر حوادث کا اثر ہوتا نہیں
کوہساروں پر نشانِ نقش پا ملتا نہیں

صبر و تحمل، ضبط و قوت برداشت، بردباری، سنجیدگی، گمبھیرتا، متانت سب عالی ظرفی کی اولاد ہیں۔ دشمن کی رکیک سے رکیک حرکت پر آپے سے باہر نہ ہو جانا، گالی کا جواب گالی سے نہ دینا، کسی کی بدزبانی یا بیہودہ الزام کے جواب میں بھی تہذیب سے گری ہوئی بات نہ کہنا، برائی کا جواب بھلائی سے دینا، شریر لوگوں کے درمیان سے سلام کرتے ہوئے نکل جانا' یہ سارے اوصاف حلم اور عالی ظرفی کی دین ہیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں یہ سارے اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ اسلامی جماعتوں کے تمام امراء یہ اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے حضورؐ ہی کا اسوہ سامنے رکھتے ہیں اور اپنے رفقاء کی تربیت اسی نہج پر کرتے ہیں۔

ہمارے ملک میں اس سلسلے میں جماعت اسلامی ہی کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ اس کے خلاف کیا کچھ نہ کہا گیا۔ اس کے خلاف تہمتوں کا ایک طوفان برپا کیا گیا، جھوٹ کا طومار باندھا گیا، برادرانِ وطن میں سے شرپسندوں نے اس کو نشانہ بنایا، مسلمانوں کی ایک خاص جماعت آئے دن اسے کچوکے لگاتی رہتی ہے۔ اہل اقتدار کی ایک پروردہ پارٹی اسے ختم کر دینے پر تلی ہے لیکن جماعت اسلامی کی طرف سے جیسے سنجیدہ اور مہذب جواب دئے گئے اُن کی شرافت گواہ ہے کہ اس جماعت سے بڑھ کر

عالی ظرف دوسری جماعت نہیں۔

۵ قول وعمل میں مطابقت

قول وعمل کی مطابقت وہ جوہر ہے کہ اگر امیر جماعت تو امیر جماعت، کسی رکن جماعت میں یہ چیز نہ ہو تو پوری جماعت بدنام اور مذموم ہو جاتی ہے۔ لِمَ تقولون ما لا تفعلون۔ تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں یہ قرآن کی سخت ترین تنبیہہ ہے۔ لوگ خود را فضیحت دیگراں را نصیحت والے شخص کے پاس نہیں پھٹکتے، کجا کہ اس کے قریب ہوں۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پایا جاتا ہے کہ جو شخص جس قدر آپؐ سے قریب ہوتا تھا اسی قدر آپؐ کا گرویدہ ہوتا جاتا تھا۔ کسی تنظیم کا امیر اسی اسوہ کی روشنی میں اپنے قول وعمل میں جتنی مطابقت پیدا کرتا ہے اس کے مامورین میں یہ جذبہ اتنا ہی ابھرتا ہے۔ تحریک اسلامی کی رہنمائی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے قول وعمل میں تضاد نہ پایا جاتا ہو اور اس کے اندر محض زبانی جمع خرچ نہ ہو۔ ہم آپ سب جانتے ہیں کہ خاکسار تحریک علامہ مشرقی کے قول وعمل کے تضاد کی نذر ہو گئی۔ میں نے دیکھا کہ لکھنؤ کے چار باغ اسٹیشن پر جب خاکساروں پر لاٹھی چارج ہو رہا تھا، اس وقت علامہ مشرقی صاحب جیل میں اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ انھیں اعلیٰ کلاس ملنا چاہیئے۔ یہ تو میں نے ایک مثال دی ورنہ خاکسار تحریک پر ہی منحصر نہیں، جس جماعت کے امیر میں یہ خامی ہوگی وہ جماعت پنپ نہیں سکتی۔

۶ تعصّب سے بری ہو (حُسنِ ذاتی)

ہر تحریک کے رہنما کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح کے تعصب سے اپنی زندگی کو پاک رکھے۔ خاندان کی برتری، قوم کی عظمت، وطن اور زبان کی لطافت، رنگ ونسل کی نزاکت اور ذات پات کی شرافت، ہر ایسے کبر کو اپنے پاؤں سے روند ڈالے۔ دراصل یہ اتنا بڑا بت ہے جو آج تک کسی کے توڑے نہ ٹوٹ سکا۔ ہاں ہندوستان کی ایک جماعت نے

اس بت کو توڑنے میں ضرور کامیاب ہوئی۔ اور اس کا نام ہے جماعت اسلامی ہند۔

لٹریچر

افراد اور امیر جماعت کے بعد اسلامی تنظیم کا عظیم ترین سرمایہ اس کا اپنا لٹریچر ہوتا ہے جو تنظیم کی تعمیر میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ اسلامی تنظیم کا اصل لٹریچر قرآن و احادیث ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر قرآن تربیتی ترتیب کے ساتھ اور حالات کے پس منظر کے ساتھ ساتھ نازل ہو رہا تھا۔ آپ صحابہؓ کے سامنے اس کی وضاحت فرماتے تھے۔ اگر آج کوئی قرآن کی تنزیل اور حضورؐ جو اسلامی تنظیم فرما رہے تھے دونوں کا مطالعہ کرے تو اُسے محسوس ہوگا کہ اسلامی تنظیم کے عین متوازی اسلامی لٹریچر نازل ہو رہا تھا۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا تھا کہ مسلمان ہونے والوں کی روحانی تسکین اور اخلاقی تربیت ہوتی جا رہی تھی۔ قریش مسلمانوں پر جو اعتراض کرتے، اسلامی لٹریچر یعنی قرآن اسی وقت ٹھوس دلائل کے ساتھ اعتراض کی دھجیاں اُدھیڑ کر رکھ دیتا۔ پھر ایسا بھی نہ تھا کہ اسلامی لٹریچر کسی بھونڈے طریقے سے منظر عام پر آ رہا تھا۔ نہیں، عرب کے لوگ فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان کے عاشق تھے۔ یہی عشق اُن کو عکاظ جیسے میلوں میں شعراء اور ادباء کا کلام سُننے کے لئے کھینچ لے جاتا تھا۔ مگر قرآن سُن کر اُن کی نگاہوں میں بڑے بڑے زبان آور بونے ہوگئے۔ بڑے بڑے شاعروں اور خطیبوں کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔ قرآن کا بیان ایسا وجد آفریں تھا کہ لوگ اس کو سُن کر سر دھنتے تھے۔ مخالفین اسے سحر (جادو) کہتے۔ لیکن غیر متعصب لوگ پکار اُٹھتے "ما هذا قول البشر۔ یہ آدمی کا کلام نہیں ہو سکتا"۔ اس کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمرؓ جیسے سخت آدمی کا دل اس نے پگھلا دیا۔ عتبہ جیسے دشمنِ اسلام نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے آیاتِ قرآنی سُنیں تو اُس کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ ابوجہل اور ابوسفیان جیسے مخالف ایک طرف لوگوں کو منع کرتے کہ قرآن مت سنو، دوسری طرف خود چھپ چھپ کر قرآن سُنا کرتے۔ اس انتہائی موثر لٹریچر کے ذریعہ شرک اور جاہلیت کے ایک ایک پہلو پر ایسی مدلل تنقید کی جاتی کہ کسی معقول آدمی کے لئے یہ ممکن نہیں

رہتا کہ اپنے آبائی دین کے عقائد، رسم و رواج اور اخلاقی برائیوں کے حق میں ایک بول بھی بول سکے۔ ساتھ ہی اس لٹریچر کے ذریعہ اعلیٰ ترین پیرایہ بیان میں اسلام کے عقاید، اس کی اخلاقی تعلیمات اور اس کے اصول و نظریات کو پیش کیا جاتا تھا جس کی روشنی میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضؓ کے ذہنوں کو سنوارتے اور اُن کے اعمال کو اسلامی سانچے میں ڈھالتے تھے۔ اس کے بعد قریش کے پاس ظلم وستم، جور و استبداد، گالی گلوچ اور جھوٹے پروپیگنڈے کے سوا کچھ نہ رہا۔ یہ اُن کی وہ ہار تھی جو وہ خود محسوس کرتے تھے۔

یہی سب آج کوئی محسوس کرنا اور دیکھنا چاہے تو اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی کے لٹریچر کا مطالعہ کر کے دیکھ لے۔ جماعتِ اسلامی نے اپنی تنظیم اور تحریکِ اسلامی کی رفتار کے ٹھیک متوازی اردوئے مبین میں ایسا لٹریچر پیش کیا کہ آج جماعتِ اسلامی کے مخالف تک اس کی فصاحت و بلاغت اور تاثیر کا اعتراف کرتے ہیں۔ مخالف علمائے عظام نے اعتراض کر کے اپنے سر دے دے مارے لیکن جماعتِ اسلامی کے لٹریچر کی ایک سطر کو بھی مجروح نہ کر سکے۔ بڑے بڑے مراقبہ کرنے والے اعلائے علیین تک گئے، وہاں سے بشارتیں لائے کہ جماعتِ اسلامی ضال و مضل ہے لیکن جماعت کے لٹریچر کے آگے اُن کی بشارتیں نشانِ جہل قرار پائیں۔ جتنا ہی اس لٹریچر کو جلایا گیا اُتنا ہی اس میں جلا پیدا ہوئی۔ جس درجہ اسے دبانے کی کوشش کی گئی اسی نسبت سے وہ اوپر اٹھا۔ بڑی بڑی جماعتوں نے جن کی دھاک دلوں پر بیٹھی تھی، اپنے پیروؤں سے کہا کہ جماعتِ اسلامی کا لٹریچر پڑھنا اور اس کا چھونا کفر و ضلالت ہے۔ خبردار، اس کے قریب نہ جانا ورنہ وہ تم کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ یہ بالکل وہی بات ہے جو حضورؐ کے زمانے میں قریش کے سردار کہا کرتے تھے۔ جو لوگ مکے میں آتے اُن سے کہا جاتا کہ یہاں ایک جادوگر پیدا ہو گیا ہے۔ اپنا بھلا چاہتے ہو تو اس کی آواز نہ سُننا مگر یہ ساری تدبیریں اس وقت بھی دھری کی دھری رہ گئیں اور آج بھی بیکار ثابت ہوئیں۔ جماعتِ اسلامی کا لٹریچر ہے کہ ابھرتا چلا آ رہا ہے۔ اس کا علمی اور بنیادی لٹریچر الگ، اس کا امدادی لٹریچر الگ، اس کے نصاب تعلیم کے مطابق اس کی نصابی کتابیں الگ اور اس کے مخصوص کتابوں کے تراجم الگ فروغ پا رہے ہیں۔ بچوں اور عورتوں کے لئے لٹریچر الگ بارش کی

طرح برس رہا ہے۔ لوگوں کے دل ہیں کہ اس کی طرف کھنچے چلے جارہے ہیں۔ کسی کے ہاتھ پکڑ کر اس طرف سے کوئی کھینچ لے تو یہ کامیاب کوشش نہیں۔ کسی کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دینا اچھی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ کسی کے پاس اس کا جواب کیا ہے کہ مرے خیال کو بیڑی پنہا نہیں سکتے۔

جماعتِ اسلامی اگر اپنی تنظیم کے متوازی لٹریچر پیش کرتی رہی تو تنظیم آگے بڑھتی رہے گی لیکن اگر اس نے اپنے افراد کو وقت کا لٹریچر نہ دیا تو اس کے افراد ٹھس ہو کر رہ جائیں گے۔ جب افراد ٹھس ہو جائیں گے تو جماعت میں فرشتے کہاں سے آئیں گے جنھیں وہ منظم کرے گی۔ اگر جماعتِ اسلامی منزل بمنزل ارکانِ جماعت کو لٹریچر دیتی رہی تو اس کا یہ وہ عظیم کارنامہ ہوگا کہ اس زمین کا ذرہ ذرہ اس کو دعا دے گا اور ملائکہ آسمانوں پر اُس کے لئے دعا کریں گے کہ اے اللہ! ان سے راضی ہو جا اور انھیں اپنی رضا کا گھر عنایت فرما! میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کی دعا قبول فرماتا ہے۔ ہم کو اور آپ کو ور کیا چاہئے۔ اللہ کی رضا ہی تو ہمارا مقصدِ اعلیٰ ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

غزل

مائل خیرآبادی

صحنِ چمن میں وہ جو ذرا مسکرا گئے — کانٹوں میں بھی تو پھولوں کے انداز آ گئے

پھر تو ہر ایک قبر مری چومنے لگا — کل وہ جو فاتحہ کو ذرا ہاتھ اُٹھا گئے

اک ہم راہ ڈھونڈ رہے ہیں اِدھر اُدھر — اک وہ ہیں خوش نصیب جو منزل کو پا گئے

اک سوز ناتمام ہے دل میں ترے بغیر — ہم کیا کہیں گے دہر میں کیا آئے کیا گئے

ان کو سلام راہِ وفا میں جو مر مٹے — ہم کو قدم جما کے وہ چلنا سکھا گئے

کیا پوچھتے ہو راہِ محبت میں کیا ہوا — ہم کیا، بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا گئے

مائل تو کس سے لایا ہے لکھوا کے یہ غزل

آج اس نشست میں ترے اشعار چھا گئے

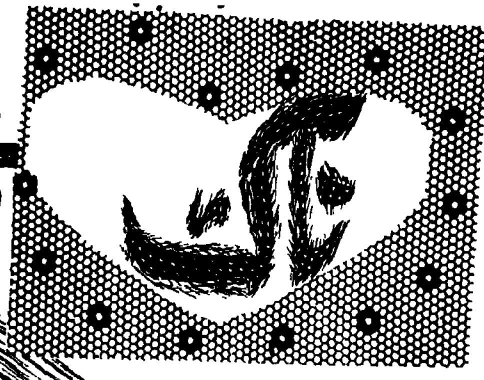
مرسلہ: خرم سندی بمبئی

مائیں توجہ فرمائیں

روبینہ فدا بٹ

"ارے مری کیوں جا رہی ہو۔ کہیں وہ چور تو نہیں ہے۔ بس یونہی اُس نے میز پر پڑا ہوا پین اٹھا لیا ہوگا۔ آخر بچہ ہی تو ہے۔ اور سب بچے چھوٹی چھوٹی چیزیں اٹھا ہی لیا کرتے ہیں۔" وہ اپنی پڑوسن سے جھگڑ رہی تھی۔ جس کے بچے نے اُن کے گھر میں بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے پین اٹھا لیا تھا۔ اور جب پڑوسن نے اِس کی شکایت کی تو وہ اپنے بچے کی طرفداری کرنے لگی اور پڑوسن سے جھگڑا شروع کر دیا۔ وہ بچہ پاس ہی کھڑا تھا جس نے پین اٹھایا تھا اور میں اکثر اوقات اُس کے متعلق سنتی تھی کہ وہ دوسروں کے گھروں میں کھیلتے ہوئے کوئی نہ کوئی چیز اٹھا لیتا ہے۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ بچے کو اس عادت کا شکار کرنے میں کس کا ہاتھ ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ماں اُس کی طرفداری کرتی ہے اور دوسروں کے گھروں سے کوئی چیز اٹھانے پر اُس کو ڈانٹتی نہیں، اُس کی سرزنش نہیں کرتی بلکہ اُلٹا اُسی کے سامنے شکایت کرنے والوں سے جھگڑا کرنا شروع کر دیتی ہے تو یہ بات بچے کی حوصلہ افزائی کا باعث نہ ہوگی تو اور کیا ہوگا

بچے کیوں بگڑتے ہیں، اِس کی ایک نمایاں وجہ ماں باپ کا وہ رویہ ہوتا ہے جس کے تحت وہ بچے کو بچہ سمجھتے رہتے ہیں اور اُس کی ہر چھوٹی بڑی غلطی کو نظر انداز کرتے رہتے ہیں۔ اگر ابتداء ہی سے بچوں کو کنٹرول نہ کیا جائے تو اولاد ایک مقام پر پہونچ کر بے قابو ہو جاتی ہے۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ باپ سارا دن فکر معاش میں لگا رہتا ہے اور اُسے فرصت نہیں ہوتی کہ اولاد کی طرف توجہ دے۔ اِس لئے یہ صرف ماں کا ہی فرض ہوتا ہے کہ وہ اولاد کی صحیح تربیت کرے ۔



چترسین شاستری

(ترجمہ ظفر قریشی)

اب دہلی کہاں ہے۔ دہلی جو دہلی تھی ختم ہوئی
ہر طرف نیا رنگ، نیا سماں، نئی چال ڈھال، نئے
اطوار، نئی عمارتیں۔ نئے رنگ روپ دکھائی دیتے
ہیں۔ ہر چیز پر مغرب کا سایہ پڑ رہا ہے۔ یہاں کی
خصوصیات ختم ہو چکی ہیں یا سسک رہی ہیں۔
جب سے یہ شہر حکومت ہند کا مرکز اور ہندوستان کا
دارالحکومت بنا ہے۔ اس کی کایا پلٹ ہو گئی ہے۔
ذرا شام ہو جائے تو دہلی کے چاندنی چوک
کی طرف چل کے دیکھیے۔ باہر کی عورتیں، جوان اور
عمر رسیدہ بھی باریک باریک دوپٹے اوڑھے شلواریں
پہنے، منہ کھولے، بے فکری اور بے حجابی سے مردوں
کے ساتھ گھومتی، کھوئے سے کھوا چھلتی اور کچالو
والے کے گرد بیٹھ کر کچالو کھاتی جا بجا نظر آئیں گی۔
اگر کہیں کوئی شادی بیاہ رچے تو پرانی وضع کے

جوہریوں کی کھڑکی دار پگڑیاں کچھ پرانے سروں پر
نظر آتی ہیں مگر پرانی وضع کی نیم آستینیں، انگرکھے
دہلی کے مشہور جوتے، دو پلی دو ماشے کی ٹوپی، نفیس
ململ باریک شربتی رنگ کے دوپٹے بھلا اب کہاں؟
خواب و خیال ہو گئیں یہ باتیں بڑے گھروں کی
للائنیں اب جڑاؤ زیوروں میں کہاں نظر آتی ہیں۔
جن کی بدولت دو ہزار سادہ کار اور سنار اپنی روزی
کمایا کرتے تھے اب تو باریک کریب کی فیشن ایبل
ساڑھیاں ہیں، سفید شربتی چادریں کہاں رکھی
ہیں؟ آستین کے بغیر جمپر جن کی وجہ سے نصف سینہ
عریاں رہتا ہے، اونچی ایڑی کے سینڈل پہنے
چاندنی چوک میں تیتریوں کی طرح اڑتی دکھائی دیتی
ہیں۔ یہ نظارے دیکھتے دیکھتے بھی آنکھیں پتھرا گئی ہیں۔
پردہ شکن عورتیں بہت کم ایسی ہوں گی جو

سلیقے، گھرداری اور مشرقی عورت کی خصوصیات سے متصف ہوں گی۔ اُن کی حالت تو ان کوؤں کی سی ہے جو موس کے پر لگا کر مور بننے کی کوشش کرتے ہیں دیکھ لو اُن کے چہرے پر پاؤڈر کی تہیں جمی ہوئی ہیں ہونٹوں پر گہرے گلابی رنگ کی پپڑیاں، تیز سینٹ میں ڈوبے ہوئے۔ چمکیلے بھڑکیلے رومال اور بالوں میں لگے ہوئے چمک دار ہیر پنوں (کانٹوں) سے لدی ہوئی دکھائی دیں گی۔ یہ میم بننے کی کوشش کرتی ہیں، نازک کلائیوں میں دتی کے فیشن کے سونے کے دست بندوں اور بے شمار چوڑیوں کے درمیان ایک نازک سی فیشن ایبل گھڑی اور اونچی ایڑی کا جوتا بہار دکھا رہا ہے۔

کوئی اڑتیس برس گذرے، چاندنی چوک میں جہاں اب دونوں طرف پیدل چلنے والوں کے لئے پٹریاں بنی ہوئی ہیں، وہاں سڑک تھی، معمولی کنکر کی ان پر بہلیاں، جھولیاں اور ریکے سرپٹ دوڑا کرتے تھے۔ دونوں وقت ان سڑکوں پر چھڑکاؤ ہوا کرتا تھا۔ آج کل بازار کے بیچ میں جہاں سیمنٹ کی پختہ سڑک ہے، وہاں نہر بہتی تھی اور پٹری بنی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں طرف سایہ دار درختوں کا سلسلہ تھا۔ جیٹھ بیساکھ کی چلچلاتی دھوپ میں وہاں سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آکر راہگیروں اور دکان داروں کے دل لُبھاتے تھے۔ پٹری پر خوانچے والے اپنی چھوٹی چھوٹی دکانیں لے سرکی کی چھتریاں لگائے بیٹھے رہا کرتے تھے۔ ان دکانداروں میں بساطی، ٹوپی والے، گھی کے سودے والے، دہی بڑے والے، چنے کی چاٹ والے، کچالو والے، پھل میوے والے وغیرہ ہوا کرتے تھے۔ ان میں بھی چھوٹے دکان دار اپنی ننھی ننھی دکانیں سجائے لگائے گھوم پھر کر سودا بیچا کرتے تھے۔ گھنٹہ گھر کے سامنے جہاں آج کل ملکہ وکٹوریا کا بُت رکھا وہاں سنگ سیاہ کا ایک ہاتھی کھڑا رہتا تھا جسے جیل رام کا ہاتھی کہا کرتے تھے۔

دہلی والوں کی زبان میں ایک خاص لوچ تھا۔ خوانچے والے طرح طرح کی دلکش آوازیں تھے اور اپنی سُریلی آوازوں اور شاعرانہ ترنم لبریز تعارفوں سے اپنا سودا بیچا کرتے تھے۔ ترکاریوں میں جو چیز پہلے آتی تھی دہلی کے شرفا روپے کی روپے بھر چیز کھانے والے خاندانی اسی شہر میں رہا کرتے، بھنڈی اور کریلے جب

روپے سیر بکتے تھے۔ آم کی کیریاں جب تک بارہ آنے
سیر فروخت ہوتیں دلی والے ان کا کھانا اپنی عزت
کے موافق سمجھتے تھے مگر جہاں اُن کی قیمت گھٹی کوئی
پوچھتا بھی نہ تھا۔

بیروں کے موسم میں لوگ بیر چھیل کران پر
چاندی کے نازک ورق لگاکر کھاتے تھے۔ لطافت
نزاکت اور جمالیاتی تصور جیسا دلی والوں کا تھا اب
ایک کہانی معلوم ہوتا ہے۔

مہینہ پھاگن کا شروع ہی ہوا ہوگا۔ سردی کم
ہوچلی تھی، بسنتی ہوا چل رہی تھی۔ بازار میں نرم نرم پتلی
پتلی ککڑیاں آچلی تھیں مگر مہنگی تھیں، اس لئے رئیس
لوگوں کے سوا بھلا اور کون کھا سکتا تھا۔

اسی موسم کا ذکر ہے کہ ایک جوان کنجڑا سر پر
نارنجی رنگ کا صافہ بے پروائی سے لپیٹے بدن پر تن
زیب کا ڈھیلا کرتا پہنے، گلے میں چھوٹا سا تعویذ کالے
ڈورے میں لٹکائے، آنکھوں میں سرمہ، منہ میں پان
ناگوری، کمر میں چار خانے کا تہمد اور پیروں میں —
پھول دار سلیم شاہی جوتی پہنے، ککڑیاں بیچتا ایک
ادائے مستانہ کے ساتھ اٹھلاتا ہوا بازار سے گزر رہا
تھا۔ اس کے ہاتھ میں جھاؤ کی ایک خوبصورت
ٹوکری تھی، گول اور پھیلی ہوئی۔ اس پر کیلے کے
ہرے بھرے پتوں اور گلاب کی نازک پنکھڑیوں
کے بیچ میں ننھی ننھی ککڑیاں رکھی تھیں۔ ادھر اُدھر
دیکھ کر ایک مستانہ ادا کے ساتھ ککڑیاں بیچنے والا
آواز لگاتا جا رہا تھا۔

"نازک سی ککڑیاں ہیں ⁛ لیلا کی انگلیاں ہیں
مجنوں کی پسلیاں ہیں ⁛ لے لو یہ ککڑیاں ہیں
نازک سی ککڑیاں ہیں"

پیچھے سے کسی نے آواز دی، "میاں ککڑی والے!
ذرا ادھر آنا!"

ککڑی والا اپنی آواز دہراتا ہوا لوٹا۔ آواز دینے
والا ایک کہار تھا وہ بوڑھا ہو چلا تھا۔ پکا رنگ، سفید
سفید مونچھیں، لٹھے کی مدری پہنے، دوپلی ٹوپی اور
چار خانے کا انگوچھا کندھے پر ڈالے بازار سے گزر
رہا تھا۔ ککڑی والے کو دیکھ کر بولا: "بس دو ہی ہیں؟"

ککڑی والا بولا: "ہاں صاحب، چار لایا تھا
یوں کہو کہ دو بک گئیں اور دو باقی ہیں۔ لینا ہو تو
چار آنے کا ایک دانہ ہے، لے لو، بھاؤ تاؤ کرنے کا
کام نہیں ہے، چونی نکالو۔"

بوڑھا کہار ابھی جواب نہ دینے پایا تھا کہ ایک

نوجوان قریب سے گزر رہا تھا۔ یہ بات سُن کر کڑک کر بولا۔ "ان کی اٹھنی لو اور ککڑیاں ہمیں دے دو۔"

یہ نوجوان بھی کہار تھا ابھی مسیں بھیگ رہی تھیں۔ اُس نے مسکرا کر بوڑھے کی طرف دیکھا اور اٹھنی ٹوکری میں پھینک دی۔ بوڑھے کہار نے ککڑی والے سے چمک کر کہا۔" دیکھو جی سودا ہم سے ہوا ہے۔ یہ ککڑیاں اگر لیں گے تو ہم لیں گے یہ رو روپیہ اُٹھاؤ، دونوں ککڑیاں ہمیں دو۔"

کنجڑا ذرا تعجب کرنے لگا۔ جوان کہار نے کہا "کوئی فکر نہیں ہم دو روپے دیں گے ان ککڑیوں کے۔"

"ہم پانچ دیتے ہیں۔"

"ہم دس دیں گے۔"

"یہ لو بیس روپے ککڑی تو ہم لے چکے۔"

"پچیس روپے، ککڑی ہم نے لے لی۔"

"یہ رہے تیس روپے۔"

نوجوان کہار کے ماتھے پر بل پڑ گئے اُس نے کہا۔" پچاس میں ہم خریدتے ہیں لاؤ ککڑیاں ادھر دو۔"

بوڑھے کہار نے نوجوان کی طرف تیز نظروں سے گھور کر کہا۔" سو روپے فی ککڑی دیتے ہیں۔ ککڑیاں لے لیں، دونوں ککڑیاں دوسو روپے میں۔"

جوان کہار نے بوڑھے کی طرف گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ بوڑھا بولا۔" اگر دم ہے تو ککڑیاں لے لو۔ بڑھاؤ دام، پانچ ہزار تک ککڑیاں میرے گھر جائیں گی۔"

اتنی دیر میں بہت سے لوگ چاروں طرف جمع ہو گئے اور یہ ماجرا دیکھنے لگے نوجوان خجل اور شرمندہ ہو کر سر جھکا کر ایک طرف چل دیا۔ سینکڑوں لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا۔" واہ بھائی مہرا، کیوں نہ ہو۔ آخر تو کسی اچھے خاندان کے نوکر ہو۔ کسی اونچے گھرانے کے ہو دلی کی ناک ہے شاباش، تم نے لاج رکھ لی۔"

بوڑھے کہار نے کمر سے روپے کھول کر گن دیے اور اس طرح اکڑتا ہوا اپنے مالک کے مکان کی طرف چل دیا گویا وہ تنہا کوئی سلطنت فتح کر کے آرہا ہے

کہار نے اپنے مالک لالہ جگت نرائن کے سامنے جا کر پھولوں پھلوں کے پتوں میں لپٹی ہوئی ککڑیاں رکھ دیں۔ شام ہو چلی تھی۔ لالہ جی نے پوچھا کیا دو ہی ملیں؟"

کہار نے عرض کیا۔ جی ہاں سرکار! بازار میں بس یہی دو ککڑیاں تھیں جو آپ کے غلام نے دوسو لیے

میں خریدی ہیں۔"

اس کے بعد اس نے اپنے مالک کو سارا واقعہ
سُنایا۔ لالہ جگت نرائن نے کچھ دیر سوچا اور پھر اپنے گلے
سے سونے کا توڑا اُتار کر بوڑھے کہار کے گلے میں
ڈال دیا اور اس کے پنڈے سے دو شالا لپیٹ کر خود
بھی اس کے گلے سے لپٹ گئے۔

لالہ جی نے خوشی سے بھرے ہوئے لہجے اور
مسرت کے آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھوں
کے ساتھ بوڑھے کہار کو دیکھتے ہوئے خطاب کیا۔
"شاباش رام دین تم نے بازار میں میری لاج رکھ لی۔"

اس کے بعد انھوں نے چاندی کی طشتری
میں لکڑیاں گلاب کی پنکھڑیوں میں رکھ کر اوپر سے
کمخواب کا رومال ڈال کر کہا۔ "جاؤ لالہ شیو پرشاد جی
سے میرا جے گوپال کہنا۔ پھر کہنا کہ آپ کے خادم نے
یہ حقیر پریم سندیسہ بھیجا ہے اور دست بستہ درخواست
کی ہے کہ اسے قبول فرما کر بندے کی عزت افزائی
کی جائے۔"

نوجوان کہار نے بازار سے واپس جا کر جب
اپنے مالک لالہ شیو پرشاد کو ساری داستان سنائی
تو وہ رنج اور غصے سے کپکپانے لگے۔ منہ سے
لٹک گئے۔ منہ کی گلوری تھوک کر مغموم اور افسردہ
ہو گئے۔ نوکر چاکر حیران تھے کہ بات کیا ہے؟ مگر کسی
کو پوچھنے کی کیا مجال۔

ذرا دیر گزری تھی کہ بوڑھا رام دین آیا اور
ادب سے آگے بڑھ کر طشتری لالہ شیو پرشاد کے سامنے
رکھ دی اور ہاتھ جوڑ کر اپنے مالک کا پیغام پہنچایا۔

لالہ شیو پرشاد چپ چاپ دیر تک لکڑیوں کی
طرف دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے لکڑیاں اندر زنانے
میں بھجوا دیں اور طشتریوں میں اشرفیاں بھر کر کہا۔ "دیکھو
رام دین! یہ تمہارا انعام ہے لالہ جگت نرائن سے ہمارا
بھی جے گوپال کہنا۔"

بوڑھے رام دین نے جھک کر آداب کیا اور اپنے
گھر واپس چلا گیا

❊

دوسرے روز کا سورج ابھی نکلا بھی نہ تھا کہ تمام
دلّی شہر میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ شہر کے مشہور
رئیس لالہ شیو پرشاد نے رات کو زہر کھا کر جان دیدی
وہ کاغذ کے ایک پُرزے پر لکھ گئے تھے، بازار میں
میری کرکری ہو گئی ہے، میں اب دنیا میں منہ دکھانے
کے قابل نہیں ہوں۔"

گلشن اسما تبسم

پیاس کی پت جھڑ

جب میں نے ہوش سنبھالا۔ والدین کا سایہ سر پر نہ تھا۔ مجھے چچا نے پالا ساری دنیا کو معلوم تھا۔ چچا نے مجھے بڑے ناز سے پالا ہے۔ مگر کسی کو کیا معلوم انھوں نے مجھ پر کتنے ظلم ڈھائے۔ کیا کیا ستم کئے میں بوجھ جو تھی اُن پر میں نے کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ یہاں کیا میری قدر ہے۔ گلشن تم کو بھی نہ بتایا تم جو میری دوست تھیں چچا چچی مجھے مجبوری سے پال رہے تھے کوئی دن ایسا نہ تھا جس دن مجھے یہ طعنہ نہ ملا ہو کہ میں اُن کے ٹکڑوں پہ پل رہی ہوں کوئی دن ایسا نہ تھا جس دن میں نے اُن کی گالیاں نہ سنی ہوں کوئی دن ایسا نہ گزرا جس دن میں نے اپنے کزن سے مار نہ کھائی ہو۔ سارا سارا دن کام میں مصروف رہتی، پھر بھی لٹکا جاتا نکمی رہتی ہے یہ نہ کوئی کام کرتی ہے نہ تمیز ہے اس میں صبح اسکول جانے سے پہلے سارا کام کر کے جاتی اور رات جو سکون کے لیے ہوتی ہے آرام کے لیے مگر مجھے رات ناگن بن کر ڈستی۔ رات کے وحشت ناک سناٹوں میں میں امی ابو کو یاد کرتی اور روتی رہتی۔

مجھے لاشعوری طور پر یہ خیال ستانے لگتا۔ میں کم نصیب لڑکی ہوں۔ خدا نے مجھ سے حقیقی ماں باپ چھین کر زمانے کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا ہے۔ میں تھی بڑی ڈھیٹ۔ جبھی تو اتنے غموں کے باوجود جی رہی تھی۔ میں بہت حساس تھی مگر اسکول آکر اپنے اوپر بناوٹ کا خول چڑھا لیتی۔ بات بات پر قہقہے لگاتی۔ تاکہ کوئی میرے دل میں نہ جھانک لے سکول کے ہر فنکشن میں حصہ لیتی تقریر، ڈ

میں ڈی بیٹس میں کھیلوں میں لڑکیاں مجھ پر جان چھڑکتی تھیں۔ میری کزنز مجھے یوں قہقہے لگاتا دیکھتیں تو گھر آکر جانے کیا کہتیں۔ مجھے خوب مارتی پیٹتیں میرے کردار پر غلط قسم کے الزامات لگائے جاتے مجھے کسی کے گھر جانے کی اجازت نہ تھی ہر کسی سے یہی کہا جاتا کیا کریں ایسی سڑیل مزاج ہے کہیں آتی جاتی نہیں اسکول سے آئے گی رسالے ہوں گے اور یہ ہوگی میں سنتی رہتی کڑھتی رہتی میری صحت اچھی ہونے کی وجہ سے میں عمر سے کافی بڑی لگتی تھی۔ میں خالدہ راشدہ سے بہت خوبصورت تھی۔

ماہ رمضان اپنی برکتوں کے ساتھ آتا میں محسوس کرتی اب سب گھر والوں کا رویہ یکسر بدل گیا ہے۔ چچی چچا شفقت سے پیش آتے۔ راشدہ خالدہ کام ساتھ کرواتیں ہنس ہنس کر بولتیں اور شاد کی نگاہوں میں عجیب طلسم تھا ایسا جادو تھا کہ میں بے خودی ہو جاتی۔

عید میں صرف تین روز رہ گئے تھے خالدہ راشدہ شاپنگ کے لئے جا رہی تھیں۔ مجھے بھی زبردستی ساتھ لے گئیں۔ میں حیران ہو گئی۔ وہ مجھے زبردستی ساتھ لے گئیں بہت خوبصورت ساڑی لی جیسی اپنی ویسی میری تھی اور بہت سی چیزیں لیں۔ میں اس تبدیلی پر بہت حیران تھی پھر میں نے سوچا شاید ضمیر جاگ اٹھا ہو گا۔ اب احساس ہوا ہو گا۔ اسی خیال سے میں بہت خوش ہوئی۔ عید کی صبح میں تیار ہوئی تو خالدہ نے زبردستی میرا میک اپ کر دیا۔ خوبصورت سا جوڑا بنا دیا چچی آئیں تو میری پیشانی چوم لی۔

"نظر نہ لگے میری بیٹی کو"

اور میں اُن کی شفقت پر جھوم گئی۔

چچا نے پچاس پچاس روپے سب کو عیدی دی اور مجھے بھی۔ وہ عید میرے لیے کتنی خوشیاں لے کر آئی تھی۔ شاد نماز عید پڑھ کر آئے تو مجھے دیکھتے ہی رک گئے۔ میں جلدی سے کمرے میں آ گئی۔ میرا دل بڑی زور سے دھڑکنے لگا۔ کچھ دیر بعد قدموں کی چاپ پر میں چونکی

شاد سفید کرتا سفید شلوار میں مردانہ حسن کا مکمل نمونہ لگ رہے تھے انھوں نے آتے ہی عید مبارک کہا اور ایک ڈبہ کھول کر خوبصورت سا سیٹ نکالا

"شبو یہ عید کا تحفہ قبول کرلو" پھر انھوں نے ہار میرے گلے میں پہنایا۔ انگوٹھی میری انگلی میں پہنائی اور ٹاپس کانوں میں۔ میں تو جیسے سکتے میں آگئی تھی۔

پھر وہ دن بھی آگیا جس دن میں شاد کی دلہن بن گئی تھی میرا نام شاد کے نام سے منسلک ہوگیا شاد کو میں کیا ملی دنیا مل گئی اور مجھے شاد کیا ملے دنیا جہان کی خوشیاں مل گئیں۔ کتنی خوش قسمت تھی میں۔ شادی کے بعد میں نے شاد سے کہا۔ میں پڑھوں گی تو انھوں نے میرے اس شوق کو پورا کرنے کی اجازت دے دی۔ میں دوبارہ کالج آنے لگی۔ جب تم لوگ چھیڑتیں تو کتنی خوشی ہوتی مجھے۔ ایک شام شاد نے مذاق میں کہا۔

"شبو تم اپنی کوٹھی میرے نام کردو۔ تمہارے نام ہو یا میرے نام کیا فرق پڑتا ہے"
تو میں ہنس دی۔

"جناب دیر کس بات کی۔ ابھی کروالیں"

"ارے خدا نہ کرے ہم نے تو مذاق کیا ہے"

مگر مجھے تو شاد پر اندھا اعتماد تھا۔ میں نے کہا۔

"نہیں جناب اب آپ کے نام کوٹھی ہو کر رہے گی"

وہ کوٹھی جو میری امی کی تھی اُن کے مرنے کے بعد میں وارث تھی۔ میں نے وہ کوٹھی شاد کے نام اپنی خوشی سے کردی۔

پھر آہستہ آہستہ وہ بدلنے لگے۔ پھر بدلتے گئے۔ وہ پیار نہ وہ محبت بھری باتیں رہیں وہ اکا رات کو غائب رہنے لگے یا دیر سے آتے مجھے عجیب نظروں سے گھورتے۔ اُن کی بہت سی برائیاں میرے سامنے آگئیں تو میں تڑپ اٹھی۔ کالج چھوڑ دیا۔ کسی نے پوچھا تک نہیں۔ گھ

والوں کی نظریں بھی بدل گئی تھیں۔ شاد میری پرواہ کرتے۔ میرا دل ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ میرا دل ٹوٹ گیا۔ گوشت کا لوتھڑا تھا نا۔ شیشہ تو نہ تھا۔ کہ اس کے ٹوٹنے سے ایک شور برپا ہو جاتا اور سب چونک جاتے۔ میں تڑپتی رہتی۔ آہیں لبوں پر آکے دم توڑ دیتیں مگر میں سسک نہ سکتی تھی آنکھوں میں آنسو مچلتے۔ مگر رو نہ سکتی تھی۔ مگر جب رات کی سسکتی تنہائیوں میں شاد گھر سے باہر ہوتے تو وہ بند ٹوٹ جاتا وہ سیلاب اُمنڈ آتا تو دن بھر آنکھوں میں رو کے رہتی پھر جب میں نے شاد سے شکوہ کیا تو وہ بڑے اطمینان سے بولے۔

"میں نے تم سے محبت کہاں کی تھی شبانہ بیگم ایک میٹرک پاس لڑکی بھلا کہاں میرے لائق تھی یہ تو ایک کھیل تھا"

ایک بم گرا اور میں جل گئی۔ ایسا طوفان آیا کہ میری ہستی ریزہ ریزہ ہو گئی۔ اب ساری با وہ ساری محبتیں میرے سامنے آگئیں محض اعلیٰ شاندار کوٹھی لینے کی خاطر وہ شفقتیں وہ محبتیں تھیں۔ اُف میں بھی کتنی بے وقوف اور بدنصیب تھی۔ بھلا جن کے نصیبوں پہ کالی حی ایک بار بچھ جائے پھر کہاں ہٹتی ہے۔

رات کے وحشتناک سناٹوں میں روتی رہتی ہوں۔ جب وقت کا دریا کے کل دیکھے کچھ نہیں بچا۔ شاد کو میری ذرا بھی پرواہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں وہ کسی روزی نامی لڑ شادی کریں گے اور مجھے اس کی ملازمت کرنا پڑے گا۔ میں پھر بھی خوش ہوں ہر ان کی ملازمہ بن کر تو رہوں گی۔ اب بھی شاد سے نفرت نہیں کرتی۔ مگر جانے نہ دل کو کیا ہے۔ جیسے اندر ہی اندر کوئی روگ پل رہا ہے۔ میرا دل ہر لمحے بجھا رہتا ہے ..... جانے آگے میرا کیا انجام ہوگا"

وہ اپنی کہانی سنا کر سسک رہی تھی۔ اور میری آنکھوں میں بھی آنسو تھے پھر میں نے کو تسلیاں دیں۔ خدا کی ذات پر بھروسہ رکھنے کو کہا۔ ●●

آفریں صد آفریں

یہ ہے تہذیبِ زمانہ آفریں صد آفریں
ہر ادا سے ہے کافرانہ آفریں صد آفریں

کونسا ایسا ہے جو ہم میں نہیں مکر و فریب
لب پہ اُلفت کا ترانہ آفریں صد آفریں

منزلِ مقصود پر پہنچے گا کیسے قافلہ
ہر قدم ہے باغیانہ آفریں صد آفریں

قتل کی دل میں تمنا لب پہ چاہت کا بیاں
کیا روش ہے دوستانہ آفریں صد آفریں

جس طرف بھی دیکھیے اب فتنہ افرنگ ہے
مرد اور صورت زنانہ آفریں صد آفریں

واعظوں کا حال تو اب اور ابتر ہو گیا
ہر قدم پر ڈگمگانہ آفریں صد آفریں

ہر گھڑی طنز مذاق اور کیف و مستی کا سماں
آیتوں پر مسکرانا آفریں صد آفریں۔

ارشد کلاتی

حیرت ہے!!

بڑے عرصے سے اشتیاق تھا کہ مکتوباتِ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مرتبہ مولانا نجم الدین اصلاحی دیکھوں۔ وہ مل گئے تو بعض مقامات میرے لئے موجبِ حیرت اور ناقابلِ فہم آگئے۔ جلد چہارم مکتوب نمبر ۴۵ میں شیخ الاسلام مولانا عبدالجبار منصوری فیض آباد کے نام لکھتے ہیں:

"قرآن مجید بڑی برکت والی کتاب ہے مگر اوراد و وظائف مقدم ہیں۔ ان کو چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی"۔

مناسب ہوتا کہ اس خط کے ساتھ کوئی وضاحتی حاشیہ بھی ہوتا تاکہ ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات کا جواب بھی مل جاتا۔

مکتوب نمبر ۵۰ میں مولانا مودودیؒ کے بارے میں حضرت نے تحقیراً ارشاد فرمایا کہ:

"علامہ مودودی خود اقرار کرتے ہیں کہ میں عالم نہیں ہوں۔ تو جو شخص خود اپنے عالم ہونے سے انکار کر رہا ہے، پھر اس کی کسی بات پر دھیان دینا تعجب خیز ہے"۔

جہاں تک میں جانتا ہوں مولانا مودودیؒ نے یہ بات انکسار کے طور پر کہی تھی۔ ظاہر ہے کہ عالمِ دین تو کجا کوئی شائستہ شخص بھی اپنے بارے میں شیخی بگھارنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن مولانا مدنیؒ نے اس کو گویا اعتراف قرار دے دیا جو کسی پہلو سے مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ جس نوع کے انکسار کا مظاہرہ مولانا مودودیؒ نے کیا تھا اسی کا اظہار ان مکتوبات میں شیخ الاسلامؒ کی زبانی بھی ملتا ہے۔ مکتوب نمبر ۴۹ میں حضرت خود تحریر فرماتے ہیں:

"میں بدنصیب تو مثل دیگر کمالات روحانیہ باطنیہ، کشف و کرامات سے بالکل خالی ہوں میں تو ہرگز اس قابل نہیں ہوں کہ کسی کو مرید کروں اور کوئی میرے پاس اس کی خواہش لیکر آئے۔ مجھ کو کیوں قدس سرہ العزیز نے اجازت دی وہ خود جانتے ہوں گے مگر میں تو ہر طرح کے

گناہوں اور تقصیرات میں ملوث ہوں۔ سخت ناکارہ و نالائق ہوں۔ لوگ مجھ سے حسن ظن رکھ کر میرے پاس آتے ہیں۔ میرے عیوب، بدکاریوں سے ناواقف ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل محض سے میری مغفرت نہ فرمائے تو میرا کوئی ٹھکانہ نہیں، انتہائی اور سخت عذاب کا مستحق ہوں۔ خداوند کریم کی پردہ پوشی کام کر رہی ہے۔ آپ بھائیوں کی دعائے خیر کا سخت محتاج ہوں، اگر لوگوں کو میری خباثتوں اور نجاستوں کا علم ہو جائے تو مجھ سے اتنی نفرت کرنے لگیں جتنی کہ سؤر اور کتے سے نہیں کرتے۔"

یہ تواضع اور انکسار کی انتہا ہے لیکن کیا آپ کے عقیدت مندوں نے آپ سے بیعت کرنا چھوڑ دیا تھا؟ (امام الدین میرٹھی صلالہ معرفت حافظ محمد افضل صلالہ) ۔ بشکریہ 'ایشیا' لاہور

جواب ۔ مولانا مدنیؒ اپنے ہر خط کے بعد لکھا کرتے تھے "ننگِ اسلاف"۔ تو کیا جس طرح مولانا مودودیؒ کے انکسار کو دوسرے معنی میں سمجھا اسی طرح ہم بھی مولانا مدنیؒ کو ننگ اسلاف، کتا اور سؤر وغیرہ تسلیم کرلیں؟ ہم ایسا ہرگز تسلیم نہیں کریں گے۔ سچ وہی ہے جو امام الدین میرٹھی صاحب نے لکھا ہے۔ (مدیر)

وقار صدیقی

کرنوں کا سفر

جگمگ جگمگ، روشن روشن

چین کی طرف اسلام کے اوّلین سفیر

طوفانِ گردوباد کی رفتار قیامت خیز تھی۔ ریت کے بلند و پست ٹیلے جانداروں کی طرح اِدھر سے اُدھر متحرک تھے۔ بصارتیں دھندلا گئی تھیں۔ ہر شے ہوا کے رحم و کرم پر تھی۔ اس بے وزنی کی فضا میں تین اونٹ سر سے سر جوڑے ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سوار کاٹھیوں سے چمٹے ہوئے تھے۔ اور گرد و غبار سے ان کا دم گھٹ رہا تھا۔ ان کی اطراف میں ریت کی سطح لمحہ بہ لمحہ بلند ہو رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ لوگ جلد ہی ریت کے ٹیلے میں دفن ہو جائیں گے مگر اس سے پہلے کہ موسم کے بے رحم ہاتھ ان کی تدفین مکمّل کرتے، طوفان کے عقب میں آنیوالی سیاہ بدلی برس پڑی اور اتنی کھل کر برسی کہ صحرائے عرب کے بے اماں ذرّوں کے قدم جم گئے۔ مسافروں کے نظامِ تنفّس پر گرد و غبار کا جو دباؤ تھا ختم ہو گیا۔ دو مسافروں نے کمر سیدھی کر کے گہرے گہرے سانس لئے مگر تیسرے مسافر نے کوئی حرکت نہیں کی۔

اویش بن عدیل نے اپنے ساتھی سعیدؓ بن وقاص کو متوجہ کیا کہ ذرا دیکھئے کہ قیس بن حنظل کو کیا ہوا۔ سعیدؓ بن وقاص نے اپنی آنکھیں صاف کر کے جن میں گرد پہنچ گئی تھی،

قیس کو دیکھا وہ پہلی ہی نظر میں صورت حال کو سمجھ کر اپنی جگہ سے اُٹھے، پھر قیسؓ کو کاٹھی سے اتار کر زمین پر لٹا یا اور جلد جلد ان کے سینے پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر دونوں ہاتھ اٹھانے لگے۔ اویسؓ بھی ان کی مدد کو آ گئے تھوڑی دیر کی کوشش میں رکا ہوا سانس چلنے لگا، اور قیسؓ نے آنکھیں کھول دیں۔

قیس کی طرف سے دل کو اطمینان ہوا تو سعید بن وقاصؓ نے کہا: "طوفان کی شدت نے کئی بار ہمارا رُخ بدلا تھا۔ اب ہمیں اپنے سفر کی سمت بھی نہیں معلوم، اب ہمیں اونٹ سے خیمہ اتار کر نصب کر لینا چاہیئے کیونکہ جب تک ستارے آسمان پر نظر نہ آئیں، یہاں قیام کرنا ہی ہوگا"

تجویز معقول تھی، ساتھیوں نے تائید میں فوراً ہی خیمہ نصب کیا اور اونٹوں سے اپنا سامان اتار کر خیمے میں منتقل کر دیا پھر تھیلیوں سے خشک لباس نکال کر پہنے اور گیلے کپڑے نچوڑ کر خیمے کی رسیوں سے باندھ دیے۔ اس کے بعد وہ تینوں اپنی اپنی کاٹھی پر بیٹھ گئے۔ بارش اب بھی ہو رہی تھی اور ہوا بھی بہت سرد تھی مگر خیمے میں آکر انھیں بڑا سکون ملا تھا تینوں اپنی اپنی سوچ میں گم تھے۔

قیسؓ نے جب دیکھا کہ خیمے کی فضا سکوت سے بوجھل ہے تو بعض تشنۂ جواب سوالات دوستوں کے سامنے پیش کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے بولے "میں اسی دن سفر تجارت سے لوٹا تھا جس دن حضور اکرمؐ نے غزوۂ بنی مصطلق کے لئے مجھے طلب فرمایا تھا۔ میں جہاد میں شریک ہونے کے باوجود یہ بات ابھی تک نہیں جان سکا ہوں کہ ہم نے بنی مصطلق پر کیوں حملہ کیا تھا"

اویسؓ نے اس استفسار کے جواب میں کہا: "تم یہ جانتے ہو کہ قبیلۂ خزاعہ کی شاخ بنی مصطلق مریسیع میں اجتماعی طور پر ایک مدت سے آباد تھی۔ مدینے سے قریب ہونے کے سبب بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار بہ ظاہر تو مسلمانوں سے خوش گوار تعلق رکھتا تھا مگر اندرونی طور پر اس کی ساری ہمدردیاں کفارِ مکہ کے ساتھ تھیں۔ کفارِ مکہ کی مدد سے وہ مدینہ پر شب خون مارنے کی تیاریوں میں مصروف تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسولؐ کو بنی مصطلق کی سازش سے قبل از وقت آگاہ کر دیا اور آپ بہ مجبوری مریسیع پر

حملہ آور ہوگئے ہ

جواب مکمل ہوا تو قیسؓ نے مزید سوال کیا "ضرار بن حارث، شجاع بھی ہے اور باشعور بھی، جنگ شروع ہونے کے بعد اس نے ایسی حالت میں راہِ فرار کیوں اختیار کی جبکہ کسی کا بھی پلا بھاری نہ تھا؟"

"تم نے خود اُسے ذہین تسلیم کیا ہے یہ اس کی ذہانت ہی تھی کہ اس نے آغاز ہی میں انجام کا اندازہ لگا لیا تھا مسلمانوں کا جذبۂ جہاد ایسی چیز نہیں جسے میدانِ جنگ میں آسانی سے محسوس نہ کر لیا جائے ہ"

اویسؓ کے خیال کی تائید کرتے ہوئے قیسؓ نے پھر پوچھا۔ حارث بن ضرار جب اپنی قوم کو مصیبت میں چھوڑ کر فرار ہوا تو سعیدؓ بن وقاص نے اس کا تعاقب کیوں ضروری سمجھا ؟ حالانکہ اس وقت میدان جنگ میں ان کی زیادہ ضرورت تھی ؟"

سعیدؓ بن وقاص نے سوال کا رخ اپنی طرف دیکھا تو کہا۔ جو سوال تمہارے ذہن میں اُبھرا ہے، میں خود سے بھی یہی سوال کئی بار کر چکا ہوں اور اپنی اس وقت کی کیفیت کا تجزیہ کر کے صرف یہی نتیجہ اخذ کر سکا ہوں کہ بس اللہ تعالیٰ نے مجھے حارث کے تعاقب پر راغب کیا تھا۔ اگر میرا یہ تجزیہ اپنے متعلق درست نہیں ہے تو پھر تم دونوں مجھے بتاؤ کہ میرے صرف ایک اشارے پر تم میرے ساتھ کیوں ہو حالانکہ میدانِ جنگ میں تمہاری بھی اتنی ہی ضرورت تھی جتنی میری۔ مجھے یقین ہے کہ اب تم نے میری بات سمجھ لی ہوگی کیونکہ میری ہمراہی کے لئے تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی نے آمادہ کیا تھا۔ اگر ہم اس تعاقب کے نتائج پر غور کریں تو میرے موقف کی مزید تائید ہوتی ہے ہم نے کئی فرسخ کے تعاقب کے بعد حارث کو پکڑا تو اس نے اپنی مدافعت میں تلوار کا استعمال نہیں کیا صرف اسلام کے متعلق سوالات کئے اور میں جوابات دیتا رہا۔ یہاں تک کہ اسلام کی حقانیت اس پر آشکارا ہوگئی اور وہ بہ خوشی مسلمان ہوگیا جب ہم اسے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کے پاس لے گئے جہاں بنی مصطلق کا قبیلہ عبرت ناک شکست کے بعد سر جھکائے کھڑا تھا تو آپؐ نے حارث کے ایمان کی توثیق فرما کر اُسے آزاد کر دیا۔ اور ہماری تبلیغ کو سراہتے ہوئے ہمیں ملک چین میں اسلام کی تبلیغ کے لئے منتخب کر لیا۔ اگر ہم حارث کا تعاقب نہ کرتے تو آج اتنے بڑے مقصد کے لئے چین کی طرف نہ

جا رہے ہوتے۔"

قیس اور دادیش نے بیک زبان کہا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی نے ہمارے لئے سعادت دارین کے دروازے کھولے ہیں۔ پانچ شوال، پانچ ہجری میں وقوع پذیر ہونے والا غزوۂ بنی مصطلق ہمارے لئے بہت انقلاب آفریں ثابت ہوا ہے۔ ہم اس دن کو کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔"

بارش تھم گئی تو وہ تینوں خیمے سے باہر نکلے اور دیکھا کہ مشرقی اُفق پر بادل اپنی چادر لپیٹ رہے تھے جب وہ نمازِ عشاء سے فارغ ہوئے تو آسمان کھل چکا تھا۔ دھلی ہوئی فضا میں ستارے کچھ زیادہ ہی تابناک نظر آ رہے تھے۔

عشاء کے بعد ستاروں کی رہنمائی میں قافلہ اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔ جب صادق طلوع ہوئی تو غمرہ کی بستی ان کے سامنے تھی بستی میں داخل ہونے سے پہلے نمازِ فجر ادا کی۔ بستی میں پہنچے تو لوگوں نے گھروں سے نکل کر تینوں کو گھیر لیا اور انھیں شیخ غمرہ واسط کے پاس لے گئے۔

واسط نے مہمانوں کی آمد کا حال سن کر اپنے غلاموں کو حکم دیا: "مہمانوں کو مہمان خانے میں لے جاؤ میں ابھی ان سے ملاقات کروں گا۔"

مہمان خانہ کافی کشادہ تھا۔ غلاموں نے ایک بڑے کمرے میں مہمانوں کو ٹھہرایا اور ان کا سامان بھی اونٹوں سے اتار لائے۔ رات بھر کے سفر نے بے حد تھکا دیا تھا۔ آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی بھی خواہش تھی کہ آرام کریں۔ مگر شیخ غمرہ سے ملاقات ضروری تھی۔ ملاقات سے قبل سو جانے کو وہ بداخلاقی تصور کر رہے تھے۔ شیخ غمرہ بھی جانتا تھا کہ مہمانوں پر انتظار گراں ہو گا اس لئے وہ جلد ہی مہمان خانے پہنچ گیا۔

شیخ غمرہ واسط کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی۔ وہ جتنا صحت مند تھا اتنا ہی خوش اخلاق اس نے مہمانوں سے مسکراتے ہوئے کہا: "اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنے مقصدِ سفر پر روشنی ڈالیں حالانکہ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے مہمانوں سے ذاتی نوعیت کے سوالات کروں۔"

سعیدؓ بن وقاص نے بلاتکلف مختصر الفاظ میں اپنا مقصدِ سفر بیان کیا۔

واسطے نے کہا "میں اب آپ کو اس وقت تک یہاں سے جانے دوں گا جب تک اسلام کے متعلق اپنی معلومات مکمل نہ کر لوں۔ اسلام کے متعلق اس وقت پورے عرب میں گفتگو جاری ہے مگر افواہوں کو بنیاد بنا کر کوئی فیصلہ کرنا دانش مندی تو نہیں ہے اور اسی لئے میں نے اب تک اگر اسلام کو قبول نہیں کیا ہے تو رد بھی نہیں کیا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے۔"

سعیدؓ بن وقاص، شیخ غمرہ کے ذوق تجسس سے بہت متاثر ہوئے آپ نے وعدہ کر لیا کہ اسلام کے متعلق اس کے ہر ممکن سوال کا جواب ضرور دیں گے آپ کے اس فیصلے میں قیسؓ کو یہ امکان بُری طرح کھٹکا کہ غمرہ میں ایک رات اور ایک دن کا غیر ضروری قیام کرنا ہوگا مگر وہ خاموش ہی رہے۔

شیخ غمرہ کی واپسی کے بعد انھوں نے جب اپنے خیال کا اظہار کیا تو سعیدؓ بن وقاص نے کہا "مجھے خوشی ہے کہ تم نے مقصدِ سفر پر نظر رکھتے ہوئے یہاں کے ایک روزہ قیام پر میرا احتساب کیا مگر تم نے ایک بات پر غور نہیں کیا، وہ یہ کہ ہمارا سفر تبلیغی ہے جس کی آخری منزل چین ہے سفر اور چین کی منزل میں بنیادی چیز تبلیغ ہے۔ تبلیغی ضرورت ہمیں ہر جگہ روک سکتی ہے اور ہم اسلام کی تبلیغ کو صرف نظر نہیں کر سکتے۔ شیخ غمرہ نے اگر اسلام کی رعنائیوں کو محسوس کر کے اسلام قبول کر لیا تو نیکی ہمارے نامۂ اعمال کے لئے سرمایۂ نجات بن سکتی ہے اگر کوئی اسلام میں اپنی دلچسپی کا اظہار کرے تو ہمیں کوشش کرنا چاہیئے کہ وہ جلد از جلد کفر کے اندھیروں سے نکل آئے کسی انسان کا کفر کے اندھیروں میں ایک لمحے کے لئے بھی سانس لینا ناقابلِ تلافی خسارہ ہے ہمیں کسی طرح ایسے عظیم خسارے کی ذمہ داری قبول نہ کرنا چاہیئے۔"

"بیشک میں نے اس مسئلے کا سطحی جائزہ لیا تھا" قیسؓ نے کُھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

شیخ غمرہ کے غلام کھانا لے آئے تھے آپ اپنے رفقا کے ساتھ کھانا تناول کر کے آرام کیلئے

لیٹ گئے۔ ساتھیوں نے بھی آپ کی تقلید کی۔

عصر کی نماز کے بعد آپ شیخ کے غلاموں کے ساتھ اس کی اقامت گاہ پر پہنچے تو وہ بڑی تواضع سے پیش آیا اور مہمانوں کو لے جا کر نشست گاہ میں بٹھایا اور خود بھی ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بلا تمہید کہا "بت پرستی در اصل مظاہر پرستی ہے۔ ہم بتوں کے سامنے سجدہ کر کے بھی اسی کو سجدہ کرتے ہیں جو کائنات کا خالق ہے اور سب سے بڑی اور باشعور قوت ہے میں نے سنا ہے کہ تمہارا دین ہمارے اس طریقِ عبادت کو شرک کہتا ہے اور ایک نظامِ توحید پیش کرتا ہے۔ جس میں براہِ راست اسی کو سجدہ کرنا روا ہے جو نظر نہیں آتا جسے ہم محسوس نہیں کر سکتے۔ بندگی اگر محسوسات کے دائرے سے خارج ہو جائے تو انسان کیسے اپنے ذوقِ بندگی کی تسکین کر سکتا ہے؟"

"آپ کے سوالات میں کچھ تضادات ہیں جب تک انھیں دور نہ کر لیا جائے گا میرے لئے جواب دینا مشکل ہوگا۔ میں پہلے آپ کو ان تضادات کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ بت پرستی مظاہر پرستی ہے کائنات کی ہر شئے اپنے خالق کا مظہر ہے مگر اس کے باوجود ان گنت مظاہر کو نظر انداز کر کے بت پرستوں نے اپنے ہاتھوں سے کچھ بت بنائے اور ان میں خالقِ کائنات کی بعض صفاتوں کو تسلیم کیا۔ تسلیم کا یہ عمل مفروضہ ہے۔ جن صفاتِ خالق کو آپ بتوں میں مانتے ہیں، وہ آپ کو نظر نہیں آتیں۔ پھر آپ کے ذوقِ بندگی کی تسکین کیسے ہو جاتی ہے؟ بت بلاشبہ ایک پیکرِ محسوس ہوتا ہے مگر جن صفات کا آپ اسے مظہر مانتے ہیں وہ تو قطعاً غیر مشہود ہوتی ہیں چنانچہ آپ کا یہ اعتراض درست نہیں کہ بندگی اپنی تسکین کے لئے پیکرِ محسوس کی محتاج ہے آپ نے یہ بات بھی تسلیم کی ہے کہ سب سے بڑی قوت یعنی اللہ تعالیٰ ایک باشعور قوت ہے اس تسلیم شدہ قوت کی روشنی میں اگر ہم بندگی کے بارے میں غور کریں تو بندگی کے دو پہلو نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں ایک پہلو کا ادراک آپ کو بھی ہے وہ یہ کہ انسان اپنے ذوقِ بندگی کی تسکین کے لئے سجدہ کرتا ہے مگر آپ نے یہ پہلو بالکل نظر انداز کر دیا کہ ہمارے سجدے مسجودِ حقیقی کے لئے ہوتے ہیں اور مسجود و معبود کو یہ اختیار ہے کہ

چاہے وہ ہمارے سجدے قبول کرے یا نہ کرے۔ ایسی صورت میں ذوقِ بندگی کی تسکین صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ سجدہ گزار کے محسوسات قبولیتِ سجدہ کی گواہی دیں۔ اللہ کو اس کی جمیع صفات کے ساتھ ہی پوجنا بندگی ہے۔ ان گنت مظاہر میں سے کسی مظہر میں بھی اللہ تعالیٰ کی تمام صفات جمع نہیں ہیں نہ ہو سکتی ہیں اس لئے اسے پوجنا ہے تو اسی کو براہ راست پوجو۔ وہی تو ہے جو ہر جگہ اپنی تمام صفات کے ساتھ موجود ہے اللہ احد ہے نہ اس کی صفات میں کوئی شریک ہے نہ اس کی ذات میں! آئینے میں ہمارا عکس ہم جیسا نظر آتا ہے مگر وہ ہماری ایک صفت کے علاوہ تمام صفات سے عاری ہوتا ہے یہ مثال بھی میں نے بلا تمثیل دی ہے کیوں کہ اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ بمظاہر فطرت کو پوجا جائے یا بتوں کو، یہ گمراہی ہے یہ شرک ہے اور ذوقِ بندگی کے ساتھ ناانصافی ہے۔"

شیخ عمرو آپ کی بات پوری توجہ سے سن رہا تھا آپ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو گئے مگر وہ اپنی سوچ میں ڈوبا رہا۔ کچھ دیر بعد جب وہ اپنی سوچ کی گہرائیوں سے ابھرا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز گلوگیر، اس نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔ عرب جتنا بھی فخر کریں کم ہے کہ اللہ نے ذ کو آگہی کی روشنی فراہم کرنے کے لئے ایک عرب کا ہی انتخاب کیا ہے میں حیران ہوں کہ جس کمانے والا کے پاس عرفان کی یہ روشنی ہے وہ خود کیا ہوگا میں آج اور ابھی مدینے کی طرف روانہ ہو رہا ہوں میں خود اس کے حضور میں پہنچ کر اس کے برحق ہونے کی گواہی دوں گا اور توحید کے نام پر جو شرک فریب کھاتا رہا ہوں اس کا ازالہ کروں گا۔

شیخ عمرو کی شخصیت میں یہ انقلابِ عظیم دیکھ کر آپ نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ا اور اسلام فہمی پر شیخ کو مبارکباد دینے کے بعد نمازِ مغرب کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے نمازِ مغرب امامت کرتے ہوئے آپ نے پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخ تلاوت کی۔ شیخ عمرو نے پہلی مرتبہ مسلمانوں کے اندازِ عبادت کا وقار دیکھا تھا۔ اللہ کا کلام اس منظرِ سماعت افروز سے زیارتِ رسولؐ کا شوق اور تیز ہو گیا۔ آپ نماز سے فارغ ہو شیخ عمرو کو بھی سر بسجود پایا۔

شیخ عمرو سجدے سے فارغ ہوا تو اس نے کہا۔ ابھی مجھے سجدے کے آداب بھی نہیں معلوم مگر میرا یہ ناتمام سجدہ بھی آج تک کے تمام سجدوں پر بھاری ہے میں اب آپ کو نہیں روکوں گا۔ آپ پہلے کھانا کھالیں، اور پھر اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجائیں۔"

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بعجلت تمام سفر کی تیاری ہوئی شیخ نے پہلے مہمانوں کو بڑی محبت سے رخصت کیا، پھر خود بھی اپنے قبیلے کے چند ممتاز افراد کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

آپ عمرو سے یمن کی طرف جارہے تھے راستے میں اویسؓ نے آپ سے پوچھا: کیا واسط واقعی اسلام کے لئے مخلص ہے؟ کیا وہ مدینے پہنچ کر اسلام قبول کرلے گا؟"

"بے شک! اسلام اس کا مقدر ہوچکا ہے ہدایت کے ساتھ ہادی کی محبت بھی جب دل کا تقاضا بن جاتی ہے تو گمراہی کے تمام ترامکانات خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔ بارگاہ رسالت میں باریابی کے بعد اسے فکرونظر کی طہارتِ دائمی مل جائے گی۔"

قیسؓ جو اللہ کے ذکر میں مصروف تھے آپ کا جواب سن کر بولے: "شیخ عمرو جس کیفیت میں مدینۃ النبی کی طرف گئے ہیں اس کے پیش نظر تو ان کے ارادوں کا استحکام ہی ثابت ہوتا ہے۔ آخر بھائی اویسؓ نے اپنے شک کی بنیاد کس خیال پر رکھی ہے؟"

سوال کا رخ اویسؓ کی طرف ہوا تو وہ بولے میری نظر سے اب تک دو قسم کے کافر گزرے ہیں ایک وہ جنھوں نے آنکھیں بند کرکے کفر قبول کر رکھا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا کفر ان کے نزدیک مدلل ہے۔ شیخ عمرو کا تعلق دوسرے گروہ سے ہے مدلل کفر، بے دلیل کفر کے مقابلے میں زیادہ سخت ہوتا ہے۔"

آپ نے اس مرحلے پر فرمایا۔ "جو شخص اپنے موقف کے لئے استدلال پیش کرتا ہے اس کے پاس استدلال کی قوت مزید ہوتی ہے اگر اس کے استدلال کے رد میں کوئی معقول اور خوب صورت استدلال پیش کیا جائے تو وہ اسے ضرور قبول کرلیتا ہے جو لوگ بے دلیل کفر پر جمے

ہوتے ہیں ان کی اصناف ذرا مشکل ہوتی ہے تمہارے سامنے قریب کی دو مثالیں ہیں اور تم نے دیکھا ہے کہ حارث بن ضرار اور واسط کس آسانی کے ساتھ کفر کے اندھیروں سے نکل آئے۔ جو کچھ میں نے کہا ہے یہ بھی ایک ضمنی بات ہے حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے۔"

آپ کی بات کی دونوں ساتھیوں نے تائید کی اور اللہ کے ذکر میں مصروف ہو گئے۔ کیونکہ اللہ کے ذکر سے بہتر کوئی مشغلہ بھی تو نہیں ہوتا۔ سفر بخیر و خوبی جاری رہا۔ نمازِ فجر عمق میں ادا کی اور وہیں دن میں قیام کیا۔ پھر رات کو عمق سے افیعیہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ روز کا یہی معمول تھا۔ رات کو سفر اور دن کو آرام۔ منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے وہ دسویں دن توز پہنچے۔ توز میں بدوی قبیلے کے کچھ افراد نے ان پر حملہ کر کے اونٹ چھین لئے اور سارا سامان لوٹ لیا۔ آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کے ساتھیوں نے کوئی مدافعت نہیں کی تھی اس لئے بدویوں نے انھیں کوئی گزند نہ پہنچائی۔

بے سروساماں ہو کر قیش اور اویش بہت ملول تھے آپ نے ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا" ہمیں پریشان نہ ہونا چاہئے، ہم اللہ کے رسولؐ کے نمائندے ہیں مصائب ہمارے راستے کی دیوار نہیں بن سکتے، ہم پیدل سفر کریں گے جب تک ہماری توانیاں ہمیں سفر کی اجازت دیں گی۔ یہ بات بھی ذہن سے نکال دو کہ ہمارے پاس غذا نہیں ہے پانی کے مشکیزے نہیں ہیں کیونکہ رازق تو اللہ ہے جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے اگر تمہارا ذہن اپنی بے سروسامانی کے خیال سے نہیں ہٹتا تو یہ سوچو کہ اللہ کے کرم رسولؐ نے کیسے کیسے حالات سے گزر کر اسلام کی تبلیغ کی ہے مجھے یقین ہے کہ اسوۂ رسولؐ پر غور و خوض کے نتیجے میں تمہارے حوصلے تم سے تعاون کریں گے۔"

آپ کی اس نصیحت سے آپ کے ساتھیوں کو بڑا حوصلہ ملا۔ آپ کھجور کے ایک جھنڈ کے زخمی سائے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ جاکر بیٹھ گئے۔ جہاں سے توز کی آبادی نظر آ رہی تھی۔

موسم شدید ہوا تو پیاس نے مسافروں کو ستایا۔ گرم ہواؤں نے بھی ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی تھی۔

ساتھیوں کی حالت خراب ہونے لگی تو آپ نے کہا۔ اُٹھو! ہم بستی کی طرف چلتے ہیں آپ کے ارشاد کی تکمیل میں دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جب وہ جھلستے ہوئے موسم میں تپتی ہوئی ریت پر چلتے ہوئے بستی میں پہنچے تو بستی والے اپنے گھروں کے دروازے بند کئے آرام کر رہے تھے۔ بستی کا ایک چکر لگا کر آپ نے ایک گھر کا انتخاب کیا اور دستک دی۔ دروازہ کھُلا اور ایک معمر آدمی نے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"مہمان مسافر!"

ان دو لفظوں نے معمر آدمی کے مرجھائے ہوئے چہرے پر خوشی کے کئی رنگ بکھیر دیے۔ اس نے دروازے کے سامنے سے ہٹتے ہوئے کہا۔ "خوش آمدید معزز مہمانو!"

پہلے آپ اور آپ کے ساتھی گھر میں داخل ہوئے گھر کھجور کی چٹائیوں اور گارے سے تعمیر کر کے بنایا گیا تھا۔ معمر آدمی نے ایک چٹائی پر مہمانوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود دوسرے کمرے میں پانی لینے چلا گیا کیونکہ اس کی تیز نظریں مہمانوں کے خشک ہونٹوں کو دیکھ کر ان کی پیاس کی شدت کا اندازہ کر چکی تھیں۔ پانی پیش کرنے کے بعد اس نے مہمانوں کے سامنے کھجوریں اور بھیڑوں کا دودھ لا کر رکھ دیا اور خود بھی ان کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اصرار کر کے مہمانوں کو کھانا کھلایا اور خود بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک رہا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اس نے پوچھا۔ "یہاں تک کیسے پہنچے؟ ریگستان میں پیدل سفر تمہارے لئے کیسے ممکن ہوا؟"

"ہم مدینے سے آرہے ہیں اور یہاں تک کا سفر ہم نے اپنے اونٹوں پر ہی کیا ہے مگر آپ کی بستی سے جب قریب پہنچے تو کچھ لوگوں نے ہمارا سب سامان لوٹ لیا اور ہمارے اونٹ بھی ہم سے چھین لیے۔"

"کیا تم یہ بتا سکو گے کہ تمہیں اس بستی سے کتنے فاصلے پر لوٹا گیا تھا؟"

"جہاں ہمیں لوٹا گیا تھا وہ جگہ یہاں سے ربع فرسخ سے زیادہ دور نہ ہوگی۔"

آپ کا یہ جواب سُن کر معمر شخص کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا اور اس نے گرج دار آواز میں کہا: "تم لوگ مطمئن رہو۔ تمہاری کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی۔ میں ان شریروں کو بھی سزا دوں گا جنھوں نے میرے چہرے پر کالک لگا دی ہے اور اس بستی کی روایات کو پامال کیا ہے تم لوگ یہاں آرام کرو۔ میں تھوڑی دیر کے بعد آجاؤں گا۔ اس گھر میں میرے علاوہ صرف میری بیوی رہتی ہے اگر کسی شئے کی تمہیں ضرورت ہو تو بلا تکلف طلب کر لینا۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں اس لئے میری واپسی جلد نہ ہو سکے گی۔"

بوڑھا تیز قدمی کے ساتھ دروازے سے نکل گیا تو قیسؓ نے کہا۔ "ہمارے میزبان کی گفتگو سے ایسا اندازہ ہوتا ہے جیسے وہ نہ صرف یہ کہ لٹیروں سے واقف ہے بلکہ وہ اس کی دسترس سے باہر بھی نہیں ہیں۔"

اویسؓ نے قیسؓ کی تائید کرتے ہوئے کہا: "بھائی سعیدؓ نے پوری بستی کا چکر لگا کر یقیناً یہاں کے کسی اہم آدمی کے گھر کو ہی قیام کے لئے منتخب کیا ہوگا۔"

"قیاس کی راہوں پر سفر نہ کرو۔ جو بات تمہیں یقینی طور پر معلوم ہونے والی ہے اس کے لئے دماغ سوزی اچھی عادت نہیں ہوتی۔ ظہر کا وقت ہونے والا ہے۔ پہلے نماز ادا کرو اور اس کے بعد آرام۔ کیا ظہور میں آنے والا ہے اسے اللہ پر چھوڑ دو۔"

نماز ادا کر کے آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ لیٹے تو جلد ہی نیند آگئی اور پھر ایسے وقت آنکھ کھلی کہ اگر ذرا بھی تاخیر ہو جاتی تو عصر کا قضا ہونا لازمی تھا۔ آپ عصر سے فارغ ہوتے تو گھر سے باہر بہت سے آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آئی۔

قیسؓ نے دروازہ کھول کر دیکھا تو کہا۔ "ہمارے تینوں اونٹ باہر کھڑے ہیں اور ہمارا سامان بھی موجود ہے۔"

یہ خوش خبری سن کر آپ بھی باہر آگئے" پ نے میزبان کو دیکھا کہ وہ کہہ رہا تھا: "تونذ کی پوری آبادی کو چند لمحوں میں" میں یہاں دیکھنا چاہتا ہوں۔ کچھ نوجوان بستی کے لوگوں کو بلانے چلے گئے تو کچھ لوگوں سے میزبان نے کہا۔ جاؤ قیدیوں کو لے آؤ۔ میں بستی والوں کے سامنے سرپھرے لڑکوں کا فیصلہ سناؤں گا۔"

تھوڑی دیر میں بستی کے لوگ جمع ہو گئے اور قیدی بھی پہنچ گئے۔ آپ کے میزبان نے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اشارے کے ساتھ ہی لوگ خاموش ہو گئے مگر مجمع میں سے ایک شخص نے بلند آواز سے کہا۔ سردار ضحاک! تم نے میرے بیٹوں اور ان کے ساتھیوں کا لوٹا ہوا مال یہاں اٹھوا لیا ہے اور ان کی مشکیں بھی کسوا کر انھیں ذلیل کیا ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ لوٹ مار کو کب اور کس نے جرم قرار دیا ہے؟ جب کہ راہ زنی ہمارا پیشہ ہے۔"

سردار ضحاک نے اعتراض سن کر پہلے تو غضب ناک نظروں سے معترض کو دیکھا اور پھر کرخت لہجے میں کہا۔" منبہ! اپنے لہجے کو شائستگی کی حد سے نہ نکال! تجھے یہ حق تو پہنچتا ہے کہ جو بات تیری سمجھ میں نہیں آئی ہے مجھ سے پوچھ لے لیکن میں یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ ہمارے قبیلے کی روایات سے کوئی بغاوت کرے۔ تو نے جس لہجے میں مجھ سے گفتگو کی ہے یہ خلافِ ادب ہے میں اس گستاخی کی تجھے سزا بھی دے سکتا ہوں۔"

"میں معذرت خواہ ہوں سردار!" منبہ نے لرزتے ہوئے کہا۔

سردار ضحاک نے منبہ کو نظر انداز کر کے مجمع سے کہا۔" ہم رہ زنی کرتے ہیں اور صدیوں سے یہی ہمارا پیشہ ہے مگر ہم نے رہ زنی کے بھی کچھ اصول بنا رکھے ہیں جن کی رو سے ہم ان مسافروں کو نہیں لوٹ سکتے، ان قافلوں پر حملہ نہیں کر سکتے جو ہماری بستی کی حدود میں داخل ہو چکے ہوں۔ بتاؤ کیا یہ ہمارا اصول نہیں ہے؟"

بے شک ہمارا یہی اصول ہے"۔ مجمع نے ہم آواز ہو کر جواب دیا۔

سردار ضحاک نے اس تائید کے بعد اپنی آواز کو بلند تر کر کے کہا۔ میں اپنے قبیلے کے اصول

کا پورا پورا احترام کرتا ہوں۔ آج دوپہر تین مسافروں نے مہمان کی حیثیت سے میرے دروازے پر دستک دی اور میں نے انھیں اپنا مہمان بنا لیا۔ میں رہزنوں کا سردار سہی مگر عرب بھی ہوں۔ تم نے یہ بات اپنے بزرگوں سے ضرور سنی ہو گی کہ جو مہمان نواز نہیں، وہ عرب نہیں۔ میں نے مسافروں کو اپنے گھر میں ٹھہرا کر جب ان سے معلوم کیا کہ انھیں کہاں لوٹا گیا تھا تو ان کے جواب سے بآسانی اندازہ ہو گیا کہ وہ ہماری بستی سے بہت قریب لوٹے گئے تھے۔ میں لوٹنے والوں کا کھوج لگانے نکلا تو مجھے ایک نوجوان مل گیا جو اس لوٹ میں شریک تھا۔ پھر دوسرے مجرموں تک پہنچنا میرے لئے مشکل نہ رہا۔ بتاؤ، کیا ان سرپھروں کو معاف کیا جا سکتا ہے؟"

"نہیں نہیں!" قبیلے والوں نے بیک آواز اپنا فیصلہ سنا دیا۔

سردار ضحاک نے لوگوں سے کہا: "مجرموں کی مشکیں کھول دو۔ میں حکم دیتا ہوں کہ یہ اسی وقت اس بستی کو چھوڑ دیں اور دو سال سے پہلے ادھر نہ آئیں اور اب اپنے بھی دو سال تک بستی سے باہر رہیں گا۔"

سردار ضحاک کے حکم کی اسی وقت تعمیل ہوئی۔ مگر بستی سے نکالے جانے والوں کے رشتے دار بے قرار ہو گئے۔ خواتین گریہ کرنے لگیں، پورا ماحول سوگوار ہو گیا۔ یہ عالم دیکھ کر آپ بھی ملول ہو گئے اور آپ کے ساتھی بھی، لیکن اس معاملے میں مداخلت ضروری نہ تھی۔ مجرم روانہ ہو گئے تو آپ نے بھی سردار ضحاک سے سفر کی اجازت چاہی۔

سردار ضحاک نے تنکھی نظروں سے آپ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تم اس وقت روانہ ہوئے تو سرکش نوجوان جو ابھی یہاں سے نکالے گئے ہیں راستے میں تمہیں پھر لوٹ لیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جوش انتقام میں تمہیں وہ ہلاک بھی کر دیں۔"

"آپ ہماری فکر نہ کریں ہم یہاں مزید قیام نہیں کر سکیں گے۔ اللہ نے ہمیں یہاں بھی بچایا ہے اور آئندہ بھی وہی حافظ و ناصر ہو گا۔"

سعد بن وقاصؓ کا یہ جواب سن کر ضحاک نے کہا۔ "تم جا سکتے ہو۔ لات و عزیٰ کی قسم! اب تمہیں تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

(باقی آئندہ)

میں "رسول کریمؐ" نمبر ترتیب دے رہا تھا کہ علی گڑھ کے مشہور سہ ماہی جریدہ "تحقیقات اسلامی" میں یہ مضمون نظر سے گزرا۔ یہ مضمون محمد صلاح الدین عمری ایم۔ اے نے بڑی تحقیق اور مستند حوالوں کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ مضمون کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کرکے جریدہ مذکور کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ مضمون کے کچھ حصے حذف کر دئیے گئے ہیں جن کا تعلق نام محمدؐ کی فضیلت سے ہے۔ لیکن ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ اس نام کے لوگ حضور نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی گزرے ہیں اور اُن کا یہ نام (محمد) اُنکے سرپرستوں نے اس لئے رکھا کہ انہیں توریت اور انجیل سے یہ خبر مل چکی تھی کہ اللہ کے آخری نبی کا نام محمد اور احمد ہوگا تو شاید ہمارا بچہ نبوت کا شرف حاصل کرے۔ (مرتب)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اس مقدس نام کی عظمت و اہمیت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے! اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس نام کو یہ فضیلت محض اس وجہ سے حاصل ہے کہ وہ اللہ تبارک تعالیٰ کی محبوب ترین ہستی، محسن انسانیت، پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔

قرآن مجید میں آپؐ کا نام احمد اور محمد بتایا گیا ہے چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کی

پیشین گوئی کا تذکرہ ان الفاظ میں آتا ہے :

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ إِسْرَاءِيْلَ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ أَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الصف ۶)

اور یاد کرو عیسیٰ بن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہوگا۔ مگر جب وہ اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہا کہ یہ تو صریح دھوکا ہے۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر آپ کی آمد کی خوشخبری سنائی تھی۔ اس میں آپ کا نام 'احمد' بتایا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ محمد میں ہے :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ (محمد : ۲)

اور جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے اور اُس چیز کو مان لیا جو محمد پر نازل ہوئی ہے اور ہے وہ سراسر حق اُن کے رب کی جانب سے۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کی برائیاں اُن سے دور کر دیں اور اُن کا حال درست کر دیا

احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہے کہ محمدؐ کے ساتھ آپ کا نام احمد بھی تھا۔ مسلم اور ابوداؤد میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:
انا محمّد وانا احمد والحاشر (میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں حاشر ہوں)۔

مستند روایتوں سے ثابت ہے کہ آپؐ کا نام 'محمد' آپ کے دادا عبدالمطلب نے ساتویں دن عقیقہ کی تقریب کے موقع پر رکھا تھا۔ اس موقع پر موجود حاضرین نے جب سوال کیا کہ اس بچہ کا کیا نام رکھا ہے تو عبدالمطلب نے جواب دیا "محمد"۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے آباء و اجداد میں مروجہ نام کیوں نہیں رکھا تو عبدالمطلب نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ اس کی تعریف آسمان میں اور اللہ کی مخلوق اس کی تعریف زمین میں کرے۔

عرب کا پورا لٹریچر اس بات سے خالی ہے کہ حضورؐ سے پہلے کسی کا نام 'احمد' رکھا گیا ہو لیکن مستند و معتبر مورخین میں تقریباً سب ہی نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ عہد جاہلیت میں عیسائی اور عربوں کی ایک جماعت نے اپنے بچوں کے نام محمد اس امید پر رکھے تھے کہ اُن کا بیٹا نبی مبعوث ہو کیونکہ راہبوں سے اُنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشین گوئی سن رکھی تھی۔ آئیے! کسی قدر تفصیل سے اس کا جائزہ لیں۔

حسین عبداللہ نے اپنی کتاب حیاۃ سید العرب میں عسقلانی کی ب[illegible]اری اور الاصابہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عہد جاہلیت میں سولہ افراد نے اپنے بچوں کے نام 'محمد' اس اُمید پر رکھے تھے کہ نبی مبعوث انھیں کا بیٹا ہو کیونکہ

عروہ نے اپنے شام کے سفروں میں کاہنوں اور راہبوں سے سن رکھا تھا کہ اس زمانہ میں ایک نبی مبعوث ہوگا جس کا نام محمد ہوگا۔ اس کے بعد مولف نے ان ناموں کی تفصیل بھی دی ہے۔

اس سلسلہ میں خلیفہ بن عبدالسقری کی ایک روایت کو اکثر مورخین نے نقل کیا ہے کہ:۔

میں نے محمد بن عدی بن ربیعہ بن سوداالتمیمی سے سوال کیا کہ تمہارے والد نے تمہارا نام 'محمد' کیسے رکھا؟ محمد بن عدی نے جواب دیا کہ یہی سوال میں نے اپنے والد سے کیا تھا، جس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ بنی تمیم کے ہم چار افراد یعنی میں، سفیان بن مجاشع بن دارم تمیمی، یزید بن عمرو بن ربیعہ تمیمی اور اسامہ بن مالک بن جندب (یا بن حبیب بن عنبر تمیمی) ابن جفنہ غسانی سے ملاقات کرنے کی غرض سے نکلے۔ شام پہونچ کر ہم ایک تالاب کے قریب، جہاں کچھ درخت اُگے ہوئے تھے، ٹھہر گئے۔ وہیں قریب ہی ایک گرجا گھر تھا، جس میں پادری بھی موجود تھا۔ ہم آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ یہاں پر نہانے دھونے کے بعد کپڑے بدل کر ابن جفنہ سے ملنے چلیں گے۔ ہماری باتیں سن کر پادری ہمارے قریب آگیا اور بولا 'آپ لوگوں کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اس ملک کے باشندے نہیں ہیں'۔ ہم نے جواب دیا کہ ہم مضری قوم کے افراد ہیں۔ وہ بولا مضر میں کس خاندان سے؟ ہم نے کہا خاندان خندف کے۔ پادری پھر بولا 'عنقریب ہی تمہارے یہاں ایک نبی مبعوث ہوگا، تم سب کو چاہیے کہ فوراً اس پر ایمان لے آؤ۔ اسی میں تم سب کی بہتری ہے۔' ہم نے پوچھا 'اس کا نام کیا ہوگا؟' وہ بولا 'محمد'۔ چنانچہ جب ہم ابن جفنہ سے مل کر واپس آئے تو ہم میں سے ہر ایک کے یہاں بچہ پیدا ہوا۔ اور ہم سب نے اپنے اپنے بچوں کے نام 'محمد' رکھ لیے۔

اس روایت کے ساتھ ہی محمد بن عدی کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ ان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شرف صحبت حاصل ہے چنانچہ ابن سعد، بغوی اور ابن السکن وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن محمد بن یزید اور محمد بن سفیان کے سلسلہ میں مورخین کا خیال ہے کہ وہ عہد نبوی تک زندہ نہ رہے۔

اسی طرح بلاذری نے اُن لوگوں میں جن کا نام عہد جاہلیت میں "محمد" رکھا گیا، محمد بن عقبہ بن احیحہ اور محمد بن احیحہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ صاحب اصابہ لکھتے ہیں کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ محمد بن عقبہ بن احیحہ اور محمد بن احیحہ ایک ہی شخص ہے یا محمد بن احیحہ، محمد بن عقبہ بن احیحہ کے چچا ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ احیحہ کے ایک بیٹے کا نام عقبہ تھا اور عقبہ کے بیٹے کا نام محمد تھا۔ انھیں محمد کی بیٹی مشہور صحابی فضالہ بن عبید کی والدہ ہیں۔ محمد کے بیٹے کا نام منذر تھا جو بئر معونہ میں شہید ہوا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ محمد بن عقبہ کا انتقال قبل اسلام ہی ہو گیا تھا۔

صاحب اسد الغابہ نے محمد بن احیحہ بن الجلاح کے تذکرے میں لکھا ہے کہ ان کا شمار صحابہ میں ہوتا ہے۔ اسی کے تحت عبدان کی یہ روایت نقل کی ہے کہ بلغنی ان اول من سمی محمد احمد بن احیحہ (مجھ تک یہ بات پہونچی ہے کہ سب سے پہلے جن کا نام محمد رکھا گیا وہ محمد بن احیحہ ہیں)۔ انھوں نے ان کو بھی محمد بن عدی کی حدیث میں شمار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہ (محمد ون) جن کے والدین نے ان کے نام محمد اس امید پر رکھے تھے کہ ان کا بیٹا نبی مبعوث ہو ان میں محمد بن سفیان بن مجاشع، محمد بن برار اخو بنی عتوارہ بن بنی لیث، محمد بن احیحہ اخو بنی جحجبا، محمد بن حمران بن مالک الجعفی، محمد بن خزاعی بن علقمہ بن محارب بن مرۃ بن فالج اور محمد بن عدی بن ربیعہ بن جشم بن سعد کے نام آتے ہیں۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ سفیان بن مجاشع اور

جن افراد کا تذکرہ اس حدیث میں ہے وہ سب کے سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت پہلے کے لوگ ہیں۔ ان میں احیحہ بن جلاح نے ام عبدالمطلب سے شادی کی تھی اس لئے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اس کے بیٹے محمد کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہوئی ہو۔

صاحب اسد الغابہ نے محمد بن عدی کی حدیث میں ابو نعیم اور ابو موسیٰ کی روایت سے محمد بن عدی بن ربیعہ، محمد بن احیحہ، محمد بن حمران بن مالک الجعفی اور محمد بن خزاعی بن علقمہ کو شمار کیا ہے لیکن اُن کی صحبت سے انکار کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے محمد بن عدی بن ربیعہ کی صحبت سے بھی انکار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بہت پہلے کے ہیں۔

ابن حجر نے الاصابہ میں محمد بن براء اخو بنی عتوارہ، محمد بن حرماز بن مالک، محمد الاسدی، محمد عقیمی اور محمد بن مسلمۃ الانصاری کو بھی عہد جاہلیت کے محمدوں میں شمار کیا ہے۔ محمد بن مسلمہ بن خالد بن مجدعۃ کی بحث میں واقدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کی پیدائش بعثت سے بائیس سال قبل ہوئی اور ان کا شمار عہد جاہلیت میں محمد نام رکھنے والوں میں ہوتا ہے۔ کنیت ابو عبداللہ اور ابو سعید ہے۔ انھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے احادیث بھی روایت کی ہیں۔ ابن عبدالبر کے مطابق ان سے ان کے بیٹے محمود، ذؤیب، مسور بن مخرمہ، سہیل ابن ابی جشم، ابو بردہ بن ابی موسیٰ، عروہ، اعرج اور قبیصہ بن حصن وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن شاہین نے عبداللہ بن سلیمان ابن الاشعث کی ایک روایت بیان کی ہے کہ وہ بدر میں شریک ہوئے اور ان کو شرف صحبت حاصل ہے۔ ابن شاہین نے ہشام سے محمد بن مسلمہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے تلوار دے کر فرمایا کہ اس (تلوار) سے مشرکین سے اُس وقت تک جنگ

کرتے رہو جب تک وہ آمادۂ جنگ رہیں۔ اور جب تم میری اُمت کو آپس میں جدال و قتال کرتے ہوئے دیکھو تو اس تلوار کو اتنی زور سے پٹخنا کہ وہ ٹوٹ جائے اور (اس کے بعد) اپنے گھر میں بیٹھ رہنا یہاں تک کہ کوئی تم پر دست درازی کرے یا تم کو موت آجائے۔ ابن سعد نے کہا ہے کہ محمد بن مسلمہ سعد بن معاذ سے قبل مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھوں پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے اور ابو عبیدہؓ کے درمیان مواخات بھی قائم کی تھی۔ وہ بدر اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے علاوہ غزوۂ تبوک کے جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی تھی۔ (اسی قسم کی روایت صاحب اسد الغابہ نے بھی روایت کی ہے) صاحب الاصابہ نے واقدی ہی کی روایت لکھی ہے کہ اُن کا انتقال مدینہ میں ۷۷ سال کی عمر میں ۴۶ھ میں ہوا۔ واقدی کی اس روایت اور اُن کی سن پیدائش کی روایت میں تضاد ہے۔ اسی طرح کی ایک اور روایت مدائنی اور جعفر بن محمود بن محمد بن مسلمہ سے منقول ہے کہ اُن کی وفات ۴۳ھ میں ہوئی لیکن ابن ابی داؤد اور یعقوب بن سفیان کے مطابق اُن کو شام والوں نے گھر میں گھس کر قتل کیا تھا۔ حافظ محمد بن طاہر ابن القیسرانی نے اپنی کتاب 'کتاب الجمع بین ابی نصر الکلاباذی و ابی بکر الاصبہانی فی رجال البخاری و مسلم' میں محمد بن مسلمہ انصاری کے تذکرے میں لکھا ہے کہ انھوں نے بدر میں شرکت کی اور بخاری نے عروہ بن زبیر سے مروی اُنکی ایک حدیث کتاب الدیات 'میں' لکھی ہے۔ اسی طرح مسلم نے مسور بن مخرمہ سے مروی اُن کی حدیث کو کتاب الدیات میں نقل کیا ہے۔ ان کا انتقال جعفر بن محمود کے بیان کے مطابق صفر ۴۳ھ میں ہوا۔

ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادی نے اپنی کتاب 'کتاب المحبر' میں قبل اسلام محمدوں کا ایک عنوان قائم کر کے اس کے تحت شام میں راہب سے ملاقات اور گفتگو

کے واقعہ کے تذکرے کے بعد 'محمد' نام رکھے جانے والوں میں محمد بن سفیان، محمد بن
براد بن عتوارہ بن عامر، محمد بن خزاعی بن علقمہ (یہ واقعہ فیل میں ابرہہ کے لشکر میں شامل
تھے)، محمد بن حمران بن مالک، محمد بن عقبہ بن احیحہ، محمد بن مسلمہ الانصاری اور محمد بن
حرماز بن مالک کو شمار کیا ہے۔

اسی طرح امام ابوالفرج ابن جوزی نے اپنی کتاب 'الوفا باحوال المصطفے' میں خلیفہ
بن عبدۃ المنقری کی روایت میں محمد بن عدی، محمد بن سفیان بن مجاشع، محمد بن یزید بن
عمرو اور محمد بن اسامہ بن مالک کا تذکرہ کیا ہے اور ساتھ ہی شرح مواہب کے
حوالہ سے ان محمدوں کی تعداد بیس بتائی ہے۔

صلاح الدین الصفدی نے اپنی کتاب 'الوافی بالوفیات' میں لکھا ہے کہ
زمانۂ جاہلیت میں عیسائی اور عربوں کی ایک جماعت نے اپنے بیٹوں کے نام 'محمد'
اس لئے رکھے تھے کہ اُن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشین گوئی اس وقت
کے علماء سے مل چکی تھی۔ چنانچہ وہ اپنے بیٹوں کے نام اِس امید پر محمد رکھتے تھے کہ
اُن کا بیٹا ہی نبی ہو۔ ایسے لوگوں میں محمد بن سفیان بن مجاشع بن دارم التمیمی، محمد بن ودیر
اخو بنی عتوارہ، محمد بن احیحہ، محمد بن خزاعی، محمد بن حمران اور محمد بن مسلمہ الانصاری کے نام
آتے ہیں۔

ابوالحسن علی بن یوسف القفطی نے 'المحمدون من الشعراء' میں لکھا ہے کہ:۔

> "اسم محمد قبل اسلام ہی سے اہمیت و مرتبہ کا حامل رہا ہے۔ چنانچہ
> ابن حبیب البغدادی (م ۲۴۵ھ) نے تذکرہ کیا ہے کہ عہد جاہلیت میں
> جن کا نام محمد رکھا گیا ہے اُن کی تعداد سات ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب
> میں اِن ناموں کا تذکرہ کیا ہے اور اس کا باب اس طرح قائم کیا ہے المسمون
> بمحمد لما کان یبلغهم انه یبعث فی العرب

بنی یقال له محمد فجعل الله النبوة لمحمد صلی الله

علیه وسلم (وہ لوگ جن کے نام محمد اس وجہ سے رکھے گئے کہ اُن کو

اس بات کی خبر پہونچی تھی کہ عرب میں ایک نبی مبعوث ہوگا جس کا نام محمد

ہوگا لیکن اللہ نے نبوت کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے مقدر کر دیا) ''

قطفی نے اپنی اس کتاب کے مقدمہ میں ایک عنوان قائم کیا ہے الشاعر الجاهلی الذی سمی محمد (محمد نام کا جاہلی شاعر) اور پھر اس کے تحت لکھتے ہیں کہ عہد جاہلیت میں محمد نام کا سب سے پہلا شاعر محمد بن حمران ابن ابی حمران الجعفی الشویعر ہے ۔ اس میں اور دور جاہلیت کے مشہور شاعر امراؤالقیس میں بحث ومباحثہ اور سخت کلامی بھی ہوئی تھی ۔

آگے چل کر شعراء کے تذکرے میں وہ محمد بن حمران بن ابی حمران الجعفی ، (ملقب بہ الشویعر) کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا لقب شویعر اس لئے پڑ گیا کہ اس کے بارے میں امراءالقیس نے اپنے ایک شعر میں یہی نام استعمال کیا ہے (واضح ہو کہ شویعر کم درجہ کے شاعر کو کہتے ہیں) جس میں وہ کہتا ہے :-

أبلغا عنی الشویعر أنی

عمد عین، نکبتهن حزیما

(یعنے شویعر کو میری جانب سے یہ خبر پہونچا دو کہ میں نے انتہائی خود اعتمادی اور ہوشیاری کے ساتھ ان سب کو راستے سے ہٹا دیا ہے)

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ ان کا شمار عہد جاہلیت کے 'محمد' نام رکھنے والوں میں ہوتا ہے ۔

اس طرح کی اور بھی روایتیں ہیں ۔ ان سب روایتوں کو سامنے رکھ کر ہم کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ زمانہ جاہلیت میں تقریباً ایک درجن سے

زمانہ میں ایسے افراد موجود تھے جن کا نام محمد تھا۔ ان روایتوں سے اس بات کا ثبوت بھی فراہم ہو جاتا ہے کہ ان میں سے بیشتر کے والدین نے اپنے بچوں کے نام محمد اس امید پر رکھے تھے کہ ان کا بیٹا ہی نبی مبعوث ہو۔ سبھی روایتوں پر غور کرنے سے یہ بات بھی سامنے آجاتی ہے کہ ان کے راویوں اور مورخین میں جو کچھ بھی اختلاف ہے وہ قطعاً اس بات پر نہیں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ نام معروف تھا یا نہیں بلکہ انمیں اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ ان محمدوں میں سے کس کس کو شرف صحبت حاصل ہے اور کون کب مشرف بہ اسلام ہوا۔ ان روایتوں کی روشنی میں ہم زمانۂ جاہلیت کے محمدوں کی فہرست اس طرح مرتب کر سکتے ہیں :۔

۱۔ محمد بن عدی	۲۔ محمد بن سفیان
۳۔ محمد بن یزید	۴۔ محمد بن اسامہ
۵۔ محمد بن عقبہ	۶۔ محمد بن احیحہ
۷۔ محمد بن براء	۸۔ محمد بن حمران شویعر
۹۔ محمد بن خزاعی	۱۰۔ محمد بن مسلمۃ الانصاری
۱۱۔ محمد بن حرماز العمری	۱۲۔ محمد بن دبر
۱۳۔ محمد بن عتوارۃ	۱۴۔ محمد الاسدی
۱۵۔ محمد الفقیمی	واللہ اعلم بالصواب

حیاء

> براہ کرم مضمون بھیجتے وقت اپنا نام و پتہ ضرور لکھ دیا کیجئے۔ (ح)

اسلام کی ایک بنیادی اور اہم تعلیم شرم و حیاء ہے۔ حیاء یہ ہے کہ انسان کو فحش اور برے کاموں سے گھن آئے۔ انسان حیاء کی بدولت خیر کی طرف بڑھتا ہے اور شر اور برائی سے بچتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک فطری اور پیدائشی ہوتی ہے اور دوسری اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت سے ملتی ہے۔ اس کے لئے بڑی مشقت درکار ہوتی ہے جو آدمی برے اخلاق سے روک کر اور محفوظ رکھ کر بلند اخلاق بناتی ہے۔ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ (النحل۔ ۹۰)

بلاشبہ اللہ انصاف کا، احسان کا، عزیزوں کو دینے کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی، برائی اور ظلم و تعدی سے روکتا ہے۔ تمہیں نصیحت کرتا ہے۔ امید ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہماری زندگی بے حیائی، ظلم، بے انصافی اور برائی سے پاک رہنا چاہیے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّهٗ۔ حیاء سراسر خیر ہے (بخاری، مسلم)۔ حیاء بہت سے امور خیر کا سرچشمہ ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

اَلْحَیَاءُ لَا یَأْتِیْ اِلَّا بِالْخَیْرِ۔ حیاء ہمیشہ خیر کا موجب بنتی ہے (بخاری، مسلم)۔ ارشادِ نبوی ہے:

اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔ حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی میں شرم و حیا نہیں ہے تو اس کا ایمان کامل نہیں ہے بلکہ اس کی ایک شاخ کم ہوگئی ہے۔ اور اس میں بہت نقصان ہے۔

جب کسی میں حیا نہیں رہتی تو وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق سب کی نظروں میں حقیر و مبغوض ہو جاتا ہے۔ بے حیا آدمی ہر برائی کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَىٰ إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ (بخاری) پچھلے انبیاء کرام کے کلام سے لوگوں نے جو کچھ پایا ہے اس میں ایک بات یہ بھی ہے "جب تمہیں حیا نہیں تو جو چاہو کرو"

اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں کہ سماج میں بے حیائی پھیلے۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (نور-۱۹) جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلے ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

حیاء اسلام کا اہم ستون اور ایمانی سلسلہ کی پہلی کڑی ہے۔ اگر یہ کڑی مضبوط رہی تو دوسری کڑیاں یعنی عدل، احسان، انصاف وغیرہ صحیح و سالم رہیں گی اور جب وہ مضبوط رہیں گی تو اسلام بھی محفوظ اور قائم رہے گا ورنہ منہدم ہو جائے گا۔ ارشاد نبوی ہے کہ کچھ جرائم ایسے ہیں جو ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اس میں بے حیائی اور بے شرمی کے کام بھی شامل ہیں جو بحالتِ ایمان سرزد نہیں ہوتے۔ مومن اور مومنہ کی زندگی ان سے بالکل پاک رہنا چاہئے۔ اگر غلطی سے صدور ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی و انکساری کے ساتھ اپنے گناہ کی معافی مانگ لینی چاہئے تاکہ ایمان سلامت رہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے مہربان اور بخشنے والے ہیں۔

نیکی کے کام

سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے "(تمام) لوگوں کی اپنے مال سے تم حاجت روائی نہیں کرسکتے لیکن خوش خلقی اور شگفتہ مزاج سے انہیں خوش کرسکتے ہو۔" یعنے آدمی خواہ کتنا ہی دولتمند کیوں نہ ہو تمام لوگوں کی مالی دشواریوں کو رفع نہیں کرسکتا اور نہ ہی سب کی ضرورتیں پوری کرسکتا ہے لیکن یہ بات تو اُسکے بس میں ہے کہ جب وہ دوسروں سے ملے تو خوش روئی کے ساتھ ملے اور بات کرے تو محبت و اپنائیت بھری باتیں کرے اور ہر کسی کے ساتھ خلوص و محبت، ہمدردی و خاکساری اور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ اسطرح وہ دوسروں کے دلوں کو خوش کرسکتا ہے۔ پیارے نبیؐ نے فرمایا "مومن سراپا الفت و محبت ہے اور اُس آدمی میں سرے سے کوئی خیر و خوبی نہیں ہے جو نہ دوسروں سے محبت کرے اور نہ دوسرے ہی اس سے محبت کریں۔" (مشکوٰۃ) اور فرمایا "قیامت کے دن مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ اور مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہونگے جو اچھے اخلاق والے ہیں۔" (ترمذی) پیارے نبیؐ نے فرمایا "تو نیکی کے کسی کام کو حقیر نہ سمجھ۔ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملے یہ بھی نیکی ہے اور اپنے ڈول کا پانی اپنے [illegible] یہ بھی نیکی ہے۔" (ترمذی) بخاری شریف کی ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے "دو آدمیوں [illegible] تم کسی کو اپنی سواری پر بٹھا لو یا اُس کا بوجھ اپنی سواری پر رکھ لو یہ بھی نیکی ہے [illegible] ہر قدم جو نماز کے لئے اُٹھتا ہے نیکی ہے، راستے سے کانٹے پتھر ہٹا دینا بھی نیکی ہے۔" إِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ "اے رسولؐ آپ اخلاق کی عظمت پر فائز ہیں۔" اور یہ امرِ واقعہ [illegible] خلق عظیم کہلائے جانے کا مستحق تھا۔ ایک سفر میں نبی کریمؐ تشریف لے جا رہے تھے، [illegible] بہ تک ایک اعرابی آگیا اور اُس نے چادر اس زور سے کھینچی کہ آپ کی گردن پر نشان [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم خدا نے تمہیں جو مال دیا ہے اس میں سے مجھے بھی دو۔" یہ سُن کر آپ نے [illegible] اور اُس اعرابی سے اُس کی گستاخی پر نہ کوئی باز پرس کی اور نہ ہی کوئی سزا دی۔ ✦

[illegible] احمد اللہ کو پر جھیک نمبر ۱ پوسٹ گھر تعلقہ ضلع عادل آباد۔ اے پی

سلام کو عام کرو

● **سلام کا جواب دو:** اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر انداز میں سلام کرو یا کم از کم انہی الفاظ میں جواب دو ● **سلام میں پہل:** اللہ تعالیٰ کا قرب اس انسان کو حاصل ہوگا جو سلام میں پہل کرتا ہے ● **ہر ملاقات پر سلام:** جب اپنے کسی بھائی سے ملاقات ہو تو تمہیں چاہئے کہ اسے سلام کرو۔ وہ چلا جائے اور تمہارے اس کے درمیان کوئی دیوار، درخت یا پتھر حائل ہو اور پھر ملاقات ہو جائے تو دوبارہ سلام کرو ● **گھر والوں کو سلام:** تم اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرو اور باہر جاؤ تب انہیں سلام کر کے جاؤ۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا بیٹے! جب تم گھر میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو۔ تمہارا سلام تمہارے گھر والوں کے لئے خیر و برکت کا موجب ہوگا ● **سلام کے مراتب:** سوار پیدل چلنے والوں کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو، تھوڑے آدمیوں کا گروہ زیادہ آدمیوں کے گروہ کو سلام کرے اور چھوٹا بڑے کو۔ جب تم میں کوئی شخص مجلس میں پہونچے تو سلام کرے۔ اگر بیٹھنے کی ضرورت ہو تو بیٹھ جائے اور اگر چلنے لگے تو پھر سلام کر کے رخصت ہو ● **ہاتھوں سے اشارہ:** جو شخص اغیار کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ تم نہ تو یہود کے ساتھ مشابہت اختیار کرو اور نہ نصاریٰ کے ساتھ۔ یہودی انگلیوں کے اشارے سے سلام کرتے ہیں اور نصاریٰ ہتھیلی کے اشارے سے ● **مصافحہ اور معانقہ:** جب دو مسلمان ملتے ہیں تو وہ باہم مصافحہ کرتے ہیں اور خدا کی حمد و ثنا کے ساتھ اپنی بخشش چاہتے ہیں تو انہیں بخش دیا جاتا ہے۔ پورا سلام یہ ہے کہ السلام علیکم کہنے کے بعد مصافحہ بھی کیا جائے۔

مرسلہ: شریفہ خانم

المونیم کے برتن صحت کے دشمن

المونیم کے برتنوں کا استعمال آج کے دور میں خصوصاً ہندوستان کے غریب اور متوسط طبقے میں بہت عام ہو چکا ہے۔ چکتی ہوئی اس دھات کے برتن تانبے اور پیتل کے برتنوں کی بہ نسبت ارزاں اور ہلکے پھلکے ہوتے ہیں جن کو مانجھنے اور صاف کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اس ہوشربا گرانی کے دور میں قلعی وغیرہ کی جھنجھٹ بھی ان برتنوں میں نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ المونیم کی مضرتوں سے بے پرواہ ہو کر بڑی تعداد میں ان کو کھانا پکانے کے مقصد سے استعمال کیا کرتے ہیں۔

المونیم کے برتنوں میں کھانا پکانے سے اس کے بعض اجزاء مختلف قسم کے زہریلے مرکبات میں تبدیل ہو کر کھانے میں مل جاتے ہیں اور مختلف امراض کا باعث ہوتے ہیں۔ ایلومینیم کے مرکبات معدے میں پہونچ کر اس کو کمزور کر دیتے ہیں اور اس کی نازک ساختوں اور غشاء مخاطی (MUCOUS MEMBRANE) کو نقصان پہونچانے کے ساتھ ساتھ اس کی نازک سطح پر چھوٹے چھوٹے زخم (GASTRIC ULCER) بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ مرکبات غذا کے ساتھ مل کر اس کی غذائیت کے بڑے حصے کو زائل کر دیتے ہیں اور اس طرح مختلف اعضاء انسانی غذا سے مطلوبہ طاقت حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں ایک مغربی محقق ڈاکٹر ایچ اسے شنگھین لکھتا ہے کہ "ایلومینیم کے مرکبات غذا کے ہضم ہو جانے کے بعد معدے میں باقی رہ جاتے ہیں جن کی وجہ سے بھوک کم ہو جاتی ہے اور بعض اوقات ورم و درد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اکثر و بیشتر دست و پیچش اور جی متلانے کی شکایات بھی پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔" خاص طور سے اگر

المونیم کے برتن میں کچے آم پکا کر کھائے جائیں تو فوراً قے، دست آنے لگتے ہیں۔ مثلاً جب ٹماٹر اور دیگر سبزیاں جن میں تیزابی یا کھاری اجزاء شامل ہوتے ہیں، اُن کا شوربا المونیم کے برتن میں ۳۰ منٹ تک رہنے سے المونیم کے کیمیاوی مرکبات تیزی سے اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اگر آپ المونیم کے کسی برتن کو چاقو سے طرح کر زبان سے چکتی ہوئی سطح کا ذائقہ چکھیں تو پھٹکری کا مزہ معلوم ہوگا۔ دراصل پھٹکری کو انگریزی میں "ایلم" اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ ایلومینیم کا ایک سالٹ ہے۔ ایلومینیم کے تمام کیمیاوی مرکبات مضر اور زہریلے ہوتے ہیں۔ المونیم کے برتن میں نصف گھنٹے تک پانی کو جوش دینے سے اس میں ایلومینیم ہائیڈرو آکسائیڈ شامل ہو جاتا ہے جو ایک صحتمند انسانی جسم کے لئے نقصان دہ مرکب ہے اور اس کی زیادتی صحت کے لئے انتہائی مضر ہوتی ہے۔ اسی طرح المونیم کے برتن میں چائے تیار کر کے اس کو چھلنی سے چھان لینے کے باوجود اس میں ایلومینیم ہائیڈرا آکسائیڈ کا کافی حصہ شامل ہو جاتا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ہیلتھ لیگ کے صدر ڈاکٹر ہیلڈ کے تجربات کے مطابق المونیم کے کیمیاوی مرکبات غذا سے چھن کر معدے کی نازک جھلی میں چپک کر رہ جاتے ہیں اور اس کی ساختوں کو کمزور کر دیتے ہیں۔

ایلومینیم کے زہریلے مرکبات کا اثر مختلف لوگوں پر مختلف قسم کا ہوتا ہے بعض طبیعتیں خصوصیت کے ساتھ اس کے سمّی اثرات کو قبول کر لیتی ہیں۔ یہ مہلک اثرات پہلے پہلے نہایت معمولی اور غیر محسوس ہوتے ہیں لیکن سبب زائل نہ ہونے کی وجہ سے آہستہ آہستہ بڑھتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ انسان کو اچھا خاصا مریض بنا دیتے ہیں۔ اس لئے دانشمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ المونیم کے برتنوں کی ارزانی پر مت جائیے۔ ان میں کھانا پکا کر کھانے سے آپ خود کو مختلف قسم کی بیماریوں کی آماجگاہ بنالیں گی اور اس طرح وہ ساری بچت اور کفایت شعاری جو آپ نے تانبے پیتل کے برتن خریدنے میں کی ہے، رفتہ رفتہ ڈاکٹروں کی جیب میں چلی جائے گی اور آپ صحت جیسی انمول نعمت کو لٹانے کے بعد دین و دنیا دونوں میں ناکارہ ہو کر رہ جائیں گی۔

ڈاکٹر اسمٰعیل آذر۔ محلہ گاندھی ٹولہ۔ نواب گنج ۲۶۲۴۰۶۔ ضلع بریلی۔ یوپی



ٹوٹا دامن

شاہدہ ناز قاضی

"کیا تم نے...... تم نے سب کچھ فراموش کر دیا......" بوڑھے نے اپنی لرزتی انگلی اُٹھا کر اپنے بیٹے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بڑے شکستہ دکھی اور غم آلود لہجے میں کہا...... اور پھر اپنے ہاتھوں سے اپنے پریشان بالوں کو نوچتے ہوئے سر جھکا کر بولا۔ "مجھے یہ دن بھی دیکھنا تھا......"

وہ ایک غریب مالی تھا...... ایک دور اُفتادہ، خاموش اور چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن کے ڈاک بنگلے کا معمولی سا مالی...... جس کا کام سارا دن پھولوں پتوں کو سنوارنا تھا یا پھر کبھی کبھار کی آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھنا اور پہیوں کی گڑگڑاہٹ کو محسوس کرنا......

اس اسٹیشن پر کبھی کبھار انسپکشن ٹیم کے اعلیٰ افسران آتے اور تب یہ ڈاک بنگلہ بہت بارونق ہو جاتا۔ البتہ اس کے خالی برآمدے اور خوبصورت لان میں تب بہت رونق ہوتی تھی جب اس کے بچے ان جگہوں پر کھیلا کرتے تھے...... جھولے جھلاتے تھے...... گلی ڈنڈا کھیلتے تھے...... ایسی ہی گاڑی تھی...... جو ایک روز بن کر اس کے آنگن کے دو پھول ایک ہی وقت میں نوچ لے گئی...... اس کا پانچ سالہ مینار تو اور چھ سالہ گڈو پٹڑیوں کے درمیان رنگین پتھر چنتے چنتے موت کی آغوش میں جا سوئے...... اگلے برس بیوی بھی اللہ کو پیاری ہو گئی...... اور اپنے پیچھے دو سال کا فرید چھوڑ گئی۔

جب گاڑی کا انجن چھک چھک کرتا گزرتا، تو اسے لگتا جیسے اس میں اور انجن میں بڑی مماثلت ہے...... انجن میں بھی آگ لگی رہتی ہے اور میرا بھی سینہ جلتا رہتا ہے...... مگر انجن تو اتنی لمبی گاڑی کو کھینچے جاتا ہے اور میرے تو ڈبے ہی نہیں رہے سوائے ایک ڈبے کے......" وہ سوچتا۔ پتہ نہیں ایسی ہی سوچ کا اثر تھا کہ وہ اسے پیار سے ڈبا...... اور پھر ڈبو کہنے لگا...... اور پھر فرید سب کا ڈبو بن گیا......

اپنے ڈوبتے کے لئے اس نے دن رات محنت کی...... اسے پڑھایا لکھایا...... ہر اچھا مال کی طرح اسے معلوم تھا کہ جس پودے پر آج محنت کی جائے، کل وہی میٹھا پھل اور چھاؤں دیتا ہے......... اور اپنے بڑھاپے کے لئے وہ جاگتی آنکھوں فرید کے وجود میں گھنی چھاؤں کے سکھ کے خواب دیکھتا...... یہ خواب دیکھنے کا اسے حق بھی تھا......

فرید اسکول کی چار دیواری سے نکل کر کالج پہنچا...... کالج سے یونیورسٹی...... اور اس سارے عرصے میں وہ بوڑھے ہاتھوں کی محنت سے کمائے ہوئے پیسے اسے متواتر بھیجتا رہا...... اور پھر اس کا خط آیا اسے نوکری مل گئی ہے اور وہ فیصل آباد جا رہا ہے۔

بوڑھے باپ کی تمناؤں کا وہ دن بڑا خوش گوار اور بڑا سوگوار تھا...... اپنی بیوی کی کچی قبر پہ تازہ پھول ڈالتے ہوئے جب وہ بولا:

"بھاگاں آج تیرا پتر بڑا افسر ہوگیا ہے۔ ...تجھے بھی مبارک ہو چھوٹی بہنا، تیرا بھائی بڑا افسر بن گیا اور چھوٹے بھائی تجھے بھی فخر ہے نا۔"

سکھ کی اس گھڑی میں بچھڑے ہوؤں کی یادیں اُمڈنے والے آنسو دیر تک اس کے گالوں ہاتھوں اور دامن کو بھگوتے رہے۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

فرید تو جیسے فیصل آباد جا کر سب کچھ ہی بھول گیا۔ بس ایک خط لکھا تھا اپنے خیریت سے پہنچنے کا...... مگر اب تو اس بات کو بھی سال ہو چلا تھا۔ وقت گزرتا رہا...... ایک سال...... دو سال...... تین سال...... بوڑھا باپ پریشان ہو کر بے اختیار بیٹے کی صحت اور سلامتی کی دعائیں مانگنے لگتا اور سوچتا کاش! اس کے پاس پتا ہی موجود ہوتا تو وہ خود وہاں پہنچ جاتا۔ کاش! ...اور پھر جب فرید کا ایک مختصر سا خط ملا، تو اس پر چھپے ہوئے ایڈریس کو دیکھتے ہی وہ اسے ملنے کے لئے بے تاب ہو اٹھا...... اس عرصے میں ایک انقلاب اس کی زندگی میں بھی آ چکا تھا اور وہ اس کی خبر جلد سے جلد اپنے بیٹے کو سنانا چاہتا تھا۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

"اوئے بڈھے، بڑے صاحب ابھی معروف ہیں...... کہاں چلا ہے...... ادھر بنچ پر بیٹھ جا......"

چپراسی نے دفتر میں اسے بے دھڑک گھستے دیکھ کر ٹوکا، تو وہ اعتماد سے بھرپور آواز میں بولا:

بڑا صاحب فرید راٹھور ہی ہے نا؟......... وہ میرا بیٹا ہے...... اندر جا کر اطلاع کر دو کہ اس کا بابا اس سے ملنے آیا ہے۔

چپراسی نے بڑے غور سے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر بے یقینی سے سر کھجاتا ہوا اندر جانے لگا، تو وہ بھی پیچھے پیچھے ہو لیا...... افسری ماتحتی، بڑائی چھوٹائی، رکھ رکھاؤ، انتظار، اجازت....... وہ یہ سب کچھ نہیں جانتا تھا، کیونکہ وہ ایک باپ تھا جو بیٹے سے ملنے کے لئے بے تاب تھا.....

بڑی سی میز کے پیچھے ایک شاندار کرسی پر بہترین تراش کے سوٹ میں ملبوس اس کا اپنا بیٹا ہی تھا...... اس نے اسے دیکھا...... اور عجب ہی اسی کمرے میں میز کے سامنے والی کرسی پر بیٹھے اس دوسرے اجنبی نے جو کوئی اصلی افسر معلوم ہوتا تھا۔ بڑی حیرت سے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا:

"یہ...... یہ آپ کے والد ہیں......؟"

فرید نے چند سیکنڈ تک اپنے باپ کو خالی خالی نظروں سے دیکھا اس کے ماتھے پر اچانک پسینے کی بوندیں چمکیں ہونٹ پھڑپھڑائے اور پھر اپنی گردن موڑتے ہوئے وہ بڑی سپاٹ سی آواز میں بولا:

"یہ ہمارے گاؤں سے آئے ہیں ہمارے گھر کے پرانے ملازم..... بلکہ مجھے تو ایک طرح سے انھوں نے ہی پالا ہے اسی لئے یہ مجھے اپنا بیٹا ہی سمجھتے ہیں......."

بوڑھا اور ملکز در باپ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے بیٹے کو دیکھتا رہ گیا...... اس سے پہلے کہ وہ زمین پر گر جاتا اس کے لرزتے ہاتھ کرسی کی پشت تھام چکے تھے اجنبی شخص اٹھ کر کمرے سے جا چکا تھا اور فرید بڑی لجاجت سے کہہ رہا تھا۔

"بابا میری اپنی ایک مجبوری ہے....... اسٹیٹس ہے...... میں نے ایک اچھے گھرانے میں شادی کر لی ہے...... معاشرے میں ایک مقام رکھتا ہوں....... اب تمہیں کیسے سمجھاؤں اگر لوگوں کو بتاؤں کہ تم...... تم میرے باپ ہو تو...... تو میری پوزیشن کتنی ڈاؤن ہو جائے گی..... دیکھو بابا میری باتوں کا برا مت ماننا..... اس دنیا میں ہر شخص کی اپنی اپنی مجبوریاں ہیں...... مجھے احساس ہے تم نے میری بہت خدمت کی ہے...... مگر ایسا تو سب ماں باپ کرتے ہیں"

"تو کیا تم نے...... تم نے سب کچھ بھلا دیا؟؟؟" بوڑھا اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑتے ہوئے بڑے کرب سے بولا:

بیٹا اپنی کرسی پر خاموش بیٹھا رہا جیسے کوئی پتھر کی بے جان مورتی ہو بے حس مردہ اور سرد.......

بوڑھا اُٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا...... اور تب اس کے عقب سے اس کے اپنے خون اس کے بیٹے کی آواز آئی:

"بابا، یہ دفتر کا ٹائم ہے باہر کئی ملاقاتی بیٹھے ہیں۔ میں اس وقت مجبور ہوں...... گھر سے بچے بھی شاید کہیں گئے ہوئے ہیں...... ورنہ میں تمہیں ساتھ لے چلتا...... ایک گاڑی تین بج کر دس منٹ پر یہاں سے روانہ ہوتی ہے...... غالباً پسنجر ٹرین۔ میرا چپراسی تمہیں اسٹیشن تک چھوڑ آئے گا......"

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں...... مگر...... اب...... میں سوچ رہا ہوں مجھے اپنی وصیت تبدیل کرنی پڑے گی؛" اور پھر وہ اچانک پلٹا اور نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا "پچھلے ماہ انعامی بانڈوں کی قرعہ اندازی ہوئی تو میرا پہلا انعام نکلا۔ اس کی رقم ایک لاکھ روپے کے لگ بھگ ہے۔"

"اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ لمحہ بھر زخمی نظروں سے بیٹے کو دیکھا کیا پھر تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

"ایک لاکھ...... ایک لاکھ......" اسے اچانک بوڑھے کے منہ سے نکلے ہوئے آخری لفظوں کی بازگشت سنائی دی۔ پھر رفتہ رفتہ یہ آوازیں پُراسرار طور پر تیز سے تیز تر ہونے لگیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے نوٹ ہی نوٹ لہرانے اور مختلف شکلوں میں ڈھلنے لگے۔ اس کا منہ بے اختیار کھل گیا...... ہاہا! ایک لاکھ...... عیش ہی عیش...... نیا مکان...... نئی کار...... شاپنگ...... دنیا کی ساری ادھوری خوشیاں صرف ہاتھ بڑھا کر چیک لینے کے فاصلے پر کھڑی تھیں!

وہ اچانک تیزی سے اُٹھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا...... اس نے جلدی سڑک پر لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اپنے باپ کو جا لیا۔

"با...... با......" وہ اپنی پھولی ہوئی سانس کے درمیان ہکلاتے ہوئے بولا اور اسے کندھوں سے پکڑ کر کھڑا ہو گیا "مجھے معاف کر دو......"

بوڑھے نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا...... اور پھر خاموشی سے اس کے ہاتھ اپنے کمزور کاندھوں پر سے جھٹک کر آگے چل پڑا وہ پھر پیچھے لپکا...... اور فقیروں کی طرح اس کے زرد کوٹ کی آستین کھینچتے ہوئے ملتجیانہ انداز میں بولا:

"تم نے معاف نہیں کیا بابا...... اگر تم نے معاف نہ کیا، تو میں...... میں جو تمہارا اکلوتا بیٹا ہوں کچھ کھا کر مر جاؤں گا۔"

تو اتنے ظالم کبھی نہیں تھے...... مجھے معاف کر دو بابا...... اپنے بچوں کی خطا تو سبھی معاف کر دیتے ہیں......"

بابا کے ہونٹوں پہ ایک طنزیہ مسکراہٹ کی لکیری کھینچ گئی......

"یہ معافی تم اپنے ضمیر کی آواز سے مجبور ہو کر مانگ رہے ہو یا ایک لاکھ روپے کی کشش کی وجہ سے......؟"

"روپے کو گولی مارو بابا...... میرا ضمیر...... میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے...... تم اسی وقت میرے ساتھ میرے گھر چلو...... میرے بیوی بچے تمہیں دیکھ کر یقیناً خوش ہوں گے......" "میں کسی بھی جھوٹ کا بوجھ نہیں اٹھا سکوں گا۔" بابا کی آنکھوں کی چمک بے حد گہری ہو گئی تھی۔

"نہیں، نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہو گی...... تم گھر تو چلو بابا۔ مجھے ایک بار اپنی خدمت کا موقع تو دو......"

بوڑھا چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔

"پلیز...... بابا چلو اب...... دیکھو تم کتنے کمزور ہو گئے ہو...... اب میرے پاس رہو گے، تو ایک دم ٹھیک ہو جاؤ گے ہے نا!" بوڑھا کچھ نہیں بولا۔ اس کے ساتھ اپنے کمزور قدم اٹھاتے ہوئے اپنی نحیف آواز میں صرف اتنا کہا:

"میری بڑی آرزو تھی کہ زندگی کی آخری گھڑیاں میں تمہارے پاس گزاروں......"

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

اس شام بوڑھا اپنی بہو، پوتے اور بیٹے کے ساتھ اپنی زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز کر رہا تھا...... کھانے کی میز پر انواع و اقسام کی چیزیں سجی تھیں اور بیٹا اٹھا اٹھا کر اس کی پلیٹ میں رکھتا جا رہا تھا...... اصرار سے کھلا رہا تھا۔

"ابا جی کھائیں نا...... آپ تو کچھ بھی نہیں کھا رہے...... اور ہاں نغمہ، میرے ابا جی بڑی سادہ طبیعت کے ہیں، دیکھنا سعادت میں نرم مزاجی کا ان میں ان کا حصہ ہے۔ بلا مبالغہ لکھ پتی ہوں گے، لیکن کتنے سادہ لگ رہے ہیں...... پتا ہے اپنی شادی کے بارے میں میں نے انھیں کیوں مطلع نہیں کیا تھا...... میں نے سوچا ابا جی ناراض ہو جائیں گے...... وہ یہ شادی نہیں ہونے دیں گے...... خدا کا شکر ہے انھوں نے ہمیں معاف کر دیا اور تمہیں دیکھنے چلے آئے۔ کیوں ابا جی، بہو پسند آئی آپ کو؟"

"بہو تو گھرانے کی عزت ہوتی ہے بیٹا...... ماشاءاللہ...... سلامت رہے...... لیکن یہ تم سعادت کی کیا بات

کر رہے تھے ؟"

"وہ آپ کا مزدوری کانوں میں حصہ ہے نا وہاں"

بوڑھے نے اپنے ہاتھ دامن سے پونچھتے ہوئے نہایت صاف اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا :

"یہ جھوٹ ہے..... میں صرف ایک مزدور ہوں..... اور کچھ بھی نہیں"

فرید نے بات ٹالنے کے لئے فوراً اپنی بیوی کو آہستہ سے کہا: "دیکھا، کتنے عظیم ہیں میرے بابا! لیکن دیکھو ان سے زیادہ سوال وجواب نہ کرنا۔ پچھلے انھیں کاروبار میں خاصا نقصان ہوا تھا، اس کی وجہ سے یہ کبھی کبھی بہکی بہکی باتیں بھی کرنے لگتے ہیں"

⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘

چند دن گزر گئے تو اسے تشویش ہونے لگی۔ ابتدا میں بوڑھے کو رہنے کے لئے اچھا کمرہ اور نیا بستر دیا گیا ایک نوکر ہمہ وقت اس کی چاکری کے لئے موجود رہتا۔ فرید اور اس کی بیوی کا رویہ بھی بڑا محتاط اور خوشامدانہ تھا لیکن آخر کب تک ہر دن گزرنے کے ساتھ زندگی پر چڑھا ہوا ملمع آہستہ آہستہ اُترنے لگا..... اس دن بوڑھا برآمدے میں بیٹھا تھا۔ فرید دفتر جانے کے لئے تیار ہو کر نکلا، تو بوندا باندی ہو رہی تھی۔ وہ برآمدے میں رُک گیا اور اسے سُنانے کے لئے بڑبڑانے لگا :

"بڑی مصیبت ہے دفتر ایسے آنا جانا..... اپنی کار ہو، تو بندہ آرام سے چلا جاتا ہے..... میں نے سوچا تھا کار لے لوں گا، لیکن یہ کم بخت مہنگائی کسی کروٹ چین ہی نہیں لینے دیتی....."

بوڑھے نے اپنا سر اُٹھایا، آہستہ سے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور ہلکی سی "ہوں" کر کے پھر اونگھنے لگا.....

فرید نے جھنجھلا کر سگریٹ زمین پر پھینک کر پیروں تلے کچل دیا اور بڑبڑاتا اور پیر پٹختا ہوا بارش ہی میں دفتر کے لئے چل کھڑا ہوا۔

چند روز بعد دوبارہ دونوں کا برآمدے میں آمنا سامنا ہوا فرید اسے سنانے کے لئے بولا :

"بڑی مصیبت ہے زندگی..... چند دنوں تک نغمہ کے بھائی کی شادی آرہی ہے نغمہ اور بچوں کو نئے کپڑے بنوانے ہیں پھر دولہا دولہن کو بھی کچھ نہ کچھ دینا ہوگا پاس ایک کوڑی نہیں..... سوچتا ہوں کسی سے قرض لے لوں..... اپنی بات

ختم کر کے اس نے پُرامید نظروں سے باباکی طرف دیکھا لیکن وہاں سے سوائے خاموشی کے کچھ جواب نہ ملا، ہاں ایک بار اس نے سر اٹھا کر اتنا ضرور کہا:

"قرض مت لو..... سب ٹھیک ہو جائے گا....."

"کیسے ٹھیک ہو جائے گا؟" بے صبری اس کے سراپا سے ظاہر ہو رہی تھی اس کا خیال تھا باپ اس بات کے جواب میں اسے ایک لاکھ روپے کا چیک پکڑا دے گا اور کہے گا بیٹا سب تمہارے ہیں..... لیکن وہ جب سے آیا تھا گہرے سمندر کی طرح پُرسکون اور خاموش تھا..... اس کا دل چاہتا تھا رقم کے معاملے میں کھل کر بات کرلے..... کہ وہ رقم کہاں ہے؟..... وہ کاغذات وہ چیک بک؟..... آخر وہ ہی تو اکلوتا وارث ہے اپنے باپ سے آخر یہ سب کچھ پوچھ لینے میں کیا حرج ہے؟..... لیکن پھر خیال آتا کہیں باپ یہ نہ سمجھ لے کہ وہ اسے محض پیسوں کے لالچ میں گھر لایا ہے!

اس کشمکش میں وہ روز بروز چڑچڑا ہوتا جا رہا تھا۔ بات بات میں باپ کے سامنے مہنگائی کا ذکر..... زیادتی کا دکھڑا..... روپے کی کمی کا رونا..... لیکن اس کی ان تمام باتوں کے جواب میں وہاں صرف گہرا سکوت تھا یا پھر لمبی سی "ہوں" تھی..... وہ اس خاموشی سے اکتا چلا تھا کہ انہی دنوں بوڑھا ٹھنڈ لگ جانے کے باعث بیمار پڑ گیا وہ اس کا سفرِ آخرت سمجھ کر اس کے سامنے نوکروں پر خوب برستا:

"اباجی کا بستر گندا کیوں ہے؟..... یہ تازہ پھول یہاں لگاؤ..... جوس لے آؤ..... وہ سوپ تیار ہوا کہ نہیں؟ بیگم صاحبہ سے کہو بڑے صاحب کے لئے یخنی خود بنائیں....."

شام ہوئی، تو وہ ٹانگیں دبانے کے بہانے اس کے پاس جا بیٹھا۔ بوڑھا تکیے کے سہارے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اور اپنی بہو کو جو کمرے سے بے ترتیب اور فالتو چیزیں اٹھا رہی تھی، دیکھنے لگا..... اور جب وہ کمرے سے چلی گئی، تو اس کی آنکھوں میں بڑی ٹھہری سی فیصلہ کرلینے والی چمک لہرائی..... اس کے نقوش بند کتاب کی طرح سمجھ میں نہ آنے والے اور پُراسرار تھے..... اور پھر فرید کے شانے پر اپنا کمزور لرزتا ہوا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا:

"فرید..... میں آج ایک خاص بات تم سے کہنا چاہتا ہوں"

فرید کا دل سینے میں یکلخت زور زور سے دھڑکنے لگا..... اور اس کی دھڑکن کنپٹیوں پر ضربیں لگانے لگی.....

اور نہ چاہتے ہوئے بھی الفاظ اس کے ہونٹوں سے ایسے پھسل پڑے جیسے بلندی سے پتھر لڑھکتے اُترتے ہوں، بہت تیزی سے، مگر بہت پستی کی جانب.....

"رقم بہت زیادہ ہے، میں چاہتا تھا کہ آپ اس کے تمام کاغذات اور وصیت وغیرہ کے متعلق بھی مجھے بتا دیں۔۔ زندگی کا اعتبار... آج ہیں، تو کل نہیں....."

"میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے.. میں نے جو تمہیں ایک لاکھ کی رقم جیتنے کی خبر سنائی تھی.....وہ جھوٹ تھی.."

بابا نے اپنا سر جھکا لیا تھا. اس کا چہرہ پہلے ہی کی طرح خاموش..... سوچتا ہوا.....پُراسرار اور گمبھیر ہو گیا تھا مگر... فرید کے چہرے اور جسم پر زلزلے کی سی کیفیت طاری ہو گئی.. وہ چند سیکنڈ تو ایسے منہ کھولے بیٹھا رہا۔ جیسے اس خبر کی گیند اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئی ہو.. اور پھر.. وہ بستر سے ایسے اُچھلا جیسے کرنٹ لگا ہو.....

وہ اپنے ہاتھ کولہوں پر رکھ کر کھڑا ہو گیا اور بوڑھے کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا:

"یہ جھوٹ آپ نے کیوں بولا؟".. وہ الفاظ چبا چبا کر بہت سختی اور درشتی سے بول رہا تھا.....اس کی آنکھیں جن میں چند لمحے پہلے عاجزی اور خاموش سی التجا تھی، اب غصے سے لال سرخ ہو گئی تھیں.....بوڑھے نے اس کے آنچ دیتے ہوئے وجود کو ایک نظر دیکھا. اور پھر اپنی چادر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی بے بسی اور بے چارگی سے لڑکھڑاتی ہوئی اور ٹوٹتی ہوئی آواز میں کہنے لگا:

"مجھے تمہارے پاس رہنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لینا پڑا. میں تمہارے پاس مرنا چاہتا ہوں بیٹے.....میری خواہش ہے میری قبر پر تمہارے ہاتھ بھی مٹی ڈالیں. لیکن...."

"ہونہہ...!" وہ زور سے پھنکارا اور پھر تیزی سے باہر نکل گیا.

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

اور پھر زندگی ایک نئی ڈگر پر چل نکلی.. ہر وقت کی خاطر داری اور ناز برداری ختم ہو گئی.....نوکروں کو دوسرے کاموں پر دھیان دینے کا حکم دے دیا گیا. بوڑھے کی خوراک گھٹا دی گئی، بستر ہفتوں گندا رہنے لگا، کمرے میں

یاں بھنبھناتی رہتیں، مگر کسی کو کمرے کی صفائی کا خیال نہ آتا...... ہیں کہ اپنے خاوند اور نوکر اپنے مالک کے سب سے
و مزاج شناس ہوتے ہیں۔ مالک کا رویہ بدلا، تو انھوں نے بھی نظریں بدل لیں۔

کہاں فرید دن میں کئی بار مزاج پوچھنے آیا کرتا تھا اور کہاں ہفتوں خبر نہ لیتا کہ بوڑھا جی رہا ہے یا مر گیا...... اور
ایک روز اس کا بستر بھی اس کمرے سے اٹھوا کر اسٹور میں ڈال دیا گیا کہ صاحب کا سالا آ رہا تھا اور اس کے لئے الگ
درکار تھا۔

اگلے روز وہ اپنی چھڑی ٹیکتا ہوا بڑی مشکل سے اپنے بیٹے کے کمرے تک آیا۔ اس نے ماتھے پر تیوریاں ڈال کر
اپر بیٹھے بیٹھے استقبال کیا۔ "آؤ اباجی......!"

"میں تم سے یہ کہنے آیا تھا میرے ڈبلو کہ...... میرا بستر اسٹور میں کیوں ڈلوا دیا ہے...... رات کو چوہے بستر پر
دوڑتے ہیں.. ...اور پھر کھڑکی کا شیشہ بھی نہیں...... بڑی ٹھنڈی ہوا لگتی ہے مجھے......"

"اسٹور کونسا بے چھت کا کمرہ ہے...... اچھا خاصا تو ہے...... اب مجبوری ہے نا...... کوئی شریف آدمی آجائے
اسے کہاں ٹھہرائیں......؟"

بوڑھے پر کھانسی کا شدید دورہ پڑا۔ وہ نڈھال ہو کر نیچے فرش پر بیٹھ گیا۔

"تم اپنے کمرے میں رہا کرو بابا...... ہر جگہ کھانس کر جراثیم نہ پھیلایا کرو......" اس کا لہجہ بڑا سرد، اجنبی اور کڑوا تھا۔
میرے ڈبلو...... تم مجھ سے اس لئے ناراض ہو کر...... میں نے جھوٹ بولا یا اس لئے کہ میں غریب آدمی ہوں......
ری مشکل سے بول رہا تھا...... "اور میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ بھی نہیں...... کیا اولاد پر صرف ماں باپ ہی کی
وتکریم فرض ہے؟ کیا بیٹے کے دل میں باپ کی محبت جگانے کے لئے دولت بہت ضروری ہے؟"

میرے پاس آپ کی فضول باتوں کا کوئی جواب نہیں...... آپ کی تو عقل سٹھیا گئی...... بابا، تم اپنے کمرے میں جا کر
م کرو اور بس......"

اس نے شانے اچکاتے ہوئے بیزاری سے کہا...... بوڑھا بوجھل دل لئے آہستہ آہستہ لرزتے پتے کی مانند
ے سے نکل گیا۔

چند روز بعد جب ایک صبح طلوع ہوئی، تو کوٹھی میں شور مچ گیا۔ بابا چل بسا..... بےغافی ٹھنڈی بیٹر ہوانے اس کے بوڑھے اور کمزور جسم کے سیلشدہ ہتے کو منجمد کر دیا تھا...... فرید اس کی رسمًا سی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر ابھی بیٹھا ہی تھا کہ اطلاع ملی ڈرائنگ روم میں ایک وکیل انتظار کر رہا ہے.....اس ادھیڑ عمر اور دیکھنے میں عام سا آدمی لگنے والے شخص کو اس نے اپنے بوڑھے بابا کے پاس اکثر دیکھا تھا...... وہ اسے کوئی ہمسایہ سمجھا تھا جو کبھی کبھی اس کے باپ کے پاس آ بیٹھتا تھا......رسمی علیک سلیک اور تعزیت کے چند کلمات کے بعد بولا: "آپ کے والد صاحب اپنے ترکے میں ایک لاکھ روپے کی خطیر رقم چھوڑ گئے ہیں۔"

فرطِ حیرت اور خوشی سے وہ بار بار آنکھیں جھپکنے لگا..... چہرے پر گلابوں کا سا رنگ دوڑ گیا... نغمہ حیران سی اپنا سر جھٹکنے لگی۔

"میرے بابا بہت دولتمند تھے۔ اگر زمرد کی کانوں میں ان کا نقصان نہ ہو جاتا، تو آج کروڑوں کی دولت کے مالک ہوتے۔" شیخی بگھارنے کا موقع اس نے جانے نہیں دیا تھا۔

وکیل کچھ نہ بولا۔ سنجیدگی سے آگے بڑھا اور اپنے بریف کیس سے وصیت نامہ نکالنے لگا۔

"اس سے پہلے کہ میں یہ وصیت نامہ پڑھ کر سناؤں، مجھے آپ کے ملازم رحمان گل سے کچھ کہنا ہے.....آپ اسے بلوا دیجئے۔"

بڑی بڑی آنکھوں والا دُبلے جسم کا وہ لڑکا بہت سعادت مندی سے آکر وکیل کے پاس کھڑا ہو گیا.......

فرید کی آنکھوں میں بےچینی اور الجھن تھی..... معاً وکیل کی صاف، سنجیدہ اور گونجدار آواز پھر اُبھری:

"آپ کے والد صاحب کی وصیت کے مطابق ان کی ساری رقم رحمان گل کو ملے گی۔"

"رحمان گل کو......؟؟؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے......؟ یہ فراڈ ہے..... یہ جھوٹ ہے......؟"

فرید اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اپنی ہتھیلی پر مکّہ مارتے ہوئے بہت جوش سے بولا:

وکیل نے وصیت نامہ خاموشی سے اس کے سامنے کر دیا جسے وہ بڑی تیزی اور گرسنہ نظروں سے پڑھنے لگا۔

"میری رقم کا صحیح حقدار وہ بیٹا ہے جو اپنے بوڑھے، غریب اور مفلوج باپ کی خدمت بغیر کسی لالچ یا طمع کے کر رہا ہے۔

ام رحمان گل ہے۔ میں جب اپنے کمرے کی کھڑکی سے اس کی کوٹھری میں دیکھتا ہوں، تو مجھے اس کے باپ
ن سُن کر لگتا ہے جیسے اس کی دعائیں میرے ہاتھوں کو یہ وصیت نامہ لکھنے پر مجبور کررہی ہیں۔"
اس سے آگے فرید سے پڑھا نہیں جا سکا...... گزشتہ واقعات دھند کی مانند ذہن پہ چھانے اور مٹنے
ہے تھے...... مگر اب کیا ہو سکتا تھا.....! وہ ہوا نکلے ہوئے غبارے کی مانند کرسی میں دھنستا چلا گیا ٭٭٭

شر + آفت
شرافت

ذرا پلک سے پلک جھپکی تھی کہ شور و شغب کی آواز سے پھر آنکھ کھل گئی۔ میں اُٹھ بیٹھا ایک شور قیامت برپا تھا۔ ہ
کہیں ڈاکہ پڑا۔ نقب لگی یا کوئی خون کی واردات ہو گئی۔ کلمہ پڑھتا آنکھیں ملتا باہر نکلا۔ دل کہے سو بھی تیری بلا سے کچھ بھی ہو۔
ہمدردی کا تقاضا کہ خدا معلوم کوئی خدا کا بندہ بیچارہ مصیبت کا مارا کس آفت میں ہو گا کسی کی جان خطرے میں ہو گی کسی کا مال کسی
ناموس لُٹ رہی ہو گی چل ان چلتے ہاتھ پیروں سے کسی کا بھلا ہو جائے تو اچھا ہے سب سونے والوں کو دل میں بُرا بھلا کہ
جدھر سے آواز آ رہی تھی اُس طرف چل کھڑا ہوا۔ تھوڑی دور پر ایک ٹوٹا سا گھر تھا اس کے باہر لوگوں کا مجمع اور اندر سے لڑ
جھگڑے کی آوازیں چلی آ رہی تھیں۔ عورتیں بھی چلا رہی تھیں۔ مرد بھی ہنکار رہے تھے اس گروہ میں ایک صاحب قدرے
معقول صورت نظر آ رہے تھے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے یہ لوگ کیوں لڑ رہے ہیں۔ بولے صاحب ان کے ہاں لڑ
پیدا ہوا ہے۔ میں نے کہا۔ خدا مبارک کرے شادیانے بجائیں، ہیجڑے بھانڈ نچائیں۔ ستو و پنجیری کے کڑھاؤ چڑھائیں۔ اس
لڑائی جھگڑے کی کیا بات ہے۔ فرمایا صاحب کل اس کا عقیقہ ہے۔ میں نے کہا۔ فبہا عزیز و اقربا کو جمع کریں اپنے پرایوں
دیگیں دم کروائیں۔ کلام پاک میں سے نام نکالیں۔ یہ کم گُٹا کس لئے۔ انھوں نے کہا۔ جناب نام ہی کا تو سارا جھگڑا ہے۔ ہم
یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایک شخص چلغوزے کی وضع قطع کا اخروٹ سا سر کشمش سی آنکھیں پستہ سی ناک منہنی سرو مال بے
بسے احوال سوکھا چھوارا سُنجا کھچا تمام منہ پر نہٹوں کے نشان ہاتھ لہولہان کپڑوں کی دھجیاں اڑی ہوئی اس گھر سے باہر نکلا
ہوا کہ یہ حضرت لڑکے کے والد ہیں۔ میں نے دل میں سوچا عجب قیامتی لڑکا ہو گا جس نے پیدا ہوتے ہی یہ غضب ڈھایا ماں با
میں فساد ڈلوایا۔ ہاتھا پائی جوت پیزار ڈنک نوبت آئی۔ سارے گاؤں میں رسوائی ناک کٹائی ہوئی۔ میں بطور ہمدردی اس شخص
پاس گیا اور کہا صاحب یہ کیا ماجرا ہے بس اتنا پوچھنا تھا کہ وہ پھٹ پڑے بولے۔ صاحب میری لگائی بلا نے بھوٹ

ہے مصیبت ہے پتہ نہیں کم بخت میں کس کم بختنی کا میل ہے کس چڑیل پچھل پیری کی اولاد ہے خدا معلوم اس پر کیا نحوست کی مار ہے
بات میں آپے سے باہر ہو جاتی ہے۔ دیکھئے تو میرا کیا حال کیا ہے تف ہے مجھ پر جو آج سے میں اس سے کوئی واسطہ رکھوں
بے ایمان کو ابھی کھڑے کھڑے نکالتا ہوں۔ یہ الفاظ منہ سے نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ اندرون خانہ سے آواز آئی۔ بڑا آیا
والا ارے تجھ کو نکال کے پھوڑوں گی موئے کاٹے دیکھتا رہ تیرا جنازہ نکلے گا یہاں سے پچھتاتا ہوا او غضب اندھیر یہ مجھے
نکالے گا خاک میں ملا دوں تجھے اور تیرے گھر کو بڑا گھر والا نکلا ہے آواز کچھ ایسی ہیبت ناک تھی کہ میں بھی سہم کر رہ گیا اور اس
سے کی وضع قطع کے آدمی سے پوچھا کہ آخر یہ سارا جھگڑا ہے کس بات پر بولا صاحب کیا بتاؤں۔ ناحق کی ترپاہٹ کر رہی
چھا آپ ہی بتلائیے لڑکے کا نام باپ پر ہونا چاہئیے یا ماں پر، میں کہتا ہوں یہ لڑکا ہے اس کا نام میں اپنے نام پر رکھوں گا
دگی تو تجھے اختیار ہے جو چاہے سو نام رکھ لیجیو۔ اس اوندھی کھوپڑی نے پاکھنڈ مچا رکھے ہیں کہتی ہے ہونی نہیں جو تیرے
نام ہو جائے۔ میرا لڑکا ہے تو ہوتا کون ہے اس کا نام رکھنے والا۔ اتنے میں اندر سے پھر وہی بھیانک آواز آئی۔ لڑکا
ہے میرا ہے ڈنکے کی چوٹ میرا ہے۔ ہزاروں لاکھوں میں میرا ہے تجھے آئے ڈھائی گھڑی کی تجھے لے جائے نگوان، بڑا
والا بنا ہے ارے تیری سات پشت میں بھی کسی کے ہاں لڑکا ہوا ہے" میاں چلغوزے بولے۔ دیکھی صاحب آپ نے
زبان ڈھائی ہاتھ کی ہے، ڈھائی ہاتھ کی اس کی باتیں سنتے سنتے میرا کلیجہ چھلنی ہو گیا۔ بس اب مجھ میں برداشت نہیں
یں ان کا ہاتھ پکڑ کر ذرا دور لے گیا۔ کچھ دم دلاسا دیا۔ تسلی تشفی کی سمجھایا میاں ذرا سی بات کا بتنگڑ بنانا کونسی عقلمندی
ہی اس وقت طرح دے جاؤ، غصہ حرام شے ہے۔ لعنت بھی بھیجو، تھوک دو اس وقت اس کی ضد ہو جائے دو ایسا بھی
ہے خدا دوسرا لڑکا دے گا تم اس کا جو چاہنا نام رکھ لینا خواہ مخواہ گھر بگڑ جائے گا، وہ بہت بگڑ کر بولے۔ صاحب گھر
بھاڑ میں میری جوتی سے بگڑے چاہے رہے لڑکے کا نام تو میرے نام پر ہو گا کیوں صاحب میں باپ ہوں میرا اتنا بھی
یں" جب میں نے دیکھا کہ یہ ضد کا پتلا، ہٹ کا پورا مریم پرٹلیم نہیں کسی عنوان کو مانتا ہی نہیں تو پوچھا "صاحب یہ تو بتائیے
کا اسم گرامی ہے کیا" بولے صاحب کیا اسم گرامی کیا نام نامی، بس ایک مصیبت ہے خدا جہنم نصیب کرے ماں باپ کو
نے ایسا نام رکھا ہے کہ کچھ کہہ ہی نہیں سکتا۔ اگر اس وقت زندہ ہوتے تو بوٹیاں کاٹ ڈالتا بوٹیاں" میاں چلغوزے کچھ ایسے
ں آئے کہ آنکھیں لال ہوگئیں، منہ میں جھاگ آگئے۔ میں نے بمشکل ٹھنڈا کیا کہا، پاگل ہوئے ہو جہنم میں گھر بنا رہے ہو خدا سے

ڈرو ایسی باتیں مت کرو ایسا بھی کیا ہے مجھے بتاؤ تمہارا کیا نام ہے ؎

ہم سے نہ چھپا ظالم ہم یار ہیں یاروں کے

بولے گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل آپ پوچھے بغیر تھوڑی مانیں گے۔ صاحب بات یہ ہے کہ میرے ماں باپ کے ہاں اولاد جیتی نہیں تھی۔ کئی بچے ہوئے اور ہٹ ہٹ گئے جب میں ہوا تو ایک فقیر صاحب نے بتایا کہ بچے کا نام ایسا بُرا رکھو جو موت کو پسند نہ آئے۔ شاید اس طرح تمہارا بچہ بچ جائے۔ ابا جان نے سوچ کر میرا نام "شر" رکھا اس سے سب الحذر کرتے ہیں۔ ہمارے پڑوس میں میری گھر والی کے والدین رہتے تھے اور ان کے بچے بھی مر جاتے تھے جب یہ کم بخت نازل ہوئی تو انھوں نے بھی ہماری دیکھا دیکھی اس کا نام "آفت" رکھا۔ خدا کا کرنا ہم دونوں کی شادی ہوگئی۔ اب ہمارے ہاں خدا نے لڑکا دیا۔ آپ ہی انصاف سے بتائیے پہل پلوٹھی کا لڑکا باپ کے نام پر اس کا نام نہ رکھا جائے تو یہ بے نامی کی موت اور وہ نیک بخت کسی صورت راضی نہیں ہوتی اپنی ہٹ پر اڑی بیٹھی ہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے پر کیا مجال جو وہ ناگن اپنے ہٹ سے ٹل جائے۔"

یہ سارا واقعہ سن کر بے ساختہ زبان پر آیا۔ "ایں خانہ تمام آفتاب است باپ "شر" ماں "آفت" بیٹا "قیامت"۔ پر ضبط سے کام لیا۔ دماغ پر زور دیا کہ ان کی اولاد کے واسطے کیا نام مناسب ہے۔ قسمت کی بات خدا کو بات رکھنی تھی ایسا نام سوجھا کہ میں پھڑک اٹھا بولا۔ "لاؤ استاد قورمہ کا ہاتھ تسمیہ اس وقت ایسا نام خیال شریف میں آیا ہے کہ سن کر پھولے نہیں سماؤ گے بولے کیا نام؟ میں نے کہا۔ "نام ایسا نام کہ تم بھی خوش تمہاری گھر والی بھی خوش، پر ویسے ہی تھوڑی بتائیں گے۔ پہلے یاروں کی مٹھی گرم کرواؤ، خیر دینا دلانا تو ان کو کیا تھا جب بیچارے بہت منت سماجت خوشامد درآمد کر چکے تو ہم نے کہا۔ "یار تمہارا نام شر، تمہاری بیوی کا "آفت" تمہاری اولاد کا نام "شرافت" سب سننے والے مرا سنہ تکنے لگے۔ اکڑ نے قدم لئے جھگڑا جھکا قصہ پاک ہوا اور صاحبزادے کا نام "شرافت" قرار پایا۔ (ادیب الملک خواجہ محمد شفیع دہلوی۔ "دلّی کا سنبھالا")

حجاب

پیاز

(عبدالجبار بھٹی)

پیاز کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سُرخ اور ایک سفید۔ یہ دونوں قسمیں پوری دنیا میں بکثرت کاشت کی جاتی ہیں۔ آج سے صدیوں پہلے یونانی اطباء نے اس مفید اور اعلیٰ غذا پر ریسرچ کر کے ہماری روزمرہ کی غذا میں شامل کر دیا کیونکہ اس معمولی سی غذا میں گوشت پیدا کرنے والے اجزاء اور وٹامنز کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

پیاز دل کو طاقت دیتی، بدن میں ریح اور ہوا کو خارج کرتی اور ہر قسم کے زہریلے فاسد مادّوں سے بدن کو پاک صاف رکھتی ہے۔ روٹی کے ساتھ کھانے سے ایک عمدہ سالن کا کام بھی دیتی ہے۔ اگر دو چپاتیوں کے ساتھ آدھ پاؤ پیاز اور دو چھٹانک گڑ کھالیں تو پیٹ بھرنے کے ساتھ ساتھ ایک دن کی تمام مطلوبہ اثرات والی غذا حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کی خوشبو زہریلی ہوا کو اپنے لطیف روغنی اجزا سے پاک صاف کر دیتی ہے۔

پرانے زمانے کے طبیب ہیضے کی وبا کے دنوں میں پیاز کے ٹکڑے کر کے اپنے گھر کے صحن میں جا بجا لٹکا دیا کرتے تھے۔ ہیضہ ہو جانے کی صورت میں جب شدت سے دست اور قے آتی ہو تو چھ ماشے پودینہ، تین ماشے چھوٹی الائچی کے دانے کوٹ کر ایک تولہ پیاز کے پانی میں ملا کر حسب ضرورت کھلانے سے آرام آجاتا ہے۔

گیس اور ہاضمے کی کمزوری والے مریض ایک پاؤ پیاز کے ٹکڑے آدھ سیر سرکہ کے ساتھ شیشے کے مرتبان میں ایک دو دن دھوپ میں رکھ کر دونوں وقت کھانے کے ساتھ چھ ماشے سے ایک تولہ تک کھائیں تو قوت ہاضمہ درست ہو جاتی ہے اور گیس سے بھی چھٹکارا مل جاتا ہے۔

پیاز کے استعمال سے دانتوں کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں اور دانتوں پر میل نہیں جمتی۔ اس کے

یک چھٹانک سے تین چھٹانک تک پانی میں پانچ سات چمچ چینی ملا کر صبح کے وقت پینے اور اس کے ساتھ دو گولیاں حب مقل استعمال کرنے سے چند روز میں خونی بواسیر کا مکمل خاتمہ ہو جاتا ہے۔

جب دل کے ارد گرد چربی جمع ہو جائے اور اس کی شریانوں میں کولسٹرول جم جانے سے دوران خون میں رکاوٹ پیدا ہو جائے یا دل کی شریانوں میں خون کی گردش میں رکاوٹ پیدا ہو جائے تو چند ہفتے تک جواہر مہرہ آدھ سے دو رتی تک ایک چائے کے چمچہ کے برابر پیاز اور لیموں کے پانی کے ساتھ استعمال کرنے سے دل کی اجڑی ہوئی دنیا میں رونق آجائے گی۔

نیند نہ آنے کی صورت میں رات کو سوتے وقت چھ ماشہ سے ڈیڑھ تولہ تک پیاز کھانے سے نیند آنے لگتی ہے اور آدمی پرسکون سو سکتا ہے۔

پیاز کو آگ پر سینک کر اس کا رس نکال لیا جائے اور چائے کا آدھ چمچہ پلانے سے بچے کے پیٹ کا درد ختم ہو جاتا ہے۔

پیٹ میں ریاح جمع ہو جائے اور پیٹ پھول جائے تو ایک رتی ہینگ، تین رتی سیاہ نمک ایک چمچہ پیاز کے پانی میں ملا کر دن میں ایک دو مرتبہ استعمال کرنے سے صحت ہو جاتی ہے۔

پیاز اور کلونجی چھ چھ ماشے حقے کی چلم میں رکھ کر اس کا دھواں کھینچنے سے دانتوں کا درد اور مسوڑھوں کے ورم کو آرام آجاتا ہے۔

پیاز کا پانی کان میں ڈالنے سے کان کا درد ختم ہو جاتا ہے۔

شہد اور پیاز کا پانی برابر وزن ملا کر چند روز تک آنکھوں میں ڈالنے سے آنکھوں کا درد، سرخی اور نظر کی کمزوری دور ہو جاتی ہے۔ اس کا پانی لگانے سے بچھو کا زہر بھی ختم ہو جاتا ہے

اگر کوئی شخص اپنے گنجے پن سے پریشان ہے تو اسے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پیاز کا پانی نکال کر چند ہفتے تک اپنے گنج پر لگاتا رہے۔ انشاء اللہ سر پر دوبارہ بال اُگنے لگیں گے۔

افسانہ

دُھلی ہوئی سلیٹ

فردوس انور قاضی

صبح کے وقت بچے اسکول، مسٹر اور مسز اپنے دفتر چلے گئے تو اس نے جلدی سے دروازے کی کنڈی لگائی، کھڑکیوں کے پردے برابر کئے اور قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہوگئی میلے کچیلے کپڑے، اُلجھے بال، چہرے پر توے کی سیاہی تھی لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود وہ خود کو بہت اچھی لگی۔ اُس نے آہستہ سے کریم کی شیشی اُٹھائی۔ بست کُن خوشبو سے دل و دماغ معطر ہوتا چلا گیا پھر کسی خیال کے تحت جلدی سے اُسے رکھا اور باتھ روم کی طرف دوڑی خوشبودار صابن سے خوب رگڑ رگڑ کر منہ دھویا اور بیگم کے تولیہ سے منہ صاف کر لیا جس میں سے بھینی بھینی خوشبو آرہی تھی۔ پھر اندر چلی آئی نرم اور خوشبودار کریم کو ہاتھوں پر رگڑا اور منہ پر لگا لیا۔ اُسے یوں لگا جیسے پھولوں کی نرم نرم پتیاں اس کے منہ سے مس ہو رہی ہوں۔ ساتھ ہی سفید رنگ چمک اُٹھا۔ بھدے چہرے والی بیگم سے تو کہیں زیادہ اچھی ہوں۔ صبح کو کیسے مزے سے صاحب کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر اِتراتی ہے۔ اس نے ہونٹوں پر لپ اسٹک کی گہری تہہ جماتے ہوئے شیشے میں جھانکا۔ اگر میرے پاس اچھے کپڑے ہوں تو؟ شیشہ میں اپنے میلے اور جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے دوپٹہ کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا اور ساتھ ہی کھونٹی سے نیلے رنگ کا دوپٹہ اُتار لیا جو نقش کے کام سے جگمگا رہا تھا۔ مسز اسماعیل نے یہ دوپٹہ رات ہی دعوت سے

کر لٹکا یا تھا۔ اس نے اپنا دوپٹہ اُتار پھینکا اور
ہ دوپٹہ اوڑھ لیا۔ سُرخ ہونٹ نیلے جگمگاتے
دوپٹے میں دہک اُٹھے اور وہ مختلف پوز
نا کر خود کو دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ مختلف
زاویوں سے بنتا سکڑتا اور مسکراتا رہا۔
خود کو اس روپ میں دیکھ کر عجیب سرور اور
نشہ کا احساس اُبھرتا چلا گیا۔ جسم میں میٹھا میٹھا
درد اور ہونٹ دہکتے انگارے بن گئے
اس نے طویل انگڑائی لی اور کھڑی ہو گئی۔
دوپٹے کو اس نے پورے جسم پر اس طرح
پھیلا لیا کہ اس کے بوسیدہ کپڑے ایک
حد تک چھپ گئے۔ اس کی نظر اٹیچی کی طرف
اُٹھی۔ آج وہ کھلا ہوا تھا۔ آفس کی جلدی میں
مسز اسماعیل اکثر چیزیں کھلی ہی چھوڑ جاتی
تھیں۔ اس نے اٹیچی کھولا۔ رنگ برنگے
کپڑے، خوبصورت ساڑھیاں۔

اچانک آہٹ ہوئی۔ اس کا دل اچھل کر
حلق میں آ گیا۔ اس نے تیزی سے اٹیچی بند
کر دیا۔ خوف سے حلق خشک ہو رہا تھا اور
ٹانگیں لرزنے لگیں۔ وہ بہت دیر تک
دم سادھے دوسری آہٹ کا انتظار کرتی
رہی لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ آہستہ آہستہ
حواس مجتمع ہوئے تو اُس نے ڈرتے ڈرتے
کھڑکی کا پردہ کھسکا کر باہر دیکھا۔ وہاں کوئی
نہ تھا۔ اطمینان کا سانس لے کر اُس نے
اپنے گھنے گھونگریالے بالوں پر ہاتھ پھیرا
ساتھ ہی اُسے مسز اسماعیل کی کبوتر کی نچی
ہوئی دم جیسی یاد آ گئی۔ وہ دھیرے سے
مسکرائی۔ مغرور انداز میں اُٹھی اور بیگم کی
مسہری پر بیٹھ گئی۔ فوم کے گدے دبتے چلے
گئے۔ اُسے بڑا مزا آیا۔ وہ اُچھلنے لگی۔ قریب
رکھے کمبل کو چھوا۔ بالکل بلی کی طرح نرم گرم
اور چکنا تھا وہ اُسے اوڑھ کر لیٹ گئی۔ اُسے
یوں محسوس ہوا جیسے نرم گرم پروں کے ڈھیر
میں گھس گئی ہو۔ کمبل میں لونگوں اور نہ جانے
کس کس چیز کی ملی جلی بہت پیاری خوشبو آ رہی
تھی۔ واہ اللہ میاں مزا آ گیا۔ کیا مزے کی
نوکری ہے!

دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ ہڑ
بڑا کر اُٹھ گئی۔ جلدی جلدی بستر ٹھیک کر

ور باتھ روم کی طرف دوڑی چلی گئی۔ تیزی
سے منہ صاف کیا اور پاگلوں کی طرح کچن
ں گھسی۔ توے کی سیاہی منہ پہ ملنے کی
شش کی۔ اچھی طرح دوپٹہ لپیٹتی ہوئی
ئی۔ اور دروازہ کھول دیا۔

مسز اسماعیل بھنائی ہوئی اندر داخل
وئیں۔ "کہاں مرجاتی ہے؟ اتنی دیر میں
ہوں کھولتی ہے دروازہ ؟"

وہ چپ رہی۔

"اری بولتی کیوں نہیں ؟"

وہ دوپٹہ منہ میں دبا کر ہنسنے لگی۔ مسز
اسماعیل اُس کی اداؤں پہ بھڑکی جا رہی
تھیں۔

"کیا کر رہی تھی بتاتی کیوں نہیں ؟"

"کچھ نہیں!" اُس نے لجاتے، بل کھاتے
اور شرماتے ہوئے جواب دیا۔ دوپٹہ بدستور
منہ میں ٹھنسا ہوا تھا۔

مسز اسماعیل جلتی پیر پٹختی کمرے میں
چلی گئیں۔ "عجیب جانور میرے سر لا کر تھوپ
دیا اس بابا کے بچے نے۔" لباس تبدیل کر کے
وہ کچن میں چلی آئیں۔ وہاں گندگی کے ڈھیر تھے
انڈوں کے چھلکے صبح کے برتن جوں کے توں پڑے
ہوئے تھے جن کو وہ اب جلدی جلدی دھونے
میں مصروف ہو گئی تھی۔

"ارے تو صبح سے کیا کر رہی تھی جو سب
کام جوں کا توں پڑا ہے؟" مسز اسماعیل نے حیرت
اور غصہ کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اُسے
گھورا۔

وہ منہ نیچے جھکائے تیزی سے برتن دھوتی
رہی۔

"میں تجھ سے کہہ رہی ہوں، بولتی کیوں نہیں
صبح سے کیا کر رہی تھی؟" مسز اسماعیل نے اس
کے سر پر چپت لگاتے ہوئے پوچھا۔

پاگل کہیں کی مارتی کیوں ہے؟ خود تیرے
ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں خود دھو لے نا، اس نے
تیزی سے سوچا لیکن بولی کچھ نہیں گھٹنوں پر منہ
ڈالے برتن دھوتی رہی۔

"ٹھیک ہے آج بابا سے کہتی ہوں کہ مجھے
اس کی ضرورت نہیں یا اپنی بڑی لڑکی کو دے
یا اسے بھی لے جا۔ ڈیڑھ دو ماہ میں پاگل کر دیا

یشنے"۔ وہ پیر پٹختی اندر چلی گئیں۔
اس کا جھکا ہوا سر ان کے جاتے ہی اوپر
اُٹھا۔ ہونٹ نکال کر گردن کو جھٹکا دیا اور برتن
زور زور سے پٹخنے لگی"۔ بڑی آئی کہیں
سے بیگم! سڑی شکل"۔
بابا اس مصیبت کو یہاں سے لے جاؤ،
س نے تو دماغ کھا لیا۔ سارا کام اسی طرح
ڑا رہتا ہے۔ جانے کیا کرتی رہتی ہے میرے
لئے یہ بالکل بے کار ہے"۔ شام کو بابا کے آتے
ی مسز اسمٰعیل اس پر برس پڑیں۔
"بی بی دیکھو ہم بہت دن تمہارا خدمت
ا۔ ابھی ہم بوڑھا ہو گیا تو ہم نے اپنی لڑکی دیدیا۔
بھی تم اس کو کام سکھاؤ۔ نہیں کرتا اس کو
رو۔ ادھر دفن کر دو۔ ہم کچھ نہیں بولے گا
م خود اس سے عاجز ہے۔ ہمارا ابھی جان
دے گا"۔
"بابا میرے پاس جانوروں کے سدھانے
ا ٹائم نہیں تم اسے یہاں سے لے جاؤ"۔ مسز
معیل غصے سے بولیں اور کمرے میں لوٹ گئیں۔
بابا نے جھلا کر اسے گھورا"۔ کام کیوں
نہیں کرتی ؟"
وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔
"کام کیوں نہیں کرتی"۔ بابا دھاڑا۔
وہ پھر بھی چپ ہی رہی۔
بابا رسّی اُٹھا کر اُسے پاگلوں کی طرح مارنے
لگا"۔ بول کام کرے گی۔؟"
"ہاں ہاں کروں گی، اب مجھے معاف کر دے
میں کام کروں گی"۔ وہ ہاتھ جوڑ کر گھگھیانے
لگی۔
چیخوں کی آواز سُن کر مسز اسماعیل باہر نکل
آئیں"۔ یہ کیا ہنگامہ مچایا ہوا ہے"۔ انھوں نے لڑکی
کو چھڑاتے ہوئے کہا۔
بابا نے رسّی پھینک دی، اور اپنے صافے
کو درست کرتے ہوئے بولا"۔ اگر پھر یہ کام
نہ کرے تو ہم کو بتاؤ، اس کو ادھر ہی زندہ دفنا کر
جائے گا۔
"لالچی بڈھا ہر ماہ سو روپے جو ملتے ہیں۔
کیسا بیگم کے اشارے پر ناچ رہا ہے"۔ پٹائی
سے بچ کر ذرا اوسان درست ہوئے تو اس
نے باپ کو نفرت سے دیکھا۔

"چل جا کے کام کر" مسز اسماعیل نے گویا معاف کرتے ہوئے اس سے کہا۔
"کتی کی بچی، حرام زادی، مار کھلوا کے مزا مل گیا نا؟" اس نے دل ہی دل میں گالی دی اور چپ چاپ کچن کی طرف بڑھ گئی۔
"کریمن پانی پلاؤ" مسز اسماعیل کے چھوٹے بچے نے پانی مانگا۔
"کیسے اپاہج بچے ہیں، پانی تک خود نہیں پی سکتے، بدتمیز کہیں کے"۔ وہ چپکے سے بڑبڑائی۔ اور پانی لا کر بچے کے ہاتھ میں تھما دیا۔
شام ہو رہی تھی۔ سب کہیں جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ وہ انتہائی تکلیف کے عالم میں ان کو دیکھتی رہی۔ روز سب گھومنے چلے جاتے ہیں اور وہ گھر کی چوکیداری کرتی ہے۔ "خدا کرے ان کی کار ٹوٹ جائے" اس نے چپکے سے کوسا۔
سب چلے گئے تو اس نے دروازے کی کنڈی بند کر لی۔ کچھ دیر وہ مختلف کمروں کے چکر لگاتی رہی۔ پھر صوفے پر بیٹھ گئی۔ معنو کا بچہ تو قالین کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتا۔ اس خیال کے ساتھ ہی وہ قالین کی طرف بڑھی اس پر دو تین قلابازیاں لگائیں اور باہر نکل آئی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ اب وہ کیا کرے۔ کچن کی طرف بڑھی۔ دودھ پتیلی کو کھول کر دیکھا۔ ٹھنڈے دودھ پر بالائی کی موٹی تہہ تھی۔ اُس نے چمچہ میں لے کر تھوڑی سی چکھی۔ بہت مزیدار لگی۔ وہ وہاں سے ہٹنا چاہتی تھی۔ لیکن قدم چپک گئے یہاں تک کہ بالائی پوری صاف ہو گئی اور دودھ بھی آدھا رہ گیا جانے اس دودھ میں کیا تھا کہ بھوک چمک اٹھی مجبوراً دودھ کو چھوڑ کر، وہ کچھ اور تلاش کرنے لگی۔ آٹا گوندھا ہوا تھا۔ اُس نے جلدی جلدی پراٹھا پکانے کی کوشش کی۔ اس کے کونے تو کئی بن گئے۔ لیکن ذائقہ بالکل گول پراٹھے کا سا تھا۔ اس کے ڈبہ میں سے تیزی چینی نکالی، اور تیزی سے پورا پراٹھا گٹک گئی۔ باورچی خانے سے پراٹھا پکائے جانے کے ہر نشان کو مٹا کر وہ باہر نکلی۔ شام رات کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔ اس نے باہر لان میں کرسیاں نکالیں میز وغیرہ درست کی اور وہیں برآمدے کی

دہلیز پر بیٹھ گئی۔ ہلکی خنکی لئے ہوا چل رہی تھی گہرے سرمئی پہاڑوں کے پیچھے سے چاند جھانک رہا تھا۔ لان میں بچھی ہوئی سبز گھاس کی نرم پتیاں ہوا میں دھیرے دھیرے ہلتی ہوئی اُسے بہت پیاری لگیں۔ گلاب کے پودوں پر قرمزی اور سفید گلاب جھول رہے تھے اس نے شاخ پکڑ کر دو سفید گلاب آنکھوں کو لگائے۔ گلاب ٹھنڈک بن کر اس کے بے چین وجود میں سرایت کر گئے۔ اور اُس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔

دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔

وہ چونک گئی۔ کچھ دیر تک تو قطعی طور پر نہ سمجھ سکی کہ یہ کیا ہوا۔ نیند کا نشہ سرور بن کر اس کے روئیں روئیں میں اُبھر رہا تھا۔ دوسری دستک سنتے ہی اُس نے تیزی سے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

صاحب، بیگم اور بچے لوٹ آئے تھے۔

" ارے پگلی یہ تو کیا کرتی رہتی ہے۔ ہمیشہ دروازہ دیر سے کھولتی ہے" صاحب نے اس کے سر میں ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔

لیکن وہ حسبِ دستور چپ رہی۔

" بالکل ہی پاگل ہے" مسز اسماعیل نے اُسے غصّے سے دیکھا اور اندر چلی گئیں۔ بچے اپنے کھلونے دیکھنے میں مصروف تھے جو وہ ابھی ابھی لے کر آئے تھے۔

وہ کسی کام سے کمرے میں گئی، وہاں کوئی نہ تھا صاحب اپنے کمرے میں تھے۔ بیگم شاید باتھ روم میں۔ وہ بہت دیر تک سوچتی رہی کہ کمرے میں کس لئے آئی تھی۔ لیکن کام یاد نہ آسکا سامنے بیگم کا پرس پڑا ہوا تھا۔ اسے اپنے ہاتھوں میں کھجلی سی محسوس ہوئی۔ آخر دیکھے تو سہی۔ اس میں ہے کیا۔؟ اس نے محتاط انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا اور پرس کھول لیا۔ اس میں ڈھیروں نوٹ تھے۔ اتنے نوٹ دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اور پھر اُسے کچھ معلوم نہ ہوا کہ کیا ہوا ہے کیسے ہوا۔ وہ تو جب کچن میں لوٹی تو اس کے ہاتھ میں خستہ کرارا دس کا نو[illegible] تھا۔ دل خوشی اور خوف کی ملی جلی کیفیت اس زور سے دھڑک رہا تھا کہ بیگم صا[illegible] آواز ہی سنائی نہیں دی۔ جو اُسے بڑے[illegible]

بُلا رہی تھیں۔ اب وہ تنگ آ کر خود ہی کچن کی طرف آ رہی تھیں۔ اس نے آہستگی اور تیزی سے نوٹ کو شلوار کے نیفے میں اُڑس لیا اور بے مقصد ہی کارنس پر چیزوں کو اُلٹ پلٹ کرنے لگی۔ پھر اچانک اُسے لگا جیسے دھماکہ ہوا ہو۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ بیگم صاحبہ شعلہ بار نگاہوں سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔ اُسے کچھ معلوم نہ ہو سکا یہ کیا ہو رہا ہے اُس کے سامنے سبز رنگ کا نوٹ ناچ رہا تھا۔ بیگم نے شاید دودھ کی پتیلی کو دیکھ لیا تھا۔ پے درپے تین چار دھماکے اور ہوئے۔ چانٹے کرارے تھے لیکن اُسے قطعی تکلیف یا افسوس نہیں ہوا پیٹ بھرا ہوا تھا اور دس کا نوٹ نشہ بن کر جسم میں تیر رہا تھا۔

"بھئی یہ روز کیا ہنگامہ رہتا ہے؟" شور سُن کر اسماعیل صاحب بھی آ گئے۔

"یہ دیکھیں سارا دودھ پی گئی۔ اب چھوٹی بے بی کیا پیئے گی؟" مسز اسماعیل ان کی طرف مڑیں۔

"چھوڑو اور آ جائے گا۔" اسماعیل صاحب نے بات ٹالنی چاہی۔

"ارے آپ کو نہیں معلوم اس نے کیسا پاگل بنا رکھا ہے۔ اس روز ساری مُرغی ہڑپ کر گئی اور مجھے مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔"

اُسے وہ دن یاد آ گیا جب بیگم مرغی چولھے پر چڑھا کر یہ کہہ کر گئیں کہ پانی خشک ہو جائے تو اُتار لینا..... اُس نے پانی دیکھنے کے لئے ڈھکن کھولا تو گرم مصالحے میں رچا ہوا سوندھی سوندھی خوشبو کا ایک ایسا جھونکا آیا کہ وہ اُسے چکھنے کی خواہش کو نہ دبا سکی اور پھر چکھتی ہی چلی گئی۔ بس غلطی یہ ہوئی کہ اس کی ایک ٹانگ بھی کھا گئی اور یوں پول کھل گئی۔ اپنی اس حرکت پر وہ خود ہی مسکرا دی۔ اس دن بھی بڑی مار پڑی تھی۔ توبہ! اُس کی مسکراہٹ گہری ہونے لگی۔

"اُس کے دماغ میں خلل ہے" فروزہ بیگم نے اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ دیکھی جھلاتے ہوئے بولیں۔ اور کمرے میں لوٹ آئیں

اس نے اطمینان کا سانس لیا اور دہلیز پر بیٹھ کر دیوار کے ساتھ ٹک گئی۔ آنکھیں بند

نوٹ کے متعلق سوچنے لگی۔

اگلے دن اتوار تھا سب لوگ کہیں جانے کی تیاری کر رہے تھے"۔ شاید شام تک پروگرام ہے جبھی تو ساتھ لے جانے کے لئے پر اٹھے، کباب تیار ہو رہے ہیں"۔ اس نے برتن دھوتے دھوتے سوچا۔

آج وہ ان کے جانے پر خفا نہیں تھی بلکہ چاہتی تھی کہ جلد از جلد سب چلے جائیں۔ دس روپے خرچ کرنے کا پروگرام وہ طے کر چکی تھی۔ بس موقع ملنے کی دیر تھی اور یہ موقع اُسے جلد ہی مل گیا۔ سب کے جاتے ہی اس نے اندر سے تمام دروازے بولٹ کئے اور صحن کی چار دیواری کود کر باہر آ گئی۔ باہر کھلی فضا میں نکل کر اُسے بڑا سکون ملا۔ سامنے ہرے ہرے کھیت اور دھوپ میں ہلکی ہلکی گرمی رچی ہوئی بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے ان کھیتوں میں جا بیٹھ جائے۔ لیکن اپنی خواہش کو دباتے ہوئے قریب کی گلی میں گھس گئی۔ جہاں چھوٹی سی کچی دکان تھی۔ وہاں سے اُس نے غباروں کا ایک پیکٹ، بسکٹ کا ڈبہ اور کچھ نمکین چنے خرید لئے۔ اب اس کا رُخ سرونٹس کوارٹرز کی جانب تھا۔ جلد ہی ایک بوسیدہ دروازے تک پہنچ کر وہ اندر داخل ہو گئی۔ صحن میں کھڑی ہوئی بکری کا منہ چوما۔ اُس کے قریب پڑے ہوئے غلاظت کے ڈھیر اور برآمدے میں پڑے ہوئے چکٹ بستروں پر طائرانہ نظر دوڑائی اور کمرے میں چلی آئی۔ اندر اُس کی بڑی بہن گیلی لکڑیوں میں پھونکیں مار رہی تھی اور چھوٹی بہن گود میں اپنے مدقوق بھائی کو لئے بیٹھی تھی۔ برابر دوسرا بھائی بالکل ننگ دھڑنگ بیٹھا روئے جا رہا تھا۔ ماں اور بابا دونوں اپنے اپنے کاموں پر گئے ہوئے تھے۔

اس کو دیکھتے ہی بڑی بہن نے بے پروائی سے پوچھا کہ وہ کیوں آئی ہے؟

اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھیلی اُلٹ دی۔ نمکین چنے اور بسکٹ کا ڈبہ نکل کر زمین پر بکھر گئے۔ اس نے دیکھا کہ سب کے بجھے ہوئے میلے میلے چہروں پر یک دم تازگی پھیل گئی۔ وہ ان چیزوں پر ٹوٹ پڑنے والے انداز میں

بڑھے۔ پھر اسے دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ اس نے خود ہی تمام چیزیں اُٹھا کر ان میں بانٹ دیں چند لمحہ بعد ہی وہ اُسے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہو۔ ان کی نگاہوں میں کہیں سے ایک دم ہی عقیدت اور محبت سمٹ آئی تھی۔ اس نے غباروں کا پیکٹ کھولا۔ اور ان میں منہ سے ہوا بھرنے لگی۔ جلد ہی نیلے پیلے سبز اور لال چمکدار غبارے چھوٹے سے کمرے میں پھیل گئے چھوٹے بچے جو چنے اور بسکٹ سیکنڈوں میں ختم کر چکے تھے تیزی سے لپک لپک کر غباروں سے کھیلنے لگے۔ اس وقت وہ خود کو ہوا میں اُڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ اونچی اور بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی ہے وہ بہن بھائی جو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اس کے ہر اشارے پر پھرکی کی طرح ناچ رہے تھے۔ کمرے کی فضا میں دھواں رچا ہوا تھا۔ اور چاروں طرف بھوک کا نظر نہ آنے والا بھوت ناچتا ہوا محسوس ہوا۔ جلد ہی اس کا دم گھٹنے لگا اور وہ باہر نکل آئی اس نے حیرت سے سوچا کہ وہ اب تک اس گھر میں کیسے رہتی رہی۔ چلتے چلتے وہ بنگلہ کے قریب رُکی اور چار دیواری پھاند کر اندر داخل ہو گئی۔ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔ صحن میں اُجلے اُجلے بستر ابھی تک جوں کے توں پڑے تھے۔ گھاس کے فرش کو ہوا کے جھونکے ہلکورے دے رہے تھے۔ فضا موتیے کی خوشبو سے رچی ہوئی تھی۔ دیوار کے سہارے کھڑے ہو کر اس نے آنکھیں بند کیں اور گہری سانسوں کے ذریعے خوشبو کو اپنے دماغ میں سمیٹنے لگی جھک کر موتیے کا پھول توڑا اور سونگھتی ہوئی کمرے میں چلی آئی۔ آج پورے ایک دن کی بادشاہت اسے ملی تھی۔ اس نے ریڈیو کھولا اور مسہری پر چڑھ کر بیٹھ گئی تکیہ اُٹھایا، اُسے سامنے رکھا اور اُلٹی لیٹ کر اخبار دیکھنے لگی لیکن اخبار کی سیاہ لائنوں میں کوئی دلچسپی نہ ملی تو اُکتا کر اُٹھ گئی۔ اچانک اس کی نظر چابیوں کے گچھے پر پڑی جو تکیے کے نیچے موجود تھا۔

وہ خوشی سے اُچھل پڑی۔ آج وہ بڑے بکس کو بھی دیکھ سکے گی جس میں جانے کیا کچھ رکھا

ہوا ہے۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھی اور بکس کا
تالا کھول ڈالا۔ اندر شنیل کی جھلملاتی چادریں،
موتیوں سے بھری ہوئی کوٹیاں، خوبصورت
کڑھے ہوئے کشن، میز پوش، گرم سویٹر، کلابتو
سے بنا جالدار پلنگ پوش، چاندی کے برتن
اور ڈھیروں چیزیں تھیں۔ وہ ایک ایک چیز کو
انتہائی شوق اور تجسس سے دیکھتی رہی۔ پھر
ان چیزوں میں ایک گہرے سبز رنگ کا ڈبہ
نظر آیا۔ یہ ڈبہ بھی مقفل تھا۔ اس نے گچھے میں
سے چھوٹی چابیوں کو آزمانا شروع کیا۔ بالآخر
ڈبہ کھل گیا۔ ڈبہ کھلتے ہی اس کی آنکھیں چکا
چوند ہو گئیں۔ اور دل تیزی سے دھڑکنے
لگا۔ اس نے ڈبہ بند کر دیا۔ آہستگی سے اٹھی
اور کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر دیکھا۔ کوئی نہ تھا
وہ واپس آ گئی۔ ڈبہ دوبارہ کھول لیا۔ اس
میں سچے موتی کی سفید مالا، جڑاؤ بالے، خوبصورت
نیکلس، چمپا کلی، ہیرے کی انگوٹھیاں، کنگن
ٹاپس، جھلنیاں اور نہ جانے کیا کیا چیزیں
موجود تھیں۔ دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے
وہ ایک ایک چیز کو اپنے سامنے پھیلاتی چلی
گئی۔ موتیوں کی سفید مالا گلے میں ڈالتے ہوئے
اس نے آئینہ دیکھا۔ مالا کی بجائے اس کی نظر
اپنے کپڑوں پر پڑی، میلے اور جگہ جگہ سے پھٹے
ہوئے کپڑے دیکھتے ہی اس نے مالا کو گلے سے
اتار لیا۔ کچھ دیر سوچتی رہی پھر جیسے کچھ سمجھ میں آ گیا
ہو۔ وہ اٹھی اور بیگم کے بکس سے سنہری رنگ
کا بنارسی غرارہ سوٹ نکال لیا۔ پہلے کچھ دیر ہمت
نہ ہو سکی۔ اور قمیص کو سامنے سجا سجا کر دیکھتی
رہی۔ پھر بے پروائی سے گردن کو جھٹکا اور
تیزی سے کپڑے پہن لئے۔ کپڑے بڑے تھے
لیکن اس نے کسی نہ کسی طرح اڑس کر کام چلا لیا
اب وہ سنگار میز کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ منہ
پر ڈھیروں کریم تھوپی، گالوں پر روج اور ہونٹوں
پر لپ سٹک کی موٹی تہہ جما کر وہ زیورات
لادنے لگی۔ سیاہ گھونگریالے بالوں کو اس
نے کھلا چھوڑ دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس
نے مختلف زاویوں سے اپنا جائزہ لینا شروع
کر دیا، مسکرا کر، روٹھ کر، پیچھے مڑ کر، دائیں بائیں
ہر ہر زاویہ سے وہ اپنے حسن سے محظوظ ہو رہی
تھی۔ خود کو اس روپ میں دیکھ کر اس نے

دل کی رفتار تیز ہونے لگی۔ پتوں کی سرسراہٹ بھی بار بار اس کو چونکا دیتی باوجود اس کے کہ اس لباس میں عجیب سرور مل رہا تھا۔ اس نے زیورات اُتارنے شروع کر دیے۔ تاکہ جلد از جلد بکس کو بند کر سکے۔ جڑاؤ بالیاں اُتار کر ہاتھوں میں لیں۔ کتنی خوب صورت ہیں؟ جب میری شادی ہو گی تو ایسی بالیاں ضرور بنواؤں گی۔ اس نے بالیوں کو مٹھی میں بند کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ مگر اتنے پیسے کہاں سے آئیں گے اس خیال کے ساتھ ہی ایک اور خیال بجلی کی طرح کوندا۔ کیوں نہ ان بالیوں کو چھپالوں بیگم تو زیور پہنتی ہی نہیں اور اگر پہنے تو بھی اتنے زیورات میں کیا پتہ چلے گا۔ اس خیال کے آتے ہی بالیاں اُس نے جیب میں ڈال لیں۔ بالیاں رکھتے رکھتے ایک انگوٹھی پر نظر پڑی۔ بڑے سفید رنگ کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے سبز رنگ کے نگ جڑے ہوئے بہت ہی پیارے لگ رہے تھے۔ اس نے وہ انگوٹھی جیب میں ڈال لی۔

دوسری چیزوں کو ڈبہ میں رکھنے لگی ہر چیز اتنی خوبصورت تھی کہ جی چاہتا کہ جیب میں ڈالتی چلی جائے۔ لیکن اب خوف اعصاب پر بُری طرح سوار ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اُسے دیوار، چھت، الماریوں ہر ہر چیز میں آنکھیں چمکتی نظر آنے لگیں۔ وہ تیزی سے چیزیں سمیٹنے لگی۔ اس نے ڈبہ بکس میں رکھا اور تمام چیزیں اُسی ترتیب سے جما دیں جیسے پہلے رکھی تھیں۔ بکس لاک کر کے چابی تکیے کے نیچے رکھی اور تیزی سے بیگم والے کپڑے تبدیل کر دیے اب اُسے ان کپڑوں سے وحشت ہو رہی تھی۔

باہر نکلتے نکلتے کمرے میں ایک سرسری نگاہ دوڑائی۔ ہر چیز بدستور تھی۔ باہر آکر جیب سے بالیاں اور انگوٹھی نکالی۔ ڈرتے ڈرتے انہیں دیکھا اور اپنے بستر سے تکیہ نکال کر اُسے اُدھیڑ لیا۔ تکیے میں روئی کے بجائے غلیظ چیتھڑے بھرے ہوئے تھے۔ اس نے پھٹے ہوئے دوپٹے کا ایک ٹکڑا نکالا۔ اُس میں بالیاں اور انگوٹھی باندھ کر تکیے میں گھسا دیں اور تکیہ پھر سی دیا۔ اس کے بعد اُس نے منہ دھویا اور جلدی جلدی صفائی کرنے لگی۔ آج پہلی بار بیگم سے ہمدردی کا جذبہ اُبھر آیا تھا اس نے خوب مانجھ مانجھ کر

برتن چمکائے، رگڑ رگڑ کر فرش دھویا، بستر
ٹھیک کئے۔ کھڑکیوں کے شیشے صاف کئے
دودھ آچکا تھا اسے جوش دے کر رکھا اور آدھی
پیالی دودھ جو وہ روز پیتی تھی وہ بھی نہیں پیا
ہر کام سے فارغ ہو کر وہ باہر گھاس میں
آکر بیٹھ گئی۔ شلوار کے بھیگے ہوئے پائنچے
نچوڑتے ہوئے اس نے سوچا اب تو سب کو
آجانا چاہئے۔ بہت دیر ہو گئی صاف ستھرا گھر
اسے بہت اچھا لگا لیکن بچوں کے بغیر اب
دل گھبرا رہا تھا۔ خدا انہیں خوش رکھے اس نے
دل ہی دل میں دعا دی۔ اچانک گاڑی کے
ہارن کی آواز آئی وہ دروازے کی جانب
لپکی، سب لوگ آچکے تھے۔ اس نے دروازہ
کھول دیا۔ بیگم نے اندر آکر اسے حیرت سے
دیکھا۔

"آج تو بڑی جلدی دروازہ کھل گیا؟"
منو نے اندر آتے ہی کہا۔

وہ دوپٹہ منہ میں دبا کر ہنسی خوشی سے
اس کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ وہ ان
کے آجانے سے سچ مچ خوشی محسوس کر رہی
تھی۔ بھاگ بھاگ کر سب کام کرنے لگی۔

کئی دن گزر چکے تھے، اس دوران کئی
مرتبہ تنہائی ملتے ہی تکیہ ادھیڑ کر اس نے
بالیاں اور انگوٹھی دیکھی تھی۔

ایک دن شام کو اس نے دیکھا۔ بیگم
بڑا بکس کھولے بیٹھی ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہ
تھی۔ مسز اسماعیل اکثر بکس کھولتی رہتی تھیں
کبھی کچھ رکھنے کے لئے اور کبھی نکالنے کے
لئے۔ لیکن آج بکس کا کھلنا اس کے دل میں
دھکا بن کر لگا اور وہ جلدی سے کچن میں
گھس گئی۔ اس کا جی چاہا کہ بیگم جلدی سے بکس
بند کر دے۔ دل تیز تیز دھڑک رہا تھا اس
کی کیفیت بالکل اس بلی جیسی ہو رہی تھی جسے
چوری کرنے میں پکڑ لیا جائے تو وہ آنکھیں
بند کر کے بیٹھ جاتی ہے۔

جلد ہی اس نے مسز اسماعیل کی آواز سنی
وہ اسے بلا رہی تھیں۔ اس نے اسے اپنے ذہن
کا واہمہ سمجھنے کی کوشش کی اور چپ رہی۔
لیکن پے در پے چار آوازوں کے بعد اسے
کمرے میں جانا ہی پڑا۔ خدا کرے بیگم جانے بنانے کو

کہہ دے۔ اس نے چپکے سے دعا مانگی کمرے میں مسز اسماعیل کے سامنے زیورات کا ڈبہ کھلا پڑا تھا۔ اور آنکھوں میں شعلے چمک رہے تھے اسے یوں لگا جیسے زمین بڑی شدت سے ہلی ہو "زلزلہ!" اس کے ذہن میں ابھرا۔ وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگی اُسے پورا کمرہ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔

"ماں نے کہا تھا ایسے موقعوں پر بھاگ کر کھلے آسمان کے نیچے کھڑے ہو جانا چاہئے" اس نے بھاگنا چاہا مگر زمین نے قدم پکڑ لیے اور وہ ہل بھی نہ سکی۔

"اس میں سے بالیاں اور انگوٹھی کہاں ہے؟" مسز اسماعیل کے الفاظ شعلے بن کر نکلے۔ اور اسے اپنا وجود جھلستا ہوا محسوس ہوا۔

"میں کیا پوچھ رہی ہوں؟" شعلوں میں شدت پیدا ہونے لگی۔

"کتنی گھاگ ہے؟ اتنے سارے زیوروں میں اسے پتہ کیسے چل گیا!" اُس نے غصے اور خوف کے ملے جلے اثرات سے کانپ کر سوچا۔ "بولے گی یا نہیں؟" ایک تھپڑ نے اُسے چونکا دیا۔

"اللہ بیگم صاحب ہم کو کیا معلوم؟ ہم تو اس کمرے میں آتا بھی نہیں۔" وہ سرتاپا کانپنے لگی

"میں صرف یہ پوچھ رہی ہوں کہ وہ ہیں کہاں؟" بیگم نے انتہائی پُر اعتماد لہجہ میں پوچھا ان کا انداز پُر سکون تھا لیکن وہ خوفناک جو بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

وہ چپ رہی۔

مسز اسماعیل اُٹھیں اور کمرے کی کنڈی بند کر کے ریوالور نکال لیا۔

"انگوٹھی اور بالیاں کہاں ہیں؟" انھوں نے ریوالور کو کیس سے نکالتے ہوئے پوچھا۔

"کمرے میں تو ہر وقت تالا ہوتا ہے، ہم کو کیا معلوم کدھر گیا تمہارا بالی اور انگوٹھی۔"

مسز اسماعیل کے لہجے میں زبردست اعتماد تھا۔ ان کے سامنے اسے اپنا وجود ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا لیکن پھر بھی ہمت کر کے وہ اپنا دفاع کر رہی تھی۔ "مجھے صرف یہ بتا دے کہ زیور ہے کہاں؟ انکار کیا تو گولی سے اڑا دوں گی" ان کے لہجے میں اتنی سفاکی تھی کہ وہ مزید دفاع

نہ کر سکی اور قدموں میں گر پڑی۔

"بیگم صاحب اس دفعہ ہم کو معاف کردو ہم آپ کا انگوٹھی بالی دے دیگا مگر ہمارے بابا کو نہیں بتانا۔ وہ ہم کو حلال کر دے گا۔" وہ ہاتھ جوڑ کر خوشامد کرنے لگی۔

"کہاں ہیں وہ؟" مسز اسماعیل نے ریوالور کیس میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارا تکیہ میں" وہ دوڑی ہوئی گئی اور تکیہ اُدھیڑ کر کانپتے ہاتھوں سے بالیاں اور انگوٹھی بیگم کی طرف بڑھائیں۔

"منو جاؤ، ذرا بابا کو بلا کر لاؤ تاکہ آج اسے اس کے حوالے کر دوں۔ اب اس کی کوئی گنجائش نہیں اس گھر میں" بیگم نے اُسے نفرت سے دیکھتے ہوئے اپنے بُرے لہجے سے کہا اور بالیاں اس کے ہاتھ سے لے لیں۔

وہ بے حس و حرکت کھڑی خلا میں گھورتی رہی، بالکل جیسے کسی نے دماغ سُن کرنے کا انجکشن لگا دیا ہو۔

"یہ دیکھو اپنی لاڈلی کے کرتوت" مسز اسماعیل نے بابا کے آتے ہی اُدھڑا ہوا تکیہ، انگوٹھی اور بالیاں اس کو دکھائیں۔

بابا نے بالیاں اور انگوٹھی ہاتھ میں لیں انہیں غور سے دیکھا پھر اُدھڑا ہوا تکیہ۔ جب پوری بات سمجھ میں آ گئی تو وہ اس کی طرف مڑا اس نے دیکھا بابا کے ہونٹ کھلے، دانت نکلے اور پھر منہ سے غرغراہٹ کی آوازیں آنے لگیں اسے صرف ایک لفظ سنائی دیا "زندگی"!

کیونکہ اس کا ذہن تو اچانک اس موٹے تازے کتے کی طرف چلا گیا تھا جو کسی کمزور کتے کو دیکھتے ہی پہلے دانت نکالتا، پھر غراتا اور اچانک جھپٹ پڑتا اور مار مار کر اسے ادھ موا کر دیتا تھا۔ بابا نے بالیاں مسز اسماعیل کو تھما دیں اور اس پر جھپٹا۔

"ٹھہر جاؤ بابا۔" انھوں نے ڈانٹا۔ "اسے اپنے گھر لے جاؤ اب مار پیٹ کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"بیگم صاحبہ ہمارا بات تو سنو۔" بابا نے کچھ کہنا چاہا۔

"بابا اس کو یہاں سے لے جاؤ، میں کچھ سُننا نہیں چاہتی۔" مسز اسماعیل نے ناگواری سے کہا

اور وہاں سے ہٹ گئیں۔

بابا نے خوں خوار نظروں سے اُسے دیکھا اور باہر کی طرف دھکیلتے ہوئے بولا "چل۔"

وہ اس طرح آگے آگے چل دی جس طرح چابی کا کھلونا چابی بھرتے ہی چلنا شروع کر دے۔

مسز اسماعیل نے ان کے جاتے ہی اطمینان کی طویل سانس لی اور دروازہ بند کر کے کمرے میں چلی آئیں۔ "یا اللہ تیرا شکر ہے، جانور سے نجات ملی۔" وہ بستر پر یوں لیٹ گئیں جیسے بہت بڑا بوجھ اُتر گیا ہو۔ "کم بخت نے ستانے کی بھی حد کر دی تھی۔"

صبح سویرے انھوں نے کسی کام سے دروازہ کھولا تو دروازے کے سہارے رکھی ہوئی ایک میلے کپڑوں کی گٹھڑی سی ان کے پاؤں پر لڑھک آئی۔ وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئیں۔ اس نے منہ اُوپر اُٹھایا سوجے ہوئے منہ پر جگہ جگہ نیل اُبھر آئے تھے اور سامنے سے گھونگریالے بالوں کی پوری پوری لٹیں غائب تھیں۔ اس کی پھٹی پھٹی ہر تاثر سے عاری آنکھیں انھیں یوں لگیں جیسے کسی مردے کی آنکھیں کھلی رہ گئی ہوں۔ "تو کیا یہ رات بھر یہیں بیٹھی رہی ہے؟" اس خیال کے ساتھ ہی ایک جھرجھری پورے بدن میں پھیل گئی وہ لاشعوری طور پر دروازہ کھول کر ایک طرف ہٹ گئیں اور وہ پر نچی مُرغی کی طرح رینگ کر تیزی سے کچن میں گھس گئی۔ مسز اسماعیل کچھ دیر تشدد اور سکتے کے عالم میں کھڑی رہیں۔ پھر اُسے دیکھنے کچن میں چلی آئیں۔ وہ برتن دھو رہی تھی۔ اُس نے اُن کی طرف دیکھا بھی نہیں اور تیزی سے برتن دھو رہی۔ اس کا ذہن دھلی ہوئی سلیٹ کی طرح تاریک اور سپاٹ تھا جس پر کسی قسم کی سوچ، کسی خواہش اور کسی سے نفرت کی ہلکی سی بھی لکیر موجود نہیں تھی۔ وہ کچھ دیر اس کو دیکھتی رہیں، پھر سر جھکا کر اندر چلی آئیں۔

★★★★★★★

آپ کے خوابوں کی سرزمین کی تحیر خیز پیش کش لیل و نہار ڈھاکہ

مشرقی تہذیب کے کلاسیکی اور عصری ادب کا ترجمان لیل و نہار ڈھاکہ

بنگلہ دیش میں اردو ادب کے عظیم مقاصد سے بھرپور ششماہی رسالہ لیل و نہار ڈھاکہ

طویل انتظار کے بعد یکم جنوری ۱۹۸۴ء کو پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔ عالمی سطح پر اردو ادب کے معروف اور نمائندہ ایک سو بیس قلم کاروں کے شہ پاروں سے مزین، صفحات کم و بیش پانچ سو۔ طباعت بالتصویر آفسیٹ۔ سائز ڈیمائی۔ کاغذ سفید گلیزڈ۔ سرورق دیدہ زیب

بنگلہ دیش میں قیمت .... چالیس ٹاکا

بھارت کے لئے مع محصول ڈاک رجسٹرڈ .... پچاس روپے

پاکستان کے لئے مع محصول ڈاک رجسٹرڈ .... ساٹھ روپے

انگلینڈ کے لئے مع محصول ڈاک رجسٹرڈ .... دو پونڈ

مشرق وسطیٰ اور دیگر ممالک کے لئے مع محصول ڈاک رجسٹرڈ .... چار امریکی ڈالر

اردو نواز قارئین کرام حصولیابی کے لئے درج ذیل نام اور نمبر کا ڈرافٹ بنوا کر رجسٹرڈ ڈاک سے ارسال فرمائیں

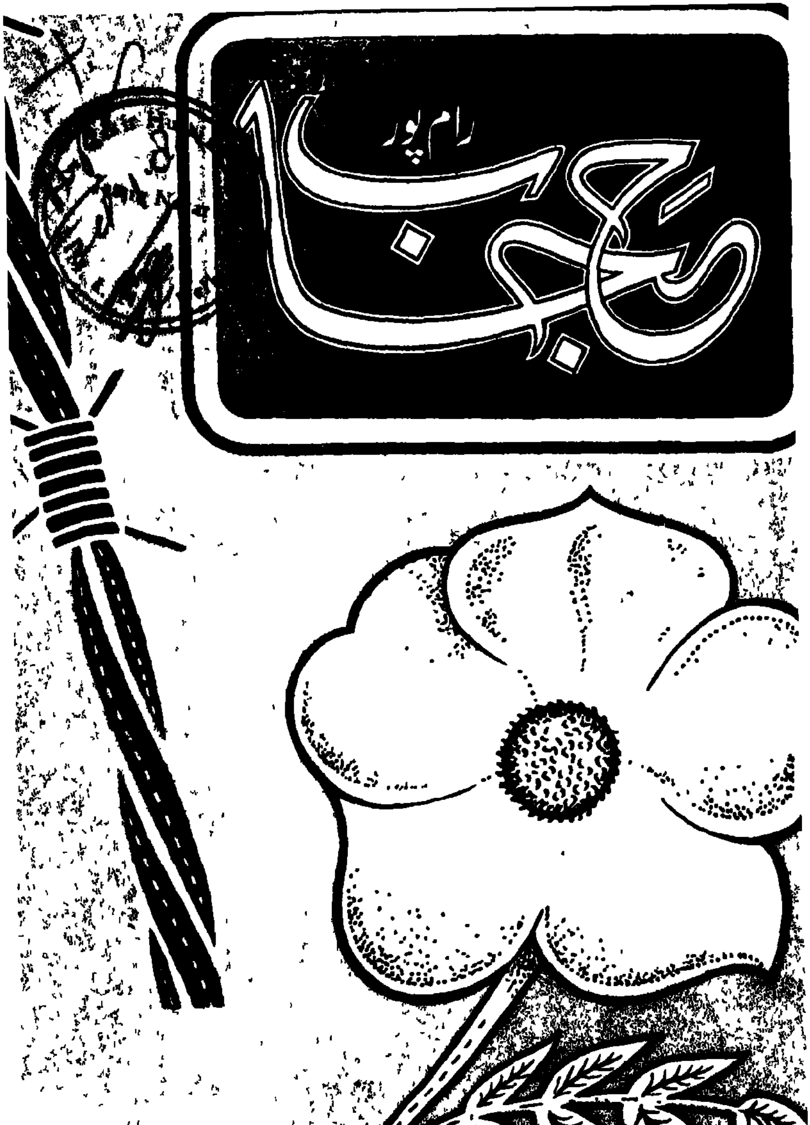
QAZI MOHIUDDIN A/C 264 UTTARA BANK LTD. TIPU SULTAN RD.

اپنے پیڈ یا الگ کاغذ پر اپنا نام اور مکمل پتہ انگریزی میں خوشخط تحریر کریں۔ آپ دنیا کے کسی بھی گوشے میں مقیم ہوں آپ کی کاپی بحفاظت رجسٹرڈ ڈاک سے ارسال کی جائے گی۔ اگر ایک سے زائد کاپیوں کی ضرورت ہو تو اسی حساب سے رقم بھجوائیں۔ تمام خط و کتابت اور ڈرافٹ وغیرہ بھیجنے کا پتہ:

ایڈیٹر لیل و نہار ۵۲ ٹیپو سلطان روڈ ڈھاکہ بنگلہ دیش

HIJAB (URDU MONTHLY) Rampur (U.P.) 244901
Regd No R N. 20384/70 MRD No 34
JANUARY 1984

ted at :- Regent Printing Works 1870, Suiwalan, New Delhi


حجاب
رام پور
۴/-

خواتین کے مطالبات کا
پاکیزہ ڈائجسٹ

حجاب

جلد ۱۵ - شمارہ ۱۶۴

فروری ۱۹۸۴ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ

زر تعاون: عام شمارہ چار روپیہ، سالانہ پچاس روپیہ

اِس دائرے میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اِس شمارے کے ساتھ آپ کے سالانہ چندے کی میعاد ختم ہوگئی۔ آئندہ کے لئے زر تعاون ارسال فرمائیں "منیجر"

مُدیر: مائل خیرآبادی

مکتبہ حجاب رامپور یوپی - ۲۴۴۹۰۱

ترتیب

مہتمم، ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد اسحاق مقام اشاعت بارہ دری گھوڑ خاں رامپور۔ مطبوعہ: یونین پریس دہلی

زندگی ایک امتحان

ساجدہ قمر زار معرفت احمد بدرالدین کوآپریٹو بینک منیجر ڈاکخانہ آصنور تعلقہ ضلع عادل آباد۔ اے پی

عزائم جن کے اونچے اور اونچا بخت ہوتا ہے زمانے میں اُنہی کا امتحاں سخت ہوتا ہے

ہماری پوری زندگی ایک امتحان ہے اور یہاں ہر انسان کی آزمائش ہو رہی ہے یہ آزمائش طرح طرح کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو مفلسی و تنگدستی کے ذریعہ آزماتا ہے اور کسی کو مال و دولت اور اولاد کے ذریعہ آزمائش میں ڈالتا ہے تو کسی کو طرح طرح کی بیماریوں میں گرفتار کر کے آزماتا ہے۔ یہ آزمائش کبھی آسان ہوتی ہے اور کبھی سخت۔ بلاشبہ خوش نصیب ہے وہ شخص جو آزمائش سے بچا رہا۔ اور اُس انسان کے کیا کہنے جس نے سخت سے سخت آزمائش میں صبر کیا اور حق پر ڈٹا رہا۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "آزمائش جتنی سخت ہوگی اُتنا ہی بڑا انعام ملے گا اور اللہ تعالیٰ کسی گروہ سے محبت کرتا ہے تو اُن کو (مزید نکھارنے اور صاف کرنے کے لئے) آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ پس جو لوگ خدا کے فیصلے پر راضی رہیں اور صبر کریں تو اللہ بھی خوش ہوتا ہے اور جو لوگ اس آزمائش سے ناراض ہوں تو اللہ بھی اُن سے ناراض ہو جاتا ہے" (ترمذی)

اور فرمایا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:۔ "جس کسی مسلمان کو کوئی قلبی تکلیف، کوئی جسمانی بیماری، کوئی دکھ اور غم پہونچتا ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اُسکی خطاؤں کو معاف کرتا ہے، یہاں تک کہ اگر اُسے ایک کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو وہ بھی اُس کے گناہوں کی معافی کا سبب بنتا ہے۔" (متفق علیہ)۔ اللہ کی آزمائشوں پر جو لوگ صبر کرتے ہیں اور خدا سے شکوہ نہیں کرتے، قرآن کریم میں اُن کو خوشخبری دی گئی ہے کہ وہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں۔

مومن اللہ تعالیٰ کی ہر آزمائش پر صبر کرتا ہے اور راضی بہ رضا رہتا ہے اُسے کامل یقین ہوتا ہے کہ اُس کا رب اس کے صبر کا بہترین بدلہ عنایت فرمائیگا کیونکہ خدا خود صابرین سے وعدہ فرماتا ہے:۔ "اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ صبر کرنے والوں کو بے حساب بدلہ دیا جائے گا۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حجاب پڑھنے والے بھائیوں اور بہنوں نے اکتوبر کے شمارے میں "حضرت معاویہؓ" کے عنوان سے ایک مضمون پڑھا ہوگا۔ یہ مضمون ص۲۱ سے شروع ہو کر ص۲۶ پر ختم ہوا ہے۔ تمہیدی سطریں ص۲۱ سے ص۲۳ تک ہمارے قلم سے ہیں۔ اِن سطروں میں ہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف کرایا ہے۔ اس کے بعد ص۲۳ سے ص۲۶ تک جو عبارت ہے وہ سیر الصحابہؓ جلد ششم مرتبہ مولوی شاہ معین الدین ندوی رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ سے نقل کی گئی ہے۔ درمیان میں دو جگہ قوسین میں ہمارے الفاظ ہیں اور ص۲۶ کی آخری تین سطریں بھی ہماری ہیں۔

اس مضمون کو شائع کرنے کی غرض کیا تھی؟ یہ بات ہم اکتوبر کے شمارے میں واضح کر دینا چاہتے تھے لیکن پھر ہم نے سوچا کہ مضمون چھپنے کے بعد دیکھا جائے کہ اس کا ردِّ عمل کیا ہوگا؟

ہمارا قیاس تھا کہ اِس مضمون کو پڑھنے کے بعد وہ صاحبان جن کو ضد ہو گئی ہے کہ مولانا مودودی رحمتہ اللہ علیہ کو توہینِ صحابہؓ کا مرتکب تسلیم کر لیا جائے وہی سب سے زیادہ ہم پر برسیں گے

لیکن

سِتم ظریفی ملاحظہ ہو۔ مولانا معین الدین ندوی کے اس مضمون "حضرت معاویہؓ" کو پڑھ کر حضرت علیؓ، حضرت عمرو ابن العاصؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور ایسے ہی دیگر عظیم صحابہؓ کی جو تصویر سامنے آتی ہے اس پر مولانا مودودیؒ یا جماعتِ اسلامی سے کینہ رکھنے والے صاحبان کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگی اور ان کا ذرا بھی دل نہ دکھا۔ دل دکھا تو جماعتِ اسلامی والوں کا ہی۔ ہمارے پاس اِس سلسلے میں جتنے خطوط آئے وہ سب جماعتِ اسلامی والوں کے

ہیں۔ ان سب نے ہمیں لکھا ہے کہ اس مضمون کو حجاب میں شائع نہیں ہونا چاہیے۔ جماعت اسلامی رامپور کے امیر مقامی جناب مولانا محمد عزیر صاحب المظاہری صاحب نے ہمیں نصیحت کی کہ ہمیں ہمیشہ مثبت رویہ اپنائے رہنا چاہیے جن لوگوں نے طے کر لیا ہے کہ ہر قیمت پر مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی کو بدنام کریں گے وہ کبھی بھی ماں کر نہ دیں گے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس طرح کا مضمون اگر کسی جماعت اسلامی والے شخص نے لکھا ہوتا تو یہی حضرات اس غریب کو ہرگز نہ بخشتے۔

اس مضمون کے سلسلے میں ہمارے پاس جو خطوط آئے ہیں ان سب کا مضمون ایک ہی ہے۔ ان میں صرف مولانا خواجہ سعید الدین کا خط پڑھئے۔ مولانا نے یہ خط ریاض (عرب) سے ہمارے پاس بھیجا ہے۔ میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مولانا نے جن لفظوں پر گرفت کی ہے وہ سب (ایک فقرے کے علاوہ) مولانا معین الدین ندوی کے ہیں اور ندوی صاحب کے مضمون سے عظیم صحابہؓ کی جو تصویر سامنے آتی ہے اس کے مرتکب ہم نہیں بلکہ وہ ہیں جو غیر جماعت اسلامی ہی نہیں، انہی کے دسترخوان کے ہم نوالہ و ہم پیالہ ہیں۔

محترم جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ حجاب رامپور! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ آپ بفضل تعالیٰ بخیر و عافیت ہوں گے۔ ایک عرصہ سے حجاب زیر مطالعہ ہے۔ خاص کر اس پر آشوب دور میں دینی پرچے نکالنا ایک ہمت کا کام ہی ہے اور حجاب کے تعلق سے یہ جان کر بھی خوشی ہوتی ہے کہ یہ ایک PRO جماعت پرچہ ہے۔ آپ کا حجاب حالیہ دو ماہ کا ریاض میں بھی پڑھنے کو ملا اگست ۱۹۸۳ء کے پرچے میں تو حج کے بارے میں تفصیلات تھیں اور دوسرا اکتوبر ۱۹۸۳ء کا۔

اگست ۱۹۸۳ء کے پرچے میں ایک مضمون میں یہ شائع ہوا کہ حطیم کے احاطہ میں بی بی ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی آرام گاہیں ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو طواف بھی

حطیم کے باہر سے کیا جاتا ہے یعنی انہیں گاہوں کے اطراف سے ہوتے ہوئے طواف کیا جاتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اپنی قریبی اشاعت میں اس کا مستند حوالہ ضرور شائع کریں۔ اگر صحیح نہ ہو تو ضرور قریبی اشاعت میں CALARIFY کر دیں۔

اکتوبر ۱۹۸۳ء کے پرچے میں "امیر معاویہؓ" کے عنوان سے ایک مضمون پڑھنے کو ملا، جس میں سیر الصحابہ جلد ششم مرتبہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ کی نقل پیش کی گئی ہے جس میں مولوی صاحب نے بعض پائے کے صحابہ کرامؓ کا CHARACTER پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مضمون پڑھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کو نعوذ باللہ دولت اور اقتدار کی ہوس بھی تھی۔ خاص کر ایک عام قاری پر یہ مضمون یہی تاثر چھوڑتا ہے۔ مضمون کے چند جملے بطور REFERENCE حاضر خدمت ہیں:۔

(۱) حضرت عثمان غنیؓ کے باغی قاتل ہی حضرت علیؓ کو مجبور کر کے خلیفہ بنوائے اور حضرت علیؓ کو ملزمین سے قصاص لینے میں پس و پیش کرتے رہے۔

(۲) خلیفہ ہوتے ہی عثمانی عاملوں کو بلا کسی عذر کے معزول کر دینا۔

(۳) حضرت امیر معاویہؓ کا حضرت عمرو ابن العاصؓ کو حضرت علیؓ کو مغلوب کرنے کے بعد انعام میں مصر کا وعدہ۔

(۴) امیر معاویہؓ کا حضرت عمرو بن العاصؓ کی بتائی ہوئی تدبیروں سے اپنا اقتدار مضبوط کرنے کے لئے عمائد شام کے دلوں میں حضرت عثمان غنیؓ کے خونِ بے گناہی میں حضرت علیؓ کا ہاتھ ہونے کا پروپیگنڈہ کرنا۔

(۵) جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی فوج سے بیس ہزار آدمیوں کا نکل کر آنا اور یہ نعرہ لگانا کہ ہم سب عثمان غنیؓ کے قاتل ہیں۔

(۶) جنگ کے خاتمہ پر حضرت عمرو بن العاصؓ کا یہ فیصلہ سنانا کہ حضرت علیؓ کو معزول کرتا ہوں اور حضرت امیر معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں۔

(۷) حضرت امیر معاویہؓ کے اشارے پر اشتر نخعی کا کام تمام کر دینا۔

(۸) لکھنے کا یہ انداز کہ شام امیر معاویہؓ کے قبضے میں آیا اور عراق حضرت علیؓ کو ملا۔ چلیے قصہ ختم۔ مکے گئے، مدینے گئے، کربلا گئے، جیسے گئے تھے ویسے ہی پھر کے آ گئے۔ ہزاروں مسلمانوں کا خون بہانے کے بعد یہ ملا۔"

(۹) حضرت حسنؓ کے خلافت سے دست برداری کے عوض اہواز کے کل علاقے کا خراج حضرت حسنؓ کے لئے مخصوص کر دینا اور حضرت حسینؓ کو سالانہ دو لاکھ مقرر کرانا۔

(۱۰) حضرت امیر معاویہؓ کا یزید کو یہ وصیت کرنا کہ حضرت زبیرؓ لومڑی کی طرح مکار ہیں۔ وہ جہاں بھی ملیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت کے حالات کیسے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے مگر اس طرح لکھنے سے کیا بات سامنے آتی ہے؟ خاص کر جنگ صفین، جنگ جمل اور کربلا کے تفصیلی واقعات ہمیں اسلامی تاریخ سے بھی معلوم ہوتے ہیں مگر اس وقت کے مورخین اس وقت کے حالات، خاص کر ان واقعات، کے بارے میں بہت محتاط رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں مگر یہاں آپ نے ایک صاحب کا مضمون اپنے تحریکی پرچے میں ایسے شائع کر دیا جیسے یہ کوئی خاص اسلامی قصہ نہ ہو بلکہ کوئی مزیدار چٹپٹی کہانی ہو جس بے دردی سے یہ مضمون لکھا گیا ہے، پڑھتے وقت رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔[1]

آپ اگر مناسب سمجھتے ہوں تو براہ کرم اس مضمون پر نظر ثانی کر لیں[2]۔ اور میں نے چند باتیں جو POINT OUT کی ہیں، اگر آپ بھی ان سے متفق ہوں تو ضرور اپنے قومی ادارئے میں ان سب باتوں کو CLEAR کر دیں تاکہ قارئین کے سامنے صحیح بات آجائے۔ اور اگر متفق نہ ہوں تو ظاہر ہے کہ میرا یہ خط ردی کے ٹوکرے کی نذر ہو جائے گا۔ اگر متفق ہوں تو ایک گذارش

---

[1] کسے؟ مجھے یا مولانا معین الدین ندوی کو؟

[2] نظر ثانی کرنے کا حق مجھے نہیں ہے۔ یہ کام دار المصنفین کا ہے۔

یہ ہے کہ براہ کرم ایسے مضامین اپنے پرچے میں شائع نہ کریں جن سے اسلام کے تعلق سے ایک غلط PICTURE سامنے آتا ہے [۳]

دعوتی اور تحریکی خطوط میں حلقہ طالبات حیدرآباد کے بارے میں جو شائع ہوا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے اور اللہ رب العزت سے یہ بھی دعا ہے کہ STUDENTS' ISLAMIC ORGANISATION کے جو پروگرامس ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو بھی روبہ عمل لانے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ خوب پھلے پھولے۔ (میرا تعلق بھی حیدرآباد دکن سے ہے)۔ آخر میں درخواست ہے کہ میرے اس طویل خط میں کچھ جملوں کی اگر غلطیاں ہوں تو معاف فرمائیں۔ والسلام

خاکسار، خواجہ سعید الدین بتوسط ڈاکٹر کے۔ یف سبحانی پوسٹ بکس ۲۰۸۶

ریاض (سعودی عرب)

نوٹ :۔ براہ کرم آپ یہ مت سمجھیں کہ میں تنقید کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ کم علمی کے باعث مجھے یہ باتیں معلوم نہ ہوں۔ اسی لئے آپ سے صرف یہ گذارش ہے کہ تاریخ اسلامی سے یہ باتیں ثابت کر دیں۔ اگر صرف حوالہ بھی دے دیں تو میں انشاء اللہ دیکھنے کی ضرور کوشش کروں گا۔ کسی قریبی اشاعت میں دیں [۴]

---

[۳] مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ ہمارے بزرگ اہم ارکانِ جماعت کو یہ بھی نہیں لکھنے دیتے کہ مولانا مودودیؒ نے حوالوں کے ساتھ جو کچھ لکھا ہے وہ سب مودودی دشمن اور مخالف جماعت اسلامی تنظیموں نے بھی لکھا ہے۔ خوب ہے کہ غیر ہمیں مارے اور اپنے ہمیں رونے بھی نہ دیں۔

[۴] دار المصنفین کی شائع شدہ کتاب جلد ششم میں سارے حوالے موجود ہیں۔

براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر یا ایجنسی نمبر لکھنا نہ بھولیں۔ منیجر حجاب

یہ نامے مرے نام!

"آج کا حاتم" نمبر بلاشبہ قابلِ ستائش ہے۔ جس نے پڑھا پورا پڑھ کر ہی چھوڑا۔ اللہ کرے زورِ قلم (حسنِ بیان) اور زیادہ۔ خدا تعالیٰ آپ سے ادبی دنیا میں زیادہ سے زیادہ رفاہِ عوام کے کام لے۔ آمین۔ قاضی محی الدین صاحب، ڈھاکہ نے "آج کا حاتم" کو اُردو ادب کا ایک معجزہ بالکل صحیح فرمایا اور نہایت مختصر مگر جامع تعریف اپنے مضمون مطبوعہ حجاب ۸۲ میں تحریر کردی

رستہ وہ حقیقت کا دکھایا تو نے　　انسان کو انسان بنایا تو نے
وہ قصہ لکھا کھل گئیں سب کی آنکھیں　　بندوں کو خدا یاد دلایا تو نے

محترم! یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ حجاب پیدا ہونے سے قبل بھی آپ کے قلم سے شائع شدہ جتنی نظمیں، کہانیاں، ناولیں معرضِ وجود میں آئیں، بیشتر میں نے مطالعہ کی ہیں اور واقعی آپ کے دماغ، سوجھ بوجھ اور مقصدی تعمیری صلاحیت کا معترف ہونا پڑا:

انسان کے اخلاق سنوارے تم نے　　بگڑے ہوئے آداب سدھارے تم نے
انسان نہیں شکر گزاری ان کی　　اسلام کے آئین نکھارے تم نے

چشم بددور، ہر تخلیق نثر و نظم، قصہ، کہانی، سرگزشت غرضیکہ یہی کوشش رہی کہ

کیا فائدہ آدمی جو گردوں پہ چڑھا　　انسان ہے تو اخلاق کا معیار بڑھا
کھل جائیں دلوں کی بند آنکھیں جس سے　　ممکن ہو تو وہ سبق زمانے کو پڑھا

خدا کرے کہ رسول کریم نمبر جس کی ایک جھلک آپ نے اس حجاب میں پیش فرمائی ہے آپ کے حسبِ منشا ترتیب ہو سکے اور عوام اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکیں

آمین اللہ تعالیٰ آپ کا مبارک سایہ تادیر قائم رکھے جو یہ حجاب برقرار ہے۔ فقط۔ والسّلام
طالبِ دعا: ضیاء الاسلام۔ مین پوری

محترم چچا جان! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔
بعد سلام مسنونہ کے عرض ہے کہ "آج کا حاتم" پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی اور آپ کے لئے مبارکباد نکلی۔ ناول کی اور آپ کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ واقعی ایک مسلمان ادیب کا آپ نے فرض ادا کیا ہے۔ ہم سب بہن بھائی دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قلم کو آگے بھی ہمارے لئے نصیحت کا ذریعہ بنائے اور آپ کی عمر میں برکت دے۔ آمین! والسلام۔ شریفہ خانم

ظفر اسحاق رشادمیاں میری کتاب "سرچشمۂ ہدایت" اپنی نگرانی میں چھپوا کر اہلِ بنگلور سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ مجھے بھی بہت پسند آئی۔ بہت عمدہ ہے۔ اسی طرز پر "آخری منزل" کی کتابت فرمائیں۔ برادر ظفر اسحاق نے حجاب پرنٹنگ سینٹر قائم کیا ہے۔ اس کے لئے بہت بہت مبارکباد۔ بہت نیک اور محنتی لڑکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے نئے کاروبار میں برکت و ترقی عطا فرمائے۔ "ابوذرؓ" اور "آخری منزل" انھیں کو دے دیں۔ میں اور بھی کتب ان کو دینے والا ہوں۔ انشاء اللہ میں ہر ممکن ان کی مدد کروں گا۔ "آخری منزل" ۸۰ یا ۹۶ صفحات کا تخمینہ روانہ کیجئے۔ والسلام۔ خاکسار: محمد سلیمان بنگلور

آپ کا ناول "آج کا حاتم" میں پڑھ چکا ہوں۔ اب یہ احباب میں گھوم رہا ہے۔ مجھ جیسے نوجوان کے لئے یہ ناول تربیت کا بہترین ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے تاکہ آپ اسلام کی اور بھی زیادہ خدمت کر سکیں۔ خاکسار: محمد حسین خاں۔ جرنلسٹ کھامنیم تال

محترمی ومکرمی محبی چچا جان صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!
آپ پر اللہ کی رحمت اور برکتیں اپنا سایہ رکھیں۔ آپ نے میری تجویز اور مشورے کو جس ہمت افزائی سے سرفراز فرمایا ہے میں اس کے لئے آپ کی مشکور ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے سرفراز فرمائے۔ چاچا درانی صاحب کو آپ کا لیٹر دکھایا۔ بہت خوش ہوئے میرے والدین بھی دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ میں نے آپ کی درازیٔ عمر کے ساتھ صحت وعافیت اور خاص کر بینائی کے لئے دعا کی اور دعا کرتی رہوں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ آمین
چچا جان! حاتم نمبر بہت پسند آیا۔ بول اور ڈائیلاگ بڑے اچھے ہیں۔ بھائی چارگی کا روپ اور دونوں سوکنوں کا ملاپ بڑا موثر رہا۔ اکتوبر کے حجاب میں حلقہ طالبات حیدرآباد کی کارکردگی کو دیکھ کر ایک قسم کا جوش ابھرا۔ کتنی بڑھیا عنوان تو بے حد پسند آیا اور اجتماع میں اس کا خوب اثر رہا۔ معاشرے کی اصلاح کے لئے ہمیں اس عنوان کی شدید ضرورت تھی۔ ایک رات کی سوکن، اتنی بڑی سزا، کاسمیٹکس وغیرہ وغیرہ سبھی عنوانات بڑے موثر رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور کوششوں کو قبول فرمائے اور بہنوں کو کردار سازی میں معاون بنائے۔ آمین۔ بے شمار دعائیں ہر لمحہ آپ کے لئے ہوتی ہیں۔ چچی ماں وغیرہ متعلقین کو ہدیہ سلام مسنون۔
آپ کی دعا گو بیٹی: سیدہ شمیم افزا۔ ظہیر آباد

رسول کریم نمبر دیکھ کر فرماتے ہیں

مولانا منظور احسن۔ تال ڈنگا۔ بہار: ۔ رسول کریم نمبر کا پارسل اور آپ کا کارڈ ملا۔ آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ آپ خط ملتے ہی دس عدد رسول کریم نمبر

اور بھیج دیں (بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ)۔ جلد سے جلد قیمت ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔ میرے بس میں ہوتا تو ہزار کاپیاں منگواتا۔ دعا فرمائیں کہ اللہ ہماری کوششوں کو قبول فرمائے اور تحریکی کام میں برکت عطا فرمائے اور اپنے بندوں کا دل کھول دے۔ آپ آپریشن کہاں، کس تاریخ کو کرائیں گے، مطلع فرمائیں۔ گھر میں سب کو سلام و دعا کہہ دیں۔ والسلام

※ **سلطان قریشی۔ دہلی** :۔ رسول کریمؐ نمبر یہاں سب کے پاس آ گیا لوگ بڑی تعریف کر رہے ہیں۔ میرا پرچہ جلد بھیجئے۔ بے چینی ہے۔ شکریہ! بہت جلد۔

※ **ڈاکٹر قیوم سعادت۔ طائف** :۔ بیس ۲۰ عدد رسول کریمؐ نمبر فوراً ہوائی جہاز سے بھیجیں اور پچاس نسخوں کی جلد سازی کرا کے بحری ڈاک سے بھیجیں۔ جزاک اللہ

※ **رفیق نثار۔ کویت** :۔ تیس ۳۰ عدد خاص نمبر (رسول کریمؐ نمبر) جب بھی آپ نکالیں ہوائی ڈاک سے بھیج دیں۔

※ **عثمان غنی عادل۔ بمبئی** :۔ رسول کریمؐ نمبر خوب رہا۔ بارہ ۱۲ نسخے جلد رجسٹرڈ بھیجیں۔ بس ایجنسی والے بڑھا دیں۔

※ **غوث محی الدین امیر مقامی کوٹلہ، ہوشمند خاں، ضمیر احمد وغیرہ** :۔ رسول کریمؐ نمبر ہندو صاحبان بڑے انہماک سے پڑھ رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے زبان بہت سادہ اور دلکش اختیار کی ہے اور حضورؐ کے حالات اس طرح لکھے ہیں کہ ہندو صاحبان کے ذہنوں کے قریب کر دیا ہے۔

※ **سید مشتاق علی صاحب۔ ریوا** :۔ حجاب کی وی پی جناب محمد حمید خاں صاحب کو موصول ہوئی۔ آپ نے میرے ایک معمولی پوسٹ کارڈ پر ان کے نام کی ایجنسی قائم کر کے جس محبت کا ثبوت دیا ہے اس کے لئے بندہ جس قدر بھی شکریہ ادا کرے کم ہے۔ حجاب کا رسول کریمؐ نمبر لوگوں نے بے حد پسند کیا اور کچھ لوگوں نے حاصل بھی کرنا چاہا لیکن پانچ کاپیوں میں کس کس کی خواہش پوری کی جائے۔ اس لئے اگر نمبر کی فاضل کاپیاں موجود ہوں تو

برائے مہربانی دس اور روانہ فرمانے کی زحمت کریں۔ اس کے علاوہ اگلے ماہ سے دس کاپیاں ہرماہ بذریعہ وی۔پی روانہ کردیا کریں۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔ میری طرف سے ادارے سے منسلک تمام حضرات کو حسب مراتب سلام ودعا۔ جناب محمد حمید خاں صاحب کی ایجنسی کا نمبر ۱۱۶ ہے۔ فقط والسلام۔

※ریاض الدین۔ ستنا۔ ایم۔پی:۔ آپ کے بھیجے ہوئے دس پرچے موصول ہوئے۔ برائے مہربانی تین پرچے رسول کریم نمبر کے اور ارسال کردیں۔ پرچہ نہایت ہی عمدہ اور عوام کے لئے بڑا مفید ہے۔ زبان بھی آسان ہے۔ مضامین کا طرز بھی اچھا ہے۔ اگر ہندی میں بھی یہ پرچہ منظر عام پر آگیا ہو تو اس کو بھی روانہ کردیں۔ انشاءاللہ ۱۳ پرچوں کی رقم ایک ساتھ روانہ کروں گا۔

نوٹ:۔ ایک جواب کی کاپی آپ ہرماہ مندرجہ ذیل پتے پر بھی روانہ کردیا کریں۔ رسول کریم نمبر بھی آپ روانہ کر ہی دیں۔ یہ پرچہ آپ وی۔پی سے روانہ کریں گے پتہ یہ ہے: منیر الدین۔ بی۔ آئی۔ (جیل) نرسنگھ پور۔ ایم۔پی۔

احادیث مقدسہ

◉ بروایت حضرت عائشہ رضؓ

اللہ کو تمام اعمال میں وہ عمل زیادہ پسند ہے جو پابندی کے ساتھ کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ (مشکوٰۃ شریف)

◉ بروایت حضرت کعب بن مالک رضؓ

بکریوں کے گلے میں اگر دو بھیڑیے گھس جائیں تو اتنی تباہی نہیں برپا کرسکتے جتنی مال اور بڑائی کی حرص آدمی کے لئے تباہ کن ہوتی ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب الفرقان)

مرسلہ:۔ ایم۔ اے۔ خیامی

زمانے کی گواہی

کلچر اور تہذیب

کلچر وہ نظریۂ حیات ہے جس پر کوئی قوم یقین رکھتی ہے اور تہذیب اُن مظاہر کا نام ہے جو اس نظریۂ حیات کی روشنی میں پرورش پاتے ہیں۔ مسلم کلچر اس کو کہتے ہیں جو قرآن اور سنت کے احکام کے مطابق بنا ہے۔ ان کی بنیاد انسانی غور و فکر نہیں بلکہ وحیٔ خداوندی ہے۔ مثال کے طور پر مسلمان ساری دنیا میں بستے ہیں اور اُن کی تہذیب بھی الگ ہے لیکن اس تہذیب کی قدریں اور اُن کے اصول ایک ہی ہیں۔ مسلمان کہیں کا بھی ہو ایسا لباس نہیں پہنے گا جس میں ستر پوشی کی شرطیں پوری نہ ہوں۔ مسلمان عورت کسی ملک کی بھی ہو وہ ان چیزوں کا لحاظ رکھے گی جو اللہ پاک نے بتائی ہیں۔ کھانے ہر ملک کے انواع و اقسام کے ہوتے ہیں مگر مسلمان وہ کھانا بالکل نہیں کھائے گا جس میں حرام و حلال کی تمیز نہیں رکھی گئی ہو۔ وہ بھوکا رہ جائے گا مگر حرام مرغی یا حرام گوشت نہیں کھائے گا۔ برتن ہر ملک کے الگ ہو سکتے ہیں۔ پکانے کا طریقہ الگ ہو سکتا ہے لیکن جو کھانا پکے گا وہ حلال طیب ہی ہوگا۔ زبان ہر ملک کی الگ ہے مگر اللہ پاک نے حکم دیا ہے کہ زبان میں برائی، فحاشی، بد خلقی وغیرہ نہ ہو۔ مسلمان کسی بھی خطۂ زمین پر حکومت کرے گا مگر اصولِ حکمرانی وہی ہوں گے جو اللہ نے بتائے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنا دستور بنانے کی آزادی ہے مگر حکم یہ ہے کہ اس دستور کی اساس قرآن و سنت ہو۔ کوئی ایسا حکم نہ بنے جو اللہ کے حکم سے ٹکرائے اور اُس کے حلال کو حرام میں اور حرام کو حلال میں بدل دے۔ اللہ پاک

نے ہر مسلمان کو علم و حکمت بخشی ہے مگر یہ بھی بتایا ہے کہ اس کے غور و فکر کا دائرہ اسلامی ہو۔ (نشیمن)

آج کی حکومت اور اسلامی حکومت

اسلامی حکومت میں مجرموں اور جرائم پیشہ لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اس کا طرۂ امتیاز ہی یہ ہے کہ وہ اپنے شہریوں میں احساس تحفظ پیدا کرتی ہے۔ ہر ایک کی ضرورت کا خیال رکھتی ہے۔ کسی چیز کو بے قاعدہ ہونے نہیں دیتی۔ کسی پر کسی کے ظلم و جبر کو برداشت نہیں کرتی۔ اسلام میں سزائیں سخت ہیں تو اس لئے کہ مجرم کیفر کردار کو پہونچے۔ چور خائف رہیں۔ کسی کے اندر مجرمانہ ذہنیت پیدا نہ ہو۔ اسلامی حکومت رشوت خور افسر کو پھانسی کا حکم دیتی ہے۔ حالانکہ وہ جانتی ہے کہ ایسا کرنے سے ایک گھر تباہ ہو جائے گا مگر اس ایک گھر کی تباہی سے سیکڑوں گھروں کو اور لاکھوں لوگوں کو اطمینان اور سکون کا سانس لینے کا موقع ملے گا اور برائی ہرگز پنپ نہ سکے گی۔

آج کی حکومت میں ہر طرف لوٹ مچی ہوئی ہے۔ بازار میں تاجر جیب پر ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ دفتروں میں کلرک اور افسر زبردستی رشوت لے رہے ہیں۔ اعلیٰ عہدیدار لاکھوں کا ہیر پھیر کر رہے ہیں۔ عوام کی بھلائی کے لئے رکھے گئے پیسوں کو بے دردی کے ساتھ اُڑا رہے ہیں تو اس لئے کہ حکومت اچھی نہیں، حکومت چلانے والے اچھے نہیں، حکومت نے جن لوگوں کو انتظامی امور چلانے کے لئے مقرر کیا ہے وہ اچھے نہیں۔ رشوت کا بازار گرم ہے اس لئے معاشرے کی اور مستقبل کی کسی کو فکر نہیں۔ (نشیمن)

نابینا جوڑا جو کبھی اپنے بیٹے کو نہ دیکھ سکے گا

لندن ساؤتھ دے پلائی متھ میں ایک نابینا جوڑے کے ہاں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی ہے جسے ماں باپ کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔ ڈیلی مرر کی تفصیلات کے مطابق سوزن اور ٹڈ یوڈ

دونوں نابینا ہیں۔ انہیں ڈاکٹروں نے مشورہ دیا تھا کہ اُن کے ہاں پیدا ہونے والے بچے میں بھی بینائی کا نقص ہوگا لیکن انھوں نے ڈاکٹروں کے ان مشوروں کے باوجود بقول اُن کے جُوا کھیلا جس میں وہ کامیاب رہے۔ اُن کے ہاں ایک بیٹے کی ولادت ہوئی جس میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے۔

۲۵ سالہ ڈیوڈ نے کہا کہ یہ درست ہے کہ ہم اپنے بیٹے کو نہیں دیکھ سکتے مگر ہمارے لئے یہی بہت بڑی بات ہے کہ وہ ہمیں دیکھ سکتا ہے۔

۲۴ سالہ سوزن نے کہا کہ وہ اپنے بیٹے کو نہیں دیکھ سکتی اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ صحت مند ہے اور اُسے اسی طرح چاہا جائے گا جس طرح کسی بھی بچے کو چاہا جاتا ہے۔ اس نے کہا میں اسے اپنا دودھ پلا رہی ہوں اور وہ میرے اتنا قریب ہے جتنا کوئی بھی بچہ اپنی ماں کے قریب ہوسکتا ہے۔

ننگی سنیاسن کی درخواست مسترد

نئی دہلی۔ سپریم کورٹ نے آندھرا پردیش کی ننگی سنیاسن کی یہ درخواست مسترد کر دی ہے کہ اُس کے خلاف قتل کا مقدمہ کرنول سے باہر منتقل کیا جائے کیونکہ کرنول کے ایک سیشن جج اس کو کپڑے پہن کر عدالت میں حاضر ہونے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ سنیاسن نے اپنی درخواست میں کہا تھا کہ وہ بچپن سے ننگی رہتی ہے۔ اس کے وکیل نے سپریم کورٹ میں کہا کہ سنیاسن بھگوان شِو بھگت ہے اور اگر اُس نے کپڑے پہنے تو اس کا ذہنی سکون درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ مذہبی آزادی کی دستوری ضمانت کے تحت اس کو ننگا رہنے کا حق حاصل ہے۔ ننگی سنیاسن پر دیگر دو افراد کے ساتھ گذشتہ سال گیارہ مئی کو ایک شخص رام کوٹی ریڈی کے قتل کا الزام ہے۔ عدالت میں ننگی حالت میں پیشی کے خلاف آندھرا پردیش ہائی کورٹ سنیاسن کی درخواست پہلے ہی خارج کرچکی ہے۔ وہ پہلی پیشی میں جوڈیشیل مجسٹریٹ الور کی عدالت میں ننگی حالت

میں پیش ہوئی تھی۔ اس کی ضمانت بھی ہوگئی تھی لیکن جب وہ سیشن جج کرنول کی عدالت میں پیش ہوئی تو جج نے کہا کہ وہ کپڑے پہن کر آئے۔ انھوں نے اس کی ضمانت بھی منسوخ کردی تھی اور اُس کو جیل بھیج دیا گیا تھا۔ عدالتوں میں ننگی سنیاسن کی پیشی کے وقت ہزاروں افراد کا ہجوم جمع ہو جاتا تھا۔

آپ بھی سوچئے

"جناب! آپ کی یہ امانت غلطی سے میں نے اٹھالی تھی۔ اب غلطی کا احساس ہوا تو اسے واپس لوٹا رہا ہوں۔ خدا کے واسطے مجھے معاف کردیں۔ اِس چکر میں نہ پڑیں کہ میں کون ہوں۔ امید ہے کہ اِس گنہگار کو ضرور معاف کردیں گے۔"

یہ 'امانت' دراصل ایک ٹرانسسٹر تھا جو تقریباً چھ ماہ قبل ایک صاحب کے کمرے سے چوری ہو گیا تھا۔ گذشتہ ہفتہ ایک اور صاحب کے کمرے میں مذکورہ بالا تحریر کے ساتھ ایک پیکٹ ملا جو غالباً رات کے اندھیرے میں کسی وقت وہاں رکھ دیا گیا تھا۔ بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے۔ ایک صاحب کو اُن کی کھوئی ہوئی چیز غیر متوقع طور پر واپس مل گئی۔ لیکن جو صاحب اسے لے گئے تھے انھیں اپنی اِس غلطی کے ارتکاب اور اس کے احساس کی درمیانی مدت میں کن کن مراحل سے گزرنا پڑا ہوگا۔ اُن کے ضمیر نے کیسے کیسے کچوکے لگائے ہوں گے۔ اُن کے اندر بدی اور نیکی کی جنگ نے کیسی کیسی شکلیں اختیار کی ہوں گی۔ اس کا صحیح اندازہ کچھ وہی لوگ کرسکتے ہیں جو خود بھی کبھی اِس طرح مرحلوں سے گزرے ہوں۔ قدم کسی کے بھی ڈگمگا سکتے ہیں اور جانے انجانے میں کوئی بھی، کسی بھی لمحہ کسی بھی گناہ کا، کسی بھی غلطی کا ارتکاب کرسکتا ہے۔ لیکن یہ لمحہ ہر خاطی، ہر گنہگار کی زندگی میں ضرور آتا ہے جب اس کا ضمیر پوری قوت کے ساتھ اُسے جھنجوڑتا ہے، لعنت و ملامت کرتا ہے اور صحیح راستے کی طرف لوٹ جانے کی رغبت دیتا ہے۔

بھارتیہ کنگھی بھنڈار سرائے ترین ضلع مرادآباد

انسان اور جانور میں فرق

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْھِہٖٓ اَھْدٰٓی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ بھلا سوچو جو منہ اوندھائے چل رہا ہو وہ زیادہ صحیح راہ پانے والا ہے یا وہ جو سر اٹھائے سیدھا ایک ہموار سڑک پر چل رہا ہو۔ (الملک ۲۲)

یعنی اللہ نے تمہیں انسان بنایا تھا، جانور نہیں بنایا تھا تمہارا کام یہ نہیں تھا کہ جو گمراہی بھی دنیا میں پھیلی ہوئی ہو اُس کے پیچھے آنکھیں بند کرکے چل پڑو اور کچھ نہ سوچو کہ جس راہ پر تم جارہے ہو وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ یہ کان تمہیں اس لئے تو نہیں دئے تھے کہ جو شخص تمہیں صحیح اور غلط کا فرق سمجھانے کی کوشش کرے اُس کی بات سُن کر نہ دو اور جو غلط سلط باتیں پہلے سے تمہارے دماغ میں بیٹھی ہوئی ہیں اُنھیں پر اَڑے رہو۔ یہ آنکھیں تمہیں اس لئے تو نہیں دی گئی تھیں کہ اندھے بن کر دوسروں کی پیروی کرتے رہو اور خود اپنی بینائی سے کام لے کر یہ نہ دیکھو کہ زمین سے آسمان تک ہر طرف جو نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ آیا اس توحید کی شہادت دے رہی ہیں جسے خدا کا رسولؐ پیش کر رہا ہے یا یہ شہادت دے رہی ہیں کہ یہ سارا نظام کائنات بے خدا ہے یا بہت سے خدا اس کو چلا رہے ہیں۔ اسی طرح یہ دل و دماغ بھی تمہیں اس لئے نہیں دئے گئے تھے کہ تم سوچنے سمجھنے کا کام دوسروں کے حوالے کرکے ہر اُس طریقے کی پیروی کرنے لگو جو دنیا میں کسی نے رائج کر دیا ہے اور اپنی عقل سے کام لے کر یہ سوچنے کی کوئی زحمت گوارا نہ کرو کہ وہ غلط ہے یا صحیح۔ اللہ نے علم و عقل اور سماعت و بینائی کی یہ نعمتیں تمہیں حق شناسی کے لئے دی تھیں۔ تم ناشکری کر رہے ہو کہ ان سے اور سارے کام تو کر لیتے ہو مگر بس وہی کام نہیں لیتے جس کے لئے یہ دی گئی تھیں۔ (تفہیم القرآن جلد ششم سورۂ الملک آیت ۲۲۔ حاشیہ ۳۳)

کیا خدا آسمانوں میں رہتا ہے؟

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو جو آسمان میں ہے۔ (الملک ۱۶)

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں رہتا ہے بلکہ یہ بات اس لحاظ سے فرمائی گئی ہے کہ انسان فطری طور پر جب خدا سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ دعا مانگتا ہے تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے۔ کسی آفت کے موقع پر سب سہاروں سے مایوس ہوتا ہے تو آسمان کی طرف رُخ کرکے خدا سے فریاد کرتا ہے۔ کوئی ناگہانی بلا آپڑتی ہے تو کہتا ہے یہ اوپر سے نازل ہوتی ہے۔ غیر معمولی طور پر حاصل ہونے والی چیز کے متعلق کہتا ہے یہ عالم بالا سے آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتابوں کو کتب سماوی یا کتب آسمانی کہا جاتا ہے۔ ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص ایک کالی لونڈی کو لے کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ پر ایک مومن غلام آزاد کرنا واجب ہو گیا ہے۔ کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر سکتا ہوں؟ حضورؐ نے اس لونڈی سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ حضورؐ نے پوچھا اور میں کون ہوں؟ اس نے پہلے آپؐ کی طرف اور پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا، جس سے اس کا یہ مطلب واضح ہو رہا تھا کہ آپؐ اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اسے آزاد کر دو، یہ مومنہ ہے۔ (اسی سے ملتا جلتا قصہ موطا، مسلم اور نسائی میں بھی روایت ہوا ہے) حضرت خولہ بنت ثعلبہ کے متعلق حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا یہ وہ خاتون ہیں جن کی شکایت سات آسمانوں میں سنی گئی (ملاحظہ ہو سورۂ مجادلہ)۔ ان ساری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات کچھ انسان کی فطرت ہی میں ہے کہ وہ جب خدا کا تصور کرتا ہے تو اس کا ذہن نیچے زمین کی طرف نہیں بلکہ اوپر آسمان کی طرف جاتا ہے۔ اسی بات کو ملحوظ رکھ کر یہاں اللہ تعالیٰ کے متعلق من فی السماء (وہ جو آسمان میں ہے) کے الفاظ استعمال فرمائے گئے۔

کرنوں کا سفر

قسط ۲

سلسلہ قائم رکھنے کے لیے پچھلے شمارے میں اس مضمون کی پہلی قسط ضرور پڑھ لیجیے (مدیر)

سرزمین عراق

ضحاک کا خیال بالکل درست ثابت ہوا۔ قبیلے سے نکالے جانے والے منبہ کی سرکردگی میں حملہ آور ہو گئے۔ حملہ آوروں کی مجموعی تعداد بارہ تھی۔ نیزے چلنے لگے۔ آپ اور آپ کے دونوں ساتھی بڑے مشاق نیزہ باز تھے وہ بڑی چابک دستی سے دفاع بھی کر رہے تھے اور حملہ بھی۔ منبہ کا سینہ ادریش کا نیزہ چھید چکا تھا۔ چار اور دشمن بھی اونٹوں سے گر کر تڑپ رہے تھے۔ باقی ماندہ سات دشمن اب بہت سنبھل سنبھل کر لڑ رہے تھے انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ بے احتیاطی کا دوسرا نام موت ہے۔

ابھی لڑائی جاری تھی کہ سردار ضحاک کی آواز گونجی "لڑائی بند کرو۔ ورنہ میرے مہمانوں پر حملہ کرنے کی سزا موت کے سوا کچھ نہ ہو گی۔

سردار ضحاک کی للکار سن کر دشمن بھاگ کھڑے ہوئے اور انھیں جلد ہی اندھیرے نے نگل لیا۔

سردار ضحاک نے اونٹ سے اتر کر مرنے والوں کے چہرے دیکھے اور پھر آپ سے کہا مجھے خوشی ہے کہ میں نے بہادر مہمانوں کی میزبانی کی تھی میں جانتا تھا کہ تم پر ضرور حملہ ہو گا اس لئے دس آدمیوں کے ساتھ میں تمہارے پیچھے چل پڑا تھا۔ میں نے کہہ تو دیا تھا کہ تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا مگر تمہارے روانہ ہونے کے بعد مجھے اپنی ذمہ داری کے احساس نے چین نہیں لینے دیا اب تم اپنی راہ لو اب وہ تمہارا راستہ روکنے کی جرأت نہ کر سکیں گے مرنے والوں کے اونٹ اور ان کا سامان اب اصولی طور پر تمہارا ہے۔ اس سامان کو اپنے ساتھ لے جاؤ"

"ہمارے پاس جو سامان ہے، ہماری ضروریات کے لئے بہت کافی ہے۔ مقتولین کا سامان

تم لے جاؤ۔ اور مقتولین کے وارثوں کو پہنچا دو۔"
آپ کی اس بے نیازی کو اس نے بڑی حیرت سے دیکھا اور کہا۔ "میری نظروں سے آج تک تم جیسے لوگ نہیں گذرے۔ نہ تم پر خوف اثر انداز ہوتا ہے۔ نہ دنیا کی محبت! میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پھر اپنی منزل کی طرف چل پڑے اور کسی خاص واقعے سے دوچار ہوئے بغیر، فید، خزیمہ، شقوق، عقبہ، واقصہ، قادسیہ اور انبار ہوتے ہوئے سرزمین عراق میں پہنچے اور وہاں سے نیشاپور تک بڑھتے چلے گئے۔ نیشاپور سے جب ابیورد کی طرف سفر جاری تھا۔ آتش پرستوں کی بستی میں آپ کا قیام ہوا۔ وہاں کے لوگوں نے مسافروں کی نرالی سج دھج دیکھ کر ان میں بڑی دلچسپی لی اور پوچھا کہ ان لوگوں کا کیا عقیدہ ہے؟ آپ نے بلا تکلف توحید پر ایمان افروز روشنی ڈالی۔ آپ کی تقریر کے نتیجے میں لوگ مشتعل ہو گئے کیونکہ آپ نے بت پرستی کے ساتھ نار پرستی کی بھی مذمت کی تھی۔ ہر طرف سے ایک ہی شور برپا تھا۔ "ان گمراہوں کو زندہ جلا دو!"

پھر آتش پرستوں نے پتھر اٹھا لیے اور پھینکنا شروع کر دیے۔ غرور عقائد سے پیدا ہونے والا اشتعال اس سے پہلے کہ کسی کی ہلاکت کا سبب بنتا بستی کے ایک سردار نے مداخلت کی۔ اس نے بلند آواز میں کہا تھا۔ "قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لو ورنہ میں تمہاری شکایت حکام سے کروں گا۔ مقدس آگ کے پوجنے والو! مقدس آگ کی توہین میرے لئے بھی ناقابل برداشت ہے مگر تم نے جو سزا کا طریقہ اختیار کیا ہے وہ غلط ہے۔ ان لوگوں پر عدالت میں مقدمہ چلے گا۔ اور عدالت میں جو کچھ فیصلہ ہو گا وہ تم بھی جانتے ہو۔ اس وقت انھیں قید کر کے میرے گھر پہنچا دو۔"

تینوں کو اسی وقت باندھ دیا گیا اور سردار مانی شاہ کے گھر پہنچا دیا گیا جہاں وہ ایک کوٹھری میں بند کر دیے گئے۔ پتھراؤ سے وہ تینوں زخمی تھے۔ خون سے لباس تر ہو چکا تھا۔ آپ کو نہ اپنے زخموں کی پرواہ تھی نہ قید ہو جانے کا غم، مگر قیش کی طرف سے بہت فکر مند تھے۔ ان کے سر کا زخم بہت گہرا تھا۔ خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو چکے تھے۔ اویس ہوش میں تھے مگر ضبط

ان کے لئے بھی سخت مرحلہ بنا ہوا تھا۔ آپ نے انہی سے کہا۔ "اویش گھبرانا نہیں، اللہ اور اس کے رسول کی محبت بہت بڑا اعزاز ہے جو قربانیوں کے بغیر حاصل نہیں ہوا کرتا۔ توحید کے عقائد کا پرچار کرتے ہوئے یہ بات مجھے محسوس ہو گئی تھی کہ اگر میں نے آتش پرستی کی مذمت کی تو کیا نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ مگر میں نے مصلحت کے آستاں پر صداقت کو قربان نہیں ہونے دیا۔ قیش پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔ ہمارے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں ہم ان کے کسی کام بھی نہیں آسکتے۔"

اویش نے آپ کی بات سن تو لی مگر وہ کچھ بول نہ سکے اور پھر سکوت گہرا ہوتا چلا گیا۔ کیوں کہ پہلے اویش اور پھر آپ بھی بے ہوش ہو گئے۔ خون کی مسلسل ریزش کا یہی فطری نتیجہ تھا۔

رات نے ابھی اپنا دوسرا پہر بھی مکمل نہیں کیا تھا کہ اس کوٹھری کا دروازہ کھلا جس میں تینوں بزرگ اب تک بے ہوش پڑے تھے۔ کوٹھری میں تین عورتیں داخل ہوئیں۔ ایک کے ہاتھ میں شمع تھی ایک عورت نے تینوں کا جائزہ لے کر کہا۔ "خانم! یہ تو بے ہوش ہیں۔"

ان کا بے ہوش ہو جانا فطری امر ہے کیونکہ پتھراؤ سے تینوں ہی شدید طور پر زخمی ہوئے تھے۔ نوشیری! تم جا کر پانی لاؤ اور ساتھ ہی مرہم اور کپڑا بھی لے آنا۔"

نوشیری تیزی سے گئی اور جلد ہی مطلوبہ اشیاء لے کر واپس آ گئی۔ تینوں خواتین نے پہلے زخمیوں کی مرہم پٹی کی۔ اس کے بعد پانی کے چھینٹے مار مار کر تینوں زخمیوں کو ہوش میں لائیں پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ "اگر تم سفر کر سکتے ہو تو میں تمہیں یہاں سے رہا کر سکتی ہوں۔"

آپ نے ان غیر متوقع نوازشات پر کسی حیرانی کا اظہار کئے بغیر اپنے ساتھیوں سے پوچھا "کیا تم چل سکتے ہو؟"

اویش نے اثبات میں جواب دیا۔ قیش بولے۔ "میں بہت کمزوری محسوس کر رہا ہوں مگر کمزوری میرے راستے کی دیوار نہ بن سکے گی۔ مجھے پہلے کھولو تاکہ میں دیکھ سکوں کہ زخم سر کے علاوہ اور کہاں کہاں ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے۔"

خانم نے ایک کنیز کی مدد سے ہاتھ پیر کھولنا شروع کئے اور نوشیری سے کہا "جاؤ دودھ میں شہد اور زعفران ڈال کر جلد لاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مشروب بہت جلد ان کی توانائیاں بحال کر دے گا۔"

جب آپ اور آپ کے ساتھی آزاد ہو گئے تو آپ نے خانم سے پوچھا "تم کون ہو اور ہماری آزادی کے لئے یہ سب زحمت کیوں اٹھا رہی ہو؟"

میرا نام خانم اور میرے والد کا نام مانی شا ہے وہ یہاں کے باحیثیت آدمی ہیں وہ تمہیں قید کروا کے شام ہی کو اہیور چلے گئے ہیں تا کہ وائی اہیور کو یہاں پیدا ہونے والی صورت حال سے آگاہ کر دیں اور گشتی مذہبی عدالت کے ارکان کو لے کر یہاں آ جائیں۔ میں جانتی ہوں کہ مذہبی عدالت بڑی ظالم ہے۔ اس کا ہر قیمت پر یہی فیصلہ ہو گا کہ تم لوگوں کو زندہ جلا دیا جائے میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ صرف اس بنیاد پر ہیں کہ تم نے کھلے عام آتش پرستوں کے مذہب کو باطل کہا اور آتش پرستی کو حماقت قرار دیا میں مدت سے آتش پرستی کو حماقت سمجھتی ہوں مگر مجھ میں جرأت کبھی نہ ہوئی کہ آتش پرستی کی کھلے عام مذمت کر سکوں۔ تم نے میرے خیالات کی ترجمانی کر کے مجھے روحانی آسودگی فراہم کی ہے مجھے اپنے مذہب سے نفرت ہے۔ اپنے مذہب کے جن پیشواؤں سے اب تک میرا واسطہ پڑا ہے میں نے انھیں اوّل درجے کا ریاکار اور مکار ہی پایا ہے میں نے ان کی آنکھوں میں ہوس کے شعلے ہی دہکتے دیکھے ہیں میں اپنی بوڑھی ماں کی وجہ سے مجبور ہوں ورنہ تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جاتی۔ میری ماں میرے بغیر ایک دن بھی زندہ نہ رہ سکے گی۔"

نوشیری آئی تو وہ کافی مقدار میں مطلوبہ مشروب لے کر آئی جو تینوں نے سیر ہو کر پیا۔ مشروب گرم تھا اور اس کے خواص بھی گرم تھے۔ کوٹھری کی بند فضا میں جلد ہی پسینہ آ گیا اور انھوں نے اپنے جسموں میں حیرت انگیز طور پر توانائی محسوس کی۔

آپ نے تیشس کے ہونٹوں پر تبسم دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ وہ اب پہلے سے بہت بہتر ہیں۔ اس نے خانم سے پوچھا "ہماری سواریاں تو ہم سے چھینی جا چکی ہیں سفر کی صورت کیا ہو گی؟"

"اونٹ ریگستان کے سفر کے لئے موزوں ہیں۔ اگر تم یہاں سے ریگستان کی طرف سفر کا قصد رکھتے ہو تو تمہاری سواریاں بھی تمہیں مل جائیں گی اور اگر کسی اور سمت میں سفر کا ارادہ ہے تو میں سواری کے لئے بہت عمدہ گھوڑے اور اسلحہ بھی تمہیں فراہم کر دوں گی۔"

"ہم چین کا قصد رکھتے ہیں تمہارے خیال میں سفر کے لئے کون سی سواری موزوں رہے گی؟"

"اگر آپ چین جا رہے ہیں تو گھوڑوں پر جائیے۔"

"ہم آپ کے مشورے پر عمل کریں گے مگر میں یہ بات ضرور دریافت کروں گا کہ ہمارے فرار کے نتیجے میں تم پر تو کوئی مصیبت نہیں آپڑے گی؟"

"یہ دونوں میری کنیزیں ہیں مگر میں انھیں بہنوں کی طرح چاہتی ہوں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ یہ میرے باپ کو بتا دیں کہ میں نے تمہیں فرار کیا ہے۔ ویسے بھی میرا باپ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب تم لوگ اٹھو، میں یہاں آنے سے پہلے سارے انتظامات کر آئی تھی۔"

تینوں بزرگ خانم کے ساتھ ایک کمرے میں پہنچے جہاں بہت سے لباس موجود تھے۔

خانم نے کہا "جو لباس پسند آئے پہن لو اور ساتھ والے کمرے میں سے اپنے لئے اسلحے کا بھی انتخاب کر لو۔ ہم کچھ دیر بعد واپس آجائیں گے۔"

خواتین چلی گئیں تو سب نے لباس تبدیل کئے۔ اسلحے میں سے انھوں نے صرف خنجر اور تیر کمان لیے وہ ابھی تیار ہی ہوئے تھے کہ دروازے کے باہر سے آواز آئی "اگر آپ تیار ہو گئے ہیں تو باہر آجائیں مگر اپنے اتارے ہوئے کپڑے اٹھاتے لائیں۔"

آپ دروازہ کھول کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلے تو نوشیری کو موجود پایا۔ اس نے اپنے عقب میں آنے کا اشارہ کرتے ہوئے ایک راہداری میں بڑھنا شروع کیا جو انھیں مکان کے عقبی دروازے تک لے گئی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا آپ باہر نکلے تو خانم کو موجود پایا۔

خانم نے کہا "اب تم لوگ فوراً روانہ ہو جاؤ۔ میں چاہتی ہوں کہ صبح ہونے سے پہلے یہاں سے

... ... آپ ... ... راستے سے ہٹ کر ہونا چاہیے ابید

میں تم ہرگز قیام نہ کرنا! گھوڑوں پر جو تھیلے بندھے ہوئے ہیں ان میں وہ چیزیں موجود ہیں جو سفر میں کام آتی رہیں گی۔ اب تم روانہ ہو جاؤ۔ تمہارے یہاں آنے سے میری اداسیاں ختم ہو گئی ہیں۔ مجھے یہ سوچ کر ہمیشہ خوشی ہوتی رہے گی کہ میں دنیا میں تنہا نہیں ہوں میری طرح سوچنے والے اس زمین پر اور بھی موجود ہیں۔"

آپ اور آپ کے ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو گئے تو آپ نے خانم سے کہا: "اب ایک آخری بات اور سن لو۔ ہم عرب ہیں اور اسلام ہمارا دین ہے۔ اسلام ہی نے ہمیں یہ عزت دی ہے کہ ہم خالق کائنات کے سوا کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتے۔ اس کے سوا کسی کو نہیں پوجتے۔ اسلام ہمارے ذریعے چین پہنچ رہا ہے تو کسی دن یہاں بھی پہنچے گا۔ اگر تم اپنی نسلوں کو جاوداں بنانا چاہتی ہو تو جب یہاں تک اسلام پہنچے تو اُسے ضرور قبول کر لینا۔"

خانم کی آنکھیں برسنے لگیں تھیں۔ اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں تمہاری نصیحت پر ضرور عمل کروں گی۔" خانم اپنا جملہ مکمل کر کے پلٹی اور دروازے میں داخل ہو گئی۔ اس کی کنیزیں بھی وہاں نہیں رکیں۔

آپ نے بسم اللہ پڑھ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ کچھ دور چل کر آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "اگر رفتار کی تیزی زخموں میں ٹیس پیدا کر رہی ہو تو رفتار سست کر لو۔"

ادریس نے آپ سے اپنا گھوڑا قریب لاتے ہوئے کہا: "گھوڑے کی سست رفتاری زیادہ تکلیف دہ بن جائے گی۔ آپ تیزی سے ہی سفر جاری رکھیں۔"

صبح طلوع ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ عام شاہراہ کے متوازی ایک پہاڑی وادی ہے آپ نے شاہراہ کو چھوڑ کر وادی میں سفر کو ترجیح دی۔ وادی ابید کے مضافات تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ نے وادی میں ایک جگہ نماز فجر ادا کی اور پھر سفر شروع کر دیا۔ آپ نے وادی سے نکل کر دیکھا تو سامنے ابید کا شہر نظر آیا۔ کچھ دیر رک کر آپ جائزہ لیتے رہے اور پھر ابید کے جنوب مشرق کی

طرف سفر شروع کیا۔ آپ ابیورد شہر سے کترا کر آسانی سے گزر گئے۔ ابیورد سے بارہ فرسخ دور چھوٹے سے گاؤں میں جا کر ایک کنوئیں کے قریب رُکے جہاں ایک تناور درخت کا سایہ اجنبی مسافروں کے خیر مقدم کے لئے بچھا ہوا تھا۔

آپ رُکے تو ساتھیوں نے سوالیہ انداز میں آپ کی طرف دیکھا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "دوستو! تمہاری ہمتیں قابلِ داد ہیں زخمی ہونے کے باوجود تم اچھا خاصا فاصلہ طے کر چکے ہو اب آرام کرلو۔ میرا اندازہ ہے کہ ہم اب متوقع خطرے سے محفوظ ہیں ہمارے لباس اب اس علاقے میں اجنبی نگاہوں سے نہیں دیکھے جائیں گے کوئی خصوصیت سے ہماری طرف متوجہ نہیں ہوگا۔"

آپ کے ساتھی دعوتِ استراحت کو رد نہ کر سکے کیوں کہ اب ان کے لئے سفر جاری رکھنا بہت تکلیف دہ ہو چکا تھا تینوں نے گھوڑوں سے اُتر کر انہیں درخت سے باندھا اور اپنی چادریں بچھا کر لیٹ گئے۔ فرحت انگیز ہواؤں نے جلد ہی تھکے ماندے مسافروں کو تھپک کر سلا دیا۔ زوالِ آفتاب کے بعد ان کی آنکھ پھر اس وقت کھلی جب کچھ لوگوں کی تیز تیز آوازیں ان کی سماعتوں سے ٹکرائیں وہ بیدار ہوئے تو دیکھا کئی آدمی ان کے اطراف میں جمع تھے اور اس بات پر بحث کر رہے تھے کہ مسافر دوست ہیں یا دشمن۔ آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ شور ختم گیا۔ سب آپ کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک خوبرو نوجوان نے بڑی نرمی سے سوال کیا۔ "آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کس ارادے سے آئے ہیں؟"

"ہم مسافر ہیں اور یہاں کچھ دیر آرام کے لئے رُک گئے تھے۔ اب ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔" آپ نے بھی بہت خوش گوار لہجے میں جواب دیا۔

"اگر تم مسافر تھے تو ہماری بستی میں آکر ہمارے مہمان بنتے، ہم اتنے بداخلاق نہیں ہیں کہ صرف تین آدمی ہم پر بوجھ بن جاتے۔"

"ہم تمہاری بستی میں ضرور آتے مگر ہم عجلت میں ہیں چند ساعتوں کے لئے ہم بستی والوں کو کیا زحمت دیتے۔"!

نوجوان اور آپ میں مکالمہ جاری تھا کہ ایک اور نوجوان نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "یہ شخص

جھوٹ بول رہا ہے پرویز! یہ آسانی سے اس بات کو قبول نہیں کرے گا کہ یہاں رات ہونے کا انتظار
کر رہا تھا تاکہ بستی کے کچھ گھروں کو لوٹ کر فرار ہو جائے۔"

"چپ رہو! تم عقل کے اندھے تو تھے ہی۔ آج تم اپنی بصارت سے بھی محروم ہو گئے
دیکھتے نہیں تینوں زخمی ہیں اور کس قدر کمزور ہیں اگر انھیں گاؤں کو لوٹنا ہوتا تو یہ اس جگہ نہ ٹھہر
جہاں ہر وقت لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے تم ہمیشہ ہی ہر معاملے میں مداخلت کرتے ہو، یہ اچھی
عادت نہیں ہے یہاں سے فوراً چلے جاؤ اپنے دوستوں کو لے کر، ورنہ میں تمہارے ساتھ کوئی
رعایت نہ کروں گا۔"

پرویز کے تیور دیکھ کر فراسپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلے جانے میں ہی عافیت
سمجھی کیوں کہ پرویز جتنا خوش خلق تھا اتنا ہی بہادر بھی! پوری بستی اس کی عزت کرتی تھی۔

پرویز بولا "فراسپ نے جو نا روا باتیں کی ہیں میں اس کے لئے آپ سے معذرت خواہ ہوں"
آپ نے مسکراتے ہوئے کہا "زخم کو فوراً مرہم میسر ہو جاتے تو جلد مندمل ہو جاتا ہے"
"کیا خوب صورت بات کی ہے آپ نے! پرویز نے آپ کی بات سے لطف لیتے ہوئے
مزید کہا "مرہم تو میں اب آپ کے زخموں پر لگاؤں گا۔ آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو نہیں جانے
دوں گا خواہ جانا کتنا ہی ضروری ہو۔ میرے والد بہت اچھے طبیب ہیں۔ زخموں کے علاج میں
وہ اپنا جواب ہی نہیں رکھتے۔" آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ آپ نہیں رک سکیں گے مگر پرویز نے
آپ کے لب کشا ہوتے ہی کہا "میں کوئی عذر کسی عنوان قبول نہیں کروں گا۔ میرے ساتھ چلیے"
آپ آخر اپنے ساتھیوں کی خاطر پرویز کے ساتھ ہو لیے۔ پرویز کا گھر بستی کے وسط
میں بڑا اور نمایاں تھا۔

پرویز نے اپنے والد بہمن سے آپ کا تعارف کرایا تو کہا "یہ کون ہیں؟ ان کا کیا نام
ہے؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کہاں جا رہے ہیں؟ یہ میں نہیں جانتا، مگر ان کے چہروں پر شرافت
کا نور ہے ان کی آنکھوں میں محبت کے چراغ روشن ہیں میں انہیں علاج کے لئے آپ کے پاس

لایا ہوں اور جب تک یہ تندرست نہیں ہو جائیں گے ہمارے مہمان رہیں گے۔"

بہمن نے اپنی تجربہ کار اور جہاں دیدہ نظروں سے نوواردوں کے سراپا کا ایک محتاط اور شریفانہ جائزہ لے کر کہا "مجھے اپنے بیٹے کی مردم شناسی پر ناز ہے۔ واقعی یہ لوگ شریف النفس ہیں میں ان کی چارہ گری اچھی طرح کروں گا۔ آؤ تم بھی میری مدد کرو، احتیاط سے ان کے زخموں سے پٹیاں اُتارو اور زخموں کو صاف کرو، میں اتنی دیر میں کچھ اور بیماروں کو دیکھ لیتا ہوں۔ تم آبان کو اپنی مدد کے لئے بلا لو۔"

بہمن دوسرے بیماروں کو دیکھنے چلا گیا تو پرویز نے آبان کو آواز دے کر بلا لیا۔ جب بہمن واپس آیا تو پرویز اور آبان زخموں سے پٹیاں اُتار کر زخم صاف کر چکے تھے۔

زخموں کا معائنہ کرنے کے بعد بہمن نے کہا "انھیں تو شاید سنگسار کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ زخم تین دن میں اچھے ہو جائیں گے۔ اور خون زیادہ مقدار میں بہہ جانے سے جو کمزوری پیدا ہو گئی ہے وہ دور ہو جائے گی۔ دوا پابندی سے کھلانا اور پرندوں کی یخنی صبح و شام پلانا تمہاری ذمہ داری ہے۔"

مرہم پٹی کے بعد آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ایک آرام دہ کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ پرویز نے آرام کا مشورہ دیتے ہوئے کہا "میں پرندوں کی یخنی کا اہتمام کرنے جا رہا ہوں۔ آبان تھوڑی دیر میں آ کر دوا پلا جائے گا۔"

پرویز جانے لگا تو آپ نے اُسے روکتے ہوئے کہا "اول تو یخنی کے بغیر بھی ہم ٹھیک ہو جائیں گے اور اگر ضروری ہی سمجھو تو پرندوں کو ہم سے ذبح کرانا۔"

"بہتر ہے، میں پرندے آپ کے پاس ہی لے آؤں گا۔"

پرویز چلا گیا تو قیس نے کہا "یہ یک طرفہ تعارف کی گاڑی کب تک چلتی رہے گی؟"

"یہ ہمارے میزبان کی اعلیٰ ظرفی کی نادر مثال ہے کہ اس نے ہمارے متعلق کوئی تفصیل جانے بغیر آشناؤں جیسا سلوک کیا ہے، مگر آج وہ ہمارے متعلق بہت کچھ جان لے گا۔"

تھوڑی دیر بعد آبان آگیا۔ اس نے تینوں کو ایک سفوف دے کر کہا۔ "اسے منہ میں ڈال کر دودھ پی لو۔ یہ سفوف بدمزہ تو ہے مگر زخموں کے اندمال میں تریاق کا حکم رکھتا ہے۔"

آبان کی ہدایت کے مطابق سفوف کو دودھ سے استعمال کر لیا گیا تو وہ دودھ کے خالی گلاس لے کر چلا گیا۔

پرویز آیا تو چار پرندے اور ایک مرغ اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس نے کہا۔ "انہیں ذبح کر دیجئے تاکہ یخنی تیار کی جائے۔"

آپ نے کمرے سے باہر نکل کر کچے صحن میں اپنے خنجر سے پرندے اور مرغ ذبح کر دیے پرویز آپ کا بغور جائزہ لے رہا تھا کہ آیا آپ کس طرح ذبح کرتے ہیں۔

ذبح کا سادہ سا طریقہ کار دیکھ کر اس نے کہا۔ "یہ کام تو میں بھی کر لیتا۔ آپ نے یہ کام خود انجام دینا کیوں ضروری سمجھا؟"

"ہم مسلمان ہیں، صرف اس ذبیحے کو اپنے لئے حلال سمجھتے ہیں جو اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور ظاہر ہے کہ تم یہ کام نہیں کر سکتے تھے۔"

"اللہ سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"اللہ، ہم اس زمین اور آسمان کے مالک اور ہر چیز کے خالق کو کہتے ہیں۔"

"بہت خوب! آپ نے کہا ہے کہ آپ مسلمان ہیں۔ یہ لفظ وطنیت کے اظہار کے لئے ہے یا مذہب کے تعارف کے لئے ہے؟"

ہم وطنیت کے اعتبار سے عرب ہیں اور مذہب کے لحاظ سے مسلمان!"

"آیئے کمرے میں چلتے ہیں، آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ یہاں کا باقی کام آبان کرے گا۔"

کمرے میں پہنچے تو پرویز نے آواز دیکر آبان کو بلایا اور اسے یخنی کی تیاری کا حکم دیا۔ آبان چلا گیا تو پرویز نے کہا۔ "آپ کہتے ہیں کہ آپ عرب ہیں مگر اپنے لباس سے اور اپنی عادتوں سے عرب نہیں معلوم ہوتے کیوں کہ میں نے جہاں تک عربوں کے متعلق سنا ہے، عربوں کا کوئی خاص مذہب نہیں۔ وہ بہت

جھگڑالو، کینہ پرور اور لٹیرے ہوتے ہیں۔"

"تم نے عربوں کے متعلق جو کچھ سنا تھا۔ وہ درست تھا مگر اب صورت حال بدل چکی ہے ہماری اخلاقی پستیوں اور خوں ریزیوں پر اللہ کو رحم آگیا اور اس نے ہم میں سے ایک فخرِ عرب کو اپنا رسولؐ یعنی پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اس برگزیدہ رسولؐ نے اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت سے ہماری زندگیاں بدل دیں۔ ہمارے اخلاق و کردار میں عظیم انقلاب آگیا اور اب ہمارا مذہب یعنی اسلام تیزی سے جزیرۃ العرب میں پھیل رہا ہے۔ میں اپنے رسولؐ کا نمائندہ بن کر ہی چین جا رہا ہوں تاکہ وہاں کے باشندوں کو اسلام سے آشنا کروں۔"

"کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ کے مذہب کے بنیادی اُصول کیا ہیں؟"

آپ نے بڑے دل نشیں انداز میں توحید، رسالت، آخرت، اتقا، اخوت، خدمتِ خلق اور اسلام کی بہت سی خصوصیات پر روشنی ڈالی۔ پرویز بہت ذہین اور فہیم تھا۔ جب تک آپ بولتے رہے وہ خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ مگر پھر اس نے پے در پے بہت سے سوالات کیے اور آپ ان کے شافی جواب دیتے رہے۔

اب تک سوال و جواب کے دوران میں پرویز کا رویہ خالص طالب علمانہ تھا، نہ اس نے کسی بات پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا، نہ ناپسندیدگی۔ بات ختم ہوئی تو اس نے کہا "سورج غروب ہونے والا ہے۔ مجھے کچھ کام ہے اس لیے جانا ضروری ہے اب کل صبح آپ سے ملاقات ہوگی۔"

پرویز چلا گیا تو آپ نے نمازِ مغرب کے لئے تازہ وضو کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آبان کھانا لے کر آگیا اور کھانا دسترخوان پر رکھ کر کہا "آپ کے میزبانوں نے اس امر پر معذرت پیش کی ہے کہ وہ کھانے میں آپ کے ساتھ شریک نہ ہو سکیں گے۔"

عشاء پڑھنے کے بعد جب آپ آرام کرنے کے لئے لیٹ رہے تھے تو آبان نے یخنی پیش کی اور ایک سفوف دے کر کہا "سفوف یخنی کے ساتھ استعمال کریں۔ صبح اس سفوف کی شفا بخشی پر آپ ضرور حیران ہوں گے۔ یہ وہ سفوف نہیں ہے جو آپ نے پہلے استعمال کیا تھا۔"

دوا کھا کر لیٹے تو صبح سے پہلے تینوں دوستوں کی آنکھ کھلی۔ نمازِ فجر ادا کر کے ایک دوسرے کو بدہ قرآن سنانے لگے تینوں اس اعتبار سے حافظِ قرآن تھے کہ اٹھارہ سال میں جتنا قرآن نازل ہوا تھا۔ وہ انھیں یاد تھا۔ قرآن خوانی ان کا معمول تھا۔

اچھی طرح دن نکل آیا تو آبان نے دودھ اور سفوف لا کر دیتے ہوئے پوچھا۔ "اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟"

"طبیعت پہلے سے بہت بہتر ہے۔" اویش نے جواب دیا۔

آبان دودھ کے پیالے لیکر جانے لگا تو اس نے کہا۔ "ابھی تھوڑی دیر میں پرویز اور بہمن آپ کے زخموں پر مرہم لگانے آئیں گے۔"

بہمن آیا تو پرویز اور آبان بھی اس کے ساتھ تھے۔ پٹیاں کھول کر زخم دیکھے تو بہمن نے کہا "میری توقع سے بڑھ کر زخموں کو آرام پہنچا ہے۔ پرسوں بالکل مندمل ہو جائیں گے۔"

بہمن مرہم پٹی کرا کے گیا تو نوکر اور بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ دوپہر سے کچھ پہلے پرویز آیا۔ اسلام پھر موضوعِ فکر بن گیا۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ پھر سب نے مل کر دوپہر کا کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پرویز نے کہا۔ "آپ اپنی عبادت کب کریں گے۔ دوپہر میں بھی تو آپ لوگ عبادت کرتے ہیں مجھے آپ کی عبادت کا طریقہ اچھا لگتا ہے۔ میری موجودگی کہیں آپ کی عبادت میں حارج تو نہیں ہوگی؟"

"تم یہیں بیٹھو، کل بھی ہماری عبادت کا مشاہدہ کر چکے ہو۔" آپ نے بڑی شفقت سے فرمایا۔

نماز کے بعد پرویز نے کہا۔ "اگر آپ پسند کریں تو ہم دونوں ایک باغ دیکھ آئیں وہ ہمارا آبائی باغ ہے اگر آپ کے ساتھی اس کی اجازت دے دیں۔"

قدیش اور اویش نے بہ یک زبان کہا۔ "آپ محترم سعدؓ بن وقاص کو ضرور اپنے ساتھ لے جائیں یہ بھی ہماری وجہ سے کمرے کے حبس کو گوارا کیے ہوئے ہیں۔"

آپ پرویز کے ساتھ باغ میں پہنچے جو زیادہ دور نہ تھا۔ باغ میں ایک درخت کے نیچے

آپ کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پرویز نے کہا: "آپ کو میں یہاں ایک خاص مقصد کے تحت لایا ہوں۔"

"کہو کیا بات ہے جس کے لئے اتنی رازداری برتی گئی ہے؟"

"میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ میرا اب یہی فیصلہ ہے کہ اسلام سے بہتر نظامِ زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں اپنے مذہب سے پہلے ہی بیزار تھا مگر کوئی متبادل صورت میرے سامنے نہیں تھی۔ آپ سے اسلام کے موضوع پر گفتگو کے بعد مجھے روحانی خوشی ہوئی ہے آپ مجھے داخلِ اسلام کر لیں تاکہ میرے بےقرار تجسس کو اپنی منزل مل جائے۔ میں آپ کو اسی لئے یہاں لایا تھا۔ میری خواہش یہ ہے کہ میں سردست اپنے مذہب کی تبدیلی کو راز رکھوں اور کسی مناسب موقع پر اس کا اظہار کر دوں۔ اگر اسلام کو چھپانا اسلام میں جائز نہیں ہے تو میں ہر صورتِ حال کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی بھی ہمت رکھتا ہوں۔ میری راہ میں صرف میرے والد دیوار ہیں۔ انھیں تبدیلی مذہب کی اطلاع ملے گی تو وہ اس غم سے مر بھی سکتے ہیں اور مجھے بھی ہلاک کر سکتے ہیں۔"

"اسلام ہر چند کہ اظہار و اعلان کا تقاضا کرتا ہے مگر بعض صورتوں میں اسلام کا اخفا بھی جائز ہے۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد اسلام کی کامل واقفیت بھی ضروری ہوگی۔ میں یہاں سے لازمی طور پر روانہ ہو جاؤں گا۔ ایسی صورت میں تمہاری دینی تعلیم و تربیت کے لئے دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں ایک یہ کہ تم میرے ساتھ سفر کرو اور دین سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد لوٹ آؤ۔ ایک صورت یہ ہے کہ جو پہلی سے بہتر ہے وہ یہ کہ تم یہاں سے مدینہ چلے جاؤ۔ حضور اکرمؐ کی زیارت کی سعادت حاصل کرو اور وہیں اپنی تکمیل کرو۔"

پرویز نے کچھ دیر غور و فکر کرنے کے بعد کہا: "آپ کی دوسری تجویز جو بقول آپ کے بہتر ہے۔ میرے لئے قابلِ عمل ہوگی۔ میں کسی نہ کسی طرح والد سے سیاحت کی اجازت لے کر اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں پہنچ جاؤں گا۔"

آپ نے پرویز کو کلمۂ طیبہ پڑھا کر اسے مشرف بہ اسلام کیا اور سینے سے لگا کر اس کے حق

میں وطن کی۔ باغ سے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں پرویز نے کہا۔ "یہاں میرے ایک دوست کے پاس چینی غلام ہے بڑا ذہین اور بہت سمجھ دار، اگر آپ اسے اپنے ساتھ لے جائیں تو وہ آپ کے لئے بہت مفید ثابت ہو گا۔"

"مگر تمہارا دوست اتنے اچھے غلام کو ہمارے ساتھ کیسے بھیج دے گا؟" آپ نے حیرت سے پوچھا۔

"مروان میرا بہت ہی قریبی دوست ہے۔ ہمارے درمیان کوئی راز، راز نہیں ہے۔ اب تک اسلام سے متعلق جو معلومات آپ سے میں نے حاصل کی ہیں وہ اس تک منتقل ہو چکی ہیں۔ اور اس کا دل بھی میری طرح اسلام کے لئے کشادہ ہو گیا ہے۔ آج شام وہ بھی اسلام قبول کر لے گا آپ کے لئے اس کے دل میں بڑی گنجائش پیدا ہو چکی ہے۔ اگر میں چینی غلام کو آپ کے لئے طلب کروں گا تو وہ انکار نہ کر سکے گا۔"

شام کو پرویز کے ساتھ آپ مروان کے گھر گئے تو اس نے بھی اسلام قبول کر لیا اور کہا "پرویز نے مجھے بتایا ہے کہ آپ میرے چینی غلام کو اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش رکھتے ہیں اگر آپ چینی غلام کو اپنے ساتھ لے جائیں گے تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"

"اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ پرویز کی تجویز اور تمہاری پیشکش بہت وقیع ہے۔ یہ غلام ہمارے بہت کام آئے گا۔"

مروان نشست گاہ سے اٹھ کر چلا گیا اور جب واپس آیا تو اس کے ساتھ چینی غلام بھی تھا۔ اس نے آ کر ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر ادب سے کمر خم کی اور پھر اس نے کمر سیدھی کر کے کہا۔ "غلام ہر حال میں غلام ہوتا ہے، آقا کے بدل جانے سے اس کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ اپنے نئے آقا کا بھی ہمیشہ وفادار رہوں گا۔"

آپ نے کہا۔ "تم مروان کی غلامی سے آزاد ہو کر میری غلامی میں آ گئے ہو مگر میں تمہیں آزاد کرتا ہوں تم اپنے وطن کی طرف میرے ساتھ ایک دوست کی طرح سفر کرو گے اور چین پہنچ کر یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہو گا کہ ہمارے ساتھ رہو یا کہیں چلے جاؤ۔" (باقی آئندہ)

نشانِ عبرت

"ایشیا لاہور" مدیر تجاب کے پاس بھی آتا ہے۔ ہم نے اس میں یہ مضمون بھی پڑھا تھا۔ ارادہ تھا کہ تجاب میں نقل نہ کریں گے لیکن اب جبکہ جماعتِ اسلامی کے آرگن "زندگی" میں آگیا تو ہم بھی اس اشاعت میں نقل کر رہے ہیں۔ مولانا خواجہ سعید الدین صاحب اس مضمون کی عبارت کو بھی پڑھیں۔ خاص طور پر "عظیم بزرگوں" کی زبان ملاحظہ فرمائیں کتنی پیاری زبان ہے پیارے! (م)

مولانا عبدالحفیظ مکہ معظمہ نے "حضرت شیخ مولانا محمد زکریا کی جامعیت" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جو رسالہ خدام الدین لاہور میں شائع ہوا۔ اس مضمون کا وہ حصہ جس میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ اور تحریکِ اسلامی کے بارے میں شیخ الحدیث مرحوم و مغفور کے کارنامے کا ذکر ہے معاصر ایشیا لاہور نے "بلا تبصرہ" کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ ہم معاصر کے شکریہ کے ساتھ اس کو نشانِ عبرت کے عنوان سے شائع کر رہے ہیں۔ (زندگی)

اسی طرح فتنۂ مودودیت کی سرکوبی میں حضرت کا بہت وافر حصہ ہے۔ حضرت کی معرکۃ الآراء تصنیف "فتنۂ مودودیت" سے علماءِ حق و محققینِ راسخین کے سینے اس فتنۂ عظیمہ کے بطلان کے بارے میں منشرح ہو گئے۔ اور پھر ہر ایک نے اپنے حسبِ مذاق اس فتنے کی بیخ کنی میں حصہ لیا۔ اس کی اشاعت سے قبل یہ فتنہ خوب سر اٹھا رہا تھا۔ مودودی صاحب خود زندہ تھے اور بہت زوروں پر تھے۔ ہر طرف سے ان کی آؤ بھگت تھی اور ان کی جماعت

"جماعت اسلامی" رائی کا پہاڑ بنا کر اُن کی پبلسٹی کر رہی تھی اور پاکستانی علماء حق میں ایک کثیر تعداد مختلف وجوہ دینیہ و سیاسیہ کی بنا پر اُن کے بارے میں غض بصر یا نرم رویہ کا رکھتی تھی جس کی وجہ سے عوام کے سامنے اس فتنہ کی صحیح حقیقت نہیں آ پاتی تھی۔ اسی پر عوام تو بہت سے نئے فارغ التحصیل علماء اور اکثر صحیح العقیدہ کالجوں کے تعلیم یافتہ اُن کی گمراہیوں میں مبتلا ہو رہے تھے حضرت کے رسالہ "فتنۂ مودودیت" نے مطلع کو بالکل صاف کر دیا اور خاص و عام کے دل میں یہ بات اُتر گئی کہ مودودیت ایک خطرناک قسم کا اعتقادی فتنہ ہے۔ اس میں اگر کچھ منافع نظر آتے ہیں اور بتائے جاتے ہیں اور بعض واقعۃً ہیں بھی مگر یہ اُن کی خطرناک بے دینیوں اور تحریفات دینیہ و نظریات باطلہ کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ اس رسالہ کے چھپنے کے بعد ایک فاضل و محترم بزرگ کا خط حضرت قدس سرہٗ کے نام موصول ہوا کہ رسالہ تو بہت اچھا ہے چناں چنیں ہے مگر اس کا نام سخت ہے جس سے لوگوں کو وحشت ہوتی ہے۔ لہٰذا حضرت نے مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری کو لکھ دیا کہ آئندہ ان بزرگ کے تجویز کردہ نام "جماعت اسلامی ایک لمحۂ فکریہ" سے ایک دوسرا ایڈیشن چھپنا چاہیئے۔ اور ہندوستان میں ایسا ہی ہوا۔ مگر پاکستان میں کئی ایڈیشن اسی نام سے چھپے۔ اسی اثناء میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نور اللہ مرقدہٗ حجاز تشریف لائے۔ یہ سیاہ کار اُن سے ملنے گیا تو "فتنۂ مودودیت" کا تذکرہ آگیا اس سیاہ کار نے ان بزرگ کی رائے مذکورہ بالا نام کے بارے میں عرض کی تو حضرت مولانا نے بہت جوش میں فرمایا "نہیں، نام نہیں بدلنا چاہیئے۔" پھر سُنایا کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری نے جب "اکفار الملحدین" تحریر فرمائی تو کسی نے یہی کہا کہ حضرت! نام سخت ہے۔ تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا "جی ہاں! ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ چونکہ یہ کتاب کتنے لوگ پڑھیں گے اور کتنے لوگ سمجھیں گے، مگر نام ہر شخص دیکھے گا۔ ہم لوگوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں ان قادیانیوں کے لئے کتنا بغض ہے۔ الخ" پھر حضرت بنوری نے فرمایا "اس کا بھی یہی حال، لوگوں کو اس نام سے معلوم ہو جائے گا کہ اللہ والوں کے دلوں میں اس مودودی کے بارے میں کتنا بغض ہے۔"

پھر فرمایا "اس نام میں سختی ہی کیا ہے۔ اس میں صرف اتنا ہی تو لکھا ہے کہ یہ فتنہ ہے اور فتنہ اسے کہتے ہیں کہ اس میں حق اور باطل خلط ملط ہو جائے، پتہ نہ چلے کہ حق کہاں ہے اور باطل کہاں ہے اور اس کا بھی یہی حال ہے کہ حق بات کہتے کہتے باطل لے آتا ہے۔ الخ" اور پھر یہ سب باتیں میں نے جا کر حضرت شیخ قدس سرہ کو من وعن سنا دیں۔ حضرت قدس سرہ یہ سب سن کر بہت خوش ہوئے اور تائید فرمائی۔ پھر جب شریعت و طریقت کا وقت آیا تو اس کے بعض مواد کو تلاش کرتے ہوئے "مشاجرات صحابہ" کے عنوان کے ذیل میں ایک حدیث آئی جس کا مضمون یہ تھا کہ صحابہؓ کو گالی دینے والے پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو تو حضرت نے یہ حدیث سن کر غصہ میں فرمایا "ہاں، ہاں، ضرور، ایسی حدیثیں لاؤ جن سے مودودی......... پر لعنت پڑے، جو صحابہ کی تنقیص کرے، توہین کرے اور ان کو گالیاں دے اس پر جتنی بھی گالیاں پڑیں کم ہیں۔" نیز اس کے بعد حضرت نے نجی خطوط میں جن حضرات سے بھی خط و کتابت کی اور اس مسئلہ سے ان کا ذرا بھی واسطہ ہوتا تو ان کو ضرور اس فتنے کے رد اور سد باب کے لئے تحریر فرماتے۔ حتیٰ کہ حضرت سے بیعت مولانا محمد عابد صاحب جو الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ میں پڑھ رہے تھے انھوں نے ایک مضمون......... مودودی صاحب کی تفسیر کے رد میں لکھا تو حضرت نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ ان کے لئے ہمیشہ بہت دعائیں فرماتے۔ اور جب مضمون پاس ہو گیا تو ان کو مبارکباد دی اور بہت دعاؤں اور توجہات سے نوازا اور خوش ہو کر کچھ کتابیں بھی ہدیۃً مرحمت فرمائیں۔

حضرت مولانا ابرار الحق ہردوئی مدظلہ کے خلیفہ مولانا حکیم محمد اختر صاحب نے ایک رسالہ "مودودی صاحب اکابر کی نظر میں" تحریر فرمایا تو حضرت نے سیکڑوں کی تعداد میں خرید فرما کر مفت تقسیم کروایا اور سہارنپور سے کئی ہزار کا مستقل ایڈیشن شائع کروایا۔

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا کی جامعیت از مولانا عبدالحفیظ مکہ معظمہ، خدام الدین لاہور

حکایاتِ شیخ الحدیث

بسلسلۂ

فضائل درود شریف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل درود شریف کے سلسلے میں کچھ حکایات جمع کر کے اپنی کتاب تبلیغی نصاب میں ترتیب دی ہیں۔ ان میں کچھ مولانا مرحوم نے اپنے کانوں سنی حکایات بھی شامل فرمائی ہیں۔ میں مولانا ہی کی حکایتوں میں سے کچھ نقل کر رہا ہوں۔ ان حکایتوں کو قبول کرنے میں کچھ اشکال ہیں۔ وہ بھی لکھ رہا ہوں۔ آپ کی خدمت میں بھیجنے کی جرأت اس لئے ہوئی کہ آپ تجاب کے پچھلے شمارے میں مولانا مرحوم کے کچھ ارشادات شائع فرما چکے ہیں۔ امید ہے کہ یہ حکایات مع اشکال شائع فرما دیں گے۔ ہو سکتا ہے آپ یا کوئی اور صاحب ان اشکال کو دور فرما سکیں۔

حکایت ۵ :- ایک معتمد دوست نے راقم (شیخ الحدیث مولانا زکریا مرحوم) سے ایک خوشنویس لکھنوی کی حکایت بیان کی۔ ان کی عادت تھی کہ جب صبح کے وقت کتابت شروع کرتے تو اوّل ایک بار درود شریف ایک بیاض پر، جو اسی غرض سے بنائی تھی، لکھ لیتے، اس کے بعد کام شروع کرتے۔ جب اُن کے انتقال کا وقت آیا تو غلبۂ فکرِ آخرت سے خوفزدہ ہو کر کہنے لگے کہ دیکھئے، وہاں جا کر کیا ہوتا ہے۔ ایک مجذوب آنکلے اور کہنے لگے "بابا! کیوں گھبراتا ہے؟ وہ بیاض سرکار میں پیش ہے اور اس پر صاد بن رہے ہیں۔ (فضائل درود شریف صفحہ ۸۹)

اشکال :- اس حکایت میں سب سے پہلا اشکال یہ ہے کہ کیا وہ مجذوب صاحب غیب

کا علم رکھتے تھے۔ اگر نہیں تو انھیں کس طرح معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ بیاض پیش ہے اور آپؐ اس پر پاس مارس دے رہے ہیں (س)

استدراک: سردار علی صاحب! غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ ہاں، اللہ تعالیٰ نے غیب کے علم میں سے کچھ اپنے نبیوںؑ کو عنایت فرمایا تھا جیسے اللہ کے بارے میں، اللہ کے نبیوں کے بارے میں، اللہ کی کتابوں کے بارے میں، اللہ کے فرشتوں کے بارے میں، جنت، دوزخ، جنّ نیز قرآن شریف میں اور جو غیب کی باتیں ملتی ہیں ان سب کے بارے میں۔ قرآن کے علاوہ صحابہؓ کی تربیت کے سلسلے میں کچھ ایسا علم بھی حضورؐ کو دیا گیا تھا جس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے (علمائے کرام اسے غیر متلو کہتے ہیں یعنی جو تلاوت نہیں کیا جاتا ہے کیونکہ قرآن میں نہیں ہے)

اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ غیب کا علم رکھتا ہے یا کوئی شخص کسی اور کے بارے میں کہے کہ اُسے علم غیب ہے تو یہ بات اسلامی عقیدے کے خلاف ہوگی۔ ایسے شخص کو توبہ کرنا چاہیئے۔

ظاہر ہے کہ حضرت مولانا زکریا مرحوم جیسے جیّد عالِم اور پیرِ عالم ایسی غلطی نہیں کر سکتے۔ تو پھر مجذوب کے علم کی تاویل میں کیا کہا جائے گا؟ اس کی کوئی صورت تلاش کرنی ہی پڑیگی۔

یہ تاویل مسلک تصوف کے اکابرین نے نہیں سے کھینچ تان کر نکال لی۔ یہ کہ اللہ کے ولیوں کو خواب یا مکاشفات یا اَوراد و وظائف کے اوقات میں بشرات (غیب سے بشارتیں) ہوتی ہیں۔ اس مجذوب کو انہی مبشرات کے ذریعہ علم ہو گیا ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ اس وقت مجذوب صاحب نے مراقبہ نہیں کیا بلکہ برجستہ فرمادیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اَوراد و وظائف کی متواتر مشقوں سے جب انسان ابدال، قطب اور غوث کے مراتب طے کرتے ہوئے مجذوب کے مرتبے پر پہونچ جاتا ہے تو اُس کے آگے ہر وقت چودہ طبق روشن رہتے ہیں۔ پھر اُس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ "ذرا گردن جھکائی دیکھ لی"۔ تو چونکہ وہ صاحب مجذوب کے مرتبۂ عالیہ پر فائز تھے

اس لئے انھوں نے آناً فاناً جان لیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کس مبارک کام میں مصروف ہیں۔

سردار علی صاحب! ہو سکتا ہے کہ آپ کے نزدیک میری طرف سے عرض کی ہوئی یہ تاویل کمزور معلوم ہو لیکن علمِ تصوف کے بڑے بڑوں کا اس تاویل پر ایمان ہے۔

اللہ ہم پر رحم فرمائے۔ میرے پاس اس سلسلے میں اور بھی خطوط آئے ہیں۔ ان شاء اللہ آئندہ پیش کروں گا۔

حکایت ع۱۴ :- شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ زاد السعید (مولفہ مولانا اشرف علی تھانوی ؒ) کے حوالے سے مدارج النبوۃ مولفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ کی ایک حکایت صفحہ ۹۱ پر بڑے سلیقے سے لکھی ہے۔ فرماتے ہیں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب حضرت حوا ؑ پیدا ہوئیں حضرت آدم ؑ نے اُن پر ہاتھ بڑھانا چاہا۔ ملائکہ نے کہا صبر کرو جب تک نکاح نہ ہو جائے اور مہر ادا نہ کردو۔ انھوں نے پوچھا مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم پر تین بار درود شریف پڑھنا اور ایک روایت میں بیس بار آیا ہے۔ فقط

اشکال :- اس حکایت میں اشکال یہ ہے کہ یہ حکایت قرآن کریم کی اُن آیات سے ٹکراتی ہے جن میں حضرت آدم ؑ و حوا ؑ کا تذکرہ آیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ حضرت آدم ؑ و حوا ؑ بہت دنوں تک جنت میں رہے۔ وہاں اُن کا لباس نورانی تھا، پھر جب انھوں نے شجرِ ممنوعہ کے سلسلے میں نافرمانی کی تو اُن سے وہ نورانی لباس چھین لیا گیا۔ وہ اپنا جسم جنت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے۔ اس کے بعد انھیں اس نورانی دنیا سے اس زمین پر بھیجدیا گیا اور یہاں وہ کچھ ہوا جو عورت کی طرف ہاتھ بڑھانے کے معنی میں پوشیدہ ہے۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم ؑ و حوا ؑ کو نورانی دنیا سے زمین پر آنے تک کافی عرصہ لگا تھا لیکن شیخ الحدیث نے حکایت یوں قبول کر لی ہے کہ جیسے ہی حضرت حوا ؑ پیدا ہوئیں ویسے

بھی حضرت آدمؑ نے اُن کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ حیرت ہے کہ نورانی اور فنا کا فانی کے خوف و بھیجے والے فرشتے سے ایسا تسامح کیسے ہو گیا؟

استدراک ہے۔ سوالِ عالی جناب اصحابِ کرامؓ اور اُن کے شاگردانِ رشید (تابعین) اور تابعین کے شاگردانِ رشید (تبع تابعین) کے یہاں ایسی روایتیں نہیں ملتی ہیں الّا یہ کہ بعد کے کسی شخص نے روایت گھڑ کے اُن کی طرف منسوب کر دی ہو۔ ہاں اُن کے بعد والوں نے ایک فن ایجاد کیا۔ اس کا نام ترہیب و ترغیب رکھا۔ اس فن کے ذریعہ ایسی روایتوں کو تسلیم کرنا جائز کر لیا گیا جن کے ذریعہ تعلق باللہ، محبت رسولؐ اور عبادات کی ترغیب ہو۔ یہ متاخرین نمبر ۲ کسی قدر محتاط ہے۔ ان کے بعد نمبر ۳ والوں کو کرامات اور مبشرات کا بھی سہارا ملا۔ پھر ایسی ایسی حکایات تصنیف کر ڈالی گئیں کہ امتِ مسلمہ کے لئے فتنہ بن گئیں۔ اس طرح کا ایک فتنہ حکایت بھی ہے جو آپ نے نمبر ۳ کے تحت درج کی ہے۔

نعتِ رسولؐ :- جب اس ناکارہ (یعنی شیخ الحدیث مولانا زکریا مرحوم) کی عمر تقریباً دس گیارہ سال کی تھی، گنگوہ میں اپنے والد صاحب محترم سے یہ کتاب (یوسف زلیخا مصنفہ جامی) پڑھی تھی۔ اس وقت ان کی زبانی ایک قصہ بھی سنا اور وہ قصہ ہی خواب میں اس کی طرف ذہن کے منتقل ہونے کا داعیہ بنا۔ قصہ یہ سنا تھا کہ مولانا جامی نور اللہ مرقدہٗ و اعلی اللہ مراتبہٗ یہ نعت کہنے کے بعد جب ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے۔ جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں۔ امیر مکہ نے ممانعت کر دی مگر ان پر جذب و شوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے۔ امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا۔ حضورؐ نے فرمایا وہ آ رہا ہے۔ اس کو یہاں نہ آنے

دو امیر نے آدمی دوڑائے اور اُن کو راستے سے پکڑوا کر بلالیا۔ اُن پر سختی کی اور جیل خانے میں ڈال دیا۔ اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آکر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لئے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا۔ اس پر اُن کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز و اکرام کیا گیا۔ اس قصے کو سننے میں یا یاد میں تو اس ناکارہ کو تردد نہیں لیکن اس وقت اپنے ضعفِ بینائی اور امراض کی وجہ سے مراجعتِ کتب سے معذوری ہے۔ ناظرین میں سے کسی کو کسی کتاب میں اس کا حوالہ اس ناکارہ کی زندگی میں ملے تو اس ناکارہ کو بھی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں اور مرنے کے بعد اگر ملے تو حاشیہ اضافہ فرما دیں۔ اس قصہ ہی کی وجہ سے اس ناکارہ کا خیال اس نعت کی طرف گیا تھا اور اب تک یہی ذہن میں ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں۔ سید احمد رفاعی مشہور بزرگ اکابر صوفیہ میں سے ہیں۔ اُن کا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ میں وہ زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے قریب کھڑے ہو کر دو شعر پڑھے تو دست مبارک باہر نکلا اور انھوں نے اس کو چوما۔ (کتاب ہٰذا صفحہ ۱۱۸)

اشکال: — اس حکایت کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانہ ہے میرا خیال ہے کہ نہ حضرت جامیؒ نے اسے بیان فرمایا ہوگا اور نہ حضرت رفاعیؒ نے۔ یہ بعد کے لوگوں نے حکایت گھڑ لی اور اسے نزہت البساتین، نزہۃ المجالس میں لکھ دیا اور پھر گرمیٔ محفل کے لئے ایسی حکایتوں کو استعمال کیا جانے لگا۔ میلاد شریف کی محفلیں بھی ایسی حکایتوں سے گرم ہونے لگیں۔ (س)

کاشش! کاش شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ حضرت جامیؒ سے متعلق حکایت نقل کر کے یہیں تک رہنے دیتے کہ اگر جامیؒ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر آکر نعت پڑھی تو مصافحہ کے لئے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا لیکن افسوس کہ فتنہ محسوس کر کے بھی ایک روڑا حضرت رفاعیؒ کی طرف سے لگا دیا یعنی حضور صلعم کا ہاتھ نکلا اور رفاعیؒ نے مصافحہ کیا۔

میرا خیال ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کو وہ من گھڑت حکایت بھی اگر مل جاتی تو اُسے بھی نقل کر دیتے جو یوں گھڑی گئی ہے کہ جب مولانا جامیؒ اور حضرت رفاعیؒ نے مواجہ میں نعت پڑھی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قبر شریف سے نکل کر اُن سے معانقہ فرمایا اور کہا کہ میری موت کے بعد میرے پیارے بلالؓ شام کی طرف چلے گئے تو میں نے خواب کے ذریعہ ان کو بلایا لیکن اُن کے سامنے نہیں آیا۔ میری بیٹی فاطمہؓ میرے لئے چھ ماہ تڑپتی رہی لیکن میں قبر سے نہیں نکلا۔ اور بڑے بڑے صحابہ جن سے اللہ راضی ہوا، میں نے اُن کو بھی شرف ملاقات سے محروم ہی رکھا لیکن جس کو یہ مقام بلند ملنا تھا اُسے مل گیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

سردار صاحب! کیا سمجھے؟ صوفیائے کرام نے مبشرات کا سہارا لے کر وہ گل کھلائے ہیں جن کا جواب نہیں، جواب نہیں کا مطلب یہ کہ ایسی کرامتیں صحابہ کرامؓ بھی نہ دکھا سکے اور بعض بزرگوں نے تو انبیاء علیہم السلام کو مات کر دیا۔ ہم سمجھے تھے کہ بریلوی حضرات اس طرح کے پروپیگنڈے میں پیش پیش ہیں لیکن معلوم ہوا کہ جن بزرگوں نے اُن کو بدعتی قرار دیا وہ بھی اُن سے کم نہیں ہیں۔ (باقی آئندہ)

ملازم عورت

ابو حنظلہ

آزادی نسواں، مساوات مرد وزن، ترقی نسواں یہ وہ نعرے ہیں جن سے بھولی بھالی عورتوں کو بہت آسانی سے پھانسا جارہا ہے آزادی مساوات، ترقی یہ زہر آلود گولیاں ہیں جنھیں شکر میں لپیٹ لپیٹ کر نسوانیت کے گلے سے اُتارا جارہا ہے عورت بےچاری ان نعروں کے شور وغل اور ظاہری چمک دمک سے فریب میں مبتلا ہے اور خوشی خوشی اس زہر کو پیتی جارہی ہے۔ ان نعروں نے عالم نسوانیت کو کیا دیا یہ ایک کھلی حقیقت ہے اگر آنکھیں کھلی رکھی جائیں اور دل ودماغ سے جواب طلب کیا جائے تو جواب یہی ملے گا کہ بے حیائی ظلم وزیادتی اور ذمہ داریوں میں اضافے کے سوا عورت کے حصہ میں کچھ بھی نہیں آیا۔

کبھی کبھی ہماری وہ بہنیں جو آج بھی گھروں میں عفت وعصمت کے ساتھ بیٹھی ہیں اپنی کچھ مالی پریشانیوں کی بناء پر سوچنے لگتی ہیں کہ ہم بھی اگر کہیں ملازمت کرلیتیں تو اچھا ہوتا ان کی تسلی اور اطمینان کے لئے آزادی ومساوات کی دین ملازمت والے پہلو کو دیکھا جائے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ایک معصوم وکنواری لڑکی ملازمت کے چکر میں جب پہلا قدم گھر سے باہر رکھتی ہے تو اُسے کیسے کیسے گھناؤنے مناظر کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ مختلف اداروں میں ملاقات (Interview) دیتے ہوئے سب سے پہلے جس بات سے سابقہ پڑتا ہے وہ یہ کہ اس کی تعلیمی قابلیت وصلاحیت سے زیادہ اس کے ظاہری رکھ رکھاؤ (smartness) اور اس کی شکل وصورت کو ہی زیادہ دیکھا جاتا ہے اگر اس کی شکل وصورت اور جسمانی (نسوانی) اعضاء قبول صورت اور قابل دید ہو تو ملازمت حاصل کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ملازمت

حاصل کرنے کے بعد اُسے پہلے کچھ سالوں تک جو اُمیدوارانہ دور (Probation Period)
ہوتا ہے کہ دوران اپنے افسر (Boss) اور آفس کے دوسرے ساتھیوں کو خوش رکھنے
کے لئے کتنی جدوجہد کرنا پڑتی ہے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، یہ وہ مشکل ہے کہ وہ بہنیں جو آج
گھروں میں بیٹھی ہیں اس کا تصور تک نہیں کر سکتیں۔ آپ کی مرضی ہو نہ ہو آپ کو اپنے افسر اور
ساتھیوں کا چال چلن پسند نہ ہو آپ کو اپنے چہرے پر ہر وقت ایک مصنوعی مسکراہٹ کی
ضرورت ہوتی ہے آپ اپنے گھریلو اور خاندانی معاملات میں لاکھ پریشان ہوں لیکن آپ
کے چہرے کی آرائش وزیبائش (Make - up) میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیئے۔
ساتھ ساتھ آفس کے مردانہ ماحول میں آپ کو وہ سب برداشت کرنا ہوگا جو آج کا معاشرہ
چاہتا ہے اور آج کے معاشرے میں سوائے فیشن، فلم اور کھیل کود کے کون سی چیزیں ہیں
جن پر بحث ومباحثہ ہوتا ہے آپ کے لئے فلم، کھیل کود اور فیشن وغیرہ کی روزانہ (Up-Todate)
کی واقفیت (knowledge) ہونا انتہائی ضروری ہے ورنہ آپ تنہا ہو جائیں گی۔ آپ کو قدامت
پرست (orthodox) تنگ ذہن (Narrow Minded) سمجھا جائے گا۔ آپ پر فقرے
کسے جائیں گے آپ پر طنز ہوگا۔ آپ کا مذاق اُڑایا جائے گا۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی، ابھی
تو یہ ابتداء ہے آفس میں یا جس ادارے میں آپ ملازم ہیں اگر کھیل کود کا انتظام ہو تو کچھ شرارت
پسندوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ عورتوں کو اس میں حصہ لینے پر مجبور کیا جائے اور کچھ کچھ،
آفس اور اداروں میں ڈرامہ، ناٹک بھی انتظام ہوتا ہے۔ سالانہ تفریح (Picnic) جو اکثر
شہر سے دور کسی مقام پر ہوا کرتی ہے سالانہ اجتماع (Get - together) بھی ہوتا ہے ان
تمام چیزوں میں حصہ لینا پڑتا ہے ورنہ پھر حصہ نہ لینے کی سزا بھگتنی ہوتی ہے۔"

خدائی انتظامات

یاد رکھیئے کہ اس دنیا میں کوئی کسی کے لئے کچھ نہیں کرتا۔ خدا اپنے بندوں کے لئے وسیلے پیدا کرتا ہے۔ اگر ہم کسی ضرورت مند کی امداد کرتے ہیں تو اس کے پیچھے ایک غیبی قوت کام کرتی ہے۔ اللہ پاک ہی ضرورت مندوں اور مظلوموں کی مدد کرتا ہے۔ قدرت خداوندی سے بسا اوقات ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں اور ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ انسان ان پر حیران رہ جاتا ہے چٹکیوں میں وہ کام ہو جاتا ہے جو برسوں کی دوڑ دھوپ کے بعد بھی نہیں ہوتا بعض مرتبہ ناممکن چیز ممکن ہو جاتی ہے اور بعض اوقات پایۂ تکمیل کو پہنچا ہوا کام بگڑ جاتا ہے۔ یہ واقعات برائے عبرت و نصیحت ہی پیش آتے ہیں تاکہ مخلوق کے خالق کی قدرت اور طاقت کا احساس ہو اور وہ سمجھ لیں کہ ایک بہت بڑی طاقت ہر چیز کی پشت پر کام کرتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں نیکوکار، دردمند، خداترس، ایثار پیشہ اور خدمت خلق کا جذبہ رکھنے والے افراد کمی نہیں ہے وہ دامے، درمے، قدمے، سخنے ضرورت مندوں اور مصیبت کا شکار لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ مگر بہت کم لوگ یہ سوچتے ہیں کہ وہ امدادی کام خدائی انتظامات کے تحت کر رہے ہیں یہ خیال ان کے دل میں اللہ کی جانب سے ڈالا گیا ہے۔ وہی وسائل پر قدرت رکھنے والا، وہی کارساز اور کارکشا ہے۔ وہی بندوں کے کام چلاتا ہے۔ جس چیز پر ہم اور آپ غور نہیں کرتے وہ یہی ہے کہ مانگنے والا اللہ کے نام پر مانگتا ہے۔ ہم اللہ کے نام پر دیتے ہیں۔ ●

ساس بہو

اس مضمون پر مصنف یا بھیجنے والے کا نام نہیں لکھا تھا براہ کرم واقف صاحب مطلع فرمائیں۔ (مدیرہ)

ساس ظالم ہے، خونخوار ہے۔ بدزبان ہے۔ بات کرنے نہیں دیتی بیٹے کو جھوٹ موٹ لگاتی ہے۔ ہر غلطی کے لیئے بہو کو ذمہ دار ٹھہراتی ہے۔ بدبخت، منحوس کے نام سے پکارتی ہے بہو کو پاؤں کی جوتی بنا رکھی ہے۔

بہو بے درد ہے۔ سہاگ رات ہی سے لڑکے کو ہاتھ میں لے لیا گھر تباہ کیا۔ لڑائیاں ڈال دیں۔ ہنستے کھیلتے گھر کو توڑ دیا۔ نندوں سے جھگڑتی ہے۔ پلنگ پر بیٹھ کر راج کرنا چاہتی ہے کام دھام، پکانا، جھکانا کچھ نہیں آتا۔ صرف کپڑے پہن کر ٹھمکنا، دروازے بند کر کے سونا ہی آتا ہے

ساس اور بہو کے متعلق ایسی باتیں ہر روز سننے میں آتی ہیں اور اتنی عام ہیں کہ ان پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔ اکثر گھرانوں میں تو ساس اور بہو کے درمیان جوتیوں میں دال بٹتی ہے۔ تُو تُو میں میں ہوتا ہے۔ گالی گلوج اور مار دھاڑ ہوتی ہے اور بعض اوقات دونوں طرف کے بڑے بھی آپس میں لڑ پڑتے ہیں اور نوبت طلاق یا علیحدگی تک آجاتی ہے کوئی نہیں سوچتا کہ آخر یہ ساس بہو کا جھگڑا ہے کیا چیز۔ اس کی حقیقت کیا ہے۔ کیا واقعی ساس ظالم اور سنگ دل اور بہو کی دشمن ہوتی ہے۔ کیا بہو واقعی اپنے شوہر کو لے کر الگ ہوجانا چاہتی ہے۔ کیا ہر بہو کا دل ساس کی طرف سے میلا ہوتا ہے۔ یہ ایسے سوالات ہیں جو ہم سب کے گہرے غور و خوض کے محتاج ہیں۔ ایک پڑھی لکھی عورت نے جو دو بہوؤں کی ساس ہے کہا میرے گھر میں ساس بہو کا کوئی جھگڑا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بہوؤں کو اپنی بیٹیاں سمجھتی ہوں ان کو میں نے آزادی دے رکھی ہے ان کے دخل نہیں دیتی۔ ہاں اگر کوئی کوتاہی ہوتی ہے تو ٹوک دیتی ہوں وہ بھی ناصحانہ انداز میں۔ بیٹوں سے کہتی ہوں کہ اپنی بیبیوں کا خیال رکھیں۔ ان کی خواہش کی چیز لا کر دیں کیونکہ میں

بھی اپنے شوہر سے کہہ کر اپنی من پسند چیزیں منگواتی تھی۔ عورت کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ مرد اس سے پیار کرے۔ دل کھول کر اور اس کا ہو کر۔ لہٰذا میں بچوں کو تاکید کرتی ہوں کہ وہ بیویوں کے ساتھ محبت اور پیار سے پیش آئیں میرا خیال ہے کہ بہو کی بد دعا، بہو کی سرد آہ، گھر کو تباہ کر دیتی ہے لہٰذا بہو کو خوش رکھنا اور اس کے بشری تقاضوں کا خیال رکھنا ہر ساس کا فرض ہے جو ماں کا رول ادا کرنے کا وعدہ کر کے پرائی بیٹی کو بہو بنا لاتی ہے ایک ساس نے کہا کہ ساس بہو کے جھگڑے کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ ہمارے معاشرے میں بچپن ہی سے ایسی باتیں سننے کو ملتی ہیں کہ ساس ستاتی ہے نندیں چھیڑتی ہیں سسرال خطرناک جگہ ہے ساس بہت خراب ہے وغیرہ وغیرہ۔ لڑکیاں جب یہ سنتی ہیں تو ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ واقعی ساس ظالم عورت کا دوسرا نام ہے۔ وہ درندہ ہے اس سے بچنا چاہئے۔ پھر جب وہ ایسی ہی کتابوں، رسالوں اور اخباروں میں پڑھتی ہیں تو ان کا خیال پختہ ہو جاتا ہے۔ وہ ساس سے ڈرنے اور ساس کو دور رکھنے کی تدبیریں سوچنے لگتی ہیں۔ اسی طرح سا سیں بھی بہوؤں کے بارے میں سوچتی ہیں کہ وہ میرے بیٹے کو اپنا لے گی۔ مجھ سے دور کر دے گی میرا گھر توڑ دے گی میرا بچہ اب مجھے نہیں پوچھے گا مجھے پیسے نہیں دے گا جورو کی بات سننے لگے گا مجھے ستائے گا اور میری بے عزتی کرے گا یہ سارے کام میری بہو کرائے گی۔ اسی قسم کی غلط فہمیاں ساس کو بہو کا اور بہو کو ساس کا دشمن بناتی ہیں۔ اور کشیدگی بڑھاتی ہیں۔ اگر ساس بہو کو گھر کا اُجالا۔ اپنی بیٹی، اپنا سہارا سمجھے تو ساری غلط فہمی دور ہو جائے گی۔ اسی طرح بہو اگر ساس کو اپنی ماں سسرال کو اپنا گھر، ساس کی خدمت کو اپنا فرض سمجھے تو کوئی جھگڑا باقی نہ رہے۔ ●

باپ کے خطوط

بیٹی کے نام

نورِ چشمی سلمہا! تم پر اللہ کی طرف سے ہزاروں ہزار رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ تمہارا خط ملا، حال معلوم ہوا۔ بیٹی! مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ تمہارے حسین ساتھی نے تم کو کہاں کہاں کی سیر کرائی۔ مجھے جس چیز سے دلچسپی ہے وہ تم جانتی ہو۔ میں نے تم کو دینی تعلیم دلائی۔ اس کا مقصد و منشا یہ رہا اور اب بھی ہے کہ تم دین کا علم حاصل کرکے جس گھر میں جاؤ اُس گھر میں دینی فضا چھا جائے۔ اس گھر میں دینی شعور بڑھے۔ اللہ کا فضل یہ ہے کہ تمہارا رشتہ جس نوجوان سے ہوا ہے وہ تحریکِ اسلامی کا پرجوش کارکن ہے۔ اس حالت میں سب سے زیادہ تم کو اپنے شوہر کا مددگار اسی طرح ہونا چاہیے جس طرح حضرتِ خدیجہؓ تھیں۔ تم ایک بار ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی سیرت کا مطالعہ پھر کر لو۔ وہ بڑی حکمت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعاون کرتی تھیں۔ وہ گھر کی فضا ایسی رکھتی تھیں کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تو گھر کی پُرسکون فضا دیکھ کر باہر کے غم بھول جاتے تھے۔ ام المومنینؓ کی سیرت میں ایک بڑی پیاری بات ملتی ہے۔ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم مکے کی گلیوں میں اسلام کی دعوت دے رہے تھے اُس وقت سردارانِ قریش طرح طرح سے آپؐ کو ستا رہے تھے۔ آپؐ تھکے ہوئے اور دل پر اہلِ مکہ کے طنز و طعن کے تیروں کے زخم لئے ہوئے گھر میں آتے تو ام المومنینؓ کفارِ مکہ کی باتوں کو ہلکا کرکے دکھاتیں اور کہتی تھیں کہ نادان حق و باطل پہچانتے نہیں ہیں۔ ان شاء اللہ ایک دن آپ کامیاب ہوں گے۔

بیٹی! میرے گھر پل کر بیس اکیس سال تم نے گزارے۔ تمہارا مشاہدہ ہے کہ آج کل بھی جو مرد خدا

تحریک اسلامی کا کام کرتا ہے اُس کو بھی طرح طرح سے ستایا جاتا ہے۔ تمہارا شوہر بھی انہی میں ہے۔ اُسے
بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔ تمہارا کام یہ ہے کہ ایسی حالت میں تم اُسے سہارا دو۔ جس وقت وہ
تھکا ہارا گھر میں آئے اُس وقت گھر کی فضا ایسی خوشگوار ہو کہ وہ سمجھے کہ آگ کے میدان سے پھولوں
کے چمن میں آ گیا۔ اگر خدانخواستہ گھر آ کر وہ یہ دیکھے کہ گھر والے خصوصاً بیوی منہ پھلائے بیٹھی ہے اور مسکرا کر
اس کا استقبال نہیں کرتی تو اس بے چارے کا کیا حال ہوگا۔

اس سلسلے کی دوسری بات یہ ہے کہ اس کی ضرورت کی ہر چیز اُسے ملنا چاہئے۔ میرا مشاہدہ ہے کہ
جس شوہر کو اس کی بیوی گھر سے بے نیاز کر دیتی ہے، اُس کی ضرورتوں کا خیال رکھتی ہے، گھر کی فضا کو
پرسکون رکھتی ہے تو وہی شوہر دوسرے دن اپنے کاروبار اور اپنے تبلیغی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتا ہے۔ گھر کو
پرسکون دیکھ کر اُس کے جسم کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔

تیسرا کام یہ ہے کہ شوہر جس بات کی تبلیغ باہر کرتا ہے اس کا نمونہ گھر میں ملنا چاہئے۔ وہ مرد ناکام
ہو جاتا ہے جو باہر اللہ کے حکموں کے مطابق چلنے کی تلقین کرتا ہے لیکن اس کی بیوی اس کے خلاف
گھر میں دوسرا رُخ پیش کرتی ہے۔ لوگ اس مرد پر طنز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود را فضیحت دیگراں
را نصیحت۔ تم کو معلوم ہے کہ ابولہب کی مخالفت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی کوششوں کو کس درجہ
ہلکا کر دیا کرتی تھی اور حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ کی مخالف بیویوں کی وجہ سے ان حضرات کو کتنی
پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

بیٹی! تم نے تاریخ اسلام میں اولین دور کے لوگوں خصوصاً صحابہ کرامؓ کے کارنامے پڑھے ہیں۔
ان میں ایک خصوصیت تھی کہ وہ میدانِ جہاد میں شہادت کی تمنا لے کر جاتے تھے۔ بے شک یہ تمنا
ہر مسلمان کے دل میں ہونا چاہئے لیکن ذرا یوں سوچو! صحابہ کرامؓ میدانِ جنگ میں بڑے اطمینان سے تلواریں
چلاتے تھے اور جب کوئی شہید ہو جاتا تھا تو وہ کہتا تھا کہ خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

مجھے اس سے انکار نہیں کہ یہ ان کا جذبۂ ایمانی تھا لیکن یہ بات بھی سو فیصد صحیح ہے کہ اُن
بیویوں (صحابیات) نے گھر کو منظم اور بچوں کی پرورش وغیرہ کا انتظام ایسا پیارا اور پرسکون رکھا تھا

اُن کے شوہروں کو مکمل اطمینان حاصل تھا کہ مرنے کے بعد بچے تھوڑی تھوڑی ہوں گے۔ کیا آج کی بیویوں کے لئے ان میں کوئی سبق نہیں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث یاد ہوگی، آپؐ نے اچھی گھر والی کو جہادِ اسلام کے برابر فرمایا ہے اور عورتوں کا جہاد یہی بتایا کہ وہ گھر کو سنوارے رہیں۔ اب اس سے زیادہ عورت کو کیا چاہیئے۔

بیٹی! اب تم یہ خط بار بار پڑھو، اس پر عمل کرو۔ اس کے بعد میں جو خط لکھوں گا اس میں ایک اور ضروری بات لکھوں گا، وہ یہ کہ شوہر کو اطمینان دلانے کے ساتھ تمہارا برتاؤ ساس اور نندوں سے کیسا ہونا چاہیئے۔ میرے اس خط کی منتظر رہو۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گھر کو اسلامی معاشرے کے لئے نمونہ بنائے اور یہ نمونہ تحریکِ اسلامی کو زیادہ سے زیادہ آگے بڑھائے۔ آمین۔ میرا سلام اپنے شوہر کو، خسر صاحب کو، ساس کو اور تمام چھوٹے بڑوں کو کہنا۔

آج بالاگھاٹ کی تمہاری باجی طیبہ اپنی ماں اور والد کے ساتھ آئی تھیں۔ اُن کو تمہاری شادی کے بارے میں بتایا گیا تو بولیں "خوب! ہم لوگوں کو معلوم ہی نہ ہو سکا اور چپکے سے دوسرے کی ہو رہیں"۔ پھر جب انھیں بتایا گیا کہ ایک ہفتے کے اندر شادی طے ہوئی اور نکاح بھی ہو گیا تو اس سادگی پر بہت خوش ہوئیں اور کہا کہ اسی طرح مسلمانوں کے گھروں میں شادیاں ہونی چاہئیں۔

تمہاری طیبہ باجی نے تمہارے سامنے فاضلہ سے فراغت کر لی تھی۔ اب وہ بی اے کا امتحان دینے آئی ہیں۔ انھوں نے جامعہ میں تمہارے بارے میں تمہاری ساتھیوں کو بتایا کہ تم تعطیل میں پرائی ہو گئیں تو سب نے کہا کہ اچھا! کبھی ملیں گی تو اس جلدبازی کی سزا ضرور دی جائے گی۔ اب میں تم کو ایک تدبیر بتاؤں، سسرال سے یہاں آنا اور جب جامعہ جانا ہو تو لڈو لیتی جانا۔ جو تمہارا مذاق بنانے کیلئے منہ کھولے اس کے منہ میں لڈو ٹھونس دینا۔ پھر وہ بول ہی نہ سکے گی۔ خود ہی مذاق بن جائے گی۔ ہے نا یہ تدبیر عمدہ۔ اچھا تو اب لکھو کہ کب آرہی ہو۔ تمہاری ساتھی لڑکیاں ہمارے گھر آ آ کر ہمیں پریشان کرنے لگی ہیں کہ انھیں بلائیے۔ والسلام۔

دعاگو تمہارا غمخوار باپ۔

حرام کی دولت

[illegible]

میں مولوی محمد ظہور حسن عمر ۶۱ سال پیشہ مزدوری کا اقرار کرتا ہوں کہ میں سماج، قانون، ضمیر، دل، ایمان اور انسانیت کا سب سے بڑا مجرم ہوں کیونکہ میں نے نشہ آور چیزوں کی اسمگلنگ کی۔ لاکھوں کمائے عیش و آرام کی کوئی چیز ایسی نہیں جس سے میں نے لذت حاصل نہ کی ہو میں انتہائی شرم و ندامت کے ساتھ اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کمایا وہ حرام تھا۔ رزق حلال میں نے نہیں کمایا اپنے بچوں کو جو کچھ میں نے کھلایا وہ بھی رزق حرام تھا۔ اپنی اولاد کی پرورش تعلیم و تربیت پر جو کچھ خرچ کیا وہ بھی حرام کی کمائی کا ایک حصہ تھا۔ میں ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ میری نیند اڑ چکی ہے۔ میرا آرام حرام ہو گیا ہے۔ مجھے کوئی کل چین نہیں۔ لہٰذا دل کے سکون اور ضمیر کے بوجھ ہلکا کرنے اور اللہ اور رسولؐ کے سامنے سرخرو جانے کی خاطر اعلان کرتا ہوں کہ میری جو کچھ بھی جائیداد ہے اس پر میرا کوئی حق نہیں۔ حکومت اس کو ضبط کرلے اور اس کو فروخت کرکے عوام کی بھلائی کے کاموں پر لگا دے۔

یہ ہے وہ بیان جو لاہور کی عدالت میں ظہور حسن نے دیا۔ اس کی آنکھ میں آنسو تھے اور وہ عوام سے منہ چھپا رہا تھا۔ بعد میں اس سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ میں موٹر کاروں کی باڈی بنانے میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ محنت اور لگن سے اپنا کام کرتا تھا۔ اللہ نے خوش رکھا تھا مگر نشہ آور چیزوں نے مجھ کو اپنے جال میں پھنسا لیا۔ پہلے تو انھوں نے موٹر کاروں کی نئی نئی باڈیاں بنوائیں اس میں کئی کلو نشہ آور دوائیں لے جاتے تھے۔ میں باڈیاں بناتا رہا اور ہزاروں روپے کماتا رہا۔ ایک اسمگلر نے مجھے اپنا حصہ دار بنا لیا اور ایک ہی دورے میں میرے حصے میں لاکھوں روپے آئے۔ اس کے بعد میں نے سوچا کیوں نہ میں خود یہ کام کروں چنانچہ میں نے خود دھندہ شروع کر دیا۔ مجھے مال لانے والے معلوم تھے قیمت معلوم تھی۔ مال چھپانا آتا تھا۔ چیک پوسٹ والے معلوم تھے کہ کب

معلوم تھے چنانچہ میں نے کتنی غیر ملکی دورے کئے اور اتنے روپے کمائے کہ ان کا کوئی حساب
نہیں تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کئی احساسات بھی میرے اندر جاگنے لگے۔ مثلاً میں پہلے خدا سے
ڈرتا تھا۔ مگر جب میرے پاس ناجائز دولت آنے لگی تو دل سے خدا کا خوف غائب ہو گیا۔ میری
آنکھوں سے حیا ختم ہو گئی۔ میرے اندر کا انسان مر گیا اور شیطان انگڑائیاں لینے لگا۔ ایک اور
بات یہ ہوئی کہ جتنا روپیہ میرے پاس آنے لگا میری حرص بڑھنے لگی۔ پیسے کے لالچ میں میں اپنی
جان کی قدر و قیمت تک بھول گیا۔ مجرمانہ کام کرتے ہوئے مجھے خوشی ہونے لگی۔ میں کون ہوں۔ کیا
کر رہا ہوں اور مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں بھول گیا۔ بعض اوقات مجھے حیرت بھی ہوتی کہ پولیس، کسٹم
وزیر، تاجر، صنعت کار، موٹر کمپنیاں جو اس دھندے میں ملوث ہیں اگر اسی طرح حکومت کو قوم
کو اور ملک کو دھوکا دینے لگے تو کیا یہ ملک رہیگا اس کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا جب کہ میرے
اندر کا انسان پھر زندہ ہونے لگا۔ حرام کی کمائی مجھے سانپ بن کر ڈسنے لگی اور مجھے صاف دکھائی
دینے لگا کہ دولت انسان کو کچھ نہیں دے سکتی، نہ سکون، نہ اطمینان، نہ عزت، نہ آرام، نہ چین،
اگر دولت کچھ دے سکتی ہے تو وہ حرص و ہوس، امراض، کمزوری، بزدلی اور جرائم کی زندگی اور پہلی بار
یہ احساس ہوا کہ محنت اور مزدوری سے دولت نہیں ملتی مگر آرام و سکون ملتا ہے اس کے پیچھے
اللہ کی خوشنودی ہے وہ جو کہتے ہیں کہ ہر برائی کی سزا تباہی و بربادی ہے اسی طرح میری برائی کی
سزا مجھے ملی۔ اور بھرپور طور پر ملی۔ میں نے لاکھوں روپے خرچ کرکے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی
کی تھی اور اسے لاکھوں کا جہیز بھی دیا تھا مگر میرے داماد نے میری بیٹی کو چھوڑ کر اپنے دوست کی
بیوی سے تعلق قائم کر لیا۔ میری بیٹی لڑ جھگڑ کر گھر واپس آ گئی۔ ساری برادری میں میری ناک نیچی ہوئی
میں نے اپنے دونوں بیٹوں کو نئے مکانات تعمیر کروا کے دئے اور ہر ایک کو ایک سو تولے
کے زیورات دئے تھے وہ میرے دشمن ہو گئے اور ایک بیٹے نے مجھے جان سے مار ڈالنا بھی
چاہا مگر میں بچ گیا۔ میرے سسرے نے گھر آ کر میری بے عزتی کی۔ میری بیوی مجھے چھوڑ کر باپ کے
گھر چلی گئی میں اپنے گھر میں اچھوت بن کر رہ گیا۔ اس کے بعد ہی یہ راز مجھ پر کھلا کہ جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی

بھرتا ہے۔ میں نے اولاد کو حرام کمائی سے پالا تھا لہٰذا وہ میری نہیں ہوئی میں نے سکھ اُٹھانے کے لئے پیسہ کمایا تھا مگر وہ مجھے کچھ نہیں دے سکا میں سکون سے رہنا چاہتا تھا قدرت نے میرا سکون چھین لیا۔ میں سمجھتا تھا کہ دولت مجھے عزت بخشے گی لیکن دولت نے مجھے بے آبرو کر دیا حرام کی کمائی نے خون کا رنگ بدل دیا اور میں سوچنے لگا کہ یہ قدرت کا قانون ہے یہ اللہ کا انصاف ہے۔ میں نے نشہ پلا کر دوسرے والدین کی اولاد کو خراب کیا میں نے ملک اور قوم کو دھوکا دیا اور اللہ نے میرے گھر والوں کو مجھے دھوکا دینے کے لئے تیار کیا۔ میں نے گھر بسانا چاہا اللہ نے اسے اُجاڑ دیا۔ اس سے بڑی اور اس سے سخت سزا اور کیا ہو سکتی ہے —— •"

نظم

مائل خیرآبادی

کردار کا سایہ پڑتے ہی ماحول بدلنے لگتا ہے
ہر چیز سنبھلنے لگتی ہے جب انسان سنبھلنے لگتا ہے

ایمان کا پودا ٹھنڈا پانی پا کر جلنے لگتا ہے
جب اس کو گرم پسینہ دو تو پھولنے پھلنے لگتا ہے

ہر فرد جماعت کے سانچے میں خود ہی ڈھلنے لگتا ہے
چلنے والوں کے ریلے میں کمزور بھی چلنے لگتا ہے

منزل کا پتہ مل جائے تو، رکتا ہے کہیں مسافر تو
رستہ خود ہی بن جاتا ہے جب کوئی چلنے لگتا ہے

آ جاتا ہے جب اک مرد مجاہد تلواروں کے سائے میں
دل اس کا شہادت کی خاطر بھر اور مچلنے لگتا ہے

یہ دیکھ کے بدیم شیشوں سکتے میں ہیں چار آئینہ بھی
گرمیٔ نگاہ مومن سے لوہا بھی پگھلنے لگتا ہے

انصاف کا تیرے اے مائلؔ! یہ سارا زمانہ ہے قائل
کانٹوں سے زخمی ہو کے بھی پھولوں کو مسلنے لگتا ہے

اسلام نے کہا تھا

اسلام پوری دنیا کے انسانوں کی ہدایت اور بھلائی کے لئے آیا ہے۔ وہ سب کو دعوت دیتا ہے کہ جو کچھ اس کے احکام یا ہدایات ہیں ان پر غور کریں، ان پر عمل کر کے دیکھیں مثلاً وہ کہتا ہے کہ تمام انسان آپس میں ایک اور برابر ہیں ان کے تمام حقوق یکساں ہیں انسانی مساوات ہی معاشرے کی بنیاد ہے۔ پندرہ سو برس پہلے پیش کئے گئے اس اصول پر آج عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔ افریقہ سے لیکر ایشیا تک کے تمام ممالک انسانی حق مانگ رہے ہیں یا نہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ سارے انسان ایک ہی آدم کی اولاد ہیں، سب کے سب مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں اونچ نیچ، ذات پات کچھ بھی نہیں ہے۔ پیشے کے اعتبار سے انسان چاہے کچھ بھی کرے لیکن ذات کے اعتبار سے انسان ایک ہی ہے پیشہ ذات نہیں بن سکتا۔ اس اصول پر آج 500 سال بعد عمل کیا جا رہا ہے یا نہیں۔ رنگ و نسل کی تفریق مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے یا نہیں۔ اسلام نے کہا تھا، کہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے پر یا ایک انسان کو دوسرے انسان پر حکومت چلانے، اپنا غلام بنانے یا اس کا استحصال کرنے کا کوئی حق، کوئی اختیار یا کوئی اجازت نہیں ہے۔ انسان اللہ کا بندہ ہے اور اس کو صرف اللہ کے حکم پر چلنا لازم ہے۔ آج ایک ہزار پانچ سو سال بعد اس اصول پر عمل درآمد کے لئے ہر جگہ مطالبے ہو رہے ہیں یا نہیں اسلام نے کہا تھا کہ مذہب کے بغیر اللہ کے احکام پر عمل کئے بغیر مذہبی اصولوں پر چلے بغیر اپنی منزل نہیں پا سکتا۔ آج اسلام کی کہی ہوئی ایک ایک بات صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ پولینڈ کے کمیونسٹ مزدور 40 سال تک کمیونزم پر عمل کرنے کے بعد آج مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ مذہب پر چلنا چاہتے ہیں وہ کمیونسٹ راج میں جانوروں کی طرح زندگی گزارنا نہیں چاہتے۔ خود روس میں کمیونسٹ اپنے اوپر لدے ہوئے کمیونزم کے بوجھ

کو اُٹھا کر پھینک دینا چاہتے ہیں۔ اسلام نے کہا تھا کہ قومیت اور ریاست کی جنگ قوموں کو تباہ و برباد کر دیتی ہے اس لئے تم قومیت پرستی سے دور رہو۔ آج یہی قومیت ساری دنیا کے لئے تباہی کا باعث ہے یا نہیں۔ ساری دنیا سیاسی اور فوجی بنیادوں پر الگ الگ ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے یا نہیں۔ اسلام نے کہا تھا کہ قوم، نسل، نظریہ، رنگ، اور سیاست کی بنیاد پر حکومت چلانا تباہی اور موت کو دعوت دینا ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ ہٹلر، مسولینی اور ٹوجو نے قوموں کی جھوٹی شان بڑھانے کے لئے اور دنیا پر حکومت کرنے کے بدبختانہ ارادے سے جو کچھ کیا۔ کیا اس کے نتیجے میں دوسری جنگ عظیم نہیں ہوئی اور کروڑوں انسان مارے نہیں گئے۔ برطانیہ، جاپان جرمنی اور روس تباہی کا نشانہ بنے یا نہیں۔ اسلام کی کہی ہوئی کوئی بات اللہ کے فضل سے آج تک غلط نہیں ہوئی۔ آزمانے والوں نے آزما کر دیکھ لیا۔"

تقویٰ

مسجد میں چند منٹ تک سجدے کرنا اور پھر اپنے کام میں لگ جانا تقویٰ نہیں ہے اور نہ ہی تقویٰ اس کا نام ہے کہ آدمی دن رات مسجد میں بیٹھ جائے۔ تقویٰ یہ ہے کہ ہر آن ہر کام خدا کو حاضر و ناظر جان کر کرے اور اللہ سے ڈرتا رہے کہ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ ہر انسان کی ایک ایک حرکت کا حساب لینے والا ہے۔ اللہ کے احکام پر کاربند رہنے، رسول اللہؐ کی ہدایات پر عمل کرنے، اللہ کی محبت کو تمام چیزوں کی محبت پر غالب رکھنے، یتیموں، رشتہ داروں غریبوں، بیواؤں اور پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے، تنگی و مصیبت میں صبر کرنے، حق کا ساتھ دینے، باطل سے مصالحت نہ کرنے کا نام ہی تقویٰ ہے۔ ایمان میں پختگی، صداقت قول و عمل میں یکسانیت کا نام تقویٰ ہے۔ راست بازی، فرماں برداری اور پرہیزگاری کا نام تقویٰ ہے۔"

محمد فضل اللہ رومی

(آمبور)

پیاز کے کرشمے

پیاز کی دو قسمیں ہیں سُرخ اور سفید۔ دونوں یکساں طور پر مفید ہیں۔ اس میں گوشت پیدا کرنے والا نمک اور وٹامنز بھرے ہوئے ہیں پیاز کے استعمال سے دل کے ارد گرد چربی جمع نہیں ہوتی۔ قلب کی شریانیں خون جاری رکھنے کا کام عمدگی سے انجام دیتی ہیں۔ پیاز دل کو طاقت دیتی ہے۔ شریانوں کے سدّے دور کرتی ہے۔ فاسد مادّے کو پیشاب کے ذریعے خارج کرتی ہے۔ دو چپاتی کے ساتھ آدھ پاؤ پیاز اور دو چھٹانک گڑ کھا لیں تو بھوک نہیں لگتی۔ پیاز لُو لگنے نہیں دیتی۔ کئی امراض کے جراثیم کو اس کی "بو" مار دیتی ہے ہیضے کے دنوں میں اگر کسی کو قے اور پاخانے ہوتے ہوں تو چھ ماشے پودینہ سبز تین ماشے چھوٹی الائچی کا دانہ کوٹ کر ایک تولہ پیاز کچل کر اس کے پانی میں سفوف ڈال کر مریض کو تھوڑا تھوڑا پلائیں۔ انشاء اللہ فوری صحت ہو جائے گی۔

اگر گیس اور ہاضمہ کی خرابی ہو تو ایک پاؤ پیاز کے ٹکڑے کر کے آدھ سیر سرکہ میں ملا دیں، اور شیشے کے مرتبان میں دو دن دھوپ میں رکھ کر ایک تولہ پیاز روز استعمال کریں تو ہاضمہ ٹھیک ہو جاتا ہے اور گیس سے نجات مل جاتی ہے۔ اگر پیٹ میں ہوا جمع ہو جائے اور پیٹ پھولا ہوا ہو تو ایک رتی ہینگ، تین رتی نمک سیاہ، ایک چمچہ پیاز کا رس ملا کر دو وقت مریض کو دیں چند دن میں آرام ہو جائے گا۔ کان کے درد کے لئے پیاز کا پانی مفید ہے۔ زہریلے جانوروں کے کاٹے ہوئے مقام کو پیاز کے پانی سے دھونے سے زہر دور ہو جاتا ہے۔ گنجے سر والے اگر چند ہفتوں تک پیاز کا پانی لگائیں تو بال اُگنا شروع ہو جاتے ہیں۔"

میری آپ بیتی

شاکرہ خاتون

سوتے میں دانت پیسنا اور چبانا

نیند میں بھی لوگوں کی عادتیں اسی طرح عجیب اور نت نئی ہوتی ہیں جیسے کہ جاگتے میں مثلاً بعض لوگ سوتے میں بڑبڑاتے رہتے ہیں۔ کچھ ڈرتے اور چیخنے لگتے ہیں بعض سوتے میں ہنستے اور بولتے ہیں۔ نیند میں چلنا پھرنا تو ایک خطرناک مرض بھی ہے لیکن ایک عام بری عادت جو اکثر بچوں کو اور کبھی بڑی عمر کے لوگوں کو بھی ہوتی ہے۔ سوتے میں دانت پیسنے یا دانت کٹکٹانے کی ہے اس سے اس شخص کے ساتھ ایک ہی کمرے میں سونے والوں کے آرام میں خلل پڑتا ہے۔

ایسے لوگوں کے دانت سوتے میں بار بار اس طرح بجتے ہیں گویا وہ کچھ چبا یا کھا رہے ہیں یہ ایک طرح کا نیند کا مرض یا نفسیاتی کیفیت ہے جس کا علاج کچھ ایسا مشکل نہیں ہے۔ ایسی حالت میں دانتوں کے درمیان زبان آجانے اور چب جانے کا بھی خطرہ ہو سکتا ہے چنانچہ اس عادت یا مرض سے فوری نجات کی ضرورت ہے۔

ایک ایسی ہی خاتون شاکرہ نے اپنی روداد بیان کرتے ہوئے کہتی ہے کہ بچپن میں میں اپنی جڑواں بہن کے ساتھ ایک ہی کمرے میں سوتی تھی۔ اس نے بچپن میں مجھے یہ نہیں بتایا کہ میں نیند میں دانت چباتی ہوں شاید اس لئے کہ وہ خود سوتے میں بولتی تھی اور اس نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ اپنا عیب چھپائے رہے۔ اس نے ایک دن مجھے بتا ہی دیا کہ میں رات کو سوتے میں دانت چباتی ہوں میں بالکل نہیں مانی لیکن جب سے شب خوابی کے کمرے

تبدیل کر دئے گئے پھر ہم عرصے تک الگ الگ کمروں میں سوتے رہے اور میں سمجھتی رہی کہ اب میں شاید سوتے میں دانت نہیں چباتی پھر میری شادی ہو گئی۔

شروع میں شاید میں دانت نہیں بجاتی تھی۔ ایک سال بعد میرے شوہر نے ایک رات مجھے جگا کر بتایا کہ میں بڑی تیزی سے دانت چبا چبا کر اس کی نیند خراب کر رہی ہوں۔ وہ بے چارہ اس حالت سے کافی پریشان تھا۔ اس کے بعد ایک رات پھر اس نے مجھے جگا کر یہی بتایا۔ وہ مجھے جگانا نہیں چاہتا تھا بلکہ اپنی انگلیوں سے میرے جبڑوں کو روکنا چاہتا تھا کہ میں جاگ گئی۔ وہ اپنی ایک انگلی سے میرے جکڑے ہوئے اور بھینچے ہوئے جبڑے کو الگ کرنے کی کوشش میں تھا۔ ہم دونوں نے بہرحال ایک دوسرے سے معذرت کی حالانکہ وہ میرے فائدے اور بہتری کے لئے ایسا کر رہا تھا اور تکلیف تو میری تھی۔

مشکل یہ تھی کہ رات کو سوتے میں دانت چبانے اور پیسنے سے میرے دانتوں پر بُرا اثر پڑ رہا تھا اور وہ غیر ضروری محنت کی وجہ سے رات بھر گھستے رہتے تھے اور ان کے اوپر کی مینا (انامل) گھس رہی تھی پھر سب سے بڑا خوف مجھے یہ تھا کہ میں اس عادت کو ترک کرنے کے قابل نہیں تھی یعنی میری کوشش کے باوجود رات کو اکثر دانت چبانے لگتی تھی میں اس کوشش میں اپنی زبان دانتوں سے چپکا کر سوتی تھی تاکہ شاید دانت چبانے سے پہلے ہی میری آنکھ کھل جائے گی میری یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی میں نے یہ کوشش بھی کی کہ اس تناؤ کو دور کرنے کے لئے جبڑے اوپر نیچے اور آگے پیچھے کی طرف ہلاؤں۔ اس سے فائدہ ہونے کے بجائے اُلٹا نقصان ہوا اور صورت حال مزید خراب ہو گئی۔ اب میں رات کو اپنے شوہر کو چار چار بار جگانے لگی تھی اور میرے دانت بار بار اور زیادہ زور سے بجنے لگے تھے مجھے اس وقت آرام ملتا اور اس کیفیت سے نجات ملتی جب وہ چہرے کو ہلکے ہلکے تھپتھپاتا۔

میرا شوہر ایک دن مجھے دندان ساز یا معالج دندان کے پاس مشورے کے لئے لے گیا۔ دندان ساز نے بتایا کہ اس میں ڈرنے یا گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ البتہ یہ بات دانتوں کیلئے

ضرور خطرناک ہو سکتی ہے کیونکہ اس سے دانتوں پر غیر ضروری بار پڑتا ہے کیونکہ اس سے وقتاً
اور جبڑے اور منہ کے عضلات اور اعصاب تباہ ہو سکتے ہیں آگے چل کر اس مرض سے میرے
دانت بالکل ہی گھس کر تباہ ہو جائیں گے اب تو واقعی مجھے اپنے دانتوں کی بہت فکر ہو گئی میں
نے معالج دنداں سے جب اس کا علاج اور تدبیر پوچھی تو اس نے ایک ایسی تدبیر بتائی جسے
دی عورت بھی پسند نہیں کرے گی۔ اس نے مشورہ دیا کہ میں دانتوں پر باکسروں کی طرح ادیب
کے تاروں کی حفاظتی نقاب باندھوں۔ ظاہر ہے میں یہ نقاب لگا کر شادی کے صرف ایک
سال بعد خود کو ایسی خوفناک شے نہیں بنانا چاہتی تھی۔ میرا شوہر اور میں اس معالج دنداں
کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ کوئی اور معقول تدابیر اختیار کی جائے۔ ایک اور معالج نے
مشورہ دیا کہ میں رات کو سوتے وقت مسکن اور خواب آور گولیاں کھا لیا کروں۔ یہ اور بھی نرالی
اور غیر پسندیدہ بات تھی، کیونکہ میں نے تین سال سے خصوصی صحتی غذائیں کھانے پر باقاعدگی
سے عمل کیا تھا اور میں ہر رات مسکن گولیاں کھانے پر رضامند نہیں ہو سکتی تھی۔ اب میں نے
سوچا کہ خود ہی اس بارے میں کوئی تدبیر کروں۔

میں اس مسئلے کے بارے میں اس قدر حساس ہو گئی تھی کہ رات کو سونے سے قبل
ہی بتا دیتی تھی کہ آیا اس رات میں دانت چباؤں گی یا نہیں۔ اب میرے جبڑے سر شام ملت
سے کافی پہلے ہی اس خوف کے مارے یا نفسیاتی احساس کے تحت بجنے یا کٹکٹانے
لگتے تھے۔ گویا میرے مسوڑے اور منہ کے اعصاب خراب ہو رہے تھے۔ دانت گھس رہے
تھے۔ اور چند دانتوں پر سے مینا کھرچ گئی تھی۔ رات کو قبل اس کے کہ میرا شوہر مجھے جگائے میں
خود ہی پہلے سے جاگ جاتی تھی۔ جاگنے سے پہلے سوتے میں دانت بجاتے اور چباتے ہوئے
میں ڈراؤنے یا اُلٹے سیدھے خواب دیکھتی تھی۔ یہ سب بے چینی اور بے آرام نیند کی
علامتیں تھیں۔ صبح کو میں کسل مند اور تھکی ہوئی تھی۔

میں نے تغذیہ اور صحت سے متعلق کئی رسالوں اور کتب کا مطالعہ کیا جس سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ عارضہ ذہنی تھکن و دباؤ اور نقص تغذیہ کے نتیجے میں ہوتا ہے اب میں نے ماضی میں خاص طور پر نوعمری کے حالات پر غور کیا میں اسکول کے زمانے میں ایک پرشور محلے میں رہتی اور پرشور اسکول میں پڑھتی تھی میرا گھر اور میرا رہنے کا کمرہ بھی اطراف کے شور وغل اور ہنگامے سے بُری طرح متاثر رہتا تھا۔ یہ جگہ ایک ایسے اسکول کے قریب تھی۔ جہاں ہر وقت بچے شور مچایا کرتے تھے۔ اکثر پورے زور شور سے بچوں کی پریڈ اور بینڈ کی مشقیں ہوتی تھیں۔ رائفل ٹیم کی مشقیں، ڈرل، فٹ بال اور والی بال کے مقابلے اور دیگر کھیل ہوتے تھے اب موجودہ ماحول میں مجھے ایسے کسی شور یا غل غپاڑے سے واسطہ نہیں تھا۔ اور میری زندگی بہت پُرسکون ماحول میں گزر رہی تھی۔ چنانچہ ایک ہی وجہ ہوسکتی تھی۔ نقص تغذیہ۔

میں نے اس بارے میں خوب غور اور تجزیہ کیا میرا مرض ایک طرح سے تناؤ عصابی ہیجان اور کھنچاؤ کا مرض تھا جس کا تعلق جبڑوں کے عضلات سے تھا۔ مجھے ماہرین تغذیہ نے مشورہ دیا کہ میں اپنی غذا کو بہتر بنانے پر توجہ دوں۔ اب گویا میرے لئے کیلشیم اور پینٹوتھینٹ (حیاتین ب مرکب کا ایک جزو) والی غذا میں ضروری تھیں کیلشیم کے ساتھ فاسفورس بھی کھانی ضروری تھیں۔ میں نے ایسا ہی کیا کیلشیم میگنیشم مرکب حاصل کرنے کے لئے مجھے ڈولو مائیٹ کی گولیاں استعمال کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ یہ عام مرکب کیلشیم اور میگنشم کا غذائی آمیزہ ہوتا ہے۔

مجھے اس کی گولیاں استعمال کرنی پڑیں۔ اس طرح اپنی غذا میں کیلشیم اور میگنشم کے اجزاء شامل کرکے میں نے اپنی تکلیف کا غذائی علاج شروع کیا۔ ٭٭

ماں کے کم جہیز لانے کی سزا اب بچے بھگت رہے ہیں

معاشرتی کہانی

نوشابہ قدوائی

میری روزانہ کی عادت ہے کہ جب کلاس میں جاتی ہوں تو سب سے پہلے بچوں کے یونیفارم چیک کرتی ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ میری کلاس کی ایک بچی روزانہ نامکمل یونیفارم میں آرہی ہے آخر ایک دن میں نے غصہ میں سزا کے لئے بنچ پر کھڑا کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اسکول کی پرانی آیا کسی کام سے کلاس میں آئی اور صالحہ کو سزا کی حالت میں کھڑے دیکھ کر مجھ سے کہنے لگی۔

"میڈم! آپ اس لڑکی کو سزا نہ دیں"

میں نے چونک کر پوچھا "آخر کیوں؟ میرے لئے سب ہی بچے برابر ہیں"

آیا نے بتایا۔ بچی کے باپ نے اس کی ماں کو چھوڑ کر دوسری شادی کر لی ہے، بچے سوتیلی ماں کے رحم و کرم پر ہیں۔ یہ معصوم بچی صالحہ اور اس کے دو بھائی اب تو صرف خدا کے رحم و کرم پر ہیں۔ سوتیلی ماں نے معصوم بچوں کی زندگی جہنم بنا رکھی ہے۔ کھانے کو بچی کچی روکھی سوکھی دو وقت کی مل جاتی ہے، کوئی پرسانِ حال نہیں، بیچاری دادی اُلٹے سیدھے کپڑے پہنا کر اسکول بھیج دیتی ہے۔

یہ تمام باتیں سن کر میں لرز اٹھی، اور صالحہ کو بیٹھنے کو کہتے ہوئے میں نے پرانی آیا سے پھر دریافت کیا۔

"آخر کس وجہ سے اس کے باپ نے دوسری شادی کر لی اور پہلی کو چھوڑ دیا"

اس بچی کی ماں کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ جہیز بہت کم لائی تھی۔ سسرالیوں نے اس بات کو اپنی ہتک جانا اور صالحہ کی دادی اور پھوپھیوں نے مجبور کیا کہ اس بیوی کو چھوڑ دے اور ایسی جگہ

شادی کر لے جہاں سے توقع کے مطابق جہیز ملے۔ صالحہ کی ماں کی ۸ بہنیں اور بھی ہیں بھائی کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ باپ کہاں تک اور کس کس کو جہیز دے سکتا ہے۔ یوں صالحہ کی ماں پر سسرال والوں نے مظالم کے پہاڑ توڑے اور آخر کار بات علیحدگی پر ختم ہوگئی۔ بچے باپ کے پاس ہیں۔ اور اپنی ماں کی جدائی میں تڑپتے ہیں۔ اوپر سے سوتیلی ماں کا سلوک!

پرانی خادمہ تو یہ کہہ کر چلی گئی لیکن میرے دل و دماغ پر ہزاروں سوالات نے قبضہ کرلیا میں تمام وقت بدنصیب صالحہ اور اس کی مظلوم ماں کے بارے میں سوچتی رہی۔ میرے دماغ میں بار بار یہ سوال ابھرتا رہا کہ آخر جہیز کی خاطر کب تک گھر اجڑتے رہیں گے۔ جذبات و احساسات کو کب تک روندا جائے گا۔ تاریخ اپنے آپ کو کب تک دہراتی رہے گی۔ ہمارے معاشرہ میں ایک صالحہ کا باپ ہی نہیں بلکہ ہزاروں صالحہ کے باپ عقل کا دامن چھوڑ کر اپنے گھر کی خوشیوں کو اپنی ماؤں کی انا پر قربان کر دیتے ہیں ان کے بچے بے یار و مددگار زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ باپ تو دوسری شادی کر کے اپنا گھر بسا لیتا ہے۔ لیکن معصوم بچے عبرت کی داستان بن کر رہ جاتے ہیں اور بڑے ہو کر یہی بچے معاشرہ اور سماج کا ناسور بن جاتے ہیں۔

دوسری طرف ماں جو بچوں کی جدائی میں کرب و اذیت کے لمحات گزارتی ہے کاش اس کا اندازہ یہ بے فکر دل لوگ کر سکتے۔ آخر ماں کے جہیز کم لانے کی سزا ان معصوم بچوں کو کیوں دی جاتی ہے۔ یہ معصوم کلیاں تو ابھی کھلی بھی نہیں ہوتیں اور خزاں رسیدہ ہواؤں کا شکار ہو جاتی ہیں۔

آج بھی جہیز پر پابندی کے باوجود ہزاروں لڑکیاں سسرال کے بجائے ماں باپ کی دہلیز پر بیٹھی ہوتی ہیں جن کے بالوں میں چاندی کے تار جھلملانے لگے ہیں جو لڑکیاں کم جہیز کے ہمراہ بابل کی دہلیز پار کر کے سسرال کی دہلیز پر جاتی ہیں تو اس کی جو سزا انھیں ملتی ہے اس کی اذیت وہ خود یا ان کا خدا ہی جانتا ہے بلکہ اس اذیت میں معصوم بچے بھی شامل ہو جاتے ہیں۔

اس تمام جنگ جدل میں اگر شوہر اپنا کردار مثبت انداز میں ادا کرے تو یہ بات یقین سے

کہی جا سکتی ہے کہ ہر مسئلہ ابتدا میں ہی ختم ہو جاتے۔ اگر شوہر عقل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے تو کوئی گھر بربادی کا شکار نہ ہو معصوم بچے در بدر کی ٹھوکریں نہ کھائیں۔

یہ درست ہے کہ اولاد کو ماں باپ کا فرماں بردار ہونا چاہیئے لیکن اگر کوئی ماں جذبات کے دھارے میں بہتے ہوتے اپنے بیٹے سے یہ کہے کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دو۔ تب جوان بیٹے کو عقل و دانش سے کام لینا چاہیئے۔ وہ ماں کو سمجھاتے کہ گھر اُجاڑ کر اور بچوں کو برباد کرنا مناسب نہیں ہے۔ ماں ضد کے لالچ میں بچوں کا مستقبل تاریک کرنا ان معصوموں پر ظلم ہوگا۔

وہ لوگ جو اذیت پسند ہوتے ہیں اور اذیت پسند ہو جاتے ہیں کاش کہ زر پسند لوگ انسانیت کی آواز بھی سنیں۔ کاش! جو خوشبو کو سکون پر قربان کرنے والے لوگ ان معصوم نونہالوں پر صرف ایک نگاہ ڈال کر سوچیں کہ یہ جز اس کا شکار ہو جائیں گے اور ان معصوم بچوں کا مستقبل سیاہ اور بھیانک رات کی طرح تاریکیوں میں ڈوب جائے گا۔ محرومیاں ان کا مقدر بن جائے گا۔"

کھوٹ

"اچانک خطیب اعظم نے سامنے امام وقت کو دیکھا۔ پھر تو اس نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دئے۔ تقریر ختم کر کے امام صاحب کے پاس آیا۔ داد طلب لہجے میں بولا۔ "حضرت! تقریر سماعت فرمائی آپ نے؟" امام صاحب نے فرمایا۔ "ہاں سنی تو! لیکن کچھ اثر نہیں ہوا۔" پھر اپنے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوتے کہا "معلوم نہیں اِس میں کھوٹ ہے یا اُس میں" اور امام صاحب نے خطیب اعظم کے دھڑکتے دل پر انگلی رکھ دی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (مائل خیرآبادی)

جی ہاں!
میں پردہ ضرور کروں گی

رضیہ نسرین فاضلی

محترم المقام لائق صد احترام جناب مائل صاحب دامت برکاتہم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

اُمید خیریت اُمید! ایک مضمون لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔
یہ دراصل میری بہن رضیہ نسرین فاضلی کا ہے جو کہ کشمیر کے نواکدل کالج میں زیر تعلیم ہے۔
اور بفضلِ خداوندی پورے کالج میں صرف یہی ہے جو برقعہ لے کر جاتی ہے اور اس
پر خوش رہتی ہے کالج میں ایک غیر مسلم ٹیچر بار ہا اس کو برقعہ اور دوپٹہ اوڑھنے پر مذاق
اُڑاتے رہتے۔ آخر کب تک یہ سلسلہ اسی طرح مذاق اُڑانے پر اس نے یہ سطریں
اپنے اس ٹیچر کو لکھیں جس کو میں اب مضمون کا نام دے رہا ہوں اور آپ کی خدمت میں
من وعن جو میری بہن نے لکھا بھیج رہا ہوں۔ اس میں ہو سکتا ہے بہت سی غلطیاں ہونگی
اسی لئے آپ جہاں مناسب سمجھیں رد و بدل کریں اور قریبی اشاعت میں کہیں اس کو جگہ دے
دیں میں سمجھتا ہوں کہ عام لڑکیوں کے لئے یہ بہت مفید ہے اس لئے ان سطروں میں
اس کے جذبات اُمڈ رہے ہیں اور میری بہن نے اس کو بہت ہی عجیب کیفیت میں لکھا ہے
اور اپنے دل کی بات لکھدی۔ انشاء اللہ اُمید ہے کہ اسے پڑھ کر بہت سی لڑکیاں
راہِ راست پر آئیں گی۔ میں اس کا بڑا بھائی ہوں اور ندوۃ العلماء لکھنؤ میں زیر تعلیم ہوں اسی
لئے میں اس کو یہیں سے روانہ کر رہا ہوں جواب کے لئے جوابی ٹکٹ پیش خدمت ہے
اور اس پتہ پر ناچیز کو جواب سے نوازیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو صحیح سالم رکھے
اور آپ برابر دین کی خدمت کرتے رہیں۔ دعاکی درخواست ہے جواب کا منتظر۔ آپکا شاگرد عبدالمجید کشمیری

میں اپنے بالوں کو دوپٹے سے cover کرتی ہوں آپ کو اس معاملے میں سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ہمارا مذہب ہے اس کے بارے میں کسی کو کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا مذہب ہوتا ہے اور اسی کے مطابق چلتا ہے۔ اپنے سر کے بالوں کو cover کرنے میں مجھے بہت سی مشکلات اُٹھانی پڑیں بہت سے قریبی رشتہ دار ناراض بھی ہوئے۔ لیکن میں نے ان سب کی کوششوں کو ناکام بنایا اور اپنے عمل پر برابر قائم رہی۔ اور اسی پر اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں۔ چونکہ میں ایک مسلمان لڑکی ہوں اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکی ہوں۔ اس کلمہ پر ایمان لانے کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی بندی ہو گئی ہوں۔ اور اب مجھے تمام معاملات میں اللہ کی حدود کی پابندی کرنی ہے۔ ہماری کتاب قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ اپنے سروں کے اوپر سے چادریں ڈالو۔ بالوں کو چھپالو۔ اور پردہ کرو۔ اور جب بھی کسی انسان کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے اور جس کے دل میں پیغمبر رسول کی محبت اور اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے تو وہ دنیا کے بادشاہوں حکمرانوں سے نہیں ڈرتا ہے اس کے سامنے گہرے گہرے سمندر اور بڑے بڑے پہاڑ ہیچ ہو جاتے ہیں بڑے بڑے سائنسداں اور فلسفی اس کو بچے نظر آتے ہیں اس کو اپنے اللہ کا بندہ ہونے پر فخر ہوتا ہے اور وہ رنج وغم مسرت وشادمانی دونوں حالتوں میں اللہ کا شکر گزار ہوتا ہے اور حرفِ شکایت بھی زبان پر نہیں لاتا ہے اور قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ۔

آخری زمانہ میں مذہب اسلام پر چلنا بہت مشکل ہو جائے گا کیونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ گمراہ ہو جائیں گے اور جو کوئی بھی اسلام پر چلیگا اس کو بہت سی مشکلات اُٹھانی پڑیں گی اس پر لوگ ہنسیں گے مذاق اُڑائیں گے۔ راستے میں چلنا اس کا دوبھر ہو جائے گا یقیناً وہ زمانہ آگیا ہے جس کی پیشین گوئی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال قبل فرمائی تھی۔ کہ اسلام پر چلنا دوبھر ہو جائے گا اور لوگ تباہ و برباد ہو جائیں گے لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے:

کہ اس زمانے میں بھی میرے ہی بندے بن کر رہو، کیونکہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ——— میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن بدترین حال میں وہ شخص ہوگا جس نے دوسروں کی دنیا بنانے کی خاطر اپنی آخرت برباد کر ڈالی یعنی دنیا کے لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اپنے اللہ کو ناراض کیا۔

اب میں اس عارضی دنیا میں لوگوں کو خوش کرنے کیلئے اپنی آخرت کیوں برباد کرونگی جہاں کہ ہمیشہ رہنا ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے نفس کی بُری خواہشات کے پیچھے مت پڑو۔ اپنے نفس کو کنٹرول میں رکھو، اور نفس کو کنٹرول میں رکھنا جہاد کے برابر ہے۔ میں نے اپنے نفس کو کنٹرول میں رکھکر اپنے بالوں کو دوپٹے سے چھپایا اور برقعہ اوڑھ کر اپنے پورے جسم کو عریانی سے بچایا۔

اب میں اس پر بہت خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے آجکل کے زمانے میں جبکہ اکثر لڑکیاں بلکہ تقریباً سب ہی سر پر نہ دوپٹہ رکھتی ہیں اور نہ ہی برقعہ اوڑھتی ہیں، ایسا کرنے کی ہمت دی۔ مجھے اب اس سے کوئی نہیں روک سکے گا کسی کی بھی کوشش کو میں انشاءاللہ اس سلسلے میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ لہٰذا ایسی کوشش مت کیجئے اور مجھے کچھ نہ کہئے۔ میں جیسی لگتی ہوں۔ آپ کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ اب آخر میں باادب ہو کر میں آپ سے کہتی ہوں کہ آپ خود براہِ راست اسلام کا مطالعہ خالی الذہن ہو کر کریں اور اپنے تئیں اسلام میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔

والسلام

رضیہ نسرین فاضلی
فاضلی منزل خانقاہِ معلی سرینگر، کشمیر۔ ہند

رشتہ نہ ٹوٹے

طلاق کا لفظ کس قدر روح فرسا ہے۔ اس ایک لفظ کی سماعت سے نہ جانے کیوں میرے ذہن میں کرب اور تڑپ کی سیٹیاں سی بجنے لگتی ہیں اور دل دہل اٹھتا ہے کیونکہ طلاق لینے اور طلاق دینے والوں کو اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ یہ اپنے باہمی جھگڑوں سے نجات اور مکمل سکون کی خاطر طلاق کا استعمال تو کر لیتے ہیں لیکن انجانے میں خواہ مخواہ سزا کے حصہ دار بن کر خود بھی ساری عمر افسردہ رہتے ہیں اور ان کے بچے بھی والدین کے الگ الگ ہو جانے کی وجہ سے بٹ کر رہ جاتے ہیں، ایک کے پیار سے محروم ہو ہی جاتے ہیں۔ بچوں کا بچپن ماں باپ کے زندہ رہتے ہوئے بھی ایک کی شفقت و محبت کا محتاج بن کر رہ جاتا ہے۔

طلاق کی پتھریلی زمین پر کھڑے یہ میاں بیوی اپنے بچوں کی خوشی اور بہتری کے لئے کیوں نہیں سوچتے؟ انہیں تو صرف اپنی زندگی کے لئے سکون چاہیئے۔ بچوں کا کیا ہوگا، وہ کیسے پرورش پائیں گے، ماں و باپ، ایک کے پیار و سرپرستی سے محروم ہو کر کیا وہ اپنا مستقبل بنا پائیں گے؟ ایسے سیکڑوں سوال طلاق کے چاہنے والے نہیں سوچتے۔ پیار کرنے اور زندگی بھر ساتھ نبھانے کا یہ دعویٰ کرنے والے میاں بیوی اتنے خود غرض ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنے ذاتی مفاد، اپنی آزادی اور اپنی زندگی کے سوا..... کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے بچوں کو بھی بھول جاتے ہیں۔ پر کتنا ہی بھولیں یہ بوجھ تو کسی نہ کسی کو اٹھانا ہی ہوتا ہے۔ اگر بچوں کے ماں باپ اچانک کسی حادثہ کا شکار ہو کر وقت سے پہلے مر جائیں تو سب افسوس ظاہر کرتے ہیں۔ بچوں کو بیچارہ

کہتے ہیں لیکن جب ماں باپ دونوں زندہ ہوں
پر ماں بچوں کو طلاق کی وجہ سے کسی ایک کے
ساتھ سے محروم ہونا پڑے تو کوئی دکھ ظاہر
نہیں کرتا۔

آج زیادہ تعلیم و روزگار کے مواقع
کی وجہ سے عورت مرد کے برابر ہو گئی ہے۔
معاشرے نے عورت کو اس لائق بنا دیا ہے کہ
وہ اب اپنی سمجھ اور خوشی سے شادی کرنے
لگی ہے۔ خوشی ملی تو ٹھیک، نہ ملی تو طلاق کی
ترکیب ظاہر ہے۔ آج کے دور میں عورت کو
طلاق عیب سا محسوس نہیں ہوتا یہ عام سی
بات ہو گئی ہے۔ نہیں نبھ رہی ہے تو الگ
ہو جاؤ، کم سے کم چین تو ملے گا، زندگی اپنے
ڈھنگ سے تو جی سکیں گے۔ اب یہ ضروری
نہیں رہا کہ من نہ ملے تب بھی ساتھ رہا ہی
جائے۔ آج طلاق بالکل عام چیز ہے۔ کیا پتہ
بیاہ کے دو برس بعد یا دس بارہ برس بعد
ایسی نوبت آئے۔ اب بچے پہلے کی طرح
میاں بیوی کے درمیان پل کا فاصلہ نہیں،
بندھن ہیں۔

میاں بیوی طلاق لینا چاہتے ہیں
تب بچے مسئلہ ہو جاتے ہیں۔ اگر بچے نہیں تو
میاں بیوی آسانی سے الگ ہو جاتے ہیں۔
ذہنی طور پر انھوں نے جو کیا بھگتا، اچھا یا
برا وہ جانیں۔ پر اگر بچے ہیں تو مسئلہ ذرا
پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ اگر دو بچے ہوں تو گود کا
بچہ بیوی کو اور بڑا شوہر کو ملتا ہے۔ پر اگر تین
بچے ہوں تو ان ننھے منوں کا بٹوارہ کیسے ہو؟
ایسی حالت میں ماں بچوں کو اپنے پاس رکھنا
چاہتی ہے کیونکہ اسے خوف ہوتا ہے کہ اس کا
شوہر اس سے طلاق لے کر دوسری شادی
کرے گا تو بچوں کو دوسری ماں تنگ کرے گی۔

عدالتی کارروائی سماج کی نگاہ میں
میاں بیوی کو ہی نہیں بچوں کو بھی تکلیف
دیتی ہے۔ وہ بھی ماں باپ کی علیحدگی کو
محسوس کر کے بے کل سے رہتے ہیں۔ بچہ ماں
کے پاس رہے گا تو باپ کا پیار نہیں پا سکیگا
اور اگر باپ کے پاس رہتا ہے تو ماں کی
گود اور ممتا نہیں پائے گا۔ اس کے پیار کا
بھوکا رہے گا [illegible]
[illegible]
پھرے گا۔ رنج تو یہ ہے کہ طلاق شدہ عورت

کے بچے اُس فٹ بال کی طرح ہیں جو ایک ٹھوکر سے میدان چھوڑ دیتی ہے اور اُسے کوئی اٹھانے والا بھی نہیں ہوتا۔

طلاق میاں بیوی کے درمیان تو ہوتی ہی ہے لیکن بچوں کے ساتھ یہ ظلم زبردستی ہوتا ہے۔ مانتی ہوں کہ طلاق کو آج کی دنیا کا سماج اس قدر برا نہیں مانتا پر اس سے جنم لینے والے انتہائی پیچیدہ حالات بچوں کو دوسرے بچوں سے الگ تو کر ہی دیتے ہیں۔ ماں باپ کی ان بن بچوں پر برا اثر ڈالتی ہے۔ ایسے بچے افسردہ اور غمگین نیچر کے ہو جاتے ہیں۔ بچپن کی وجہ سے یہ بیچارے کچھ کہہ تو نہیں پاتے البتہ یہ محسوس کر لیتے ہیں کہ یہ اچھا نہیں ہو رہا ہے۔ ایسے بچے ہی اکثر بڑھ کر سماج سے انتقام لیتے ہیں۔ اپنی مایوسیوں کا طویل بوجھ اُتار کر زندگی میں غلط رویّے اپنا لیتے ہیں اور خطرناک قسم [illegible]

[illegible] کرتے رہتے ہیں۔ طلاق کے بعد [illegible]ں باپ کی مشترکہ محبت سے محروم یہ افسردہ

بچوں میں سب سے زیادہ عمر پانے کے بعد بھی گم سُم اور بجھے بجھے سے رہتے ہیں جیسے گھن لگ گیا ہو۔

بچہ لڑکا ہو یا لڑکی، ماں اور باپ دونوں ہی کا پیار چاہتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں کے والدین کی طرح اپنے ماں باپ کو ساتھ ساتھ کھاتے، پیتے، گھومتے دیکھنا چاہتا ہے، پر طلاق اُسے کسی ایک کے ساتھ سے محروم کر کے صرف دوسرے کے ساتھ جوڑ دیتی ہے۔ وہ جس کے ساتھ بھی جڑتا ہے وہ سائیڈ خود طلاق ہو جانے کی وجہ سے ٹوٹا ہوا ہے۔ یہ ٹوٹا ہوا انسان اپنے بچوں کی زندگی کیسے بنائے گا؟ وہ بچے جنھیں اپنی سرپرستی میں لینے کے لئے ماں باپ قانونی کارروائی کرتے ہیں ان پر اور بھی بُری گزرتی ہے۔ وہ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ انہیں کس کے ساتھ رہنا ہے۔ کیا اُن کی حیثیت ایک بے بس جانور [illegible] نہیں [illegible]

[illegible] کے بعد جب ایک گھر دو گھروں میں بٹ جاتا ہے تو یہ بھی صحیح ہے کہ خرچے بھی دوگنے ہو جائیں گے۔ نتیجے کے طور پر

معاشی حالت بھی خراب ہو کر رہ جائے گی۔ طلاق کے بعد بچہ ان مخصوص مسرتوں و آسانیوں سے بھی محروم ہو کر رہ جائے گا جو اُسے پہلے مل رہی تھیں۔ ماں باپ کا رشتہ ٹوٹتے ہی بچہ ان آسانیوں کے سلسلہ میں بھی ٹوٹ کر رہ جائیگا

آج کل طلاق کے مقدموں میں میاں اور بیوی بچے کی پرورش کے معاملے میں مشترکہ فرائض پر زور دیتے ہیں۔ غرض کہ بچے کی پرورش دونوں کریں گے پر وہ دونوں الگ الگ رہیں گے۔ ایسی حالت میں بچوں کے بٹوارے کو لے کر اُٹھنے والے جھگڑے تو مٹ جاتے ہیں پر بچے کی بُری حالت ہو جاتی ہے۔ وہ بیچارہ دو خاندانوں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ ایک دن ماں کے پاس اور ایک دن باپ کے پاس یا ایک ہفتہ ماں اور دوسرے ہفتے باپ کے پاس۔

ایسے میں بچے کو لگتا ہی نہیں کہ وہ جہاں ہے وہ اُس کا گھر ہے کیونکہ کچھ ہی دن بعد اُسے دوسرے گھر رہنے جانا ہے۔ وہ نہ ہی تعلیم میں دل لگا پاتا ہے اور نہ ذہنی طور پر صحتیاب اور آسانی سے خوش و خرم رہ پاتا ہے۔ ماں باپ کا جھگڑا اور علیحدگی اُسے شادی جیسی چیز کے خلاف کر دیتے ہیں۔ طلاق سے کتنے دل ٹوٹتے ہیں یہ طلاق لینے والے نہیں سمجھتے۔

طلاق میاں بیوی کو ہی نہیں، خاندان کو بھی متاثر کرتی ہے۔ کل تک جو ایک دوسرے پر جان قربان کرتے تھے، آج ایک دوسرے کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ طلاق کے بعد بچے بھی اِس قابل نہیں رہتے کہ وہ اپنے خاندان کی بنیاد مضبوط کرنے کی راہ میں مفید ثابت ہو سکیں۔ طلاق کے چاہنے والے میاں بیوی بہت کچھ کھو دیتے ہیں پر اپنی ضد اور غصہ پر کنٹرول نہ کر کے اپنی تباہی کے دروازے پر اپنے آپ دستک دیتے ہیں۔

عام طور پر ہم اپنے بچوں کو اپنی آنکھوں کا تارا مانتے ہیں۔ اُنھیں ہتھیلیوں پر رکھتے ہیں۔ اِن ننھے منے بچوں کا ذرا سا دکھ ہمیں بے چین کر دیتا ہے۔ ہم دعوی کرتے ہیں کہ ہمارے رہتے تمہیں کیا دکھ۔ ہم ہیں تو

ھے

تمہارے اوپر آنچ نہ آنے دیں گے یہ پیار بھری باتیں اُس وقت تک ہی سچ ہیں جب تک میاں بیوی کی ازدواجی زندگی خوشگوار اور متحد ہے۔ جہاں ان میں اختلاف ہوا اور کھیل بگڑا، خاندان جو ایک اکائی تھا بکھر گیا۔ بچے جو کل تک آنکھوں کے تارے تھے آنکھوں کی کنکری بن گئے۔

طلاق لینے والے اگر صرف اپنا ہی مفاد نہ سوچ کر اپنے بچوں کے مستقبل کا بھی خیال کر لیا کریں تو ممکن ہے کہ ان کے پیار کے بندھن ٹوٹنے سے بچ جایا کریں اور ان کے بچے ماں اور باپ دونوں کا پیار پاتے رہیں۔ ذرا سوچئے! آپ نے شوق سے پودا لگایا، پانی دیا لیکن دھوپ نہیں دکھائی۔ کیا وہ زندہ رہے گا؟ نہیں، مرجھا کر جھڑ جائے گا۔ بالکل یہی حال طلاق شدہ افراد کے بچوں کا ہوتا ہے۔ وہ نہ گھر کے رہتے ہیں اور نہ گھاٹ کے۔ ماں باپ الگ ہیں یہ خیال انہیں پنپنے ہی نہیں دیتا۔

طلاق لینا لاکھ ضروری ہو پر اِس راستے پر قدم رکھنے سے پہلے بچوں کے لئے ضرور سوچ لیں۔ شاید اِن بچوں کا پیار اور ان کا وجود آپ کو اِس بُری راہ پر گامزن نہ ہونے دے۔ بچے نہ بھی ہوں تو بھی طلاق بہتر اس لئے نہیں کہ کس کے ماں باپ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں؟ اور اگر طلاق کے بعد کہیں دوسری شادی اِس سے بھی خراب جگہ ہو گئی، اِس کی کیا گارنٹی ہو سکتی ہے۔ ہاں کوئی ایسا نازک پہلو سامنے آجائے جس کا کوئی حل نہ نکل سکنے والا ہو اور بچے بھی نہ ہوئے ہوں تو طلاق لینا ٹھیک بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اپنی زندگی اپنی نہ رہے تو کیا فائدہ ہمراہ رہنے سے۔ شادی سے وہ نیچرل خوشیاں مکمل طور سے نہ ملیں جو ملنی چاہئیں تب تو الگ ہو کر ازسرِنو زندگی گزارنا ٹھیک ہے کیونکہ خوشی حاصل کرنا، شخصیت کو مکمل کرنا ہر آدمی کا حق ہے۔

بچوں کے ہوتے ہوئے طلاق کی بات سوچنا اِس لئے ٹھیک نہیں کہ ان معصوموں کے ارمانوں کو کھِلنے سے پہلے ہی نہ نوچ ڈالیں۔ ماں باپ ویسے بچوں کے لئے کیا کیا تکلیفیں نہیں اُٹھاتے۔ ایک تکلیف اور سہی طلاق

کے بعد یہ بچے آپ کے عزیزوں اور دوستوں
کی تیکھی نگاہوں کی تاب نہ لا کر بے راہ روی کا
شکار ہو جائیں گے۔ ان میں شرمندگی، ذہنی
اذیت، احساس کمتری اور یاسیت اس قدر
پیدا ہو جائے گی کہ یہ کہیں کے نہ رہیں گے۔

"شہناز! تم مجھے بہن مانتی آئی ہو۔
اس لئے تمہارے معاملے کو سن کر میں نے
تم سے اتنی طویل گفتگو طلاق کے بارے میں
کر ڈالی۔ میری بہن! ہر گھر میں چھوٹے چھوٹے
جھگڑے اور چھوٹے چھوٹے مسائل میاں بیوی
کے درمیان پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان سے
اکثر گھروں میں تو تو میں میں ہو جاتی ہے۔
لیکن اس کا مقصد ہر کوئی طلاق ہی تو نہیں
سمجھ لیتا۔ تم نے غلط فیصلہ کیا ہے۔ نہیں!
نہیں! تم طلاق ہرگز نہیں لوگی۔ ہر شوہر اپنی
بیوی کو چاہتا ہے۔ تم اپنی غلطیوں پر بھی
نظر ڈالو۔ جاؤ اپنے شوہر سے معافی مانگو۔
تمہارے چار بچے ہیں۔ تم دونوں کو شادی
ہوئے دس سال کا عرصہ گذرنے والا
ہے۔ ہاں شہناز! میرا چہرہ دیکھ کر اشکبار
نہ ہو۔ عورت اگر چاہے تو خراب سے
خراب مرد بھی شریفانہ زندگی میں خود کو
ڈھال کر رہ سکتا ہے۔۔۔"

ابھی میری بات ختم بھی نہ ہونے پائی
تھی کہ شہناز کا شوہر اچانک سامنے کھڑا
ہوا دکھائی دیا۔ وہ مجھے مخاطب کر کے کہہ
رہا تھا:

"اچھی آپا! آپ نے شہناز سے
جو کچھ کہا ہے وہ سب میں نے دروازے
کی آڑ میں کھڑے ہو کر سن لیا ہے۔ آپ نے
تو میرا ضمیر جھنجوڑ دیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ
اگر مرد سے کوئی غلطی ہو جائے تو اسے بھی
اپنی غلطی پر نادم ہونا چاہئے۔ آپا! واقعی
میں اپنی غلطی پر نادم ہوں۔ اپنی شہناز کو
منا کر لئے جا رہا ہوں۔۔۔۔"

میاں بیوی ایک نئے جذبہ مسرت
کے ساتھ گھر جا رہے تھے۔ میں نے دونوں
کو ایک ساتھ جانے کے لئے یہ شرط لگا دی کہ
پہلے وعدہ کرو کہ اب کبھی تم دونوں طلاق
کا تصور بھی اپنے ذہن میں نہ لاؤ گے۔ دیکھو
یہ رشتہ نہ ٹوٹے! (بشکریہ ماہنامہ "شمیمہ"
نئی دہلی۔ جولائی ۱۹۸۲ء)

درد کا درماں

صبیحہ خانم

روا ہل۔ بیدر

شکیل کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے احساسات پر بھرپور وار کئے ہوں۔ وقت کے دھارے اس کے تمام حوصلوں کو بہا لے گئے۔ اب اس کی باتوں میں نہ وہ خود اعتمادی تھی۔ اور نہ خوشیاں لیے وہ بوکھلاہٹ........

"فتح........ فتح........ فتح......" شکیل کچھ کہنا چاہتا تھا مگر زبان اس کا ساتھ نہ دے سکی۔ زبان کی اس لڑکھڑاہٹ پر فاخرہ کھلکھلا گئی۔

"یہ کیا بطخوں کی سی قیں قیں لگا رکھی ہے آپ نے۔" اپنی بہن کو کھلکھلاتا دیکھ کر وہ خود بھی ہنس دیا۔ اس کو موقع ہاتھ آیا۔ میں نے کہہ دیا تھا نا کہ لڑکیوں کو زندگی کے میدان میں یوں ہی سہنا ہے۔ نہ یہ کہ وہ اپنے نازک دوش پر بے جا ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالے مردوں کے شانہ بہ شانہ ہو کر ساتھ داری پر اتر آئیں۔ شکیل کی اس قسم کی باتیں فاخرہ کے لئے نئی نہ تھیں پھر بھی وہ ہنستے ہوئے مسکرائی۔۔۔،

"بے جا ذمہ داری کا کیا مطلب ہے۔ یہی کہ عورت اپنی چار دیواری کی خاتون خانہ بن کر رہے۔ میرے ہوتے سروس کا خیال ذہن سے نکال دو فاخرہ، اور دعا کرو کہ کوئی سبیل نکل آئے"

"مگر بھیا سروس کرنے میں میری خواہش اور ساتھ داری کا کہاں دخل ہے وقت کے تقاضوں نے ہمیں مجبور کر دیا۔" بہن کے اس جواب پر شکیل یکبارگی تڑپ اٹھا۔ مجبوری...... مجبوری...... وہ جھنجھلا گیا۔ تقاضوں نے اپنا جال کچھ اس قدر پھیلا دیا تھا کہ صنف نازک

صنفِ قوی سبھی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ عورت کا اپنی ذمہ داریوں سے بے نیاز گھر کے رکھ رکھاؤ کو نظر انداز کئے یوں زندگی کی باگ ڈور سنبھالنا اس کو بڑا شاق گزرتا مگر ایک بے چارگی کے حصار میں وہ اپنے آپ کو جکڑا ہوا پاتا اس سے چھٹکارا پانے کے لئے اس کے پاس (SOURCE) تھا نہ ایکنڈ اور نہ وہ انھیں ترجیح دیتا۔

"چھوڑیے بھی اپنی ہٹ۔ زمانے کی قدریں بدل گئیں۔ اگر آپ لینے دینے کی نہ سوچیں تو ہو سکتا ہے زندگی کا طویل فاصلہ بے کاری کی نظر ہو جاتے۔ سمجھوتہ کر لیجئے زمانے کے ان تقاضوں سے۔" زیبا کی ان باتوں سے وہ جھنجھلا نہیں جاتا۔ بلکہ سنجیدگی سے سمجھاتے ہوئے کہہ دیتا۔ "نہیں زوبی۔ یوں نہ کہو، ہمیں زمانے کے ان تقاضوں سے سمجھوتہ کرنا نہیں، بلکہ مقابلہ کرنا ہے کیا تم مجھے زندگی کی کھوکھلی شاہراہ پر رشوت کی بے ساکھیوں کے سہارے گامزن دیکھنا چاہتی ہو۔" اس کا لہجہ گہرائی لیے ہوتا جب زیبا کی خاموش نگاہوں سے کچھ جواب نہ ملا تو اس نے اپنا فیصلہ سنا ہی دیا۔

"اگر بے روزگاری کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے تو ممکن ہے اپنی خواہش کو قربان کرتے بزنس لائن اختیار کروں مگر یہ سمجھوتہ والی بات آئندہ سے زبان تک بھی نہ لانا۔" اپنے فیصلے پر اس کو زیبا کا کچھ تاثر تو نہ ملا الٹا پیشکش سے سامنا ہوا۔

"کم از کم مجھے تو اجازت دیجئے۔" وہ شش و پنج میں پڑ گیا ایک طرف بہن تو دوسری طرف ساتھی حیات، نہ انھیں اجازت دیں نہ انھیں نظر انداز کریں۔ آخر بہت سوچنے پر اس کو ایک ترکیب ہاتھ آئی کہ تعلیمی سال کے آغاز کا انتظار کیا جائے۔ اس درمیان اگر اس کی مراد بر آئی تو زیبا گھر کی ملکہ بنے راج کرے ورنہ اس راج کے چھ گھنٹوں کو نوکری کی نذر کرے شکیل کے اس فیصلے پر زیبا جھوم جھوم اٹھی۔ وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ زیبا کی مسکراہٹ اس کو چبھتی سی لگی۔ وہ اپنا کرب چھپا نہ سکا۔

"اس کو ساتھ داری نہیں کہتے ورنہ عورت کا معاشی میدان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا

"لی۔۔۔ لا۔۔۔ لیکن اشتہار میرے پاس بھی لفظ بہ لفظ نوٹ ہے۔" اس نے جھٹ ایک نظر اپنی ڈائری میں نوٹ شدہ اشتہار پر ڈالی۔ بھوکی نظریں الفاظ کو ہضم کرنے لگیں۔

"ایم۔اے فرسٹ یا سیکنڈ کلاس کے لئے تین آسامیاں۔"

سوشیالوجی، پولیٹیکل سائینس، اکانومیکس، پے اسکیل سات سو پچاس، پندرہ سو پچیس، آمدورفت کا خرچ درخواست گزار کو برداشت کرنا ہوگا۔ تمام شرائط کی پابندی کی گئی پھر غلط فہمی کس بات کی۔ اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔

"ہم معذرت خواہ ہیں۔" سکریٹری کی آواز نے شکیل کو چونکا دیا۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکا۔

"لیکن۔۔۔ لیکن کیوں؟" وہ روہانسا ہوا۔

"آپ نے ہمارے اشتہار کا فٹ نوٹ نہیں دیکھا۔" پرنسپال کی آواز اس کے کانوں سے سنسناتے نکل گئی۔ اجنبی سی ایک نظر سے اس نے ہال کا جائزہ لیا۔ قطار کے آخری گوشے میں بیٹھیں جیسے ہی اس کی نظریں فاخرہ اور زیبا پر پڑیں، اس کی رگ رگ میں بجلی سی دوڑ گئی۔

دوسرے ہی لمحے سر جھکائے انٹرویو ہال سے کترا کر نکل گیا۔ بار بار اس کی نظروں میں ایک ہی سطر گھومنے لگی جو اس کی اپنی سراسیمگی اور بھول کی زبردست بازگشت بنی۔۔۔

"صرف خاتون امیدوار ہی درخواست پیش کریں۔"

چھوٹے سہارے

پتہ بہتے ہوئے پانی کی زد میں آکر گھبرا گیا۔ وہ سہارا ڈھونڈنے لگا۔ آگے ایک ڈھیلا تھا۔ پتہ اس کے پاس پہنچا اور اس سے چمٹ گیا۔ ڈھیلے کو بھی برستے ہوئے پانی سے اندیشہ تھا۔ پتے کو غنیمت جانا۔ اس چھتری کے نیچے اپنے کو محفوظ سمجھنے لگا۔

تھوڑی دیر میں ڈھیلا گھل گیا۔ پتہ ایک لہر میں پڑ گیا پھر پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا میرے کانوں میں کسی نے کہا "یہ چھوٹے سہارے" (م)

تنقید

حیدر امام رانچی

چھوٹا سا پانچ حرفی لفظ جب کبھی کانوں کے پردے سے ٹکراتا ہے تو ایک عجیب سی خلش دل میں چھوڑتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ہم عموماً اس لفظ کے صرف ایسے معنوں سے مانوس ہیں جس میں ایک طرح کا تیکھا پن ہے جیسے نقطہ چینی حرف گیری وغیرہ اور کبھی کبھی تو اس کے معنی میں میخ نکالنے کے بھی لئے جاتے ہیں حالانکہ جانچنا، تمیز کرنا، وقیقہ سنجی جیسے الفاظ تنقید کے مترادف ہیں اور یہ وقیقہ سنجی ہم میں چاہے صفر کے برابر کیوں نہ ہو ہر انسان اس کو اپنا فرض منصبی سمجھ کر نبھانا ضرور چاہتا ہے۔

جب بھی گھر میں دو عورتیں ایک جگہ مل بیٹھیں کہ پاس پڑوس کے اگلے پشت تک کی خرابی گنوا دیں گی۔ ایک طرف تو یہ عیب چینی .... میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس کو ذرا بہ نظر غائر دیکھا جائے تو یہ تہمت کی حد تک جاتا ہے کیوں کہ کسی شخص نے کن حالات میں کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا ان کا پورا فہم ہمیں نہیں ہوتا تب بھی ہم اپنی رائے جو رائے کم اور شکایت زیادہ ہوتی ہے ضرور دیدیتے ہیں۔

یہ بات صحیح ہے کہ تنقید کرنا اور تنقید سننا اپنے حدود کے اندر بہت ضروری ہے لیکن کچھ اُصولی باتیں اگر سامنے رکھیں تو اس کے نقصانات سے بچا جا سکتا ہے مثلاً کسی معاملے میں اگر اپنی رائے ظاہر کرنی ہو، کسی مسئلے پر بولنا ہو، کسی کے قول یا عمل پر رائے زنی کرنی ہو تو سب سے پہلے ہمیں ان حالات کی حقیقی آگاہی ہونی چاہیئے۔ تنقید بغیر علم کے نہ صرف یہ کہ غیر نافع ہے بلکہ مضرت رساں بھی۔ اس لئے ان تمام عوامل کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے جن کے ہوتے ہوئے کسی شخص نے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا مگر اس کو کیا کیا جائے کہ اچھے خاصے بزرگ بھی جب تنقید پر آتے ہیں تو ان حدود کی پابندی کا لحاظ نہیں کر پاتے

مجھے یاد ہے کہ ایک ذی علم باوقار شخص نے مولانا مودودیؒ کی کتاب خطبات پر تنقید کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ مولانا مودودی نے تمام مسلمانوں کو گمراہ قرار دیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ جو اسلام انھوں نے سمجھا بس وہی اسلام ہے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ خطبات ایسی تقاریر کا مجموعہ ہے جو مولانا نے عام دیہاتی مسلمانوں کے سامنے کی تھیں اب اگر ان بزرگ کو بھی کبھی ایسا اتفاق ہوا ہوگا تو انھوں نے بھی ایسی ہی باتیں کہی ہونگی لیکن انھوں نے تنقید سے پہلے ان حالات کا اور عوام کے اس طبقے کی موجودگی کا خیال نہ کیا اور بس تنقید برائے تنقید کو اپنے سامنے رکھا۔

تنقید کرنے سے پہلے اس پہلو کو بھی سامنے رکھنا چاہیئے کہ جو تنقید میں کر رہا ہوں وہ بے لاگ ہے ہمیں حسن و قبح کو واضح کرنا چاہیئے اور اختلاف اگر کیا جائے تو اس میں غلو نہ ہو پھر اختلاف کرنے میں اپنی شخصیت کا رعب جمانا بھی نہ ہونا چاہیئے اور نہ اپنی مختلف رائے کو ایسی سمت میں موڑنا چاہیئے کہ اگر کوئی نقطہ اتفاق کا بھی ہو تو اسے نظر انداز کر دیا جائے یا پھر جس پر تنقید کی جا رہی ہو اس کو اپنا چہرہ پہچاننا مشکل ہو جائے۔

آدمی کا نفس بڑا نازک ہوتا ہے۔ میں ایک واقعہ بتاتا ہوں جب نمبر دو نازی یعنی گوئرنگ کے مقدمے کی سماعت ہو رہی تھی تو اس کی قتل و غارتگری کے بہت سے ثبوت پیش ہوئے۔ گوئرنگ بہت غور سے سنتا رہا لیکن جیسے ہی کسی نے اسے جھوٹا کہا وہ بھڑک اٹھا اس مثال کو اپنے سامنے رکھنا چاہیئے کہ کچھ تنقیدیں انسان برداشت کرتا ہے لیکن کچھ کے معاملے میں بہت حساس ہوتا ہے تو ایسی باتیں جن پر ضرب لگانے سے احتراز کرنا چاہیئے۔

تنقید کرنا تو پھر بھی آسان ہے تنقید سننا اس سے مشکل لیکن شیکسپیئر نے اپنے ڈرامہ بارہویں رات (TWELFTH NIGHT) میں ایک کردار سے یہ خوب کہلوایا ہے کہ میرے اپنے لوگ مجھ جیسے حقیر کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں حالانکہ میرے دشمن مجھے گدھا سمجھتے ہیں اور میں پرلے درجے کا گدھا ہوں یہ میں جانتا ہوں اسی لئے میں اپنے دشمنوں سے

خوش ہوں۔

تنقید فراخدلی سے سننا چاہیئے۔ آپ کے صحیح دوست وہ ہیں جو آپ پر تنقید کرتے ہیں تنقید کے بغیر آپ میں نکھار نہیں آسکتا۔ مثال کے طور پر آپ ایک مضمون لکھیں اور اسے سنائیں جو آپ کا مداح ہو وہ ہر جملے پر واہ واہ کرے گا لیکن اگر وہی مضمون ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جو آپ کا مداح نہ ہو تو ایسے ایسے نکتے اُٹھائے گا کہ آپ سوچنے پر مجبور ہوں گے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ تنقید کبھی کبھی دوسروں کو نیچا دکھانے کے لئے بھی کی جاتی ہے جس میں بُرے پہلوؤں کو اُبھارا جاتا ہے اور اچھے پہلوؤں سے نظر بچائی جاتی ہے لیکن یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ شخصیت کے اوپر اُٹھنے ہی تنقید تریاق ہے یہ وہ چھلنی ہے کہ جس سے گزر کر انسان اونچا اُٹھتا ہے دریا کے بہتے پانی کو ہی کناروں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے کوزے میں بند پانی کو نہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ آپ چکنا گھڑا ہو جائیں۔

کبھی کبھی تنقید شکایت کی شکل میں آپ تک پہونچتی ہے مثلاً آپ تاجر ہیں آپ نے کوئی مال بیچا۔ خریدار نے کچھ دنوں کے بعد کہا کہ وہ مال ایسا اور ایسا تھا اب آپ اس کی بجا شکایتوں کے ازالے کی کوشش ضرور کریں گے اور تمام باتوں سے آگاہ کرنے کی کوشش بھی کریں گے دس میں سے ایک ہی شخص ہوگا جو یہ سننے پر آمادہ نہ ہو کہ آپ کی مجبوریاں کیا ہیں۔ ایک بہت بہتر مقولہ ہے کہ خریدار ہمیشہ صحیح ہوتا ہے لیکن کتنے لوگ اسے یاد رکھتے ہیں۔

خود احتسابی بھی ایک تنقید ہے اپنے آپ پر جس کا نفع بخش ہونا ہم سب کو معلوم ہے لیکن نفس کا ایک دوسرا چور جو ابھی پچھلے دنوں ہی میں نے پکڑا ہے یہ ہے کہ اپنی غلطیوں کا دوسروں سے پہلے خود اظہار کر کے اپنے آپ کو ان برسنے والی تنقیدوں سے بچا لیا جاتا ہے اور یوں ہم غلطی بھی کرتے رہتے ہیں اور دوسروں کی تنقیدوں سے بھی بچتے رہتے ہیں اور یہی نہیں دوسروں سے دبے الفاظ میں داد تحسین بھی حاصل کرتے رہتے ہیں کہ اپنی ذات کے معاملے میں بڑا کڑا محتسب ہے۔

آخر میں ایک بات اور کہ ہمارے گھروں میں عموماً چھوٹوں کی تنقید قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جاتی۔ اس کا دوہرا اثر ہوتا ہے ایک تو یہ کہ ان بچوں کے ذہن پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ بات جس پر ہم نے تنقید کی اس کی کچھ خاص اہمیت نہیں ہے یا پھر خود اس کو اپنی اہمیت کی کمی کا احساس ہوتا ہے جس کا لازمی نتیجہ اجنبیت کے (ALIENATION) کا پیدا ہوتا ہے اور یہ اجنبیت کا احساس بچوں کی آنے والی زندگی میں ایک منفی کردار ادا کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ گوشے جو بچوں کے ذہن میں ہوتے ہیں ہمارے سامنے نہیں آپاتے تو میں تو یہی کہوں گا کہ "تنقید میں زندگی ہے۔"

غزل

عزیز بگھروی

نہ تابِ جنبشِ لب ہے نہ چپ رہا جائے
دلِ تباہ بتا تو ہی، کیا کیا جائے

چراغِ بزم شبِ تار بجھتے جاتے ہیں
اب اہتمامِ طلوعِ سحر کیا جائے

خوشی تو کس کو میسّر ہے اس زمانہ میں
خدا کرے کہ ہمیں غم ہی راس آجائے

اُٹھو کہ کوچۂ قاتل کو سرخ رو کر دیں
چلو جو قرض ہے ہم پر چُکا دیا جائے

پسند پائے طلب کو وہی ہے کیا کیجے
صلیب و دار سے ہو کر جو راستہ جائے

ہوائے درد مجھے راس آگئی ہے کہو،
اب انتظار نہ میرا کرے صبا جائے

فغانِ دل سے نہ جاگیں گے اہلِ قبر عزیز
یہاں تو شورِ قیامت بپا کیا جائے

گھر — گھر

افسانہ

خدا بھلا کرے لکھنؤ حیدرآباد ٹرین کا۔ جو حیدرآباد کیلئے صرف دو بوگیاں لیکر فقط دو بار چلتی ہے مگر اچھے اچھوں کے ہوش اُڑا لے جاتی ہے اور سچ پوچھئے تو لکھنوی تکلفات اور وضعداری کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔

پہلے تو میم صاحبہ نے لکھنؤ اسٹیشن پر ہی قدم رنجہ فرمانے میں وہ اندازِ خسروی اور اندازِ دلبری دکھائے کہ پناہ بخدا۔ کبھی معلوم ہوا کہ شمالی رُخ برآمد ہونگی تو کبھی یہ اطلاع کہ جنوبی سمت جلوہ افروز ہو رہی ہیں۔ مسافر بےچارے نامراد عاشقوں کی طرح ادھر سے ادھر دوڑ لگا رہے ہیں مگر دیدار کی کوئی صورت نہیں بس حسرت ہی حسرت۔

پھر جب یہ سواری نمودار ہوئی اور بڑی منتوں مرادوں بعد چلی ہے تو راستے بھر وہ ادائیں وہ ناز نخرے کہ کچھ نہ پوچھئے، پورے اٹھارہ گھنٹوں میں رانی جی جھانسی پہنچیں ہم ہیں کہ منت سماجت میں لگے ہیں۔ منا رہے ہیں خوشامد کر رہے ہیں مگر ٹس سے مس نہیں ہو رہی ہیں کوئی چوبیس پچیس گھنٹوں بعد جب پسینہ خشک ہوا اور کچھ موڈ بنا تو خراماں خراماں جھانسی سے آگے بڑھیں۔ ہم خوش کہ چلو التفات تو کیا مگر صاحب مجال ہے جو چال میں ذرا فرق آیا ہو۔ وہی اندازِ بےنیازی وہی مستانہ ادائیں۔ ایک قدم چلتی ہیں اور دس بار دیکھتی ہیں کہ کہیں پائے نازک پہ موچ تو نہیں آئی۔

میں کئی روز سے مسلسل سفر میں تھا۔ مختلف شہروں سے ہوتا ہوا ۹ ستمبر کی صبح یہاں پہنچا تھا میرے طویل اور تھکا دینے والے سفر کا یہ آخری اسٹیشن تھا۔ لکھنؤ پہنچ کر میں نے جلدی جلدی اپنے کام ختم کئے اور اگلے ہی روز یعنی ۱۰ ستمبر کی ٹرین میں اپنا رزرویشن بھی کروالیا تاکہ جلد سے جلد گھر لوٹ سکوں بعض اہم کاموں کے سلسلے میں میرا ۱۲ ستمبر کی شام تک حیدرآباد پہنچنا

ضروری تھا۔ اور مجھے اطمینان تھا کہ میں ٹھیک وقت پر حیدرآباد پہنچ جاؤں گا۔ لیکن ریل صاحب کے مزاج دیکھ کر مجھے سخت پریشانی ہونے لگی۔

خدا خدا کر کے دو دن بعد یعنی ۱۲ تاریخ کو حسن و نزاکت کی شہزادی ناگپور آئیں۔ میرا بُرا حال تھا۔ مجھے تو کسی صورت آج شام تک حیدرآباد میں رہنا تھا اور یہ ناز و ادا کی ماری لکھنوی ٹرین ابتک فقط ناگپور پہنچی تھیں۔ ہو سکتا ہے عشق کے متوالوں کو یہ سب گوارا ہو جائے مگر میں بے چارہ سیدھا سادہ آدمی یہ سب کچھ کیونکر برداشت کر سکتا تھا۔

ایک بار کسی اچھے پامسٹ نے میرا ہاتھ دیکھ کر بہت افسوس سے کہا تھا کہ عشق و عاشقی کا کوئی چکر تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ یہ معاملے نہ میرے بس کا روگ ہیں نہ مجھے راس آتے ہیں پھر بھلا لکھنؤ کی اس نازک مزاج ٹرین کی نازبرداریاں میں کہاں تک اُٹھاتا۔ اگر میں اس کے پیچھے پڑا رہتا تو بیڑہ ہی غرق ہو جاتا۔ میں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ چپ چاپ کھسک لیا جائے۔ چنانچہ ناگپور میں ان بیگم صاحبہ کو آرام کرتا ہوا چھوڑ ٹیکسی پکڑی۔ ایر لائن آفس پہنچا۔ ٹکٹ کٹایا اور ہوا ہو گیا۔ اس طرح خدا کا شکر ہے گھر پہنچا اور وقت پر اپنے کام انجام دئے۔

مگر اب گھر آ کر سوچتا ہوں کہ اپنے ایک عارضی ٹھکانے پر پہنچنے کے لئے تو اتنی دوڑ دھوپ کر لی۔ اس حقیقی اور دائمی قیام گاہ کے لئے کوئی مشقت کیوں نہ برداشت کی جائے؟ جب ایک ذرا سا اور ناپائیدار گھر مشقت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ نہ مشقت کے بغیر اس تک پہنچا جا سکتا ہے تو وہ عظیم الشان مستقل اور اصلی گھر بھلا آسانی سے کیونکر حاصل ہو جائے گا؟

خدا بھلا کرے لکھنؤ۔ حیدرآباد ٹرین کا۔ مجھے راستے میں چھوڑ دیا۔ نہ متنبہ بانی مگر جب فکر اُٹھا کر گھر پہنچا تو گھر پا گیا۔

محمد مسیح الدین صدیقی
حیدرآباد

فرخندہ جمال

ملاقات

ایک بیوی سے

بیگم ع۔ش۔ سے میری پہلی ملاقات ایک ایسی تقریب میں ہوئی تھی جہاں سوائے قہقہوں، خوشیوں اور مسرتوں کے کسی اور چیز کا دخل نہیں ہوتا تھا یعنی اپنی ایک عزیزہ کی شادی میں، مگر اس خوشی کے موقع پر جہاں اور خواتین قہقہے بکھیر رہی تھیں وہاں محترمہ ع۔ش کا بھی اتنا ہی دخل تھا۔ فرق تھا تو صرف اتنا کہ اُن کے قہقہے اور آواز کی کھنک [illegible] سے زیادہ پیاری اور واضح تھی۔ نگاہوں کا مرکز جب اُن کا چہرہ بنا تو نسوانی حسن اور معصومیت کی بھرپور عکاسی دکھائی دی۔ بوٹا سا قد، قیمتی اور سادہ لباس میں دل کو موہ لینے والی یہ شخصیت اندر سے بھی کیا اسی قدر خوش اور مطمئن ہے؟ اس سوال نے مجھے ایک روز اُن کے دولت خانے پر پہونچا دیا۔ میں ان سے بار بار ملنا چاہتی تھی۔ باتیں کرنا چاہتی تھی، اُن کے متعلق معلومات فراہم کرنا چاہتی تھی۔ لہٰذا چند سوالات خصوصاً ذہن نشین کر کے میں جب اُن کے گھر پہونچی تو وہ باورچی خانے میں تھیں۔ بے تکلفی سے میں نے انھیں وہیں جالیا۔ وہ بڑے خلوص سے ملیں اور مجھے ایک کرسی پر بٹھا کر کہنے لگیں کہ بس چند منٹوں میں ہی کام نپٹا کر آپ سے باتیں کرتی ہوں۔

یہ چند منٹ ایک خاتون کے سلیقے اور مہارت کو پرکھنے میں کم تھے مگر اُن کی کھنک دار آواز اور انداز گفتگو سے محظوظ ہوتے ہوئے میں نے محسوس کر لیا کہ وہ ایک عام خاتون سے بالکل مختلف ہیں۔ اور یہیں سے میرا ذہنی سفر شروع ہوا۔

کشادہ صحن سے گزر کر ایک طویل کمرہ تھا جس کو ڈرائنگ روم سمجھ لیں۔ اس بائیں جانب دو کمرے برابر برابر۔ ایک بیڈ روم دوسرا ڈرائنگ روم بڑے کمرے سے ہوتے ہوئے ہم دونوں اُن کے بیڈ روم میں پہونچے۔ ٹیلی فون بستر کے برابر ہی رکھا تھا۔ وہیں دو کرسیاں رکھ دی گئیں اور ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ بیگم ع کے عین سر پر ایک دیوار گیر کلاک نصب تھا۔ چھوٹے سے گلابی تولیہ سے ہاتھ پونچھتی ہوئی وہ مسکرا کر بولیں "کیسے اچھے موقع پر آپ آئی ہیں!" میں نے دریافت کیا "کون سا موقع؟" کہنے لگیں "بس اب میں شام کو سات بجے تک کے لئے خالی ہو جاتی ہوں اور سوتی رہتی ہوں۔ آپ سے باتیں کر کے میرا وقت اچھا کٹ رہا ہے!"

یہ وہ بہترین لمحہ تھا جب مجھے اپنا عرض مدعا پیش کر دینا ہی بہتر لگا۔ میں نے کہا:

" بھابی! آج تو مجھے بھی آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ خاص طور پر آپ کی موجودہ زندگی سے متعلق!"

مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بھانپ گئیں کہ میں اُن کا انٹرویو لینا چاہتی ہوں۔ اُن کی مسکراہٹ اور خاموشی نے رضامندی کی سی جھلک پیش کر دی اور میں اپنے ذہن میں سوالوں کی ترتیب بناتے بناتے بولی:

س۔ آپ سے مل کر قطعی اجنبیت کا احساس نہیں حالانکہ یہ ہماری صرف دوسری ملاقات ہے۔

ع۔ اجنبیت کیسی بھئی۔ مجھے تو آپ اس تقریب میں سب سے اچھی لگی تھیں اور میں نے سوچ لیا تھا کہ آپ کو دعوت ضرور دونگی۔

اپنی تعریف پر حیرانی تو ضرور ہوئی لیکن بے تکلفی کی وہ فضا بن گئی جس میں میں اُن سے ذاتی سوال پوچھ سکتی تھی۔ اگر میں اُن کی گفتگو کا ہر ہر لفظ لکھ دوں تو صفحے کے صفحے سیاہ ہو جائیں گے۔ ہاں۔۔ باتیں جو انھوں نے کارآمد اور معلوماتی بتائیں وہ اس طرح ہیں:

بیگم ع۔ ش۔ ایک متوسط خاندان کی فرد ہیں اور ابھی صرف سولہ سال کی تھیں کہ اُن کی منگنی کر دی گئی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں گیارہویں کلاس کا امتحان بھی نہ دے سکیں کہ شادی کے شادیانے بجے اور اُن کو میکے کی مانوس گلیوں سے اور اُس گھر سے جہاں انھوں نے بچپن کے حسین اور

یادگار عرصہ گزارا تھا اور اُس اسکول سے جہاں انھوں نے زندگی کے گیارہ سال بہترین انداز سے گزارے تھے، یکدم ایک اجنبی ماحول، اجنبی گھر اور اجنبی ہوتے ہوئے بھی اپنائیت سے پُر ایک حسین شمیم اور خوبرو انسان کی دلہن بنا کر گویا زندگی میں عمل کے راستے پر چھوڑ دیا گیا۔ کم عمری کے باعث ابھی اُن میں اتنا سلیقہ اور شعور بھی نہیں آیا تھا کہ گھر چلانا کسے کہتے ہیں اور شادی کیا ہوتی ہے کہ ان کو ایک غصیل شوہر اور بے حد تیز قسم کی ساس سے سابقہ پڑ گیا۔ اپنی گفتگو کے دوران اُنھوں نے خود کو بدقسمت اور ناکام کہتے ہوئے بتایا کہ ایک لڑکی خواہ اس کی شادی کسی بھی عمر میں ہو، اپنے ذہن میں شعور کی پہلی ہی منزل سے ایک تصور بنا لیتی ہے، اچھا سا گھر، محبت کرنے والا شوہر، پیارے پیارے بچے، پُرسکون فضا اور خوشگوار ماحول، لیکن مجھے اسکول کی زندگی میں اتنا موقع بھی نہ مل سکا کہ کبھی ایسا تصور قائم کرتی۔ ایک وجہ اس کی یہ بھی تھی کہ میں اپنے ساتھ کی لڑکیوں میں سب سے کم عمر تھی، لہٰذا لڑکیوں کے اس گروپ سے الگ کر دی جاتی تھی جہاں آئندہ کے پلان اور موجودہ خوابوں کا ذکر نوجوان لڑکیوں کا ایک خاص مشغلہ ہوا کرتا ہے۔ گھر میں وہ سب سے بڑی تھیں مگر والدین کی محبت اور بہن بھائیوں کی دوستانہ اور شفیق باتوں کی وجہ سے کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ سب سے بڑی ہیں جن سے شادی ہوئی وہ بھی اپنے بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھے۔ لہٰذا ایک احساسِ ذمہ داری اور بڑے پن کا احساس دلایا گیا۔ یہ اچانک تبدیلی وہ یکدم قبول نہ کر سکیں اور ایک عرصہ گزر گیا اپنے شوہر کی عادت کو سمجھنے میں۔

اُن کی شادی کو دس سال ہو چکے ہیں۔ اُن کے شوہر ایک اچھے بزنس مین ہیں۔ تین پیارے پیارے بچے اُن کے آنگن میں کھیل رہے ہیں۔ بار بار وہ باہر بھی جھانک کر دیکھتی جاتیں اور میرے سوالوں کا جواب پوری ایمانداری سے دیتی جاتیں۔

سوال ۔ آپ کی شادی چونکہ کم سنی میں ہو گئی تھی اس لئے آپ کو شادی کے فوراً بعد کسی قسم کی دشواریاں پیش آئیں؟

جواب : مجھے تو شادی سے پہلے ہی میری سہیلیوں نے ڈرا دیا تھا کہ میرے ہونے والے شوہر بے حد غصہ والے ہیں۔ اس لئے میرے ذہن میں ایک جابر اور ظالم شخص کا تصور سا بیٹھ گیا تھا۔ شادی کے بعد مجھے ڈھنگ سے بات کرنی ہی

نہیں آتی تھی۔ وہ جب مجھ سے باتیں کرتے تو میں
گفتگو کرتے کرتے یہ محسوس کرنے لگتی کہ یہ تو غصہ
والے اور تیز انسان ہیں کہیں میری کوئی بات
پکڑ نہ لیں اور مجھ پر غصہ نہ کر بیٹھیں۔ اور اس
احساس کے ساتھ ہی میں اندر سے خوفزدہ اور
اندر سے محتاط ہو جاتی۔ اول دن سے ہی میں نے
یہ سمجھ لیا تھا کہ شوہر کبھی دوست نہیں ہو سکتا۔
ہمراز نہیں ہو سکتا۔ اس بات کی تصدیق اکثر
اُن کے رویے نے بھی کر دی۔ حالانکہ میرا علم بھی
کوئی بہت زیادہ نہیں ہے مگر مجھے ہمیشہ اپنے
شوہر کی کم علمی کا احساس رہا۔ وہ غصہ میں ہوتے
تو عجیب الفاظ استعمال کر جاتے جو کبھی کبھی تو
کردار پر بھی حملہ زن ہو جاتے اور مجھے چند لمحوں کے
لیے مفلوج کر دیتے تھے۔ میں اپنے میکے میں کبھی
گھر کا کام نہیں کرتی تھی مگر یہاں آ کر مجھے سارے
گھر کا کام کرنا پڑا۔ میں ایک مثالی بیوی بننا
چاہتی تھی۔ اس لیے شروع میں تو خاصی پریشان
ہوئی مگر بعد میں شادی کے چند مہینوں کے اندر
ہی میں گھر کے سبھی کام اچھی طرح سیکھ گئی۔

سوال: شادی سے پہلے آپ کے
ذہن میں ازدواجی زندگی کا کیا تصور تھا؟

جواب: میں نے کہا نا کہ اسکول کے
مصروف ترین دور میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں
نے آئندہ زندگی کے بارے میں سوچا ہو بس جب
منگنی ہوئی تو اس بات کا احساس ہوا کہ والدین
کو بھی ہمیشہ کے لیے چھوڑنا پڑتا ہے اور ایک
اجنبی شخص کے اشارے پر زندگی کی ناؤ کو کھینا پڑتا
ہے۔ منگنی سے لے کر شادی تک کے عرصے میں بس
اپنا یہ تصور تھا کہ شوہر کم سے کم ایسا تو ہوگا ہی جو
ماں باپ سے بچھڑنے کا غم بھلا دے گا وہ یقیناً
ہمدرد اور غمگسار ہوتا ہوگا۔ تبھی تو والدین اپنی
لاڈلی اولاد کو اُسے سونپتے ہوں گے۔ یہ بھی نہیں
سوچا تھا کہ شادی کے بعد زندگی یکسر بدل جاتی ہے

سوال: شادی کے بعد آپ کے
تصوراتی پیکر پر کتنے پتھر پھینکے گئے؟

جواب: پتھر ہی پتھر تھے۔ صرف
ایک دل جس کا ہر جذبہ ان پتھروں کی زد میں
آ آ کر مجروح ہوتا رہا۔

سوال: آپ کے شوہر نے کبھی آپ
سے وعدہ کیا، کسی بھی قسم کا، اور اُسے پورا کیا؟

جواب: ہاں، ہر سال وہ چھٹیوں
میں باہر جانے کا وعدہ کرتے ہیں۔ اور آپ کو

معلوم نہیں کہ ان دس سالوں میں ہم دس سے
بھی زیادہ جگہیں دیکھ چکے ہیں۔ مسوری، نینی تال،
شملہ، کشمیر اور کراچی وغیرہ وغیرہ، مگر صرف
تصور میں۔ وہ وعدے تو بہت کرتے ہیں مگر پورا
ہونے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ شروع میں تو میں
ان وعدوں سے بہل جاتی تھی مگر اب مجھے
احساس ہو چکا ہے کہ یہ صرف زبانی جمع خرچ
کرتے ہیں۔ اور پھر آپ جانئے ایک عورت کو
یہی وعدے تو زندہ رکھتے ہیں۔ کم سے کم میرے
شوہر وعدہ تو کر لیتے ہیں۔ اُن عورتوں کا کیا
ہوتا ہوگا جن کے شوہر وعدہ بھی نہیں کرتے

سوال: آپ کے شوہر آپ کے جذبات
کا کس حد تک احترام کرتے ہیں؟

جواب: جذبات کا احترام بہت
بڑی بات ہے بہن۔ میرا تو تجربہ ہے کہ اگر عورتیں
اپنے جذبات کا احترام کرانے لگیں تو شاید اُن کے
شوہر جتنی توجہ دیتے ہیں اتنی بھی نہ دیں۔ شادی
کے بعد تو یکسر بدلنا پڑتا ہے۔ اپنے جذبات کو
میکے چھوڑ کر آنا چاہئے۔ پھر بھی وہ ساتھ چلے ہی
آئیں تو زبردستی جھٹک دینا چاہئے کیونکہ یہ
زندگی قربانیوں سے پُر ہوتی ہے۔

سوال: بھابی! آپ کی ازدواجی
زندگی کا خوشگوار لمحہ کون سا ہے؟

ایک لمحے کے لئے اُن کے چہرے پر فکر کی
سلوٹیں اُبھریں۔ نظریں سامنے دیوار پر کچھ
ڈھونڈنے لگیں اور سوچ کے دائرے اس قدر
بڑھے کہ انہیں متوجہ کرنا پڑا۔ جب وہ غور سے
میری طرف دیکھنے لگیں اور میں نے اپنا سوال
دہرایا تو یکایک آنکھوں میں آئی ویرانی اور
اداسی کی جگہ اسی مسکراتی چمک نے لے لی اور
وہ مسکرا کر بولیں:

جواب: دیکھو بھئی! اتنا خوشگوار
لمحے اتنے ہیں کہ اُن میں سے خوشگوار کو نکال کر
بتانا مشکل ہے۔ پھر بھی جب میرا تیسرا بچہ پیدا
ہوا تو مجھے خوشی کا احساس تھا کیونکہ یہ بچہ
میری بیٹی یعنی دوسرے بچے سے پورے چھ سال
کے بعد ہوا تھا۔ ان چھ سالوں میں میں نے
خود کو اس قدر ڈھال لیا تھا کہ اس تیسرے
بچے کی پیدائش پر یوں لگا جیسے پہلا بچہ ہی ہو۔

سوال: آپ کے کتنے بچے ہیں؟

جواب: تین بچے ہیں۔ پہلا لڑکا
شادی کے ایک سال بعد ہوا۔ دوسری لڑکی جو

ٹھیک ایک سال بعد ہوئی اور تیسرا بچہ اُس
سے چھ سال بعد۔ تیسرے بچے میں اتنا فرق
اس لئے ہوا کہ اُس کی پیدائش سے پہلے مجھے
فیملی پلاننگ کے اصولوں کا بھی علم نہیں تھا۔
دوسرے یہ دونوں بچے اتنی جلدی اس نا سمجھی
کے دور میں ہوئے تھے کہ مجھے بوجھ لگتے تھے۔
مجھے اپنی نیند خراب ہونے کا، صحت کا اور
بچوں کے بے وجہ رونے کا بڑا دکھ ہوتا تھا مگر
دو بچوں کی پرورش کے بعد گویا مجھے اچھی طرح علم
ہوگیا کہ اصلی زندگی تو ماں بن کر گزرتی ہے۔

سوال: کیا اولاد کی خواہش عورت
کا بنیادی تصور ہے؟ آپ کی اس بارے میں کیا
رائے ہے؟

جواب: میرے خیال میں تو عورت
کی تکمیل ہی ماں بن کر ہوتی ہے مگر ماں بننے کے
لئے عمر اور تجربے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کم عمر ماں
بچے کی صحیح پرورش اور تربیت نہیں کر سکتی۔ ساتھ ہی
سوچتی ہوں کہ جو لڑکیاں شادی سے پہلے مستقبل
کے تصور میں ایک خاکہ بناتی ہیں اس میں بچوں کا
دخل ضرور ہوتا ہے۔ اب یہ قسمت کی بات ہے کہ
نہ بچے ملیں، وہ ماحول ملے یا نہ ملے۔

سوال: خانگی زندگی میں آپ کو
سب سے زیادہ دشواری کب محسوس ہوئی؟

جواب: بچوں کی پرورش میں۔
اُن کے کپڑے اور ضرورت کی اشیاء کو خریدنے
میں اور اُن کی تعلیمی ذمہ داریوں کو محسوس کرنے
میں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے بچوں کی پسند کو
مدنظر رکھ کر اُن کے آرام کی چیزیں، آرام دہ کپڑے
بناؤں۔ فیشن کے لحاظ سے نہیں، ضرورت
کے لحاظ سے اُن کی ضرورتیں پوری ہوں تو اچھا ہے۔

سوال: بچوں کی تربیت میں آپ کے
شوہر کس حد تک تعاون دیتے ہیں؟

جواب: ارے انھوں نے تو ساری
ذمہ داری مجھی کو سونپ رکھی ہے۔ ہاں چھٹی کے
دن بچوں کے ساتھ کھیلتے ضرور ہیں۔ بس اُن کی
جا اور بے جا خواہشوں کو پورا کرنا ہی اُنکا مقصد
ہے۔ بچوں کی ساری ذمہ داری میں ہی سنبھالتی
ہوں۔ اگر میں نہ کروں تو ان کی پرورش اور
نشوونما میں واقعی وہ فساد پھیلا نہ لیں۔ بلکہ
یوں سمجھو کہ میں نے تو اپنی زندگی بس صرف
بچوں کے لئے وقف کر لی ہے

سوال: کبھی آپ کا اُن سے باقاعدہ

جھگڑا بھی ہوا ہے؟

جواب: ہاں ایکبار تو ایسا زبردست ہوا تھا کہ میں پورے دو ماہ تک اپنی امی کے ہاں رہی۔ لوگوں نے اُن کو دوسری شادی کا مشورہ بھی دیا۔ جب یہ خبر مجھ تک پہونچی تو میں نے سوچا کہ اچھا ہے کسی دوسری عورت سے اُن کا سابقہ پڑے گا تو یہ سمجھ لیں گے کہ یہ عورت دراصل ہوتی کیا ہے۔ پھر شاید اُن کو میری قربانیوں کا احساس ہو۔ مگر جلد ہی یہ معاملہ رفع دفع ہوگیا اور میں واپس اپنے گھر آگئی۔ اس کے بعد بھی کئی بار ایسے سنگین واقعات ہوئے کہ وہ لفظ اور وہ جملے ناقابل برداشت تھے مگر میں نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا کیونکہ مجھے یہ معلوم تھا کہ واپس اسی گھر میں آنا ہے۔ اپنے دکھوں اور تکلیفوں اظہار شروع میں اپنی امی سے کردیتی تھی مگر میں نے محسوس کیا کہ اُن کی صحت پر اس کا بُرا اثر پڑا اور انھوں نے میری دیگر بہنوں کی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ پھر میں نے سب کچھ بدل لیا۔ بُھلا دینے کی عادت ڈال لی اور ہنس کر ٹال دینے کی مثال کو خود ہی اپنالیا۔

سوال: نوک جھونک کے بعد ارتباط کی طرف پہلا قدم کون بڑھاتا ہے؟

جواب: وہی بڑھاتے ہیں جب کوئی بات تلخ ہوجاتی ہے تو وہ اپنے معمول کے مطابق رلا کر چلے جاتے ہیں۔ میں سنجیدہ ہوجاتی ہوں۔ دو چار روز تک بے حد سنجیدہ ماحول رہتا ہے۔ اُن کے ہر سوال کا بے حد مختصر جواب دیتی ہوں۔ وہ بھی یہ محسوس کراتے ہیں جیسے مجھے نظرانداز کررہے ہیں۔ مگر چند روز سے زیادہ نہیں۔ پھر وہ خود ہی اس انداز سے معافی مانگتے ہیں کہ معاف کرنا ہی پڑتا ہے۔ عورت کا دل تو سمندر کی طرح عظیم اور صاف ستھرا ہے۔ شوہر کی ذرا سی محبت اور توجہ پر وہ اپنا ہر جذبہ نثار کرسکتی ہے مگر بے توجہی پر بہت جلد ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر بچوں کا خیال نہ ہوتا تو کبھی کی میں بھی ٹوٹ کر بکھر چکی ہوتی۔

سوال: ایک بہتر شوہر ہونے کیلئے مرد میں کون خصوصیات کا ہونا ضروری ہے؟

میرے اس سوال پر بڑی سنجیدہ نگاہوں سے انھوں نے مجھے دیکھا اور اُلٹا مجھ سے سوال کر بیٹھیں " تمہارے خیال میں تمہارے ہونیوالے

شوہر میں کن کن خوبیوں کا ہونا ضروری ہے ؟"
اس غیر متوقع حملے سے میں چونکی اور صرف اتنا کہا" بھابی! مکمل تو کوئی ہوتا ہی نہیں سوائے خدا کی ذات کے۔ پھر بھی میرے خیال میں شوہر اور بیوی میں ذہنی ہم آہنگی ضروری ہے۔ ویسے وہ اگر ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھ لیں تو اس سے زیادہ اچھی بات کیا ہوگی۔

جواب: میرا خیال ہے کہ تم کھل کر بتا نہیں رہیں ورنہ مردانہ حسن کا خاکہ تو کھینچ ہی دیتیں۔ سنو! جو تصور شوہر کا لوگ بناتے ہیں وہ ملتا نہیں اور جو ملتا ہے وہ سوچ بھی نہیں سکتے (انھوں نے الماری کھول کر اپنے شوہر کی بڑی سی تصویر دکھائی۔ وہ دیکھنے میں بے حد اسمارٹ اور خوبصورت تھے لیکن اندر سے [illegible] حس، عصہ [illegible] ظالم، کج فہم، شکی، موڈی لاابالی، قطعی [illegible] جذبوں سے جنھیں حسن لطف کہتے ہیں) تم نے دیکھا، کوئی کمی نہیں ہے ان میں مگر اندر سے وہ کیا ہیں ؟ [illegible] اعتبار کرو تو پہچان سکو گی عورت و مرد [illegible] فرد ہیں اس زندگی میں۔ مگر گاڑی کے [illegible] ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے دور دور رہتے ہیں۔ جو عورتیں یہ کہتی ہیں کہ وہ ازدواجی زندگی بہت خوشگواری سے گزار رہی ہیں وہ سب سے زیادہ جھوٹ بولتی ہیں۔ یا وہ اپنے شوہر کی کمیوں پر پردہ ڈالتی ہیں اور اس قدر پردہ پوشی کرتی ہیں کہ ایک روز اسی شخص کی کسی عادت پر اپنے جذبات کا دبیز اور موٹا پردہ ڈال دیتی ہیں۔ پھر بھی اگر یہ شوہر صاحبان خود کو عظیم، برتر اور بہتر سمجھیں تو اس میں اُن کی خطا نہیں ہے بلکہ ان حضرات کی ہے جنھوں نے اس صنف کے دل میں یہ احساس پیدا کیا کہ وہ عورت سے بہتر ہیں۔ عورت کا مقام مرد کے دل میں ہونا چاہئے مگر افسوس کہ یہ مرد اُسے اپنے قدموں سے بھی پرے رکھتے ہیں۔ جمہوری دَور میں بھی یہ ڈکٹیٹر شپ اپنی سمجھ سے باہر ہے۔

میں تو کہتی ہوں لڑکیوں کو چاہئے کہ شادی سے پہلے گڑیا کے کپڑوں، کھلونوں اور اسکول کی عزیز زندگی کے ساتھ ساتھ مستقبل کے لئے دیکھے خوابوں کو اس کونے میں دفن کردیں جہاں وہ بچپن کے سہانے دنوں میں گڑیا گڈے کا کھیل کھیلتی ہیں۔

ازدواجی زندگی یوں تو مرد اور عورت

دونوں کے لئے ہی آزمائشی اور عملی زندگی ہوتی ہے مگر خاص کر عورتوں کو گھر کی چکی میں اپنی انا، اپنے جذبات، اپنے ارمان اور اپنی خواہشات کو پیس کر ایسی زندگی گزارنی پڑتی ہے جو صرف دوسروں کے لئے وقف ہوتی ہے۔

سوال: اپنے شوہر سے آپ کو شکایت تو نہیں ہے؟

جواب: مجھے تو کسی سے بھی کوئی شکایت نہیں ہے۔ یہ تو تم نے پوچھا تو بتا رہی ہوں تاکہ آئندہ زندگی کے لئے تم بھی سبق سیکھ سکو۔ کامیاب زندگی دراصل اسی ناکامی کے احساس میں ہے۔ اگر اس میں وہ عزم شامل نہیں ہوگا جو وقت کی کروٹوں سے میں نے سیکھ لیا ہے تو زندگی میں ایک بھی قہقہہ نہ لگا سکوں۔

اتنا کہہ کر انھوں نے قہقہہ لگایا اور پھر بیگم عرشی نے گرم گرم کافی، نمکین کاجو اور دلچسپ باتوں سے نوازا۔ میں تقریباً ڈھائی گھنٹہ اُن سے بات چیت کرتی رہی اور اس گفتگو کے بعد بھی اور آج تک بھی جو تاثر اس شخصیت نے ذہن و دل پر مرتسم کیا ہے اُس کا تقاضہ تھا کہ میں اس گفتگو کو ہو بہو اسی طرح قارئین کے سامنے پیش کر دوں تاکہ یہ احساس جاگے کہ ازدواجی زندگی کی کامیابی اور ناکامی میں یوں تو صرف 'نا' لفظ کا فرق ہے مگر حقیقت میں کس قدر زبردست فرق ہے۔

کیا ان سوالوں، اس گفتگو اور اس ملاقات کے بعد بھی ہم کچھ نہیں سیکھ سکیں گے؟

غزل

مائل خیرآبادی

پھر اُس کی دلکشی کا عجب رنگ ہو گیا
نغمہ جب اُن کی لَے سے ہم آہنگ ہو گیا

یہ سب اثر کی بات ہے یا بات کا اثر
یہ دل ابھی تھا موم، اب سنگ ہو گیا

جن طائروں میں غیرتِ پرواز آ گئی
اُن کی نظر میں صحنِ چمن تنگ ہو گیا

جس طور بھی نواز دیا آپ نے مجھے
دنیا کا میرے ساتھ وہی ڈھنگ ہو گیا

دیکھے بہت حسین مگر تم کو دیکھ کر
چہرہ ہر اک حسین کا بے رنگ ہو گیا

مائل بتوں میں تیرا یہ سوانگ، یہ احترام!
میں دیکھ کر، خدا کی قسم، دنگ ہو گیا

کبھی کبھی

(طاہرہ سعید)

غزل اپنے بستر پر اوندھی لیٹی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ کہ دروازہ ایک زوردار دھماکہ سے کھلا۔ مریم بھاگتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اور غزل کو جھنجھوڑ ڈالا۔

"اللہ باجی بابر بھائی آرہے ہیں۔" اس کی آواز میں خوشیوں کی جھنکار تھی۔

"تو میں کیا کروں؟" غزل اٹھتے ہوئے بولی۔

"جی ہاں، میں کیا کروں۔ اوپر سے بن رہی ہیں۔ اور دل میں چاہے لڈو پھوٹ رہے ہوں۔"

"مریم میں نے کتنی دفعہ کہا ہے۔ مجھے تنگ مت کیا کرو۔" غزل نے چھوٹی بہن کو ذرا نرمی سے ڈانٹا۔

"اس میں تنگ کرنے کی کیا بات ہے۔ بابر بھائی آئیں گے تو ہماری باجی کی شادی ہو جائے گی۔" مریم اپنی دھن میں کہے جا رہی تھی۔ آپ کی شادی پر میں ڈھیر سے کپڑے بنواؤں گی۔ اور پتہ ہے باجی۔"

اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی غزل نے ٹوک دیا۔

"خدا کے لیے مریم میرے کان مت کھاؤ۔ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔ ابھی تو میں بہت سا پڑھنا چاہتی ہوں۔"

"ابھی کتنا اور پڑھیں گی۔ ایم اے فائنل میں تو ہیں۔ اور پھر؟"

"اور پھر کچھ نہیں۔ بس ابو سے کہہ دو کہ ابھی میں شادی نہیں کروں گی۔"

"ابو سے کیا کہا جا رہا ہے؟" محبوب صاحب اندر آتے ہوئے بولے۔ اور غزل کی چلتی زبان باپ کو دیکھ کر رک گئی۔

"دیکھئے ابو۔ میں باجی کو بابر بھائی کی آمد کی اطلاع دینے آئی تھی۔" مریم جلدی سے بولی۔

"مگر باجی کہتی ہیں کہ۔"

"میں ابھی شادی نہیں کروں گی۔" محبوب صاحب نے جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔

"مریم تم بہن کو مت تنگ کیا کرو۔ ہمارا بیٹا جو چاہے گا ہو گا۔"

"اوہ! ابو آپ کتنے گریٹ ہیں۔" غزل خوشی سے باپ سے لپٹ گئی۔

محبوب صاحب شہر کے معروف صنعت کار تھے۔ گھر میں خدا کا دیا سب کچھ تھا۔ شہر بھر میں ان کی نیک نامی اور خداترسی کی وجہ سے ہر چھوٹا بڑا ان کی عزت کرتا تھا۔ اور وہ بھی ہر حاجت مند کی حاجت پوری کرنے کے لیے دن رات تیار رہتے تھے۔ ان کی صرف دو بیٹیاں تھیں۔ غزل بڑی تھی اور مریم چھوٹی۔ مریم کی پیدائش پر ان کی بیوی فوت ہو گئی تھیں۔ اور انھوں نے جوانی میں دوسری شادی اسی وجہ سے نہ کی کہ بچوں کو باپ کی جو شفقت اور محبت حاصل ہے وہ بھی ختم نہ ہو جائے۔ وہ غزل اور مریم کے لیے باپ کے ساتھ ساتھ ماں بھی بن گئے۔ آفس ٹائم جوں ہی ختم ہوتا فوراً گھر آجاتے اور پھر بچیوں کے ہر کام خود کرتے۔ حالانکہ گھر میں دو آیائیں موجود تھیں۔ غزل اور مریم کوئی چیز مانگتی فوراً لا دیتے۔ اسی طرح ان کے ناز اٹھاتے دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں تبدیل ہوئے۔ غزل اور مریم جوان ہو گئیں۔ غزل ان دنوں ایم اے میں اور مریم بی اے میں تھی۔ کہ محبوب صاحب نے غزل کی سالگرہ کی۔ سالگرہ کے موقع پر بے شمار لوگ آئے۔ انھیں میں بابر کے والدین بھی شامل تھے۔ وہ قصبہ شاہین آباد کے بہت بڑے جاگیردار تھے۔ بابر کی امی کو غزل کچھ اس قدر پسند آئی کہ انھوں نے غزل کے

رشتہ کے لیے چکر پر چکر لگانے شروع کر دیے۔ محبوب صاحب کو بھی گھرانہ پسند تھا۔ مگر انھوں نے یہ کہہ کر بابر امریکہ سے واپس آجائے۔ معاملہ کچھ ٹالنا چاہا۔ مگر بابر کے امی ابو کے اصرار پر انھوں نے رشتہ کے لیے ہاں کر دی۔ اور یوں اس طرح دھوم دھام سے غزل کی منگنی ہوگئی۔ مگر غزل کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ اور زیادہ پڑھنا چاہتی تھی۔ اس نے محبوب صاحب سے وعدہ لیا تھا کہ جب تک وہ کم از کم ایم۔ اے نہ کرے گی اس وقت تک اس کی شادی نہیں کریں گے۔

اور جب اسے بابر کے واپس آنے کی خبر ملی تو وہ حواس باختہ ہوگئی۔ ابھی تو ایم اے فائنل کا پورا سال پڑا ہے۔ مگر اس کے کانوں میں شادی کی خبریں پڑنی شروع ہوگئیں۔ بابر کی اکلوتی بہن رضیہ جب بھی شہر آتی تو غزل کو چھیڑتی۔

"بس بھابی اب پڑھائی ختم سمجھیں۔ بابر بھائی کے آتے ہی ہم تو شادی کر دینی ہے۔"

بھابی! اب شاہین آباد کی تیاری کریں۔

بھابی بس اب ہم آپ کو جلدی ہی لے جائیں گے۔

وہ دن رات ایسے ہی جملے سنتی رہی اور خاموش رہتی۔ جب زیادہ ہی غصہ آتا تو مریم سے الجھنے لگتی۔

"مریم ابو کو میرا وعدہ یاد دلا دینا۔"

"میں کیوں یاد دلاؤں؟" مریم اسے ستانے پر تل جاتی۔ "آپ کیوں نہیں بات کرلیتیں"

"میں کیسے بات کروں؟" غزل بے بسی سے کہتی۔

"جیسے بات کی جاتی ہے۔ کہیں ابو جی میری شادی جلد از جلد کر دیں۔" مریم اسے تنگ کرتی

"مریم کی بچی۔" غزل اسے مارنے کو دوڑتی۔

"اللہ باجی۔ اچھا نہیں کروں گی۔" وہ آگے آگے بھاگتی ہاتھ جوڑنے لگتی۔

اور پھر بابر ڈاکٹری کی ڈگری لے کر وطن آگئے۔ ائرپورٹ پر ان کا استقبال محبوب صاحب

نے بھی کیا۔ مگر بابر کو دیکھ کر ان کا دل نہ جانے کیوں مایوس ہو گیا۔ گورا چٹا دراز قد اور خوبصورت نین نقش کا مالک بابر ٹیڑھا منہ کر کے انگریزی فر فر بولتا ہوا انجانے پر کیوں پرایا پرایا سا محسوس ہوا۔ کہاں غزل بالکل مشرقی لڑکی۔ اور کہاں مغرب کی تہذیب کا پورا پورا اثر قبول کرنے والا بابر۔ خدا رشتہ ٹوٹنے نہ پائے۔ انھوں نے دعا مانگی اور پھر ہفتہ بھر میں شاہین آباد میں بابر کے آنے کی خوشی میں ایک لمبے چوڑے ڈنر کا انتظام ہوا۔

محبوب صاحب کو بمعہ فیملی کے دعوت نامہ موصول ہوا۔ محبوب صاحب صرف مریم کو لے کر شاہین آباد روانہ ہو گئے۔

ڈنر سے واپس آئے۔ تو سخت بجھے بجھے سے تھے۔ غزل نے مریم کی جانب دیکھا۔ مگر وہ بھی خاموشی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ غزل اس کے پیچھے پیچھے ہی مریم کے کمرے میں آ گئی۔

"کیا بات ہے بڑی خاموش لگ رہی ہو؟"

"کوئی بات نہیں۔ بس تھکن سی ہو رہی ہے۔"

"میں نہیں مانتی۔ تم گئیں تو بہت خوش خوش تھیں۔" غزل نے پوچھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں باجی آپ کو وہم ہے۔ بس نیند آ رہی ہے۔" مریم بیڈ پر لیٹے ہوئے بولی۔

"اچھا تم آرام کرو۔" غزل کچھ سوچتے ہوئے اٹھی اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔

رات کو نیند محبوب صاحب کو نہیں آ رہی تھی۔ وہ بار بار بستر پر کروٹیں بدل رہے تھے۔ آج ان کا دل بالکل ہی بجھ گیا تھا۔ تقریب میں بابر بالکل ہی لڑکیوں میں گھرا رہا۔ ان سے ہنس ہنس کر بے تکلفی سے باتیں کرتا رہا۔ اور پھر کسی لڑکی نے شاید اس سے منگنی کے بارے میں پوچھا تھا۔ تو کیسے فوراً اس نے کہا تھا۔

"کونسی منگنی۔ کہاں کی منگنی۔ یں کسی ان دیکھی لڑکی سے اپنی قسمت نہیں پھوڑ سکتا۔"
محبوب صاحب نے مریم کی طرف چونک کر دیکھا تھا۔ مگر وہ پہلے ہی کسی اور کی باتیں سن رہی تھی۔ محبوب صاحب کو بہت زیادہ محسوس ہوا۔ کہ بابر پہ ماں باپ کا زیادہ کنٹرول نہیں ہے۔ تو پھر میری غزل کا مستقبل کیا ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری نازوں پلی بیٹی ساری عمر روتی رہے۔ لیکن اب کیا ہوسکتا ہے۔ جب سب رشتہ داروں اور دوستوں میں مشہور ہے کہ بابر کے آتے ہی غزل کی شادی ہو جائے گی۔"
"ادھر مریم اپنے کمرے میں بے قراری قالین پہ ننگے پاؤں پھر رہی تھی۔ پہلے تو اس کا دل بابر کی حرکتیں دیکھ کر اور باتیں سنکر بجھ گیا تھا۔ پھر آتے وقت رضیہ اسے اپنے کمرے میں لے گئی تھی۔ جہاں اس نے کہا تھا کہ انکل کو کہنا بابر غزل کو دیکھنا چاہتا تھا۔
"مگر باجی ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟"
"ہوسکتا ہے تم لوگ کونسے دقیانوسی ہو۔ یہ تو صرف اس کی چھوٹی سی خواہش ہے۔"
"تو آپ باجی کی تصویر دکھا دیں۔"
"تصویر تو اس نے دیکھی ہے۔" رضیہ بھی جیسے شرمندہ تھی۔
"تو پھر؟"
"وہ کہتا ہے جب تک میں غزل کو نہیں دیکھوں گا۔ شادی نہیں کروں گا۔"
"خدا کے لیے باجی سوچیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اول تو ابو نہیں مانیں گے اور اگر مان بھی گئے تو غزل باجی نہیں مانیں گی۔ آپ نہیں جانتیں باجی۔ وہ مشرقی اقدار پہ جان دیتی ہیں۔"
"وہ تو میں جانتی ہوں مریم مگر کیا کریں۔ امی اور ابو بھیا کو سمجھا سمجھا کر تھک گئے ہیں۔ مگر وہ کسی کی سنتے ہی نہیں۔ خدا کے لیے تم غزل کو سمجھانا۔"

"میں کیسے سمجھا سکتی ہوں باجی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ۔ غزل باجی سے کیا کہوں گی ور کیسے کہوں گی۔"

"دیکھو مریم دونوں خاندانوں کی عزت کا سوال ہے۔ ہماری تمہاری سب شادی کی تیاری پوری ہوئی۔ منگنی بھی ہو چکی ہے۔ اگر غزل مان جائے اور بابر سے تھوڑی دیر کے لئے ل جائے۔ تو میرا مطلب ہے کہ سب جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ ویسے یقین یہی ہے کہ غزل کو بابر بھائی بہت پسند ہیں۔"

"اس کی کیا گارنٹی ہے؟" مریم طنزیہ بولی۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بابر بھائی کو پسند نہ آئے۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ غزل ضرور پسند آئے گی۔ بولو پھر مناؤ گی غزل کو۔"

"کوشش کروں گی۔" مریم نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں کل تمہیں ٹیلیفون کروں گی۔" رضیہ ساتھ ہی چلتے ہوئے بولی۔

راستے میں اس نے کئی بار محبوب صاحب سے بات کرنا چاہی مگر ہمت نہ ہوئی۔ محبوب صاحب اس سے بابر کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ مگر وہ خاموش رہی۔ اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ سارا راستہ وہ ترکیبیں سوچتی رہی کہ ابو سے اور باجی سے کیسے بات کروں گی اور اسے پتہ بھی نہ چلا کہ کب سحر ہوئی۔ جب وہ ناشتہ کی ٹیبل پر پہنچی تو محبوب صاحب اور غزل پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ محبوب صاحب کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور مریم سمجھ گئی کہ اس کی طرح اس کے ابو نے بھی شب بیداری کی ہے۔ سب نے بڑی خاموشی سے ناشتہ کیا غزل کو خاموشی سے بڑی الجھن ہو رہی تھی۔ اس نے کئی بار بات کرنی چاہی۔ مگر ابو نے سوائے ہوں، ہاں کے دوسری بات نہ کی البتہ مریم ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے کسی سوچ میں گم ہو۔

محبوب صاحب آفس چلے گئے تو غزل یونیورسٹی روانہ ہو گئی۔ سارا دن ادھر بھی پریشان پھرتی رہی۔ بس کچھ پڑھنے کو جی نہ چاہ رہا تھا۔ دوپہر کو جلدی گھر واپس آئی تو دیکھا

ادھر مریم ڈرائنگ روم میں آڑی ترچھی لیٹی چھت کو گھور رہی ہے۔"

"ارے مریم تم کالج نہیں گئیں۔ غزل نے کتابیں ٹیبل پر پھینکیں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں ٹھیک ہے" مریم اٹھتے ہوئے بولی "آج آپ جلدی آ گئیں؟"

"بس ویسے ہی" مریم میں ایک بات پوچھوں۔ سچ سچ بتاؤ گی"

"جی"

"یہ تم اور ساقی کل سے بڑے خاموش ہو۔ کیا کوئی بات ہوئی ہے؟"

"نہیں تو۔ آپ کو وہم ہوا ہے"

"وہم نہیں۔ کوئی بات ضرور ہے۔ تم لوگ کچھ پریشان سے لگ رہے ہو۔ مجھے بتاتے کیوں نہیں؟"

"باجی کوئی بات نہیں" مریم اسے ٹالتے ہوئے بولی۔ بس میری ابو سے لڑائی ہوئی ہے"

"جی ہاں! میں نہیں مانتی۔ ابو کبھی پورا دن ناراض نہیں رہے۔ اور پگلی وہ ہمیں کبھی ناراض ہونے ہی نہیں دیتے۔ دیکھو سچ سچ بتا دو"

"تو وعدہ کریں کہ ٹھنڈے دل سے آپ سنیں گی"

"وعدہ"

"میرا مطلب ہے کہ چاہے کیسی بھی بات ہو۔ آپ ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں گی" مریم اسے سمجھانے کے لہجے میں بولی۔ "یہ محسوس کرنے کی بات ہے۔ کوئی بھی فیصلہ جذباتی ہو کر نہیں کرنا چاہیے"

"اچھا تم کہو تو سہی" غزل بات جاننے کے لیے بے تاب ہو رہی تھی۔

"پہلے آپ وعدہ کریں کہ مجھ سے کوئی بات نہیں کریں گی۔ ابھی تک میں نے بھی انہیں

نہیں بتایا۔ مریم نے غزل کا ہاتھ تھام لیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ سب بات غزل کو بتا دی۔
غزل کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔
"مریم میں اس لیے ہی شادی سے انکار کر رہی تھی۔ یہ فارن سے واپس آنے والے بھی ایسے ہوتے ہیں۔"
"سبھی ایسے نہیں ہوتے باجی۔ اور پھر بابر بھائی کے باپ اتنے شریف ہیں۔ نجانے بوں انہیں کچھ ضد سی ہو گئی ہے کہ آپ کو دیکھ کر شادی کرنی ہے۔"
"مگر مریم میں قیامت تک ایسا نہیں کر سکتی۔ خواہ کچھ ہو جائے۔ رشتہ ٹوٹتا ہے تو ٹوٹ جائے مگر میں بابر کے سامنے شادی سے پہلے ہرگز نہیں جاؤں گی۔"
"باجی اب کیا کریں۔ ابو سے میں نے اسی لیے بات نہیں کی کہ وہ پہلے ہی دل کے مریض ہیں کہ صدمے سے دورہ ہی نہ پڑ جائے۔"
غزل بغیر کچھ کہے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔
اسی شام رضیہ کا فون آ گیا۔ مریم نے غزل سے کی ہوئی ساری بات دہرا دی۔ جواب میں رضیہ نے کہا کہ بابر کہتا ہے کہ اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ شادی سے انکار کر دے گی۔"
یہ سنکر مریم کی رہی سہی ہمت جواب دے گئی۔
"خدا کے لیے باجی آپ ہی مان جائیں۔"
"ایسا نہیں ہو سکتا مریم۔" میں خود ایسے اوچھے انسان سے شادی کرنا نہیں چاہتی جب اس نے میری فوٹو دیکھ لی ہے۔ اس کے ماں باپ اور بہن نے مجھے دیکھا ہے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اس کے سامنے جاؤں۔"
مریم سمجھا سمجھا کر تھک گئی۔ آخر مجبور ہو کر مریم نے غزل کی دو گہری سہیلیوں سے بات کی۔ مگر سب کے سمجھانے کے باوجود غزل کا وہی جواب تھا۔

رضیہ ہر دوسرے روز چکر لگاتی۔ اس نے بار بار غزل کے آگے ہاتھ جوڑے۔ وہ چاہتی کہ غزل ہر قیمت پر اس کی بھابی بنے مگر غزل نہ مانی۔

محبوب صاحب کو بھی پتہ چل گیا۔ پہلے تو انھیں بہت غصہ آیا۔ مگر مریم اور رضیہ کے سمجھانے پر خاموش ہو گئے۔ اب تو رشتہ ٹوٹنے پر زیادہ سوالی تھی۔ ایک دن جب رضیہ اور اس کے والدین آئے بیٹھے تھے۔ غزل ان کے روبرو پہنچ گئی۔

" ابو" وہ محبوب صاحب سے مخاطب ہو گئی۔ میں بابر کے سامنے آنے کو تیار ہوں

اس کی اس بات پر سب چونک پڑے۔ یہ پتھر موم کیسے ہو گیا۔

" مگر میری ایک شرط ہے" اس کی آواز دوبارہ کمرے میں گونجی۔"

" وہ کیا؟" بیک وقت سب کے منہ سے نکلا۔

" وہ یہ کہ بابر کو بارات لے کر میرے گھر آنا ہوگا۔ اور میں نکاح سے پہلے اس کا سامنا کروں گی۔ اگر یہ شرط منظور ہو تو وہ بارات لے کر آئے" وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

" میں ابھی بھیا سے بات کرتی ہوں" رضیہ فون کی طرف بڑھی۔ اور چند لمحوں بعد وہ خوشخبری سنا رہی تھی غزل کے مان جانے کی۔

بابر کی رضامندی پا کر اسی دن غزل کی شادی کی تاریخ ٹھہرا دی گئی۔ اور پھر دھوم دھام سے شادی کی تیاری شروع ہو گئی۔ آخر محبوب کی لاڈلی کی شادی تھی۔ اور ادھر جاگ کے اکلوتے بیٹے کی شادی تھی۔ جوں جوں دن نزدیک آتے گئے۔ ہنگامہ عروج پہنچتا گیا۔

شادی سے ایک دن پہلے غزل محبوب صاحب کے کمرے میں پہنچی۔ وہ کو دیکھ کر بولے۔

" آؤ۔ آؤ بیٹی"

"ابو میں آپ سے ایک بات کرنے آئی ہوں۔"
"کہو، ابو کی جان، کیا بات ہے؟" محبوب آج کے دن غزل کی ہر فرمائش پوری کرنے تیار تھے۔
"ابو آپ اپنی رشتہ کی بہن آمنہ پھوپھی کو ضرور بلائیں گے۔"
"ہاں بیٹے وہ تو آئیں گی ہی۔"
"اور ان کے بیٹے اسد کو بھی۔"
"مگر بیٹے اس کی ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا ہے۔ اور سنا ہے کہ ڈاکٹروں نے اس کی ٹانگ کاٹ دی ہے۔ وہ ہسپتال سے کیسے آئے گا؟"
"بس میری خواہش ہے ابو۔ کہ آپ انھیں بھی بلوائیں۔ خواہ کچھ دیر کے لیے سہی۔"
"ٹھیک ہے۔ کل میں دو تین آدمی بھیج دوں گا۔ وہ ہسپتال سے اسد کو لے آئیں گے۔"
اگلے دن کا سورج طلوع ہوا تو پورے گھر میں خوشیاں رقص کر رہی تھیں۔ پھر کوٹھی کو طرح طرح کی آرائشی چیزوں سے آراستہ کیا گیا۔ دس بجے کے قریب بارات کی آمد کا شور مچا۔ اور سڑک پر دور دور تک لمبی لمبی گاڑیوں کی قطاریں لگ گئیں۔
غزل نے پوری تیاری کے بعد آخری مرتبہ اپنا جائزہ لیا۔ سرخ کمخواب کے غرارہ سوٹ میں ملبوس طلائی زیورات سے آراستہ سر سے پاؤں تک وہ کوئی حور لگ رہی تھی۔ گہرا گہرا میک اپ، مانگ میں افشاں، اور سیندور ماتھے پر ٹیکہ جھومر سجائے ناک میں نتھ پہنے وہ بے حد خوبصورت دلہن لگ رہی تھی۔ اپنے آپ سے مطمئن ہو کر اس نے دروازہ کھول دیا۔
سب سہیلیاں اندر آ گئیں۔ ہر کوئی اس کی تعریف کر رہا تھا۔ وہ سب اسے چھیڑ رہی تھیں۔

"توبہ توبہ۔ آج تک ایسی بے شرمی نہیں دیکھی۔ کہ لڑکی خود شادی والے دن اپنا سنگھار کر۔ اور بن ٹھن کر باہر نکلے۔

مگر غزل خاموش تھی اتنے میں مریم آگئی۔

"چلو مریم۔ مجھے نیچے لے چلو" غزل نے دوپٹہ کھینچ کر گھونگھٹ سا نکال لیا۔ سب سہیلیوں نے اسے جھرمٹ میں لے لیا۔

غزل آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتی نیچے آگئی۔ سب مہمان حیرانی سے اسے دیکھنے لگے کیونکہ کسی کو معاملہ کا علم نہ تھا۔ اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

"یہ لڑکی پہلے ہی کیوں آگئی۔ ابھی تو نکاح نہیں ہوا۔ اور ادھر تو عورت بھی کوئی بہت آزاد ہوگی۔"

مگر غزل سب کی سنی ان سنی کرتے ہی ہاروں سے لدے ہوئے بابر کے قریب پہنچ گئی۔

"بابر صاحب!" غزل کی لرزتی ہوئی آواز گونجی۔ سب دم بخود ہو کر اسے دیکھنے لگے۔ "آپ نے شادی کے لئے شرط لگائی تھی۔ کہ آپ شادی سے پہلے مجھے ضرور دیکھیں گے۔ لیکن شاید آپ بھول گئے تھے۔ یہ مشرق ہے مغرب نہیں۔ اس ملک میں اب بھی ہزاروں لڑکیاں ایسی ہیں جو مشرقی اقدار پر جان دیتی ہیں۔ اور میں بھی انہی لڑکیوں میں سے ایک ہوں۔ میں بھی مشرق کی بیٹی ہوں۔ اس کی روایات اور اقدار پر جان دینے والی۔ مگر میں آپ کی وہ خواہش پوری کرنے کے لیے آئی ہوں۔ میں نے بہت چاہا کہ تم اپنی ضد سے باز آجاؤ۔ مگر تم نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا۔ لو دیکھو مجھے۔"

یہ کہتے ہوئے غزل نے اپنا گھونگھٹ پلٹ دیا۔ بابر پلکیں تک جھپکنا بھول گیا۔ یہ سامنے غزل کھڑی تھی یا کوئی حور۔ اتنا بے تحاشا حسن اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سارے مغرب میں بھی کوئی ایسی نظر نہ آئی تھی۔

"اب بتائیے۔ کریں گے مجھ سے شادی؟"

اس نے بابر سے سوال کیا۔

"اچھی طرح دیکھیں اور بتائیں کہ میں پسند ہوں۔"

"ہاں۔"

بابر نے خواب کے سے لہجے میں جواب دیا۔

"تمہیں کون کافر ناپسند کر سکتا ہے۔"

"مگر میں تمہیں ناپسند کرتی ہوں۔ تم بارات واپس لے جا سکتے ہو۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو بیٹی؟"

بابر کے والد اور دوسرے لوگ آگے بڑھے۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ مجھے بابر صاحب سے شادی منظور نہیں۔ اگر میں پہلے انکار کرتی تو سب لوگ یہی کہتے کہ لڑکے نے انکار کر دیا۔ لڑکی میں کوئی کمی ہوگی۔ مگر اب سب لوگ گواہ ہیں۔ کہ میں نے انکار کیا۔ مجھے بابر کا ساتھ منظور نہیں۔"

"غزل اب سوچو کیا کہیں گے سب لوگ کہ بارات واپس چلی گئی۔" رضیہ جلدی سے بولی۔

"لوگ کہیں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ لڑکی نے آج لڑکے کو ٹھکرا دیا ہے۔ رہی بارات کی بات۔ تو بارات جانے سے پہلے میرا نکاح اسد سے ہوگا۔"

غزل محبوب صاحب کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"ابو آپ نہیں جانتے آپ کی بیٹی کس طرح خودداری اور شرم کا خون کر کے یہاں تک آئی تھی۔ مگر میں کیا کرتی ابو۔ اب آپ سوچیں ابو جس شخص نے پہلے ہی معمولی بات کی خاطر شادی سے انکار کر دیا تھا۔ اس سے باقی زندگی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ ابو بابر سے اسد ہزار درجہ بہتر ہے۔ وہ مشرقی اقدار پہ جان دیتا ہے۔ اور میں پڑھ لکھ کر بھی مشرقی لڑکی ہوں۔"

کام کی باتیں

● گھر کے کسی فرد کو اگر "فلو" ہو جائے تو باقی افراد کو اس بیماری سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ آپ سبز پیاز کو کاٹ کر پلیٹ میں پھیلا دیں اور پھر پلیٹ کو مریض کے کمرے میں رکھ دیں۔ فلو کے تمام جراثیم پیاز کی طرف اس طرح لپکیں گے جس طرح پروانہ شمع کی طرف۔ یہ جراثیم بھی پیاز سے ہلاک ہو جائیں گے۔ دو یا تین موٹے موٹے ہرے پیاز اس کام کے لئے کافی ہیں ● دانتوں کا برش اگر ناقابل استعمال ہو جائے تو اس سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کپڑے کو اگر چکنائی لگ جائے تو اس برش کا استعمال کر سکتے ہیں۔ چینی کے برتنوں کی تہیں، سونے کی انگوٹھیاں، بالیاں اور چھوٹے زیورات اس برش سے بالکل صاف ہو جاتے ہیں ● اگر ہم ریگمال کو قینچی سے متعدد بار کاٹیں تو حیرت ناک حد تک قینچی کی دھار تیز ہو جائے گی مگر شرط یہ ہے کہ دھار بالکل ہی کند نہ ہو چکی ہو ● سنگ مرمر کی اشیاء صاف کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ دودھ میں کپڑا بھگو کر اس سے صاف کریں۔ چمکدار اور صاف ہو جائیں گی ● پھولوں کو تر و تازہ رکھنے کے لئے پھول جس گلدان میں ہوں، اس میں صابن کے ٹکڑے ڈال دیں۔ اس سے وہ پھول کافی عرصہ تک تر و تازہ رہیں گے ● اگر منہ میں چھالے ہو جائیں تو کافور اور کتھے کو برابر مقدار میں پیس کر دن بھر میں کئی مرتبہ چھالوں پر چھڑکنے اور رال ٹپکانے سے چھالے جلد اچھے ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ سبز دھنئے کا عرق نکال کر چھالوں پر کئی بار لگانے سے بھی چھالے اچھے ہو جاتے ہیں۔ چھوٹی الائچی چبا کر اس کا تھوک یا رال ٹپکا دیں۔ منہ آنا بند ہو جائے گا ☘

ساجدہ فرزانہ

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا ثواب

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۤءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

"جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اُن کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سَو دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، افزونی عطا فرماتا ہے وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔" (البقرہ)

تشریح :- یعنی جس قدر خلوص اور جتنے گہرے جذبے کے ساتھ انسان اللہ کی راہ میں مال خرچ کریگا اتنا ہی اللہ کی طرف اس کا اجر زیادہ ہوگا جو خدا ایک دانے میں اتنی برکت دیتا ہے کہ اس سے سات سو دانے اُگ سکتے ہیں۔ اس کے کچھ مشکل نہیں کہ تمہاری خیرات کو بھی اسی طرح نشو و نما بخشے اور ایک روپے کے خرچ کو اتنی ترقی دے کہ اس کا اجر سات سو گونہ ہو کر تمہاری طرف پلٹے اس حقیقت کو بیان کرنے کے بعد اللہ کی دو صفات ارشاد فرمائی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ فراخ دست ہے۔ اس کا ہاتھ تنگ نہیں ہے کہ تمہارا عمل فی الواقع جتنی اور جتنے اجر کا مستحق ہو، وہ نہ دے سکے۔ دوسرے یہ کہ وہ علیم ہے، بے خبر نہیں ہے کہ جو کچھ تم خرچ

پودینہ

جناب حکیم عبداللطیف خانصاحب شاجہانی مرحوم

- **کان میں درد اور کان میں کیڑے:۔** اس کے پتوں کا پانی نکال کر نیم گرم کان میں ڈالنے سے کان کا درد دور ہو جاتا ہے اور کیڑے مر جاتے ہیں۔
- **دانتوں کا درد:۔** پتے چبانے سے دانتوں کا درد رفع ہو جاتا ہے۔
- **مسوڑھوں کی کمزوری:۔** اس کو بطور منجن استعمال کرنے سے مسوڑھے مضبوط ہو جاتے ہیں
- **خفقان معدی:۔** دل کی دھڑکن جو معدہ کی خرابی سے ہو اس کے لئے بطور سفوف یا جوشاندہ استعمال کیا جائے تو مفید ہے۔
- **سکنجبین پودینہ:۔** پودینہ خشک ۵ تولہ ایک پاؤ پانی میں جوش دے کر چھان لیں۔ لیموں کا پانی ۲۵۰ گرام اور شکر ایک کلو ملا کر قوام کر لیں یہ سکنجبین صفرا کو زائل کرتی ہے اور غذا کے ہضم میں مدد دیتی ہے۔ خوراک ایک سے دو تولہ تک۔
- **جوہر شفا:۔** ست پودینہ ایک حصہ، ست اجوائن ایک حصہ، مشک کافور دو حصہ، روغن الائچی ایک حصہ، شیشی میں باہم ملالیں۔ سیال مرکب بن جائے گا یہ سیال امرت دھارا، آب حیات وغیرہ مختلف ناموں سے فروخت ہو رہا ہے اور بہت سے امراض اندرونی و بیرونی میں بہت مفید ہے۔ اس کا ہر گھر میں ہونا لازمی ہے۔
- **ست پودینہ:۔** روغن پودینہ کا منجمد قلمی جوہر ہے جو روغن پودینہ کو سرد کیا ہو نچاڑنے سے منجمد ہو کر تہ نشین ہو جاتا ہے۔ اس میں بھی پودینہ کے فوائد ہیں۔
- **روغن پودینہ:۔** روغن لطیف ہے اور پودینہ کے جملہ فوائد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

اللہ کی نعمتیں

نشاط افروز

● مچھلی کے کوفتے

اشیاء:۔ مچھلی ایک کلو۔ زیرہ پچاس گرام۔ سیاہ مرچ کے چند دانے۔ خشخاش دس گرام۔ انڈے تین عدد۔ بھنے ہوئے چنے دس گرام۔ دہی پاؤ بھر۔ ہری مرچ، ہرا دھنیا حسب ضرورت۔

ترکیب:۔ مچھلی کے تمام کانٹے پوری احتیاط سے نکال دیں۔ صفائی کے بعد مچھلی کو سل پر خوب باریک پیس لیں۔ ہری مرچ، انڈے، باریک کتری ہوئی پیاز، ہرا دھنیا ان سب کو اچھی طرح ملا کر چھوٹے چھوٹے پیڑے بنالیں۔ پہلے پیاز کو باریک کاٹ کر گھی میں سرخ کر لیں۔ مصالحہ دہی کے ساتھ گھی میں ڈال کر بھون لیں اور تھوڑا سا پانی ڈالیں۔ جب دو چار ابال آجائیں تو ان مچھلی کے پیڑوں کو ڈال دیں اور پانی خشک ہو جانے پر دم پر رکھ دیں۔ بے حد لذیذ ہوں گے۔

● گاجر کا پلاؤ

اشیاء:۔ گاجر آدھا کلو۔ چاول آدھا کلو۔ گھی سوا سو گرام۔ پیاز ایک گانٹھ۔ زیرہ دس گرام لونگ دس عدد۔ کالی مرچ بیس گرام۔ نمک حسب ذائقہ۔

ترکیب:۔ پہلے گاجروں کو چھیل کر ان کا درمیانی حصہ نکال لیں۔ پھر ایک ایک پورے کے برابر ٹکڑے کر کے گاجروں کو ابال لیں مگر وہ بہت زیادہ نہ گلنے پائیں۔ چاولوں کا خشکہ اس طرح ابالیں کہ وہ زیادہ گلنے نہ پائے۔ پھر گھی میں پیاز کے لچھے سرخ کر کے اس میں گرم مصالحہ چھوڑ دیجیے۔ اور دو ایک مرتبہ چمچہ چلائیے۔ اس میں ابلے ہوئے چاول، نمک اور گاجریں ساتھ ساتھ ڈال لیں اور دم پر رکھ دیں۔ دم آجائے تو اچار یا چٹنی کے ساتھ کھائیں۔ بہت لذیذ پلاؤ بنے گا ❖

آلو سے

آلو کی سیویاں

بدستور آلو کو اُبال کر سل پر باریک پیس ڈالیں اور نمک مرچ مصالحہ ملا کر سیویاں کسی مشین کے ذریعہ بنا کر سکھالیں۔ سوکھ جانے کے بعد تیل میں تل کر فروخت کریں۔ آلو کو اُبال کر ہاتھ سے ٹکڑے کرلیں اور نمک مرچ مصالحہ ملا کر گھی یا تیل میں بھون لیں اس بھونے ہوئے آلو سے میدہ اور بیسن میں لپیٹ کر کوفتے اور سموسے بھی بنا کر فروخت کئے جاسکتے ہیں۔ کوفتے اور سموسے بنانے کے لئے اُن کو تلنے سے پہلے میدہ یا بیسن میں تھوڑا سا میٹھا سوڈا ملا دیا جائے تو پھول کر ملائم اور بڑے معلوم ہونے لگ جاتے ہیں۔

آلو کا حلوہ

آلو ایک کلو، شکر ایک کلو، میدہ ½ پاؤ، کیوڑہ ایک تولہ، گھی آدھ پاؤ، دودھ پاؤ بھر، میٹھا رنگ حسب ضرورت۔

آلو کو اُبال کر پوست دور کر کے باریک پیس لو۔ پھر دودھ میں تھوڑا پانی ملا کر پکاؤ۔ جب کھویا تیار ہو جائے تو اُتار لو اور میدہ کو تھوڑے گھی میں بھون کر کھویا میں شامل کر دو اور بقایا گھی میں تمام کو بھون لو۔ شکر میں پانی ملا کر ایک تار کی چاشنی پہلے سے الگ تیار کر لو اور بھنے ہوئے کھویا میں ملا کر حلوہ تیار کر لو۔ رنگ چاشنی میں ڈال دو حلوہ تیار ہو جانے پر مونگ پھلی اور کشمش حسب ضرورت ڈال کر چھڑک دو۔ ٹھنڈا ہونے پر

کیونکہ ملاوٹ شدہ جلوہ پھیری کے ذریعہ فروخت کیا جا سکتا ہے۔

انمیڈا آلو

دیگچی میں پانی ڈال کر آلو بڑے بڑے جو اس قدر اُبالیں کہ چھلکا آسانی سے دور ہو جائے مگر آلو میں سختی قائم رہے۔ پھر دوبارہ پوست اتار کر دیگچی میں پانی ڈال کر آم کی کھٹائی پیس کر اس پانی میں ڈال دیں اور دوبارہ آلو کو جوش دیں۔ آلو بھی کھانے کے لائق ملائم ہو جائیں گے اور ترشی بھی آلو میں بیٹھ جائے گی۔ جب ترش آلو تیار ہو جائیں تو چٹنی میں چھوڑ دیں۔ خود کھائیں اور پڑوسی کو تحفہ بھیجیں۔

ایک بڑا آدمی

زمبابوے کے وزیراعظم رابرٹ موگابے اپنی قوم کے نجات دہندہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایسے عظیم انسان بھی ہیں جو اپنے بدترین دشمن کو معاف کر دیتا ہے۔ اس کی ایک مثال آزادی سے قبل کے زمبابوے (رہوڈیشیا) کے نسل پرست غاصب سفید فام وزیراعظم ایان سمتھ کے ساتھ مسٹر موگابے کا وہ فراخدلانہ سلوک ہے جو انھوں نے آزاد زمبابوے کا پہلا وزیر اعظم بننے کے موقع پر ایان اسمتھ کے ساتھ کیا۔ ۱۹۶۶ء میں جب ایان اسمتھ حکومت نے مسٹر موگابے کو نعرۂ حق و آزادی بلند کرنے کی پاداش میں پس دیوارِ زنداں بند کر رکھا تھا تو مسٹر موگابے کے اکلوتے صاحبزادے شدید بیمار ہو گئے۔ جب بچے کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو مسٹر موگابے نے اپنے بیٹے سے ملاقات کرنے کی اجازت مانگی مگر سفاک اسمتھ حکومت نے یہ درخواست مسترد کر دی۔ بعدازاں بچہ انتقال کر گیا تو مسٹر موگابے نے تدفین میں شرکت کی اجازت مانگی لیکن اقتدار کے نشے میں چور حکومت نے دکھی باپ کی یہ درخواست بھی نہ کی۔ چودہ سال بعد جب مسٹر موگابے برسرِ اقتدار آئے تو انکے پاس پہلی درخواست ملاقات ایان اسمتھ کی آئی۔ اس عظیم انسان نے نہ صرف یہ کہ درخواست مسترد نہیں کی بلکہ جتایا تک نہیں کہ اس کی حکومت نے ان کے ساتھ کیا مظالم کئے تھے

بچوں میں

اسلامی شعور بیدار کرنے والی آسان اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
اندھیروں کے گرفتار	۵/۵۰	بنت حوا	۱/۴۰	خانہ آبادی	-/۸۰	مہمان ریچھ	-/۶۰
امہات المومنین حضرت عائشہ	۲/۵۰	بھولے بھیا	-/۵۰	خدیجۃ الکبریٰ	-/۵۰	میں نے مضمون نویسی کیسے سیکھی؟	-/۶۰
امانت کا بوجھ	۲/-	بہت خوب	-/۷۰	دودھ کا پوت	-/۷۰	مرحلے	۲/-
ایک شہر ایک کہانی	۱/۵۰	بنت اسلام	۱/۸۰	دانا حکیم	۱/۴۰	مزدور یا فرشتے	۱/-
اچھی بچی اور مزیدار باتیں	-/۷۵	بڑوں کی مائیں	۱/۲۵	دانا حکیم کی دانا بیٹی	-/۴۰	مرد ناداں	۲/۵۰
اسلامی تہذیب و آداب	۱/-	بشریٰ کے خطوط	۱/-	دو انسان ایک کردار	۲/-	نقلی شہزادہ	۳/۵۰
ابرہہ بادشاہ	-/۷۰	پیشین گوئیاں	۱/۲۵	زبان کا زخم	۱/-	ولی کا سایہ	-/۵۰
[illegible] بیٹا	۲/۵۰	پھول کی پتی	۱/۵۰	سچے افسانے	۲/-	جہاں [illegible] اول	۱/۷۵
اچھی نظمیں اول دوم سوم	۱/-	پیارے نبی کے پیارے قصے	۱/۷۵	شہزادہ توحید	۱/-	جہاں [illegible] دوم	۱/۷۵
ابتک یا صبح	۲/۲۵	ترجمتی کہانیاں اول تا چہارم		طویلے کی بلا	۱/-	[illegible] کا جگر	۴/-
ایک افسانے	۳/-	ترکستان سے ترکی تک سیٹ	۲/- ۲/-	فیصلے	۲/۴۰	ہم بچے ہیں	۲/-
ایک [illegible] کردار	۱/۲۵	جنتی بچے	-/۸۰	۹۹ گل سبد	۱/-	ہندوستانی عورت	۱/۵۰
اشرف کا بچپن	-/۷۵	جانباز ساتھی	۲/-	گڈو کے گیت	-/۴۰	جہاز ابن بطوطہ	۴/-
یوسف کی تلاش	-/۷۰	حضرت عمر ثانیؒ	۲/۵۰	گڈو کی گڑیا	-/۴۰	اسلامی شریعت [illegible]	۲/۵۰
بدنصیب	۱/۴۰	خواتین کے دل کی باتیں	۳/-	گڑیا کا دھاگہ	۱/-		

مرکزی مکتبہ اسلامی ہند، چتلی قبر ۱۲۵۳ دہلی ۶

HIJAB (URDU MONTHLY) Rampur (U P.) 244901
Regd. No. R.N. 20384/70 MRD No. 34
FEBRUARY 1984

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ

حجاب

حجاب

رام پور

ماہنامہ حجاب کی قیمت میں اضافہ

ہم حلقۂ حجاب کی خدمت میں ایک بار پھر یہ ناخوشگوار اطلاع دے رہے ہیں کہ اشیاء کی روز بروز بڑھتی ہوئی قیمتوں اور ڈاک کے بے تحاشہ بڑھتے ہوئے چارجز کی وجہ سے ہمیں ماہنامہ حجاب کی قیمت میں اضافہ کرنا پڑ رہا ہے۔

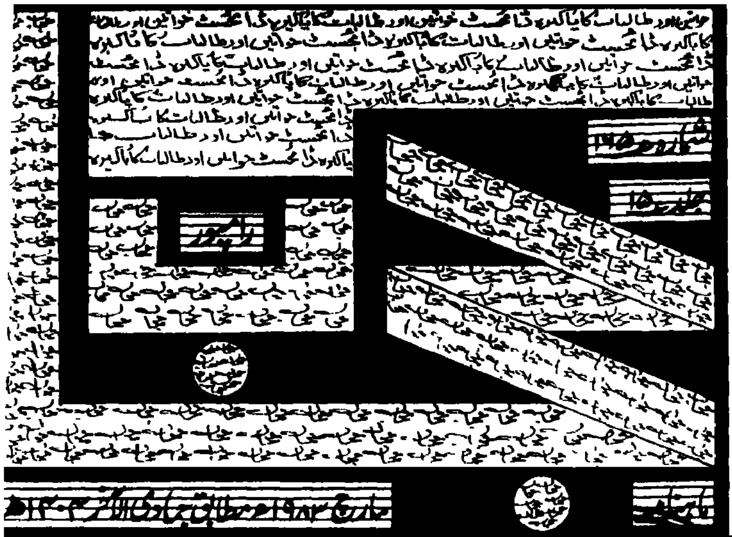
اِس سلسلے میں ایک بات جس کی وضاحت بیحد ضروری ہے، یہ ہے کہ پہلے محکمۂ ڈاک زائد سے زائد سال میں ایک بار ڈاک خرچ میں اضافہ کرتا تھا لیکن اب صورتحال یہ ہے کہ کسی وقت بھی اعلان کر دیا جاتا ہے کہ اب پوسٹیج چارجز میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ دو سال سے یہی ہو رہا ہے۔ پچھلے ۶ ماہ میں تو دو بار یہ اضافے کئے گئے ہیں۔ یہ صورتِ حال اتنی سنگین ہے کہ ہمیں بھی سوچنا پڑتا ہے۔ ہمیں پورا اندازہ ہے کہ حجاب کی قیمت میں یہ اضافہ حلقۂ حجاب کے لئے بھی گراں ہے لیکن جو مجبوریاں ہیں اُن کا اندازہ بہرحال ہمارے تمام کرمفرماؤں کو ہے اور ایسے ہر موقع پر انھوں نے اپنا بھرپور تعاون ہمیں دیا ہے۔ اسی بھروسے پر ہم حجاب کے ایجنٹ اور خریداران سے پوری اُمید کرتے ہیں کہ وہ اس بوجھ کو پوری قوت سے برداشت کریں گے۔ ساتھ ہی کوشش فرمائیں گے کہ حجاب کی تعدادِ اشاعت میں اضافہ ہی ہو۔ شکریہ!

چنانچہ اس شمارے یعنی مارچ ۱۹۸۴ء سے:-

حجاب کے ایک پرچے کی قیمت ---------------- Rs.5/- ---- پانچ روپیہ

سالانہ چندہ معہ رجسٹری فیس سالنامہ (خاص نمبر) ---- Rs. 55/- ---- پچپن روپیہ

تجربے نے ہمیں بتایا ہے کہ خاص نمبر سادہ ڈاک سے ہرگز نہ بھیجا جائے۔ 'منیجر'



مدیر مائل خیرآبادی

زرِتعاون : سالانہ معہ رجسٹری فیس سالنامہ ۵۵ روپیہ ٭ یہ شمارہ ۵ روپیہ

اِس دائرے میں سُرخ نشان اِس بات کی علامت ہے کہ اس شمارے سے آپ کے سالانہ چندے
میعاد ختم ہوگئی ۔ آئندہ کے لئے زرِتعاون عنایت فرمائیں ۔ اگر آئندہ سرپرستی منظور نہ ہو تو ایک
کے ذریعہ منع فرمادیں تاکہ ہم وی پی نہ بھیجیں ۔ ' منیجر حجاب ۔ رامپ

پرو پرائٹر، پرنٹر، پبلشر محمد اسحاق ، مقام اشاعت بارہ دری محمود خاں رامپور ، مطبوعہ متّا آفسٹ

در پردهٔ حجاب

[ر]وحانیات

[م]سائل وسائل

زمانے کی گواہی

افسانے اور کہانیاں

مقالات ومضامین

منظومات

فارم ۴ تحت ضابطہ ۸

نقشہ بابت ملکیت و دیگر تفصیلات برائے ماہنامہ حجاب رامپور یوپی

مقام اشاعت: محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور یوپی۔ پرنٹر کا نام و پتہ: محمد اسحٰق مائل خیرآبادی محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور۔ پبلشر کا نام و پتہ: محمد اسحٰق مائل خیرآبادی محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور۔ ایڈیٹر کا نام و پتہ: محمد اسحٰق مائل خیرآبادی محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور۔ نام و پتہ: محمد اسحٰق مائل خیرآبادی محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور۔ مالکانِ اخبار: مالک بلا شرکت غیرے محمد اسحٰق مائل خیرآبادی۔ میں محمد اسحٰق مائل خیرآبادی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم اور یقین کی حد تک بالکل درست ہیں۔

محمد اسحٰق مائل خیرآبادی یکم مارچ ۱۹۸۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

"حجاب" مارچ ۱۹۸۴ء کے اس شمارے میں آپ کچھ تبدیلی دیکھیں گے۔ 'حجاب' کی قیمت میں اضافے کی بات تو آپ پہلے صفحہ پر پڑھ چکے کہ اب ایک پرچہ کی قیمت ۵ روپیہ ہو گئی ہے۔ دوسری تبدیلی یہ کی گئی ہے کہ 'حجاب' کا سائز بڑھا دیا گیا ہے۔ پچھلے شمارہ تک حجاب ۲۲×۳۰ سائز پر چھپتا تھا، اب ۲۲×۳۳ پر آ گیا۔ ۲۲×۳۰ سائز کا کاغذ بڑی مشکل اور پریشانیوں کے بعد ملتا تھا اس لئے مجبوراً ہمیں ۲۲×۳۳ سائز کا کاغذ لینا پڑا حالانکہ یہ بڑے سائز کا کاغذ زیادہ قیمت دے کر لینا پڑا۔ یہ سائز آسانی سے بازار میں مل جاتا ہے۔

مضامین کی ترتیب میں بھی کچھ تبدیلیاں نظر آئیں گی۔ 'زمانے کی گواہی' جو حجاب کا ایک مستقل کالم ہے، اس عنوان سے ہم خبریں اور ان خبروں پر تبصرہ دیتے رہے ہیں لیکن محکمۂ ڈاک کا اصرار ہے کہ خبریں زیادہ سے زیادہ ہوں تب ہی رجسٹرڈ نمبر کی تجدید ہو گی ورنہ نہیں۔ یہی وجہ ہوئی کہ افہام و تفہیم کے بعد ہم کو ایک ماہ کی تاخیر سے رجسٹرڈ نمبر ملا۔ ہمیں دلچسپ بات یہ ہے کہ 'حجاب' ہی اس اعتراض کی زد میں آجاتا ہے، باقی اور جو ماہنامے شائع ہوتے ہیں وہ سب محکمہ کے حسبِ منشا مضامین ترتیب دیتے ہیں اور ان سب میں نیوز کا جزو زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ حلقۂ حجاب سے درخواست ہے کہ وہ اس تقابل کے لئے دوسرے ماہنامے ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ ہم محکمۂ ڈاک کے ممنون ہیں کہ وہ انصاف سے کام لیتا ہے۔

'رسولِ کریم نمبر' کے بارے میں علمائے کرام کی طرف سے بھی ہمیں بڑے حوصلہ افزا خطوط ملے اور دعائیں بھی۔ ہم نے اس سلسلے میں انفرادی خطوط بھیجے تو لیکن سب کو نہ بھیج سکے، اور اتنی بڑی تعداد میں جواب دینا ہمارے لئے ممکن بھی نہ تھا۔ لہٰذا اس حجاب کے ذریعہ ہم بھی ان سب صاحبان کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہان میں سرخرو فرمائے۔ آمین!!

علی تمنا مبارکپوری۔ محلہ پرانی بستی۔ ڈاکخانہ مبارکپور اعظم گڑھ

تحفۂ کردگار ہے لڑکی

کوئی لڑکی جو ہوتی ہے پیدا
پھیل جاتا ہے گھر میں سناٹا

سانپ سینے پہ لوٹ جاتا ہے
ہوش رہتے نہیں کسی کے بجا

سوگ جیسا سکوت ہوتا ہے
شاد رہتا نہیں کوئی چہرا

ذکر ہوتا ہے رات دن گھر میں
نامرادی کا، بدشگونی کا

گودیاں سب کی تنگ ہوتی ہیں
حیف ایسا نصیب لڑکی کا

کس قدر ناصبور ہے انساں
کچھ نہیں پاس مرضیٔ رب کا

لوگ کہتے ہیں 'لڑکی نعمت ہے'
جھوٹ ہے جھوٹ! اُن کا یہ کہنا

اک فریبِ خیال ہے یہ تو
اِس میں کیا شائبہ حقیقت کا

دیکھ کر ماں کی گود میں اس کو
کون کرتا ہے شکر کا سجدہ

جو سلوک اس کے ساتھ ہوتا ہے
اس سے محسوس ہوتا ہے ایسا

گھر میں وہ سر بسر مصیبت ہے
بار، گویا وجود ہے اس کا

پالنا لاڈ پیار سے اس کو
واقعی ہے خسارے کا سودا

اس کی دلجوئی کیوں کرے کوئی
وہ سہارا نہیں بڑھاپے کا

تربیت اس کی کیوں کرے کوئی — اس میں کچھ فائدہ نہیں اپنا
خانہ داری کے سیکھ کر انداز — گھر سنوارے گی وہ پرائے کا
لیکن اِس طرح سوچتا ہے وہی — جس نے گہرائی سے نہیں سوچا

تحفۂ کردگار ہے لڑکی
کاش اِنسان یہ سمجھ سکتا

وہ محبت کا ایک پیکر ہے — اس کی ہے ہر ادا وفا پیشہ
دیدہ و دل کا وہ اُجالا ہے — واقعی وہ جگر کا ہے ٹکڑا
جِس کے گھر میں وہ جنم لیتی ہے — اس پہ کھلتا ہے باب رحمت کا
گوہرِ معدنِ حیات ہے وہ — اس کا بے حد بلند ہے رتبہ
آدمیت کی آبرو ہے وہ — ختم ہے اُس پہ نعمت عظمیٰ
اس کے دم سے ہیں رونقیں ساری — اُس کی ہر سانس ہے گرانمایہ
وہ نہ ہوتی اگر شریکِ کار — گھر کا ہوتا کچھ اور ہی نقشہ
پاؤں اسس کے کبھی نہیں تھکتے — شاق ہوتا ہے اسس کو دم لینا
جب اُٹھاتی ہے ہاتھ میں جاروب — گھر کو کر دیتی ہے وہ آئینہ
وہ ہمہ وقت رہتی ہے مصروف — اس کو فرصت نہیں کسی لمحہ
کم سنی میں بھی وہ اُٹھاتی ہے — دوش پر بار گھر گرہستی کا
اپنے ہر فرض کو سمجھتی ہے — جانتی ہے ہر ایک کا رتبہ
جب صدا دو تو ایسے آتی ہے — جیسے بادِ نسیم کا جھونکا
فکر میں رات بھر نہیں سوتی — دیکھتی ہے جو ماں کو افسردہ
کوئی آفت جو گھر پہ آتی ہے — آنسوؤں کا بہاتی ہے دریا
گھر میں ہوتا ہے جب کوئی بیمار — رات کی رات مانگتی ہے دعا

دردمندی ہے اس کی فطرت میں
دل میں رہتی ہے خیر کا جذبہ

مانگتی ہے جو ماں ذرا پانی
لے کے فی الفور آتی ہے کوزہ

ماں پہ ایسے نثار رہتی ہے
شمع پہ جیسے کوئی پروانہ

کچھ جو ملتی ہے کام سے فرصت
یاد کرتی ہے وہ سبق اپنا

پڑھنے لکھنے میں غرق رہتی ہے
یہی ہوتا ہے مشغلہ اُس کا

انسیت رکھتی ہے ہنر سے بھی
کرتی ہے احترام ہر فن کا

روز ہی کچھ نہ کچھ بناتی ہے
جھاڑ، فانوس، جھالریں، طغرے

گڑیاں ایسی کہ دیکھتے رہیئے
کتنا موزوں ہے پیرہن اُن کا

کیسے کیسے حسیں کھلونے ہیں
شیر، خرگوش، فاختہ، مینا

دست کاری ہے یہ کہ جادو ہے
ابرقوں کا حسین گل دستہ

ننھے ننھے ظروف مٹی کے
یہ رکابی، گلاس اور گھڑا

ہاتھ میں اس قدر ہے تیز روی
جیسے کوئی مشین کا پرزہ

انگلیوں میں ہے اتنی مشاقی
ایک دو دن میں بنتی ہے موزہ

سادہ کپڑوں پہ ایسی گلکاری
منھ چھپاتا پھرے چمن اپنا

کتنی ذی فہم ہوتی ہے لڑکی
اس کے ہر کھیل میں ہے اک نکتہ

گھر گھروندے دلیل ہیں اس کی
وہ بناتی ہے گھر کا منصوبہ

خانہ سازی ہے اُس کی فطرت میں
گھر سے ہوتی نہیں وہ بے پروا

دال، چاول، شکر، نمک، گندم
رکھتی ہے وہ حساب اک اک کا

جانتی سب ہے پھر بھی دادی سے
پوچھ کر ہی پکاتی ہے کھانا

کھا پکا کے جو پاتی ہے فرصت
آگے دادا کے رکھتی ہے حقہ

مہر و اُلفت سے کام ہے اس کو　　خوش مزاجی ہے اس کا سرمایہ
مصلحت ناشناس ہوتی ہے　　ذہن ہوتا ہے اُس کا پاکیزہ

اِتنا کچھ کرکے بھی کوئی لڑکی
جھیلتی ہے حیات کا صدمہ

خیر سے جب جواں وہ ہوتی ہے　　پھر تو ہوتا ہے کچھ عجب نقشہ
اس کو ایسا گمان ہوتا ہے　　ہو گیا اُس کا کچھ سبک پلّہ
دیکھ کر والدین کے چہرے　　بھانپ لیتی ہے مدعا دل کا
جیسے وہ بار ہو گئی گھر پر　　دل میں ہوتا ہے یہ گماں پیدا
کچھ زباں سے مگر نہیں کہتی　　نامناسب ہے لب کشا ہونا
کتنی مجبور ذات ہے اس کی　　کچھ نہیں صبر کے سوا چارہ

غم سہے اور ٹھوکریں کھائے
اشک پینا نصیب ہے اس کا

ذہن میں جب یہ بات آتی ہے　　غم جدائی کا جھیلنا ہوگا
سوچ کر ہی وہ کانپ اٹھتی ہے　　چھوٹ جائے گا ساتھ سکھیوں کا
ہائے افسوس! بھائیوں سے بھی　　ٹوٹ جائے گا ایک دن رشتہ
میرے اپنے حسیں کھلونے بھی　　حق وفا کا نہ کر سکیں گے ادا
ہوں گے دیوار و در بھی بیگانے　　دم جو بھرتے ہیں آشنائی کا

کتنی با ظرف ہوتی ہے لڑکی
اُس کو ہوتا نہیں کسی سے گلا

دیکھ کر ریت ساری دنیا کی　　بھول جاتی ہے رنج و غم اپنا
لوگ شام و سحر چراغ بکف　　ڈھونڈتے ہیں گلی گلی رشتہ

مال و دولت اگر نہیں گھر میں — اچھا لڑکا کہیں نہیں ملتا
گویا شادی غریب لڑکی کی — آج ہے جوئے شیر کا لانا
خیر کچھ بھی ہو فرض ہے شادی — دوسرا تو نہیں کوئی رستہ
اپنے گھر میں جوان لڑکی کو — عمر بھر کوئی رکھ نہیں سکتا
لاکھ ناز و نعم کی پالی ہو — پھر بھی سب چاہتے ہیں چھٹکارا

ماں کو ہر وقت فکر رہتی ہے
بوجھ لڑکی سے جلد ہو ہلکا

الغرض وہ گھڑی بھی آتی ہے — گھر میں ہوتا ہے جشن شادی کا
میہمانوں کی بھیڑ لگتی ہے — ہفتوں رہتا ہے ایک میلہ سا
پاؤں دھرنے کو بھی کہیں گھر میں — خالی ملتا نہیں کوئی گوشہ
رشتے ناتے کے لوگ آتے ہیں — خوب رہتا ہے رات دن ریلا
گیت خوشیوں کے گائے جاتے ہیں — بجتا رہتا ہے رات دن باجا
رنگ رلیاں منائی جاتی ہیں — لے کے بارات آتا ہے دولہا
گونجتی ہے فضا میں شہنائی — پھوٹتا ہے زمین سے نغمہ
یہ گھڑی بھی عجیب ہوتی ہے — رقص کرتی ہیں عورتیں کیا کیا
پھلجھڑی چھوٹتی ہے خوشیوں کی — اُمڈا پڑتا ہے نور کا دھارا

قہقہہ زار رہتی ہے محفل
رسمیں ہوتی ہیں ایک ایک ادا

صحن میں لوگ بیٹھ جاتے ہیں — قاضی پڑھتا ہے عقد کا خطبہ
عقد سے جب فراغ ہوتا ہے — دور چلتا ہے کھانے پینے کا
شغل یہ بھی عجیب ہوتا ہے — حال ہوتا ہے دیدنی سب کا

کوئی رکھتا ہے ناک پر رومال — اور کوئی کھجاتا ہے ماتھا
کوئی کہتا ہے روٹیاں لاؤ — کوئی کہتا ہے بوٹیاں دینا
کوئی کہتا ہے اے مرے بھائی — قاب تھوڑا ادھر بھی سرکانا

قورما، شیرمال، بریانی
نعمتیں سب ہیں نام کیا لینا

کچھ بھی ہو لازمی ہے شادی میں — سارے باراتیوں کا دل رکھنا
ہاتھ کھینچا ذرا جو خدمت سے — ان کو رہ جائے گا سدا شکوہ
اس سے ہر ایک خوف کھاتا ہے — لگنے پائے نہ نام پر بٹّہ
فکر سب کو یہی تو رہتی ہے — کچھ بھی ہو جائے سر نہ ہو نیچا
ساز و سامان کی نمائش بھی — اب ہے شادی کا لازمی حصہ
حسبِ خواہش اگر جہیز نہ ہو — ڈوب جاتا ہے دل براتی کا

پوچھتے ہیں سبھی یہ دولہا سے
تم کو سسرال سے ملا کیا کیا

سیکڑوں خوبیاں ہوں لڑکی میں — کوئی اُن پر نظر نہیں کرتا
کیا حقیقت ہے مال و دولت کی — اس سے لڑکی کو تولنا کیسا
سیم و زر کی چمک دمک کیسی — سب پہ بالا ہے جسم کا رشتہ
قابلِ قدر ہوتی ہے لڑکی — ذات اُس کی ہے ارفع و اعلیٰ
وہ تو خود ہی وجود میں اپنے — لے کے آتی ہے نسل کا ثمرہ
کوئی شے اس سے بڑھ کے کیا ہوگی — ہے اسی پر مدار دنیا کا

اس کے قدموں کے نیچے برکت ہے
اس کے لب پہ ہے خلد کا مژدہ

سوچئے اس پہ کیا گزرتی ہے — چھوڑتی ہے وہ اپنا جب میکہ
رخصتی اُس کی اک قیامت ہے — اس کو ڈستا ہے ایک اک لمحہ
اس طرف کس کا دھیان جاتا ہے — کس کا بیدار ذہن ہے اتنا
جس پہ سو جان سے وہ مرتی تھی — وہ مکاں بھی نہ اب رہا اس کا
اپنے میکے سے پیار کرتی ہے — موڑ لیتی ہے پھر بھی منہ اپنا
جب دلہن بن کے وہ نکلتی ہے — غم سے ہوتی ہے سوگوار فضا
پاؤں رکھتی ہے جب وہ ڈولی میں — اس کا قابو میں دل نہیں رہتا
ماں کی جانب نظر جب اٹھتی ہے — کرتی ہے چیخ چیخ کر گریہ
دیکھ کر بھائی بہنوں کے چہرے — ذہن مفلوج ہوتا ہے اس کا
باپ کی سسکیاں جو سنتی ہے — غم سے ہوتا ہے دل تہ و بالا
ہوک اٹھتی ہے دل میں رہ رہ کر — جب خیال آتا ہے پڑوسی کا

بس یہ لڑکی ہے جو غمِ فرقت
جھیل جاتی ہے یک و تنہا

جب محافے میں آتی ہے کچھ دور — جانتی ہے حقیقتِ دنیا
دل سنبھلتا ہے اس حقیقت سے — ہے مسافر یہاں کا ہر ذرّہ
جب اُسے کچھ قرار آتا ہے — جائزہ لینے لگتی ہے اپنا
مجھ کو کیا کیا سلیقے آتے ہیں — جن سے تعمیر ہو نئی دنیا
کیا کروں گی کہ میرے دم سے کبھی — منتشر ہو سکے نہ شیرازہ
کس طرح مجھ کو زندہ رہنا ہے — دل کسی کا نہ ہو سکے میلا
اپنی تعمیرِ شخصیت کے لئے — وہ بناتی ہے ذہن میں نقشہ
زندگی کے سنوارنے کا اُسے — ہونے لگتا ہے حوصلہ پیدا

جب وہ دل میں یہ عہد کرتی ہے میں سجاؤں گی جنّتِ فردا

یاد آتا ہے لفظ لفظ اُسے

کبر سن باپ کی وصیت کا

پاؤں رکھنا سنبھال کر بیٹی خار سے ہے بھرا ترا رستہ

خود کو رکھنا حیا کے پردے میں طور اچھا نہیں زمانے کا

ہو نہ جانا حدود سے باہر حلقۂ اِحتیاط میں رہنا

داغ لگنے نہ پائے دامن پر پاس رکھنا پدر کی عزت کا

حرص ہرگز نہ کرنا دولت کی جاننا اِس کو زہر کا پیالہ

لوگ دولت کو آگ کہتے ہیں اس سے دامن کو دور ہی رکھنا

دِل میں رکھنا طمع محبّت کی بیش از بیش ہے یہ گنجینہ

فاقہ ہو تو جنابِ زینب سے حوصلہ مانگنا قناعت کا

سارے فتنے یہی جگاتی ہے خواب تک دیکھنا نہ دولت کا

سامنے سیدہ کی سیرت ہو اِس سے بہتر نہیں کوئی گہنا

حق تعالیٰ پسند کرتا ہے اشک آلود، غم زدہ چہرا

سختیاں زندگی میں آئیں گی لیکن اُن سے کبھی نہ گھبرانا

نیک اعمال سے رہے یاری ان سے ہرگز نہ توڑنا رشتہ

لاکھ پرخاش ہو زمانے کو تم کسی سے نہ دشمنی رکھنا

سرگرانی رہے، کہ غصہ ہو اَپنے ایثار سے نہ باز آنا

بیٹی اِکا نٹا جو بوئے رستے میں اس کے اُوپر بھی پھول برسانا

حسن اخلاق اک بڑی شے ہے معصیت کا یہی ہے کفارہ

اَپنے پلّو میں باندھ لو۔ بیٹی تم کو تحفہ ہے یہ نصیحت کا

دیکھو اُونچی نہ ہو کبھی آواز اپنے بس میں زبان کو رکھنا
اور بیٹی یہ بات بھی سُن لو صبر سے کوئی پھل نہیں میٹھا

کھوٹ رکھا نہ اپنے دل میں اگر
بال بیکا کبھی نہیں ہوگا

باپ کی بات دل میں دہراتی طے وہ کرتی ہے راستہ اپنا
جز غم و یاس اُس کے سینے میں ہے اگر کچھ تو بس غمِ فردا
اک اُجالے کو آنکھ ترسے گی چھا گئی رات، دن ہوا پورا
جب خسارہ لکھا ہو قسمت میں نفع پھر زندگی میں کیا ہوگا
اپنی دولت، نہ اپنی پونجی ہے غیر کا سب ہے، کچھ نہیں اپنا
دور منزل ہے راستہ دشوار اور کچھ ساتھ میں نہیں توشہ
لے چلی ہے ہوا سفینے کو حق تعالیٰ ہے ناخدا اپنا
جسم کو جس نے رُوح بخشی ہے ہے نگہباں بھی وہی اُس کا

راستے گو پُر خطر ہیں مگر
ہوں ارادے قوی تو کیا خطرہ

جب دلہن بن کے وہ نئے گھر میں پاؤں رکھتی ہے لے کے نامِ خدا
دیکھتی ہے وہ اجنبی چہرے اس کو ملتی ہے اک نئی دُنیا
کیسے کیسے خیال آتے ہیں دل میں ہوتے ہیں وسوسے پیدا
ذہن میں ناچتے ہیں اندیشے سوچتی ہے مآلِ زیست اپنا
رفتہ رفتہ مگر اُٹھاتی ہے ایک اک بار اس نئے گھر کا
سب کے دل کو ٹٹولتی ہے وہ جانچتی ہے مزاج اک اک کا
ساس کرتی ہے جب نظر اس پر بھیگ جاتا ہے خوف سے ماتھا

امتحاں گاہ ہوتی ہے سسرال — سچ ہے اہل نظر کا یہ کہنا

اب وہ آزادیاں کہاں اس کی — اب تو ہر ہر قدم پہ ہے پہرا
گھر سے باہر نکل نہیں سکتی — کھنچ گیا اس کے گرد اک حلقہ
بات بھی سب سے کر نہیں سکتی — کھل کے ہنسنا بھی جرم ہے اس کا
آ کے سسرال ہو گئی محکوم — شاہزادی سمجھتا تھا میکہ

اب کسی چیز پر نہیں قابو
اب تو ہر شے سے اٹھ گیا قبضہ

ہو گئے ترک مشغلے سارے — بجھ گیا اس کے شوق کا شعلہ
بے نیازی کی عمر ہے لیکن — ہو گئی ہے ابھی سے سنجیدہ
کام دیکھو تو ہے بڑی بوڑھی — سن کو دیکھو تو ہے لڑکپن کا
اس کو فرصت کہاں ہے اب اتنی — اب تو اس کو ہے گوندھنا آٹا
کپڑے دھوتی ہے پانی بھرتی ہے — اس کے ذمہ ہے رات دن دھندا
اپنے شوہر کا دھیان رکھتی ہے — دل میں خدمت کا اتنا ہے جذبہ
منھ اندھیرے ہی سو کے اٹھتی ہے — ہو گیا خواب نیند بھر سونا
اپنے گھر کو سنوارنے کے لئے — جھیلتی ہے مشقتیں کیا کیا
کب وہ ہوتی ہے کام سے غافل — ہر گھڑی رہتی ہے کمر بستہ
اس کا شیوہ ہے نرم گفتاری — تلخ ہوتا نہیں کوئی فقرہ
سب کی کرتی ہے ناز برداری — پھر بھی رہتا ہے ساس کو شکوہ
سنتی رہتی ہے جھڑکیاں پہروں — کام اس سے اگر کوئی بگڑا
کوئی غصہ سے دیکھتا ہے اگر — بہہ نکلتا ہے آنکھ سے دریا
دکھ سے اس کو کبھی نجات نہیں — صورتِ شمع ہے اسے جلنا

احتجاجاً اگر زباں کھولے — حرف آئے زباں درازی کا
ہو گئی بوجھ زندگی اس کی — فکر نے ہر طرف سے آگھیرا
ہر گھڑی فکر ہے تردّد ہے — ہو گیا زرد پھول سا چہرہ
حیف لڑکی کی یہ زبوں حالی — ہو گئی زیست درد کا نوحہ

کس سے آخر کوئی سوال کرے
ظلم لڑکی پہ تابکے ہوگا

جس کی تعظیم کی رسولوں نے — آج بھی اس کا پست ہے درجہ
جبکہ وہ آبروئے ہستی ہے — شاد و آباد اس سے ہے دُنیا
وہ نہ ہوتی تو باغِ عالم میں — کیسے آدم کا پھیلتا کنبہ
اس سے باقی ہے نوعِ انسانی — اس سے قائم ہے نظم خلقت کا
کیا ستم ہے کہ باوجود اس کے — غم اٹھاتی ہے دخترِ حوّا

غور کا ہے مقام اے مختار
خونچکاں ہے بہت یہ افسانہ

(بشکریہ "نیا دَور")

اقوالِ زرّیں

○ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جو سنے اس کو تحقیق کے بغیر بیان کر دے۔
(نبی کریمؐ)

○ گفتگو میں اختصار سے کام لو، طول کلامی ذہنوں کو ضائع کر دیتی ہے (صدیق اکبرؓ)

○ سخاوت کر کے احسان جتانا کمینہ پن ہے۔ (حضرت علیؓ)

○ جس انسان میں خودداری نہیں وہ سب کچھ ہے لیکن انسان نہیں۔
(شاہ ولی اللہ)

اخلاق حسنہ

یہاں گفتار اور کردار میں لازم ہے یک رنگی — بشر کو چاہیئے وہ اپنے قول و فعل کو تولے

نصیحت کی جگہ حسنِ عمل درکار ہے ناصح! — یہ بہتر ہے کہ لفظوں کے بجائے زندگی بولے

اسلام میں اچھے اور بلند اخلاق کی بڑی اہمیت ہے۔ پیارے نبیؐ کا ارشاد گرامی ہے "تم میں سب سے بہتر وہ ہیں کے اخلاق اچھے ہوں۔" (بخاری، مسلم)۔ اور فرمایا "عمل کی ترازو میں سب سے زیادہ وزنی چیز انسان کے اخلاق ہوں گے۔" سورہ فرقان میں اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کے یہ اخلاق اوصاف بتائے ہیں "خدائے رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں اور جاہل اور نافہم لوگ اُن سے الجھتے ہیں تو انھیں سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں، (جو) اپنے رب کے حضور قیام و سجود میں رات گزارتے ہیں۔" سرورِ کائناتؐ نے ارشاد فرمایا "میں اللہ کی طرف سے اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کی تعلیم دوں اور انھیں کمال تک پہونچاؤں" یعنی آپؐ اپنی نبوت کا مقصد یہ بتاتے ہیں کہ لوگوں کے اخلاق اور معاملات کو درست کر کے اُن کے بُرے اخلاق کی جگہ اُن میں بہتر اخلاق پیدا کریں۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حسنِ اخلاق کی تعریف اس طرح کرتے ہیں "حسنِ اخلاق نام ہے ہنس مکھ رہنے کا، مال خرچ کرنے کا اور کسی کو تکلیف نہ دینے کا۔" حضورؐ سے پوچھا گیا "وہ کون سی صفت ہے جو انسان کو جنت میں لے جاتی ہے؟" آپؐ نے فرمایا "اللہ کا خوف اور اچھے اخلاق۔" اور فرمایا "اچھے اخلاق والے مومن کو دنوں کے روزوں اور راتوں کے قیام (یعنے نفل نمازوں) کا ثواب ملتا ہے۔" دیکھا آپ نے! اچھے اخلاق کی کتنی اہمیت ہے۔ ایک اور واقعہ سنئے! ایک مرتبہ کسی صحابیؓ نے رسول اللہؐ سے عرض کیا "یا رسول اللہ فلاں خاتون بہت زیادہ عبادت گزار ہیں۔ فرائض کے علاوہ تمام نفلی نمازیں اور نفلی روزے ادا کرتی ہیں۔ ہر سال حج ادا کرتی ہیں، خیرات دیتی رہتی ہیں مگر زبان دراز اور سخت گفتار ہیں۔ محلے والے اور تمام لوگ اُن سے پناہ مانگتے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا "وہ دوزخ میں جانے والی ہے۔" صحابیؓ نے پھر عرض کیا "یا رسول اللہ! فلاں عورت نفلی عبادت نہیں ادا کرتی، صرف فرض عبادت ادا کرتی ہے مگر ایسی شیریں گفتار خوش اخلاق ہے کہ لوگ اس کی طرف جھکے پڑتے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا "وہ جنت میں جائے گی۔" اخلاق کی اہمیت سمجھنے کے لئے یہ ایک حدیث کافی ہے۔ ساجدہ فرزانہ

آج کا حاتم

اُردو ادب کا ایک معجزہ

مدیر حجاب نے اپنے اداریے میں اس بات کا کھل کر اعتراف کیا ہے کہ خود اللہ نے اس کہانی کے پلاٹ کو اُن کے ذہن میں ڈالا ہے۔ میں اس بات کی پرزور تائید کرتا ہوں کہ جب تک اللہ کی خاص مرضی اور حکم شاملِ حال نہ ہو ایسی بیباک، والہانہ اور جذب و کیفیت سے بھرپور تحریر صفحۂ قرطاس پر نہیں آسکتی۔

حاتم طائی کی اصل کہانی کا بیشتر حصہ اگرچہ خیال آرائی پر مبنی ہے لیکن یہاں آج کے حاتم کے SYMBOLIC کردار کے ذریعہ فاضل ادیب نے جو مقصدی کام لیا ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ موصوف نے چودہ سو سال پہلے کے حاتم کو آج کے سائنسی دور میں اس طرح پیش کیا ہے جیسے انسان چاند پر جا رہا ہو۔ جناب مائل خیرآبادی کی شخصیت کا جہاں تک تعلق ہے، میرے اندازے کے مطابق ایک دینی اور مذہبی شخصیت ہے لیکن اس کہانی نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ آل راؤنڈر ادیب ہونے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس کہانی کی جامعیت، لرزہ خیزی اور دوررس معنویت پر اگر میں یہاں روشنی ڈالوں تو اس سے کہانی اور خاص نمبر کی اہمیت بڑی حد تک زائل ہو جائے گی۔ اس لئے میں ہندوستان کے تمام مسلمانوں سے استدعا کروں گا کہ جنھوں نے اب تک ماہنامہ حجاب کا 'آج کا حاتم' نہ پڑھا ہو وہ کم از کم اسے ایک نظر ضرور دیکھ لیں۔ اِس کہانی میں بہت ساری خوبیاں ہیں۔ دورانِ تحریر الگ الگ عنوانات کا تسلسل رکھنا نفسِ مضمون کے علاوہ 'نفسِ حاتم' کے لئے بھی بڑے خاصے کی بات ہے۔ اس تحریر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کسی بھی لحاظ سے بامقصد ہے۔ سیاسی، اخلاقی، دینی، تبلیغی، ایمان افروزی اور یہاں تک کہ جاسوسی اعتبار سے بھی اِسے کسی اچھے قلم کار کی تخلیق کے دوش بدوش رکھا جا سکتا ہے۔ دعا ہے کہ خدا کے نزدیک یہی تحریر اُن کے لئے راہِ نجات کا ذریعہ ثابت ہو۔ قاضی محی الدین ایڈیٹر دلیل و نہار، ڈھاکہ، بنگلہ دیش

قیمت آٹھ روپے۔ ملنے کا پتہ:۔ منیجر "حجاب" رامپور یوپی۔ ۲۴۴۹۰۱

یہ نامے میرے نام!

یہ خط میرے ایک ایسے رفیق کے گھر کی لڑکی کا ہے جہاں میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اُردو ختم ہو جائے گی۔ خط اُردو کے بدلے ہندی رسم الخط میں ہے اور ناگری رائٹنگ بہت ہی عمدہ اور رواں ہے۔ نیچے اس کا ترجمہ نقل کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

[محتر]م چچا جان! السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

آشا ہے آپ سکشل ہوں گے۔ آپ پہچان گئے ہوں گے کہ میں کون لکھ رہی ہوں۔ میرے پتا، [آ]پ کے متر S. A. QADAR حج سے واپس آچکے ہیں اور اپنا زیادہ سمے (समय) اسٹڈی آف اسلامک [لٹر]یچر میں ویتیت (व्यतीत) کر رہے ہیں۔ آنے کے کچھ دن بعد اُن کے ساتھ ایک چھوٹا سا حادثہ [بھی] آگیا تھا جس سے لکھنے میں کچھ رکاوٹ ہو رہی ہے۔

آپ کو یہ پتر میں اس لئے لکھ رہی ہوں کہ Mehdi Bano (خریداری نمبر ۱۷۶۴) کے نام [ہر] ماہ ڈاک دوارا (द्वारा) حجاب برابر آرہا ہے۔ اس ورش کا نمبر "رسول کریمؐ نمبر" بہت پسند آیا۔ [بہ]ت ہی آسان انداز میں آپ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ عنوانات [بھ]ی بہت پسند آئے۔

والد صاحب بتا رہے تھے کہ وہ آپ کو کچھ ماہ پورو (पूर्व) حجاب کو ترا ایجنسی سے جاری [کر]الینے کے بارے میں لکھے تھے۔ یہ اس لئے ہم نے کیا کہ ڈاک سے اکثر پرچے گُم ہو رہے تھے۔ یہ بات [ش]اید آپ بھول چکے ہیں جس کے کارن (कारण) ہمارے یہاں ہر ماہ 2 copies آرہے ہیں، ایک [ڈا]ک دوارا اور دوسرا ایجنسی دوارا جس سے آپ کو ہانی (हानि) ہو رہی ہے۔ اب آپ ہمیں

ڈاک سے پرچہ مت بھیجئے۔ یہی بات تھی جس کی اِرتیلا (اطلاع) دینا میں نے اپنا فرض سمجھا۔
دعا ہے کہ آپ ہمیشہ صحت سے رہیں اور دین کے کام میں یونہی سرگرم رہیں (آمین) چچی جان اور
بھائی بہنوں کو ہمارا اسلام سُنا دیجئے۔ خدا حافظ۔ آپ کی دعاؤں کی طالب بلقیس سیماء حیدر

⁂

• مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ چھوٹے بچوں کے لئے ایک ایسے پرچے کی سخت
ضرورت محسوس کی جارہی ہے جیسے کسی وقت آپ "نور" ترتیب دیا کرتے تھے۔ بچوں کی نفسیات
سے آپ جتنا واقف ہیں شاید ہی کوئی واقف ہوگا۔ آپ بچوں کا رسالہ نہ نکال کر بچوں پر ظلم عظیم کر
رہے ہیں۔ اگر حالات ایسے نہ ہوں کہ آپ الگ سے بچوں کے لئے رسالہ نکال سکیں تو براہِ کرم
حجاب میں ایک کاپی بڑھا دیجئے۔ پھر چھ کاپی بڑوں کے لئے اور دو کاپی چھوٹے بچوں کے لئے
وقف کر دیجئے۔ اِس طرح کم از کم تلافی ہو سکتی ہے۔ ورنہ یہ بتائیے کہ ایک صلاحیت جو اللہ کی طرف سے
اَمانتاً آپ کے پاس ہے، اگر آپ اُس کا استعمال نہیں کریں گے تو قیامت میں اس کی باز پرس سے
کیسے بچیں گے۔ والسلام۔ آپ کا بھائی: عبدالوہاب اکمل۔ نلگنڈہ

جواب:۔ بھائی اکمل صاحب! آپ ایک معاون دے دیجئے، میں اس خدمت
کے لئے تیار ہوں۔ آسان، اور وہ بھی بچوں کے لئے، لکھنے کے لئے کوئی تیار ہی نہیں ہوتا۔ میں کیا کروں
میری معذوری آپ جانتے ہیں۔ حجاب ہی کے لئے دوڑ بھاگ کرنا مشکل ہو رہا ہے۔
بھائی! قیامت کی باز پرس سے ڈرانے کے ساتھ کچھ دعائیں بھی کیجئے۔ میں دعاؤں کا بہت
محتاج ہوں۔ (م)

⁂

مائل صاحب! السلام علیکم۔
خدا آپ کے علم میں اضافہ کرے۔ آمین۔ اتفاق سے آپ کا ماہنامہ حجاب میری نظر سے
گذرا۔ وہ بھی گیارہ سال پرانا یعنی ۱۹۷۲ء کا۔ لاجواب، بے مثال، بے حد حسین آپ کا ماہنامہ

ہنے۔ ماشاء اللہ۔ اتفاق سے میرا وطن بھی رامپور رہے مگر میرے والد صاحب غدر کے بعد
ں میں ہی بس گئے۔ اب میں بمبئی میں رہتا ہوں۔ ہر مہینے اگر ہو سکے تو حجاب کا ایک پرچہ روانہ
ئیے۔ ۱۹۷۷ء کے حجاب میں آپ کا مضمون "رہبانیت" بے انتہا پسند آیا۔ ضرور بہ ضرور روانہ
ئیے۔ میرا پتہ یہ ہے:۔ شاہد حکیم۔ نہرو نگر۔ گولی بار۔ سانتا کروز۔ ایسٹ: بمبئی ۔ ۵۵

ہم چاہتے ہیں کہ حجاب کا تازہ شمارہ دیکھ کر آپ پھر ہمیں اپنی رائے سے آگاہ کریں (مد)

رسولِ کریمؐ نمبر

برائی قدر محترم مولوی مائل خیرآبادی صاحب! سلام مسنون، عقیدت مسنون۔

موقر حجاب کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمبر کے مطالعہ کا شرف ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی صحت و عافیت کے ساتھ عمر دراز فرمائے اور ہم مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ مستفید و مستفیض ہونے کا موقعہ عطا فرمائے۔ آمین۔ ابوطیب۔ عصمت پور۔ ضلع رنگا ریڈی۔ اے۔ پی۔

محترمی و معظمی جناب مدیر حجاب دامت برکاتہ'! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

حجاب کا رسول کریمؐ نمبر زیر مطالعہ رہا۔ آج اس کے مطالعہ سے مشرف برکات ہو کر فارغ ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بدیر قائم و دائم رکھے، آنکھ کا آپریشن کامیاب ہو، بینائی اور تمام دیگر صلاحیتیں برقرار رہیں۔ یہ احقر دعائیں کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات کی کئی کتابیں پڑھی ہیں لیکن جس تفصیل سے آپ کا مضمون مملو ہے وہ تفصیل کہیں نہیں ملتی۔ کوئی گوشہ آپ سے نظر انداز نہ ہو سکا۔ الحمد للہ۔ اب ہندوؤں کے لئے وہ کتاب شائع فرمائیے جس کی آرزو آپ کے دل میں بھی ہے۔ یہ بڑا کام ہے۔ خدا آپ کو جلد توفیقِ انیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ کا خادم: کشف الدجیٰ خاں۔ ۱۹ دسمبر ۸۳ء

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ

تحریکی مسلمان

جناب محمد یوسف صاحب۔ ادارہ معارف اسلامی منصورہ

سوال:۔ تحریکی مزاج کسے کہتے ہیں اور یہ کن ذرائع سے پیدا ہوتا ہے؟

جواب:۔ ایک آدمی جو اپنی ذات کی حد تک ایک فلسفۂ زندگی اور مقصدِ زندگی رکھتا ہے اگر وہ اس کو دنیا میں پھیلانے، دوسرے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے اور اس کے لئے سعی وجہد کرنے کا کوئی جذبہ نہ رکھتا ہو تو گویا یہ غیر تحریکی مزاج ہے۔ یہ ایسا آدمی ہے جس نے اپنا راستہ خود اپنی ذات کے لئے تجویز کر لیا ہے اور اس پر وہ مخلصانہ طور پر کوشش بھی کرتا ہے مگر اپنی ذات کی حد تک! اس مزاج کا حامل انسان کسی تحریک کو نہیں چلا سکتا۔ تحریکی اس کے برعکس یہ ہے کہ میں جس چیز کو حق سمجھتا ہوں۔ دنیا کو بھی اس حق کو قبول کرنے کی دعوت دوں اور کوشش یہ کروں کہ اس حق کے خلاف جو چیزیں ہیں ان کا فروغ رکے اور حق ان کے مقاصد میں فروغ پائے۔ جب کوئی شخص عملاً یہ کام شروع کر دے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اندر ایک تحریکی سیرت پیدا ہو گئی ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے اندر تحریکی مزاج نہیں ہوتا وہ تحریک کا جو کام بھی کرتے ہیں بالعموم بگاڑ دیتے ہیں کیونکہ اس کام کو وہ جانتے نہیں ہیں ان کے اخلاص وعادات، ان کی طبیعت اس کام کے ٹھیک ٹھیک مناسب نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ غلط طریقے سے کام کرتے ہیں اور بالآخر جس مقصد کے لئے وہ کام کرنے اٹھتے ہیں اسی کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔

تحریکی مزاج کیا ہے؟ تحریکی مزاج سے مراد یہ ہے کہ ایک آدمی جو حق کو قائم کرنے کی کوشش

رہا ہے اور باطل کے خلاف جدوجہد کر رہا ہے تو اس کی سیرت و عادات و احوال ایسے ہونے چاہئیں جو اس مقصد کے لئے ساز گار بن سکیں۔ مثلاً ایک آدمی بداخلاق ہے ظاہر ہے کہ اگر وہ کسی تحریک کا کام کرے گا تو تحریک کو نقصان پہنچائے گا۔ اس کے مقابلے میں ایک آدمی میں ایسا اخلاق ہے کہ جن لوگوں سے اس کو سابقہ پیش آتا ہے وہ اس کی طرف بڑھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اس کے لئے قدر و عزت پیدا ہوتی ہے وہ ایک جاذب شخصیت رکھتا ہے یہی ایک صحیح قسم کا تحریکی مزاج ہے۔ اس کے برخلاف ایک شخص ہے جو کسی کی تنقید برداشت نہیں کر سکتا کسی کا اعتراض نہیں سہہ سکتا۔ ذرا کوئی بات مزاج کے خلاف ہوئی تو لڑ پڑا تو وہ تحریک کے لئے موزوں نہیں ہے۔ تحریکی جذبہ تو اس میں ہو سکتا ہے مگر تحریکی مزاج نہیں ہو سکتا اس کے برعکس ایک شخص زبان کا شیریں ہے متحمل ہے؟ اس کے اندر ضبط کا مادّہ ہے۔ بہت سی چیزیں جو مزاج کے خلاف ہیں، برداشت کر جاتا ہے۔ بہت سی چیزیں جو اسے سخت ناگوار ہوتی ہیں، ان پر تحمل سے کام لیتا ہے، ظاہر بات ہے کہ اس شخص میں تحریکی مزاج ہے وہ کام بگاڑنے والا نہیں ہے۔ کام کو بنانے والے اوصاف اس کے اندر موجود ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ تحریکی مزاج کیسے پیدا ہو تو میرے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ اس کے لئے بہت نافع اور مددگار ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ ہم وہی کام کرنے اُٹھے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا۔ اس وجہ سے ہمارے لئے اگر کوئی بہترین نمونہ ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ آپ نے کس طرح اس حق کو پھیلایا۔ کیا مزاج تھا جس کی وجہ سے شدید مخالفت پر تلی ہوئی دنیا آخر مسخر ہوگئی اور آپ کے بدترین مخالفوں کو بھی بالآخر ہتھیار ڈالنے پڑے اور بعد میں انھیں اللہ کے رسول کے ساتھ عشق اور قلبی لگاؤ پیدا ہو گیا۔ دوسری چیز جو درکار ہو سکتی ہے وہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سیرت کا مطالعہ ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ آپ کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں سے واقف ہونے کا نہیں ہے جن دوسرے مقامات پر ان کی سیرتیں موجود ہیں

وہ قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ انبیاء کے جو حالات قرآن میں بتائے گئے ہیں ان کو بڑے غور سے آپ پڑھیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کام جن لوگوں کو کرنا ہے۔ ان کے اندر کیا اوصاف ہونے چاہئیں۔

اصلاحِ احوال کی کوئی تنظیم اس وقت موثر ہو سکتی ہے جب وہ خود بحیثیت ایک جماعت اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرے۔ پھر اس کے ساتھ جو لوگ بھی ملتے جائیں گے اس کے مطابق ڈھلتے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے تنظیم میں یہ قوت پیدا کی ہے کہ افراد اس کے سانچے میں ڈھلتے ہیں بشرطیکہ وہ افراد اس کے اندر شامل ہوں جو اس کے اثرات کو (RESIST) کرنے کا جذبہ نہ رکھتے ہوں بلکہ اس کے اثرات کو قبول کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں۔ اگر (RESIST) کرنے والے افراد اس میں شامل ہوتے جائیں تو جیسے جیسے وہ داخل ہوں گے۔ اس تنظیم کی بنیادوں کو کمزور کرتے چلے جائیں گے۔ (تصریحات ۔ ص ۱۰۷ تا ۱۰۹)

عورت کا مقدر

از رعنا شکور

مغرب میں جہاں سنسنی خیز کتابیں چھپتی ہی رہتی ہیں۔ پچھلے دنوں ایک اچھی کتاب چھپی ہے
ں کا نام ہے" امریکہ میں جسم فروشی"۔ یہ ایک طرح سے امریکی عورت کی کھوئی ہوئی معصومیت
تلاش ہے۔ دوتھ روز نے بڑی تحقیق اور تفتیش سے کام لیا ہے۔ جس "پرگارجین" میں ـــ
ماتھن بارڈلے نے سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ تبصرہ کا بولتا ہوا عنوان کافی دلچسپ ہے۔
لال روشنیاں اور عورت کے حقوق"۔ اس بڑی کتاب میں جسم فروشی کی اصلی وجہ "معاش" بتائی
ئی ہے"جسم فروشی بنیادی سماجی معاشی قوانین کی علامت ہے"۔ جس سے ایک خاص سماج کی
دعیت اور کردار کا تعین ہوتا ہے۔ اور یہ سچ ہے۔ جیسا سماج ہوگا، جیسے ان کے معاشی اور
یداواری رشتے ہوں گے، ویسی ہی اخلاقی قدریں ہوں گی۔

ہم جس دنیا میں ہیں وہ اشتراکی دنیا ہے۔ اور یہاں سے کوپرن کی" دوزخ" کو مٹے ہوئے
یک زمانہ بیت چکا ہے۔ زارشاہی دور کی دنیا کے نقش تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور قصے
ہانیوں میں بھی۔ جب ہم مشرقی عورتوں کی نانیاں، دادیاں" پرانجہ" پہنتی تھیں تب انکی نگاہیں
دیواروں سے ٹکرا کر رہ جاتی تھیں۔ یہی ان کی زندگی کا افق تھا جس سماج میں انسان کی محنت بکتی
ہے وہ بھی دوسروں کی ثروت اندوزی کے لئے اس میں محنت کے ساتھ عورت کا جسم بھی خریدا اور
بیچا جاتا ہے۔ اس لئے کہ عورت کی مجبوری اور کمزوری کو بازار کی جنس میں بدل دینا ان لوگوں
کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے جو سماج کی تمام معاشی قدروں کو بازار کی جنس میں تبدیل کردیتے
ہیں۔ ایسے سماج میں تمام معاشی قدروں کا نچوڑ منافع ہے۔

لینن نے انقلاب کے بعد کی دنیا کا جو تصور پیش کیا تھا اس میں عورت کی بدلی ہوئی

شخصیت اور شہریت کا بھی ایک تصور تھا: ..... جب تک کہ عورتیں صرف سیاسی زندگی میں نہیں بلکہ روزانہ کی زندگی میں اور عام پبلک سروس میں آزادانہ حصہ لینے کے لئے نہیں اُبھاری جاتیں اس وقت تک سوشلزم کیلئے مکمل اور پائیدار جمہوریت کی بھی بات کرنا بیکار ہے۔" اس ہمہ گیر سماجی رویّے نے سوویت یونین میں عورت کی تقدیر ہی بدل دی۔ عورت کی زندگی پورے سماج میں تبدیلی کی لہر کا حصہ بن گئی۔ سماجی اور اخلاقی تعصبات مٹنے لگے۔ سماجی اور معاشی نابرابریوں کے ساتھ فرق کی بہت سی سرحدیں مٹ گئیں۔

عظیم الشان سماجی انقلاب کے تعمیری دور میں عورت کی زندگی کی نئی تعمیر ہوئی کیونکہ خود اس انقلابی تعمیر میں عورت برابر شریک تھی اور شریک ہے۔

روس کے انیسویں صدی کے نکتہ رس دانشور نکولائی چیرنیشیوسکی نے کتنی گہری بات کہی تھی ..... قدرت نے عورت کو کتنی صاف، توانا اور حقیقت میں بصیرت وبصارت دی ہے۔ پھر بھی یہ دولت سماج کے لئے بیکار رہتی ہے۔ سماج اس دولت کو مسترد کرتا ہے کچلا ہے مارتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا اگر عورت کا ذہن جکڑا نہ جاتا۔ اگر اخلاقی قوت کا اتنا بڑا ذخیرہ یوں تباہ نہ ہوتا، تو انسانیت ترقی کی شاہراہ پر کئی گنا زیادہ تیزی سے منزلیں سر کرتی۔"

ایسے ملک میں جہاں آزادی کا مجسمہ نصب ہے، وہاں عورت ان آزادیوں اور حقوق سے بھی محروم ہے جو آئینی ترمیم کی معرفت اس کو دئے گئے ہیں۔ جنسی اور نسلی نابرابری کی سب سے بڑی سزا عورت کو ملتی ہے۔ کیا ڈانس فلور پر ناچ لینے کی آزادی کافی ہے؟ کیا عورت معاشی اور تہذیبی برابری کا حق حاصل کئے بنا اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کر سکتی ہے؟ زندگی کے حقائق متضاد ہیں۔ اور سماجی تضادات کی بدولت مختلف سماجوں میں عورت کی تقدیر ارتقاء کے مختلف مرحلوں میں ہے۔

مغرب میں بڑھتی ہوئی کثرتِ زر اور گھٹتی ہوئی قوتِ خرید کی چپقلش نے سب سے زیادہ عام عورتوں کی زندگی کو متاثر کیا ہے۔ چونکہ رضانہ گھر چلانا ان کا کام ہے۔ بڑھتے بلوں، چڑھتے

موں، بیروزگاری اور مندہ کی بدولت عورت ماں اور بیوی کی حیثیت سے اپنے فرائض کی
اجی ادائیگی میں پچھڑ رہی ہے۔ زندگی جیسی ہونی چاہیئے اور زندگی جیسی ہے ۔ دونوں کے
میان خلیج چوڑی ہوتی جارہی ہے "

یہ روایتیں
محدثین کے نزدیک من گھڑت ہیں

عورتوں کے متعلق کثرت سے ایسی احادیث بھی مسلمانوں میں مشہور ہیں جن سے عورت کی
تنقیص نکلتی ہے۔ یہ روایتیں محدثین کے نزدیک من گھڑت اور موضوع ہیں، اور علامہ ابن الجوزی
ملا علی قاری اور محمد طاہر غنی نے موضوعات پر اپنی کتابوں میں ان احادیث پر سخت تنقید اور
جرح کرکے ثابت کیا ہے کہ یہ روایات موضوع اور نا قابل قبول ہیں، ان سب روایات کا ذکر
یہاں ممکن نہیں ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک روایت لیجئے: کہا گیا ہے کہ عورتیں دین اور
عقل دونوں کے اعتبار سے ناقص ہوتی ہیں اور ان سے مشورہ مت کرو، ملا علی القاری الہروی
م ۱۰۱۴ھ نے ایک کتاب المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع کے نام سے لکھی ہے جس
کو عہد حاضر کے بلند پایہ عالم اور محدث شیخ ابو الفتح ابو غدہ نے بڑی محنت سے اڈٹ کیا اور چھاپا ہے
اس کتاب میں مذکورہ بالا روایت پر مفصل کلام کرکے اسے موضوع ثابت کیا ہے۔ شیخ ابو الفتح ابو غدہ
اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں (ص ۸۵) "روایت میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں (۱) یہ کہ عورتیں
دین میں ناقص ہیں اور (۲) دوسری یہ کہ یہ کم عقل ہیں، اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں، پہلی بات اس
لئے غلط ہے کہ عورتوں کے ناقص فی الدین ہونے کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ماہواری ایام میں نماز
نہیں پڑھتیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ عورتیں شریعت کے حکم سے جب ایسا کرتی ہیں تو پھر ان کا دین ناقص کیسے
ہوا! رہی دوسری بات تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات سے مشورہ لیتے تھے
اگر عورتیں کم عقل ہوتیں اور اس لئے ان سے مشورہ کرنا ممنوع ہوتا تو حضور مشورہ کیوں لیتے؟ "

مہکتے ہاتھوں کی خوشبو

صبیحہ خانم
...وائل بیدر

وہ مطالعے میں غرق تھے۔ اچانک اپنی آنکھوں کو جلتا محسوس کیا۔ پھر انھیں
حول تاریک نظر آنے لگا۔

"ارے! ارے!؟ یہ کون ہے؟" ــــ ہاتھ ہٹاؤ بھئی پہلے ہی موڈ خراب ہے
پنی آنکھوں سے ہاتھ چھڑاتے وہ کسی قدر جھنجھلا گئے۔

"نام بتاؤ تو آنکھیں کھول دی جائیں گی۔ اس نے اپنی آواز کو بدل کر کہا۔
اب تو آفتاب کی آنکھوں پر انگلیوں کی گرفت اور بھی سخت ہونے لگی۔ بند آنکھوں سے
تھوں کے اشارے وہ ٹٹولتے رہ گئے۔ سر پہ جو ہاتھ پھیرا تو وہ لمبی لمبی چوٹیاں ہاتھ لگیں
مبا کر انھوں نے ہاتھ ہٹا لیا تو انگلیاں چوڑیوں سے الجھ گئیں۔ انھیں جھرجھری سی ہوئی
ور ہاتھوں کی خوشبو سے وہ الگ پریشان تھے۔ کون لڑکی ہوگی کس کی جسارت اس قدر؟
ن کا احساس چوکڑیاں بھرنے لگا۔ وہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ نقرئی قہقہہ لگاتے یکدم سامنے
آگئی "کس کی مجال ہو سکتی ہے"۔ وہ فخریہ مسکرائی۔

انھوں نے آنکھیں مل مل کر دیکھا۔ لمحے بھر میں نظروں کی جنگ ہوئی۔ پھر انھیں یوں محسوس
ہوا جیسے وہ بہت طاقتور ہوتے ہوئے بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئے۔ سارے گلے
شکوے جاتے رہے۔ "شگفتہ تم؟؟!" جیسے انھوں نے ابھی ابھی حیرتوں کے سمندر سے سر
نکالا۔ مگر فوراً ہی انھیں کچھ یاد آیا۔ پھر جلد ہی بہت سنجیدہ ہو گئے کتاب میں نظریں گاڑے
سطروں کو گھورنے لگے جیسے کسی کی نصیحت پر لفظ بہ لفظ عمل کر رہے ہوں۔ انھیں لگا
ماحول چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے۔

"اجنبی عورت پر پہلی نظر تو معاف ہے لیکن دوسری نہیں"۔
آفتاب کی اس اچانک سنجیدگی پر وہ بھی چوکنی ہوگئی۔ تیز ہوا کے جھونکوں سے چمیلی کے پھول جھڑ جھڑ کر برس رہے تھے۔ وہ لپک کر آگے بڑھی اور پھولوں کو دیوانہ وار سمیٹنے لگی۔
شفا کی مسکراہٹ کا ایک ہی شبنمی قطرہ آفتاب کے شعلہ بار ارادوں کو بھسم کر گیا۔ کم بخت کا انداز مسکراہٹ بھی کچھ ایسے نیازمندانہ ہوتا کہ مختلف فکروں، مسائل تھکن کے بھی، وہ اپنے اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرتے، جیسے شفا مسکرائی نہیں، ہزاروں کے ڈرافٹس انکے حوالے کر دی ہو۔ اس مرتبہ تو انھوں نے سنجیدگی سے فیصلہ کر رکھا تھا کہ نہ وہ ہنسیں گے اور نہ شفا کو دیکھیں گے۔ اور نہ اس کی زیادتی کو نظرانداز ہی کریں گے۔ گھر کے سارے کام ادھورے رہ گئے تھے۔ عین کالج جاتے وقت اپنی پسندیدہ نیلی شرٹ کو جو تلاش کیا تو کوئی آدھ گھنٹے کی تلاش و جستجو کے بعد وہ میلے دانی میں پڑی ملی۔ دوست احباب آتے تو وہ الگ بے چین ہوتے کہ انھیں چائے نہ مل سکی۔ کچن کے کاموں سے تو وہ بالکل ناواقف تھے۔ ایک شفا کی عدم موجودگی نے گھر کے سارے ماحول کو تتر بتر کر دیا تھا۔ صبح اپنی سوئٹر ڈھونڈ نکالنے میں تقریباً آدھ گھنٹہ گزر گیا پھر بھی ملتی ہی نہیں۔ کڑکڑاتی سردی میں وہ اور بھی بگڑ گئے۔
"پھر بھی خاموشی نے اسے بہت خودسر بنا دیا۔ وہ اپنے آپ بڑبڑائے۔ اب تو وہ شفا کی جھلک اور اس کی صورت تک دیکھنے کو تیار نہ تھے۔ کبھی علیحدگی کا فیصلہ کرتے۔ کبھی خیال ہوتا کہ اسے وہ سزا دی جائے کہ میکہ ہی میں گذارا کرے۔ نہ سسرال کا رُخ کرے اور نہ شوہر کا انتظار لیکن ان کے خیالات کے یہ گرجتے بادل برس ہی نہ سکے، پیازی رنگ کی ساڑی سیاہ بلاؤز، بکھرے بکھرے بالوں، ہلکے میک اپ میں وہ غضب ڈھا رہی تھی۔ پھر آگے پیچھے ہوتی، جھک جھک کر پھولوں کلیوں کو سمیٹتی شفا آج انھیں بہت معصوم نظر آنے لگی اور یہی پیکر پندرہ دن سے ان کے لئے عذاب جان بن گیا تھا۔
مسلسل پندرہ دن سے وہ جیسے تیسے پکاتے رہے۔ ہوٹلوں کا پکوان دل کو نہ بھاتا

روز روز کے جھنجھٹ سے وہ اُکتا گئے تھے۔ دوست احباب آتے تو وہ نہ ڈھنگ سے ان
سے بات کر سکتے، نہ کوئی کام، کام کرنے والی نے بھی ایک ماہ کی چھٹی لے رکھی تھی۔ گھر میں کوئی او
نہ تھا جس سے مدد لی جائے کبھی خود پکاتے کبھی کوئی دوست پکڑ لے جاتا۔ کمروں کا حال سر جھاڑ منہ
پھاڑ بیواؤں کا سا تھا۔ رات جب نیند سے بوجھل آنکھیں لیے گھر میں قدم رکھتے تو بستر لگانے
احساس سے ہی ان کی نیند اُڑ جاتی۔ پہلی آئی اور دھوبن گھوسن کے تقاضے شروع ہوئے۔ سا
حساب شفا کے ہاتھ میں تھا۔ ایک ایک بات پر انھیں بڑی کوفت ہوتی۔ اسی کوفت میں زبان بے قا
ہو جاتی۔

"اب جو آئے تو وہ سبق دوں کہ عمر بھر یاد رکھے۔"

پڑوسن کی محترمہ، سامنے گھر کی لڑکیاں سب پوچھتیں "آنٹی کب آ رہی ہیں، بھابی کب
آنے والی ہیں؟" اس کب کا جواب آفتاب کے پاس تو نہ تھا۔ نہ شفا ان سے پوچھ کر گئی تھی اور نہ آ
کا دن ہی معین تھا۔ شام آفس سے جب وہ آئے تھے تو اس وقت پاس والے مکان سے لڑ
بھاگی بھاگی آئی اور چابیوں کا چھلا تھماتے بولی ــــ

انکل!" آنٹی نے یہ آپ کو دینے کہا ہے۔ وہ اپنی امی کے ہاں گئی ہیں۔"

"تمہاری آنٹی کے پیر بہت پھسل رہے ہیں۔" وہ اپنے آپ بڑبڑائے۔ شفا کی یہ حرکت انھیں
بہت ناگوار لگی۔ ایک تو بغیر اجازت چلی گئی۔ دوسرے گھر کی ساری چیزیں جہاں کی وہاں پڑی دھر
تھیں۔ کم از کم ساری تیاریوں کے ساتھ تو جاتیں۔ اپنی ضرورت کی ہر کمی پر وہ جھنجھلا جاتے۔ اور
جھنجھلاہٹ نت نئے شیطانی معرکے سر کرتی۔

دوسری شام جب وہ تھک ہار کر آفس سے واپس ہوئے تو گھر کے ماحول سے بیزا
ہو کر آنگن کے اس پار آم کے درخت کے نیچے کرسی ڈالے کتاب لیے نیم دراز ہو گئے۔

آج پورے پندرہ دن ہو رہے تھے۔ رہ رہ کر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا بلا اجا
یوں نہ آتی۔ کم از کم جلد ہی لوٹ جانا چاہیے تھا لیکن میکہ کی کشمکش، شور شرابے، پروگرام س او

وں کی گہما گہمی میں معاملہ ٹلتا گیا۔ ان پندرہ دنوں میں کیا کیا نہ پکا تھا۔ وہ خوب آرام سے رہی
، لیکن آج اسے آفتاب کا تصور بے چین کرنے لگا۔ وہ آپ ہی آپ شرمندہ ہونے لگی۔ ممی کی
سے وہ مچل گئی تھی۔ گھر کی صفائی کا خیال رہا نہ آفتاب کی ضروریات کا، بس بھاگم بھاگ چلی آئی۔
چوری چھپے آئی تھی۔ اس نے کسی سے کہا بھی نہیں۔ احساس جیسے کوڑے برسانے لگا کہ ایسی
توں کا آئندہ بھول کر بھی اعادہ نہ ہونے پائے۔ ممی، بھابی، بھیا، بہنیں سب اسی اطمینان میں
ہیں کہ شفا حسبِ معمول وقت لے کر آئی ہے لیکن آج شفا کا دل بے چین تھا نہ جانے ان پر
لیا گذری، کپڑے بھی میلے، بغیر استری کے پڑے چھوڑ آئی تھی۔ نہ جانے آفتاب کیا کر بیٹھیں۔
ج کے وہ جتنے مشفق و مہربان ہیں اتنے ہی ارادے کے پکے، فیصلہ کے دھنی ہیں وہ پسینے
نہا گئی۔ میکے کی ایک ایک چیز آج ایسے لگ رہی تھی جیسے ہر شئے اس کو ملامت کر رہی ہے
سا کے قدم بے تاب ہو گئے۔ اب تک وہ ماں باپ کی نورِ نظر تھی۔ ماں کی ممتا اسے یوں بے تحاشا
بنچ لے آئی تھی لیکن اب ــــ ہ ایک وکیل دو گواہوں کے درمیان ایک "ہاں" سے منزل،
میلے، کارواں سب کچھ بدل گیا اور میر کارواں، اس کی خدمت، اس کی رضا میں اور اس کی خفگی
ں وعدہ اور وعید!!

وہ لرز کر رہ گئی۔ شادی ہوئے چار چھ سال ہوئے لیکن میکہ کا ایک ایک فرد اُسے جی
ان سے پیارا تھا۔ منزل تو ایک تھی لیکن آج اُسے پہلی بار احساس ہوا کہ وہ جس کارواں سے
مسلک ہے اس سے بچھڑنا ہی تباہی ہے۔ اس نے اپنے کانوں پر انگلیاں رکھ لیں۔ اندیشوں
ں گرفتار، پشیمانی میں ڈوبی شفا جلد جلد بن سنور کر ماں کے قدموں سے لپٹ گئی۔ دل کھول کر
عائیں لیتی، بھابی، بھیا، بہنوں کو روتا ہنستا چھوڑ وہ چلی آئی۔ پتہ نہیں آفتاب کیا کہہ بیٹھیں۔ وہ
مر پر ہوں گے بھی؟ شاید بہت غصہ میں ہوں۔ تبھی تو پندرہ دن سے سسرال کا رخ بھی نہ کیا۔
ہ گھبرا گئی۔ پھر بھی ہمت کر کے ڈرائنگ روم کو دیکھا وہاں قفل پڑا تھا۔ گھر اور آنگن میں اُلّو بول
رہے تھے۔ دوسرے کمرے، کچن سب بند پڑے تھے۔ اب وہ کہاں بیٹھی رہے۔ چابیاں تو

آفتاب کے پاس ہیں۔ اُلجھن سمیت وہیں ڈرائنگ روم کے زینے پر بیٹھے بیٹھے وہ اچانک مسکرا پڑی۔ میں اور میری مسکراہٹ ان کی کمزوری ہیں۔ آخر میں بھی تو انسان ہوں۔ وہ سارے گھر کا جائزہ لینے لگی۔ یک بیک اس کی نظریں آم کے پیڑ سے جا ٹکرائیں۔

اوف! یہ موصوف کو ہواؤں میں بھی خوب سوجھی۔ اس نے آنچل کو درست کیا چپل نکال پنجوں کے بل آہستہ آہستہ چلتے بڑی احتیاط سے کرسی تک پہنچ گئی۔ جھٹ اپنے دونوں ہاتھ آفتاب کی آنکھوں پر رکھ دئیے۔

گلاب کی ڈالی سے اس کی انگلی اُلجھ گئی۔

"ہش"........!! شفا کی ہلکی سی چیخ پر آفتاب اُٹھتے ہوئے قریب آئے۔ خون سے سُرخ ہوئی انگلی کو دیکھا۔ کتاب ایک طرف رکھ دی۔ پھر خون کی ایک بالکل ننھی سی بوند اپنی انگلی کی پور پر لیکر شفا کی بیچ پیشانی پر بندیا نما لگاتے بولے ـــــ

"مجھ سے پہلے ان بے جان پودوں نے ہی تمہیں سزا دے ڈالی۔ شاید وہ بھی تم سے ناراض تھے۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرا دئے پھر خود ہی بڑی آہستگی سے بولے۔

"لیکن مابدولت تمہیں معاف کیے دیتے ہیں"!! انھوں نے کچھ اس انداز سے جملہ پورا کیا کہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا کر رہ گئے۔ تم نے بڑا دُکھ دیا۔ آفتاب پھر بھی چُپ نہ رہ سکے۔ "ہاں مجھے احساس ہے مگر آئندہ ایسا نہ ہوگا"، وہ مغموم سے لہجے میں بولی۔

"ہوائیں خطرناک ہیں چلو یہاں سے" شفا کا ہاتھ سنبھالے وہ آگے بڑھے۔ وہ ہولے ہولے آفتاب کے ساتھ چلنے لگی۔

میں نے صرف انگلی پکڑائی تھی، پنجہ نہیں ـــ" شفا کو بھی جیسے موقع مل گیا تکلیف میں بھی شوخی"۔ آفتاب محظوظ ہوتے ہوئے بولے۔

شفا کو یوں لگا جیسے کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس پر سلامتی بھیجتے جھوم جھوم رہا ہے!!●

زمانے کی گواہی

دولہا نے تلوار چلادی

دہلی۔ پولیس نے جہیز کا مطالبہ کرنے والے دو افراد کو گرفتار کر لیا ہے اور دو کو تلاش کر رہی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ شادی کی رسوم ادا کرنے سے پہلے دولہا کے باپ اور چچا نے دلہن کے والدین سے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اسکوٹر کا مطالبہ کیا۔ دلہن کے والدین نے یہ مطالبات پورے کرنے سے اظہار معذوری کیا جس پر تلخ کلامی ہوگئی۔ بتایا گیا ہے کہ اسی دوران دولہا نے تلوار نکال کر دلہن کے بھائی پر حملہ کردیا۔ بعد میں بارات پھیروں کے بغیر واپس چلی گئی۔ دلہن کے والد کی شکایت پر پولیس نے مقدمہ درج کر لیا ہے۔ گرفتار شدگان میں دولہا کا چچا اور چچازاد بھائی شامل ہیں۔ دولہا اپنے باپ کے ساتھ بھاگ گیا۔

نوبیاہتا کو زہر دے دیا گیا

لکھیم پور کھیری۔ تھانہ محمدی کے موضع راج گڑھ میں ایک نوبیاہتا کامنی کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی خبر ملی ہے۔ کامنی کے بھائی مسٹر رام اوتار شاستری نے جو فرخ آباد میں رہتے ہیں، اس سلسلہ میں پولیس کپتان کو حالات کی اطلاع دے کر مجرموں کو کیفر کردار تک پہونچانے کی مانگ کی ہے۔ مسٹر شاستری نے اپنے تحریری بیان میں کہا ہے کہ اس کی بہن کامنی گپتا کی شادی گذشتہ جولائی کو راج گڑھ موضع کے باشندے پتولال گپتا کے لڑکے پرمیشور کے ساتھ ہوئی تھی۔ کامنی

شادی کے بعد صرف ایک بار اپنے میکے فرخ آباد گئی تھی جہاں اُس کی سسرال والوں کے ظالمانہ سلوک کے بارے میں بتایا تھا مسٹر شاستری نے کہا کہ کامنی کے مرنے کی خبر اُس کی سسرال والوں نے نہیں دی بلکہ انھیں دوسرے ذرائع سے یہ اطلاع ملی۔ خبر سُن کر اُس کے باپ رام لال گاؤں پہونچے جہاں گاؤں والوں کی زبانی اُن کو واقعات معلوم ہوئے اور انھوں نے تھانہ محمدی میں اسکی رپورٹ درج کرانے کی کوشش کی۔ رپورٹ درج نہیں کی گئی اور مجبور ہو کر انھوں نے فرخ آباد میں اپنے بھانجے مسٹر شاستری کو اطلاع دی۔

خودسوزی کی کوشش کی وجہ کم جہیز یا بال سفید ہونا

نئی دہلی۔ وشنو گارڈن کی ایک ۲۱ سالہ عورت مسز وینا دیوی کو بری طرح جلی ہوئی حالت میں اسپتال میں داخل کیا گیا ہے جہاں اس کی حالت نازک ہے۔ وینا دیوی کی شادی اکتوبر میں ہوئی تھی۔ وینا دیوی کے والدین نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی ہے کہ اُن کی لڑکی وینا دیوی کے سسرال والوں نے اُسے جلایا ہے لیکن پولیس نے ابتدائی تحقیق سے پتہ چلایا ہے کہ وینا نے خودسوزی کی کوشش کی تھی کیونکہ اُس کے بال قبل از وقت سفید ہو رہے تھے اور وہ اس صورتِ حال پر مایوس ہو گئی تھی لیکن وینا کے والدین اِس بات پر مصر ہیں کہ اُن کی لڑکی کو سسرال والوں نے جلایا ہے کیونکہ وہ اُن کی طرف سے مزید جہیز کے مطالبات پورے کرنے میں ناکام ہو گئی تھی

ایک ہفتہ میں چار عورتوں کی خودکشی

نئی دہلی۔ وشنو گارڈن کی ایک ۲۱ سالہ شادی شدہ عورت وینا جو ۲۹ نومبر کو جھلسی ہوئی حالت میں اسپتال میں داخل کی گئی تھی ۲ دسمبر کو جے۔ پی۔ اسپتال میں چل بسی۔ اپنے بیان میں وینا نے جس کی شادی اکتوبر میں ہوئی تھی پولیس کو بتایا تھا کہ اس کے بال تیزی سے سفید ہو رہے تھے اور وہ اِس پر ندامت محسوس کرتی تھی جس کے ناقابلِ برداشت ہو جانے پر اُس نے

ٹھایا ہے۔ وینا کے رشتہ داروں نے شکور بستی کے کونسلر کی قیادت میں وینا کی ارتھی کے
ٹ گورنر کی رہائش گاہ راج نواس پر مظاہرہ کیا اور اس کی موت کی وجہ جہیز قرار دیا۔
ں نے ایک مقدمہ درج کرلیا اور تحقیقات شروع کردی ہے۔ پولیس نے وینا کی سسرال
جہیز حاصل کرکے اس کے والدین کے گھر پہونچا دیا ہے۔
رشتہ ونوں گلی قاسم جان کی ایک شادی شدہ عورت نے خودسوزی کرلی۔ بتایا گیا ہے کہ
رت کی شادی سولہ سال پہلے ہوئی تھی لیکن وہ ماں نہیں بن سکی تھی جس کی وجہ سے اُس کے
س کو طلاق دے کر دوسری شادی کرلی تھی۔
ربی دہلی کے علاقے نجف گڑھ میں ایک بارہ سالہ لڑکی نے کنویں میں چھلانگ لگا کر خودکشی
یا گیا ہے کہ اس کو کتے نے کاٹ لیا تھا۔
ا ہندوراؤ کی ایک ۲۲ سالہ غیرشادی شدہ عورت منجو بالا نے منگل کی شام کو خود کو
ر زندہ جلالیا۔ کشن گنج کی اٹھارہ سالہ وِدیاوتی اور شاہدرہ کی اٹھارہ سالہ کملیش کو
ی حالت میں اسپتال میں داخل کیا گیا ہے۔ دونوں کھانا پکاتے ہوئے جل گئی تھیں۔

مرنے لگیں

ئی دہلی۔ ایک ہفتہ کی غیرمعمولی خاموشی کے بعد عورتوں کی خودکشی کی خبریں پھر اخبارات
ع ہوئی ہیں۔ پٹیل نگر کی ایک ۴۰ سالہ عورت روشنی نے کوئی زہریلی چیز کھاکر خودکشی کرلی۔ ایک
عورت کانتا سوامی کی لاش ریلوے لائن پر پڑی ہوئی ملی۔ اندرپوری کی ۲۲ سالہ پریم وتی کو جھلسی ہوئی
یں اسپتال میں داخل کیا گیا ہے۔ اس کی حالت نازک ہے۔

ہر، ساس اور سسر گرفتار

کانپور۔ پولیس نے نرالہ نگر میں ایک شادی شدہ نوجوان عورت سمن کے قتل کے الزام میں

جاری رکھے گی اور خاص کر چھوت چھات کی لعنت کو ختم کرے گی۔ انھوں نے کہا کہ ہندو سماج میں چھوت چھات کی لعنت کی وجہ سے ہی میناکشی پورم کے ہریجنوں نے اتنی بڑی تعداد میں اسلام مذہب قبول کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ تبدیلیٔ مذہب کے خلاف بھی اُن کی تنظیم اپنی مہم زیادہ شدت سے چلائے گی۔ اس مقصد کے لئے آر ایس ایس کے رضاکار پورے ملک میں کام کرینگے۔ انھوں نے کہا کہ سکھ ہندو فرقے کے ایک جز ہیں۔

پولیس نومسلموں میں خوف و ہراس پیدا کر رہی ہے

مدراس۔ مشرقی رام ناتھ پورم کے چند دیہاتوں کا دورہ کرنے والی چار پارٹیوں کی جائزہ ٹیم نے کہا ہے کہ ان دیہاتوں کے مسلمانوں اور نومسلموں میں پولیس کی حرکتوں کی وجہ سے خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے ان دیہاتوں میں تبدیلیٔ مذہب کے واقعات ہوئے ہیں۔ اس ٹیم میں سہیل حمید (انڈین یونین مسلم لیگ)، مسٹر ایس سوامی (کمیونسٹ پارٹی)، مسٹر ایس پونل (تملناڈو کامراج کانگریس)، مسٹر حید منبرام (ڈی ایم کے) شامل ہیں۔ اس ٹیم نے ۲۲ نومبر کو ڈسٹرکٹ کلکٹریٹ کو ایک میمورینڈم پیش کیا کہ ان دیہاتوں میں مسلمانوں کو خواہ مخواہ گرفتار کر کے پوچھ تاچھ کی جا رہی ہے۔ ٹیم نے مطالبہ کیا ہے کہ مسلح پولیس کا ان گاؤں میں کسی وقت آنا روکا جائے۔ میمورینڈم میں کہا گیا ہے کہ تبدیلیٔ مذہب کے سلسلے میں گرفتار شدگان کو رہا کیا جائے اور اُن کے خلاف مقدمات واپس لئے جائیں۔ ان لوگوں نے ڈسٹرکٹ کلکٹر سے متاثرہ دیہاتوں کا وقتاً فوقتاً دورہ کرنے اور ذاتی مشاہدہ کرنے کی درخواست کی۔

لندن میں ایک بوڑھے ہندو کا قبولِ اسلام

لندن۔ ایک ۷۶ سالہ شخص شانتی پرکاش نے اسلام قبول کر لیا ہے جس کے بعد اُس کی بیٹی نے اپنے باپ سے قطع تعلق کا اعلان کیا ہے۔ شانتی پرکاش کا نیا نام محمد اسمٰعیل رکھا گیا ہے۔ وہ ۱۹۴۹ میں انگلینڈ آئے تھے۔ اُس وقت اُن کا داماد جیل میں تھا اور حکومتِ برطانیہ نے رحم کی بنیاد

اُن کو اس لئے انگلینڈ میں قیام کی اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنی لڑکی اور چند نواسوں اور نواسیوں کی دیکھ بھال کر سکیں۔ محمد اسمٰعیل کا داماد حال ہی میں جیل سے رہا ہو گیا ہے۔ محکمۂ داخلہ نے کہا ہے کہ محمد اسمٰعیل کو اب واپس ہندوستان جانا ہوگا۔ لیکن محمد اسمٰعیل نے درخواست کی ہے کہ اُن کو انگلینڈ میں رہنے دیا جائے کیونکہ ہندوستان واپسی پر ہندو اُن کا سماجی بائیکاٹ کر دیں گے۔ یہ معاملہ اب ایک عدالت میں ہے اور حکومت نے بنگلہ دیش سے ایک مسلمان عالم کو بلایا ہے جو محمد اسمٰعیل کے قبولِ اسلام کے بارے میں مذہبی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالیں گے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انگلینڈ بدر نہ کئے جانے کے لئے محمد اسمٰعیل کی درخواست رحم کی بنیاد پر کی گئی ہے۔

اچھی فصل کی خاطر

۳۰ر نومبر کو مہاراشٹر اسمبلی میں بتایا گیا کہ اسی ماہ گڑھ چرولی ضلع کے بھمبھر اگر گاؤں میں
ے کم عمر لڑکے کو اچھی فصل پیدا ہونے کی توقع پر قربان کر دیا گیا۔

وزیر مملکت برائے داخلہ مسٹر ولاس راؤ
ٹل مکھ نے حزبِ مخالف کی طرف سے پیش
جانے والی تحریک توجہ پر ایک بیان دیتے
وئے کہا کہ مادھو نامی لڑکے کو ۱ر نومبر کو مارا گیا۔

انھوں نے بتایا کہ پجاری سمیت تین
افراد اس واقعہ کے ذمہ دار تھے۔ واقعہ کی تفصیل
بتاتے ہوئے انھوں نے کہا کہ یہ واقعہ اس علاقہ
میں دوسرا واقعہ ہے۔ واقعہ کے دن اس بچے
کو جب کہ وہ اپنے ایک ہمجولی کے ساتھ اسکول
جا رہا تھا جگا مدوی، کپیا مدوی اور ڈونو مڈوی
ایک گھنے جنگل میں لے گئے اور نالے کے قریب
آٹھ چاقو مارے جس سے وہ غش کھا کر گر پڑا۔
مارنے سے پہلے پجاری نے کچھ مذہبی رسوم
بھی ادا کیں۔

جگا نے بچے کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے
اور کپیا نے چاقو کے پیہم وار کئے۔ اس نے
ایک چاقو اس کی گردن پر مارا اور دوسرے
وار جسم کے دوسرے حصوں پر کئے۔ اس موقع
پر پجاری ڈونو کچھ منتر اور اشلوک پڑھتا جا رہا
تھا۔ ایک جھاڑی کے پیچھے یہ قربانی دی جا رہی تھی

ور جب بچہ خون میں لت پت غش کھا کر گرا تو
س کا خون ایک ٹیوب میں جمع کیا گیا۔
چودہ سال کا یہ لڑکا ساتویں درجہ میں
پڑھ رہا تھا۔ وہ قریب کے گاؤں کوکیلی میں رہتا
تھا اور اسکول کے زمانے میں وہ ہوسٹل میں
قیام پذیر رہتا تھا۔ وہ دیوالی کی تعطیلات
گذار کر ۱۶ر نومبر کو ہوسٹل آیا تھا۔ اس کا قریبی
دوست وسنت تین روز پہلے آگیا تھا۔
واقعہ کے دن جوگا، کپیا اور ڈونو
ہوسٹل کے قریب وسنت سے ملے اور اسے
بتایا کہ اچھی فصل اگانے کے لئے پوجا پاٹ کرنے
کی غرض سے انسانی خون کی ضرورت ہے۔
انھوں نے وسنت سے کہا کہ وہ بعد میں ایک
خاص مقام پر ان سے ملے۔
وسنت نے ہوسٹل سے مادھو کو بلایا
اور دونوں جنگل کی طرف روانہ ہوگئے جب وہ
اس خاص جگہ پہونچے تو ملزم ان کو مل گئے۔
ڈونو نے لڑکے کے سر پر کچھ چاول پڑھ کر ڈالے
اور پھر یہ سب وہاں سے ایک کلومیٹر کا فاصلہ
طے کر کے ایک جگہ پہونچے۔
مسٹر ونش مکھ نے اپنے بیان میں مزید
بتایا کہ جب چاقو بازی شروع ہوئی تو وسنت
ڈر کر بھاگا۔ جب ڈونو نے اس کو بھاگتے ہوئے
دیکھا تو اس کو روکنے کے لئے ایک چھوٹا سا ہتھیار
اس کی طرف پھینک کر مارا جس سے وہ خفیف سا
زخمی ہوگیا لیکن وہ بھاگتا ہی گیا۔ ڈونو نے بعد
میں اس کا پیچھا کیا اور پکڑ لیا۔ اس کو ۱۰۰ روپے
دئے اور دھمکی دی کہ اگر اس نے زبان کھولی
اور کسی سے کچھ کہا تو اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ اس
طرح وسنت ہوسٹل واپس آگیا۔
مادھو کو غائب دیکھ کر اسکول کے ٹیچروں
اور ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ نے اس کی تلاش شروع
کی۔ وسنت سے بھی پوچھا گیا لیکن وہ خاموش
رہا اور دو دن کے بعد اس نے بالآخر اس واقعہ
کے متعلق زبان کھولی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ مادھو
کی لاش نالے میں پھینک دی گئی ہے۔ اور پھر
ٹیچروں نے وہاں جا کر لاش کو پالیا۔ جس ہتھیار سے
یہ قتل کیا گیا تھا اس کا اب تک پتہ نہیں لگا ہے۔
وسنت اور ایک دوسرے شخص سمیت جگا، کپیا
اور ڈونو کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔
وزیر موصوف نے مزید کہا کہ اس علاقہ
میں پولیس کا گشت اور وائرلیس سیٹ لگائے

گئے ہیں۔ انھوں نے برافروختہ ممبروں کے اِس مطالبے سے بھی اتفاق کیا کہ واقعے کی نوعیت کے پیشِ نظر اعلیٰ سطح کی پولیس تحقیقات کرائی جائے۔

(دعوت سے ماخوذ)

دو غزلیں

مُطلقاً فکرِ مآلِ گردشِ دوراں نہیں
کوئی ہم سا بھی جہاں میں بے سروساماں نہیں

اک سمندر میں تلاطم، کوئی ہلچل، کوئی شور
جب سے ڈوبا ہے سفینہ ایک بھی طوفاں نہیں

ایک وہ عالم تھا جب گلشن بداماں تھی حیات
اِک یہ عالم، اِک کلی بھی زینتِ داماں نہیں

عمر بھر لٹتے رہے کتنے حسیں انداز سے
ہم ہی سمجھا کئے، ہم بے سروساماں نہیں

اللہ اللہ نشۂ جامِ شرابِ زندگی
جب سے چکھ لی ہے ذرا بھی ہوش میں انساں نہیں

ہر طرف ہے نفسی نفسی، ہر جگہ ہے خلفشار
کیا قیامت ہے کسی کا کوئی بھی پرساں نہیں

بچ کے رہنا دوستو زلفِ غمِ ایام سے
یہ وہ ناگن ہے کہ ڈس لے تو کوئی درماں نہیں

رازؔ کعبہ، بتکدہ، گلشن، بیاباں، میکدہ
کون سی محفل میں ذکرِ گردشِ دوراں نہیں

صرف دو دن کی زندگی کے لئے
سیکڑوں غم ہیں آدمی کے لئے

دوستوں سے وہ غم اُٹھائے ہیں
دل لرزتا ہے دوستی کے لئے

زندگی بھیک میں نہیں ملتی
بھیک مانگو نہ زندگی کے لئے

مری دنیا میں روشنی ہو جائے
تم جو آ جاؤ روشنی کے لئے

ہائے وہ بھی تو راہزن نکلے
منتخب تھے جو رہبری کے لئے

میرے سینے کے داغ روشن ہیں
ایک مدت سے روشنی کے لئے

اُن کے دامن میں کتنے پھول ہیں رازؔ
ہم ترستے ہیں اک کلی کے لئے

شفیع اللہ خاں رازؔ اٹاوی۔ ایس۔ این۔ کالج۔ کٹرہ پردال خاں۔ اٹاوہ۔ یوپی۔ ۲۰۶۰۰۱

اسلام، تہذیبِ جدید اور خواتین

صبیحہ اکبر۔ کرماگوڑہ

آج کی تہذیب جدید جس کو ہم مغرب کی ترقی یافتہ تہذیب کہتے ہیں ڈاروِن، کارل مارکس اور فرائڈ کے نظریات پر قائم ہوئی ہے:

① ڈارون نے کہا کہ انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ نئی تہذیب میں انسان نے ہر حیوانی عادت کو بغیر کسی شرم کے اختیار کرلیا۔ انسان کو الگ سے پیدا کرنے والے کا تصور ختم ہوا تو انسان خدا کو بھولنے لگا۔

② کارل مارکس نے اسی اثر کے تحت NATURE کو خدا کا مقام دیا۔ خدا کے ہونے سے انکار کردیا۔ اللہ کا قانون انسانوں پر سے ختم ہوگیا۔ انسان کی بنیادی ضرورت روٹی، کپڑا اور مکان قرار پایا تو جسمانی ضرورت ہی سب کچھ ہوگئی۔ آدمی جانور ہوگیا۔ اشتراکیت وجود میں آئی۔

③ فرائڈ نے کہا کہ انسان کا ہر عمل جنس کے جذبے سے تعلق رکھتا ہے۔ انسانی جبلت (INSTINCT) ہر قید سے آزاد ہونی چاہیئے۔ اب چونکہ اس میں آدمی حیوان کی طرح کھلا چھ

دیا جاتا ہے اور سماج، مذہب، اخلاق اور روایات سب اِس راستے کی رکاوٹ ہیں، اس لئے ان سب کو جہالت کی یادگار سمجھ کر چھوڑ دیا گیا اور مغرب کی مادّہ پرست، عیش پرست اور خود غرض تہذیب وجود میں آئی۔

یعنی ایک ایسی تہذیب وجود میں آئی جس میں خدا اور خدائی قانون کا تصور ختم ہوگیا۔ زبردست کا قانون کمزور پر اور اکثریت کا قانون اقلیت پر لاگو ہوگیا۔ آدمی جانور ہوگیا۔ ہر چیز جنس کی عینک سے دیکھی جانے لگی۔ سماج، مذہب، اخلاق، روایات جہالت کی یادگار اور دقیانوسیت بن گئے۔ لذت کوشی اور لطف اندوزی کی اِنسان کو چاٹ لگ گئی۔ ایسی تہذیب وجود میں آئی جس نے ترقی کے نام پر عورت کو معاشرے میں گرا دیا۔ اُس کی عزت و احترام کا خاتمہ کر دیا۔ گھر کے بجائے بازار کی زینت بنا دیا۔ گھر گرہستی کے بجائے اُسے شاپنگ اور پارکیٹنگ پر مجبور کیا۔ وہ مردوں کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ گئی۔ چراغِ خانہ ہونے کے بجائے شمع محفل بن گئی۔

پھر فرائڈ کی نفسیات نے عورت کو جب چھوٹ دی تو عورت دوسروں کو دعوت نظارہ دینے لگی۔ رقص گاہوں اور کلبوں میں نظر آنے لگی۔ غرض غیر محسوس طریقے پر عورت پھر اسی جاہلیت کی طرف لوٹ گئی جہاں اِسلام کے آنے سے پہلے تھی۔ اسلام سے پہلے بھی عورت ایک دوسری انتہا پر تھی۔ اس کی پوری زندگی غلامی کی تھی۔ خاندان میں اُس کا مرتبہ پست تھا۔ وہ زندہ دفن ہوتی رہتی۔

اِسلام آیا تو خدا کا اور اُس کی حاکمیت کا تصور لایا۔ خدا کا قانون انسانوں پر جاری ہوا۔ سب مرد و عورت برابر ٹھیرے۔ اخلاقی قانون آیا تو مختلف پابندیاں اور آزادیاں نصیب ہوئیں۔ مرنے کے بعد زندہ ہونے، آخرت اور جواب دہی کے تصور نے لطف اندوزی، لذت کوشی، گناہ اور کھلونا بنانے کے تصور کو ختم کر دیا۔ پھر وہ اسلامی تہذیب آئی جس میں عورت پر سے مظالم ختم ہو گئے۔ مرد اور عورت کو برابر کر دیا گیا۔ عورت کو نسب قائم

کرنے والی، انسانیت، رحمت، ہمدردی، غمگساری اور اُلفت و محبت جیسے جوہروں کا خزانہ ٹھیرایا گیا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اللہ کو مومن، فرمانبردار، راست باز، صبر کرنے والی، فروتنی سے رہنے والی، خیرات کرنے والی، روزہ رکھنے والی، آبرو کی حفاظت کرنے والی، اللہ کو یاد کرنے والی عورتیں پسند ہیں۔ پھر ایسی عورتوں کا معاشرہ بنا جن کو بتایا گیا کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں، مرد باہر کا اور عورت گھر کی ذمہ دار ہے۔ عورت کا اعلیٰ مرتبہ ماں کی حیثیت سے واضح کر دیا گیا۔ اس کی عصمت کی حفاظت کے لئے اس کو ستر اور پردے کے احکام دئے گئے۔ دینی و سماجی تقریبات میں شرکت کے احکام دئے گئے۔ گھروں میں آنے جانے کے آداب مقرر کئے گئے۔ تعلیم کو عورت کا بھی زیور بتایا گیا مگر بتایا گیا کہ عورت کیا پڑھے اور کیا نہ پڑھے۔

پس آج جدید تہذیب سے بگڑا ہوا معاشرہ سُدھر سکتا ہے تو صرف اس طرح کہ یہ بات سمجھ لی جائے کہ جدید تہذیب ترقی یافتہ تہذیب نہیں بلکہ دراصل جاہلیت ہے۔ ہم کو اس سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کو اختیار نہ کرنا جاہلیت اور دقیانوسیت نہیں بلکہ عقلمندی ہے۔ اور پھر اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر جم جائیں مکمل مسلم لڑکی اور مسلم عورت بن جائیں۔ ہم بھی درست ہوں گی اور ہمارا معاشرہ بھی درست ہو جائے گا۔ اور ہماری آئندہ نسل بھی درست ہو جائے گی۔ انشاءاللہ۔

سیّدہ عائشہ سلطانہ۔ چنچل گوڑہ۔ حیدرآباد (معاون ناظمہ)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نہیں ہے ہائے افسوس اب تمہارا وہ چلن باقی
نہ وہ حسنِ عمل باقی نہ اب وہ حسنِ ظن باقی

محترم خواتین و عزیز بہنو! السلام علیکم۔ تہذیب سے مراد طریقۂ زندگی ہے جو انسان دنیا میں گذر بسر کے لئے اختیار کرتا ہے۔ تہذیب میں تعلیم، تربیت، معاشرت معیشت اور باہمی

سافی روابط سب کچھ شامل ہیں۔ آیئے اب دیکھیں کہ جدید تہذیب (modern culture)
ورت کو کیا بنانا چاہتی ہے :
① نئی نسلوں کی تعلیم کا مسئلہ ۔
② پُر امن معاشرتی زندگی کے اصولوں کا معاملہ ۔
③ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے وسائل و ذرائع میں وسعت ۔ ان سے بھرپور
ستفادے کا مسئلہ ۔
یہی تین مسائل انسان کی زندگی کے اہم مسائل ہیں ۔ جو ان کا صحیح حل پیش کرے اسی کو
رہنمائی کا حق پہونچتا ہے ۔

① نئی نسلوں کی تعلیم کا مسئلہ :۔ نئی نسلوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں جدید تہذیب ماں باپ کی ذمہ داریوں کو محسوس نہیں کرتی ۔ نرسری سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک ساری ذمہ داریاں ماں باپ کے بجائے غیروں کے سپرد کرتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ دوسروں کے ہاتھوں پروان چڑھی ہوئی نسل وہی تو سیکھے گی جو اُسے سکھایا جائے گا ۔ آج کل کی تہذیب عورت کو مرد کے مساوی قرار دیتی ہے ۔ اُسے سکھایا جاتا ہے کہ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست ، یہ حرص اُسے خود غرض بنا دیتی ہے ۔ بناوٹی زندگی بسر کرنا سکھاتی ہے ۔ اس کے لئے بینک بیلنس ہی سکون کا سبب بتایا جاتا ہے ۔ جو لڑکی یہ سب سیکھے گی وہ کیسے ایک ماں ، بیوی ، بہن ، بیٹی کے فرائض انجام دے سکتی ہے ۔ دوسری طرف ردعمل یہ کہ ایک بچہ جب ماں کی تربیت اور محبت سے محروم رہتا ہے تو خود غرض اور بے رحم بن کر اُبھرتا ہے ۔

② پُر امن معاشرتی زندگی کے اصولوں کا معاملہ :۔ جدید تہذیب میں معاشرت کا مسئلہ بڑا گھناؤنا ہے ۔ ایک عورت مرد کے برابر باہر نکل کر معاشی مسائل کو مردوں کے دوش بدوش حل کرنا چاہتی ہے جس کے نتیجہ میں گھر کا سکون چین درہم برہم ہوتا ہے اور آخر میں بعض جگہ طلاق کی بھی نوبت آجاتی ہے ۔ عورت کو یہ زعم ہوتا ہے کہ وہ خود کفیل ہے

کیوں خواہ مخواہ مرد کی زیر رہے۔ اِس کے بعد جو نتیجہ سامنے آتا ہے اُس کی مثالیں یورپ اور امریکہ وغیرہ میں عام ہیں۔ یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

حجاب:۔ عزیزہ عائشہ سلطانہ صاحبہ نے تین تنقیحوں کو سامنے رکھ کر بحث کا آغاز کیا تھا لیکن انھوں نے دو پر مضمون ختم کر دیا۔ تیسری تنقیح پر بحث کرنا یا تو وہ بھول گئیں یا اس کا مسودہ انہی کے پاس رہ گیا۔ اگر وہ تیسری تنقیح کی بحث حجاب کو مرحمت فرمائیں تو شکریہ کے ساتھ شائع کی جائے گی (م)

شبانہ انجم۔ انٹر سکنڈ ایر۔ ناظمہ ہمت پورہ

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

محترم ماؤں، عزیز بہنو! السلام علیکم۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ مجھ ناچیز کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اپنی بہنوں کے درمیان کھڑی ہو کر کچھ سناؤں۔ اللہ تعالیٰ نے "تہذیب جدید اور اسلام" کے عنوان پر ڈسکشن کا موقع عطا فرمایا۔ تمام ساتھیوں کے خیالات عنوان کے تحت میرے سامنے آئے۔ اِن سے جو POINTS (اشارے) ملے مجھے اُن کی ترجمانی کرنی ہے۔

عزیز بہنو! موجودہ دور میں خواتین پر جدید تہذیب مسلط ہوتی جارہی ہے۔ یہ خطرہ نہ صرف خواتین بلکہ تمام انسانیت کے لئے چیلنج ہے۔ بحیثیت خیر اُمت ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ نوعِ انسانی کو اس خطرے سے نجات دلانے کے لئے فکرمند ہوں۔ موجودہ دور کی مادّی ترقی اور جدید طریقۂ تعلیم کے بعض مفید پہلوؤں سے انکار نہیں لیکن یہ فراموش کرنا عقیدت پسندی کے خلاف نہ ہوگا۔ چاہئے کہ مادّی ترقی اور جدید تہذیب کے ذوق میں ہماری بہنیں ایمان و یقین کی دولت سے محروم نہ ہو جائیں جو انسانیت کی سب سے قیمتی متاع اور اسلام کی روح ہے۔

میری عزیز بہنو! دورِ جدید میں علم حاصل کرنے کا ایک غلط نظریہ قائم ہو گیا ہے کہ علم دنیوی مفاد کے لئے حاصل کیا جائے۔ اِس غلط نظریہ کی بدولت آج دنیا جتنی تیزی سے مادّی ترقی کی

راہ پر گامزن ہے اسی تیزی سے انسان انسانیت اور روحانی و اخلاقی قدروں سے محروم ہوتا جا رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مادی ترقیات انسانیت کے لئے وبالِ جان بنتی جا رہی ہیں۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ صرف وہ تعلیم قیمتی ہے جو انسان کو برائیوں سے محفوظ رکھے اور انسان کی روحانی ترقی کی ضامن بن سکے۔ اگر مغربی دنیا کے پاؤں چاند پر پہونچ گئے ہیں تو دوسری طرف سماجی، خاندانی اور اخلاقی لحاظ سے یہ دنیا تحت الثریٰ پہونچ گئی ہے۔ یوروپ اور امریکہ مغربی تہذیب کے علمبردار، جن کی مادی ترقی کا دنیا کو اعتراف ہے وہی ذہنی طور پر بے اطمینان اور بے سکون ہوتے جا رہے ہیں۔

عزیز بہنو! جدید تہذیب نے عورت کو کیا سے کیا بنا دیا۔ اس کو تھیٹروں میں، رقص گاہوں میں، تجارتی کاروبار میں غرضیکہ ہر جگہ دیکھ لیجئے، عورت کی برہنہ یا نیم برہنہ تصویر ہوگی۔ ہوٹل، شوروم کوئی جگہ ایسی نہ ملے گی جہاں عورت اس غرض سے نہ رکھی گئی ہو کہ مرد اس کی طرف کھنچ کر آئیں۔ اسلام نے اس نظریہ کے برعکس دنیا کو بتایا کہ عورت بھی اپنا مقام رکھتی ہے۔ عورت عزت و احترام کے ساتھ گھر میں رہے۔ عورت ماں، بہن، بیوی، بیٹی کی حیثیت سے اپنے حقوق و مراتب رکھتی ہے۔ حضورؐ نے بتایا کہ خدا اور رسولؐ کے بعد سب سے زیادہ عزت، قدر و منزلت اور حسن سلوک کی مستحق تیری ماں ہے۔ سرور کائناتؐ نے شوہر کو بتایا کہ صالح بیوی تیرے لئے دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ اسلام کے نزدیک عورت کا مستقل وجود ہے۔ شادی کے بعد جہاں وہ کچھ نئی ذمہ داریاں سنبھالتی ہے وہیں بعض نئے حقوق کی مالک بھی بنتی ہے۔ آپ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ عورتوں اور مردوں نے مل کر اسلامی تاریخ بنائی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے عورت نے ہی قبول کیا جو ہماری ماں ام المومنین حضرت خدیجہؓ تھیں۔ اسلام میں پہلی شہید بی بی سمیہؓ پر ہم سب جانتے ہیں کہ عورت کی تلاوت قرآن کے سوز اثر نے حضرت عمرؓ کی تقدیر بدل دی۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمان خواتین نے دین و اخلاق، سیرت و کردار، علم و عمل، سیاست و تہذیب و معاشرت غرض ہر میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

امریکہ میں ایک شخص ایک لڑکی کے قتل میں ماخوذ ہوا۔ استغاثہ ثبوت پیش کرنے میں ناکام رہا اور عدالت نے اُسے بری کر دیا۔ لڑکی کے باپ نے بھری عدالت میں اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "تم ہی میری بیٹی کے قاتل ہو۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو اور خدا بھی جانتا ہے۔ دنیا کی اس عدالت میں تم نے مکرو فریب کے سہارے اپنی بے گناہی ثابت کر دی لیکن اس دنیا کے

موت اس کی منتظر تھی

مالک کو تم دھوکا نہیں دے سکتے۔ وہ تم کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کی گرفت سے تم زیادہ دیر تک بچ نہیں سکو گے۔" باپ یہ کہہ کر عدالت سے باہر چلا گیا۔ ملزم مبہوت کھڑا رہا۔ اُس پر جیسے سکتہ طاری تھا۔ عدالت سے باعزت بری ہونے کی ساری خوشی کافور ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ بھاری قدموں سے عدالت سے باہر نکلا اور سڑک پار کرنے لگا تو ایک تیز رفتار گاڑی کی زد میں آکر ہلاک ہو گیا۔

یہ ایک مسلسل عمل ہے

ہفتہ وار نیوز ویک نے اِس حادثہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اسے ایک دلچسپ اور اپنی نوعیت کا انوکھا واقعہ قرار دیا ہے لیکن یہ فی الواقع اپنی نوعیت کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے۔ اس طرح کے واقعات اِس کارگہہ عالم میں روز ہوتے رہتے ہیں۔ فرق صِرف یہ ہے کہ اُن کی ظاہری نوعیت، ظاہری شکل و صورت بدلی ہوئی ہوتی ہے۔ بعض حالات میں خدائی فیصلہ مجرم کو براہ راست اپنے آخری انجام سے دو چار کر دیتا ہے جیسا کہ بیشتر حالات میں یہ ہوتا ہے کہ خدائی قانون کو توڑنے والے بتدریج اپنے آخری انجام کی طرف اِس طرح بڑھ رہے ہوتے ہیں کہ اُن کا ذہنی سکون بالکل رخصت ہو چکا ہوتا ہے اور اس دنیا میں حاصل ہونے والی ہر کامیابی اُنھیں ذہنی اِنتشار،

بے آرامی اور مختلف النوع عوارض کے گرداب میں مزید پھنساتی جا رہی ہوتی ہے۔ آپ دنیاوی اعتبار سے کسی بھی "کامیاب ترین" شخص کی زندگی پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ آپ کو ظاہری شان و شوکت اور آسائش و آسودگی کے دلفریب مظاہر کے پیچھے ایک ایسی افسردہ اور سسکتی بلکتی سی شخصیت نظر آئے گی جو رات کی پرسکون نیند کے لئے بھی ترس رہی ہوتی ہے، جو مختلف قسم کی دواؤں اور انجکشنوں کے بغیر دو چار گھنٹے بھی آرام و سکون کے ساتھ نہ گذار سکتی ہو۔ احکام ربانی کو نظر انداز کر کے اور صراط مستقیم سے ہٹ کر جب بھی زندگی گذارنے کی کوشش کی جائے گی تو اس دنیا میں بھی آرام و آسائش کے تمام لوازمات کی موجودگی کے باوجود آرام و سکون عنقا ہو کر رہ جائے گا۔ یہ کلیہ فرد اور معاشرے پر یکساں طور پر لاگو ہوتا ہے۔

دوہرے خسارے کا سودا

امر واقعہ یہ ہے کہ یہ دوہرے خسارے کا سودا ہے۔ خدائی احکام سے بے نیاز ہو کر زندگی گذارنے والے افراد اور معاشروں کا جو حال ہے وہ آج کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ عائلی نظام کی بنیادیں ہل گئی ہیں۔ بڑے اپنے حال میں مست اور چھوٹے ماں باپ کی شفقت و توجہ سے محروم، کسی کو اپنے سوا کسی اور کا دکھ درد جاننے کی نہ فرصت ہے نہ خواہش، گھروں کا حال اُن پنجروں جیسا ہو گیا ہے جن میں کچھ لوگوں کو وقتی طور پر لا کر بند کر دیا گیا ہو اور ہر پنچھی پہلی فرصت میں اُڑ جانے کے لئے پر تول رہا ہو۔ جو معاشرہ جتنا زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ کہلاتا ہے، بے راہ روی، خود غرضی اور جرائم کے روگ میں اُتنا ہی زیادہ مبتلا نظر آتا ہے۔ بے سمتی کی دہشت اور عدم تحفظ کے احساس نے ایک ایک فرد کو پوری طرح جکڑ رکھا ہے۔ نوجوان اپنے مستقبل کی فکر میں بولائے بولائے پھر رہے ہیں تو بڑھاپے کی دہلیز کے قریب پہونچ جانے والوں کو یہ فکر مستقل ستاتی رہتی ہے کہ آخری ایام کس طرح گذریں گے۔ جوان بیٹے جو کبھی بڑھاپے کی لاٹھی سمجھے جاتے تھے، جدید تہذیب اور اپنے لئے سب کچھ سمیٹ لینے کی کبھی نہ ختم ہونے والی ہوس نے

اب یہ لاٹھی بھی چھین لی ہے۔
کی روز افزوں ہوس نے بے خدا معا
یہ کوئی اتفاقی امر نہیں ہے۔ یہ دراصل
اللہ کے نافرمان اور سرکش بندوں کو مو
والے عذاب کے گرداب میں دھکیل دینے

ہیں۔ میکے میں جو سپنے ادھورے رہ جاتے ہیں، لڑکی
گر لیکن افسوس! واقعات اور شواہد کا ایک
تے بھی یہی انجام ہونا ہے تو تعلیم یافتہ
ہے یا یہ دھرم تبدیل کرکے
ہ، کو



کبھی تنہائی میں سوچئے :۔

○ کتنی طاقتیں ہیں جن سے آپ خوف کھاتے
○ کتنے وجود ہیں جن کو آپ خوش رکھنے میں لگے رہتے ہیں؟
○ کتنے وہ فکری مراکز ہیں جن سے آپ طریقِ زندگی کا سبق لیتے ہیں؟
○ کتنے وہ دروازے ہیں جن پر آپ مفاد کے بھکاری بن کر جاتے ہیں؟

سوچئے :۔

● کتنے بوجھ ہیں ● کتنی زنجیریں ہیں ● کتنی بیڑیاں ہیں ● کتنے بندھن ہیں ...... جنھوں نے آپ کے لئے زندگی اجیرن کر دی ہے؟
....

■ یہ سارے بوجھ اُتار دیجئے ■ یہ ساری زنجیریں اور بیڑیاں کاٹ دیجئے ....
■ صرف ایک خدا سے ڈریئے ■ ایک خدا کو راضی رکھنے کی فکر کیجئے
■ ایک خدا سے زندگی کی ہدایت مانگئے ■ ایک خدا کے سامنے ہر سوال رکھئے ....
■ باقی سارے جھوٹے خداؤں کو فراموشی کے سمندر میں ڈبو دیجئے زندگی ہلکی پھلکی اور آسان ہو جائے گی ۞

سیدہ شمیم افزا۔ ظہیر آباد

عورت پر مظالم اور اس کے اسباب

آج ہم دہلی کی جس خصوصیت کا ذکر کرنے چلے ہیں وہ یہ ہے کہ اب یہاں نئی بیاہی ہوئی دلہنوں کو دو دفعہ جلانے کا 'فیشن' بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک دفعہ جیتے جی گھر میں اور دوسری دفعہ مرنے کے بعد شمشان گھاٹ میں۔ اس معاملے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ فیشن صرف دہلی تک محدود ہے۔ جی نہیں! عظیم بھارت کے بیشتر صوبے ایسے ہیں جہاں یہ حادثے ہو رہے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ حادثے نہیں، سوچے سمجھے منصوبے اور کھانے کمانے کے دھندے ہیں۔ دہلی کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ پورے بھارت کی نمائندگی کرنے والا شہر ہے اور یہاں قریب قریب ہر روز ایک دلہن کے زندہ جلائے جانے کا اوسط ہے۔

اس وقت بھی جبکہ یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں کوئی نہ کوئی قسمت کی ماری دلہن یا تو مٹی کا تیل چھڑک کر جلائی جا رہی ہو گی یا جلائے جانے کے منصوبے بنائے جا رہے ہوں گے۔

یہ بُرائی اور نصف انسانیت کا یہ اپمان اب اتنا بڑھ گیا ہے کہ آئے دن خود سوزی کی اِن خبروں میں لوگوں کے لئے کوئی ندرت نہیں رہ گئی ہے۔ بھارت کی وزیر اعظم خود ایک عورت ہیں۔ وہ عورتوں کو انصاف دلانے میں بے بس نظر آ رہی ہیں۔ یہ برائی سماج کے کسی مخصوص طبقے یا گروہ تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں معمولی ورکر سے لے کر بڑے سے بڑے بزنس مین تک اور چپراسی سے لے کر حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں تک میں یہ بیماری پھیلی ہوئی ہے۔ اعداد و شمار اس کے گواہ ہیں۔ عورتیں اپنی اس بے بسی پر حیران ہیں۔ نوجوان لڑکیاں اپنے مستقبل کے لئے کیسے کیسے سپنے سجاتی ہیں۔ اپنے خوابوں کے شہزادے کو کس طرح

اپنے من میں بسائے سنہرے خواب دیکھتی ہیں۔ میکے میں جو سپنے ادھورے رہ جاتے ہیں، لڑکی سوچتی ہے کہ وہ سسرال میں جاکر پورے ہوں گے لیکن افسوس! واقعات اور شواہد کا ایک جھٹکا ان سارے سنہرے خوابوں کو بکھیر کر رکھ دیتا ہے۔ اگر جیتے جی یہی انجام ہونا ہے تو تعلیم یافتہ لڑکیاں سوچتی ہیں کہ ایسی شادی سے تو تمام عمر کنواری رہنا ہی اچھا ہے یا یہ دھرم تبدیل کرکے ایسے مذہب میں چلی جائیں جہاں یہ ظلم نہیں ہوتا۔

جب جب کوئی عبرتناک واقعہ کسی دلہن کو جلائے جانے کا سامنے آتا ہے تو عورتوں کی انجمنیں اور اُن کی سبھائیں سڑکوں پر نکل کر احتجاج کرتی ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں جو بینر ہوتے ہیں اُن پر لکھا ہوتا ہے "عورتیں جلانے کی چیز نہیں ہیں۔"

گذشتہ دنوں اسی طرح کا ایک وفد وزیر اعظم سے ملنے اُن کی کوٹھی پر گیا۔ اس نے عورتوں کی اس مظلومیت پر فریاد کی۔ سب سے زیادہ عبرت انگیز بات یہ ہے کہ جانے والی ان عورتوں میں ایک چھ سات سال کی معصوم بچی بھی تھی جس نے مسز گاندھی سے کہا کہ میں بھی اس بات کا انتظار کر رہی ہوں کہ اب سے دس سال بعد مجھے بھی زندہ جلایا جائے گا کیونکہ میرا باپ زیادہ جہیز نہ دے سکے گا۔ سماج کے دانشور، سماج کے سیاسی کارکن اور دھرموں اور مذہبوں کے نام لیوا، بھارت ورش کے اوپر اپنی جان نچھاور کرنے کے مدعی نہ جانے کیوں خواب غفلت میں مبتلا ہیں کہ اُن کی آنکھوں کے سامنے اُن کی بہو بیٹیوں کا یہ حال ہو رہا ہے اور وہ موت کی نیند سوئے ہوئے ہیں۔ جن لوگوں سے معمولی جانور کی ہتیا تک برداشت نہیں ہوتی وہ زہر کا یہ گھونٹ شاید اَمرت سمجھ کر پی رہے ہیں۔ اسی طرح کی بات پر شاید سیدنا مسیح علیہ السّلام نے اپنے نام نہاد پیروکاروں سے کہا تھا کہ تم لوگ اُونٹ نگل جاتے ہو اور مچھر چھانتے رہتے ہو۔

آئیے اِنسانیت کی اِس بےحسی پر اور اِس کے اَسباب پر کچھ غور کریں۔ اِس بات کو سب جانتے ہیں کہ ہمارے سماج میں لڑکے اور لڑکی کو برابری کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ لڑکی کو گری ہوئی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ عام رجحان یہ ہے کہ لڑکا پیدا ہوتا ہے تو خوشی کے شادیانے

بجتے ہیں۔ ایک دوسرے کو مبارکبادیاں دی جاتی ہیں، چہروں پر فخر کی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اگر لڑکی پیدا ہوگئی تو چہروں پر کلونس چھا جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ لڑکے کو خاندان کا نام چلانے والا، آمدنی میں اضافہ کرنے والا اور طاقت میں اضافے کا سبب سمجھا جاتا ہے جبکہ لڑکی کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ خرچ کی گٹھری سر پر رکھ دی گئی ہے۔ پڑھاؤ بھی، لکھاؤ بھی، کچھ نہ کچھ ٹریننگ بھی دلاؤ، اور جب پلی پلائی لڑکی دوسرے کے حوالے کرنے لگو تو اتنا سامان دینے کو چاہیئے کہ گھر خالی ہو جائے۔ اب اگر کسی گھرانے میں کئی لڑکیاں ہوں تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اُن کے والدین کے دن اور رات کس کرب اور بے چینی میں گزرتے ہوں گے۔

لڑکے کے مقابلے میں لڑکی کو کس قدر حقیر اور بوجھ سمجھا جاتا ہے، اس کی ایک حالیہ مثال سنئے۔ ابھی پچھلے دنوں یہ انکشاف ہوا تھا کہ کسی کیمیاوی جانچ کے ذریعہ یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ رحمِ مادر میں لڑکا ہے یا لڑکی ہے۔ اس انکشاف کے بعد جانچ کرانے والی عورتوں کی کثیر تعداد پہونچنے لگی۔ اور جن عورتوں کو یہ پتہ چلا کہ اُن کے رحم میں لڑکی پرورش پا رہی ہے انھوں نے باقاعدہ حمل گروانے شروع کر دیئے۔ حکومت کو تشویش ہوئی اور وزیرِ صحت نے باقاعدہ اعلان کرکے اس بات پر پابندی لگا دی کہ حمل کے دوران کوئی جنس کی معلومات کرے۔ ظاہر ہے کہ اس خود غرضی کے رجحان کو اگر فروغ مل جائے تو لڑکیوں کی شرح پیدائش بہت کم ہو جانے سے سارا سماجی ڈھانچہ چوپٹ ہو کر رہ جائے گا اور خود قدرت نے اس معاملے میں جو توازن رکھا ہے وہ درہم برہم ہو جائے گا۔ دہلی کے علاوہ جن صوبوں میں دلہنوں کو جلائے جانے کے واقعات زیادہ ہوتے ہیں اُن میں سرفہرست پنجاب کا صوبہ بھی ہے۔ کئی سال پہلے اس طرح کے متواتر واقعات کو دیکھتے ہوئے پنجاب کے وزیرِ اعلیٰ نے کچھ قاعدوں اور ضابطوں کا اعلان کیا تھا۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ شادی کے چند سال کے اندر اندر اگر کوئی دلہن مر جائے یا جل جائے تو جب تک اُس کے

میکے سے اُس کے والدین یا بھائی وغیرہ نہ آجائیں تب تک لڑکی کا انتم سنسکار نہ کیا جائے، ورنہ ممکن ہے کہ سسرال والے ثبوت ختم کرنے کے لئے جلدی جلدی لڑکی کو شمشان گھاٹ پہونچا کر سارے ثبوت ختم کردیں۔

تحقیق کرنے پر سسرال والے عموماً یہ بہانہ کرتے ہیں کہ اسٹوو سے آگ اتفاقیہ لگ گئی۔ کھانا پکاتے ہوئے ساڑی کے پلّو یا دوپٹے کے دامن نے آگ پکڑلی۔ اِس طرح کے بیانات پر خود پنجاب ہی کے وزیر اعلیٰ نے بڑی چبھتی ہوئی بات کہی تھی کہ یہ اتفاقیہ آگ لڑکیوں کے میکے میں کیوں نہیں لگتی۔ اور سسرال میں بھی ساس کے یا دیورانی اور جیٹھانی کے پلّو میں کیوں نہیں لگتی۔ واقعات بھی اِس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ جلائی ہوئی کوئی لڑکی اگر اسپتال میں نزاعی بیان دینے کی پوزیشن میں ہوتی ہے تو وہ بتادیتی ہے کہ شوہر اور ساس اور دیوروں اور نندوں نے مل کر اُسے جلایا ہے۔ پوسٹ مارٹم کی بعض رپورٹوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے گلا گھونٹا گیا اور بعد میں آگ سے جلائے جانے کا ناٹک کیا گیا۔

ایک غلط رواج

ہندو سماج کے اکثر طبقوں میں یہ رواج پایا جاتا ہے کہ لڑکی والے خود لڑکا تلاش کرنے نکلتے ہیں۔ اِس طرح لڑکے والوں کی ناک اور بھی اونچی ہو جاتی ہے اور وہ ضرورتمند کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر سودے بازی کرتے ہیں۔ یہ طریقہ سماج میں لڑکی کے مرتبے کو گرانے اور اُسے دوسرے درجے کی مخلوق بنا کر رکھ دینے کے برابر ہے۔ یہ غیر فطری طریقہ ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ جس طرح لڑکی والوں کو داماد چاہیئے اُسی طرح لڑکے والوں کو دلہن چاہیئے۔ اگر خود لڑکے والے رشتہ لے کر جائیں اور لڑکی والوں سے درخواست کریں کہ ہم آپ کی لڑکی کو اپنی دلہن بنانا چاہتے ہیں تو یہ لڑکی والوں کی عزت اور لڑکی کی شان بڑھانے والا

طریقہ ہے۔ مسلم سماج میں یہی طریقہ مروّج ہے۔ نیز نئی دلہن کے اعزاز میں دعوت ولیمہ ہوتی ہے۔ یہ دعوتِ ولیمہ دلہن کے استقبال میں ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں دلہنوں کو جلانے یا لڑکیوں کو خودکشی کرکے مرجانے پر مجبور کرنے کے واقعات نہیں ہوتے۔

لکشمی پوجا

اِس صورتِ حال کو جس چیز نے زیادہ ہوا دی ہے وہ زر پرستی کا رجحان ہے۔ بھارت میں لکشمی کی پوجا کی جاتی ہے اور اُس کا حاصل ہونا ہر طرح سے شُبھ مانا جاتا ہے۔ ہر دوکان اور کاروباری ادارے پر آپ کو "شُبھ لابھ" لکھا دکھائی دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ دولت کا آنا ہی مبارک ہے۔ کسی نہ کسی طرح سے لابھ ملنا ہی چاہئے۔ لابھ شُبھ (مبارک) ہے اور جس کام میں لابھ نہ ہو وہ اشُبھ (نامبارک) ہے۔ بھارت میں شُبھ تو لڑکے کے ماتھے پر لکھ دیا گیا اور افسوس کہ اشُبھ لڑکی کے ماتھے پر۔

سود خوری کی ذہنیت

اِس رجحان کو سود خوری نے مزید تقویت پہونچائی ہے۔ سود خور صرف لینا جانتا ہے۔ دولت کے معاملے میں وہ one way traffic کا قائل ہوتا ہے۔ اور یہ ذہنیت بھارت میں عام ہے۔ سودی سسٹم سے ہٹ کر لوگ کچھ سوچنے اور کرنے کو تیار نہیں۔ حد تو یہ ہے کہ بیوپاری طبقہ اپنی اولاد تک پر جو خرچ کرتا ہے وہ اسی کاروباری ذہنیت کے ساتھ خرچ کرتا ہے اور اُس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ آگے جاکر یہ خرچ کی ہوئی رقم سود کے ساتھ اُسے وصول ہونی چاہئے۔ اور یہ موقع اُسے مل جاتا ہے۔ جب ایک کمزور فریق (لڑکی والے) اپنی لڑکی کیلئے رشتے کی درخواست لے کر اُس کے پاس آتا ہے تو وہ اپنے لڑکے پر خرچ کی ہوئی کُل رقم آنے پائی تک کے حساب سے طلب کرلیتا ہے۔

لڑکی والے کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ اُسے اچھا لڑکا ملے اور اچھا گھر ملے۔ لیکن اپنی اِس خواہش کی تکمیل کے لئے اُسے بڑی بھاری قیمت چکانی پڑتی ہے۔ لڑکوں کے ریٹ اُن کی قابلیت، تعلیم، کاروبار اُور اُن کی سماجی حیثیت کے مطابق مانگے جاتے ہیں۔ اب یہ بات طے شدہ ہے اور ہندو سماج کے افراد اِس بات کو جانتے ہیں کہ ایک آئی۔ اے۔ ایس۔ لڑکا کتنی رقم میں ملتا ہے، انجینیر اُور ڈاکٹر لڑکا کتنے میں ملتا ہے، اپر ڈویژن کلرک اُور لوور ڈویژن کلرک کے دام کتنے ہیں اور گریجویٹ لڑکا کتنے میں ملے گا۔ اب لڑکی والے اپنی بساط یا پونجی کے حساب سے لڑکا یا گھرانا ڈھونڈتے ہیں۔

لیکن اِس کے باوجود ستم ظریفی یہ ہے کہ سارا کاروباری معاملہ طے ہوجانے اُور سارا لین دین ہوجانے پر بھی لڑکی کو پریشان کیا جاتا ہے کہ وہ میکے سے یہ لے کر آئے اُور وہ لے کر آئے۔ بعد کے مطالبے بھی پورے کردئے جائیں تو بھی سُسرال والوں کی ہوسِ زرپرستی میں فرق نہیں آتا اُور اُن کے مطالبے شیطان کی آنت کی طرح بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ گھر اگر کرایہ کا ہے تو پلاٹ خریدنے کے لئے روپیہ چاہئے۔ پلاٹ اگر خرید لیا ہے تو اس پر مکان تعمیر کرنے کے لئے رقم چاہئے۔ ریڈیو موجود ہے تو ٹیلی ویژن چاہئے۔ فریج اور اسکوٹر بھی گھر کے لئے ضروری ہوگئے ہیں۔ اُور نزلہ برعضوِ ضعیف یعنی میکے والوں پر گرتا ہے۔ سُسرال والوں کی زبردستی اور میکے والوں کی تنگ دامانی آخر یہ دن دکھاتی ہے کہ ایک روز شادی شدہ لڑکی بیچاری چکّی کے اِن دو پاٹوں کے بیچ میں پس جاتی ہے اور مٹّی کے تیل کا ایک گیلن اُسے غمِ جہاں سے چھٹکارا دلا دیتا ہے۔

ایک اُور چالاکی

کچھ لوگوں نے یہ چالاکی کی ہے کہ لڑکی والوں سے خوب جہیز لے لیا۔ نقدی بھی لے لی جو مطالبے تھے وہ بھی پورے کرالئے۔ اور بعد میں اُلٹی سیدھی کوئی چیز کھلا کر لڑکی کو باؤلا بنادیا۔ اُور پھر یہ کہہ کر اُسے اُس کے میکے بھجوادیا کہ لڑکی کو پاگل پن کے دَورے پڑتے ہیں۔ ہمارے ساتھ دھوکا کیا گیا

ہے اور ایک پاگل لڑکی کو ہمارے سر منڈھ دیا گیا ہے۔

اِس طرح ایک تیر سے دو شکار ہو جاتے ہیں۔ سارا جہیز ہضم، ساری نقدی ہضم اور دوسری جگہ شادی کے لئے معقول وجہ بھی ہاتھ آ گئی۔ اب گویا ڈاکہ مارنے کے لئے ایک اور لڑکی کا گھر مل گیا اور اس طرح دونوں ہاتھوں سے لکشمی پر ہاتھ مارنے کا موقع مل گیا۔ یہ فرضی واقعہ نہیں ہے بلکہ میں ذاتی طور پر بیوپاری حلقے میں اِس طرح کے آدمیوں کو جانتا ہوں اور خون کے آنسو روتے ہوئے اُن لڑکی والوں کو بھی جن کی لڑکیاں شادی کے بعد اُن کے گھر واپس آ گئی ہیں۔ یہ ستم ظریفی یہ بھی دیکھی جاتی ہے کہ نئی دلہن کی زندگی کا بیمہ کرا دیا جاتا ہے اور دلہن سے لکھوا لیا جاتا ہے کہ اُس کے مرنے کے بعد رقم پتی دیو دھنی رام کو ملے گی۔ بیمہ کراتے کے تین چار مہینوں کے اندر ہی دلہن جلا دی جاتی ہے اور اُس کے بیمے کی رقم دھنی رام کو مل جاتی ہے۔

مستقل جھگڑے

دولت کا لالچ اور جہیز کی ہوس کے علاوہ ایک اور فیکٹر (Factor) بھی ہے جو اس طرح کے واقعات میں دیکھنے کو ملتا ہے، اور وہ ہے نااتفاقی، مستقل جھگڑے، ذہنی یا خاندانی عدم موافقت، مزاج اور طبیعتوں کا زیادہ فرق، بانجھ یا دائم المریض بیوی۔ اِن سب باتوں کی وجہ سے اگر کوئی گھرانہ یہ سمجھتا ہے کہ ہمارا آپس میں نباہ کسی طرح نہیں ہو سکتا تو سیدھا طریقہ یہ ہے کہ باہمی طلاق ہو جائے لیکن موجودہ قانون میں طلاق دینے یا طلاق لینے کا طریقہ اِس قدر سخت اور اُلجھا ہوا ہے کہ آدمی برسہا برس عجیب و غریب پیچیدگیوں میں پھنسا رہتا ہے۔ نہ معاملہ اِدھر ہوتا ہے نہ اُدھر۔ چھٹکارا نہیں ملتا ہے۔ نہ دوسری جگہ کہیں شادی ہو سکتی ہے۔ ایسے مایوس گھرانے بھی برسوں تک اُلجھن میں پڑے رہنے کے بجائے ایک دفعہ میں ہی "قصہ پاک" کر دیتے ہیں۔ اور پھر آسانی سے خودکشی، خودسوزی اور اتفاقیہ آگ سے جل جانے کے افسانے گھڑ لئے جاتے ہیں۔ پولیس کا رویہ بے حد افسوس ناک ہوتا ہے۔ خودکشی کا واقعہ ثابت کرنے میں

خود پولیس کے لئے عافیت ہے۔ بلے چھوٹے جھنجھٹ سے نجات مل جاتی ہے۔ رہے لڑکی والے تو وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتے ہیں۔ انتقامی کارروائی آخر کس لئے آگے بڑھائیں۔ اُن کی گذری ہوئی لڑکی تو کسی بھی طرح واپس آنے سے رہی۔

طلاق اگرچہ ایک بے حد ناخوشگوار کام ہے مگر آخری درجے کی مجبوری میں بہت سے ناگوار کام بھی کرنے پڑتے ہیں۔ یہ بہرحال ایک فی ہزار سہی مگر ہے بہرحال انسانی سماج کی ایک ضرورت۔ اسے اتنا مشکل اَور پیچیدہ اگر بنا دیا جائے تو اس کا نقصان تو د عورت ذات کو بھگتنا پڑتا ہے جس کی ہمدردی میں طلاق کی یہ سختی رکھی گئی ہے۔ ہندو سماج کے لئے یہ معاملہ بڑے غور و فکر کا ہے نا اتفاقی یا عدم موافقت کی صورت میں طلاق مشکل ہو گئی ہے اور جان پر کھیل جانا آسان ہو گیا ہے۔

سب سے زیادہ حیرت اُن سماج سیوا سنستھاؤں اَور مذہب کے گرویدہ لوگوں کے اُوپر ہے جو نصف انسانیت کے اس اَپمان کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر رہے ہیں۔ ان سب کو ایسا سانپ سونگھ گیا ہے جیسے زندہ عورتوں کا جلایا جانا کوئی اہم واقعہ ہی نہیں ہے۔ وہ سوشل ورکر اَور سیاسی جماعتیں جو ذرا ذرا سی بات پر دھرنے، ایجی ٹیشن، ہڑتالیں اَور مظاہرے کراتی رہتی ہیں اِس معاملے میں چپ ہیں جیسے درپردہ اِن سب نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہو۔ بُرائی کو برداشت کرنے کا یہ رجحان جرم کو فروغ دینے اَور مجرموں کے حوصلے بڑھانے کا سبب بن رہا ہے۔
مسلم سماج اللہ کے فضل سے اِن بہت سی برائیوں سے پاک ہے۔ اور یہ اسلامی تعلیمات کا طفیل ہے جس نے مرد اَور عورت کے تعلّقات اَور اُن کے دائرۂ کار میں توازن اَور اعتدال رکھا ہے۔ مسلمانوں کے لئے اب یہ بات پہلے سے زیادہ ضروری ہو گئی ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو خود سمجھیں اَور محروم برادرانِ وطن کو ان تعلیمات سے آگاہ کریں۔

از سلطان قریشی
گلی سوداگران۔ بلی ماران۔ دہلی

حلقہ خواتین

تنظیمی دورہ

جماعتِ اسلامی پدّاپلّی کی دعوت پر محترمہ ناصرہ خانم صاحبہ ناظمہ شعبۂ خواتین جماعتِ اسلامی حلقہ آندھرا پردیش نے پدّاپلّی کا دورہ کیا۔ اس موقع پر موصوفہ نے صبح کی نشست میں خواتین متفقین کے ایک اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے دعوتی و تنظیمی امور پر سیر حاصل گفتگو کی اور خواتین کو اُن کی ذمہ داریوں کا شدید احساس دلاتے ہوئے ضروری رہنمائی فرمائی۔

دوپہر میں بمقام گلشنِ سادات موصوفہ نے شہر کی ۶۰۰ خواتین کے ایک عظیم الشان اجتماعِ عام کو خطاب کرتے ہوئے فریضۂ اقامتِ دین کی اہمیت سمجھاتے ہوئے خواتین کو دعوت دی کہ وہ حقیقی مومنانہ طرزِ عمل اختیار کریں اور بالخصوص اپنی معاشرتی زندگی سے غیر اسلامی رسم و رواج کی لعنتوں کو دور کریں تاکہ ایک طرف دنیا کو حقیقی اسلام کے خدوخال نظر آسکیں تو دوسری طرف خود ہم بھی غیر اسلامی رسم و رواج اور اس کی ڈالی ہوئی بیڑیوں کے عذاب سے نجات پا سکیں۔ اپنی دو گھنٹے کی تقریر میں موصوفہ نے مسلم خواتین کی زندگی میں پائی جانے والی معروف بے قاعدگیو اور غیر اسلامی روایات کی پابندی کی کیفیت پر شدید نکتہ چینی کی اور ساتھ ہی ساتھ اسلامی نظامِ زندگی کی وسعتوں اور برکتوں کا تذکرہ کیا اور خواتین کے اندر دین سے محبت کی کیفیت پیدا کردی۔ قبل ازیں محترمہ صغریٰ بیگم صاحبہ (کریم نگر) نے مشہور حدیث "پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو" کی دل نشین انداز میں تشریح کی۔ درسِ قرآن سے کارروائی آغاز ہوا اور دعا پر اجتماع برخاست ہوا۔

چپراسی سے کروڑپتی

گذشتہ سال انگلینڈ کے ایک حوصلہ مند انسان ویلی اسٹیفن کا لندن میں انتقال ہوگیا۔ اس شخص نے اب سے ۰۰ سال قبل ایک دفتر میں ایک چپراسی کی حیثیت سے ۵ شلنگ فی ہفتہ کی اجرت پر کام شروع کیا تھا لیکن مرنے سے قبل وہ ایف ڈبلیو وولبرتھ فرم کے درجنوں اسٹوروں کا منتظم تھا۔ اس نے اپنے پیچھے جو وصیت چھوڑی ہے اس کے مطابق ویلی اسٹیفن تقریباً ۵۵ لاکھ پونڈ چھوڑ کر مرا ہے۔

ویلی اسٹیفن نے خود اپنی سوانح حیات لکھی ہے اور اس سوانح حیات میں ایک حوصلہ مند انسان نے یہ بتایا ہے کہ ایک معمولی درجہ سے ترقی کرکے اس نے اس قدر دولت کیسے پیدا کی۔ اس کی سوانح حیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابتداء میں اس نے ایک ڈیری میں چپراسی کی حیثیت سے کام شروع کیا تھا۔ بعد میں اس کی ملاقات وولبرتھ نام کے ایک امریکی باشندے سے ہوگئی تھی جو لندن میں ایک اسٹور قائم کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب اس نے لندن میں اسٹور قائم کیا تو اس کا انتظام اسٹیفن کے سپرد کیا گیا اور اسٹیفن نے اس اسٹور کا انتظام ایسی ذمہ داری اور خوبی کے ساتھ کیا کہ وہ بہت ہی جلدی ترقی کی جانب بڑھ گیا اور آگے چل کر اسی فرم کا چیرمین بن گیا۔

ویلی اسٹیفن اپنے حالاتِ زندگی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے "جس زمانے میں کہ میں ایک چپراسی کی حیثیت سے ایک ڈیری فارم میں کام کر رہا تھا میری ملاقات امریکہ کے ایک باشندے وولبرتھ سے ہوگئی اور اس نے خواہش ظاہر کی کہ وہ لندن میں اپنی امریکن فرم کا اسٹور قائم کرنا چاہتا ہے اور صرف اس بات کا خواہش مند ہے کہ اس کام کے چلانے کی ذمہ داری کسی ایسے آدمی کے سپرد

کی جائے جس کی ایمانداری و دیانت شبہات سے بالا ہو۔

اِس امریکن کو نہ جانے کیوں میرے اُوپر اعتماد تھا۔ لہٰذا اُس نے لندن میں ایک مختصر سا اسٹور قائم کر کے یہ ذمہ داری میرے سپرد کردی۔ وولبرتھ بہت ہی ہوشیار کاروباری آدمی تھا۔ ابتدا میں تو وہ خود ہی اسٹور چلاتا رہا اُور میں اُس کے معاون کی حیثیت سے کام کرتا رہا لیکن بعد میں اُسے جب یہ اندازہ ہوگیا کہ میں اس کام کو تن تنہا کرسکتا ہوں تو وہ اس اسٹور کو میری سپردگی میں دے کر امریکہ چلا گیا۔

وولبرتھ کے ساتھ کئی ماہ تک کام کرنے کے بعد میرا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ اِس لئے اُس کے جانے کے بعد مجھے کوئی دقت اُور پریشانی نہیں ہوئی اُور میں نے اس کاروبار کو خوب ترقی دی۔ یہاں تک کہ میں نے چند سال کے اندر لندن کے علاوہ برطانیہ کے دوسرے شہروں میں بھی اِس اسٹور کی کئی شاخیں قائم کردیں۔ وولبرتھ میری کارکردگی سے بہت متاثر ہوا۔ ابتدا میں تو وہ ۲۵ پونڈ فی ہفتہ مجھے معاوضہ دیتا تھا لیکن بعد میں اس نے مجھے حصہ دار بنالیا اور میری مالی حالت دن بدن بہتر ہوتی چلی گئی۔

میری کامیابی کے چند راز ہیں جنھیں میں دوسروں کے فائدے کے لئے ظاہر کردینا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ کہ میں نے مستعدی ہی نہیں بلکہ بڑی دیانت داری کے ساتھ کام کیا ہے۔ وولبرتھ پورا کاروبار مجھ پر چھوڑ کر امریکہ چلا گیا تھا۔ میرے لئے یہ بات دشوار نہیں تھی کہ میں نفع کی رقم میں خورد برد کرسکتا تھا لیکن میں نے کبھی ایسا نہیں کیا بلکہ بڑی ہی دیانتداری کے ساتھ کام کیا جس کا وولبرتھ پر بہت اچھا اثر پڑا اُور اُس نے نہ صرف اس کاروبار میں مزید سرمایہ لگا دیا بلکہ مجھے حصّہ دار بھی بنا لیا۔

میرا خیال ہے کہ کاروباری زندگی میں ایمان و دیانت سے بڑھ کر انسان کی کامیابی اُور ترقی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ میں نے جتنی بھی ترقی کی ہے ایمان و دیانت کی بنا پر کی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میرے اندر ایک حوصلہ تھا۔ جب وولبرتھ نے میری ذمہ داری پر لندن میں کاروبار کرنا چاہا تو میں مطلق نہیں گھبرایا

بلکہ اِس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور رات دن بڑی محنت سے دولبرتھ کے ساتھ کام کرتا رہا اور جب اسٹور کے کام پر مجھے عبور حاصل ہوگیا تو پھر مجھے ڈولبرتھ کی امداد کی ضرورت نہیں رہی۔ چنانچہ وولبرتھ کے امریکہ جانے کے بعد میں نہ صرف اس فرم کو چلاتا رہا بلکہ ترقی بھی دیتا رہا۔

یاد رکھئے کہ ایمانداری، حوصلہ اور لگاتار محنت کامیابی اور ترقی کے بنیادی اصول ہیں۔ جو لوگ کہ ایماندار ہیں اور حوصلہ رکھتے ہیں نیز اَنتھک محنت کے عادی ہیں اُن کی کامیابی یقینی ہے۔ میں نے خود بھی اِن ہی اصولوں سے فائدہ اُٹھایا ہے اور کامیابی کے متلاشی حضرات کے لئے بھی میرا مشورہ یہی ہے کہ وہ موقع سے فائدہ اُٹھائیں اور جب بھی اُنھیں موقع مل جائے تو پوری دیانت داری، حوصلہ مندی اور محنت کے ساتھ کام کریں۔

اِس بات کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ترقی اور کامیابی کسی خاص شخص کی میراث نہیں بلکہ ہر وہ شخص کامیابی حاصل کرتا ہے جسمیں حوصلہ ہے، جو ناکامیوں سے مطلق نہیں گھبراتا اور جس میں مشکلات کے مقابلے کی طاقت ہو۔ (ماخوذ)

غزل

ہوا تھا صبحِ ازل کوئی زمزمہ پرداز
کہ تو ایاز صفت اور ہم ہیں بندہ نواز

بسی ہے روح میں ابتک وہی حسیں آواز
نفس نفس میں ہے پوشیدہ ایک زخمۂ ساز

وہی ہیں عشق کی وارفتگی کے ہنگامے
فروغِ حسن وہی ہے بدل گئے انداز

سجی ہے محفلِ ارماں اٹھا دے رُخ سے نقاب
ترے حجاب سے میں بھی بنا ہوا ہوں راز

قفس کو دور نہ رکھ آشیاں سے اے صیاد
ذرا میں دیکھ تو لوں اپنی ہمتِ پرواز

جہاں پہ شہپرِ جبریل مضمحل ہو جائیں
وہی ہے تیرے مسافر کا نقطۂ آغاز

اٹھاؤں ہاتھ دعا کو تو آنکھ پُرنم ہو
الٰہی کاش عطا ہو وہ سوز و سازِ نیاز

بہار آئی الٰہی یہ کیسی اب کے برس
اثرؔ نے چاک کیا دامنِ درازِ نیاز

سید محمد اثرؔ

کرنوں کا سفر

اسلام کے اوّلین سفیر چین میں

نگار صدیقی

سلسلہ کے لئے گذشتہ ماہ کا حجاب ملاحظہ فرمائیے

پرویز کے یہاں تین دن قیام کے بعد آپ پرویز اور مروان سے رخصت ہو کر اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔ اویس اور قیس بالکل تازہ دم نظر آرہے تھے۔ ہوشی کی مسرتوں کا بھی کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ بیس سال کے بعد اپنے وطن کی طرف جارہا تھا۔ مضافات ابیور سے مر تک کا فاصلہ چھ دن میں بخیریت عبور ہوگیا۔ دورانِ سفر میں آپ اور آپ کے رفقا ہوشی سے چینی زبان کی تحصیل کرتے رہے۔ معلّم اور متعلّم کے ذوق و شوق کے بہت بہتر نتائج برآمد ہو رہے تھے۔ ہوشی نے کئی بار آپ کی یادداشت کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا "چینی زبان آسان نہیں ہے مگر آپ کا حافظہ بہت قوی ہے اور زبان کی ساخت اتنی نرم ہے کہ مشکل سے مشکل تلفظ کو آپ آسانی سے ادا کر لیتے ہیں۔"

مرو میں ایک روز قیام کے بعد جب بخارا کی طرف روانگی ہوئی تو موسم بہت سرد تھا اور ژالہ باری کے امکانات موجود تھے مگر آپ نے سفر جاری رکھا۔ آپ کا چہار رکنی قافلہ سہ پہر کے قریب جب ایک چٹیل میدان سے گزر رہا تھا، طوفان آگیا اور شدت سے ژالہ باری شروع ہوگئی۔ اولے سواروں اور گھوڑوں پر ستم ڈھا رہے تھے اور کوئی جائے اماں نہ تھی۔ آپ نے گھوڑے سے اتر کر زین کھولی اور سر پر رکھ لی تو ساتھیوں نے بھی اس حکمتِ عملی کو اپنایا۔ گھوڑوں کی لگامیں ہاتھوں میں تھیں اور گھوڑے آفتِ ناگہانی کی وجہ سے مچل رہے تھے۔ انھیں سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا مگر اس تدبیر سے سر ضرور محفوظ ہو گئے تھے۔ طوفان جس تیزی سے آیا تھا، اسی

تیزی سے گزر گیا۔ مگر فضا ناقابل برداشت حد تک سرد ہو چکی تھی۔ ہر طرف برف ہی برف نظر آرہی تھی۔ گھوڑوں پر دوبارہ زینیں کس کر اسلام کے مبلغ سوار ہوتے اور چل پڑے۔ غروب آفتاب سے کچھ پہلے انہیں ایک چھوٹی سی بستی نظر آئی تو اسی طرف بڑھے۔ مگر بستی ویران پڑی تھی۔ کوئی متنفس یہاں موجود نہ تھا۔ انھوں نے قیام کے لئے ایک ایسی جھونپڑی منتخب کی جس کی چھت محفوظ تھی۔ تمام سامان جھونپڑی میں منتقل کر کے جب جھونپڑی کا دروازہ بند کیا تو جسموں سے پار ہو جانے والی سرد ہواؤں سے انھیں کچھ تحفظ ملا لیکن برف کی طرح سرد جسموں پر بھیگے ہوئے سرد لباس اب بھی کپکپی پیدا کر رہے تھے۔

آپ نے کہا "تھیلیوں میں جو لباس ہیں۔ گیلے تو وہ بھی ہوں گے مگر کم، اس لئے فوراً لباس تبدیل کرو۔" آپ کے ارشاد کی تعمیل سے کچھ اور سکون ملا۔ چاروں میں سب سے زیادہ خراب حالت اویسؓ کی تھی ان کے ہاتھ اور ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے۔ چہرے پر بھی آڑی ترچھی نیلی لکیریں سی پڑ گئی تھیں۔ سانس پر دباؤ تھا اور کھانسی رہ رہ کر ان کی اذیتوں کو بڑھا رہی تھی۔ آپ نے اپنا کمبل بچھا کر انھیں لٹا دیا تھا اور ان کا کمبل اوپر ڈال دیا تھا۔ یہ تدبیر بھی ان کے جسم کی لرزش دور نہ کر سکی تو قیسؓ نے اپنا کمبل ان پر ڈال دیا۔ آپ جھونپڑے سے باہر نکل گئے اور تھوڑی دیر بعد واپس آئے تو ٹوٹے ہوئے جھونپڑوں کی کچھ خشک لکڑیاں لائے جن کی سطح تر تھی۔ ہوشی نے چقماق سے خاکستر پر چنگاری منتقل کی اور پھر حسن تدبیر سے جلد ہی لکڑیاں جلا لیں۔ آگ کی حرارت جلد ہی اندر کی فضا کو گرم کرنے لگی اویسؓ کی حالت اتنی دیر میں اور سقیم ہو گئی تھی۔

آپ ان کے جسم کو دبا دبا کر حرارت پیدا کرنے کی مسلسل کوشش کر رہے تھے کہ اچانک اویسؓ نے آنکھیں کھول دیں اور اپنی بکھری ہوئی اور ٹوٹتی ہوئی توانائیوں کو سمیٹ کر کہا۔ "سعیدؓ! فی امان اللہ، میں جا رہا ہوں اپنے رب کے حضور، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے مقاصد میں کامیاب فرمائے۔" اس دعا کے بعد سانس اکھڑ گئی۔ مگر اکھڑے ہوتے سانس بھی کلمۂ طیبہ کو پڑھ کر راہی ملک بقا ہو گئے۔

اویسؓ کی موت کا غم سوہان روح انداز سے آپ نے اور قیسؓ نے برداشت کیا۔ آپ نے سرد ترین

موسم کی پروا کیے بغیر جھونپڑی سے باہر قبر کھودی اور نمازِ جنازہ پڑھ کر انھیں دفن کیا۔ پھر جھونپڑی میں آکر پوری رات قرآنِ حکیم کی تلاوت میں گزاری۔ نمازِ فجر کے بعد آپ جھونپڑی سے باہر آئے تو دیکھا۔ ہوشی کا گھوڑا بھی مردہ پڑا تھا۔ ہوشی کو اویش کا گھوڑا دے دیا گیا اور اپنے رفیق کے مزار پر فاتحہ خوانی کر کے چل پڑے۔ چوتھے دن وہ بخارا پہنچے اور کارواں سرائے میں قیام کیا۔ سرائے میں کچھ سرکش ترک نوجوان بھی ٹھہرے ہوئے تھے انھیں آپ کے گھوڑے بہت پسند آئے اور انھوں نے کہا۔ "گھوڑے فروخت کر دو"۔

ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ آپ کیسے پورا کر سکتے تھے۔ آپ نے انکار کر دیا۔

ترک نوجوان آپ کے انکار سے برافروختہ ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "تم نے اپنا نقصان کر لیا۔ اگر گھوڑے بیچ دیتے کچھ رقم تمہارے ہاتھ لگ جاتی۔ اب تم یہ گھوڑے یہاں سے کہیں نہیں لے جا سکتے۔ میرا نام توموق ہے۔ میں ترکوں کے بڑے سردار کا بیٹا ہوں اور اپنے حکم سے سرتابی کرنے والے کا سر بھی ضرور کاٹ لیا کرتا ہوں۔"

"کیا یہاں کا یہی قانون ہے کہ مسافروں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے۔"

"میں جو کچھ کہتا ہوں، وہی قانون بن جاتا ہے! قانون کی باتیں کمزور اور بزدل کیا کرتے ہیں۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ یہ گھوڑے تمہارے پاس رہیں تو تمہیں میرے مقابلے پر تیغ زنی کے جوہر دکھانے ہوں گے۔ اگر تم زندہ رہے تو گھوڑے تمہارے اور میں زندہ رہا تو یہ گھوڑے میری ملکیت ہو جائیں گے۔ بولو، کیا تم مقابلے کے لئے تیار ہو؟"

"میں مقابلے کے لئے تیار ہوں لیکن میرے پاس تلوار نہیں ہے۔" آپ نے بڑی نرمی سے کہا۔

"تلوار ان کے پاس ضرور ہوتی ہے جو تلوار چلانا جانتے ہیں۔" اس نے حقارت سے یہ بات کہتے ہوئے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔ "اسے اپنی تلوار دے دو۔"

اس نے تلوار نیام سے نکال کر اس کی نوک آپ کی طرف حملہ کرنے کے انداز میں بڑھائی۔ یہ چھچھوری حرکت آپ کے لئے قطعی غیر متوقع تھی۔ آپ بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے تو زمین پر

گر پڑے۔ ترکوں نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ قوموق کے ساتھی نے پھر تلوار اس طرح پھینکی کر وہ آپ کے بالکل قریب زمین میں گڑ گئی۔ آپ نے اٹھ کر تلوار کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کی، اور اُسے زمین سے نکال کر اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا: "میں ایک بار تمہیں یہ بات سمجھانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ سے مقابلہ نہ کرو اور عزت کے ساتھ یہاں سے چلے جاؤ۔"

آپ نے یہ بات بڑی سنجیدگی سے کہی تھی مگر قوموق بھڑک اٹھا۔ اس نے کہا: "زبان مت چلاؤ! تمہارے ہاتھ میں تلوار آچکی ہے۔"

قوموق نے بھی تلوار نکال کر لہرائی اور بڑھ کر وار کیا۔ آپ نے پینترا بدل کر وار خالی کر دیا۔ قوموق پے در پے آپ پر وار کرنے لگا۔ آپ کبھی تلوار کا وار تلوار پر روکتے، کبھی پینترا بدل کر تلوار کی زد سے نکل جاتے۔ قوموق اپنے علاقے کا نامور تیغ زن تھا۔ اس نے اپنا ہر داؤ آزما لیا مگر آپ کے جسم پر خراش بھی نہ لگا سکا۔ وہ وار پہ وار کر رہا تھا اور آپ صرف دفاع۔ قوموق بہت دیر تک مقابلے کو فیصلہ کن بنانے کی کوشش کرتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ اس کا سانس پھول گیا اور ہاتھ شل سے ہو گئے۔ پھر ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ اس میں وار کرنے کی سکت نہ رہی۔

آپ نے قوموق سے کہا: "کیا میں اب حملہ کروں تو تم اپنی مدافعت کر سکو گے؟"

آپ کے سوال کے جواب میں قوموق نے تلوار زمین پر ڈالتے ہوئے کہا: "میری نظر سے آج تک تم جیسا مستقل مزاج تیغ زن نہیں گزرا۔ تمہارے ہاتھوں سے مر کر مجھے زیادہ افسوس نہ ہوگا۔ تلوار اُٹھاؤ اور میری بے غیرت زندگی کا خاتمہ کر دو۔"

آپ نے قوموق کو زیادہ ہی جذباتی دیکھا تو تلوار خود بھی زمین پر پھینکتے ہوئے کہا: "تم بہادر ہو۔ تم نے جس انداز سے میرا مقابلہ کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیغ زنی کے فن میں تم ماہر ہو۔ کیا دو بہادر انسان ایک دوسرے کے دوست نہیں بن سکتے!"

آپ نے دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ قوموق اسے نظر انداز نہ کر سکا۔ ہاتھ ملے اور بڑی گرم جوشی سے ملے۔ قوموق کی طرف سے دوستی کی خوشی میں ضیافت ہوئی۔ فرصت سے بیٹھے تو قوموق

نے پوچھا "میرے بہادر دوست! تم کہاں کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"میں چین جا رہا ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں سے آگے چل کر تمہیں ازبکستان سے گزرنا ہوگا اس کے بعد کاشغر پہنچو گے۔ کاشغر کے ترک سرداروں سے ہمارے تعلقات اچھے نہیں لیکن ازبکستان کے ترک سردار ہمارے حلیف ہیں۔ میرے آدمی تمہیں کاشغر تک چھوڑ آئیں گے اگر تم نے اپنے ان دو ساتھیوں کے ساتھ سفر کیا تو راستے میں مجھ جیسے بہت سے سرکش ترک ملیں گے اور تمہیں قدم قدم پر پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

آپ نے قوموق کی یہ پیشکش قبول کر لی اور قوموق کے بے پناہ اصرار پر مجبوراً دو دن قیام کر کے بخارا سے روانہ ہوئے۔ قوموق نے دس آدمی آپ کی حفاظت کے لئے ساتھ کر دیے تھے بخارا سے کاشغر تک کا سفر بہت آرام دہ رہا کیوں کہ ہر جگہ ترکوں نے قوموق کے دوستوں کی خوب خاطر مدارات کی تھی۔ کاشغر جب کچھ فرسخ دور رہ گیا تو قوموق کے آدمی آپ سے رخصت ہو کر لوٹ گئے۔

آپ بسم اللہ پڑھ کر کاشغر کی طرف بڑھے۔ کاشغر میں بُت پرست ترک آباد تھے۔ شہر کی اطراف میں ایک بلند فصیل تھی۔ شہر میں صرف شہر پناہ کے دروازے سے ہی داخل ہوا جا سکتا تھا۔ آپ جب شہر کے دروازے سے کچھ قریب پہنچے تو شام ہو چکی تھی۔ آپ نے پہلے نمازِ مغرب ادا کی، پھر کھانا کھایا مگر اتنی دیر میں شہر کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ آپ نے قیس سے کہا۔

"رات ہم یہیں ٹھہریں گے اور صبح، شہر سے کترا کر نکل جائیں گے۔ ہمارے لئے ضروری نہیں کہ شہر میں جائیں۔"

قیس نے آپ کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم شہر کے دروازے سے اور دور ہو کر قیام کریں تو بہتر ہوگا۔"

ہوشی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں دور نہیں جانا چاہئے بلکہ فصیل شہر سے قریب رات بسر کرنا چاہئے تاکہ محفوظ رہیں فصیل پر متعین نگہداروں کی یہاں یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ مسافروں

کی بھی حفاظت کا خیال رکھیں۔"

ہوشی کے مشورے کے مطابق ہی عمل کیا گیا۔ رات میں اور کئی مسافروں نے بھی آکر فصیل کے پاس ہی رات بسر کی۔

صبح ہوئی تو آپ کی امامت میں قیس نے نماز ادا کی۔ نماز کا منظر فصیل کے پاسبانوں نے بھی دیکھا اور ان مسافروں نے بھی جنھوں نے آپ کے آس پاس رات بسر کی تھی۔ اس اندازِ عبادت نے سب کو چونکا دیا۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ کو گھیر کر سوالات کی بوچھار کر دی۔

آپ مختصر اور محتاط جواب دے ہی رہے تھے کہ شہر پناہ کا دروازہ کھلا اور کچھ مسلح ترک آپ کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "تم لوگوں کو قلعہ دار نے بلوایا ہے۔ تمہیں ان کے پاس چلنا ہوگا۔"

سپاہیوں کو دیکھ کر وہ بھیڑ چھٹ گئی جو آپ کو سوالات سے پریشان کر رہی تھی۔ سپاہی آپ کو شہر میں لے گئے اور مختلف راستوں سے گزارتے ہوئے ایک بڑی عمارت میں پہنچے۔

قلعہ دار نے آپ کو دیکھ کر کہا۔ "آج طلوعِ آفتاب سے پہلے تم لوگ جب عبادت میں معروف تھے۔ ہمارے شہر کے سب سے باعزت پجاری نے تمہیں فصیل پر سے دیکھ لیا تھا ان ہی کی خواہش کے مطابق تمہیں یہاں بلایا گیا ہے وہ جلد ہی آکر تم سے یہاں ملیں گے۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تمہیں اس بات سے آگاہ کر دوں کہ یہاں پجاری کو بادشاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ادب سے گفتگو کرنا۔ اگر تم نے اسے ناراض کر لیا تو آسمان کے نیچے تمہارے لئے کہیں پناہ نہ ہوگی۔ قلعہ دار نے اپنی بات مکمل کر کے سپاہیوں سے کہا۔ "ان تینوں مسافروں کو ملاقات کے کمرے میں بٹھاؤ۔"

پجاری آیا تو ہر وہ شخص جس نے اسے دیکھا، سر جھکا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ملاقات کے کمرے میں اس نے قدم رکھا تو آپ اپنی جگہ ہی بیٹھے رہے۔ پجاری کے ساتھ اس کے دو نائب بھی تھے۔

ایک نائب ڈانٹ کر بولا۔ "بے ادب مسافرو! کھڑے ہو جاؤ اور گردنیں خم کر کے تعظیم دو۔"

پجاری نے اپنے نائبوں کو اشارے سے خاموش رہنے کے لئے کہا اور آگے بڑھ کر آپ سے ہاتھ ملانے کے لئے پہل کی تو آپ نے کھڑے ہو کر اس سے ہاتھ ملایا۔ آپ کے دونوں ساتھی بھی آپ کی تقلید میں کھڑے ہو چکے تھے۔ پجاری نے ان سے بھی ہاتھ ملاتے ہوئے آپ سے کہا۔ "میں کاشغر کے مندروں کا سب سے بڑا پجاری ہوں بلکہ خود بھی ایک دیوتا ہوں۔ یہاں میری بھی پوجا کی جاتی ہے۔ یہ تمہارا بہت بڑا اعزاز ہے کہ میں نے تم سے ہاتھ ملایا ہے اور خود تم سے ملنے یہاں آیا ہوں۔ اب آرام سے بیٹھ کر مجھے بتاؤ کہ تم کہاں سے آئے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے"؟ آپ بیٹھے تو پجاری نے بیٹھتے ہوئے اپنے نائبوں سے کہا۔ "باہر جا کر دروازے کے پاس کھڑے ہو جاؤ"۔ حکم کی تعمیل میں وہ چلے گئے تو اس نے آپ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

آپ نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہم جزیرۃ العرب سے آئے ہیں اور ہمارا مذہب اسلام ہے"۔

آپ کا جواب سن کر پجاری کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہوئی۔ چہرے پر بھی ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ اس نے کچھ تامل کے بعد کہا۔ "میں جزیرۃ العرب کے متعلق بہت کچھ جانتا ہوں مگر وہاں کا مذہب تو اصنام پرستی ہے۔ تم اپنے مذہب کا نام اسلام کیوں بتا رہے ہو؟"

"تمہارا علم غلط نہیں ہے لیکن وہاں اللہ کا ایک رسول مبعوث ہو چکا ہے اس نے بت پرستی کا خاتمہ کرنے کی جدوجہد کے ساتھ خدائے واحد کی پرستش کا سبق دیا ہے ہم اسی رسول کے ماننے والے ہیں اور جو دین ہم نے قبول کیا ہے اسی کا نام اسلام ہے"۔

"مجھے اپنے دین کی تعلیمات کسی قدر تفصیل سے بتاؤ!"

آپ نے اسلام کے اصول پر مختصر اور جامع روشنی ڈالی اور پجاری توجہ سے سنتا رہا۔ آپ نے بات مکمل کی تو اس نے مزید سوال کیا۔ "تمہارا مذہب وہاں تیزی سے پھیل رہا ہے؟"

"بے شک ہمارا دین، دینِ فطرت ہے، ہر صاحبِ شعور اسے آسانی سے قبول کر رہا ہے میرے اندازے کے مطابق ہمارا دین پورے عرب کا احاطہ جلدی کر لے گا اور پھر تمام ادیان پر غلبہ

حاصل کر لے گا۔"

"کیا تم یہاں اپنا دین پھیلانے کے لئے آئے ہو؟"

"ہم یہاں اپنا دین پھیلانے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ اگر تم ہمیں شہر میں خود نہ بلواتے تو ہم کاشغر میں داخل ہوئے بغیر گزر جاتے۔ ہماری منزل چین ہے۔"

"تم نے اسلام کے متعلق جو باتیں بیان کی ہیں ان میں بڑی کشش ہے تمہارا اندازِ عبادت بھی بڑا باوقار ہے۔ میرے خیال میں مذہبی پیشواؤں کے مظالم سے بچنے کے لئے دکھی انسانیت اسلام کو جلد ہی قبول کر لے گی مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے اقتدار کے دن پورے ہو جائیں۔ تم لوگ یہاں کسی سے نہیں ملو گے۔ کسی پر اپنے مذہب کی خصوصیات کا اظہار نہیں کرو گے۔"

"ہم یہاں قیام نہیں کرنا چاہتے۔ تم ہمیں اجازت دو۔ ہم اسی وقت یہاں سے چلے جائیں گے۔ مگر میں یہ ضرور دریافت کروں گا کہ تم نے ہماری باتوں کو اس آسانی سے کیسے قبول کر لیا؟"

"میں سچے چہروں کی شناخت رکھتا ہوں اس کے علاوہ میں علمِ نجوم کا بھی ماہر ہوں۔ تقریباً اٹھاون سال پہلے ایک نئے ستارے کو میں نے آسمان پر دیکھا تھا اس کے بعد سے وہ اب تک میرے مشاہدے میں ہے اس ستارے کی بڑھتی ہوئی تاب ناکی کسی برگزیدہ شخصیت کے روزافزوں ارتقاء کی ایک واضح علامت ہے میرے حساب نے مجھے گمراہ نہیں کیا تھا تم سے گفتگو کر کے میرا وثوق اور بڑھ گیا ہے تمہارے دمکتے ہوئے چہروں پر، تمہاری روشن اور سمندر کی طرح عمیق آنکھوں میں میں نے اس برگزیدہ شخصیت کا پرتو دیکھ لیا ہے جس کا نام تم نے محمد رسول اللہ بتایا ہے میں تمہارے دین کی سچائی کو تسلیم کرنے کے باوجود اسے قبول نہیں کروں گا کیونکہ میں خود غرض ہوں۔ میں اپنے اس منصبِ عزت سے دست بردار نہیں ہو سکتا جو مجھے حاصل ہے اب تم لوگ اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ دل تو یہ چاہتا ہے کہ کچھ دن تمہاری میزبانی کروں مگر میں اپنے اقتدار کے خلاف کسی خطرے کو قبول نہیں کر سکتا اور یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میرے ہاتھوں سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔" پجاری نے کھڑے ہو کر رخصتی مصافحہ کیا اور کمرے سے نکل گیا۔ کچھ سپاہی ساتھ کر دیے

تھوڑی دیر کے بعد سپاہی اور ان میں سے ایک نے کہا: "آپ چلیں، ہم آپ کو کاشغر کے غربی دروازے تک پہنچا دیں گے۔"

آپ کو مغربی دروازے تک پہنچا کر سپاہی واپس چلے گئے اور آپ نے اپنی راہ لی کاشغر سے چند فرسخ دور پہنچے تھے کہ صحرائے تکلہ راہ میں حائل ہو گیا۔ ہوشی نے آپ سے کہا: "یہ بڑا اور ...قت گزار صحرا ہے۔ ہم اسے دس دن میں عبور کر سکیں گے۔ اگر راستے میں کوئی افتاد پیش نہ آئی ...ں صحرا میں کئی مقامات پر پانی ہے۔ اگر ہم ایک چشمے سے سفر کر کے دوسرے چشمے تک پہنچتے ...وئے راستہ بھول گئے تو زندگی نہ بچائی جا سکے گی۔"

"ہم راستہ نہیں بھولیں گے، ہم ہادیٔ برحق کے حکم سے سفر کر رہے ہیں اللہ ہر قدم ہماری ...ہنمائی فرمائے گا۔ آج موسم بھی گرم نہیں ہے، آؤ اللہ کے پاک نام سے سفر کا آغاز کریں ہمارے ...نکیزے پانی سے لبریز ہیں اور غذا بھی کافی مقدار میں ہے۔"

صحرائے تکلہ میں جب آپ نے گھوڑے ڈالے تو سورج ڈھل چکا تھا صرف نماز کے ...قات میں کچھ دیر رکنے کے سوا سفر مسلسل جاری رہا۔ عصر کی نماز آپ نے ایک پایاب چشمے کے کنارے ...زہ وضو کے ساتھ ادا کی۔ چشمے کے اطراف میں کچھ درخت تھے ان ہی کے سائے میں نمازِ مغرب ...ے قیام کیا اور تازہ دم ہو کر پھر سفر کا آغاز کیا۔ صحرائے تکلہ مقررہ منزلوں پر قیام کرتے ہوئے متعینہ ...ت میں طے کر کے آپ یارقند پہنچے۔ یارقند میں صرف ایک دن قیام کا خیال تھا مگر قیسؓ کو شدید ...ر ہو گیا اس لئے ان کے صحت مند ہونے کے انتظار میں آپ کے قیام نے طول کھینچا۔ علاج ...، باوجود قیسؓ کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی اور وہ چار دن بیمار رہ کر انتقال کر گئے۔

اب صرف ہوشی آپ کے ساتھ رہ گیا جس سے آپ نے چینی زبان اچھی طرح سیکھ لی ...ھ۔ یارقند میں قیسؓ کا گھوڑا اور ان کا اسباب فروخت کر کے آپ نے رقم کو غربا میں تقسیم کر دیا اور ...ن کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر راستے میں ڈاکوؤں نے آپ کو لوٹ لیا چنانچہ پیدل ہی سفر شروع ...یا۔ دس دن میں ختن پہنچے تو آپ نے ہوشی سے کہا: "اب ہم سرحدِ چین تک آ گئے ہیں اب اگر

تم چاہو تو اپنی مرضی کی سمت سفر اختیار کرسکتے ہو۔"

ہوشی آپ کی بات سُن کر آب دیدہ ہوگیا اور اس نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔" اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ بھولی بسری یادیں مجھے ایک خاص سمت میں سفر کے لئے اکساتی ہیں مگر میں آپ کی جدائی برداشت نہ کرسکوں گا مجھے آپ مل گئے اور آپ کے صدقے میں اسلام مل گیا۔ اب مجھے کیا چاہیئے میں اب آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا، جہاں آپ وہاں میں!"

آپ نے ہوشی کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔" قیسؓ اور اویسؓ کی جدائی کے بعد تم نے ہی تو مجھے تنہائی کا احساس نہ ہونے دیا ورنہ میرا کرب دوچند ہوجاتا۔ اب تم ہی مشورہ دو کہ تبلیغ اسلام کا آغاز کہاں سے کیا جائے؟"

" میں چینی ہوں اور چین کے مزاج سے واقف ہوں چین کے باشندے چین کو چین کہنے سے زیادہ وسطی سلطنت کہنا پسند کرتے ہیں۔ چن، زمانۂ قدیم میں ایک عادل بادشاہ کا نام تھا اسی کے نام کی وجہ سے وسطی سلطنت کو لوگ چین کہنے لگے۔ چین کے پورب میں دنیا کا سب سے بڑا سمندر ہے چین کا شمالی حصہ خشک ہے۔ بارشوں کے زمانے میں صرف چار ماہ، تھوڑی بہت کاشت ہوجاتی ہے آبادی بھی کم ہے اور بہت غریب! مگر اس سخت آب وہوا میں ذہن بڑے توانا ہوتے ہیں۔ چین کے بڑے بڑے مفکر شمالی چین ہی میں پیدا ہوئے۔ چین کا شہر پیکنگ علم وفضل کا گہوارہ ہے۔ شمالی چینیوں کی فکر تیز اور قویٰ سست ہیں۔ اس کے برعکس جنوبی چین بہت ہی سرسبز وشاداب ہے۔ وہاں زمین کی زرخیزی اور پانی کی افراط کی وجہ سے چپا چپا کاشت میں آتا ہے۔ جنوب میں بہت سے قدرتی ساحل بھی ہیں۔ وہاں ماہی گیری اور جہازرانی بھی ہوتی ہے ہم اس وقت شمال مغرب کے آخری سرے پر ہیں۔ ہمیں جنوبی چین پہنچ کر ہی دعوتِ اسلام کا آغاز کرنا چاہیئے۔ اگر ہمیں وہاں کامیابی ہوئی تو چین کے دوسرے علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے خود بخود راہ ہموار ہوجائے گی۔"

" تم نے بہت مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ ہم اب جنوب کی طرف سفر کریں گے مگر اسلام کی تبلیغ

دورانِ سفر میں بھی کرتے رہیں گے۔" آپ نے ہوشی کے بیان کی روشنی میں فوراً فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ ختن سے آپ موجودہ چین کے صوبے سن کیانگ سے گزر کر دو مہینے میں چنگ ہائی کے صوبے میں داخل ہوتے۔ یہاں بدھسٹوں کی اکثریت تھی۔ ہر چھوٹے بڑے شہر میں پگوڑے موجود تھے آپ ہوانگھو پہنچے۔ وہاں ایک چینی رئیس نے آپ کی اور ہوشی کی حالت دیکھی تو گداگر سمجھ کر اپنے گھر کھانے پر مدعو کیا۔ کپڑے گل گئے تھے اور اتنے بوسیدہ تھے کہ دھوئے بھی نہیں جاسکتے تھے۔

راستے میں چینی رئیس نے ہوشی سے پوچھا "تم کتنے دن کے فاقے سے ہو اور کپڑے کتنے زمانے سے نہیں بدلے ہیں؟" ہوشی کو جواب میں تامل ہوا تو اس نے کہا: "میں مہاتما بدھ کا ماننے والا ہوں میرے عقیدے کے مطابق ایک دن کے بھوکے کو کھانا کھلانے اور دو دن کے بھوکے کو کھانا کھلانے میں ترتیب وار دُگنے ثواب کا فرق ہے اگر تین دن کا بھوکا سائل ہو تو پھر اس کی خدمت سے نروان کا امکان روشن ہوجاتا ہے اگر تم بتادو گے کہ کتنے دن سے بھوکے ہو تو تمہارا کچھ نقصان نہ ہوگا مگر میرا اطمینان ہوجائے گا کہ میں نے کتنی نیکی کمائی ہے۔"

ہوشی نے بلا ارادہ کہدیا۔ "ہم تین دن کے بھوکے ہیں اور کئی مہینوں سے کپڑے تبدیل نہیں کرسکے ہیں۔"

چینی رئیس کو افلاس اور پریشانی کی اس اطلاع سے بڑی خوشی ہوئی۔

جب آپ رئیس کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے کہا "جب تم نے ہمیں کھانے پر مدعو کیا تو ہم سمجھے تھے کہ از راہ مسافر نوازی تم نے دعوت کی ہے مگر اب معلوم ہوا کہ تم ہمیں گداگر یا سائل سمجھ کر یہاں لائے ہو۔ ہم نے تم سے کچھ طلب نہیں کیا تھا اس لئے ہمیں سائل سمجھنا یا گداگر سمجھنا بنیادی طور پر غلط ہے۔ ہم تمہارے یہاں کھانا نہیں کھائیں گے۔ اگر تم ہم سے اپنی کوئی خدمت لو اور اس کا معاوضہ ہمیں دو تو قبول کرلیں گے۔ ہم بہت دور سے پیدل آرہے ہیں۔ راستے میں جب بھی بھوک نے ہمیں نڈھال کیا تو ہم نے مزدوری ہی کی ہے۔"

چینی رئیس کو آپ کی اس صاف گوئی سے بہت دکھ ہوا کیوں کہ ثواب کا جو خواب وہ

دیکھ رہا تھا، بکھر گیا۔ مگر اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "بقول تمہارے ساتھی کے، تم تین دن سے فاقے کر رہے ہو۔ اس حالت میں محنت مزدوری کیسے کر سکو گے! پہلے کھانا کھا لو پھر میں تمہیں کام پر بھی لگا دوں گا۔"

"نہیں!" آپ نے تلخ لہجے میں کہا "پہلے مزدوری اور پھر اُجرت!"

"اچھا تم لوگ جا سکتے ہو، میں نے فضول ہی اپنا وقت تم پر ضائع کیا۔"

آپ نے اس کے لہجے کی تلخی کو نظرانداز کر دیا اور چینی انداز میں مسکرا کر آداب پیش کیا۔ پھر ہوشی کا ہاتھ تھام کر چل پڑے۔

ابھی آپ کچھ قدم ہی چلے ہوں گے کہ چینی رئیس نے آواز دی "ٹھہرو مسافرو!"

آپ رُک گئے۔

چینی نے قریب آ کر کہا "تم بڑے ضدی ہو، میرے ساتھ آؤ، میں تم سے ایک کام لینا چاہتا ہوں جس کے عوض معقول اُجرت بھی دوں گا۔"

چینی رئیس آپ کو اپنے گھر کے دروازے پر ٹھہرا کر کے خود گھر میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد واپس آ کر اس نے کہا "آؤ، میرے ساتھ آؤ!"

آپ ساتھ ہو لیے۔ چینی رئیس دونوں کو اپنے پھلوں کے ایک بڑے باغ میں لے گیا اور کہا "درختوں پر جو سوکھے پتے ہیں انھیں جھاڑو اور پھر باغ کی صفائی کرو۔ مگر کوئی پھل ٹوٹ کر نہ گرے ورنہ مزدوری میں سے نقصان وضع کر لوں گا۔"

چینی رئیس آپ کو باغ میں چھوڑ کر چلا گیا تو آپ ہوشی کے ساتھ باغ کی صفائی میں مصروف ہو گئے۔ دن بھر آپ نے بڑی جاں فشانی سے باغ کی صفائی کی۔

شام کو چینی رئیس باغ میں آیا تو آپ ہوشی کے ساتھ نمازِ مغرب میں مصروف تھے اس نے آتے ہی سوال کیا "باغ کی کتنی صفائی باقی رہ گئی ہے؟"

مرتبہ اور دہرایا۔ پھر بھی جواب نہ ملا تو خود ہی باغ کا جائزہ لینے چلا گیا۔

جب رئیس واپس آیا تو آپ نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ نے اس سے معذرت چاہتے ہوئے کہا۔ "ہم عبادت میں مصروف تھے اور جب ہم عبادت کرتے ہیں تو نہ کسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ سوال میں نے سن لیا تھا۔ تم اب باغ کا وہ حصہ دیکھ چکے ہو جس کی صفائی ہم نے کی ہے۔ صفائی کتنے حصے کی باقی رہ گئی ہے، اس کا بھی تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا۔"

"میں خوش ہوں کہ تم نے بڑی محنت سے کام کیا ہے۔ میں تمہیں کام کی اُجرت بھی اچھی دوں گا مگر پہلے یہ بتاؤ کہ صفائی کے دوران میں پھل کتنے ٹوٹے؟"

ہم نے تمہاری ہدایت کے مطابق بڑی احتیاط سے صفائی کی تھی مگر پھر بھی کچھ پھل جھڑ گئے۔ تم انھیں دیکھ لو اور شرط کے مطابق اپنا نقصان وضع کر کے ہماری اُجرت دے دو۔" پھر آپ نے ہوشی سے کہا۔ "ٹوٹے ہوئے پھل لے آؤ۔"

ہوشی نے ٹوٹے ہوئے پھل جو حفاظت سے ایک جگہ رکھے ہوئے تھے لا کر رئیس کے سامنے ڈال دیے۔

چینی رئیس یہ عمل دیکھ کر بے ساختہ آپ کے قدموں میں گر پڑا اور گڑگڑا کر بولا۔ "ہم سب مہاتما بدھ کے ماننے والے نروان کی تلاش میں ہیں اور ہمیں نروان نہیں ملتا مگر تم کون ہو جو تم ہر خواہش سے بلند اور ہوس سے پاک کس طرح ہو گئے؟"

آپ نے چینی رئیس کو قدموں سے اُٹھا کر کہا۔ "یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو!"

"مجھے یقین ہے کہ آپ سچے ہیں۔ آپ واقعی تین دن کے فاقے سے تھے جب میں آپ سے ملا تھا۔ آپ نے خیرات کے ٹکڑوں کو اس عالم میں ٹھکرا کر اپنی بڑائی کا ثبوت دیا تھا۔ میں نے اس باغ میں آپ کو چھوڑ کر آپ کی سچائی اور شرافت و غیرت کا امتحان لیا تھا۔ اگر آپ باغ سے پھل توڑ کر کھا لیتے یا وہ پھل کھا لیتے جو درختوں سے جھڑ گئے تھے تو یہ بات کسی کو بھی نہ معلوم

آپ کی نگرانی کرتا رہا۔ آپ بے شک مہاتما ہیں۔ آپ اس دنیا کی غلاظتوں میں بھی بالکل پاک صاف ہیں۔ آپ کے کپڑے جتنے میلے ہیں۔ اس سے کہیں زیادہ آپ کا باطن صاف ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھے اپنے جیسا بنا لیں۔"

"ہر وہ شخص اچھا بن سکتا ہے جو اچھا بننا چاہتا ہو جس کے پاس اچھائی کا شعور ہو تم میں یہ دونوں اوصاف موجود ہیں۔"

میرے ذہن میں سوالات کا ایک خارزار ہے جو ایک مدت سے میرے سکون کو زخمی کر رہا ہے۔ مگر اب یہاں سے چلیں، اندھیرا ہو چکا ہے گفتگو اب میرے غریب خانے پر ہو گی۔" باغ سے چلے تو راستے میں چینی رئیس جس کا نام شنگ شان تھا کہنے لگا۔ "اب صورتِ حال بدل چکی ہے، صبح میری اندھی آنکھوں نے آپ کو گداگر اور بے کس سمجھا تھا، مگر اب میرا شعور آپ کے عرفان و آگہی کے خزانے سے بھیک مانگ رہا ہے۔ کیا میں اب آپ کی میزبانی کی عزت حاصل کر سکتا ہوں یا آپ اب بھی اپنے پہلے خیال پر قائم ہیں؟"

"اگر کوئی خلوص کے ساتھ ہمیں مہمان بنائے تو ہمارے لئے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی فکر نہ کرو ہم کھانا تمہارے دسترخوان پر ہی کھائیں گے۔"

شنگ شان آپ کے جواب سے خوش ہو گیا اور راستے ہی میں اس نے زمین پر اپنے گھٹنے ٹیک کر آپ کا ہاتھ چوم لیا۔

شنگ شان کے گھر پہنچ کر پہلے آپ نے نمازِ عشاء ادا کی۔ اس کے بعد کھانا تناول کیا۔ خواب گاہ میں آپ اور بوعلی آرام کے لئے لیٹ گئے تو شنگ شان آپ کے بستر کے قریب آکر بیٹھ گیا اور کہا۔ "دل تو یہ چاہتا ہے کہ آپ سے باتیں کروں مگر میں اتنا خود غرض نہیں ہوں کہ اپنے اضطراب کو رفع کرنے کے لئے آپ کو بے آرام کروں جب کہ آپ کو واقعی آرام کی ضرورت ہے ہاں میں ایک بات ضرور دریافت کروں گا، وہ یہ کہ آپ نے کھانا بہت کم کھایا۔ میں نے اصرار بھی کیا تو آپ نے اسے وقعت نہ دی اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ میرے اندازے سے بہت کم کھانا

آپ نے کھایا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کھانا آپ کے معیارِ ذائقہ پر پورا نہ اترا ہو؟"

ہمارے ہادیٔ برحقؐ کا حکم ہے کہ اس وقت کھانا کھاؤ جب بھوک شدت سے لگے اور اس وقت کھانے سے ہاتھ کھینچ لو جب بھوک باقی ہو۔ میں نے اسی حکم پر عمل کیا ہے۔ طویل فاقے کے بعد ویسے بھی بسیار خوری صحت پر اچھا اثر نہیں ڈالتی۔"

شنگ شان آپ کی توجیہہ کی تعریف کرتا ہوا کھڑا ہو گیا اور شب بخیر کہہ کر تیزی کے ساتھ خواب گاہ سے نکل گیا۔ آپ کو بھی جلد ہی نیند آ گئی۔

صبح جب آپ نماز کے بعد قرآن حکیم کی تلاوت میں مصروف تھے آپ کا میزبان خاموشی سے آ کر بیٹھ گیا۔ آپ تلاوت سے فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا "میں نے نائی کو بلایا ہے اگر اجازت ہو تو اسے آپ کی خدمت میں پیش کروں۔"

"بلا لو، بال واقعی بہت ہی بڑھ گئے ہیں۔"

نائی نے آ کر دونوں کا خط بنایا۔ نائی کو خط بناتے ہوئے آپ کی ہدایات پر ہی عمل کرنا پڑا تھا۔ نائی چلا گیا تو شنگ شان کی درخواست پر دونوں نے غسل کیا اور غسل خانے میں موجود نیا لباس زیب تن کیا۔ غسل سے فارغ ہو کر جب آپ نشست گاہ میں پہنچے تو ناشتہ دسترخوان پر موجود تھا۔

ناشتے کے بعد آپ نے شنگ شان سے کہا "طہارت ہمارے پیارے رسولؐ کو بہت پسند ہے میں جب بھی غسل کے بعد فرحت محسوس کرتا ہوں تو ان پر درود ضرور پڑھتا ہوں مگر تم درود کا مطلب نہیں سمجھ سکو گے۔"

شنگ شان نے مسکراتے ہوئے کہا "آپ کو سمجھ لوں گا تو سب کچھ میری سمجھ میں آ جائے گا اب آپ مجھے بتائیے کہ آپ جتنے بلند ہیں، کیا میں بھی اخلاق و کردار کی اتنی بلندی کو چھو سکتا ہوں۔ اگر میرے لئے یہ بات ممکن ہے تو اس کی کیا صورت ہو گی؟"

آپ شنگ شان کی ذات کے اندھیروں میں صبح صادق کے آثار محسوس کر چکے تھے۔

اس لئے آپ نے بدھ مت، عیسائیت اور کنفیوشس کے افکار و نظریات کا تفصیل کے ساتھ ذکر کر کے ان سے اسلامی تعلیمات کا موازنہ کیا اور رسولِ اکرمؐ کی سیرت کی روشنی سے اسے منور کیا۔ اسلامی معتقدات، عبادات، اخلاقیات اور توحید کے عالمگیر نظام پر سیر حاصل گفتگو سے شنگ شان پر حقیقتِ کبریٰ منکشف ہو گئی اور اس نے بڑے ذوق و شوق سے اسلام قبول کر لیا۔

قبولِ اسلام کے بعد آپ نے شنگ شان کا نام ابراہیم تجویز کیا۔ ابراہیم جھومتا ہوا اپنے بیوی بچوں کے پاس پہنچا۔ اس کا خاندان، ایک بیوی، ایک جوان بیٹے اور ایک جوان بیٹی پر مشتمل تھا۔ ابراہیم نے ان سے کہا، "میں اسلام قبول کر چکا ہوں" پھر اس نے اسلام کی اچھائیوں سے انھیں آشنا کیا۔ ابراہیم کا خاندان اسی کی طرح بالغ نظر اور حقیقت کا شیدائی تھا اور اپنے سربراہ خاندان کی فکری اصابت کا بھی قائل تھا۔ ان سب نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

آپ کو کلمہ پڑھا کر روحانی مسرت ہوئی۔ آپ نے دو دن ابراہیم کے یہاں قیام فرمانے کے بعد ہوشی سے کہا۔ "الحمدللہ کہ تم دین کا کافی علم حاصل کر چکے ہو۔ تم ابراہیم کے پاس رُک جاؤ اور ان کی تربیت کرو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری اور ابراہیم کی متفقہ تبلیغی کاوشیں بہتر نتائج پیدا کریں گی۔"

ہوشی یہ حکم سن کر تھوڑی دیر کے لئے آزردہ ہو گیا مگر پھر اپنی حالت سنبھال کر کہا۔ "اگر میرے قیام میں دینی مقاصد شامل نہ ہوتے تو میں آپ کے ساتھ ہی چلتا مگر آپ مجھے بھول نہ جائیے گا۔ جب بھی میری ضرورت ہو مجھے طلب کر لیجئے گا۔" (باقی آئندہ)

طبّ کا تصوف۔

ابوالوفا حجازی

ایک بار مولانا مودودی اپنے علاج کے سلسلے میں سیالکوٹ کے ڈاکٹر اللہ رکھا ہومیو مرحوم کے پاس تشریف لائے۔ دفتر میں بات چیت کی نشست ہوئی۔ مولانا نے فرمایا: "ہومیوپیتھی طب کا تصوف ہے لگ جائے تو جودہ طبق روشن اللہ نہ لگے تو کوئی نقصان نہیں۔"

موم کا گھر

بلقیس ظفر

شاپنگ پر جاتے وقت فرخندہ
کے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ اتنے برسوں
بعد اس کی عزیز ترین دوست رافعہ رحیم یوں
اچانک اُسے مل جائے گی۔ رافعہ جسے وہ
اب تک نہ بھول سکی تھی۔ وہ تعلیم کے زمانے
سے اس کی گہری دوست تھی۔ رافعہ رحیم جو ایک
متوسط گھرانے کی یتیم لڑکی تھی۔ بے حد خوبصورت
اور ذہین۔ جو اپنے رشتہ داروں کے ٹکڑوں
پر پل رہی تھی جس کی ذہنی صلاحیتیں اس
اذیت ناک ماحول میں زنگ آلود ہو رہی تھیں
مگر وہ بے بس تھی۔ اور قدرت کی مشکور تھی۔
کہ کم از کم وہ تعلیم تو حاصل کر رہی ہے بی اے
کے بعد اس نے ٹائپنگ سیکھی لیکن دفاتر کا
ماحول اُسے راس نہ آسکا۔ اس کے بعد فرخندہ
سے اس کا رابطہ ٹوٹ گیا۔

آج اچانک اس کی ملاقات رافعہ سے
ہو گئی۔ دونوں ایک قریبی ریستوران کے فیملی کیبن
میں جا بیٹھیں۔ اور جی بھر کے باتیں کیں۔ ایک
دوسرے کے حالات معلوم کئے۔ رافعہ ملازمت
چھن جانے کے بعد اب بیکار تھی۔ اور کسی
نئی نوکری کی تلاش میں تھی۔

اس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا المیہ
بھی اپنی دوست کے گوش گزار کیا۔ جو یہ تھا کہ
اس نے ایک مخلص انسان سے شادی کی مگر
شادی کے دوسرے ہی روز اُسے ڈھاکہ جانا
پڑ گیا جہاں وہ ایک فضائی حادثے میں ہلاک
ہو گیا۔ وہ پائلٹ تھا۔ فرخندہ اپنی دوست
کی زندگی کی محرومیوں اور تلخیوں سے بہت متاثر
ہوئی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”رافعہ میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے
اگر تم میرا ہاتھ بٹاؤ تو ہم اسے عملی جامہ پہنا کر خود
اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں“ فرخندہ نے کہا۔

"کیا ؟" رافعہ نے پیالی سے کھیلتے ہوئے
پوچھا۔
"میرے پاس اتنی رقم ہے کہ میں
اس سے ایک چھوٹا موٹا مکان خرید سکوں۔
اگر ہم حسب منشاء مکان خریدنے میں کامیاب
ہو جائیں تو اس میں اسکول کھول لیں۔ کنڈر
گارڈن قسم کا۔ فی الحال ہم دونوں مل کر اسے
چلائیں گے۔ میں ایم اے ہوں اور تمہارے
پاس بی اے کے علاوہ ٹائپنگ کا بھی فن ہے
آہستہ آہستہ ہم مزید اُستانیاں بھی بھرتی
کرلیں گے۔ اگر اسکول چل نکلا تو......"
رافعہ حیران ہو کر اس کا منہ تکنے لگی۔
پھر کچھ سوچ کر بولی: "مگر ہم دونوں اس کو کس
طرح چلائیں گے ؟ اسکول کے لئے محض مکان
ہی تو کافی نہیں ہوتا، کرسیاں، میزیں، کلیریکل
اسٹاف، سبھی کچھ ہوتا ہے۔"
"بتایا نا میرے ابو اتنا سرمایہ چھوڑ
گئے ہیں کہ میں یہ سب کچھ خرید لوں گی۔ البتہ
اُستانیوں کی تنخواہ کے لئے کچھ نہ بچے گا۔ سو
جب آہستہ آہستہ آمدنی بڑھے گی تو یہ بھی ہو جائے
گا۔ رافی ڈیئر تمہیں بھی مفت ہی کام کرنا ہوگا۔
لیکن تم میرے ساتھ رہو گی جو دال ساگ پکے گا
اکٹھے کھا لیا کریں گے۔ عمارت جو خریدی جائے گی
اسی کے ایک کمرے میں ہم رہائش بھی اختیار
کرلیں گے۔ کیوں کیسا خیال ہے ؟"
رافعہ نے اپنی بڑی بڑی اُداس آنکھیں اُٹھا کر
اپنی دوست کو دیکھا۔ اس کے زرد چہرے پر
ہلکی سی مسکراہٹ آگئی "فری! تم ہمیشہ سے
بہت اچھی اسکیمر تھیں اچھا ٹھیک ہے۔ تمہاری
تجویز منظور۔ کم از کم میں اس دل جلانے والے
ماحول سے چھٹکارا پا سکوں گی۔ میرے لئے
اتنا بہت ہے کہ دو وقت کا کھانا اور رات کو
سونے کے لئے بستر مل جائے۔ میں نے اس
سے زیادہ کی کبھی تمنا نہیں کی۔" اس نے سر جھکا
لیا۔ فرخندہ کے چہرے پر چمک آگئی۔ اس نے
ہاتھ آگے بڑھا کر مدھم سی جوش بھری آواز
میں کہا۔
"یو اٹس اے ڈیل ؟"
"یس ـــ" رافعہ نے اس کے بڑھے ہوئے
ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ دونوں مسکرانے لگیں۔
"اچھا میں اب عمارت کے لئے دوڑ
دھوپ کروں گی جونہی کوئی حسب منشاء مکان

مل گیا ہم اس میں اُٹھ آئیں گے۔ پھر دونوں
مل کر سارا کام کریں گے۔ آئندہ ہفتے مجھ سے
یہیں ملاقات کرنا۔ فرخندہ یہ کہتے ہوئے
اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھیک ہے۔" رافعہ بھی اس کے
ساتھ ہی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں انتظار کروں گی
اور اس منصوبے کی کامیابی کے لئے دعا بھی"

"ہاں، ضرور۔"

ہفتہ ان کے لئے اُمیدوں کا حامل تھا
انھیں مکان مل گیا جس کے چار کمرے تھے ایک
اسٹڈی روم جس کے ملحق ایک اسٹور بھی تھا۔ اور
فضول سا کچن بھی جس میں گیس بھی نہیں تھی
بس ایک بڑا سا پُرانے وقتوں کا آتشدان تھا
کمرے میلے اور بدرونق تھے۔

"کوئی بات نہیں ہم قلعی کروالیں گے۔"
فرخندہ نے رانی کے علاوہ خود اپنے آپ کو
بھی تسلی دی۔ دیواروں کا پلاستر جگہ جگہ سے
اُکھڑ رہا تھا۔

"یہاں سیمنٹ لگانا پڑے گا۔ فرخندہ
نے ناقدانہ نگاہ ان پر ڈال کر کہا۔ فرش قدرے
بہتر حالت میں تھا۔ دونوں باہر نکلیں تو انکے
مرجھائے ہوئے دل بشاش ہوگئے۔ عمارت
کے چاروں طرف ایک بہت بڑا باغ تھا جو عدم
توجہی کے باوجود اپنی ہریالی سے نگاہوں کو
کھینچے لیتا تھا۔ سلور اوک اور چنار کے اونچے
اونچے درخت شام کی ہوا میں جھوم رہے تھے
بوگن ویلیا کی سرخ اور ارغوانی پھولوں والی
بیلوں نے دیواروں پر پھیل کر ان پر گلکاری
سی کر رکھی تھی۔ گلاب کے اونچے اونچے ناتراشیدہ
پیڑوں میں سفید، زرد اور عنابی پھول اپنے
حسن پر خود مسکرا رہے تھے۔ دونوں خوش
ہوگئیں۔

"ونڈر فل!" فرخندہ نے تالی بجائی "یہ بھی
یہ باغ تو بے انتہا خوبصورت ہے۔ کانٹ
چھانٹ سے بہت دلکش ہوجائے گا۔"

"واقعی" رافعہ نے تحسین آمیز نظروں سے
ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے گارڈننگ
کا شوق ہے۔ یہ کام میرے ذمہ ہوگا۔"

کمروں کی صفائی کے بعد انھیں باہر لگے
ہوئے نل سے پانی بھی بھر کر لانا پڑا۔ صفائی
کے بعد وہ آگ جلانے بیٹھیں مگر چمنی جو ابھی
پوری طرح صاف نہیں ہوئی تھی۔ دھواں

دینے لگی۔

"ارے یہ بھی دھواں پھیل رہا ہے کھڑکی کھول دو۔" رافعہ جو سبزی چھیل رہی تھی آنکھیں ملتی ہوئی بولی۔

"کھڑکی تو میں نے پہلے ہی کھول دی تھی۔ دروازہ بھی کھلا ہے مگر دھواں بہت ہے۔" فرخندہ نے دونوں ہاتھوں سے دھواں ناک کے آگے سے ہٹاتے ہوئے زور سے کہا۔ پھر اونچی آواز میں بولی۔ "رانی تم بیڈروم میں چلی جاؤ، سبزی وہیں کاٹ لینا میں آگ جلوا لوں تو تمہیں آواز دے دوں گی۔"

رافعہ اپنی سبزی کی ٹوکری اور چھری لے کر باہر بھاگی اور برآمدے میں سے ہو کر بیڈروم میں چلی گئی۔ فرخندہ آتشدان سے برسرپیکار تھی مگر آگ تھی کہ جلنے کا نام نہ لیتی تھی۔ اور دھواں اسقدر تھا کہ فرخندہ کو در و دیوار کچھ نظر نہ آرہا تھا۔ گھبراہٹ میں وہ باہر نکل آئی۔ آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ باورچی خانے کے دروازے پر ایک نوجوان دونوں ہاتھ سینے پر لپیٹے بڑی دلچسپی سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔

"آپ ......آپ کون ہیں...؟" فرخندہ ہکلائی۔

"شکر ہے یہاں آگ نہیں لگی۔ میں تو دھواں دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔ اس وجہ سے چلا آیا کہ شاید آپ کو مدد کی ضرورت ہو۔ میں سامنے والی کوٹھی میں رہتا ہوں۔" اس نے بتایا۔

"اوہ ــــ فرخندہ نے دھویں کی وجہ سے آجانے والے آنسوؤں کو ہتھیلی سے رگڑ کر چہرے کو مزید بدصورت بناتے ہوئے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ ہم لوگ آگ جلا رہے تھے۔ مگر آتشدان عدمِ استعمال کی وجہ سے ذرا دھواں دے رہا تھا۔

"آپ نے اسے صاف کر لیا تھا؟" نوجوان نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں ـــ" فرخندہ نے قدرے ندامت سے اپنے آپ .... پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب چلتا ہوں"۔ نوجوان نے کہا، "ہم لوگ سامنے ہی رہتے ہیں۔ میرے بہنوئی اور بہن اور ان کی چار سالہ بچی۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف منگا لیجئے گا۔"

"شکریہ۔" فرخندہ نے کہا۔ "مگر آپ نے اپنا تعارف تو کرایا ہی نہیں۔"

"مجھے ڈاکٹر شکیل کہتے ہیں"۔ وہ واپس جاتے ہوئے مڑ کر بولا۔ فرخندہ جلدی سے آگے بڑھی۔ "دیکھئے شکیل صاحب! ہم یہاں بچوں کا اسکول کھولنے کے ارادے سے آئے ہیں۔ آپ اپنی بھانجی کو یہیں داخل کرا دیجئے گا۔"

"بہت بہتر۔ وہ چلا گیا۔

کافی دیر کی جدوجہد کے بعد دونوں آگ جلانے میں کامیاب ہو گئیں۔ پھر کھانا پکایا گیا اور یہ دونوں کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر سونے کے لئے لیٹیں تو گیارہ بج چکے تھے۔

ابتدائی چند روز تو مکان کی درستی اور پھر اس میں کرسیاں، میزیں، بلیک بورڈ، ٹاٹ وغیرہ سجانے میں لگ گئے۔ پھر ایک خوبصورت سا بورڈ پینٹ کروا کر باہر گیٹ پر لگا دیا گیا جس پر لکھا ہوا تھا۔

"فیری لینڈ کنڈر گارٹن اسکول۔"

دو کمرے کلاس روم بنا دئے گئے ایک دفتر تھا۔ عقبی جانب کا کمرہ برآمدہ، اسٹور اور کچن رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہونے لگے۔

پہلے دن تو صرف ڈاکٹر شکیل کی بھانجی منیرہ داخل ہوئی۔ مگر یہ علاقہ بچوں کے لحاظ سے بڑا زرخیز تھا۔ لہٰذا چند روز کے اندر اندر طالب علموں کی خاصی بڑی تعداد ان کے اسکول میں داخل ہو گئی۔ اسکول چل نکلا۔ رافعہ اور فرخندہ دن بھر کے دماغی اور جسمانی کاموں سے تھک کر چور ہو جاتیں۔ مگر وہ خوش تھیں۔

شکیل اور اس کے کنبے سے ان کے مراسم گہرے ہو گئے تھے۔ ان کی بہن رضیہ اکثر ان دونوں کے پاس آجاتیں اور بڑے اچھے مشورے دیا کرتیں۔ دو ماہ اسی طرح گزر گئے لڑکیوں نے اپنی شبانہ روز کی محنت سے نہ صرف اسکول اچھی طرح چلا لیا تھا بلکہ عمارت کو ایک نیا حسن دیدیا تھا۔ پھولوں کی کیاریاں فالتو گھاس پھوس سے آزاد ہو کر بہار دینے لگی تھیں۔ چاروں طرف پھول ہی پھول نظر آرہے تھے۔ اور یہ صرف فرخندہ اور رافعہ کو ہی پتہ تھا۔ کہ اس کے لئے انھیں کتنی محنت کرنا پڑی تھی۔ احاطے میں لگے ہوئے فقط ایک ہینڈ پمپ سے پانی نکال نکال کر پودوں میں ڈالنا، اسی سے اپنی ضروریات پوری کرنا

اسی سے فرش دھونے، یہ سب کتنے کٹھن کام تھے مگر وہ مسرور و مطمئن تھیں اب وہ کسی کی محتاج نہ تھیں۔ وہ اپنے پیروں پر مستقل مزاجی سے کھڑی تھیں۔ حال دل خوش کن تھا، اور مستقبل روشن۔ دونوں میں خود اعتمادی آگئی تھی۔ اور رفاقت بڑھ کر بے انتہا چاہت میں تبدیل ہوگئی تھی۔ شاید دو سگی بہنوں میں بھی اتنا پیار نہ ہوتا ہوگا جتنا ان دونوں میں تھا۔ ایک دوسرے کی رازدار بھی تھیں، مونس و غمخوار بھی۔ اسکول کے لئے اعانتیں آنا شروع ہوگئیں۔

مالی آسودگی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اب ان کے رہن سہن میں بھی تبدیلی آگئی تھی۔ انھوں نے دو ملازمائیں رکھ لی تھیں ایک اپنے ذاتی کاموں کے لئے، دوسری دور دراز رہنے والے بچوں کے لانے لے جانے کے لئے۔ بچوں کے والدین سے کچھ زائد فیس لے کر ان کے لئے اسنیکس وغیرہ کا انتظام بھی کرلیا تھا۔ وہ ان کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دیتی تھیں۔ اس لئے والدین بہت خوش تھے اور یوں ان کے اسکول کا نام روشن ہوتا جارہا تھا

آہستہ آہستہ انھوں نے عمارت میں پانی کے نل ٹنکی اور کچن میں گیس بھی لگوالی۔ اب وہ مطمئن تھیں ان کے اسکول کی چار دیواری خوب اونچی تھی۔ اور خاصی مضبوط۔ صرف ایک جگہ سے تھوڑی سی دراڑ تھی اور یہ وہ دیوار تھی جو ان کے اسکول اور مالک مکان کی کوٹھی کے درمیان حدِ فاصل کا کام دیتی تھی۔

"اُسے بھی کسی دن مرمت کرالیں گے" فرخندہ نے ایک روز کہا تھا" ویسے ہمارا سابق مالکِ مکان تو سنا ہے، اپاہج ہے اس لئے اس طرف سے بھلا کیا خطرہ ہوسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" رافعہ نے اپنے حقیقت پسندانہ انداز میں جواب دیا تھا" تاہم مرمت ضرور کرائی جائے گی۔"

اور اس بات پر دونوں کا اتفاق ہوگیا تھا لیکن بعدازاں اپنی شبانہ روز مصروفیتوں میں وہ اس دراڑ کو بھول ہی گئیں۔

ایک روز جب وہ اسکول کے تعلیمی اوقات سے فارغ ہوکر اپنے چھوٹے سے تراشیدہ لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھیں کہ شکیل ایک بڑے سے کتے کی زنجیر تھامے داخل ہوا۔

"ارے یہ کیا ہے ڈاکٹر صاحب"؟ فرخندہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ رافعہ بھی حیرت سے اس عظیم الجثہ براؤن رنگ کے کتے کو دیکھنے لگی تھی جو زبان نکالے ہانپ رہا تھا اور بڑے غور سے میز پر پڑی اشیائے خوردنی کو دیکھنے میں منہمک تھا۔

شکیل ہنس پڑا۔" یہ تمہارا چوکیدار ہے" اس نے بتایا۔" براؤنی اس کا نام ہے۔ اپنے ایک دوست سے لایا ہوں۔ میں کئی روز سے اسی سوچ میں تھا کہ کہیں سے اچھا واچ ڈاگ مل جائے۔ تم لڑکیوں کا اکیلے رہنا اچھا نہیں" رافعہ نے مائی کو آواز دے کر کرسی منگوائی اور مزید چائے کا آرڈر دیا۔ فرخندہ نے تشکر آمیز نگاہوں سے شکیل کو دیکھ کر کہا۔" بہت بہت شکریہ شکیل صاحب! میرا خیال ہے ہمیں واقعی اس کی ضرورت تھی۔"

" تھی نا"؟ شکیل مسکرایا۔" تو لیجئے اسے سنبھالئے۔" اس نے کتے کو چمکار کر آگے کیا رافعہ اور فرخندہ نے ڈر کر پاؤں کرسی پر رکھ لئے۔

" نہیں بھئی اتنا بڑا بروٹ ہے کہیں کاٹ نہ کھائے"۔ رافعہ بولی۔" کاٹے گا نہیں"۔ شکیل نے اعتماد سے کہا۔ مجھ سے ہل گیا ہے تو آپ سے بھی ہل جائے گا۔ ذرا پیار کی ضرورت ہے"۔ اس نے فرخندہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ خواہ مخواہ ہی گلابی پڑ گئی۔ اور ہونٹ کاٹ کر بولی۔" آپ سے کیسے ہل گیا ہمیں بھی تو بتائیے۔"

" میں اسے چار روز ہوئے اپنے پاس لے آیا تھا خوب کھلاتا پلاتا رہا ہوں۔ یہ مجھ سے ہل گیا۔ روزانہ سیر کے لئے بھی لے جاتا تھا۔" شکیل نے بتایا۔

رافعہ نے ڈرتے ڈرتے اسے چمکارا اور بسکٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ کتے نے آگے بڑھ کر بسکٹ کو سونگھا پھر اسے لپک کر کھا گیا۔ رافعہ نے تیزی سے اپنا بڑھا ہوا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ اب فرخندہ نے بھی اس کی تقلید کی۔ کتا دونوں سے باری باری بسکٹ لیکر کھاتا رہا۔ اب وہ انھیں اپنی نرم محبت بھری نگاہوں سے دیکھ کر دم ہلانے لگا تھا۔

" گڈ"، فرخندہ نے خوش ہو کر کہا۔" امید ہے ہل جائے گا۔"

شکیل کچھ دیر بیٹھا ان سے باتیں کرتا رہا۔ چائے پی، پھر کتے کو انھیں کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔

براؤنی بہاور کچھ ہی دنوں میں لڑکیوں
سے مانوس ہو گئے ما سے یہ گھر اور اس کے
مکین، یہاں کا کھانا وغیرہ سبھی کچھ پسند تھا۔
البتہ ان کی آزادی میں جو فرق آگیا تھا وہ ناپسند
تھا کیونکہ لڑکیاں روزانہ انھیں ٹہلانے سے
قاصر تھیں۔ کبھی کبھار سیر کے لئے جاتیں تو براؤنی
کی خوشی قابلِ دید ہوتی۔ رستے میں آنے والے
ہر پیڑ پودے کو نوازتا۔ زبان نکالے خوشی
سے آنکھیں چمکائے وہ ان کے آگے پیچھے
بھاگتا رہتا۔ مگر یہ عیش اسے بہت کم نصیب
ہوتا تھا۔ ورنہ وہ سارا دن یا تو اسکول کے
ایک طرف والے برآمدے میں بیٹھا پنجوں پر
سر رکھے اونگھتا رہتا اور کسی چڑیا کے چہکنے یا
باہر سڑک پر کسی موٹر کے گزرنے پر چوکنا ہو جاتا
یا پھر اسکول ٹائم ختم ہو جانے پر درختوں پر
چڑھنے اترنے والی گلہریوں کا تعاقب کرتا اور
خوب بھونکتا۔ اس کا ایک بڑا پسندیدہ مشغلہ
چار دیواری کا معائنہ کرنا بھی تھا۔

اس روز راقعہ ملازمہ کے ساتھ شاپنگ
کرنے گئی ہوئی تھی۔ فرخندہ نے کمرے کی صفائی
[illegible]

کرنے کے بعد وہ برآمدے میں آگئی۔ باہر آغازِ سرما
کا خوبصورت دن جلوہ افروز تھا۔ درختوں میں
خوشبودار ہوائیں۔ سرسراتی پھر رہی تھیں۔ اور
گلاب کی جھاڑیوں میں پھول نظر نواز تھے۔ موسم
اس قدر دلکش تھا اور ہوا اتنی عطر بیز کہ انسان
کے چہرے پر خواہ مخواہ مسکراہٹ اُتر آئے۔ فرخندہ
باغ میں چلی گئی اور مزے سے اِدھر اُدھر پھرنے
لگی۔ ایسے میں براؤنی بھی اس کے ساتھ ہو لیتا
تھا لیکن آج وہ نہیں تھا کہاں گیا وہ —؟
فرخندہ نے سوچا۔ اس پاس نظر دوڑائی مگر وہ
کہیں دکھائی نہ دیا۔ اب اس نے آوازیں دینی
شروع کیں۔ مگر بے سود، آخر کہاں تھا وہ۔
فرخندہ اب فکرمند ہونے لگی تھی۔ وہ پریشان
ہو کر گیٹ کے پاس آئی مگر وہ مضبوطی سے بند
تھا۔ اب وہ پریشان ہو کر سارے باغ میں
دوڑتی اور اسے پکارتی پھر رہی تھی۔ مگر کتے کا
کہیں نام و نشان نہ تھا۔ دوڑتے دوڑتے
اور کنجوں میں دیکھتے بھالتے آخر وہ اس دراڑ
کے پاس پہنچ گئی جسے مرمت کرنے کا کام بھی
التوا میں پڑا تھا۔ وہ ٹھٹھک گئی۔ غور سے دیکھنے
پر اندازہ ہوا کہ کتا اگر جسم کو سکیڑ لے تو آسانی سے

اس میں سے گزر سکتا ہے؟ اسے یقین ہو گیا کہ وہ یہیں سے نکلا ہے ورنہ اور کوئی صورت اس کے باہر جانے نہ تھی۔ چہار دیواری اتنی اونچی تھی کہ وہ اسے پھاند نہیں سکتا تھا۔ فرخندہ اکڑوں بیٹھ کر دراڑ کو دیکھنے لگی۔ یہ نیچے سے خاصی چوڑی تھی۔ کاش میں اس میں چند اینٹیں ہی پھنسا دیتی۔ اس نے سوچا۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے وہ پنجوں کے بل دوہری ہو کر دراڑ میں گھس گئی اور کسی نہ کسی طرح پھنس پھنسا کر دوسری جانب نکل آئی جونہی تو اسی طرح براؤنی صاحب بھی نکلے ہوں گے اس نے کتے کے جذبہ سیاحت کی داد دی۔ اور آگے چل دی جہاں لق و دق میدان تھا اونچی اونچی گھاس تھی۔ جھنڈ اور درخت جھکے کھڑے تھے۔ پتہ نہیں کتنی زمین اس کوٹھی کے ارد گرد ہے۔ انسان اس میدان کے دو چکر لگائے تو میل یقیناً بن جاتا ہو گا۔ فرخندہ نے سوچا۔ اور جھاڑ جھنکاڑ سے بچتی بچاتی آگے بڑھتی گئی۔ اب پوپلر کے پیڑوں، سرو کے اونچے لمبے درختوں کے درمیان گھری ہوئی سفید مٹیالی کوٹھی نظر آنے لگی تھی۔

کوٹھی بھی خاصی وسیع و عریض ہے۔ فرخندہ نے اندازہ لگایا "سکس بیڈ روم کی تو ہو گی" یہ عمارت کا عقبی حصہ تھا۔ دور سامنے ایک مالی پودوں کے کام میں مصروف تھا۔ کوٹھی کے گرد گھومتی ہوئی فرخندہ سامنے کی طرف آئی تو دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت صحن چمن ہے دل کش اور نظر نواز اور اس میں عین گلاب کے خوشرنگ تختوں کے درمیان باٹل برش کے چھدرے سایے تلے کوئی دراز ہے وہ جھجکتی ہوئی آگے بڑھی اس نے دیکھا۔

کہ درمیانی عمر کا ایک آدمی جس کے گھنے بالوں میں کہیں کہیں چاندی کے تار چمک رہے تھے اپنے نیوی بلو ڈریسنگ گاؤن میں نیم دراز براؤنی کے سر کو تھپک رہا تھا جو بڑی سعادت مندی سے چیئر کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ فرخندہ کو سخت غصہ آیا۔ کتنا بدتمیز کتا ہے اپنے مالکوں کو چھوڑ کر دوسروں سے دوستی گانٹھتا پھرتا ہے وہ سامنے آن کھڑی ہوئی۔ ایزی چیئر پر دراز آدمی نے چونک کر ادھر دیکھا۔ فرخندہ نے ذرا کھنکار کر کہا:

"آپ کی تنہائی میں مخل ہونے کی معافی چاہتی ہوں

مگر یہ ہمارا براڈنی اِدھر آگیا ہے۔ دراصل ہمارے اور آپ کے گھر کی درمیانی دیوار میں جو دراڑ ہے نا اس میں سے بھاگ آیا ہے یہ......"
اجنبی اسے غور سے دیکھتا رہا پھر کتے کو دیکھ کر بولا۔" ہاں غالباً یہ اسی جگہ سے آیا ہوگا۔ کیونکہ گیٹ تو آپ بند رکھتی ہوں گی میں نے سنا ہے آپ نے اس مکان میں اسکول کھول لیا ہے۔"

" جی ہاں میں نے ہی وہ مکان آپ سے خریدا ہے۔ مجھے مس شجاع کہتے ہیں" فرخندہ شجاع" فرخندہ نے اپنی جلد ہی بے تکلف ہو جانے والی عادت کے ماتحت کہا۔

" خوب" اجنبی نے کہا۔" میں آصف ہوں"
پھر اس نے ایک طرف پڑی خوبصورت کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" تشریف رکھئے۔ یہ کرسی میں اپنے ڈاکٹر کے لئے رکھوا دیا کرتا ہوں۔ مگر آج وہ نہیں آئے۔ اور اس کتے کی تلاش میں آپ نکل آئیں۔"

" سنا ہے آپ کسی سے ملتے جلتے نہیں"۔ فرخندہ نے فطری صاف گوئی سے کہا۔
" ٹھیک سنا آپ نے" آصف مدستور سنجیدگی سے بولے اور پاس بیٹھے براڈنی کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگے۔" کیا آپ اکیلی رہتی ہیں" انھوں نے موضوع بدلا۔

" نہیں۔ میرے ساتھ میری پرانی دوست اور کلاس فیلو رافعہ رحیم بھی رہتی ہیں" فرخندہ نے بتایا۔
کرسی کے ہتھے پر آصف کی گرفت اچانک سخت ہوگئی۔ جبڑے بھنچ گئے۔ مگر فرخندہ ان کی طرف دھیان دئے بغیر کہتی رہی۔" اس کے ماں باپ نہیں ہیں۔ ادھر میرا بھی یہی حال ہے لہٰذا ہم دونوں نے اپنا مستقبل اس طرح بنانے کا فیصلہ کر لیا۔"

آصف اب اپنی حالت پر قابو پا چکے تھے نارمل انداز میں بولے۔" اسکول اچھا چل رہا ہے آپ کا؟"

" جی ہاں ۔۔ خدا کا شکر ہے۔" فرخندہ کی آواز میں مسرت کی آمیزش تھی۔ پھر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔" معاف کیجئے بہت دیر بیٹھی رہی حالانکہ آپ کسی سے ملتے نہیں ہیں۔ اس دخل اندازی کی ایک بار پھر معذرت چاہتی ہوں۔"

" نہیں اس کی ضرورت نہیں"۔ آصف نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔" مر، صرف ... تم کو اور

رحم سے الرجک ہوں۔ آپ دیکھ رہی ہیں میں
اپاہج ہوں محض اسی وجہ سے میں کسی سے نہیں
ملتا۔ سوائے اپنے ڈاکٹر شکیل کے۔"
"ڈاکٹر شکیل جو ادھر سامنے رہتے ہیں؟"
فرخندہ نے اشتیاق سے پوچھا۔
"جی ہاں وہی وہ میرے معالج ہیں۔ بہت
اچھے ڈاکٹر ہیں۔"
فرخندہ یوں خوش ہو گئی جیسے کسی نے
اس کی اپنی تعریف میں کچھ کہہ دیا ہو۔
"اچھا اب چلتی ہوں۔" وہ کھڑی ہو گئی۔
"چلو براڈنی" اور براڈنی فوراً دم ہلاتے قدرے
شرمندہ سے اس کے پاس آ گئے۔
"آپ کے آنے سے مجھے خوشی ہوئی ہے"
آصف نے سچائی سے کہا۔" آپ وہ پہلی شخصیت
ہیں جس نے مجھ سے میری بیماری پر اظہارِ تعزیت
نہیں کیا۔ اگر زحمت نہ ہو تو کبھی کبھار آجایا کریں
مجھے دلی مسرت ہوگی مگر ایک بات......" انھوں
نے وارننگ کے طور پر انگلی ہلائی۔" اپنے ساتھ
کبھی کسی کو نہ لائیے گا۔"
"رافعہ کو بھی نہیں ــــــ؟" فرخندہ نے پوچھا۔
"نہیں ـــــ" آصف نے چہرہ دوسری طرف
کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔" خدا حافظ۔"

فرخندہ خدا حافظ کہہ کر چلی آئی۔ واپسی پر
براڈنی کو لیکر گیٹ کی طرف سے سڑک پر نکلی اور
خاصا طویل رستہ طے کر کے گھر پہنچی۔ رافعہ ابھی
واپس نہیں لوٹی تھی۔ اور فرخندہ کے پیٹ میں
چوہے کود رہے تھے۔ وہ آج کا سارا ایڈونچر
اپنی دوست کو بتانے کے لئے بے چین تھی آج
وہ اس پُر اسرار جناتی آدمی کو دیکھ آئی تھی۔ سلا
محلہ جس کی باتیں کرتا تھا مگر قدرے خوفزدہ
انداز میں، یوں جیسے وہ کوئی مقید درندہ ہو۔
لوگ اس سے ہمدردی کرنا چاہتے تھے مگر وہ
اسے قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ رفتہ رفتہ سب
اس سے دور ہوتے چلے گئے سوائے ڈاکٹر
شکیل کے، جو اس کا معالج بھی تھا اور ایک
بہترین دوست بھی۔
رافعہ آئی تو فرخندہ نے اسے پوری داستان
سنا دی۔ آخر میں یہ اضافہ بھی کیا۔
"اتنے خوبصورت آدمی کو یوں اپاہج اور
معذور دیکھ کر دل دکھتا تو ہے مگر کیا کریں اسے
رحم اور ترس وغیرہ نہیں بھلتے۔"
"ہاں بعض لوگوں کی انا میں بڑی شدت

ہوتی ہے۔" ماجدہ نے پُرخیال انداز میں کہا۔ پھر اسے اپنی کی ہوئی شاپنگ دکھانے لگی اور یوں یہ قصہ ایک عرصے کے لئے ذہنوں سے محو ہو گیا۔ فرخندہ ایک غیر محسوس طریقے سے آہستہ آہستہ شکیل سے متاثر ہو رہی تھی اور خود شکیل کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ فرخندہ کی بشاش زندگی سے بھرپور دلکش مکھڑے کو دیکھ کر اس کے نوجوان چہرے سے مسرت کی کرنیں پھوٹنے لگتیں۔ فرخندہ کبھی کبھار اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتی تو شکیل سامنے آن کھڑا ہوتا۔ اور وہ گھبرا کر اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتی۔ اسے اکثر اپنی دوست کی افسردہ اور دکھی زندگی پریشان کر دیتی تھی۔ وہ اس سے پوچھتی۔

"تم نے کیا سوچا ہے رانی ؟"

"کس بارے میں ؟" وہ اپنی بڑی بڑی حیران آنکھیں جھپک کر اُسے دیکھنے لگتی۔

"اپنے بارے میں اور کس کے۔" جھلا کر فرخندہ کہتی۔

"مجھے کیا ہے میں ٹھیک ہوں۔ اپنی اس باپ سنے بیحد مطمئن ہوں۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے فری ڈیئر۔"

"لیکن مجھ سے تمہاری آنکھوں کی یہ درد اُداسی چہرے پر ہمہ وقت چھائی ہوئی آزردگی اور زخمی سی لاتعلق مسکراہٹ نہیں دیکھی جاتی میں کہتی ہوں رانی تم ندیم کو بھلا کیوں نہیں دیتیں سمجھو وہ ایک سہانا خواب تھا جو ختم ہو گیا۔ اب حقیقت کی دنیا میں لوٹ آؤ۔ دنیا بھری پڑی ہے۔ اس میں اچھے لوگ بھی ہیں۔ تم ان میں سے کسی کو اپنا رفیق منتخب کر لو۔ دیکھو تم......"

رافعہ اپنا ہاتھ اُٹھا دیتی۔" بس اس قصے کو ختم کرو۔" وہ بیزاری سے کہتی۔

"میں اس سلسلے میں کچھ سننا نہیں چاہتی ندیم میرے لئے بھولنے والا خواب نہیں۔ بلکہ ہمیشہ زندہ رہنے والی حقیقت ہے وہ سدا میرے دل کے ساتھ دھڑکتا رہے گا۔ تمہیں علم نہیں اس نے میرا ساتھ اس وقت دیا تھا جب قسمت کے ساتھ رشتے داروں نے بھی مجھ سے ناطہ توڑ لیا تھا۔ اس نے مجھے سہارا دیا۔ ورنہ امی کی وفات کے بعد میں ختم ہو جاتی۔ مجھ سے یہ کبھی نہ کہنا کہ میں اسے بھلا دوں۔ میں اس پر قادر نہیں ہوں تمہیں شاید یقین نہ آئے مگر میں اس کی یاد کے

سہارے زندہ ہوں۔

دن یونہی گزرتے رہے۔ فرخندہ اب آصف کے پاس اکثر چلی جاتی تھی۔ اس نے وہ دراڑ بھی چوڑی کرلی تھی اپنے وعدے کے مطابق وہ کبھی رافعہ کو ہمراہ لے کر نہیں گئی ایک روز شام کو بڑے اطمینان سے آصف کی لائبریری میں بیٹھی تھی۔ سامنے ہی آتشدان کے پاس پڑے دیوان پر آصف ٹانگوں پر کمبل ڈالے نیم دراز تھے۔ فرخندہ ان سے نئی تصانیف کے متعلق گفتگو کر رہی تھی اور وہ بڑی دلچسپی سے سن رہے تھے۔ یہ لڑکی ہمیشہ ہی ان کے لئے اطمینان وسکون کی دولت لاتی تھی۔ وہ اس کی زندگی سے بھرپور باتیں سن کر بہائے چندے اپنا غم بھول جاتے تھے۔

دورانِ گفتگو رافعہ کا ذکر آگیا کہ وہ مطالعے کی بڑی شوقین ہے تو آصف کے چہرے کی طنابیں یکلخت تن گئیں۔ اس مرتبہ اس تبدیلی کو فرخندہ نے بھی محسوس کیا وہ رک گئی اور غور سے انھیں دیکھ کر بولی۔ "آصف صاحب۔ کیا آپ اس نام کی کسی لڑکی سے واقف ہیں؟"

"ہاں" بڑی سادگی سے آصف نے جواب دیا۔ تمہیں شاید علم نہ ہو۔ ندیم میرا دوست تھا۔ ہم دونوں ایک ہی جہاز میں سفر کررہے تھے کریش میں وہ ختم ہوگیا۔ اور میں..... "انھوں نے آہ بھر کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"آئی سی" فرخندہ نے بات سمجھ کر سر ہلایا پھر بولی۔ "اس طرح تو آپ ان کی شادی کے المیہ سے بھی واقف ہوں گے۔ آپ نے رافعہ کو بھی دیکھا ہوگا۔"

"ہاں میں ہر بات سے واقف ہوں" انھوں نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ پھر جلدی سے موضوع بدل کر کتابوں کے متعلق باتیں کرنے لگے۔ اس روز گھر آکر بھی فرخندہ گم صم سی رہی۔ کیونکہ آتے وقت آصف نے اسے قسم دیدی تھی کہ رافعہ سے اس کا ذکر نہ کرنا جس انسان کو اس نے صحیح سالم دیکھا تھا اسے وہ اپاہج دیکھ کر ترس کھائے" انھوں نے کہا تھا۔ اور فرخندہ اپنے وعدے کی پابند رہی۔ اس نے اس بارے میں ایک لفظ بھی رافعہ سے نہ کہا۔ حالانکہ اس کے دل میں کھد بد ہو رہی تھی۔ اس شخص نے ندیم کو دیکھا تھا۔ وہ حادثے کے وقت اس کے ساتھ تھ رافعہ کو پتہ چلے تو وہ ضرور اس سے ندیم کے

آخری لمحات کے متعلق پوچھے۔ مگر فائدہ ہی کیا تھا ان زخموں کو کریدنے کا۔ لہذا وہ مصلحتاً بھی چپ رہی۔

ڈاکٹر شکیل تقریباً ہر ہفتے آصف کو دیکھنے جاتا تھا۔ اس دفعہ ان کا تفصیلی معاینہ کرنے کے بعد جب وہ سیدھا ہوا تو اپنے آلات بکس میں بند کرتے ہوئے بولا۔

" آصف! اگر تم غلط اُمیدیں نہ باندھو تو ایک بات بتاؤں ؟"

" میں نے غلط یا صحیح ہر قسم کی اُمیدیں باندھنی چھوڑ دی ہیں۔ تم بے فکر ہو کر بات کرو۔"

" تو سنو۔" ڈاکٹر شکیل نے چہرہ ان کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔ گذشتہ چند ہفتوں سے جو پراگرس میں دیکھ رہا ہوں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمہاری ریڑھ کی ہڈی کا ڈیمیج کافی حد تک ہیل ہو گیا ہے اور اگر تمہارے نروز بھی جاگ اُٹھیں تو شاید تم کسی روز اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکو۔"

خود کو پُرسکون کرنے کے باوجود آصف کی گرفت کرسی کے ہتھے پر بڑھ گئی۔ ان کے چہرے پر تازگی سی آگئی۔ بجھی ہوئی آنکھوں میں جیسے دئے اُتر آئے۔

" کیا واقعی ؟"......وہ اپنے لہجے کی لرزش نہ چھپا سکے۔" میرا مطلب ہے۔ تمہیں یقین ہے کہ ......؟"

" ہاں تقریباً ففٹی ففٹی......چانسز ہیں۔" ڈاکٹر شکیل نے محتاط انداز سے بتایا۔ " تاہم میں اگلے ہفتے سرجن احمد کو ہمراہ لاؤں گا۔ وہ خود جو فیصلہ دیں گے وہ صحیح ہوگا۔"

" ٹھیک ہے۔" ایک نیم مطمئن آہ بھرتے ہوئے آصف کرسی کی پشت سے ٹک گئے۔ ڈاکٹر شکیل خدا حافظ کہہ کر چلا گیا اور آصف کو ننھی منّی رنگین اُمیدوں کے مچلتے ہوئے جھرمٹ میں چھوڑ گیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ شکیل کے فقروں پر غور کر رہے تھے۔ یہ الفاظ نہ تھے آب حیات تھے ان کی خزاں رسیدہ اُمیدوں کے لئے ابر بہار تھے وہ امیدیں جو کئی ماہ سے تقریباً دم توڑ چکی تھیں اب پھر سینے میں زندہ ہونے لگی تھیں۔ یہ شکیل نے کیا کہہ دیا تھا۔ کیا واقعی میں اس قابل ہو سکوں گا کہ پھر سے نارمل زندگی گزار سکوں۔ خدا کی اس وسیع اور حسین دنیا میں قدم رکھ سکوں اور اپنا شمار زندوں میں کر لوں ؟ وہ سوچتے رہے اور

امید و بیم کی لہروں پر ڈوبتے اُبھرتے انھیں نہ جانے کب نیند آگئی۔ چند روز بعد فرخندہ انھیں ملنے آئی تو اس نے ایک واضح فرق ان میں پایا ان کا اضمحلال تازگی میں اور اکتاہٹ زندہ دلی میں بدل چکی تھی۔ محض چند امید افزا کلمات ایک مریض پر کیا اثر کر سکتے ہیں؟ اس کا اندازہ فرخندہ کو اس روز ہوا جب انھوں نے خوش ہوکر شکیل کی رائے اسے بتائی۔

"یہ تو بڑی اچھی خبر ہے آصف صاحب۔"
فرخندہ نے مسرت سے کہا۔ "خدا وہ دن لائے کہ آپ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔"

"ہاں۔" وہ دونوں ہاتھ ملتے ہوئے سوچ رہے تھے۔ "شاید کبھی ایسا ہو سکے۔"

"ایسا ضرور ہو گا۔ انشاء اللہ۔" فرخندہ نے وثوق سے کہا۔ "آپ خدا کی رحمت پر بھروسہ رکھیں۔"

وہ دیر تک بیٹھی انھیں تسلیاں دیتی رہی اور وہ سنتے رہے پھر بولے۔

"فرخندہ بی بی تمہارا بہت بہت شکریہ۔ تم جس طرح میری ہمت بندھاتی رہی ہو اس کے لئے میں تمہارا از حد ممنون ہوں۔ تم نے باہر کی دنیا سے دوبارہ میرا رابطہ استوار کر دیا ہے۔ تم

"بس جناب! اتنا کافی ہے۔" فرخندہ نے ہنس کر ہاتھ اُٹھایا۔ آصف بھی مسکرانے لگے۔

"اچھا اب ذرا اچھی لڑکیوں کی طرح دوڑ کر میرے کمرے میں جاؤ۔ خانساماں سے پوچھ لینا وہ تمہیں بتا دے گا۔ میرا کمرہ اوپر کی منزل میں ہے۔ وہاں میں کبھی نہیں جاتا لیکن اُدھر میرے سب کاغذات وغیرہ رکھے ہیں تمہیں پتہ ہی ہے میں ان دنوں اپنے دل کو بہلانے کیلئے ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔ اس وقت میرے پاس کاغذات ختم ہیں تم اوپر جاؤ میرے کمرے میں سامنے ہی ایک بڑا سا چسٹ آف ڈرائر رکھا ہے اس کے اوپر والے خانے میں کاغذات کے بنڈل ہوں گے۔ یہ لو چابی، احتیاط سے ایک بنڈل نکال لاؤ۔"

فرخندہ نے چابی لی اور خانساماں سے کمرے کا محل وقوع پوچھ کر اوپر چلی گئی چین کا بنا ہوا سیاہ لکڑی کا کامدار چسٹ آف ڈرائر ایک خوبصورت پیس تھا۔ پہلے تو وہ اس پر بنے ہوئے بیل بوٹے دیکھ کر خوش ہوتی رہی پھر چابی کی مدد سے اوپر والا دروازہ کھولا جس میں کاغذات بڑی بے ترتیبی سے ٹھنسے ہوئے تھے۔ آصف سے

اسے پتہ چلا کہ اس کے والد کا انتقال اسی کمرے میں ہوا تھا۔ مرنے سے پہلے یہ انہی کے تصرف میں تھا۔ ان دنوں آصف خود باہر اپنی ملازمت پر تھے۔

فرخندہ نے احتیاط سے کاغذات نکال کر انھیں ایک دوسرے پر جمایا۔ ان کے نیچے تہ میں کچھ خطوط بھی پڑے تھے۔ وہ انھیں ترتیب سے رکھنے لگی۔ ایک مڑے تڑے خط کی نچلی سطر پر یونہی اس کی نظر پڑ گئی اور وہیں جم گئی۔ لکھا تھا "میں یہاں آصف کے نام سے مشہور ہوں۔ میرے اصل نام ندیم سے مجھے کوئی نہیں پکارتا۔"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ کسی کا خط پڑھنا اخلاقی جرم ہے فرخندہ نے وہ خط کھول کر پڑھ ڈالا۔ یہ آصف کا خط تھا اپنے والد کے نام جس میں انھوں نے اپنی ملازمت، رہائش، جہاں وہ مقیم تھے وہاں کی دلچسپیاں، دوستوں سے ربط ضبط سب کچھ لکھنے کے بعد یہ آخری فقرہ لکھا تھا جس نے فرخندہ کی ساری توجہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی وہ کھڑی سوچتی رہی پھر خط اور سادہ کاغذات کا بنڈل لیکر نیچے آ گئی۔

"یہ لیجئے ندیم صاحب۔" اس نے کاغذات ان کے سامنے ادب سے رکھتے ہوئے کہا۔ آصف چونک پڑے۔ چند ثانیوں میں ان کے چہرے نے کئی رنگ بدلے آہستہ آہستہ جب وہ اپنے ہوش حواس پر قابو پانے میں کامیاب ہوئے تو دھیرے سے بولے۔

"تو تمہیں پتہ چل ہی گیا۔"

"جی ہاں۔" فرخندہ نے خط ان کے سامنے ڈال دیا۔ "اس خط نے میری توجہ کھینچ لی۔ اور میں نے آپ کی اجازت کے بغیر اسے پڑھ لیا۔"

"اور میرا خیال تھا کہ میں نے سارے خطوط جو ابا کے نام لکھے تھے تلف کر دیئے ہیں۔" وہ بڑبڑائے "بہرحال۔" انھوں نے سر اُٹھایا۔ "تم اس کا ذکر کسی سے نہیں کرو گی۔ میں رافعہ کے لئے مر چکا ہوں۔ مجھے مردہ ہی رہنے دو۔ ویسے بھی میں خود کو زندوں میں شمار نہیں کرتا۔ ایک اپاہج معذور شخص جو پاؤں پر کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔ مردہ ہی تو ہے۔ تم اسے کچھ نہ بتانا میں اس حالت میں اس کے سامنے آنے سے مر جانا بہتر سمجھتا ہوں۔ دیکھو" وارننگ کے طور پر انھوں نے انگلی اُٹھائی۔ "اگر تم نے اسے بتا دیا تو میں یہ ساری سلیپنگ پلز اپنے حلق میں انڈیل لوں گا۔ میں اس کی زندگی

برباد نہیں کرنا چاہتا۔ اسے کہو۔ اسے سمجھاؤ کہ
وہ .... کہ وہ .... اپنا جیون ساتھی کسی
اور کو بنا لے میں اسے آزاد کر دوں گا" وہ ہانپ
رہے تھے۔ پسینے کے موٹے موٹے قطرے
اس سرد موسم میں ان کی پیشانی پر پھر اُبھر آئے
تھے۔ یہ سب کہہ کر انھوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

"لیکن آصف بھائی وہ آپ کو اب بھی چاہتی
ہے" فرخندہ نے کہا۔ "اس کے دل کی دھڑکن فقط
آپ کا نام لیتی ہے میں نے آپ کو مردہ سمجھ کر اسے
بہت سمجھایا ہے۔ بلکہ کافی عرصے سے میری یہ مہم
جاری ہے۔ مگر مجھے اس میں ناکامی کا منہ دیکھنا
پڑا۔ اب آپ یہ کہتے ہیں کہ میں اسے نہ بتاؤں۔
خدا کی قسم صرف آپ کو زندہ دیکھ کر وہ جی اٹھے گی
وہ آپ سے بے حد محبت کرتی ہے۔ اور ...."

"خاموش ہو جاؤ" وہ کرب سے بولے۔ "مجھے
اس امتحان میں نہ ڈالو۔ فرخندہ! میں اسے سہہ
نہ سکوں گا۔ میں اپنی محبوب کو لکڑی کے ایک بے
جان کندھے کے ساتھ زندگی گزار دوں؟ یہ
ناممکن ہے۔ تم چلی جاؤ۔ اور یہ سب کچھ بھول جاؤ
...... جاؤ"

وہ دونوں بازو چہرے پر رکھ کر چیخے "لیکن
یہ چیخ ایک گھائل کی سی تھی۔ فرخندہ لرز اٹھی اور
چپکے سے چلی آئی۔

اس رات اس نے رافعہ سے کسی قسم کی بات
نہ کی اور دوسری جانب کروٹ بدل کر سوتی بن
گئی۔ رافعہ کو اس کے اس رویہ پر تعجب تھا مگر وہ
اپنی دوست کے موڈی پن سے واقف تھی۔
اس لئے چپکی ہو رہی۔ اگلا سارا ہفتہ فرخندہ
جھنجھلائی سی رہی۔ ہر ایک سے خواہ مخواہ لڑتی
بولائی بولائی سی اکیلی پھرتی رہی حتیٰ کہ شکیل
سے بھی نہ ملی۔ یہ بوجھ اس کی برداشت سے باہر
تھا۔ ندیم زندہ ہو۔ اتنے قریب رہتا ہو اور
کو نہ بتا سکے۔ یہ تو اسی طرح تھا جیسے کوئی کسی
پیاسے کو کنوئیں کے قریب لا کر حکم صادر کر دے
کہ پانی نہ پیو۔ اسے یقین تھا کہ ندیم جس صورت
میں بھی ہے رافعہ اس کے پاؤں تلے اپنی آنکھیں
بچھا دے گی، وہ اپنے سر کے تاج کو خواہ وہ
دنیا کی نظروں میں ٹوٹ پھوٹ چکا ہو محبت اور
وارفتگی کے ساتھ سر پہ سجا لے گی لیکن ندیم کو
کون سمجھائے۔ ویسے اگر سوچا جائے تو وہ
بھی سچا ہے فرخندہ نے اعتراف کیا۔ کوئی محبِ
صادق اپنے محبوب کو ناکام و نامراد زندگی گزارتے

نہیں دیکھ سکتا۔ اور پھر اس میں خود اس کے
لئے دُکھ کے کانٹے موجود تھے۔ جب ندیم کو رافعہ
کی نظروں نے مکمل صحت مند اور زندگی کی
حرارت سے بھرپور دیکھا تھا وہ اب ایک
معذور کی صورت میں اس کے سامنے آئے یہ
ندیم کی انا پر ایک کاری ضرب تھی۔

متضاد خیالات کے کانٹوں میں فرخندہ
اُلجھتی رہی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ
وہ کیا کرے۔ ان ہی دنوں شکیل نے جب
شادی کے لئے کہا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ
جب تک میری دوست کی زندگی کوئی شیپ
نہیں اختیار کرلیتی میں شادی نہیں کروں گی۔
شکیل اس کے جذبات کے احترام میں خاموش
ہو گیا۔

ڈاکٹر احمد نے آصف کو دیکھا اور اس
نے بھی وہی الفاظ دہرائے جو شکیل نے کہے
تھے لیکن آصف پتھر کے مجسمے کی طرح یہ سب
کچھ سنتے رہے۔ اور خاموش رہے۔ شکیل نے
فرخندہ کو بتایا کہ کسی قسم کا جذباتی شاک شاید
ان کے اعصاب کو بیدار کر دے اور یہ اپنے
پاؤں پر کھڑے ہو جائیں لیکن یہ محض ایک ظنّی
اندازہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ اب دونوں
کسی معجزے کے انتظار میں تھے اور رافعہ ہر قسم
کے حالات سے بے خبر اپنے روزمرہ کے معمولات
میں مگن تھی۔ اسکول اب خاصی ترقی کر چکا تھا اب
اس میں دو مزید ٹیچر بھی آگئی تھیں اور یوں
ان دونوں کا بوجھ بٹ گیا تھا۔ زندگی خاصی ہموار
جا رہی تھی۔ مگر اندر ہی اندر جذبات کے بھنور تھے
جو چار انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھے۔

پھر ایک دن فرخندہ باہر چلی گئی۔ تو گیٹ بند
کر کے رافعہ نے براؤنی کی زنجیر کھول کر اُسے آزاد
کیا اور خود برآمدے میں کرسی ڈال کر مزے سے
ناول پڑھنے لگی۔ مطالعہ میں وقت کا پتہ بھی نہ چلا
اور جب شام کے سلونے پن میں بادلوں کے
اندھیرے نے گھل کر الفاظ کجلانے شروع کئے
تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ برآمدے کی بتی جلائی اور
سیٹی بجا کر براؤنی کو بلانے لگی۔ فرخندہ کے بارہا
ٹوکنے کے باوجود وہ سیٹی بجانے کی عادت نہ
چھوڑ سکی تھی۔ مگر براؤنی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ پورے
باغ میں وہ ڈھونڈتی پھری مگر وہ نہ ملا۔ آخر اسے
خیال آیا کہ کہیں دراڑ کے رستے دوسری کوٹھی
میں نہ گھس گیا ہو۔ فرخندہ کی زبانی اُسے پتہ چلا

گیا تھا کہ وہ آصف سے بھی کافی پل گیا ہے۔ وہ اُدھر چل پڑی۔ اس کا نازک جسم بڑی آسانی سے دراڑیں سے گزر گیا اور وہ خود رو جھاڑیوں سے بچتی بچاتی کوٹھی کی طرف چل پڑی۔ ایک لمحے کو اسے خیال آیا کہ اس گھر کا مکین کسی سے ملنا پسند نہیں کرتا سوائے فرخندہ کے جس سے اس کی خوب گاڑھی چھنتی تھی لیکن اس نے سوچا کہ وہ گھر کے اندر نہیں جائے گی۔ باہر سے بیل بجا کر نوکر کے ذریعے براؤنی کو بلوا لے گی۔ اس نے پورچ میں لگے ہوئے خوبصورت ربر پلانٹ کے گملوں کے اوپر دیوار میں لگی بیل بجائی تو دروازہ کھول کر ایک نوعمر لڑکے نے جھانکا۔ یہ نیا نوکر تھا۔

"جی جناب" وہ مستعدی سے بولا۔

"بھئی دیکھو۔ وہ ہمارا ایک کتا ..." رافعہ نے کہنا شروع کیا۔

"آپ ساتھ والی کوٹھی سے آئی ہیں؟" لڑکے نے اشتیاق سے آنکھیں چمکائیں۔

"ہاں مگر ....."

"تو اندر تشریف لے آئیے" وہ بڑے ادب سے بولا۔ جب آپ آئیں تو آپ کو لائبریری میں پہنچا دوں۔"

"مجھے ہے" رافعہ نے اپنی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بے اعتباری سے پوچھا۔

"جی ہاں آپ کو چلئے نا" وہ اسے فرخندہ سمجھتے ہوئے بڑی گرم جوشی سے بولا۔

رافعہ متذبذب سی اس کے پیچھے چل پڑی۔ شاید فرخندہ کی پیہم کوششوں سے وہ انسان آدم بیزار نہ رہا ہو۔ اس نے سوچا۔ اسے خود بھی اس پُراسرار آدمی سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ لڑکے نے اسے ایک نیم وا دروازے کے سامنے لا کھڑا کیا۔ "اندر تشریف لے جائیے" وہ بولا۔ "صاحب اندر ہی ہیں" وہ خود گیلری کا موڑ مڑ کر کہیں غائب ہو گیا۔ رافعہ کچھ دیر اُلجھن میں کھڑی رہی۔ پھر قدرے جرأت سے کام لے کر دروازہ کھولا اور اندر چلی گئی۔

آصف دروازے کی طرف پیٹھ کئے اپنی محبوب سیٹ پر نیم دراز تھا۔ اس کے عین سامنے آتشدان کے پاس براؤنی مزے سے ٹانگیں پسارے لیٹا تھا۔ آصف کا ہاتھ کسی کسی وقت اس کے بال سہلانے لگتا۔

اس کے سامنے آگئی۔ اور اس کا دم رک گیا۔
اسے یوں لگا جیسے کائنات تیزی سے چکرا کر
ساکت ہو گئی ہو۔

"ندیم" اس نے جیسے خود سے سرگوشی کی۔

آصف جو ٹیک لگائے لیٹا تھا جھٹکے سے
سیدھا ہو گیا اس کی آنکھیں رافعہ پر جم گئیں۔ وہ
منجمد ہو گیا اس کے ہونٹوں سے رافعہ کا نام نکلا
لیکن بے آواز۔

کئی لمحے گڑگڑاہٹ پیدا کرتے ان کے
اوپر سے گزر گئے۔ پھر جیسے رافعہ کو ہوش آگیا
وہ آگے بڑھی۔

"ندیم ..... تم ...... تم زندہ ہو؟"

ایک کلدار گنڈے کی طرح آصف کا سر
اثبات میں ہلا۔ اس کا ذہن اب جاگ گیا تھا الفاظ
کا ایک طوفان اس کے سینے میں کروٹیں لینے لگا
تھا۔ اتنے ماہ کی جدائی کے جانگسل لمحات ایک
ایک کر کے فریاد کناں تھے اس کا دل چاہتا تھا
آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے مگر اس نے
انتہائی کوشش سے کام لیکر خود کو قابو میں کیا۔
یہ لمحہ کمزوری کا تھا۔ بیت جائیگا اسے خود پر حاوی

اشتیاق۔ محبت۔ وارفتگی۔ آہستہ آہستہ
یہ سب نشان اس کے چہرے سے یوں مٹ گئے
جیسے پانی سے لبریز بادلوں کو باد مخالف اُڑا لے
جائے اور آسمان پر فقط تپتی ہوئی دھوپ رہ
جائے۔ اس نے چہرہ جھکا کر بلاؤنی کو دیکھا اور
خالی سی آواز میں بولا۔ "ہاں میں زندہ ہوں۔"

"تو تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" آنسوؤں کی
بہتی لڑیوں کو ہاتھ سے پونچھ کر رافعہ نے کہا "تم
مجھ سے اتنے نزدیک رہے پھر بھی نہ ملے تم نے
پوچھا تو ہوتا یہ وقت میں نے کیسے گزارا تمہارے
بغیر ندیم میں کیسے جیتی رہی...... اس کی آواز ہچکیوں
میں ڈوب گئی۔ آصف کا سارا جسم یوں لرزا جیسے
بھونچال سے کوئی عمارت لرز جائے۔ مگر وہ سنبھلے
اور پُرسکون لہجے میں بولے۔

"میں ندیم ضرور ہوں اور زندہ بھی ہوں۔
لیکن تمہارے لئے مر چکا ہوں۔ بڑا عرصہ بیت گیا
میرے دل میں ماضی کی اب کوئی یاد باقی نہیں میں
سب کچھ بھلا چکا ہوں۔ تم بھی بھلا دو۔"

رافعہ لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹی، اور
او پیچھے سے چوبی ریک سے ٹکرا گئی جس پر سیروں

اچانک دھکے سے مجکوا کھا کر گرنے لگا عین رافعہ کے اوپر.......

ایک لمحہ......اور دوسرے لمحے چیخ کر آصف کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھوں سے رافعہ کو جکڑ کر اپنی جانب گھسیٹ لیا اسی وقت وزنی مجسمہ دھڑ دھڑا کر عین اس جگہ گرا جہاں چند لمحے پہلے رافعہ کھڑی تھی۔

دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر یونہی کچھ دیر کھڑے رہے پھر آصف کے بازوؤں سے سر نکال کر رافعہ نے ڈرتے ڈرتے ان کی آنکھوں میں دیکھا جہاں محبت کے ستارے اپنی پوری تابناکی سے روشن تھے بلکہ ٹوٹ کر ان کے رخساروں پر گر رہے تھے ایک سسکی کے ساتھ رافعہ نے اپنا سر ان کے سینے میں چھپا لیا۔

"ندیم۔ ندیم" اس کا رواں رواں پکار رہا تھا پھر اچانک وہ ہوش و حواس کی دنیا میں لوٹ آئی۔ اس نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر آصف کو دیکھا۔ وہ اپنی ٹانگوں پر بغیر کسی سہارے کے کھڑے تھے مضبوطی سے۔ جیسے کوئی سر بلند چٹان۔

"ندیم ــــــ" وہ مسرت سے چیخی "تم کھڑے ہو۔ تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو" اور وہ خوشی سے مغلوب ہو کر رو پڑی..... آصف نے حیرت سے خود کو دیکھا وہ معجزہ رونما ہو چکا تھا جس کی پیش گوئی ڈاکٹر شکیل نے کی تھی۔ ●"

غزل

جب کبھی آپ کا صرف آپ کا غم رہتا ہے
دور دنیا کا ہر اک رنج و الم رہتا ہے

کٹ تو سکتا ہے کہیں اور نہیں جھک سکتا
سرِ تسلیم ترے در پہ جو خم رہتا ہے

کس کی تقدیر میں ہوتا ہے نیا گھر ہر سال
مجھ پہ یہ تیرا کرم "ابر کرم" رہتا ہے

راہ کی بھول بھلیوں میں نہیں گم ہوتا
جس کی نظروں میں ترا نقشِ قدم رہتا ہے

کس قدر تجھ کو ملال کرتا ہے مال اے مائل

بالآخر

صفیہ ملک

"مجھے بھی تو پتہ چلے آخر قصہ کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں ــــ بس یونہی ــــ"

"یونہی ــــ یونہی تو کبھی کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔ یہ سامان سمیٹنا چھوڑو اور اطمینان سے بیٹھ کر بات کرو، سمجھیں ــــ"

اب میں نے اپنے بڑے پن کا استعمال کیا کیونکہ وہ کسی طرح رام ہوتی نظر نہیں آرہی تھی میری بات کے جواب میں اس کے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا ہوئے۔ لوہا نرم پڑتے دیکھا تو دوسرا حربہ استعمال کیا۔

"ٹھیک ہے اگر تمہیں کسی بڑے کا بھی پاس نہیں رہا تو مجھے کیا ضرورت ہے تمہارے پاس بیٹھنے کی ــــ"

"نہیں ــــ نہیں آپ بیٹھیں تو ــــ"

ثمن گھبرا کر صوفے پر میرے پاس آبیٹھیں۔

"ہاں تو اب بتاؤ یہ تمہیں بیٹھے بٹھائے سوجھی کیا میکے جانے کی ــــ؟" میں نے دوبارہ سوال کیا ــــ لیکن وہ اب بھی چہرے پر الجھن کے آثار لیے خاموش بیٹھی رہی۔

"اب کچھ بتاؤ بھی ــــ؟"

"بس اب اس گھر میں جی نہیں لگتا۔"

"جی نہیں لگتا ــــ کیا وقار سے جھگڑا ہوگیا ہے؟"

"جھگڑا تو نہیں کہا جا سکتا ــــ ہاں آئندہ ضرور ہو جائے گا۔"

"کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو ــــ صاف صاف کہو کیوں جا رہی ہو ــــ؟"

بات صرف اتنی ہے آپی ــــ میں دور رہ کر دیکھنا چاہتی ہوں کہ وقار کے بدلتے مزاج

کے باوجود ہم دونوں اس گھر کی چھت کے نیچے ہنسی خوشی زندگی گزار سکتے ہیں کہ نہیں ـــ"

اور کوشش کے باوجود وہ اپنی آواز کی لرزش پر قابو نہ پا سکی۔

"لیکن ـــ"

"بس آگے کچھ نہ کہئے گا آپی ـــ یوں بھی اس وقت میرا دماغ قابو میں نہیں"

استنے میں ننھی سنبل جاگ کر رونے لگی۔

میں نے تسلی دینے کے لئے اسکی کمر تھپتھپائی۔

"چلو اب پرسکون ہو کر اسے دودھ پلاؤ ـــ پھر باتیں ہوں گی ـــ"

اور سب کچھ بھول کر سمن نے لپک کر ننھی کو گود میں لیا اور اس کے گالوں پر منہ رکھ کر بے اختیار مسکرا دی۔

☆

سمن نے اپنے رویے سے آج پھر مجھے چونکا دیا تھا۔

یہ اس کی ہمیشہ کی عادت تھی۔

چار بھائیوں کی لاڈلی چھوٹی بہن اس فخر نے اس کے مزاج میں اک انوکھی سختی پیدا کر دی تھی جس ... کر ... سا ... کر ...

چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے۔ اس کی عادت سے چچی نالاں ہی رہیں اور کچھ ہراساں بھی ـــ اس کی چونکا دینے والی عادت نے انھیں اکثر پریشان کیا تھا لیکن اس لمحے سمن کے چہرے پر جوشِ مسرت اک تابناکی بکھیر جاتا ـــ اور کون ماں بیٹی کو خوش دیکھ کر خوش نہ ہو گی ـــ یوں وہ اپنا غصہ ڈانٹنے کا خیال سب کچھ بھول بھال جاتیں۔

یہ بچپن کے چھوٹے موٹے ایڈونچرز نے ہمت بندھائی جب کالج میں داخلے کا سوال آیا تو اس نے ایک کو ایجوکیشن کالج کو منتخب کیا بہت لے دے ہوئی لیکن اس نے ایک زنانی فارم جمع کرایا ـــ کالج والے بھی جیسے اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ پہلے ہی لسٹ میں اس کا نام آ گیا۔ اور سمن صاحبہ گرلز اسکول سے میٹرک کر کے شہر کے مشہور گرلز ایجوکیشن کالج کی اسٹوڈنٹ ہو گئیں۔

ہمارے خاندان میں لڑکیوں کی تعلیم کوئی بات نہ تھی لیکن اب تک تمام لڑکیاں گرلز اسکولز اور گرلز کالجز میں پڑھ رہی تھیں۔ اس لئے اب کی بار خاندان والے بھی سمن کی اس حرکت سے چونک ... اٹھے ... منتظر رہے کہ ... لاڈلی بیگم کیا

رنگ دکھاتی ہیں۔" لاڈلی بیگم نے رنگ دکھائے لیکن بہت خوبصورت بڑے نکھرے نکھرے۔

ثمن کا خیال تھا کہ کو ایجوکیشن میں پڑھ کر مقابلے کا رجحان برقرار رہتا ہے۔ پڑھنے میں زیادہ لطف آتا ہے سو اپنے اس خیال کی تصدیق کے لئے وٹ کر اچھے نمبر لاتی رہی۔ فرسٹ ایئر میں تو زیادہ تر دھیان پڑھائی میں رکھا۔ اس دوران ایکسٹرا ایکٹیویٹیز کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور پلاننگ پر اکتفا کیا لیکن سیکنڈ ایئر میں بھائی میاں کے سر ہو کر تقریر لکھوالی۔ اس وقت پھر لوگ چونکے جب ثمن بین الکلیاتی مباحثہ جیت کر چمکتا کپ اور گلنار چہرہ لئے گھر آئی۔

اور پھر اس طرح کے کارناموں کے ساتھ ثمن نے شاندار طریقے سے گریجویشن کر لیا۔ لیکن اس وقت تو شفیق سے ابا میاں بھی پریشان ہو گئے۔ جب ثمن نے اک اعتماد کے ساتھ اعلان کیا کہ وہ ایک دفتر میں سروس کی اپلیکیشن دینا چاہتی ہے۔۔۔ اب اس موقع پر اسے اپنے حمایتی بھائیوں [illegible]

حمایت حاصل نہ تھی۔ بھائی میاں نے اپنا فیصلہ محفوظ رکھا تھا۔ البتہ منصور اور جواد نے کھل کر مخالفت کی تھی لیکن جمال نے تو اس کا خوب خوب مذاق اڑایا تھا۔ اتنا پریشان کرتا کہ بعض اوقات وہ جھنجھلا کر اس کی طرف جھپٹتی۔۔۔ جمال اور ثمن میں دو سال کی ہی چھٹائی بڑائی تھی بچپن میں بھی وہ جمال سے لڑائی میں باقاعدہ گتھم گتھا ہو جاتی۔۔۔ اور اب جب کبھی ایسی نوبت آتی تو وہ ڈھیروں مکے اس کی کمر پر مارتی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوتا۔۔۔ کھڑا دانت نکوسے جاتا۔۔۔ ثمن کا خیال تھا کہ جمال تو سب سے پہلے اس کی حمایت کرے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ اس کی دوستی میں سب کو زبردستی راضی کرے گا۔ لیکن جب موقع آیا۔۔۔ وہ سروس کا ذکر کرتی اور اُسے ہمنوا بنانا چاہتی تو وہ جواب میں ایسی ایسی باتیں بناتا کہ وہ روٹھی ہو جاتی۔ جب ثمن نے آزادئ نسواں کے حق میں تقریریں شروع کیں تب منصور نے کہا۔

"محترمہ لیڈر صاحبہ۔۔۔ یہ سب رسمی باتیں ہیں، ہوتا وہی آیا ہے جو مرد چاہتے ہیں [illegible] زیادہ فعال

ثابت ہونے کے لئے مرد اور عورت اپنے اپنے
فیلڈ میں کام کریں۔"

"منصور ٹھیک کہتا ہے سمن ـــ دیکھ لو
آزادیٔ نسواں صرف ایک نعرہ ہے اور وہ بھی
کھوکھلا ـــ آزادی آزادی کی رٹ جو عورتیں
لگاتی ہیں لیکن اس کی حدود کا تعین آج تک
نہ کر پاتی ہیں کہ کیسی آزادی مطلوب ہے کہاں
تک آزادی چاہتی ہیں ـــ کیا ایسی آزادی
جس کو پا کر مغرب کی عورت صرف اشتہار کا ماڈل
اور بے راہ روی کا گڑھ بن کر رہ گئی ہے جہاں
تک آزادی اور حقوق کا سوال ہے تو وہ سب
کچھ جو آج کی عورت طلب کر رہی ہے اس سے
کہیں زیادہ آج سے چودہ سو برس قبل اسلام
اسے دے چکا ہے ـــ یہ اور بات ہے کہ
اس کا اطلاق مکمل طور پر نہیں ہوا ہے اور
اس میں قصور ہمارا اپنا بھی ہے۔

جواد نے تو جوابی تقریر ہی کر ڈالی۔

اب سمن کیا کہتی چپ ہی رہی۔

وہ تو اپنے ان اونچے پورے بھائیوں
کو بڑا ماڈرن، بڑا روشن خیال سمجھتی تھی۔ لیکن
یہ تو بالکل ہی برعکس نکلے اور پھر اپنے دادا
پردادا، کی بوڑھی روح سمائی ہوئی تھی۔

اب کیا کروں ـــ؟

وہ سوچ بچار کرتی رہی ـــ آخر بڑی بحث
وتمحیص کے بعد اس نے یہ تجویز رکھی کہ آپ لوگوں
میں سے کوئی بھی میری سفارش وغیرہ نہ کرے
میں اپلیکیشن دیتی ہوں۔ اگر کام نہ بنا تو ٹھیک
اور جو سلیکشن ہو جائے تو اجازت دے دی
جائے ـــ اور عام حالات کے پیش نظر اس
کی یہ تجویز مان لی گئی۔

اپلیکیشن روانہ ہوئی ـــ

وہ آس کے جھولے میں سوار ہوئی۔ ـــ

بہت خوبصورت امیدوں کے ساتھ خدا کی
بارگاہ میں اپیل کرتی رہی۔

اس کا سارا وجود کان بن کر رہ گیا تھا۔

کان ـــ جو خوش آئند نوید کے منتظر تھے۔

کان ـــ جو ہر لمحہ دل بن کر دھڑکتے رہے۔

کان ـــ جو ڈاکیے کی آواز سننے کے لئے
سارے جہان کی آوازوں کو بے آواز کئے صرف
اس وقت کے منتظر تھے جب اس کے نام کوئی
پیغام آئے۔

پھر اس کے نام انٹرویو کال آ گئی۔

وہ دھڑکتے دل کے ساتھ مقررہ وقت پر پہنچی۔ جانے کیسے لوگ ہوں گے —— جانے کیا سوال کریں؟ جانے کیا صورتِ حال پیش آئے —؟ انہی سوچوں میں گم وہ اپنی باری کا انتظار کرتی رہی — جتنی آیتیں — جو دعائیں یاد تھیں پڑھ پڑھ کر اپنے آپ پر پھونکتی رہی — تب چپراسی نے پکارا ——

"سمن شہاب"

وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اِرد گرد دیکھا بقیہ لڑکیاں اب پُرسکون سی بیٹھی تھیں چپراسی نے دوبارہ نعرہ بلند کیا۔

"مِس سمن شہاب ولد شہاب احمد"

تب اس نے تیزی سے قدم بڑھائے۔ دروازے کے قریب رُک کر ایک گہرا سانس لے کر تنفس درست کیا۔ اور پُرسکون انداز میں پورے اعتماد سے کمرے میں داخل ہو گئی۔ کرسی پر بیٹھی تو چند لمحے پہلے کی گھبراہٹ غیر محسوس سا خوف اور بے اطمینانی کا کہیں نام نہ تھا — اب سمن شہاب پورے اعتماد سے اپنی تمام ذہانت کے ساتھ انٹرویو بورڈ کے سامنے ڈٹی ہوئی تھی۔ جب وہ باہر نکلی تو بڑی پُراُمید اور مطمئن مطمئن سی تھی۔ پھر اس کی توقع کے مطابق چند دن بعد اطلاع ملی کہ اس کا سلیکشن ہو گیا ہے

ساکن پانیوں میں پھر اضطرابی لہریں اُٹھیں — لیکن یہ لہریں اسے متزلزل نہ کر سکیں۔ یوں دیکھنے والوں نے دیکھا۔ سننے والوں نے سنا — یہ سرکش کھلنڈری سی سمن ریسرچ آفیسر کی ذمہ دار پوسٹ پر بڑی عمدگی سے کام کر رہی تھی — گھر سے باہر نکلی تو پتہ چلا کہ باہر کی دنیا بہت کم ظرف، بہت بے درد ہے یہاں اتنی گھٹن ہے کہ دم گھٹا جاتا ہے۔

قدم قدم پر حوصلہ شکن اور صبر آزما حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے — لیکن وہ ہار ماننے والی نہ تھی ——

تب اس نے سوچا ایسے کام نہیں چلے گا یہاں تو مردوں کا مقابلہ مرد بن کر ہی کیا جا سکتا ہے

پھر اس نے اپنی ڈی پینڈ کرنے والی عادت کو ترک کیا اور اپنے آپ کو اتنا ٹف بنا لیا کہ مرد اس کے آگے بات کرتے ہوئے گھبرا جاتے کچھ کہتے ہوئے جھجکتے۔ یوں وہ اپنے فرائض پوری تندہی اور پورے اعتماد سے انجام دیتی رہی —— اپنی ذات کو منوانے اپنے فعال ہونے کا

خوبصورت احساس اسے ایک نئی رعنائی ایک نئی توانائی دیتا رہا — اندرونی مسرّت کے سوتے اس کے ملیح چہرے کو بہار آفریں رنگ دیتے رہے۔

ہر خوشی کی طرح سمن کی اس بےفکری کے دن بھی شاید تھوڑے ہی تھے۔ یہ اس سماجی ڈھانچے کا قصور ہے جہاں بیٹیاں والدین کے لئے اتنا بڑا بوجھ نہیں ہوتی ہیں، جتنا کہ پاس پڑوس اور عزیز رشتہ داروں کے سینے کا پتھر۔

اسے بھی اپنے ارد گرد مختلف آوازوں کا شور سنائی دینے لگا لیکن غیر متوقع طور پر وہ بے حد پُرسکون تھی۔

جیسے یہ سب اس کے لئے نہیں کسی اور کے لئے کہا جا رہا ہے — لیکن تمام والدین کی طرح اس کے ماں باپ بھی سوچنے پر مجبور ہو گئے اور بادل نخواستہ انھیں یہ ماننا پڑا کہ ان کی سمن گڑیا واقعی اب اتنی بڑی ہو گئی ہے کہ اس کے کوچ کا وقت قریب آ گیا ہے —

ایک دن وہ بھی آیا کہ سمن کے آگے اُمیدواروں کی تصویریں لائی گئیں کہ ان کے بارے میں اپنی رائے سے مطلع کرے — لیکن اس نے ان ساکت چہروں کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ بے اعتنائی سے تصویریں لوٹا کر کہا —

"یہ میرا کام نہیں مجھے ان سے کوئی مطلب نہیں" سننے والے حیران رہ گئے اور سوچنے لگے یہ کیا بات ہوئی — ہ کہیں ...... اور پھر حیرانی آنکھوں میں تشویش کے ڈورے بن کر ابھری دبے ہوئے احساسِ خوف نے سر اُبھارا اور اس کے کانوں تک یہ بات پہنچائی گئی کہ —

"زندگی تمہیں گزارنا ہے اور پھر یہ زبردستی کا سودا بھی نہیں۔ تم سمجھدار ہو، بُرا بھلا سمجھتی ہو چاہو تو دیکھ کر اطمینان کر لو لیکن اس نے پُرسکون مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"اس کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس معاملے میں میری کوئی رائے ہے —"

اب تو مسئلہ اور سنگین صورت حال اختیار کر گیا۔ کیا کیا جائے ہ کچھ سمجھ میں نہ آیا — اس جواب کی تہہ میں کیا ہے — ہ اس تک کس طرح پہنچا جائے —؟

سمن کی امی کو بے اختیار ایک اور بیٹی کی ضرورت محسوس ہوئی اور نگہ انتخاب مجھ پر پڑی کہ سمن بچپن ہی سے مجھ سے بے تکلف رہی تھی۔

وہ اپنے سارے کارنامے بڑے مزے لے
لیکر سنایا کرتی بعض اوقات وہ اپنے آئندہ
پروگراموں کے بارے میں بھی مطلع کیا کرتی
بقول اس کے ـــ "یہ سیکرٹ ہے لیکن
صرف آپ کو بتا رہی ہوں"
اس لگاؤ سے سب واقف تھے
شاید اسی وجہ سے چچی اماں نے جمال کو بھیج کر
مجھے بلوالیا۔ سمن کے آنے میں ابھی دیر تھی۔
اس لئے انھوں نے ساری روداد مجھے
سنادی۔ ساتھ ہی سمن کے ناقابل فہم رویے
پر بھی اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ ان کو تو میں
نے کسی نہ کسی طرح اطمینان دلادیا لیکن خود
بھی سمن کے رویئے کو نہ سمجھ پائی تھی کچھ دیر
بعد وہ آگئی ـــ خلاف توقع مجھ کو دیکھ کر بہت
خوش ہوئی۔ چائے پینے کے بعد آرام کرنے
اپنے کمرے کی طرف چلی تو میں بھی اس کے ساتھ
ہولی ـــ کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے
کے بعد اصل موضوع پر آگئی ـــ کہاں تو وہ
نیم درازسی اطمینان سے میری باتیں سن رہی
تھی۔ اور کہاں بجلی کی سی تیزی سے سیدھی
ہو کر بیٹھ گئی۔

میں نے اسے گلے لگالیا۔

"تم جانتی ہو تمہارے رویئے سے چچی اماں
کتنی پریشان ہیں۔ بے وقوف تم نے تصویریں
تک دیکھنے سے انکار کردیا ـــ"

"تو اب صاف صاف سنئے ـــ میں سمجھتی
ہوں کہ والدین مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہیں جو کچھ
کریں گے میری بھلائی کے لئے ہی کریں گے نا!
جب میری نظر میں کوئی اور بھی نہیں تو پھر زید
بکر ـــ سے مجھے کیا فرق پڑے گا۔ اس لئے
تصویروں میں انتخاب کرنا میرے خیال میں...
بے اعتمادی کی دلیل ہے ـــ جسے آپ سب
بڑے مناسب سمجھیں، پسند کریں مجھے کوئی اعتراض
نہیں ـــ آپ سب کا انتخاب میری پسند ہوگا"

اور پھر اس نے اپنا کہا پورا کیا۔ نہ اس نے
وقار کی تصویر دیکھی جسے سب نے متفقہ طور پر
پسند کیا تھا۔ نہ ہی اس نے وقار سے ملنا پسند
کیا بلکہ اس سارے ہنگامے کے دوران بھی وہ
پوری یکسوئی سے اپنے دفتری فرائض انجام
دیتی رہی۔ بالآخر ایک دن وہ سمن شہاب سے
سمن وقار ہو کر دوسرے آنگن میں بہار بن کر
چھا گئی۔

شادی سے کچھ عرصہ بعد ایک دن میں نے باتوں
باتوں میں پوچھا ـــــ
" اس میں کیا منطق تھی کہ تم نے شادی
سے پہلے وقار سے ملنا پسند نہ کیا جب کہ
اجازت تھی ـــــ"
" اتنی سی بات ـــــ! میرا خیال ہے اگر
ہر دو افراد رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے
سے پہلے ہی ایک دوسرے سے ملتے رہیں ایک
دوسرے کو سمجھتے رہیں تو پھر بعد میں کوئی چارم
نہیں رہتا ـــــ پہلے سے اگر دونوں ایک
دوسرے کے لئے اجنبی ہوں تو شادی کے
بعد رفتہ رفتہ ایک دوسرے کو دریافت کرتے
رہتے ہیں اور ہر بار ان کے مابین رشتۂ محبت گہرا
ہوتا جاتا ہے۔ ایک اسرار ہوتا ہے جس کو وہ
ساری عمر کھولتے رہتے ہیں ـ کھوجتے رہتے
ہیں ـــــ یوں وہ ایک دوسرے کے لئے کبھی
پرانے نہیں ہوتے ـــــ"
شاید یہی اس کی خوشگوار اور بھرپور زندگی
کا راز تھا کہ جس نے اس کو اپنی ذات پر اعتماد
بخشا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سمن اور وقار کی سی
خوشگوار زندگی کے لئے مائیں اپنی بیٹیوں کو
دعائیں دیا کرتیں ـــــ
پھر ایک رُت آئی ـــــ ایک رُت بیتی ـــــ
اور سمن ایک ذمہ دار افسر، ایک فرض شناس بیوی
اور پھر ایک شفیق ماں بن گئی ـــــ
لیکن اب کچھ عرصے سے وہ کچھ اُلجھی اُلجھی
سی کچھ جھلائی جھلائی سی نظر آتی۔ کئی بار وقار نے
مجھ سے اس کا ذکر بھی کیا۔ میں نے اسے سمجھایا
کہ وہ سنبل کی بیماری کی وجہ سے پریشان ہوگی۔
کچھ دنوں بعد وقار نے مجھ سے پھر ذکر کیا۔
" جانے سمن کو کیا ہوگیا ہے میری تو کچھ سمجھ میں
نہیں آتا۔ اب تو سنبل کی طبیعت بھی ٹھیک ہوگئی
ہے۔ کچھ پوچھتا ہوں تو کھا جانے کو دوڑتی ہے"
" دراصل سنبل کی بیماری نے اسے چڑچڑا کردیا
ہے"
" شاید یہی وجہ ہو ـــــ؟"
" تم فکر نہ کرو، میں اسے سمجھا دوں گی ـــــ
آج تو مجھے ذرا کام ہے کل وقت نکال کر آنیکی
کوشش کروں گی"
کل آئی تو وقار دفتر نہیں گیا۔ میں نے وجہ
پوچھی تو اس نے عجیب سے لہجے میں کہا ـــــ
میرا دل اور بھی پریشان ہوگیا۔ میں نے استفہامیہ

نظروں سے اس کی جانب دیکھا تو وہ تیزی سے بولا —

"جانا بھی کیسے، آپ کی بہن صاحبہ نے جینا حرام کر رکھا ہے میرا — میں تو پچھتا رہا ہوں یہ شادی کر کے، اس نے تو گھر کو بھی اپنا دفتر ہی سمجھ لیا ہے —" وہ پھنکارتا ہوا بولا۔

"آخر ہوا کیا، کچھ کہو تو کیا بات ہوئی تھی؟"

"کچھ بھی نہیں — وہ تو آج کل ذرا ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا لیتی ہے۔ آج صبح صبح بھی موڈ غارت کر دیا — مجھے آفس کو دیر ہو رہی تھی۔ کہنے لگی جب تک میں تیار ہوتی ہوں آپ سنبل کو سنبھالئے۔ میں نے صرف اتنا کہا کہ یہ سب میرا مسئلہ نہیں ہے — بس یہ کہنا غضب ہو گیا وہ تو پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ گئی اور بجائے شرمندہ ہونے کے میکے جانے کی دھمکی دے دی — کچھ بعید نہیں کہ گھر سے اب تک نکل چکی ہو —"

وہ سانس لینے کو رکا تو میں نے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے، جو سما جائے اس کے دماغ میں کر بیٹھتی ہے —"

اب مزید وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا اس لئے میں اسی حالت میں وقار کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی — راستے بھر ہم میں سے کوئی کچھ نہ بولا — وقار بہت ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا اور میں بے چینی سے پیچھے کی طرف بھاگتے مناظر پر نظریں جمانے کی کوشش کرتی رہی — آخر گھر پہنچے — وقار نے گاڑی میں بیٹھے رہنا پسند کیا۔ میں نے بھی اندر چلنے پر اصرار نہیں کیا۔

جب میں کمرے میں داخل ہوئی تو سمن چہرے پر اک جامد سکوت لئے تیزی سے ضروری چیزیں بیگ میں ٹھونس رہی تھی۔ قدموں کی چاپ پر اس نے دروازے کی طرف ذرا سا گھوم کر دیکھا مجھ پر نظر پڑی تو چونک سی گئی — پھر ایک جبریہ استقبالی مسکراہٹ چہرے پر لاتی ہوئی بولی۔

"آئیے —"

میں دو قدم بڑھا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اب شاید اس نے میرے سراپا سے بھانپ لیا تھا کہ میں اچانک آئی ہوں — تب وہ بے نیازی سے سامان سمیٹنے لگی —

اور اب میں خاموش بیٹھی اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن کوئی سرا ہی نہیں مل رہا تھا۔ سمن نھی کو جھولے میں لٹانے کے بعد

اسے سلانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ
شاید سونے کے موڈ میں نہیں تھی۔
"وہ سمن ۔۔۔ ننھی کو آیا کے سپرد کر دو۔
یہ شاید اس وقت سونا نہیں چاہتی۔"
"ہوں ۔۔۔ ایسا ہی لگتا ہے۔"
پھر سنبل کو جھولے میں چھوڑ کر وہ میری
طرف متوجہ ہو گئی۔
"دراصل آپی میں جب وقت گھر پر ہوتی ہوں
سنبل کو آیا کے سپرد نہیں کرتی ہوں۔"
"یہ تو تم نے قدیم ماؤں کی فطرت کا اظہار
کیا ہے۔"
وہ جواب میں خوش دلی سے مسکرا دی۔
میں نے موقع غنیمت جانا اور پھر بات چھیڑ دی
"ابھی کچھ دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ تم اس
لئے میکے جانا چاہتی ہو کہ اندازہ کر سکو ۔۔۔
لیکن میرا سوال ہے کہ یہ نوبت آخر کیوں کر آئی؟"
اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔
"وہ آپی ۔۔۔ آپ تو جانتی۔۔۔۔۔"
"ہاں ۔۔۔ ہاں کہو شاید کوئی بہتری کی
صورت ہم تم مل کر نکال سکیں۔"
اس نے جائزہ لینے کے انداز میں کمرے

میں نظریں دوڑائیں ۔۔۔ کمرے کے آس پاس
بھی کوئی نہ تھا۔ پھر مطمئن سی ہو کر بیٹھ گئی۔
میں نے اسی کو غنیمت جانا کیونکہ وہ
اس وقت نارمل نظر آ رہی تھی ۔۔۔ یا شاید اب
تک اس نے انتہائی ذاتی معاملے میں میری مداخلت
کو قبول کر لیا تھا۔
"ہاں تو پھر ۔۔۔"
"آپ تو جانتی ہیں ۔۔۔ وقار پہلے تو میری بات
سمجھ جایا کرتے تھے۔ ہر معاملے میں تعاون
کرتے تھے اور اب جب کہ تعاون کی زیادہ
ضرورت ہے تو مزاج ہی نہیں ملتے۔"
"یہ تم کیسے کہتی ہو ۔۔۔؟"
اب یہی دیکھیں سنبل کی بیماری کی وجہ سے
میں نے دفتر سے چھٹی لی ہوئی تھی۔ اب بار بار تو
نہیں لے سکتی نا ۔۔۔ لیکن ان سے اتنا نہیں
ہوتا کہ کم از کم میری موجودگی میں ہی بچی کا خیال
دیکھتے رہیں گے کہ میں پریشان ہو رہی ہوں
لیکن نہیں صاحب یہ تو ان کا مسئلہ ہی نہیں
بس اسی بات پر مجھے غصہ آ گیا۔۔۔
صبح کا واقعہ دہراتے ہوئے اس کا چہرہ
غصے سے تمتا گیا۔۔۔

"یہ تو کوئی ایسی بات نہ ہوئی جس پر اتنا ہنگامہ ہوا۔"

"کوئی بات کیسے نہیں بھئی — جب سے سنبل پیدا ہوئی ہے میں جب تک گھر سے باہر رہتی ہوں میرا دھیان اسی کی طرف رہتا ہے گھر میں جب موجود ہوتی ہوں تب تو خود ہی سنبھالتی ہوں آیا کو بھی نہیں دیتی ہوں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا ہے — اب آپ ان کی زیادتی دیکھیں ان کا دفتر دیر کا ہے اور پھر آج کل تو مجھے معمول سے بھی پہلے جانا ہوتا ہے — یہی وجہ ہے کہ صبح کے وقت پریشانی ہوتی ہے کیونکہ میری ڈیوٹی لینے آجاتی ہے اسے چھوڑ بھی نہیں سکتی ہوں — لیکن یہ تو اپنی تیاری میں اس وقت سے لگے رہتے ہیں جب سے آنکھ کھلتی ہے۔ یہ نہیں کہ بچی کو دیکھ لیں، اپنے آپ میں مگن رہتے ہیں — جیسے انہیں تو کوئی مطلب ہی نہیں ہے — ٹھیک ہے میری بچی ہے میں خود سنبھال لیتی ہوں۔" وہ پورے جوش میں اپنی وکالت کر رہی تھی۔

"سمن تمہاری باتوں کا آج تو سر پیر کوئی ہے نہیں — بتاؤ کیا اب بچی کے لئے وقار دفتر چھوڑ دیں —"

"میں کب کہتی ہوں، دفتر چھوڑ دیں —"

"تو پھر —؟"

"تو پھر یہ خود کیوں نہیں کہتے کہ میں دفتر چھوڑ دوں۔" بے ساختہ سمن کی زبان سے نکلا —

پھر وہ یوں گھبرا گئی جیسے کمان سے تیر نکل گیا ہو۔

ابھی میں سمن کے غیر متوقع جواب سے سنبھلنے نہیں پائی تھی کہ عقب سے وقار کا اونچا قہقہہ سنائی دیا۔ وہ جانے کب سے ہماری باتیں سُن رہا تھا —

سمن نے پلٹ کر وقار کو گھورا — لیکن وہ اسے نظر انداز کرتا ہوا سنبل کے جھولے کی طرف بڑھا اور اسے اُچھالتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔

"لو بیٹے! — آج آپ کی امی کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اب ہم انہیں دفتر جانے نہیں دینگے اب تو خوش ہونا —!"

بچوں میں

اسلامی شعور بیدار کرنے والی آسان اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
اندیشوں کے گرفتار	۵/۵۰	بنتِ حوا	۱/۴۰	خانہ آبادی	-/۸۰	مہمان ریچھ	
امّ المومنین حضرت عائشہ	۴/۵۰	بھولے بھیا	-/۵۰	خدیجۃ الکبریٰ	-/۵۰	میں نے مضمون نویسی سیکھی؟	
امانت کا بوجھ	۲/-	بہت خوب	-/۷۰	دودھ کا پوت	-/۷۰		
ایک شعر ایک کہانی	۱/۵۰	بنت اسلام	۱/۸۰	دانا حکیم	۱/۶۰	مرحلے	
اچھی اچھی اور مزیدار باتیں	-/۷۵	بڑوں کی مائیں	۱/۲۵	دانا حکیم کی دانا بیٹی	-/۶۰	مزدوریا فرشتے	
اسلامی تہذیب و آداب	۱/-	بشریٰ کے خطوط	۱/-	دو انسان ایک کردار	۲/-	مردِ ناداں	
امرود بادشاہ	-/۷۰	پیشین گوئیاں	۱/۲۵	زبان کا زخم	۱/-	نقلی شہزادہ	
ابن بطوطہ کا بیٹا	۲/۵۰	پھول کی پتی	۱/۵۰	سچے افسانے	۲/-	ولی کا سایہ	
اچھی نظمیں اوّل دوم	۱/-	پیارے نبی ایسے تھے	۱/۷۵	شہزادہ توحید	۱/-	ہمارے بزرگ اول	
اب تک یاد ہے	۲/۲۵	تربیتی کہانیاں اول تا چہارم سیٹ	۲/-	طویلے کی بلا	۱/-	ہمارے بزرگ دوم	
اچھے افسانے	۳/-	ترکستان سے ٹرکی تک	۲/-	فیصلے	۱/۶۰	ہیرے کا جگر	
ایک انسان دو کردار	۱/۲۵	جنّتی بچہ	-/۶۰	۹۹ قتل کے بعد	۱/-	ہم ایسی بنیں	
بڑوں کا بچپن	-/۷۵	جانباز ساتھی	۲/-	گڈو کے گیت	-/۴۰	ہندوستانی عورت	
بیوقوف کی تلاش	-/۷۰	حضرت عمر ثانیؒ	۲/۵۰	گڈو کی گڑیا	-/۴۰	ہمارا ابن بطوطہ	
بدنصیب	۱/۴۰	خواتین کے دل کی باتیں	۳/-	گڑیا کا وعظ	۱/-	اسلامی شریعت ۔ ہنا	

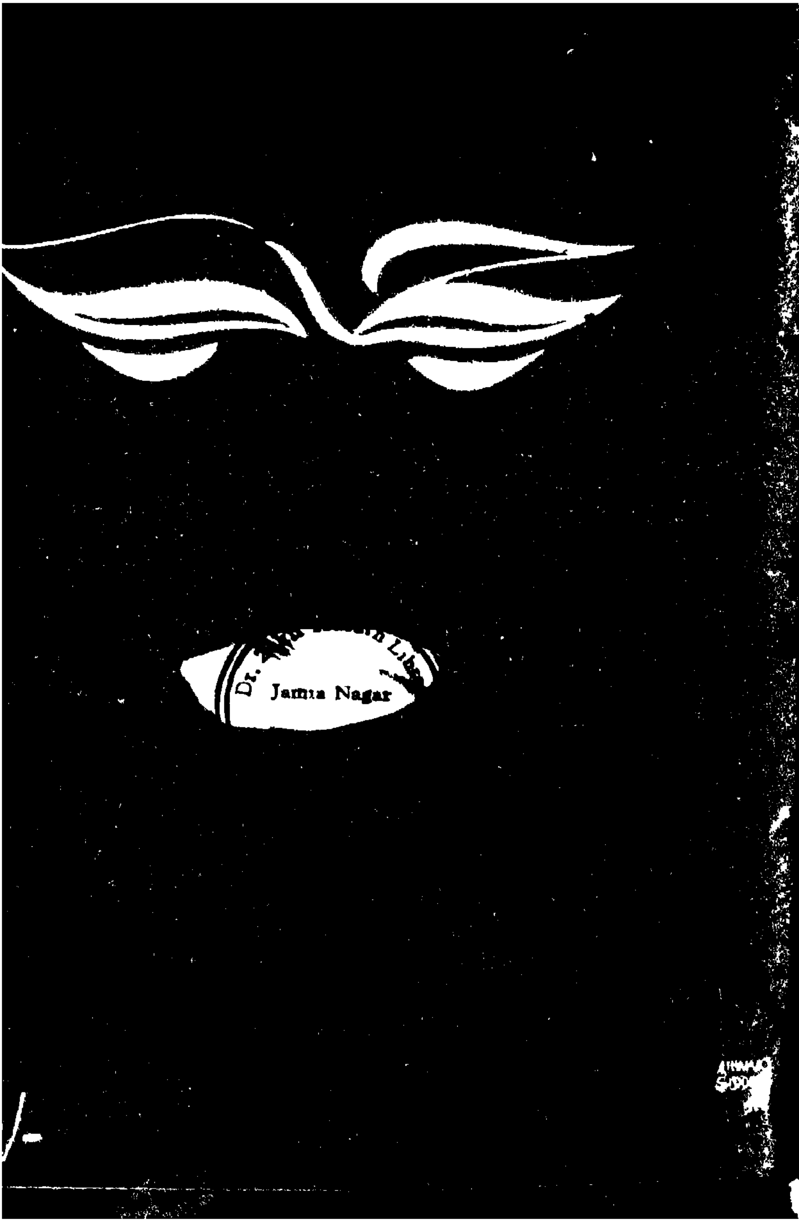
مرکزی مکتبہ اسلامی ہند۔ چتلی قبر ۱۳۵۳۔ دہلی۔

REGD, NEWS PAPERS Rged. No. MRD 34

HIJAB (URDU MONTHLY) Rampur (U.P.) 244901

Regd. No. R N 20384/70

MARCH 1984



جلد ۱۵
شمارہ ۱۶۶

اپریل ۱۹۸۴ء
مطابق
رجب المرجب
۱۴۰۴ھ

حجاب

مدیر مائل خیرآبادی

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ

زرِ تعاون

سالانہ چندہ ۵۰/- روپیہ + سالنامہ کی رجسٹری کے لئے ۳/- روپیہ = ۵۳/- روپیہ

وی پی سے ۶۰/- روپیہ ------ ایک شمارہ ۵/- روپیہ

اِس دائرے میں سُرخ نشان اِس بات کی علامت ہے کہ اِس شمارے سے آپ کے سالانہ چندے کی میعاد ختم ہوگئی۔ آئندہ کے لئے زرِ تعاون منی آرڈر سے عنایت فرمائیں۔ اگر آئندہ سرپرستی منظور نہ ہو تو ایک کارڈ کے ذریعہ منع فرمادیں تاکہ ہم وی پی نہ بھیجیں۔

پروپرائٹر، پرنٹر، پبلشر محمد اسحاق۔ مقامِ اشاعت بارہ دری محمود خاں رام پور مطبوعہ ممتاز آفسٹ پریس۔ دہلی

دریردۂ حجاب

مقالات ومضامین

منظومات

زمانے کی گواہی

معاشرتی مضامین

لطائف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حلقۂ حجاب کے تمام بھائیوں اور بہنوں کو ہم بتا چکے ہیں کہ محکمۂ ڈاک نے وی پی چارجز اس حد تک بڑھا دئے ہیں کہ اب ہمارے لئے وی پی سے ایک یا ایک سے زیادہ پرچے بھیجنا ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے۔ اسی لئے ہم جنوری ۱۹۸۴ء سے ایجنٹ صاحبان کی خدمت میں زیادہ تر بنڈل سادہ ڈاک سے بھیجنے لگے۔ ہم نے ایجنٹ صاحبان سے گذارش کی کہ وہ واجب الادا رقم ماہ بماہ منی آرڈر سے بھیجدیں۔ ہماری اس درخواست پر کچھ ایجنٹ صاحبان نے بڑی ہمدردی اور خلوص کا برتاؤ کیا اور منی آرڈر سے رقمیں بھیجدیں لیکن افسوس کہ زیادہ تر ایجنٹ صاحبان نے خاموشی اختیار کرلی۔ ہم نے ان ایجنٹ صاحبان کی خدمت میں خطوط لکھے۔ ان خطوط کا جواب بھی نہیں دیا گیا۔

اب ہم یہ شمارہ مجبوراً ان ایجنٹ صاحبان کی خدمت میں پچھلے بقایا کے ساتھ وی پی کر رہے ہیں۔ ان کی خدمت میں خطوط بھی بھیجدئے ہیں کہ براہ کرم وی پی وصول کرلیں۔ اگر خدانخواستہ یہ وی پی بنڈل واپس آنے لگے تو پھر حجاب ایسے بھیانک گھاٹے میں پھنس جائے گا کہ پھر حجاب کا جاری رکھنا مشکل ہوجائیگا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ وہی ہمارا مالک و مولا ہے۔

'حجاب' کے شمارہ مارچ ۱۹۸۴ء سے ایک پرچے کی قیمت پانچ روپیہ کردی گئی ہے بیشک یہ قیمت بہت زیادہ ہے۔ پھر بھی ہمیں اُمید ہے کہ حجابی بہنیں اور بھائی تعاون فرمائیں گے اور جہاں تک اُن سے ہوسکے گا حجاب کو جاری رکھنے میں ہماری مدد فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مدد فرمائے!

ہم انفرادی خریدار صاحبان سے بھی گزارش کرتے ہیں کہ وہ سالانہ چندہ منی آرڈر سے بھیجیں۔ وی پی سے انھیں خواہ مخواہ سات آٹھ روپیہ زائد ادا کرنے پڑیں گے اور فائدہ کچھ نہ ہوگا۔ اگر سالنامہ رجسٹرڈ منگانا چاہیں تو رجسٹری فیس ۲/- روپیہ مزید بھیجیں یعنی ۵۳/- روپیہ منی آرڈر فرمائیں

مارچ ۱۹۸۴ء کے شمارے سے 'حجاب' کے سائز میں جو تبدیلی آئی ہے اُسے عام طور پر بہت پسند کیا جا رہا ہے۔ یہ سائز ۲۲×۳۳/۱۶ پچھلے سائز ۲۰×۲۲/۱۶ سے زیادہ موزوں ہے اور کاغذ بھی اچھا ہے

رسول کریم نمبر کے آرڈر اب بھی ہمارے پاس آ رہے ہیں جبکہ ہم نے بار بار اعلان کیا اور خطوط بھی لکھے کہ رسول کریمؐ نمبر ختم ہو گیا۔ اس کے بدلے اب "رسول کریمؐ" کتاب منگائیں۔ بہت عمدہ سفید کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور ٹائیٹل بھی موٹا اور چمکدار ہے۔ کتاب کی قیمت پندرہ روپیہ ہے۔ تاجران کتب کو کمیشن ۳۳ فیصدی دیا جائے گا اور ڈاک خرچ ہم برداشت کریں گے۔ بک سیلر صاحبان کمیشن وضع کر کے رقم منی آرڈر سے بھیجدیں۔ ہم اُن کی خدمت میں رجسٹری کے ذریعہ "رسول کریمؐ" کتاب کا بنڈل بھیجدیں گے۔ بڑا بنڈل ریل سے بھیجدینگے اور اس کا خرچہ بھی ہمارے ذمے ہوگا۔ لیکن اگر کوئی صاحب وی پی سے طلب فرمائیں گے تو ڈاک چارج انھیں خود برداشت کرنا پڑیں گے اور وہ چوتھائی قیمت پیشگی بھیجیں گے۔

'تفہیم القرآن' جلد پنجم نصف (سورۂ حدید تا سورۂ طلاق) کے نسخے ہمارے پاس اب بھی زیادہ تعداد میں موجود ہیں۔ اس کی ضخامت ۲۸۶ صفحات ہے۔ آفسیٹ کی طباعت ہے۔ ایک سو نسخوں پر ریل کا کرایہ اندازاً تیس ۳۰ روپیہ آتا ہے۔ سو نسخے منگانے پر ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے ۱۰۰/- روپیہ + ۳۰/- روپیہ ریل کا خرچ کل ایک سو تیس ۱۳۰ روپیہ منی آرڈر سے بھیجیں۔

کونڈے

۲۲ر رجب کی ایک بدعت

بدعت اس کام کو کہتے ہیں جس کی بنیاد دین میں نہ ہو لیکن وہ اس یقین کے ساتھ کیا جائے کہ وہ دین کے بنیادی عقیدوں کی مثل ہو جائے۔ جیسے یہ کونڈوں کی بدعت ہے۔ اس بدعت کو حضرت امام جعفر صادقؒ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ میں نے اپنے بچپن میں ایک کتابچہ پڑھا تھا۔ اس سے مجھے کونڈوں کا پس منظر معلوم ہوا۔ اس بدعت کے پیچھے کہانی اس طرح ہے۔

۲۲ر رجب کی رات میں گھی کے چراغ جلائے جائیں۔ پانچ پاؤ میدے کو پانچ پاؤ شکر کے شربت سے سخت سخت خوب گوندھا جائے۔ پھر چھوٹے چھوٹے چراغ (دیئے) بنائے جائیں۔ ان چراغوں میں دھنکی ہوئی پاک صاف روئی کی پانچ بتیاں ڈالی جائیں۔ میدے کے چراغوں میں تھوڑا تھوڑا کر کے پانچ پاؤ گھی ڈالا جائے۔ اس طرح چراغاں کر کے جب گھی ختم ہو جائے اور بتیاں جل جائیں اور چراغ بجھ جائیں تو انھیں اکٹھا کر لیا جائے۔ کوئی نمازی عورت یا مرد گھر کے کسی اندرونی کمرے یا کوٹھری میں پاک جگہ پر بیٹھ کر میدے کی ٹکیاں بنائے اور اسی پاک جگہ میں چولہا رکھ کر ٹکیوں کو گھی میں تل لے۔

یہ ٹکیاں فجر سے پہلے تیار ہو نی چاہئیں۔ انھیں ایک صاف ستھری تھالی یا بڑی پلیٹ میں اسی پاک جگہ میں رکھ دیا جائے۔ اب صاحبِ خانہ امام جعفر صادقؒ کی نذر مانے۔ سورۃ فاتحہ پڑھے۔ پانچ بار درود پھر تسبیح فاطمہ پڑھے یا کسی سے پڑھوائے اور مراد مانگے اے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ میری فلاں مراد پوری ہو ورنہ میں قیامت کے دن آپ کا دامن گیر ہوں گا۔

اس طرح نذر مان کر اپنے خاص خاص رشتہ داروں اور مخلص دوستوں کو بلائے اور سب کو اسی اندرونی کمرے میں اس پاک جگہ میں بٹھا کر ٹکیاں کھلائے۔ ان ٹکیوں کا کوئی ریزہ اس

پاک جگہ سے باہر نہ جانا چاہیئے۔
یہ کتابچہ پڑھ کر میں تعلیم حاصل کرنے میں لگا رہا۔ کونڈوں کا رواج بڑھتا رہا اور دیکھتے دیکھتے پورے عروج پر پہنچ گیا۔ الحمدللہ کہ مجھے اس کی طرف ذرا بھی رغبت نہیں ہوئی۔ کبھی کبھی یہ خیال آیا کہ کسی سے اس کے جواز یا عدمِ جواز کے لئے پوچھوں، لیکن بھول بھول گیا اور پھر بالکل بھول گیا۔ پھر جب میں خیرآباد سے نقلِ وطن کر کے رام پور آیا تو محلہ بنگلہ آزاد خاں کے ایک مکان میں بطور کرایہ دار رہا۔ اسی محلے کی مسجد میں رام پور کے مشہور و معروف عالم مولانا عبدالوہاب صاحب بھی نماز پڑھا کرتے تھے۔ مولانا رام پور کے چند بڑے علما میں سے ایک تھے۔
اسی محلے کے قیام کے دوران ایک بار ۲۲ رجب ہوئی تو فجر کی نماز کے بعد مولانا نے کونڈوں کے پسِ منظر میں ایک تاریخی کہانی سنائی۔ فرمایا کہ ۲۲ رجب حضرت معاویہؓ کی وفات کی تاریخ ہے۔ شیعانِ علیؓ حضرت معاویہؓ سے بہت بغض رکھتے تھے لیکن حضرت معاویہؓ کے ڈر سے دم نہیں مار سکتے تھے۔ ۲۲ رجب کو جب حضرت معاویہؓ کا انتقال ہو گیا تو ان لوگوں نے چھُپ چھُپ کر اپنے گھروں میں گھی کے چراغ جلائے۔ وہ ہر سال اسی طرح کرتے تھے۔
ہندوستان میں شیعہ نوابوں نے اس کا پروپگنڈہ سنیوں میں کرایا اور وہ کتابچہ منظرِ عام پر آیا جس کا تذکرہ میں نے شروع میں کیا اور اس طرح یہ بدعت پھیل گئی۔
سنیوں میں عام طور پر جاہل اس بدعت کا شکار ہوئے۔ میں نے کسی پڑھے لکھے گھر میں یہ بدعت نہیں دیکھی لیکن پڑھے لکھے لوگوں کو یہ توفیق بھی نہیں ہوئی کہ وہ جاہلوں کو اس بدعت سے روکتے۔ جب کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ حرام و حلال سے تمام مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہیں، اور بتائیں کہ کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔ (ہر نئی چیز دین میں پیدا کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی کی طرف لے جانے والی ہوتی ہے۔ اور ہر گمراہی کا ٹھکانہ جہنم ہے) تو انشاءاللہ یہ بدعت بھی ختم ہو جائے گی۔

رجبی شریف: مسلمان جیسے جیسے قرآن وسنت سے دور ہوتے گئے اسی نسبت سے ان میں کہیں بدعتوں نے زور پکڑا، کہیں رسموں نے اپنے جال میں جکڑا اور کہیں ایسا ہوا کہ مسلمانوں نے غیروں کی دیکھا دیکھی اپنے یہاں بھی بزرگوں کے جنم دن اور تاریخی واقعات کی یادگاریں منانے لگے۔ میلاد شریف اور گیارہویں شریف کا تعلق جنم دن سے ہے۔ اور محرم اور رجبی شریف جیسی یادگاروں کا تعلق تاریخی واقعات سے ہے۔

رجبی شریف کا لفظ ماہ رجب کی ستائیسویں تاریخ کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے رجب کی ستائیس تاریخ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی۔ یہ وہ وقت تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے میں دین پھیلاتے ہوئے بارہ برس ہو چکے تھے اب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اسلامی انقلاب برپا ہو۔ اس انقلاب سے پہلے ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حضوری میں طلب فرما کر آپ کے اعزاز کو بلند سے بلند فرمائے۔ وہ کچھ دکھائے جو ابھی تک آپ نے نہیں دیکھا تھا۔ اور آپ کو وہ منشور عطا فرمائے جس کے مطابق اسلامی انقلاب کے بعد اسلامی ریاست کو چلانا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیج کر راتوں رات آپ کو آسمانوں کی سیر کرائی۔ واپسی میں پانچ وقتوں کی فرض نماز کا تحفہ عطا فرمایا۔ اس کے بعد وہ منشور عطا فرمایا جو سورۂ بنی اسرائیل (سورۂ اسراء) میں ہے:

(۱) وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ۔ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس اللہ کی۔

(۲) وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انھیں اُف تک نہ کہو۔ نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی و رحم کے ساتھ ان کے

سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو، پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح انھوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔

(۳) وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ۔ رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔

(۴) وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۝ فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

(۵) وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا۝ اگر ان سے (یعنی حاجتمند رشتہ داروں، مسکینوں، مسافروں سے) تم کو کترانا ہو اس بنا پر کہ ابھی تم اللہ کی اس رحمت کو جس کے تم اُمیدوار ہو، تلاش کر رہے ہو تو انھیں نرم جواب دے دو۔

(۶) وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۝ نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اُسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔

(۷) وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا۝ اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو، ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل بڑی خطا ہے۔

(۸) وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا۝ زنا کے قریب نہ پھٹکو وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ۔

(۹) وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ

جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مَنْصُوْرًا ۝ کسی نفس کو قتل نہ کرو۔ جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو۔ اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے۔ پس چاہیئے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے اس کی مدد کی جائے گی۔

(۱۰) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ ۚ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا ۝ یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکو مگر احسن طریقے سے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے اور عہد کی پابندی کرے۔ بے شک عہد کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔

(۱۲) وَاَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝ پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی یہی بہتر ہے۔

(۱۳) وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا ۝ کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تم کو علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ، کان، اور دل سب ہی سے پوچھا جائے گا۔

(۱۴) وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۔ زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔"

آج ہم جو رجبی شریف منا رہے ہیں کیا وہ اس انقلاب کے لئے تیاری ہے یا ایک شو ہے؟ جس میں چند پیشہ ور لوگ آآ کر تقریریں کر جاتے ہیں۔ ان تقریروں سے مسلمانوں کو معجزوں سے حظ تو حاصل ہوتا ہے اس سے زیادہ انھیں کچھ نہیں ملتا ضرورت ہے کہ سال کے بارہ مہینے معراج کی یاد، معراج کی غرض، اسلامی تحریک کی تاریخ، اسلامی ریاست کے اصول غلبۂ اسلام کی تدبیروں سے متعلق باتیں بتائی جاتی رہیں، اور مسلمانوں کو بتایا جائے کہ اس کے لئے ایک جماعت کی ضرورت ہے جو اسلامی منشور کے چودہ نکاتی پروگرام کو سامنے رکھ کر تربیت حاصل کرے اور وہ جماعت دنیا میں اسلام کو غالب کرنے کے لئے اٹھے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رح کے دو مکتوبات پر تبصرہ

از: امام الدین صاحب میرٹھی حال مقیم صلالہ سلطنت عمان

محترم چچا جان، سلام مسنون! اُمید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے،

دیگر احوال یہ ہے کہ ابھی "رسول کریم نمبر" پڑھ رہی تھی اور آپ کو ہندی ترجمہ کا لکھنے کو سوچ ہی رہی تھی کہ آج اچانک جنوری ۱۹۸۳ء کے حجاب میں "حیرت ہے" ! مضمون نے حیرت میں ڈال دیا کیونکہ یہ مضمون ہمارے ابا کا لکھا ہوا ہے جو پچھلے مہینوں میں "اخبار ایشیا" میں شائع ہو چکا ہے۔ پچھلے دنوں جب والد صاحب چھٹیاں گذارنے آئے تھے اس وقت انھوں نے ہمیں اس مضمون کی اصل اور نقل کاپی پڑھوائی تھی جو کہ انھوں نے محترم احمد فضل صاحب کے ذریعہ سے شائع کروایا تھا اب جبکہ والد صاحب یہاں نہیں ہیں۔ ان کی طرف سے میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے اسے شائع کیا۔ حالانکہ اصل اور نقل میں بہت فرق ہے میں چاہتی ہوں کہ آپ اس کی اصل کاپی پڑھیں۔ اسی لئے میں ایک کاپی اصل کی آپ کو بھیج رہی ہوں۔ مناسب جانیں تو پڑھ کر واپس کر دیں یا اپنے پاس رکھ لیں۔ ان دنوں ابا ایک اور کتاب پر جس کا نام اور مصنف مجھے ٹھیک طور پر یاد نہیں رہا۔ بڑے پیمانے پر تبصرہ لکھ رہے ہیں اور اسے کتابی شکل میں شائع کروانے کا قصد رکھتے ہیں اگر آپ چاہیں تو میں والد صاحب سے ٹھیک طرح معلوم کر کے آپ کو لکھ دوں گی۔ والد صاحب اور احمد فضل صاحب میں دوستانہ مراسم ہیں فقط ساجدہ امام الدین

بڑے عرصہ سے اشتیاق تھا کہ وہ مکتوبات شیخ الاسلام پڑھے جائیں جن کو مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی نے ترتیب دیا ہے آج اتفاقاً مکتوبات کی جلد چہارم کا مطالعہ کر رہا تھا کہ

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحبؒ مدنی سے وہ رہی سہی بھی عقیدت متاثر ہو گئی جو کہ مولانا مدنی صاحبؒ کا مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحبؒ سے خدا واسطے کا اختلاف سامنے آنے پر کچھ باقی رہ گئی تھی۔ اس کی وجہ مودودی صاحبؒ یا جماعت اسلامی سے اختلاف کی نہیں ہے حالانکہ اس پر بھی بات ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس کی وجہ شیخ الاسلامؒ کے مکتوبات کی جلد چہارم کا مکتوب نمبر ۴۵ ہے جو مرحوم نے "جناب مولانا عبدالجبار صاحب منصوری فیض آباد کے نام" ان کے کسی خط کے جواب میں لکھا ہے، آداب و القاب کے بعد لکھتے ہیں کہ "قرآن مجید بڑی برکت والی کتاب ہے۔ مگر اوراد و وظائف مقدم ہیں ان کے چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ آپ تھوڑا سا وقت نکال کر تلاوت کر لیا کریں، اگر اس خط پر کوئی اور حاشیہ ہوتا تو شاید بات حاشیہ کی روشنی میں بھی جا سکتی تھی لیکن اس خط پر مولانا مرتب نے بھی کوئی حاشیائی تصریح نہ فرما کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ مرتب اس خط سے پورے متفق ہیں کہ اس پر نہ تو کوئی حاشیہ لکھا اور نہ ہی کوئی تشریحی نوٹ لکھنا ضروری سمجھا۔ تنقید تو شیخ الاسلامؒ پر کی ہی نہیں جا سکتی۔ ہم عاصی اور جاہل تو یہی سمجھتے ہیں کہ مولانا شیخ الاسلامؒ کے نزدیک قرآن محض برکت والی کتاب ہے جس کو اوراد و وظائف سے تھوڑا سا وقت نکال کر حصولِ برکت کے لئے پڑھ لیا کریں ورنہ وظائف ہی مقدم ہیں! اب ہمارے خیال میں یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جن شیخ صاحب کے ارشادات میں قرآن مؤخر اور وظائف مقدم ہوں ان کے نزدیک دین کے اوّل و آخر کی کونسی فہرست ہو سکتی ہے۔ ہم کو تو قرآن و حدیث سے یہی تاثر ملا ہے کہ نماز کے بعد تلاوت قرآن مجید ہی اللہ سے تقرب کا بڑا ذریعہ ہے الیٰ آخرہ۔

مکتوب نمبر ۵۰ میں رقم طراز ہیں کہ آداب و احترام کے بعد "جناب مودودی صاحبؒ کی تحریریں دیکھ کر اس قدر متاثر ہونا کہ اسلام ہی سے بدظن ہو جائیں تعجب خیز ہے۔" آگے مودودی صاحبؒ کی تحقیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ (اولاً) علامہ مودودیؒ خود اقرار کرتے ہیں کہ میں عالم نہیں ہوں" اس کے بعد مودودیؒ صاحب کی وہ سیدھی سادی عبارت ثبوت کے طور پر ترجمان القرآن سے

پیش کرتے ہیں (جس میں مودودی صاحبؒ نے اپنے آپ کو علماء میں نہیں بلکہ سیدھے سادے ایک عام مسلمان لکھا ہے) اس کو دلیل بنا کر شیخ الاسلامؒ یہ تاثر دے رہے ہیں کہ "جو شخص خود اپنے آپ کو عالم ہونے سے انکار کر رہا ہے پھر اس کی کسی بات پر دھیان دینا تعجب خیز ہے"۔ اب جس طرح مولانا مودودی صاحبؒ نے اپنے آپ کو عالم نہ کہلا کر شیخ الاسلامؒ کا ہدف بنے اسی طرح خود شیخ الاسلامؒ اپنے لئے اوّل تو ننگِ اسلاف لکھ کر ہی ننگے پن کا ثبوت دے رہے ہیں۔ مزید اپنا تعارف فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب نمبر ۴۹ کے صفحہ ۴۹ پر لکھتے ہیں کہ میں بدنصیب تو مثل دیگر کمالات روحانیہ باطنیہ، کشف و کرامات سے بالکل خالی ہوں۔ میں تو ہرگز ہرگز اس قابل نہیں ہوں کہ کسی کو مرید کروں اور کوئی میرے پاس اس کی خواہش لے کر آئے۔ مجھ کو کیوں قدس سرہ العزیز نے اجازت عطا فرمائی۔ وہ خود جانتے ہوں گے مگر میں تو ہر طرح کے گناہوں اور تقصیرات میں ملوث ہوں سخت ناکارہ و نالائق ہوں۔ لوگ مجھ سے حسنِ ظن رکھ کر میرے پاس آتے ہیں، میرے عیوب بدکاریوں سے ناواقف ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ محض سے میری مغفرت نہ فرمائے تو میرا کوئی ٹھکانا نہیں۔ انتہائی اور سخت عذاب کا مستحق ہوں۔ خداوند کریم کی پردہ پوشی کام کر رہی ہے۔ آپ بھائیوں کی دعائے خیر کا سخت محتاج ہوں۔ اگر لوگوں کو میری خباثتوں کا اور نجاستوں کا علم ہو جائے تو مجھ سے اتنی نفرت کرنے لگیں جتنی کہ سور اور کتے سے نہیں کرتے۔"

دوستو! آپ خود اندازہ کریں کہ مندرجہ بالا قسم کے اقراری مجرم سے کیا عقیدت رہے گی۔ (استغفر اللہ)　　امام الدین میرٹھی،　۹/۵/۱۹۸۳ء

تاریخی مشغلہ (۱)

۱ حضرت ابراہیمؑ نے کتنی عمر میں ہجرت فرمائی ؟

۲ ابتدائی مسلمانوں میں سے اس صحابیؓ کا نام بتائیے جو حضورؐ کے ہم عمر تھے ؟

۳ حضرت ادریسؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی کتنی کتنی عمر تھی ؟

۴ برصغیر کے ان بادشاہوں کے نام بتائیے جنہوں نے قرآن مجید کی خطاطی کی ہے ؟

۵ جنگ حنین میں گھمسان کا رن پڑنے کے وقت بھی حضورؐ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والی واحد خاتون کا نام بتائیے ؟

۶ عورتوں میں ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بعد کس کس نے اسلام قبول کیا ؟

۷ قرآن مجید میں اعراب (زبر، زیر، پیش وغیرہ کس سنہ ہجری میں لگائے گئے تھے ؟

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات بذریعۂ ڈاک لکھ کر ہمیں بھیجد یجئے۔ ۲۵ر اپریل ۱۹۸۶ء تک ملنے والے صحیح جوابات بھیجنے والے بہن بھائیوں کے نام ماہنامہ حجاب رامپور میں شائع کئے جائیں گے اور پانچ بہن بھائیوں کو قرعہ اندازی سے ساٹ ساٹ روپے کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔"

پتہ :- شفیق اعجاز احمد خاں چیف آرگنائزر
ملت اسلامیہ مسلم لائبریری
۹۴۔ اے نیو کالونی بتہ مالو سرینگر کشمیر
پن کوڈ ۱۹۵۵۵۹

(نوٹ) اس سلسلے میں تمام خط وکتابت جناب شفیق اعجاز احمد خاں صاحب سے کی جائے۔ (م)

ارشاداتِ رسولؐ

کلمۂ طیبہ کی وسعت

عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے کہا:
اے چچا! میں لوگوں سے صرف ایک کلمہ کے قبول کرنے کا مطالبہ کرتا ہوں وہ کلمہ ایسا ہے جسے اگر یہ لوگ مان لیں تو پورا ملک عرب ان کے ماتحت ہوجائے گا۔ اور غیر عرب قومیں انھیں جزیہ دیں گی۔ لوگ یہ بات سن کر چونک پڑے اور کہا تم ایک کلمہ کا مطالبہ کرتے ہو۔ ہم دس کلمے (باتیں) ماننے کو تیار ہیں۔ بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے۔ ابوطالب نے بھی یہی بات دہرائی۔ بھتیجے بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے؟۔
آپ نے فرمایا وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔

تشریح:۔ یہ حدیث مکی دورِ دعوت سے تعلق رکھتی ہے۔ آپ کی یہ گفتگو اس وقت ہوئی ہے جب قریشی لیڈر ابوطالب کے پاس یہ توقع لے کر آئے تھے کہ وہ اپنا ذاتی اثر و رسوخ اور سیاسی دباؤ ڈال کر اس نئی دعوت کو بند کرا دیں گے۔ ایسے ہی ایک موقع پر آپ نے ابوطالب سے کہا تھا اگر میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیا جائے تب بھی میں اپنی دعوت بند نہیں کرسکتا۔ یہاں تک کہ اللہ اس دعوت کو غالب کردے یا میں اس کی طلب میں مرجاؤں۔

کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ محض ایک کلمہ نہیں بلکہ اس سے پورا نظام توحید مراد ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے۔ صرف نماز و روزہ ہی قائم کرنا ہی مطلوب نہیں ہے۔ اس بنیاد پر پورا سیاسی نظام قائم کرنا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا یہ فائدہ کیونکر بتاتے کہ عرب تمہارے زیر اقتدار آجائیں گے اور غیر عرب قومیں تمہیں جزیہ دیں گی۔ کیا بغیر سیاسی اقتدار کے یہ بات کسی طرح کل ممکن تھی یا آج ممکن ہے یا آئندہ کبھی ممکن ہوگی ——؟

پڑوسی کا حق

★ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (تین بار) فرمایا خدا کی قسم وہ ایمان نہیں رکھتا، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول کون ایمان نہیں رکھتا ہ فرمایا کہ وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی تکلیفوں سے محفوظ نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

★ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو ہدیہ دینے کو حقیر نہ سمجھے، اگرچہ وہ ایک بکری کی کھُر ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

★ حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے دو پڑوسی ہیں تو ان میں سے کس کے یہاں ہدیہ بھیجوں؟ آپ نے فرمایا، اس پڑوسی کے یہاں جس کا دروازہ تیرے دروازہ سے زیادہ قریب ہو۔ (بخاری)

★ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل مجھ کو پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی برابر تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ پڑوسی کو پڑوسی کا وارث بنا دیں گے (متفق علیہ)

★ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ مومن ایسا نہیں ہوتا ہے کہ خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی جو اس کے پہلو میں رہتا ہو بھوکا رہے۔ (مشکوٰۃ)

★ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ سے فرمایا، اے ابوذر! جب تو شوربا پکائے تو کچھ پانی زیادہ کر دے اور اپنے پڑوسیوں کی خبر گیری کر (مسلم)

★ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ پسند ہے کہ اللہ اور رسولؐ اس سے محبت کریں تو اس کو چاہیئے کہ جب وہ گفتگو کرے تو سچ بولے، اور اس کے پاس جب امانت رکھی جائے تو اپنے پاس رکھی گئی امانت کو مالک کے پاس بحفاظت لوٹائے اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ (مشکوٰۃ)

★ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن دو آدمیوں کا مقدمہ سب سے پہلے قیامت کے دن پیش ہوگا وہ دو پڑوسی ہوں گے (مشکوٰۃ)۔

(طاہرہ نادرہ۔ اوٹنور۔ آندھرا پردیش)

دین

تسنیم کوثر ملکاپور

قرآن نے لفظ "دین" کو تین معنوں میں استعمال کیا ہے۔ میں کوشش کروں گی کہ وہ تمام معنٰی اس مضمون کے پڑھنے والے بھائیوں اور بہنوں کے سامنے آجائیں۔ سب سے پہلے میں سورۃ آل عمران کی آیت ۱۹ نقل کرتی ہوں۔ فرمایا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔

یعنی خدا کے نزدیک دین وہی ہے جس میں انسان صرف اللہ کو عزت والا مانے اور اس کے سوا کسی کے آگے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ صرف اللہ کو آقا اور مالک اور سلطان سمجھے اور اس کے سوا کسی کا غلام فرماں بردار اور تابعدار بن کر نہ رہے۔ صرف اللہ کو حساب لینے اور جزا و سزا دینے والا سمجھے اور اس کے سوا کسی کے حساب سے نہ ڈرے، کسی کی جزا کا لالچ نہ کرے اور کسی کی سزا کا خوف نہ کھائے اسی دین کا نام "اسلام" ہے۔ اگر اس کو چھوڑ آدمی نے کسی اور کو اصلی عزت والا، اصلی حاکم، اصلی بادشاہ اور مالک اور اصلی جزا و سزا دینے والا سمجھا اور اس کے سامنے ذلت سے سر جھکایا اس کی بندگی اور غلامی کی۔ اس کا حکم مانا اور اس کی جزا کا لالچ اور سزا کا خوف کھایا تو یہ جھوٹا دین ہوگا۔ اللہ ایسے دین کو ہرگز قبول نہیں کرتا، کیونکہ یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ خدا کے سوا کوئی دوسری ہستی کائنات میں اصلی عزت والی نہیں ہے نہ کسی اور کی سلطنت اور بادشاہی ہے، نہ کسی اور کی غلامی اور بندگی کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے نہ اس مالک حقیقی کے سوا کوئی اور جزا و سزا دینے والا ہے۔ یہی بات دوسری آیتوں میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ؎

یعنی جو شخص خدا کی سلطانی اور بادشاہی کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا مالک اور حاکم مانے گا اور اس کی بندگی اور غلامی اختیار کرے گا اور اس کو جزا و سزا دینے والا سمجھے گا۔ اس کے دین کو خدا ہرگز قبول کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے کہ:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ۔ (البینۃ ۵)

یعنی انسانوں کو خدا نے اپنا بندہ بنایا اور اپنے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کا انھیں حکم ہی نہیں دیا ان کا تو فرض یہ ہے کہ سب سے منہ موڑ کر صرف اللہ کے لئے اپنے دین یعنی اپنی اطاعت اور غلامی کو مخصوص کر دیں اور یکسو ہو کر صرف اس کی بندگی کریں اور صرف اسی کے حساب سے ڈریں۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ○ (آل عمران: ۸۳)

کیا انسان خدا کے سوا کسی اور کی غلامی اور فرماں برداری کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ زمین اور آسمان کی ساری چیزیں صرف خدا کی غلام اور فرماں بردار ہیں اور ان ساری چیزوں کو اپنے حساب کتاب کے لئے خدا کے سوا کسی اور کی طرف نہیں جانا ہے۔ کیا انسان زمین اور آسمان کی ساری کائنات کے خلاف ایک نرالا راستہ اپنے لئے نکالنا چاہتا ہے؟

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ (التوبۃ: ۳۳)

اللہ نے اپنے رسولؐ کو سچے دین کا علم دے کر اسی لئے بھیجا ہے کہ وہ سارے جھوٹے خداؤں کی خدائی ختم کر دے اور انسان کو ایسا آزاد کر دے کہ وہ خداوند عالم کے سوا کسی کا بندہ بن کر نہ رہے چاہے کفار و مشرکین اس پر اپنی جہالت سے کتنا ہی واویلا مچائیں اور کتنی ہی ناک بھوں چڑھائیں۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (الانفال ۳۹)

اور تم جنگ کرو تاکہ دنیا سے غیر اللہ کی فرماں روائی کا فتنہ مٹ جائے اور دنیا میں بس خدا ہی کا قانون چلے۔ خدا ہی کی بادشاہی تسلیم کی جائے اور انسان صرف خدا کی بندگی کرے۔

اس تشریح سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ دین کے معنی کیا ہیں خدا کو آقا اور مالک اور حاکم ماننا، اور خدا ہی کی غلامی، بندگی اور تابعداری کرنا، اور خدا کے حساب سے ڈرنا، اس کی سزا کا خوف کھانا اور اسی کی جزا کا لالچ کرنا۔

پھر چونکہ خدا کا حکم انسانوں کو اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے ذریعہ ہی سے پہنچتا ہے اس لئے رسولؐ کو رسولؐ اور کتاب کو خدا کی کتاب اور اس کی اطاعت کرنا بھی دین ہی میں داخل ہے۔

جیسا کہ فرمایا: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (الاعراف ۳۵)

یعنی اے بنی آدم جب میرے رسول تمہارے پاس میرے احکام لے کر آئیں تو جو شخص تم میں سے ان احکام کو مان کر پرہیزگاری اختیار کریگا اور ان کے مطابق اپنا عمل درست کرے گا اس کے لئے ڈر اور رنج کی کوئی بات نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ براہ راست ہر انسان کے پاس اپنے احکام نہیں بھیجتا بلکہ اپنے رسولوں کے واسطے سے بھیجتا ہے اس لئے جو شخص اللہ کو حاکم مانتا ہو، وہ اس کی فرماں برداری صرف اسی طرح کر سکتا ہے کہ اس کے رسولوں کی فرماں برداری کرے اور رسولؐ کے ذریعہ سے جو احکام آئیں ان کی اطاعت کرے۔ اسی کا نام دین ہے۔" ○ ○

لیڈر بننے کا نسخہ

مجھے مولانا مودودی کی محفل میں باریابی کا شرف حاصل ہوا مولانا نے اٹھ کر مصافحہ کیا..... زمانہ طالب علمی تھا میں نے جسارت کر کے ایک مختصر سوال پوچھ ڈالا "مولانا اگر آدمی لیڈر بننا چاہے تو اُسے کیا کرنا چاہیئے؟"

شگفتہ لہجہ میں فرمایا: "بیٹا اگر لیڈر بننا چاہتے ہو تو قرآن کے گہرے قاری بن جاؤ" (ایم اے شائق)

اسلام کی سچی شہادت

اگر آپ اس کی صحیح پیروی کریں اور اپنے قول و عمل سے اس کی سچی شہادت دیں اور آپ کے اجتماعی کردار میں پورے اسلام کا ٹھیک مظاہرہ ہونے لگے تو آپ دنیا میں سربلند اور آخرت میں سرخ رو ہو کر رہیں گے۔ خوف اور حزن، ذلت اور مسکنت مغلوبی اور محکومی کے یہ سیاہ بادل جو آپ پر چھائے ہوئے ہیں چند سال کے اندر چھٹ جائیں گے۔ آپ کی دعوتِ حق اور سیرتِ صالحہ دلوں کو اور دماغوں کو مسخر کرتی چلی جائیگی۔ آپ کی ساکھ اور دھاک دنیا پر بیٹھتی چلی جائے گی۔ انصاف کی امیدیں آپ سے وابستہ کی جائیں گی۔ بھروسا آپ کی امانت و دیانت پر کیا جائے گا۔ سند آپ کے قول کی لائی جائے گی۔ بھلائی کی توقعات آپ سے باندھی جائیں گی۔ ائمۂ کفر کی کوئی ساکھ آپ کے مقابلے میں باقی نہ رہ جائے گی۔ اُن کے تمام فلسفے اور سیاسی و معاشی نظریے آپ کی سچائی اور راست روی کے مقابلے میں جھوٹا ملمع ثابت ہوں گے جو طاقتیں آج اُن کے کیمپ میں نظر آرہی ہیں وہ ٹوٹ ٹوٹ کر اسلام کے کیمپ میں آتی چلی جائیں گی حتّٰی کہ ایک وقت وہ آئے گا جب کمیونزم خود ماسکو میں اپنے بچاؤ کے لئے پریشان ہوگا۔ سرمایہ دارانہ ڈیموکریسی خود واشنگٹن اور نیویارک میں اپنے تحفظ کے لئے لرزہ براندام ہوگی۔ مادّہ پرستانہ الحاد خود لندن اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں جگہ پانے سے عاجز ہوگا۔ نسل پرستی اور قوم پرستی خود برہمنوں اور جرمنوں میں اپنے معتقد نہ پاسکے گی اور یہ آج کا دور صرف تاریخ میں ایک داستانِ عبرت کی حیثیت سے باقی رہ جائیگا کہ اسلام جیسی عالم گیر و جہاں کشا طاقت کے نام لیوا کبھی اتنے بیوقوف ہو گئے تھے کہ عصائے موسیٰ بغل میں تھا اور لاٹھیوں اور رسّیوں کو دیکھ دیکھ کر کانپ رہے تھے (مولانا مودودیؒ شہادتِ حق)

اسلام کی سرحد

آپ جس وقت کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتے ہیں اور مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں اسی وقت گویا آپ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ کے لئے قانون صرف خدا کا قانون ہے۔ آپ کا حاکم صرف خدا ہے۔ آپ کو اطاعت صرف خدا کی کرنی ہے اور آپ کے نزدیک حق صرف وہ ہے جو خدا کی کتاب اور اس کے رسول ؐ کے ذریعہ سے معلوم ہوا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ مسلمان ہوتے ہی خدا کے حق میں اپنی آزادی سے دست بردار ہو گئے۔ اب آپ کو یہ کہنے کا حق ہی نہ رہا کہ میری رائے یہ ہے یا دنیا کا دستور یہ ہے یا خاندان کا رواج یہ ہے۔ یا فلاں حضرت یا فلاں بزرگ یہ فرماتے ہیں۔ خدا کے کلام اور اس کے رسول ؐ کی سنت کے مقابلے میں اب ان میں سے کوئی چیز بھی آپ نہیں کر سکتے۔ اب آپ کا کام یہ ہے کہ ہر چیز کو قرآن وسنت کے سامنے پیش کریں جو کچھ اس کے مطابق ہو، قبول کریں اور جو اس کے خلاف ہو اسے اٹھا کر پھینک دیں۔ خواہ وہ کسی کی بات اور کسی کا طریقہ ہو۔ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہنا اور پھر قرآن وسنت کے مقابلے میں اپنے خیال یا دنیا کے دستور یا کسی انسان کے قول و عمل کو ترجیح دینا دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں جس طرح کوئی اندھا اپنے آپ کو آنکھوں والا نہیں کہہ سکتا اور کوئی نکٹا اپنے آپ کو ناک والا نہیں کہہ سکتا اسی طرح کوئی ایسا شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا جو اپنی زندگی کے سارے معاملات کو قرآن وسنت کا تابع بنانے سے انکار کرے اور خدا اور رسول ؐ کے مقابلے میں اپنی نسل یا دنیا کے دستور یا کسی انسان کے قول و عمل کو پیش کرے۔

جو شخص مسلمان نہ رہنا چاہتا ہو اسے کوئی مسلمان رہنے پر مجبور نہیں کر سکتا اسے اختیار ہے کہ جو مذہب چاہے اختیار کرے اور اپنا جو نام چاہے رکھ لے۔ مگر جب وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو

اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ وہ مسلمان اسی وقت تک رہ سکتا ہے جب تک وہ اسلام کی سرحد میں رہے۔ خدا کے کلام اور اس کے رسولؐ کی سنت کو حق اور صداقت کا معیار تسلیم کرنا اور اس کے خلاف کو باطل سمجھنا اسلام کی سرحد ہے۔ اس سرحد میں جو شخص رہے وہی مسلمان ہے اس سے باہر قدم رکھتے ہی آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو خود وہ اپنے نفس کو بھی دھوکا دیتا ہے اور دنیا کو بھی۔" (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (خطبات)

پانی کا ہوا ہو جانا

راوی: سید ابوالخیر مودودی

ہمارے ایک عزیز تھے اشفاق احمد صاحب، انھوں نے ایک دن ابوالاعلیٰ سے کہا:

"بتاؤ، غالب کے اس شعر کا مطلب کیا ہے؟

ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا۔"

ابوالاعلیٰ کو اسی وقت باہر سے بالائی کی قلفی والے کی آواز آئی، جھٹ بولے:

"پہلے قلفیاں کھلائیے پھر میں بتاتا ہوں۔"

اشفاق صاحب نے وعدہ کیا کہ "میاں جتنی تم کہو گے قلفیاں کھلائیں گے، مگر پہلے شعر کا مطلب بتاؤ۔"

ابوالاعلیٰ نے تشریح کی۔

"ضعف کی وجہ سے میں جو رو نہیں رہا اور سرد آہیں بھر رہا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آنسو خشک ہو کر ہوا بن گئے ہیں جو آہوں کی صورت میں نکل رہے ہیں۔"

اس وقت ابوالاعلیٰ کی عمر بمشکل دس سال تھی۔ اشفاق صاحب بے حد خوش ہوئے۔ پھر ابوالاعلیٰ نے ماشاء اللہ اکیلے آٹھ قلفیاں کھائیں۔۔۔

پردہ اور ترقیٔ نسواں

سیدہ آسیہ فاطمہ نہری، رد یکھ

یہ تقریر بتاریخ ۴ / دسمبر ۱۹۸۳ء ملیہ جونیر کالج، بیڑ (مہاراشٹر) میں منعقدہ جونیر کالجوں کے ایک انعامی تقریری مقابلے میں کی گئی۔ مقرر طالبہ انعامِ اول کی مستحق قرار پائی۔ تقریر کے لئے سات منٹ کا وقت دیا گیا تھا۔ مقرر طالبہ نے برقعہ پہن کر، صرف آنکھوں کی حد تک چہرے کو کھلا رکھتے ہوتے تقریر کی۔

السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ،

جنابِ صدر، فاضل ممتحنین، خواتین وحضرات، بہنو اور بھائیو!

میری تقریر کا موضوع ہے: "پردہ اور ترقیٔ نسواں"۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، اسے عقل وشعور سے نوازا، اور ناطق بنایا۔ جس نے ہر چیز کے ساتھ اس کا جوڑا بھی پیدا کیا تاکہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کا موجب بنیں۔

میں اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے حضرت مریمؑ، حضرت آسیہؑ، حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کی ہم جنس کی حیثیت سے وجود بخشا، مجھے عورت بنایا — عورت، جس کے بغیر عالمِ انسانیت نامکمل ہے: ؎

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ ❋ اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

خواتین وحضرات! ہم مسلمان ہیں، پردہ ہمارے رب کا حکم ہے، عورتوں، مردوں کی مخلوط مجلسیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سخت ناپسندیدہ ہیں، یہ ترقی نہیں، تنزل ہے۔ افسوس ہے کہ میں ایک ایسی ہی مخلوط مجلس میں کھڑے ہونے اور تقریر کرنے پر مجبور ہوں۔

خواتین وحضرات! اس وقت مجھے ـــ اور آپ کو بھی ـــ چند نکات اور مجمل باتوں پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ ہمیں تین باتوں پر غور کرنا ہے: پہلی یہ کہ:

پردہ کیا ہے؟

دوسری یہ کہ عورت کیا ہے اور اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟

اور تیسری بات یہ کہ عورت کے اس مقام کے لحاظ سے اس کے لئے ترقی کی نوعیت صحیح معنوں میں کیا ہو سکتی ہے؟

پردے کے لئے اصل عربی لفظ حجاب ہے۔ قرآنِ حکیم کی سورتوں، سورۂ نور اور سورۂ احزاب میں پردے کے احکام وضاحت اور قطعیت کے ساتھ موجود ہیں۔ بکثرت احادیث سے ان کی عملی تنفیذ کی نوعیت کا بھی علم ہو جاتا ہے یہ ایک صریح حکم ہے اور اس پر عمل کرنا ہر مسلمان عورت پر واجب ہے اس وقت اتنا یاد دلا دینا چاہتی ہوں کہ عورت کا چہرہ بھی پردے کے حکم میں شامل ہے اور اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہنے کا حکم بھی موجود ہے ـــ اس حکم کی تعمیل اس بات سے قطع نظر ہونی چاہیئے کہ نتیجتاً ترقی کا عمل تیز ہوتا ہے یا اس میں رکاوٹ پڑتی ہے۔ کیونکہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر مشروط اطاعت کا عہد کر رکھا ہے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے، اس لئے اس کا کوئی حکم نہ انسانی فطرت کے خلاف ہے اور نہ انسانی ترقی میں سدِ راہ۔ اسلامی پردہ کوئی جاہلی رسم نہیں، ایک فطری ضرورت اور ایک عقلی قانون ہے۔

خواتین وحضرات! لفظ "عورت" کے لغوی معنی ہی اس چیز کے ہیں جس کے دیکھنے اور دکھانے میں شرم اور حجاب محسوس ہو یعنی عورت کا نام عورت اسی مناسبت سے پڑا کہ

اس کی ہستی کے ساتھ پوشیدگی اور حجاب کا تصور وابستہ ہے۔

عورت کا مقصدِ تخلیق اپنی نوع کے جوڑے کی تکمیل ہے۔ اس تکمیل کی نوعیت کا علم بھی ہمیں قرآنِ حکیم سے ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سورۂ بقرہ، سورۂ نساء، سورۂ نور اور سورۂ احزاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نظر میں مرد اور عورت دونوں انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں۔ اور ان کی کامیابی و ناکامی کے اصول بھی ایک ہی ہیں لیکن ان کے کام کے دائرے الگ الگ ہیں۔ یہ دائرے زبردستی نہیں بنا دیئے گئے ہیں بلکہ خالق کائنات نے جو اپنی مخلوق کے بارے میں خود مخلوق سے زیادہ جانتا ہے۔ یہ بتایا ہے کہ خلقی اور فطری طور پر دونوں کے عمل کے دائرے کون سے ہیں۔ ہمارا مشاہدہ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ عورت کے بے حجاب ہو جانے سے کتنا زبردست بگاڑ رونما ہوتا ہے۔ موجودہ دور کی علمی تحقیقات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا دائرۂ کار مرد سے مختلف ہے۔ اپنی خلقی حیثیت، اپنی جسمانی ساخت، اپنی مزاجی کیفیات اور اپنی نفسیاتی ضرورتوں کے اعتبار سے عورت کا پردے میں رہنا ضروری ہے اور وہ بیرونِ خانہ کی نوجھل اور بھاری ذمہ داریوں کی اہل نہیں لیکن یہ نااہلی کمزوری بھی نہیں، ذلت بھی نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ اسے ان کاموں کے لئے تخلیق ہی نہیں کیا گیا ہے۔

خواتین و حضرات! آپ جانتے ہی ہیں کہ عورت میں فطرتاً نرمی و نزاکت، لطافت و تأثر اور انفعالیت پائی جاتی ہے اور اسی چیز کو نسائیت کہتے ہیں۔ اسی لئے عورت کو پردے میں رہنے کا حکم دیتے ہوئے مرد کو اس پر قوام بنایا گیا ہے۔ گھر اور خاندان کی اصل معمار عورت ہے۔ عورت کو ایک اچھی گرہستی، یعنی ایک اچھی بیوی، ایک اچھی ماں اور ایک اچھی بیٹی ہونا چاہیئے۔ اور ان تمام حیثیتوں میں بہتر کارکردگی اسی وقت ممکن ہے جبکہ عورت پڑھی لکھی ہے

اسلامی قانونِ معاشرت کا مقصد نوعِ انسانی کے ضابطۂ ازدواج کی حفاظت

صنفی انتشار کی روک تھام اور غیر معتدل شہوانی تحریکات کا انسداد کر کے عورت اور مرد دونوں کو اپنے اپنے عمل کے دائروں میں بہتر کارکردگی کا موقع دینا ہے اور اس کے لئے اسلام نے تین تدبیریں اختیار کی ہیں۔ ایک اصلاح اخلاق، دوسری تعزیری قوانین اور تیسری ستر و حجاب پردہ اٹھا دینے میں اخلاق و معاشرت کی کامل تباہی ہے اور اس کے باقی رہنے میں عورت اور انسانی معاشرے کی ہمہ جہت ترقی اور کامیابی ــــ میں اقبال کے ایک چبھتے ہوئے قطعے پر اپنی بات ختم کرتی ہوں:

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا ۔۔۔ گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب ۔۔۔ پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش ۔۔۔ مجبور ہیں، معذور ہیں مردانِ خردمند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ ۔۔۔ آزادیٔ نسواں، کہ زمرد کا گلوبند؟!

(علی البلاغ وعلی اللہ الحساب)

اس مہینے کے میرے پسندیدہ اشعار

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی ۔۔۔ اُفق سے آفتاب اُبھرا گیا دورِ گراں خوابی
مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے ۔۔۔ تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی ۔۔۔ ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا ۔۔۔ خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے
کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے ۔۔۔ یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
نوا پیرا ہوا ے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے ۔۔۔ کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا ۔۔۔ لیا جائیگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ

مرسلہ: شفیق اعجاز احمد خان، نیو کالی تبہ بالو سرینگر کشمیر

جھوٹ

محمد انعام اللہ خاں

ہم سب جھوٹ بول رہے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہم پر نازل ہو رہا ہے۔

یہ جھوٹ ہماری قوم کو گھن کی طرح چاٹ رہا ہے۔ اسی جھوٹ کے باعث ہمارا معاشرہ کھوکھلا ہو کر رہ گیا ہے۔ اس جھوٹ کو قدم قدم پر ہم میں سے ہر شخص محسوس کرتا ہے لیکن کسی کے دل میں اسے ترک کرنے کی تڑپ پیدا نہیں ہوتی۔ شاید ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہماری زندگی سے جھوٹ نکل گیا تو تلخیاں ہمارا گھیراؤ کر لیں گی اور ہماری پر تعیش زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ حالانکہ یہ سراسر فریب ہے۔

ہم اپنی زندگی کے ہر شعبے سے اگر جھوٹ کو خارج کر دیں تو معاشرہ ہی اُجلا نہیں ہو جائے گا، قوم اور ملک کا وقار بھی بلند ہوگا۔ ہم ایک بار سوچ سمجھ کر جو کچھ کہیں گے اس کا اعتبار کیا جائیگا حکمراں جب جھوٹے نہیں ہوں گے تو قوم ان پر بھر پور اعتماد کرے گی۔ صنعت کار اور تاجر جب جھوٹ نہیں بولیں گے تو ان کی مصنوعات اور سامان تجارت کو شبہ کی نظر سے نہیں دیکھا جائے گا اور معیاری جان کر انھیں آنکھیں موند کر خریدا جا سکے گا۔ ہماری بین الاقوامی ساکھ بھی بڑھے گی، صحافت، ادب، معاشرت، جہاں سے بھی جھوٹ نکلے گا اور سچائی اپنائی جائے گی عزت بڑھے گی۔ برکت میں اضافہ ہوگا۔

ہماری اولاد کہے گی کہ ہمارے والدین بات کے سچے اور قول کے پکّے ہیں۔ ان کی نگاہوں میں ہماری عزت بڑھے گی اور وہ صحیح فرماں بردار ہوں گے وہ اپنی زندگیوں کو بھی والدین کے کردار میں ڈھالیں گے۔

قرآن حکیم میں بہت سی برائیوں کی سزا مقرر ہے۔ ان برائیوں کو اپنانے والے کو جب

اللہ کے حکم کے مطابق سزا مل گئی تو گناہ کا بوجھ بھی اُتر گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس جھوٹ بولنے والے کے لئے سب سے بڑی سزا مقرر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ:

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

جس پر اللہ کی لعنت برستی ہو اس کا نہ اس دنیا میں اور نہ قیامت کے بعد کی اُس دنیا میں کوئی ٹھکانہ ہے، اس پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ اللہ کے پھٹکارے ہوئے انسان کی عزت کون کریگا اللہ نے جھوٹے پر اس لئے لعنت بھیجی ہے کہ جھوٹ تمام بُرائیوں کی جڑ ہے۔ ایک جھوٹ سے دوسرا جھوٹ شروع ہوتا ہے اور یوں انسان کی نجی اور قومی زندگی جھوٹ کے تانے بانے میں اُلجھ کر رہ جاتی ہے۔

ہمارے آقا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ مجھ میں تین برائیاں ہیں لیکن میں فی الحال صرف ایک برائی چھوڑنا چاہتا ہوں۔ فرمائیے کون سی چھوڑوں۔ حضور اکرمؐ کے استفسار پر اس نے کہا:

۱۔ میں جھوٹ بولتا ہوں۔
۲۔ میں چوری کرتا ہوں۔
۳۔ میں شراب پیتا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فطرت شناس تھے حکم دیا کہ جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ وہ حکم کی تعمیل کا وعدہ کر کے گھر لوٹ آیا۔ جام کی طرف ہاتھ بڑھا تو معاً خیال آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوچھیں گے۔ تم نے شراب پی تھی؟ تو مجھے حقیقت بتانا پڑے گی اس لئے کہ میں نے جھوٹ نہ بولنے کا وعدہ اور عہد کیا ہے، حقیقت بتائی تو حضورؐ ناراض الگ ہوں گے اور حد الگ لگ جائے گی، چنانچہ اس نے جام پھینک دیا ___ شام ڈھلی، رات آئی تو چوری کی نیت سے قدم باہر نکالا۔ معاً ایک احساس نے اس کے قدموں کو روک لیا اور سوچا صبح ہوگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دریافت

فرمائیں گے کہ چوری کی تھی؟ سچ بولوں گا کیونکہ جھوٹ نہ بولنے کا عہد کر چکا ہوں۔ تو سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خفگی بڑھے گی اور سزا ملے گی۔ چنانچہ وہ لوٹ آیا اس نے نہ شراب پی نہ چوری کی اور پھر جھوٹ ترک کرنے کے بعد اس کی زندگی جو پہلے کی طرح ادھوری تھی مکمل ہوگئی۔ وہ اچھا شہری اچھا مسلمان بن گیا۔ اللہ کی پھٹکار دور ہوگئی تو راہیں بھی کشادہ ہوگئیں اور اسے زندگی میں کسی بھی موڑ پر کسی وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہی تو تھے جو قافلے سمیت ڈاکوؤں میں گھر گئے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر چھوٹی تھی۔ پیرانِ پیر کا اعزاز نہیں ملا تھا سارا قافلہ لٹ گیا۔ شیخ جیلانی خاموش کھڑے تھے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے از راہِ تمسخر ان سے دریافت کیا صاحبزادے تمہارے پاس بھی کچھ ہے کہ نہیں؟ شیخ نے اپنی گدڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس میں اشرفیاں سلی ہیں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے گدڑی کو ادھیڑا تو اشرفیاں ڈھیر ہوگئیں۔ پوچھا کہ تم نے سچ کیوں بولا جبکہ تم جانتے تھے کہ ہم ڈاکو ہیں، فرمایا ــــ مجھے جھوٹ بولنے سے منع اور سچ بولنے کا حکم ملا ہوا ہے ــــ یہ جملہ اتنا پُراثر تھا کہ ڈاکوؤں کے سردار کے قلب میں تیر بن کر پیوست ہوگیا، اس کی زندگی میں انقلاب آگیا، لوٹا ہوا مال قافلہ کو لوٹا دیا اور اپنے پیروکاروں سمیت گناہ کی اس زندگی سے تائب ہوگیا۔

ہم بھی اگر جھوٹ ترک کردیں تو کیا ہماری زندگی میں انقلاب نہیں آئے گا؟ ●●

سری لنکا کی خاتون کا قبولِ اسلام

پشاور۔ سری لنکا سے پاکستان جانے والی ایک خاتون سیتا موحیل نے یہاں صدر کے علاقے میں مولانا گل رحمٰن کے ہاتھوں اسلام قبول کرلیا۔ اس کا اسلامی نام فاطمہ بیگم رکھا گیا ہے۔ یہ خاتون گذشتہ دو ماہ سے پاکستان آئی ہوئی تھی اور ایک مقامی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے۔

اسلامی انقلاب کا راستہ

اسلام جب اٹھا اور اُس نے عین اُس اساسی تصورِ حیات پر ضرب لگائی جس پر عرب کا جاہلی معاشرہ چل رہا تھا اور نیم مشرکانہ، نیم مادہ پرستانہ ذہنیت کو لا الٰہ الا اللہ کی زد پر لیا تو بالکل ابتدا ہی میں جاہلی نظام کے علمبردار سمجھ گئے کہ یہ تو ایک شاہ ضرب ہے جو پوری عمارت کو توڑ کر نئی تعمیر کے لئے لگائی گئی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی بھرپور مخالفت و مزاحمت کی گئی۔ اسلامی انقلاب اور ہمہ گیر تبدیلی کی ایسی دعوت جب بھی کبھی رونما ہوتی ہے تو معاشرہ بالعموم تین بڑے بڑے عناصر میں منقسم ہو جاتا ہے۔ وقت سے آگے ہو کر چلنے والے اور دور تک کے مستقبل کو دیکھنے والے ذہین ترین لوگ جن کی تعداد ہمیشہ کم ہوتی ہے، انقلابی دعوت پر آہستہ آہستہ لبیک کہتے ہیں۔ اُن کے بالمقابل پرانے نظام میں رہنمائی کرنے والے اور بڑے بڑے مفاد رکھنے والے عناصر متحرک ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے زیرِاثر طبقوں میں سے بہت بڑی تعداد اپنے حامیوں کی نکال لیتے ہیں۔ ان دونوں قوتوں کے درمیان جن میں سے اول الذکر نشوونما پاتی ہوئی اقلیت ہوتی ہے اور موخر الذکر سکڑتی اور پارہ پارہ ہوتی ہوئی اکثریت ہوتی ہے۔ لمبی کشمکش ہوتی ہے۔ یہ دونوں فعال قوتیں تو فکری اور سیاسی اکھاڑے میں آجاتی ہیں اور عوام کا انبوہ کثیر باہر تماشائی بن کر یہ دیکھتا رہتا ہے کہ پلڑا کدھر جھکتا ہے اور اس کھیل کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اس تیسرے عنصر میں جتنے بھی ذہین اور متحرک کردار موجود ہوتے ہیں وہ بھی آہستہ آہستہ میدانِ کارزار میں اُترتے جاتے ہیں لیکن بہت بھاری اکثریت آخری نتیجہ کا انتظار کرتی ہے۔ ان میں بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو پرانے نظام کے اندھے پرستار ہوتے ہیں اور یہ تصور ہی نہیں کر سکتے کہ وہ کبھی ٹوٹ بھی سکتا ہے،

اور جب تک وہ انہیں ٹوٹتا دکھائی نہ دے اُن کے اندر کوئی تبدیلی آ ہی نہیں سکتی۔ ان میں سے بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو آہستہ آہستہ نئی قوت کے دلائل سے بھی اور اُس کے اخلاقی اوصاف سے بھی متاثر ہوتے جاتے ہیں، اور بعض تمنا کرنے لگتے ہیں کہ کاش یہ قوت غالب ہو جائے۔

پس کسی بھی نئی دعوت کے علمبرداروں کے لئے راستہ جب ہی کھل سکتا ہے جب کہ وہ کشمکش میں اتنی ثابت قدمی دکھائیں اور مزاحم قوت پر اتنے کاری وار کریں کہ عوام ایک طرف یہ محسوس کرنے لگیں کہ پرانی قیادت کو بدلنا اور پرانے نظام کو توڑنا کوئی ناممکن عمل نہیں ہے۔ جب بھی رائے عام کی فضا میں ایسا تاثر چھا جاتا ہے تو ایک اصلاحی و تعمیری دعوت کے لئے دلوں کے دروازے پوری طرح کھل جاتے ہیں۔ (نعیم صدیقی۔ "محسن انسانیت")

کیا آپ جانتے ہیں؟

سا جدہ فرزانہ

● انسان اپنے اندر جتنی قوتیں جمع کرتا ہے ان میں سے بہت سی قوتیں زیادہ بولنے سے خرچ ہو جاتی ہیں ● دو تولہ سونف رات کو پانی کے ساتھ کھانے سے چند روز میں دماغ طاقتور ہو جاتا ہے اور قبض کی شکایت دور ہو کر معدہ قوی ہو جاتا ہے ● سورج نکلنے سے پہلے ہری گھاس پر ننگے پیر ٹہلنے سے آنکھوں کی روشنی بڑھتی ہے ● ترپھلا یعنی ہڑ، بہیڑا، آملہ آنکھوں کے لئے اکسیر ہے۔ صبح کو ترپھلا کے پانی سے آنکھیں دھونا آنکھوں کے لیے بے حد مفید ہے ● گائے کا پرانا گھی نیم گرم کر کے کان میں ڈالنے سے کان کا درد جاتا رہتا ہے۔ گھی جتنا زیادہ پرانا ہوگا اتنا ہی مفید ہوگا ● کھانا کھانے کے بعد اَنناس کی چند قاشیں کھانے سے غذا ہضم ہو جاتی ہے ● شہد ہاضمہ کو تیز کرتا ہے، خون صاف کرتا ہے اور قبض کشا ہے ● سنگترہ یا لیموں کے پتے رکھنے سے مچھر بھاگ جاتے ہیں۔

روسی مناظر

کہتے ہیں روس کے مارشل اسٹالن
اپنی گھڑی کہیں رکھ کر بھول گئے۔ انھوں
نے خفیہ پولیس کے سربراہ کو فون کیا اور
اپنی گھڑی گم ہونے کی اطلاع دی۔ کچھ
دیر بعد مارشل اسٹالن کو گھڑی اپنے
بستر پر رکھی ہوئی مل گئی تو انھوں نے
خفیہ پولیس کے سربراہ کو دوبارہ فون کیا
اور گھڑی مل جانے کی اطلاع دی۔ پولیس
چیف نے کہا:

"آپ نے بہت دیر کر دی۔ جناب!
اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہم اس وقت تک
بیس آدمی گرفتار کر چکے ہیں اور وہ سب
کے سب یہاں ہیڈ کوارٹر میں اس وقت
اقبالِ جرم کر رہے ہیں۔"

یہ منظر بھی ماسکو کا ہے فٹ پاتھ
پر ایک شخص بڑبڑاتے ہوئے جا رہا تھا:
ظالم ہے۔ ڈاکو ہے۔ بے ایمان ہے۔ قاتل
ہے......"

پولیس نے اسے فوراً گرفتار کر لیا
اس شخص نے بے بسی کے عالم میں کہا:

"مجھے کیوں پکڑ لیا گیا ہے؟"

جواب ملا: "تم نے ہمارے آقا مارشل
اسٹالن کی شان میں گستاخی کی ہے۔"

"لیکن......لیکن......" وہ شخص
ہکلاتے ہوئے بولا: "میں نے کسی کا نام
تو لیا ہی نہیں۔"

پولیس افسر نے گردن ہلاتے ہوئے
کہا:

"تمہیں نام لینے کی ضرورت ہی کیا
تھی۔ ہم تمہارے بڑبڑانے سے فوراً
ہی سمجھ گئے تھے۔" ●●

(ماخوذ)

تب اور اب

ایس۔ فضیلت

تب

بخدمت حضور فیض گنجور عالی مقام

جناب کلکٹر صاحب بہادر!

گذارش ہے کہ فدوی اعلیٰ نسب اور خالص افغانی نسل کا پٹھان ہے میرے آباؤ اجداد اکثر خونریز جنگوں میں شریک ہوکر اپنی دلیری اور جانبازی کا مظاہرہ کرچکے ہیں۔
سات پشتوں سے ہمارا خاندان، رنگ، نسل، خون اور ہڈی کے معاملے میں بے داغ چلا آرہا ہے درخواست ہے کہ فدوی کی موجودہ بیروزگاری اور معاشی بدحالی کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی شایانِ شان ملازمت مرحمت فرمائی جائے تاکہ زندگی کے باقی ایام جنابِ عالا کے سایۂ عاطفت میں گزاردوں۔

فدوی
عبدالرحمان ولد شیر زماں خاں
بقلم خود۔ گوجر ٹولہ۔ رام پور۔ ۱۲ اگست ۱۹۳۲ء

اب

سیوا میں شریمان کلکٹر صاحب مہودے،

نویدن ہے کہ پرارتھی کا سمبندھ ایک پچھڑی ہوئی جاتی سے ہے۔ مجھے یہ سویکار کرنے میں کوئی سنکوچ نہیں ہے کہ ہماری برادری میں پچھلی سات پیڑھیوں سے جوتیاں ٹانکنے کا پیشہ ہوتا آرہا ہے۔ اس بارے میں ضروری جانکاری محلے والوں سے پراپت کی جاسکتی ہیں۔
پرارتھنا ہے کہ مجھے شیڈول کاسٹ کا سرٹیفکٹ عنایت کیا جائے تاکہ میں کوئی سرکاری نوکری پراپت کرسکوں۔ دھنیہ واد۔

پرارتھی
کلو ولد عبدالرب [illegible] رامپور
۱۳ مارچ [illegible]

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

(فاطمہ زہرا)

دنیا میں مسلمان ہی وہ خوش نصیب ہیں جن کا خدا ایک ہے، رسول ایک ہے، جن کی کتاب ایک ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ یکساں عقیدہ والے تمام مسلمان عملاً بھی ایک ہوتے لیکن یہ مسلمان ہی وہ بدنصیب ہیں کہ ہم عقیدہ ہوتے ہوئے بھی متحد نہیں ہیں۔ اسلامی ملکوں پر نظر ڈالیئے تو ان کے حکمراں ایک دوسرے سے لڑتے نظر آئیں گے ان کے علماء کو دیکھئے تو وہ الگ اپنا جتھا لئے نظر آئیں گے۔

ایسی بدنصیب قوم جو ہم عقیدہ ہوتے ہوئے بھی متحد نہیں ہے اس پر خدا کی پھٹکار پڑ چکی ہے وہ ہر جگہ ذلیل و خوار ہے۔ کہیں روس اپنے کمیونزم کے ساتھ مسلط ہے تو کہیں امریکہ کا دور دورہ ہے اور کہیں سرمایہ دار انھیں اپنے جال میں پھانسے ہوئے ہیں دنیا میں کہیں ان کا کوئی اثر نہیں۔ ہم سکھوں اور بنی اسرائیل کو دیکھتے ہیں کہ وہ تعداد میں کم ہوتے ہوئے چونکہ متحد ہیں اس لئے بڑی بڑی حکومتیں ان سے ڈرتی ہیں۔ بنی اسرائیل کے منصوبے تو بڑے بڑھ چڑھ کر نظر آتے ہیں۔ یا آرہے ہیں۔ اس نے پچھلے دنوں اپنا نقشہ ریاست شائع کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مدینہ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کا یہی حال رہا تو چند ہی دنوں میں پہنچ بھی جائے گا پھر اس زد سے مکہ اور حرم کعبہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اِلّا یہ کہ اللہ معجزے کے طور پر ابابیلوں کو بھیج کر حفاظت کرے۔ اسی لئے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا کام بنے

اس وقت سارے جہان کے اندر مسلمانوں کی ایسی کوئی عبقری شخصیت بھی نہیں ہے جو سا دنیا کے مسلمانوں کو جوڑ سکے۔ اور اگر ایسی کوئی شخصیت اچانک نمودار ہو جاتی ہے تو دشمنانِ اس اسے کسی نہ کسی طرح ہلاک کر دیتے ہیں جیسا کہ ہم پچھلے دنوں شاہ فیصل کے متعلق دیکھ چکے ہیں۔ ا ہو چلی تھی کہ شاہ فیصل مسلم ملکوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیں گے۔ اگر وہ سب کو جوڑ دیتے تو پھر کسی ک ہمت نہ ہوتی کہ ہر جگہ مسلمانوں کو آسانی کے ساتھ ختم کیا جاتا۔

آج مسلمان ہر جگہ جس پستی میں ہیں اور ان میں جو غلامانہ ذہنیت پیدا ہو گئی ہے تو یہ اسی دور ہو سکتی ہے کہ وہ آپس میں متحد ہوں بغیر متحد ہوئے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ سچ کہا علامہ اقبال

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ بھی نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

قرآن میں ہے کہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا یعنی اللہ کی رسّی (قرآن) کو مضبوطی پکڑلو اور آپس میں تم اس طرح جڑے رہو جیسے تم سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو۔ اسلامی اجتماع میں مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے اس کے حصول کے لئے مومن مرتے دم تک جدوجہد کرتا نبی کریمؐ نے اور صحابہ کرامؓ نے بھی طرح طرح سے اتحاد کی ضرورت کے بارے میں تاکید فرمائی ایک حدیث میں ہے:

عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤمن للمؤمن کالبنیان شدّ بعضہ بعضاً وشبّک بین اصابعہ

یعنی ایک مومن دوسرے مومن کیلئے بنیاد کی طرح سے ہے اور آپؐ نے اپنی انگلیوں کو آپس میں جوڑ کر اشارہ کیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ باطل قوتیں اتحاد کی بدولت دنیا پر چھائی ہوئی ہیں تو حق کے ماننے والے اگر متحد ہو جائیں تو ان کا رعب اُن سے بھی زیادہ ہو گا۔ تنہا مسلمان یا ایک ریاست خواہ کتنی قوی اور مستحکم کیوں نہ ہو وہ دنیا میں فروغ نہیں پا سکتی۔ مثل مشہور ہے کہ اکیلا چنا بھاڑ نہ

پھوڑ سکتا ہے ایک تنکا زمین صاف نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر دس بیس تنکے کا ایک جھاڑو بن جائے تو وہ میدان کے میدان صاف کر سکتا ہے اسی طرح اگر مسلمان اپنے عقیدے اپنے قرآن اور اپنے رسولؐ کی پیروی میں متحد ہو جائیں اور اپنا ایک لیڈر بنالیں تو ان کا بول بالا ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح وہ اپنی اور اپنے مذہب کی اور اپنے قبلہ کی حفاظت کر سکتے ہیں۔" ••

غزل

فضل قریشی آرور

خوشی اچھی نہیں لگتی ہے غم اچھا نہیں لگتا
رہیں بیگانہ ہو کر تم سے ہم، اچھا نہیں لگتا

تمہارے درد کو میں زیست کا حاصل سمجھتا ہوں
تمہارا درد ہو اس دل سے کم، اچھا نہیں لگتا

وفا کی راہ میں کچھ امتحاں تو لازماً ہوں گے
رفیقانِ سفر کا رنج و غم، اچھا نہیں لگتا

سما رکھا ہے جس سر میں تمہارے عشق کا سودا
کسی کے سامنے وہ سر ہو خم، اچھا نہیں لگتا

بڑے پُر نور چہرے، دل میں تاریکی ہی تاریکی
مجھے یاروں کا یہ جھوٹا بھرم، اچھا نہیں لگتا

ہے ان کی شاعری کا مرکز و محور فقط عورت
مجھے یہ شیوۂ اہلِ قلم، اچھا نہیں لگتا

یہ علم و فہم تیرا فضل [illegible] اللہ شاعری تیری
[illegible] اہلِ قلم اچھا نہیں لگتا

غزل

تیور کڑے ہیں وقت ستمگر کا ردیکھنا
جو ہو سکے تو نوشتۂ دیوار دیکھنا

راہِ وفا اگرچہ ہے پُر خار دیکھنا
منزل کی دھن میں ہم بھی ہیں سرشار دیکھنا

ہے ہم میں کون کتنا فداکار دیکھنا
وہ آ رہا ہے کوچۂ دلدار دیکھنا

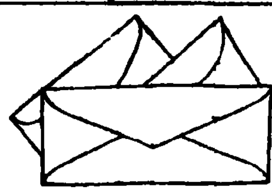
منزل ہے دور، رات گھنی، رہزنوں کا خوف
اور اس پہ رہروؤں کی یہ رفتار دیکھنا

یہ ہے کرشمۂ آمدِ فصلِ بہار کا
کیسے جھلس گئے گل و گلزار دیکھنا

گھبرا رہے ہیں آج اندھیروں کے دیوتا
بڑھنے لگا ہے مطلعِ انوار دیکھنا

سر پہ گنہ کا بوجھ، ندامت لئے ہوئے
آتا ہے فضل یوں سوئے غفّار دیکھنا

باپ کے خطوط



۲ بیٹی کے نام

عزیزہ بیٹی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

تم نے واپسی ڈاک سے میرے خط کا جواب دے کر دل خوش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ تم کو بھی خوش رکھے!!

میں نے تم کو لکھا تھا کہ آئندہ خط میں ساس کے بارے میں کچھ باتیں حفظ ماتقدم کے طور پر لکھوں گا۔ تم نے اس کے جواب میں لکھا کہ ساس کی خدمت کو حرز جان بنا لیا ہے۔

تمہارا یہ جواب پڑھ کر مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا۔ سنو! ایک کوّے نے اپنے بیٹے سے پوچھا "کسی آدمی کو ڈھیلا اٹھاتے دیکھو گے تو کیا کرو گے؟" بچّے نے جواب دیا "میں اسے جھکتے دیکھوں گا تو اُڑ جاؤں گا۔" یہ جواب سن کر کوّے نے کہا "بیٹا! تم تو میرے بھی استاد نکلے۔"

بیٹی! میں تم کو ایک بات بتاؤں۔ انسان اور جانور میں فرق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو جو فطرت دی ہے اُس کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں۔ تم نے وہ مثل سنی ہو گی کہ مچھلی کے جائے کو کن تیرائے یعنی مچھلی کے بچوں کو تیرنا سکھایا نہیں جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ صلاحیت لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے فرشتوں، چڑیوں، جانوروں وغیرہ سے بازپرس بھی نہیں۔ لیکن انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے فسق و فجور اور تقویٰ دونوں کی صلاحیتیں رکھی ہیں اور دونوں کا فہم بھی دے دیا ہے۔ دونوں کے نتیجے بھی بتا دئے ہیں۔ تم سمجھ گئی ہو گی کہ میرا اشارہ فالھمھا فجورھا وتقواھا کی طرف ہے۔ اس لئے قیامت کے دن انسان سے محاسبہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ جب تک بچہ بالغ نہیں ہوتا ماں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اچھی

تعلیم و تربیت سے کہ اُس سے تقویٰ کو اُس کے فجور پر غالب کر دیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جاندار مخلوق میں انسان کے بچوں کو تعلیم و تربیت کے لئے زیادہ وقت دیا جاتا ہے۔ کم و بیش ۲۰-۲۱ سال اتنا وقت کسی جانور کے بچوں کو نہیں ملتا۔ سانپ کے بچے انڈوں سے نکلتے ہی رینگنے لگتے ہیں۔ بچھو کے بچے ماں کی پیٹھ پھاڑ کر خود باہر آجاتے ہیں۔ سب سے زیادہ بندر کا بچہ اپنی ماں سے تربیت حاصل کرتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو بندر ہمیشہ بندر ہی رہتا ہے۔ اسے لاکھ تربیت دو کبھی انسان نہیں بن سکتا۔ تاریخ نے اِس تھیوری کو غلط قرار دیا ہے کہ انسان بندر کی ترقی یافتہ نسل ہے۔ انسان ماحول کا اثر قبول کرتا ہے۔ اُسے فساق اور فجار کی صحبت ملے تو فاسق اور فاجر بن جائیگا۔ انسانوں کی دنیا میں یہ عمل گھر سے شروع ہوتا ہے۔

میں نے ایک بار تم سے پوچھا تھا "عورت کو مرد کی بائیں پسلی سے پیدا کیا ہے۔ اِس کے کیا معنی ہیں؟" تم نے اِس کی تشریح میں جو کچھ کہا اُس میں شاہکار تاویل یہ تھی کہ بائیں پسلی کی ٹیڑھ کی گرفت میں دل ہوتا ہے اس لئے یہ پسلی ٹیڑھی ہی رہنے دینا درست ہے۔ جو مرد اِس ٹیڑھی ہڈی کو سیدھا کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ سیدھا تو نہیں کر پاتا، ہاں توڑ دیتا ہے۔ اس ٹیڑھی ہڈی کے ٹوٹ جانے سے دل غیر محفوظ ہو جاتا ہے جو دنیا کا سب سے بڑا سماجی حادثہ ہوتا ہے۔

میرے خیال میں یہ ٹیڑھی پسلی والی عورت اگر کوئی ہے تو وہ ساس ہے۔ اس کی ٹیڑھ ہی میں پورے گھر کی درستی کا راز ہے۔ اگر اس کی ٹیڑھی پسلی کو توڑ دیا جائے گا تو اُس گھر کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا جو اس وقت تک سنبھلا ہوا ہے۔

یوں بھی سوچو۔ ایک بیوی ساس بننے تک اپنے شوہر کے ساتھ دن رات مشقت کر کے گھر بناتی ہے۔ گھر کے معنی اینٹ پتھروں اور گارے چونے والے کمروں والا گھر نہیں بلکہ اس گھر سے اس کے مکینوں کا وارو بست ہے جس سے اللہ کے بندے بندھے ہوئے ہیں۔ اللہ کے اِن بندوں کو عورت ہی سنبھالتی ہے۔ مرد کو کمائی کرنے میں اتنی فرصت کہاں کہ وہ بازار سے

دوڑ دوڑ کر گھر آئے اور بچوں کو نصیحت کرے۔ ماں ہر وقت گھر پر رہتی ہے۔ وہ اپنے دودھ اور خون سے انھیں پروان چڑھاتی ہے۔ کتنی سچی بات ہے اس سب سے بڑے سچے کی جس نے فرمایا کہ عورت اپنے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کے گھر کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔

مجھے کچھ یوں یاد آتا ہے کہ میں نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ ایک ماں اگر اولاد کو اچھی تعلیم تربیت دیدے تو اس کو جہاد کا ثواب ملتا ہے۔ اس کے پیچھے ایک دلچسپ اور عبرت انگیز واقعہ ہے۔ اسے پڑھو اور نصیحت حاصل کرو۔

ایک بار مدینے میں خواتین کا اجتماع تھا۔ بہت سی خواتین تشریف فرما تھیں۔ ان خواتین میں یہ جذبہ کارفرما تھا کہ ہم اللہ کے دین کی خدمت میں مردوں سے پیچھے نہ رہیں۔ لیکن کچھ فقہی مسائل نے انھیں آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ ان میں بحث چل پڑی کہ ہم عورتیں مردوں کے برابر ثواب حاصل نہیں کر سکتی ہیں کیونکہ مرد جہاد کرتے ہیں، جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں وغیرہ۔

اس بحث نے اُن پر مایوسی طاری کر دی۔ طے پایا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل کر اس معاملے کو صاف کرنا چاہئے کہ دینی حیثیت سے عورت مرد برابر ہیں تو ان چند فقہی مسائل میں عورتوں کو نظر انداز کیوں کر دیا گیا؟

بڑی بحث کے بعد حضرت اسماء بنت یزیدؓ کو نمائندہ چنا گیا۔ حضرت اسماءؓ عورتوں کی نمائندگی کرنے حضورؐ کی خدمت میں پہونچیں۔ سلام کر کے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! مدینے کی عورتوں نے مجھے نمائندہ بنا کر آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ مرد جہاد کر کے افضل العبادات کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔ مرد جمعہ کی نماز ادا کر کے ایک عظیم ثواب کے حقدار ہو جاتے ہیں۔ وہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ قبرستان جا کر مُردوں کے لئے دعا کرتے ہیں وغیرہ۔ اور ہم عورتیں ہیں کہ ان مردوں کے بچوں کا بوجھ اٹھاتی پھرتی ہیں۔ دکھ درد کا جھیل کر انھیں پروان چڑھاتی ہیں۔ ہمیں جہاد، نماز جمعہ، نماز جنازہ وغیرہ کے ث

ہے۔ یا رسول اللہؐ! بات واضح ہے کہ ہم مردوں کے برابر کسی طرح نہیں ہو سکتیں۔"

حضرت اسماءؓ یہ تقریر کر کے خاموش ہو گئیں۔ جب تک وہ تقریر کرتی رہیں حضورؐ اور تمام صحابہؓ خاموشی سے سنتے رہے۔ اِس کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا "کیا تم نے ایسی بہترین تقریر کرنے والی کسی نمائندہ خاتون کو دیکھا؟" صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اِس تقریر سے بہتر تقریر ہم نے نہیں سنی اور جس خوبصورتی سے اس نمائندہ خاتون نے اپنی جنس کی وکالت کی اُس کا نمونہ بھی ہم نے کہیں نہیں پایا۔

اب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء سے فرمایا "جاؤ، مدینے کی عورتوں سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے گھر کو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکموں کے مطابق سنبھالے رہیں گی تو انھیں جہاد کا ثواب ملے گا۔"

جس وقت حضرت اسماءؓ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول خواتین میں نقل کیا، اجتماع میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مدینے کی عورتوں کو اس دن سے زیادہ خوشی کبھی نہیں ہوئی۔ ہم حضرت اسماءؓ کے پاس جاتے تھے۔ حضرت اسماءؓ حضورؐ کا قول نقل کرتے وقت خوشی سے جھوم جایا کرتی تھیں۔

یہ حسین واقعہ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ساس وہی عظیم گھر سنبھالے ہوتی ہے۔ اُس کی اِس خدمت کے مقابلے میں مرد کی دن بھر کی مشقت ہیچ ہو جاتی ہے، جو وہ کمائی کی صورت میں کرتا ہے۔ عورت (ساس) کی اِس خدمت کے برابر وہی مرد ہو سکتا ہے جو کمائی کے ساتھ دین کی خدمت بھی انجام۔

نصیحت یہ ہے کہ تم ایسی محترم ہستی کو ضائع مت کرنا۔ ساس نے دیکھے ہیں، جھیلے ہیں۔ تمہارے خسر کو قدم قدم پر سہارا دیا ہے۔ اولاد کو یہ حق دیا ہے کہ اگر ماں باپ دونوں بیک وقت اپنی مدد کے لئے پکاریں تو حق وہ حق ہے جسے غیر شعوری طور پر ہر جاندار محسوس کرتا

اِس ... بندوں کو عورت

ہے۔ سُسر اور اولاد نے اسی لئے غیر شعوری طور پر ماں کے اس حق کو تسلیم کیا ہے۔ یہی ماں آجکل تمہاری ساس ہے۔

خبردار! ساس کو کبھی چیلنج نہ کرنا۔ ساس نہ تمہارے علم سے مرعوب ہوگی، نہ تمہاری خوبصورتی سے اور نہ تمہاری عقل سے۔ وہ اگر زیر ہوگی تو خدمت سے۔ اور یہ صحیح بھی ہے۔ تم نے سُنا ہوگا کہ خدمت سے عظمت ہے۔ ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔ تمہاری ساس نے عمر بھر خدمت کی اور وہ مخدوم بن گئی۔

تو...... تم کو یہاں نصیحت یہ ہے کہ اپنی ساس کی خدمت خلوص کے ساتھ کرو۔ اگر تم نے یہ مرحلہ طے کرلیا تو سمجھو کہ بگڑے ہوئے سماجی قلعے کے سب سے بڑے محاذ کو فتح کرلیا۔ پھر اگر کوئی تم کو روکے گا تو تمہاری ساس اُسے ٹوکے گی اور کہے گی کہ میری بہو سیدھے راستے پر ہے اور وہ سچ کہتی ہے۔

ایک بات اور بتاؤں۔ ساس تمہارے شوہر کی ماں ہے، اِس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کرنا۔ تمہارا شوہر تمہاری قابلیت، تمہارے حسن اور رکھ رکھاؤ سے بھلے ہی متاثر ہو لیکن اگر اُس کی ماں کا مقام کہیں ذرا بھی مجروح ہوا تو وہ اُداس ہوئے بغیر نہ رہ سکے گا۔ میں نے ایسے بہت سے شریف شوہر دیکھے ہیں جنھوں نے محض اِس خیال سے کہ گھر میں جھگڑا نہ ہو، الگ ہو کر اپنا گھر بنایا لیکن پھر نہ وہ شوہر صاحب خوش رہ سکے اور نہ وہ بہو صاحبہ۔ شوہر صاحب ہیں کہ اکیلے پھر رہے ہیں یوسف بے کارواں ہو کر اور بہو صاحبہ ہیں کہ جیسے جنگل میں مور ناچا اور اُس کے ناچ سے لطف اُٹھانے والا کوئی نہ ہو۔ پھر تنہائی میں گھر کی چوری، بہو کی بے عزتی، زچگی کی حالت میں دوسروں کی محتاجگی اور اس طرح کی بیسیوں پریشانیاں قدم قدم پر ہوتی ہیں۔ لہٰذا ساس کی بات اس طرح مانو جسطرح یہاں میکے میں ماں کی بات مانتی تھیں۔ بس زیادہ کیا لکھوں، تم سمجھو کہ وہ ہی تمہاری ماں ہیں۔ بس اِس نکتے کو اور دھیان میں رکھو کہ میکہ تمہارا گھر نہیں تھا بلکہ وہ ایک ٹریننگ اسکول تھا جہاں تعلیم و تربیت حاصل کرکے سُسرال پہونچی ہو تاکہ ٹرینڈ ٹیچر کی طرح وہاں کامیابی حاصل کرسکو۔ اگر تم نے وہاں کامیابی حاصل کرلی تو ہم جو کہ ایک طرح تمہارے ٹریننگ انسٹرکٹر رہے ہیں، کامیاب مانے جائیں گے ورنہ خدا نہ کرے، تم فیل ہوئیں تو ہم بھی بدنام ہوں گے۔ فقط والسلام۔ دعا گو: تمہارا باپ......

فرمایا پوپ پال دوم نے

پوپ کو رومن کیتھولک عیسائیوں کے روحانی پیشوا اور اُن کی سب سے اہم اور قابل احترام دینی شخصیت حاصل ہے۔ دینی امور میں اُن کے ایک ایک لفظ کو حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے۔ رومن کیتھولک دنیا مذہبی معاملات میں اُن کے کسی فیصلے سے سرِ موانحراف اور اُن کی کسی تعبیر و تشریح سے ادنیٰ درجے میں بھی اختلاف کی بات کبھی سوچ نہیں سکتی۔ دیگر امور کے تعلق سے بھی اُن کی رائے کو احترام سے دیکھا جاتا ہے۔ اس وقت اس بلند منصب پر جو شخصیت فائز ہے اُسے پوپ پال دوم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ موصوف نے حال ہی میں اپنے ایک وعظ میں تلقین کی ہے کہ عورتوں کو گھر سے باہر کام کاج کے لئے نہ بھیجا جائے کیونکہ اُن کا اصل مقام اُن کا گھر اور بنیادی کام اولاد کی پرورش و پرداخت ہے۔

یہ اجنبی آواز

مغرب کے لئے یہ آواز یقیناً اجنبی قرار پائے گی۔ مغربی معاشرے نے عورت کو گھر کی چار دیواری سے نکال کر دفتروں، دوکانوں اور کارگاہوں میں اس طرح لا کھڑا کیا ہے کہ اب اُن کو ایک بار پھر گھر کی چار دیواری تک محدود کرنے کی بات کرنا ایک طرح سے خلافِ زمانہ حرکت نظر آتی ہے۔ مغربی مفکرین اور آزادیٔ نسواں کے علمبردار پوپ پال کے اس مشورے کو یقیناً رجعت پرستی کا مظہر قرار دیں گے لیکن مغربی سماج پر اگر ایک طائرانہ نظر بھی ڈال لی جائے تو اُن کی رائے کے وزن کو محسوس کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ یورپ میں عورت کو گھر کی چہار دیواری سے نکال کر مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کرنے کا سب سے

بھیانک نتیجہ خاندانی نظام کی ٹوٹ پھوٹ کی شکل میں برآمد ہوا ہے۔ خاندان جو زوجین کی باہمی رفاقت، باہمی احترام، تقسیم کار اور بچّوں کی پرورش و پرداخت، نیز اُن کی تعلیم و تربیت کی مشترک فکرمندی کی علامت، اس کا مرکزی روپ ہوا کرتا ہے، اب مغرب کے لئے قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔ نتیجے کے طور پر باہمی محبت، فکرمندی اور دکھ سکھ میں ایکدوسرے کے کام آنے کا وہ جذبہ یکسر مفقود ہو کر رہ گیا ہے جو بیماری، بیکاری اور بوڑھاپے میں ڈھال کا کام کیا کرتا تھا۔ اب مغرب کے بیشتر گھر گھر نہیں بلکہ مویشیوں کے باڑے بن کر رہ گئے ہیں جن کے ہر فرد کو ہمہ وقت صرف اپنی فکر لاحق رہتی ہے، جن کا ہر فرد عدم تحفظ کی دہشت کا شکار نظر آتا ہے۔ نتیجے کے طور پر نئی پود کی بے راہ روی، کمسنی کے جرائم اور جنسی آوارگی ایک عام سی بات بن چکی ہے۔

اور یہ ہپّی کلچر بھی

چرس، بھانگ، رگا نجے کی تلاش میں سرگرداں نوجوانوں کے یہ غول کے غول جو مشرقی ملکوں میں مارے مارے پھرتے ہیں جن کے نزدیک زندگی کا سب سے بڑا آدرش یہ قرار پاتا ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو اپنے آپ پر کبھی نہ ٹوٹنے والا ایک ایسا نشہ طاری کر لیا جائے جو اُنھیں دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دے۔ یہ اسی خاندانی نظام کے ملبہ سے اُبھرے ہیں اور اگر بروقت اصلاح حال کی کوشش نہ کی گئی تو کہا نہیں جا سکتا کہ آگے چل کر اِس اخلاق باختہ معاشرت کے اور نہ جانے کتنے روپ سامنے آئیں گے۔ پوپ پال دوم کی اِس آواز پر اہلِ مغرب توجہ دیں گے، اس کا اِمکان نہ ہونے کے برابر ہے لیکن اہلِ مشرق کو عورتوں کو گھر سے نکال کر کارخانوں اور دفتروں وغیرہ میں لاکھڑا کرنے کے تلخ نتائج پر ضرور غور کرنا چاہیئے۔ عورت صرف کارخانوں، دفتروں اور دوسرے شعبوں میں مردوں کے دوش بدوش کام کر کے ہی مردوں کے مساوی درجہ حاصل نہیں کر سکتی ہے۔ یہ مقصد بہتر طور پر اُسے اُس کے دائرۂ کار میں پوری پوری آزادی دے کر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ عورت کو یا تو روزی روٹی کے حصول کا ذریعہ بنایا جا سکتا

پھر اُس سے گھر کو بنانے سنوارنے اور نئی نسل
کی تعلیم و تربیت کا کام لیا جاسکتا ہے۔ دونوں
کام ایک ساتھ ممکن نہیں ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے
کہ مغرب نے بڑی عیاری کے ساتھ ان دونوں
ہی دائروں کی ذمہ داری عورت کے کندھے پر

ڈال کر اُسے نسوانیت سے ہی نہیں بلکہ اُس
حقیقی آزادی سے بھی محروم کردیا ہے جو کسی بھی
مہذب معاشرے میں اُسے ملنی چاہئے۔ اب وہ
صرف مشین بن کر رہ گئی ہے۔ کاش مغربی عورت
اپنے اس المناک انجام پر غور کرتی!

کم قیمت بالا نشین

کم آمدنی والے خاندان محدود رقم کے باوجود بھی اچھی اور مناسب خوراک لے کر اپنی صحت قائم رکھ سکتے ہیں...... مثلاً:

○ روٹی اور دوسرے اناج (جس سے روٹی بنائی جاسکتی ہے) اِس خوراک میں اگر دیگر اقسام کے آٹے کی آمیزش یعنی جوار، باجرہ، مکئی، چنے یا جو وغیرہ کے ایک حصے کو گندم کے آٹے کے بیس حصوں میں ملا کر روٹی بنائی جائے تو اُس کی غذائیت دوگنی ہو جاتی ہے ○ پروٹین کے حامل کھانے جیسے پھلی دار دالیں یعنی ہر قسم کی دال، لوبیا اور مٹر وغیرہ ○ پھل اور سبزیات جو صحت کے لئے اہم غذائیت کے حامل ہیں، اِن سے کیلشیم اور حیاتین بی اور سی حاصل ہوتی ہیں ○ گری دار میوے، دودھ، دہی اور انڈے حسب استطاعت اگر ان کا استعمال کیا جائے تو کافی پروٹین مل جاتی ہے ○

بہرحال سادہ کھانا سب سے زیادہ اچھی اور موزوں خوراک ہے۔ اگر کھانے کے تمام پیسوں کو ہوشیاری اور سوچ بچار کے ساتھ ان کھانوں پر صرف کیا جائے جو جسم کے لئے فائدہ مند اور غذائیت سے بھرپور ہیں تو غریب آدمی بھی صحت آور خوراک کھا سکتا ہے۔

(مرسلہ: ایم۔ اے۔ خیامی۔ کھمریا۔ یوپی)

کھانے کی عادات اور اوقات

- کھانا نہ زیادہ گرم کھائیں اور نہ زیادہ ٹھنڈا کھائیں۔
- نہار منھ اور دو کھانوں کے وقفوں میں پانی خوب پئیں۔ کھانے کے دوران پانی نہ پئیں۔
- کھانوں کے درمیان پانچ چھ گھنٹوں کا وقفہ باقاعدہ رکھیں۔
- آہستہ کھائیں، اچھی طرح چبائیں۔
- تھکے ہوئے، تکلیف یا غصہ میں کھانا نہ کھائیں کیونکہ سکون اور خوشدلی ہاضمہ کو بہتر رکھتے ہیں۔
- طرح طرح کے کھانے کھائیں لیکن ایک ہی وقت میں نہیں، تین چار قسم کافی ہیں۔ ہری سبزی کو ترجیح دیں۔
- کھانا کھاتے ہی فوراً نہ سوئیں کیونکہ معدے کو بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے آپ کے سونے سے پہلے معدے کو اپنا کام ختم کر لینا چاہئے تاکہ وہ بھی آرام کر سکے۔ کھانے اور سونے کے درمیان چھ گھنٹوں کا وقفہ ہونا لازمی ہے۔
- کھانا بھوک کے لئے نہیں بلکہ قیامِ جسم و حیات کے لئے کھانا چاہئے۔ زیادہ کھانے سے روغنیات جسمانی مشین کو کام کرنے سے روک دیتی ہیں اور قائم رکھنے والی حرارت کی قوت کم ہو جاتی ہے۔
- زندہ رہنے کے لئے کھائیے نہ کہ کھانے کے لئے زندہ رہئے۔

کھانے میں باقاعدگی کا طریقہ یہ ہے کہ ناشتہ ہمیشہ اچھی طرح کیا جائے۔ جب ناشتہ چھوڑ دیا جاتا ہے تو دوپہر کے کھانے سے پیشتر ہی بھوک لگ جاتی ہے۔ ناشتہ اور دوپہر کے کھانے کے درمیان مناسب وقفہ نہیں رہ پاتا اور یہیں سے بے قاعدگی شروع ہو جاتی ہے۔ کھانے اور بستر پر جانے کے بیچ مناسب وقفہ رکھنے کے لئے رات کا کھانا جلد از جلد کھا لینا چاہئے۔ کھانوں کے وقفوں کے دوران وقتِ مقرر پر ہی کھانا ایک صحتمند تجویز ہے۔ نظامِ ہاضمہ کی مدد کے لئے خون کی نالی اور معدے کو پانی کی وافر مقدار ناگزیر ہے اس لئے دن میں پانی خوب پئیں۔ (ایم۔ اے۔ خیامی)

ایک کہانی

شمس نوید عثمانی

مسجد کے دروازے پر ایک غیر متوقع چیز نے میرے قدم روک لئے۔ کسی نمازی کا صرف ایک جوتا پڑا ہوا تھا اور دوسرا غائب! ـــــ اچانک مجھے یاد آیا کہ ابھی چند روز ہوئے مقامی اخبار میں ایک مزاح عنوان کے سائے میں ایک عبرت ناک واقعہ نظر سے گزرا تھا۔ شہر کی ایک مسجد سے ـــ نمازیوں کے جوتوں کی چوری! لیکن چور رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا گیا

اور آج یہ اکیلا جوتا مسجد کے دروازے میں پڑا ہوا دیکھ کر یہ واقعہ اور اس واقعہ کے پیدا کردہ سارے تاثرات حافظہ کے سامنے بجلی کی طرح کوند گئے۔ کیا آج پھر یہاں وہی چوری کی واردات پیش آئی تھی؟ کیا یہ اکیلا جوتا اپنے اس گم شدہ ساتھی کو رو رہا تھا جو ایک نمازی کے پاؤں سے بچھڑ کر کسی چور کے ہاتھ میں پہنچ چکا تھا؟ مگر نہیں! ـــ میں فوراً اپنے استدلال کے بے تکے پن پر چونک گیا۔ چور ایک جوتا چرا کر کیا کرتا! ـــ تو کیا ـــ یکایک ایک دردناک خطرہ میرے تحت الشعور میں بیدار ہوا۔ میں نے مسجد میں جھانک کر نمازیوں کا جائزہ لیا۔ میرا اندیشہ صحیح نکلا! ـــ مسجد میں صرف ایک نمازی تھا جس کے صرف ایک ٹانگ تھی! ـــ انسانی جسم کی یہ اپاہج تصویر دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ حادثوں میں گھری ہوئی زندگی ایک پاؤں سے محروم بھی ہو سکتی ہے انسان اپاہج پیدا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ـــ کیا پھر بھی یہ اپاہج نمازی جو خدا کے حضور میں سجدہ ریز ہونے کے لئے آ گیا ہے۔ ان سینکڑوں انسانوں کے لئے تازیانۂ عبرت نہیں جو اپنی دو ٹانگوں اور دو پیروں پر چل کر بھی وہاں نہیں پہنچ پاتے جہاں یہ ایک ٹانگ والا انسان اذان کی پکار پر کشاں کشاں چلا آیا ہے۔ کوئی مجھے بتلائے کہ اپاہج کون ہے؟

چند ساعت پہلے میرا دل جس ہستی کی بدقسمتی پر تڑپ اٹھا تھا اس کو میری آنکھیں اب ایک والہانہ عقیدت کے ساتھ دیکھ رہی تھیں ـــ اس کی حقیقی خوش نصیبی کے تصور نے میرے پورے وجود میں مسرت کی ایک لہر دوڑا دی۔ جس دنیا میں خدا کے شکر گزار بندوں کی کمی ہے اسی دنیا میں ایک ایسا انسان میرے سامنے موجود تھا جسے میں عزت کی نگاہ سے دیکھ سکتا تھا۔ ●●

قسط ۴

کرنوں کا سفر

اسلام کے اوّلین سفیر چین میں

ابتک حالات کا خلاصہ ۔ حضرت سعید بن وقاصؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی پاکر اپنے دو ساتھیوں اُویسؓ اور قیسؓ کے ساتھ چین کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں عراق اور ایران میں دین کی تبلیغ کرتے اور صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے چین میں داخل ہو گئے۔ ایران میں دشمنوں کے حملے سے حضرت اُویسؓ اور قیسؓ شہید ہو گئے۔ یہاں چین میں ہوشی ایک بہت ہی کام کا آدمی مسلمان ہو گیا اس کے ساتھ ایک چینی رئیس شنگ سان سے ملاقات ہوئی۔ وہ ہوانگھو میں بودھ مذہب کا پرچارک تھا۔ وہ آپ کی شخصیت اور اسلامی تعلیمات سے متأثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا پھر ہوشی سے کہا کہ تم یہیں ہوانگھو میں ابراہیم کے ساتھ رہکر اسلام پھیلاؤ۔ اسکے بعد آپ اکیلے وہاں سے آگے روانہ ہو گئے۔

آپ ہوانگھو سے روانہ ہوئے تو گھوڑا سواری میں تھا اور اخراجاتِ سفر کی بھی کمی نہ تھی۔

دس دن میں آپ ہان چیونگ پہنچے۔ ایک دن ہان چیونگ میں قیام کر کے جب آپ اسکیان کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں ایک گھنا جنگل پڑا جنگل سے کترا کر گزرنے کی کوئی سبیل نہ تھی اس لئے جنگل کا سفر ناگزیر ہو گیا۔ قدم قدم رکاوٹوں کو ہٹاتے ہوئے جب آپ جنگل کے وسط میں ایک کشادہ جگہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی کو چار آدمی قتل کرنے کے درپے ہیں اور تلواریں چل

رہی ہیں۔ آپ سوچنے لگے کہ ان میں کون حق پر ہے؟ ابھی آپ سوچ ہی رہے تھے کہ چاروں میں سے ایک کی تلوار نے اپنے حریف کا بازو زخمی کر دیا۔

زخم کھانے والے نے کراہ کر کہا: "تم مجھے بڑے شوق سے قتل کر دو مگر تمہاری یہ بدمعاشی حکومت کی نظر سے چھپی نہ رہ سکے گی۔"

اس کے ایک جملے نے آپ پر ساری حقیقت آشکار کر دی۔ آپ نے کمان کندھے سے اُتاری اور تیر جوڑ کر اس شخص کو نشانہ بنایا جو زخمی پر ایک بے خطا زاویے سے حملہ کر رہا تھا فضا میں چیخ بلند ہوئی۔ اپنے ساتھی کا یہ انجام دیکھ کر ایک لمحے کے لئے تینوں سراسیمہ ہو گئے تھے کہ ان میں سے ایک کو آپ نے اور ختم کیا۔ زخمی بھی سنبھل چکا تھا اس نے بھی ایک دشمن پر بڑھ کر کاری وار کیا۔ چوتھا گھوڑے کو ایڑ لگا کر بھاگ نکلا۔ آپ زخمی کے پاس پہنچے تو اس نے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا "اجنبی دوست! تم نے میری زندگی بچائی ہے میں تمہارا احسان کبھی نہ بھلا سکوں گا میرا نام تنگ تائی ہے اور میں اسکبان کی انتظامیہ کا سربراہ ہوں۔" اس نے تین لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ میرے نائب ہیں۔ یہاں ہم شکار کے لئے آئے تھے یہ آج معلوم ہوا کہ یہ مجھے ناپسند کرتے تھے اور مجھے ہلاک کر کے اس شخص کو میری جگہ لانا چاہتے تھے جو جان بچا کر بھاگ نے میں کامیاب ہو گیا ہے تم بتاؤ کہاں کا قصد رکھتے ہو؟"

"میں ابھی اسکبان ہی کا قصد رکھتا ہوں۔ وہاں سے کانتن جاؤں گا۔" آپ نے اختصار سے جواب دیا۔

تنگ تائی نے خوش ہو کر آپ کو اپنے ساتھ سفر کی دعوت دی اور آپ اس کے ساتھ ہو لیے۔ اسکبان میں آپ اسی کے مہمان ہوئے۔ راستے میں جو گفتگو رہی اس نے تنگ تائی کو بہت متاثر کیا۔ وہ آپ کے مقاصدِ سفر سے آگاہ ہو کر کامل تعاون پر آمادہ ہو گیا۔

آپ اسکبان سے روانہ ہوئے تو تنگ تائی نے اپنے ایک عزیز کا پتہ دیا اور کہا "آپ یہاں سے چن چانگ آن جائیے وہ مرکزی شہر ہے میرا عزیز ہونغ تانگ وہاں آپ کی بھرپور مدد کرے گا۔ وہ عالم بھی ہے اور صاحبِ رسوخ بھی۔ آپ میرا حوالہ دے کر جب اس سے ملاقات

کریں گے تو وہ آپ کے لئے اپنی آنکھیں بچھا دے گا۔"

آپ رخصت ہو کر تین ماہ سفر کرتے ہوئے چن چانگ اَن میں پہنچ کر ہوفانگ سے ملے تنگ تائی کا حوالہ سن کر اس نے آپ کو بڑی عزت دی مگر جب آپ سے علمی موضوعات پر گفتگو ہوئی تو وہ آپ کی عظمت کا دل سے قائل ہو گیا اور چند دن کی مصاحبت میں اس نے اسلام قبول کر لیا۔ ہوفانگ نے اسلام قبول کر کے اپنے حلقۂ اثر کے علماء اور فضلا کو آپ سے استفادے کے لئے اپنے گھر مدعو کیا۔ رات رات بھر گفتگو کا سلسلہ رہتا۔ آپ کے رشد و ہدایت کا تجل، توہم اور حقیقت کے فرق کو واضح کر کے فکر کا رخ موڑ دیا کرتا۔ جلد ہی بہت سے قابل ذکر افراد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اسلام قبول کرنے والے بھی جذبۂ تبلیغ سے سرشار ہو گئے انھیں جو روشنی آپ سے ملتی۔ دوسروں تک پہنچانا اپنا فریضہ سمجھتے۔ اسلام دلوں کو مسخر کرنے کی ایک فطری صلاحیت رکھتا ہی ہے۔ آپ کی پُر وقار شخصیت نے تبلیغ کو اور بھی موثر بنا دیا۔ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد دو سو گیارہ تک پہنچ گئی تو مذہبی اجارہ داروں نے اسلام کی تبلیغ کو روکنے کے لئے بادشاہ چین چنگ کوان سے جا کر کہا کہ تیان خان (ملکِ عرب) سے آئے ہوئے ایک نو وارد نے ملک میں بڑی بے چینی پیدا کر دی ہے۔ وہ چین میں مروّج تمام مذاہب کا مذاق اُڑا کر ہماری دل آزاری کر رہا ہے اس کا منہ بند کیا جائے ورنہ بادشاہ کے خلاف بغاوت ہو جائیگی

بادشاہ بڑا زیرک اور معاملہ فہم تھا اس نے مذہبی پیشواؤں کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا۔ "میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ مجھے ایک متوقع شورش سے قبل از وقت آگاہ کر دیا۔ اس معاملے کو فاتی طور پر دیکھ لوں گا۔" جب وہ لوگ چلے گئے تو چنگ کوان نے اپنے وزیر سے پوچھا۔ کیا یہ درست ہے کہ ملک میں بد امنی کا کوئی خطرہ پیدا ہو گیا ہے ؟"

وزیر نے بڑے ادب سے کہا۔ "اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میرے علم میں ضرور آتی۔ جہاں تک اسلام کے مبلغ سعد بن وقاصؓ کا تعلق ہے وہ بہت اچھا آدمی ہے جن لوگوں نے اس کے ہاتھ پر نیا مذہب قبول کیا ہے ہمارے ملک کے شریف شہری ہیں۔ اسلام قبول کرنیکے

بدروہ خدمتِ خلق میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں عوام ان کی قدر کرتے ہیں صرف یہی ان کے دشمن ہیں جو ان کی شکایت لے کر آئے تھے کیوں کر نفرتوں کو دیکھ کر انھیں اپنی پستی کا احساس ہو رہا ہے۔ جہاں پناہ! اگر پسند کریں تو میں سعید بن وقاصؓ کو آپ سے ملاقات کے لئے طلب کر لوں؟"

"ضرور بلاؤ، میں ان سے کل ہی ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا۔

وزیر نے حسب الحکم ملاقات کا اہتمام کر دیا۔

آپ جب بادشاہ کے روبرو پہنچے تو وہ آپ کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا۔ جب وہ دریائے حیرت سے نکلا تو اس نے پوچھا۔ تمہارے مذہب کی تعلیمات کیا ہیں؟"

آپ نے اسلام کے اصول بیان کئے۔

جب اسے یہ معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں آسمان سے نازل ہوئی ہیں اور محفوظ ہیں تو اس نے کہا "جس کتاب کو تم آسمانی کتاب کہتے ہو اگر وہ تمہیں یاد ہو تو سناؤ"

آپ نے سورۂ رحمٰن کی تلاوت کی جو صوتی آہنگ کے اعتبار سے اہل چین کیلئے بہت مانوس تھی۔

آپ نے تلاوت ختم کی تو بادشاہ نے کہا "تم نے جو کچھ پڑھا، اس کا ایک لفظ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ لیکن میں نے اپنے دل میں اس کلام کی اثر آفرینی کو محسوس کیا ہے۔ اس کلام میں جو ہدایات ہیں اس کا اجمالی خاکہ تمہاری گفتگو سے میرے ذہن میں مرتب ہو گیا ہے۔ یہ تعلیمات انسان کی فلاح کی ضمانت ہیں امن اور سلامتی کا سرچشمہ ہیں تم سے مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے تم بڑے شوق سے اپنے دین کی چین میں تبلیغ کرو۔ چین کے باشندوں کا یہ حق کوئی نہیں چھین سکتا کہ وہ آزادیٔ فکر کے ساتھ جو مذہب چاہیں اختیار کریں۔ اگر لوگ دلیل کو دلیل سے رد نہیں کر سکتے تو انھیں یہ حق بھی نہیں ہے کہ شریف اور ذی علم افراد پر اتہام تراشی کریں۔ میں نے آپ کو جب دیکھا تھا تو حیرت زدہ ہو گیا تھا اور شاید میری حیرت کو سب نے محسوس بھی کیا ہو گا۔ میری حیرت بے بنیاد نہ تھی۔ گذشتہ رات میں نے ایک بھیانک خواب دیکھا تھا۔ میں ایک جنگل میں تھا جہاں مجھ پر ایک عجیب الخلقت خوف ناک اور بہت بڑے درندے نے حملہ کر دیا تھا اور میرے لئے

کوئی بچاؤ کا راستہ نہ تھا۔ جب مجھ پر یہ بے کسی کا عالم طاری تھا، ایک شخص نے آکر اس درندے پر نیزے سے حملہ کیا اور اس کے چند واروں ہی کے نتیجے میں وہ درندہ چیختا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ درندے سے مجھے بچانے والے آپ تھے مگر اس نے آپ جیسا ہی لباس پہن رکھا تھا۔ آپ کو دیکھ کر مجھے اپنے خواب کی تعبیر مل گئی ہے آپ ضرور میرے لئے اور میری حکومت کے استحکام کے لئے کوئی نمایاں کام انجام دیں گے۔"

بادشاہ نے عزت و تکریم کے ساتھ آپ کو رخصت کر دیا۔ آپ کے رفقاء کو ملاقات کا احوال معلوم ہوا تو ان کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ آپ کا بیشتر وقت نو مسلموں کی تربیت میں صرف ہوتا تھا آپ چاہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ مبلغ بنا کر چین میں مختلف مقامات پر روانہ کرتے رہیں۔

سات ہجری سے نو ہجری تک آپ جنوبی چین کے دارالحکومت چین چانگ آن میں ہی قیام پذیر رہے۔ اور بادشاہ کی اجازت سے وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ چین چانگ آن میں ایک مضبوط اور مربوط نظامِ تبلیغ قائم ہو گیا تو ہو فانگ کو اپنا نائب مقرر کر کے آپ کانتو پہنچ گئے۔ کانتو جنوبی چین کا ساحلی شہر ہے۔ کانتو میں آپ سے پہلے آپ کی شہرت پہنچ چکی تھی وہاں بھی رشد و ہدایت کے چراغ دلوں کو روشن کرنے لگے۔

کانتو کے دورانِ قیام میں آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جس میں حکم ملا: "قرآن حکیم کی تنزیل مکمل ہو چکی ہے اور ہم اب رفیقِ اعلیٰ کی طرف سفر کرنے والے ہیں۔ قرآن کا وہ حصہ جو تمہارے جانے کے بعد نازل ہوا ہے اسے بھی آ کر لے جاؤ تاکہ اہلِ چین مکمل کتابِ ہدایت سے فیض حاصل کر سکیں۔"

خواب بہت واضح تھا آپ بیدار ہوئے تو اپنے ہادیٔ برحق ؐ کے فراق میں بہت دیر تک روتے رہے آپ نے فیصلہ کر لیا کہ مدینے جائیں گے اور حضور اکرم ؐ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ آپ نے کانتو میں نظامِ تبلیغ کو مرکزیت دینے کے لئے ایک مسجد تعمیر کرائی۔ اور ہوشی کو وہاں اپنا نائب مقرر کر کے رختِ سفر باندھا۔ ہوشی ہوا نگھو سے آپ کو تلاش کرتا ہوا آگیا تھا۔ ایک

بحری جہاز میں سوار ہو کر پہلے بحر الکاہل پار کیا پھر آپ بحر ہند اور خلیج فارس کو عبور کر کے جزیرۃ العرب پہنچے۔ مدینے پہنچے تو آپ نے حضور اکرمؐ کے مزار اقدس پر حاضری دی اور اتنے روئے کہ بے ہوش ہو گئے۔ کچھ لوگوں نے آپ کو پہچان لیا تھا۔ وہ آپ کو اٹھا کر آپ کے بھائی سعد بن ابی وقاصؓ کے گھر لے گئے۔

آپ ہوش میں آئے تو کہا "کسی حافظ قرآن کو بلاؤ!"

سعد بن ابی وقاصؓ بولے "کہو کیا بات ہے؟ میں خود حافظ قرآن ہوں!"

یہ جواب سن کر آپ نے "الحمدللہ" کہا۔ پھر ان ہی سے قرآن کا وہ حصہ بھی یاد کر لیا جو آپ کے جانے کے بعد نازل ہوا تھا۔ جب تک قرآن کے حفظ کی تکمیل نہ کی آپ گھر سے نہ نکلے۔ حفظ قرآن کی تکمیل ہو گئی تو ایک رات آپ روضۂ رسول کریمؐ پر حاضری دے کر اپنے بھائی کو اطلاع دئے بغیر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ عمرہ ادا کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ سعد بن ابی وقاصؓ کو جب صبح آپ کے گھر واپس نہ آنے کی اطلاع ملی تو سمجھ گئے کہ بھائی کہاں جا سکتا ہے۔ وہ خود بھی مکہ مکرمہ کی طرف چل پڑے۔ انھوں نے بھائی کو بیت اللہ کے طواف میں مصروف دیکھا تو خود بھی طواف کعبہ کرنے لگے طواف کے بعد انھوں نے بھائی سے شکایتاً کہا۔ "اگر مجھے اطلاع دے کر آتے تو کیا میں روک لیتا؟"

آپ نے بھائی کے کرب کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "میں اپنی اس عجلت پر معذرت خواہ ہوں مگر میری عجلت میری مجبوری ہے۔ آپ خود شاہد ہیں کہ میں نے مدینے کے دوران قیام میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ مدینے میں کیسی کیسی محترم شخصیتیں موجود ہیں جن کی زیارت کے لئے میں بھی تڑپا ہوں مگر میں ان سے کبھی نہیں ملا۔ حضور اکرمؐ نے مجھے چین روانہ کیا مگر میری اور میرے ساتھیوں کی روانگی کی خبر کو عام نہیں کیا۔ اب میں یہ کیسے پسند کروں گا کہ وہ بات میرے ذریعہ عام ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ میں خاموشی سے پہنچا اور خاموشی کے ساتھ وہاں سے آ گیا میرے کاندھوں پر بڑا بوجھ ہے۔ یہاں اتنے آفتاب روشن ہیں کہ نظر خیرہ ہو جاتی ہے اور میں وہاں تنہا ہوں میں حضورؐ کا بھیجا ہوا تھا اور میں چین چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ الحمدللہ کہ چین میں اسلام مقبول ہوتا

جا رہا ہے۔ سینکڑوں چینی حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے ہیں۔ اچھا ہوا کہ آپ سے ایک ملاقات اور ہو گئی
مگر میری اس ملاقات کو بھی اسی طرح فراموش کر دیں جس طرح میری پہلی جدائی کو فراموش کیا تھا۔
اب آپ مجھے اجازت دیں، وقت کا خنجر شجرِ عمر کی شاخیں کاٹتا چلا جا رہا ہے۔ ہم پھر ایک ایسے
عالم میں ملیں گے جہاں ملنے والوں کو جدائی کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم واپس جانے کے لئے روانہ نہیں ہوئے۔ میں زادِ سفر کے لئے کچھ رقم
لیتا آیا ہوں، اسے قبول کر لو۔ اللہ کے فضل سے میری مالی حالت بہت بہتر ہے۔"

آپ نے بڑے ادب سے کہا: "مجھے ضرورت ہوتی تو آپ سے کچھ لینے میں مجھے عار نہ ہوتا۔"

سعد بن ابی وقاصؓ نے دینار سرخ کی تھیلی اپنے تھیلے میں ڈالی اور ایک گٹھڑی نکال کر کہا

"یہ رسولِ اکرمؐ کا جبۂ مبارک ہے جو مجھے عطا ہوا تھا۔ مجھ سے زیادہ تم اس کے مستحق ہو۔"

آپ نے بے تابی سے جبۂ مبارک دونوں ہاتھوں سے تھام کر سر پر رکھ لیا اور کہا "آپ
نے مجھے دولتِ کونین دے دی ہے اللہ ہی آپ کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔"

آپ تیرہ ہجری میں اپنے بھائی سے رخصت ہو کر بحرین پہنچے اور وہاں سے جہاز میں
سوار ہو کر خلیج فارس پار کر کے بحرِ ہند میں آئے اور پھر آٹھ ماہ میں مختلف بندرگاہوں پر رکتے
ہوئے کانتن پہنچے۔

آپ کی واپسی سے مسلمان بہت خوش ہوئے، کانتن اور چن چانگ کان کے اسلامی مراکز
تبلیغ کی کارگزاری کو دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ کی غیر موجودگی میں مسلمانوں نے تاکین
میں ایک مسجد اور تعمیر کر لی تھی۔ اور وہاں بھی تبلیغی کام بڑے سلیقے سے ہو رہا تھا۔

آپ نے شبانہ روز آٹھ سال تک تبلیغی دورے بھی کیے اور تبلیغ کے متعدد مراکز
کا بھی انتظام سنبھالا۔ سفر و حضر میں حفاظ آپ کے ساتھ رہتے۔ آپ نے ان مصروفیات
کے باوجود ستر چینی مسلمانوں کو حافظِ قرآن بنایا۔ اکیس ہجری میں چین میں مسلمانوں کی تعداد
چار ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

ایک دن آپ کانتن کی مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کو خیال آیا کہ چین میں احادیث نبوی کا ذخیرہ بہت کم ہے کیوں نہ مدینے سے کسی حافظ حدیث کو چین لے آؤں۔ یہ خیال آہستہ آہستہ قوی ہوتا چلا گیا۔ ایک دن آپ نے اعلان کر دیا "میں مدینے جا رہا ہوں"۔

یہ اعلان سن کر مسلمانوں نے کہا۔ کہ آپ کی صحت اچھی نہیں ہے کمزوری بہت بڑھ گئی ہے، آپ یہ سفر نہ کریں۔ مگر آپ نے سفر کی اہمیت کے پیش نظر کوئی مشورہ ترکِ سفر قبول نہیں کیا۔ ہاں آپ نے لوگوں کی یہ بات مان لی کہ ایک نوجوان کو اپنے ساتھ لے جائیں۔

چنانچہ آپ طلحہ نامی ایک نوجوان کے ساتھ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

آپ کا جہاز اٹھارہ دن میں جب چن شی کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا تو آپ نے طلحہ سے کہا۔ "جہاز سے اتر و، ہم واپس کانتن کی طرف سفر کریں گے"۔

طلحہ نے پہلے حکم کی تعمیل کی اور ساحل پر آپ کو بہ حفاظت اتار کر پوچھا۔ "واپسی کس لئے ہو رہی ہے؟"

آپ نے طلحہ کو مطمئن کرنا ضروری سمجھتے ہوئے اسے حقیقتِ حال سے آگاہ کیا۔ "رات حضور اکرمؐ نے خواب میں واپسی کا حکم دیا تھا"۔

کانتن جانے والا جہاز اسی دن مل گیا اور واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ واپسی کے سفر کا چوتھا دن تھا طلحہ صبح کی نماز کے لئے جاگا تو دیکھا کہ آپ اپنے بستر پر اضطراب کے عالم میں کروٹیں بدل رہے ہیں۔ طلحہ تیزی سے آپ کے پاس پہنچا اس نے آپ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو معلوم ہوا کہ بہت ہی شدید بخار ہے۔

ہاتھ کا لمس آپ نے اپنی پیشانی پر محسوس کیا تو آنکھیں کھول کر طلحہ سے کہا۔ "جلدی اٹھاؤ نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے"۔

طلحہ نے ہاتھ کا سہارا دے کر اٹھایا اور پھر وضو کرایا۔

آپ نے نماز کے لئے کھڑے ہو کر کہا۔ "جلد تکبیر پڑھو۔!"

طلحہ نے عجلت سے تکبیر پڑھی۔ آپ نے ارکانِ نماز میں بھی عجلت سے کام لیا۔ نماز مکمل کر کے آپ نے ایک سلام پھیرا۔ طلحہ نے پہلے سلام کی آواز سنی، مگر دوسرے سلام کی آواز دیر تک نہ آئی۔ طلحہ نے گھبرا کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ واصل بہ حق ہو چکے تھے۔ طلحہ نے آپ کو اٹھا کر بستر پر ڈالا۔ ہاتھ پیر سیدھے کیے، قبلے کی طرف رخ کیا اور آپ پر چادر ڈال کر دیر تک روتا رہا اُسے معلوم تھا کہ جہاز میں مر جانے والوں کی لاشیں جہاز کا عملہ سمندر برد کر دیتا ہے۔ اگر عرشے پر سفر کر رہے ہوتے تو اب تک جہاز کے تمام مسافروں کو بھی آپ کے انتقال کی خبر ہو چکی ہوتی۔ آپ کی صحت کے پیشِ نظر طلحہ..... نے جہاز پر علیحدہ کمرہ لیا تھا۔ جہاز پر آپ کی موت کو راز تو رکھا جا سکتا تھا مگر لاش کا چودہ دن تک رکھنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ طلحہ کا ذہن اُلجھ کر رہ گیا۔ یہ اس کی ذمے داری تھی کہ چین کے ہزاروں فرزندانِ توحید کو ان کی امانت لوٹاتا، تمام دن وہ سوچ میں گم رہا۔ رات کو اس کی آنکھ جھپکی تو خواب میں آپ نے فرمایا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ میری لاش کو محفوظ رکھے گا۔"

طلحہ خواب دیکھنے کے بعد مطمئن ہو گیا اور پھر کسی کو بھی آپ کے وصال کی اطلاع نہ ہو سکی۔ جہاز کانتن کی بندرگاہ پر پہنچ گیا تو طلحہ نے لوگوں کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ ساحل پر بھی کئی مسلمان موجود تھے۔ انھیں اطلاع ملی تو کچھ جہاز کی طرف اور کچھ مسجد کی طرف دوڑ پڑے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہجوم ہو گیا۔ لوگ آپ کے جسدِ اطہر کو تبلیغی مرکز میں لے گئے جہاں غسل دیا گیا۔ نمازِ جنازہ ادا کر کے آپ کو کانتن کی مسجد کے قریب سپردِ خاک کیا گیا۔ چین میں ساڑھے چار ہزار تابعین کا محترم گروہ چھوڑ کر آپ نے چین میں تبلیغِ اسلام کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کر دی تھی۔

کانتن کی جامع مسجد جو آپ نے تعمیر کروائی تھی۔ اس کا نام آپ ہی نے "وائی شین زی" (جامع الذکریٰ للنبیؐ) تجویز کیا تھا اور یہ جامع مسجد آج بھی اسی نام سے چین میں شہرت رکھتی ہے لیکن جامع مسجد پر جو کتبہ تعمیر ہے اس پر سعید وقاصؓ کے بدلے سعد وقاصؓ کا نام لکھا ہے غلطی بعد میں ہوتی ہے۔

جرائم اور خوش فہمیاں

سلطانہ [illegible]

دہلی میں یوں تو چھوٹے بڑے ہر قسم کے جرائم ہوتے رہتے ہیں۔ جیب کاٹنے کی وارداتوں سے لیکر لیسوں کو اور لڑکوں کو لیکر بھاگ جانے تک کے واقعات یہاں آئے دن کا معمول ہے رہزنی، ڈاکہ زنی اور بینکوں کو لوٹنے کی۔ واردا تیں بھی آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ اور یہ بھی عام بات ہے کہ کسی معمولی سی بات پر جھگڑا ہوا اور وہ بڑھ گیا۔ اور دونوں فریق میں سے کسی نے چاقو نکالا اور سامنے والے کا کام تمام کر دیا لیکن مسٹر کھلنانی اور مسز کھلنانی کا قتل ایک ایسا واقعہ تھا جس کا عقدہ کھل نہیں رہا تھا۔

دہلی کے پنجابی باغ علاقے میں خوشحالی کی زندگی بسر کرنے والے مسٹر کھلنانی ہندوستان کے سفیر کی حیثیت سے باہر ممالک میں خدمات انجام دے چکے تھے۔ اور آج کل وہ سپریم کورٹ کے وکیل کی حیثیت سے پریکٹس کر رہے تھے گھر میں رہنے والے یہ صرف دو ہی فرد تھے۔ ان کا لڑکا ہندوستان سے باہر اپنی سروس پر تھا۔

اچانک ایک روز صبح کے دس بجے پتہ چلا کہ مسٹر اور مسز کھلنانی قتل ہوئے پڑے ہیں۔ اور ان کے دو ملازم مکان کے باورچی خانے میں رسیوں سے بندھے ہوئے ہیں۔ الماری اور سیف وغیرہ سب محفوظ اور بند تھے اور تالے لگے ہوئے تھے اور کسی قسم کا مالی نقصان بھی نہیں ہوا تھا۔ ملازموں نے بتایا کہ رات کے وقت کچھ لوگ جن کے چہروں پر کپڑا بندھا ہوا تھا وہ آئے اور ہتھیار دکھا کر ہمیں غسل خانے

میں بند کر دیا۔ اور بعد میں ہم دونوں کو باندھ دیا۔ اور کہا کہ اگر ذرا بھی آواز نکالی تو گولی مار دیں گے۔ پھر وہ لوگ اندر گئے۔ اور ہم نے کھلنانی صاحب اور ان کی وائف کی چیخوں کی آوازیں سنیں۔ پولیس کو تفتیش کے دوران شک ہوا کیونکہ ملازموں کو الگ الگ لے جا کر بیان لیا گیا تو ان کے بیانات مختلف پائے گئے۔ اور بالآخر دونوں نے قبول کر لیا کہ قتل خود ہم لوگوں نے ہی کیا ہے۔

بیان کردہ واقعے کے مطابق ہوا یہ کہ مسٹر کھلنانی کا ایک ملازم نیپال کی طرف کا رہنے والا تھا۔ اس نے اپنے مالکان سے ملازمت چھوڑ کر اپنے وطن واپس جانے کی بات کہی۔ اور کھلنانی صاحب نے دوسرے ملازم کا انتظام کر کے اس کا حساب کر دیا۔ مگر وہ ملازم وطن واپس جانے کے بجائے دہلی میں ہی رُک رہا اور دوسرے ملازم سے مل کر اس نے دونوں میاں بیوی کو قتل کر کے ان کا مال و اسباب لوٹنے کا منصوبہ بنایا۔ اور طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک روز دونوں ملازم پہنچ گئے۔

دروازہ کھٹکھٹایا تو مسز کھلنانی دروازے پر آئیں۔ ان دونوں میں سے ایک نے ان کو پکڑ لیا۔ اور دوسرے نے چاقو کے وار کئے۔ چیخوں کی آواز سن کر کھلنانی صاحب بھی اُٹھ کر آ گئے۔ اور یہی حربہ ان کے ساتھ بھی استعمال کیا گیا اور دونوں میاں بیوی اسی وقت مر گئے۔ ملازمین کو اندازہ تھا کہ دونوں میاں بیوی بہت خوشحال لوگوں میں سے ہیں۔ مال کافی ہاتھ لگے گا۔ یہ سوچ کر انھوں نے سیف اور الماریوں اور تجوری کی چابی تلاش کرنی شروع کی۔ مگر چابی ان کو نہیں ملی۔ سارا کمرہ چھان مارا۔ مگر چابی نہیں ملی۔ اب وہ بڑے پریشان ہوئے۔ اس لئے کہ چابی نہ ملنے کی صورت میں ان کے پاس سیف کھولنے اور توڑنے کا دوسرا سامان موجود نہیں تھا۔ پھر بھی کوشش کرنے پر صرف ایک الماری وہ کھول سکے مگر اس میں نہ زیورات تھے۔ نہ نقدی تھی۔ معمولی سامان اور کاغذات وغیرہ تھے۔ تجوری بھی نہیں کھل سکی اور اسی کوشش میں صبح کی روشنی دکھائی دینے لگی۔ اب

انھوں نے سوچا کہ تحقیق ہونے پر وہ ملازموں
پر شبہ جا سکتا ہے۔ اس لئے یہ طے کیا
گیا کہ دونوں اپنے آپ کو رسیوں سے باندھ
کر ڈال لیں۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ قاتل ملازموں
کو باندھ کر بے بس کر گئے۔ اور اندر جا کر
انھوں نے قتل کا ارتکاب کیا۔ یہ منصوبہ بنا کر
اور اس پر عمل کر کے دونوں مجرموں نے اپنے
دانست میں یہ اطمینان کر لیا کہ ہم اب
محفوظ ہو گئے۔ اور قاتل ہونے کا شبہ بھی
اب ہم پر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ؎
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا
بات ظاہر ہو گئی۔ راز فاش ہو گیا اور
منصوبہ ناکام ہو گیا۔ دونوں گرفتار کرلئے
گئے۔ اور قتل کا مقدمہ قائم ہو گیا۔

اس واقعے میں عبرت کا پہلو یہ ہے
کہ آدمی اتنا چالاک اور ہوشیار ہونے کے
باوجود شتر مرغ والی پالیسی پر عمل کرتا ہے
وہ جرم کرتا ہے۔ بداعمالیاں کرتا ہے اور
اپنی روش کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا۔ مگر
چاہتا ہے کہ جرائم کے انجام بد سے بچا رہے
اس کے لئے وہ مزید جرائم کرتا ہے۔ اور
پردہ پوشی کے لئے منصوبے بناتا ہے اور
دوسروں کو دھوکہ دینے والا خود بھی اسی
فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اپنی چالاکی
اور ہوشیاری سے میں انجام بد سے بچ
گیا ہوں۔

حالانکہ ہر آدمی کے لئے ایک یوم حساب
آنے والا ہے جس میں ہر شخص کو اپنے کئے
دھرے کا، ذرّے ذرّے کا، آنے پائی
کا حساب دینا پڑے گا۔ کوئی چھوٹا بڑا
کام ایسا نہ ہوگا جو اس روز سامنے نہ آجائے
ایک مکمل اور مرتب ریکارڈ ہوگا جو ہر آدمی
کا تیار شدہ اس کے گلے کا ہار ہوگا۔ اور
لوگوں کے ہاتھوں میں بھی تھما دیا جائے گا
نیکی بدی کا احساس ہر شخص کی فطرت میں
موجود ہے اور ہر آدمی اس بات کو جانتا
ہے کہ نیکی کا انجام اچھا اور برائی کا نتیجہ
آخر کار برا نکل کر رہتا ہے۔ مگر ہر شخص کی
روش یہ ہے کہ آدمی سستی، لاپرواہی، اور
غیر ذمہ داری کی زندگی ترک کرنے کو تیار نہیں
ہے۔ گناہوں سے آلودہ روش کو چھوڑنے
پر بھی تیار نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود

ہر شخص مطمئن ہے اور اپنے انجامِ بد کا اسے
خوف نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص
کسی نہ کسی طرح خود فریبی میں مبتلا ہے اور
اس نے اپنے آپ میں کوئی نہ کوئی منصوبہ
سوچ رکھا ہے اور کوئی نہ کوئی ایسا تحفظ
اس کی نظر میں ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے
انجامِ بد سے بچ جائیگا۔ ملحد اور دہریے
مطمئن ہیں کہ جب ہم خدا کو مانتے ہی نہیں تو
اب ہم کیوں خدائی ہدایت کی پیروی کریں۔
لہٰذا اپنی روش میں اب ہم آزاد ہیں کہ جو چاہیں
کریں اور جہاں چاہیں ہاتھ ماریں۔

مشرکین مطمئن ہیں کہ خدائی طاقت
ایک جگہ تو ہے نہیں۔ بہت سے وزرا اور
بہت سے آستانے اور ٹھکانے ہیں
کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کی خوشامد اور چاپلوسی
سے کام چل ہی جائے گا۔

خود اہلِ ایمان میں کسی نے کسی بزرگ
کا دامن پکڑ رکھا ہے۔ کسی نے اپنا نسب ایسے
سلسلے سے جوڑ رکھا ہے کہ ان کے ساتھ
میں تو بخشش ہو ہی جائے گی۔ کسی نے
کسی مرحوم صاحبِ مزار سے ناطہ جوڑ لیا ہے
اور اسی کا دام گرفتہ ہے اور مطمئن ہے کہ ان
سے انتساب کی بنا پر میرا تو کام گویا بنا بنایا ہے
یہ اور اسی طرح کی سیکڑوں خوش
فہمیاں ہیں جن کے تانے بانے میں آدمی مطمئن
اور مسرور زندگی گزارتا ہے اور سمجھتا ہے کہ
میرے اوپر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ جیسے
کھلنانی صاحب کے قاتلوں نے سمجھ لیا تھا کہ
ہم تو اپنی عقلمندی اور اپنے چالاک منصوبے
کے ذریعے اب محفوظ ہو گئے۔

ہر شخص اپنی دانست میں کس قدر خوش
فہم واقع ہوا ہے اس کا اندازہ آپ اس سے
کیجئے کہ جنت کا تذکرہ ہوتا ہے تو آدمی گویا
یہ طے شدہ سمجھتا ہے کہ نعمتوں کا یہ گھر تو میرے
لئے ہے۔ اور جہنم کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اور
وہاں کی سختیوں اور عذابِ الیم کا بیان ہوتا ہے
تو آدمی سمجھتا ہے کہ میرا اس جگہ سے کیا واسطہ
یہ بُرا ٹھکانا تو دوسروں کے لئے ہے۔ ہر
شخص قریب قریب اسی خوش فہمی میں مبتلا
آپ کو نظر آئیگا۔ اگر یقین نہ ہو تو آپ کسی
شخص سے پوچھ کر دیکھئے کہ حضرت جنت
کا ذکر آپ نے سنا ہے بہت اچھا ٹھکانا ہے

خدا کی رضا کا گھر ہے۔ نعمتوں سے بھرا ہوا
ہو سکتا ہے اس میں آپ کو داخلہ نہ مل سکے
اور جہنم جس کی ہولناکیوں سے آپ واقف
ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اعمالِ بد کی وجہ سے
آپ کو اس میں ڈال دیا جائے۔ تو یقین
مانئے وہ نہ صرف بُرا مان جائے گا، بلکہ
ہو سکتا ہے آپ سے لڑ پڑے۔ کیونکہ
اس طرح اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچ
جائے گی جس اعتماد کے سہارے وہ
گناہوں سے بھری زندگی گزار رہا ہے
اور مطمئن بھی ہے۔

اللہ کے رسول کا سب سے اہم
کام یہی ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کو خوش
فہمیوں اور خود فریبیوں سے نکال کر حقائق
کی روشنی میں لائیں۔ وہ ان کے مستقبل کو
محفوظ اور تابناک بنانے کے لئے ان کو
وہم و گمان کے اندھیروں سے نکالیں تاکہ
آدمی چوکنا ہو جائے اور باپرواہ ہو جائے
اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرے۔ اور اپنی
روش کو حقیقتِ واقعہ کے مطابق بنائے
تاکہ بُرے انجام سے بچ جائے۔ نہ یہ کہ
آدمی ساری عمر غلط فہمی کا شکار رہے۔
ساری عمر اپنے لئے جال بھی بنتا رہے اور
اپنے آپ کو اس سے آزاد بھی سمجھتا رہے
اور ایک روز کھلنا فی صاحب کے قاتلوں
کی طرح جال میں پھنس جائے۔

اللہ اور اس کے رسول کا انسانیت
کے اوپر یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ اس
نے کل آنے والے ہمارے اچھے بُرے
انجام کو آج ہی ہمارے سامنے کھول کر
رکھ دیا ہے تاکہ جو بُرے انجام سے بچنا
چاہے بچ جائے۔"

دنیا کو اسلامی انصاف کی ضرورت ہے

امریکی جریدے "نیوزویک" کے تازہ شمارے میں سعودی عرب میں مقیم ایک امریکی شہری کا خط شائع ہوا ہے جس میں سعودی عرب میں عملاً کوئی سنگین جرم نہ ہونے کو وہاں نافذ شدہ قوانین اور سزا و جزا کے بلاتاخیر اہتمام کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ اس مراسلہ نگار نے اعتراف حقیقت کے طور پر یہ لکھا ہے کہ یہاں مقیم امریکی بھی سعودی عدل اور اس کے تحت امن و اماں کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ اس کے برعکس امریکہ میں شہری حقوق اور آزادیوں کی یونینز اور اس نوعیت کے دیگر ادارے انصاف اور قانون کا مذاق اڑاتے نظر آتے ہیں کیونکہ اس کی بدولت قاتل بھی معاشرے میں واپس آجاتے ہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور جرم کے مرتکب ہو کر پھر جیل میں نہیں چلے جاتے۔

امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں میں اسلامی نظام عدل اور سنگین جرائم پر سخت سزاؤں کے اہتمام کا اکثر مذاق اڑایا جاتا ہے، بلکہ ان کا ذکر بھی وحشیانہ اور غیر انسانی سزاؤں کے طور پر کیا جاتا ہے لیکن مغربی قانون اور نظام انصاف نے جرائم کی حوصلہ افزائی میں جو بالواسطہ حصہ لیا ہے اس کا اندازہ بھی ان ملکوں میں جرائم کی واردات میں اضافے کے رجحان سے ہوتا ہے۔ چنانچہ مایوس اور پریشان ہو کر وہاں کے بعض شہری، خصوصاً خواتین، یہ کہنے اور لکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں میں بھی سعودی عرب کی طرح سادہ قوانین اور جلد انصاف کا اہتمام ہونا چاہیے۔ مغرب میں ایسے اصحاب سعودی عرب میں جس امن و عافیت کو سعودی عدل کا

[illegible] اسلامی انصاف کے اہتمام کی برکت سے ہے۔ مسلم ملکوں میں بھی یہ بد قسمتی رہی ہے کہ مغرب سے مرعوبیت کے تحت انھوں نے بھی نظامِ حکومت کو انتظامیہ کے ساتھ اپنے اچھے بلکہ بہترین نظامِ عدل کے بجائے مغربی قانون و انصاف کو ہی معلم عدل بنالیا ہے جس نے پیچیدگی اور تاخیر کا سلسلہ بڑھانے کے ساتھ کئی گنی اور مشکلات اور قباحتیں بھی پیدا کردی ہیں۔ پولیس کی تفتیش، عدالتوں کی سماعت اور پھر اپیلوں کے اہتمام میں اتنا وقت (قتل اور ڈکیتی جیسے سنگین معاملات میں بھی دس بارہ برس تک) لگ جاتا ہے کہ مظلوم کی حق رسی اور ظالم کے کیفر کردار تک پہونچنے کا بنیادی مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف پاکستان ہی نہیں، سوڈان، مصر وغیرہ میں بھی اسلامی قانون اور نظامِ عدل کی بحالی و نفاذ کی خواہش بڑھتی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں "آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا" کے فکر و نظر نے اس منزل کو بلاشبہ کٹھن بنا رکھا ہے لیکن قانون و نظام کی بدولت حقیقی امن و اماں اور اطمینان

اور احساسِ [illegible] کا خواب اسی وقت شرمندۂ تعبیر ہوگا اور عام طلب پوری ہوگی جب کسی ذہنی تحفظ کے بغیر اور انشراحِ صدر سے اسلامی ملکوں میں اسلامی قانون اور نظامِ عدل کا اہتمام کیا جائے گا اور مغرب سے مرعوبیت اور اس کے بیجا طعن و الزام سے بے نیاز ہو کر خدا کی سرزمین میں خدا کے قانون کا نفاذ اور اہتمام کیا جائیگا۔ (ندائے وقت کراچی)

حکایاتِ شیخ الحدیث

حضرت اقدس مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

حکایت ۳۶

ایک عورت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میری لڑکی انتقال ہو گیا ہے میری یہ تمنا ہے کہ میں اس کو خواب میں دیکھوں حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا عشاء کی نماز پڑھ کر چار رکعت نفل نماز پڑھ اور ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ پڑھ اور اس کے بعد لیٹ جا اور سونے تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتی رہ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس نے لڑکی کو خواب میں دیکھا کہ سخت عذاب میں ہے۔ تارکول کا لباس اس پر ہے۔ دونوں ہاتھ اس کے جکڑے ہوئے ہیں اور اس کے پاؤں آگ کی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں۔ میں صبح کو اٹھ کر پھر حضرت حسن بصریؒ کے پاس گئی۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس کی طرف سے صدقہ کر۔ شاید اللہ جل شانہ اس کی وجہ سے تیری لڑکی کو معاف فرما دے۔ اگلے دن حضرت حسن بصریؒ نے خواب میں دیکھا کہ جنت کا ایک باغ ہے اور اس میں ایک بہت اونچا تخت ہے اور اس پر ایک بہت نہایت حسین جمیل خوبصورت

جدائی سی ہوتی ہے۔ اس کے سر پر ایک فرشتہ کا ہاتھ ہے۔ وہ کہنے لگی حسن تم نے مجھے پہچانا نہیں۔
کہا کہ نہیں میں نے نہیں پہچانا۔ کہنے لگی کہ میں وہی لڑکی ہوں جس کی ماں کو تم نے درود شریف پڑھنے
کا حکم دیا تھا (یعنی عشاء کے بعد سونے تک) حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ تیری ماں نے تو تیرا حال
اس کے بالکل برعکس بتایا تھا جو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ میری حالت وہی تھی جو ماں نے
بیان کی تھی۔ میں نے پوچھا پھر یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوگیا۔ اس نے کہا کہ ہم ستر ہزار آدمی اس عذاب
میں مبتلا تھے جو میری ماں نے آپ سے بیان کیا۔ صلحاء میں سے ایک بزرگ کا گذر ہمارے قبرستان
پر ہوا۔ انھوں نے ایک دفعہ درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب ہم سب کو پہونچا دیا۔ ان کا درود
اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسا قبول ہوا کہ اس کی برکت سے ہم سب اس عذاب سے آزاد کر دیئے
گئے اور ان بزرگ کی برکت سے یہ رتبہ نصیب ہوا۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکایت اپنی کتاب "تبلیغی نصاب"
ماحصۂ اور صلہ! پر درود شریف کے فضائل میں رکھی ہے۔ جہاں تک درود شریف کے فضائل
بارے میں قرآن و حدیث سے اخذ کر کے حضرت شیخؒ نے لکھا ہے، وہ ایمان بڑھانے والا اور
اد آخرت میں کام آنے والا ہے لیکن درود شریف کے فضائل کے سلسلے میں کہی سُنی حکایتوں کو
ما کرنے میں حضرت شیخؒ نے احتیاط سے کام نہیں لیا اور نہ یہی سوچا کہ سمجھنے اور سمجھانے والے پر
ہا کا کیا اثر پڑے گا؟

قبل اس کے کہ میں یہ عرض کروں کہ ایسی حکایتوں سے عام لوگوں کا ذہن کیسا بن سکتا ہے
طرح کی سُنی ہوئی ایک حکایت میں بھی سُنا دوں جو حضرت شیخؒ کی کہی ہوئی حکایت کا تکملہ بھی ہو
تی ہے اور اعلیٰ درجے کا کلائمکس بھی۔ میں نے اپنے بچپن میں جلسۂ میلاد شریف کے اندر ایک
سے سُنا۔ اس نے میلاد شریف کے بیانات پڑھتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھا کہ
محفلِ میلاد شریف میں کس کس نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا۔ فرشتوں نے مسلمانوں کے

ناموں کی فہرست پیش کی۔ پھر عرض کیا کہ اے رب! اِس محفل میں کچھ غیر مسلم بھی موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے درود شریف کی برکت اور محفل میلاد شریف کی شرکت کے طفیل میں اِن کافروں کو بھی بخش دیا۔

حکایت ۲۵ بیان کرتے وقت حضرت شیخؒ نے بریکٹ میں 'بدیع' کا حوالہ دیا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ جیسے تابعی نے یہ حکایت روایت کی ہو یہ بھی بدیعی ہی بات ہو سکتی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ کسی قصہ گو نے گھڑ کر اُن سے منسوب کر دی ہے تاکہ یہ حکایت محفلِ میلاد میں گرمیٔ محفل کا کام دے۔

اب سوچیے، حضرت حسن بصریؒ سے منسوب حکایت اور حضرت شیخؒ نے اُسے انتخاب فرما کر تبلیغی نصاب میں درج کیا تو اس کا اثر عوام پر کیا پڑ سکتا ہے؟ مسجد میں یہ حکایت سُن کر ایک صاحب نے فرمایا کہ جنت حاصل کرنے کا بہت ہی آسان نسخہ ہے۔ ایک بار درود شریف پڑھ لو، سارے گناہ معاف۔ نہ پڑھو تو کوئی اَور پڑھ کر اُس کا ثواب بخش دے تو بھی جنت اپنی ہے۔ ایک صاحب نے ایک شخص کو نصیحت کی کہ اے بھائی! یہ سود خوری اَور یہ جُوا اَور کوٹھوں پر جانا چھوڑ دو، اللہ سے ڈرو اَور نماز پڑھو، روزہ رکھو تو اُس شخص نے جواب دیا کہ حضرت! یہ محنت شاقہ برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے ایک مُلّا سے طے کر لیا ہے۔ وہ ہر جمعرات کو آکر ایک سو ایک بار درود شریف پڑھتا ہے اور اُس کا ثواب میرے کھاتے میں لکھوا دیتا ہے۔ میں اُسے دو روپیہ دیتا ہوں۔ جب دو روپیہ میں جنت ملے تو کون کھکیڑ میں پڑے۔

اِس کے برخلاف قرآن کہتا ہے کہ جنت مکروہات سے گھری ہوئی ہے۔ ان مکروہات کو روند کر ہی جنت تک جایا جا سکتا ہے۔ قرآن سے واضح ہے کہ اے لوگو! کافر اَور مومن یکساں نہیں ہو سکتے۔ کافر ہزار بار زبان سے کلمہ پڑھے، درود شریف کا ورد کرے یا محفلِ میلاد میں شریک ہو، ہرگز نہ بخشا جائیگا۔ قرآن اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت کا ذکر ایک ساتھ کرتا ہے۔ ایمان کو عمل کے بغیر اَور عمل کو ایمان کے بغیر مستند نہیں ٹھیراتا۔ قرآن پکارتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ

مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ (البقرة ۲۱۴)

تم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ جنت کا داخلہ یوں ہی مل جائے گا حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔

اب سوچیئے، قرآن تو بخشش کے بارے میں اس طرح کہتا ہے۔ اس کے برعکس یہ حکایت یہ تاثر دیتی ہے کہ غم نہ کرو۔ اپنی زندگی میں ایک بار بھولے سے ہی درود پڑھ لو پھر جنت تمہاری ہے۔ اور اگر ایسا بھی نہ ہو تو بھی پروا نہیں۔ کوئی نہ کوئی قبرستان کی طرف نکلے گا ہی۔ وہ درود شریف کا ثواب مُردوں کو بخش دے گا۔ پھر تم ستر ہزار گناہگاروں میں سے ہی کیوں نہ ہو، جنت کے مزے لوٹو گے۔

جن طالب علموں نے حضرت اقدس شیخ الحدیثؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرکے حدیث کا دورہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حدیث پڑھاتے وقت حضرت شیخ حدیثوں پر کیسی کڑی نظر رکھا کرتے تھے۔ حدیث مرفوع، حدیث حسن، منقطع، غیر منقطع، متواتر، مرسل، غریب، حدیث موقوف، مقطوع، متصل، مفصّل، حدیث معلق، حدیث صحیح، ضعیف، سند، متن، حدیث مشہور، حدیث عزیز، حدیث منکر پر بحث کرکے تحقیق کا حق ادا فرما دیتے تھے۔ طلبہ کے ایک ایک شک کو دور فرما دیتے تھے۔ وہی حضرت شیخ الحدیث جب کہی سنی حکایتیں نقل فرماتے ہیں تو ذرا بھی احتیاط سے کام نہیں لیتے۔ اگر کوئی دوسرا اس طرح لکھتا تو کہا جاتا کہ یہ کوئی دینی خدمت نہیں بلکہ

درود شریف کے ساتھ مذاق کیا گیا ہے

اللہ تعالیٰ ایسی حکایتوں کے برے اثرات سے عام مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین!!

بوٹا سنگھ

تقسیم کے بعد جو دردناک داستانیں سننے میں آئیں۔ ان میں بوٹا سنگھ کی روداد ناقابلِ فراموش ہے۔

بوٹا سنگھ نے زینب کو پندرہ سو روپے میں خرید کر اس کی جان بچائی تھی۔ اس کے بعد اس نے سکھوں کے رسم و رواج کے مطابق باقاعدہ اس سے شادی کر کے اپنی بیاہتا بیوی بنا کر رکھا تھا۔ شادی کے گیارہ مہینے کے بعد زینب ایک لڑکی کی ماں بنی۔ بوٹا سنگھ نے اس کا نام تنویر رکھا۔

چند سالوں کے بعد بوٹا سنگھ کے ان رشتہ داروں نے ان افسروں کو اطلاع دے دی جو فسادات کے زمانے میں اغوا کی ہوئی لڑکیوں اور عورتوں کی تلاش میں تھے۔ وجہ یہ تھی کہ بوٹا سنگھ کے شادی کرنے سے وہ اس کی جائداد کے وارث بننے سے محروم ہو گئے تھے۔

زینب کو بوٹا سنگھ سے چھین لیا گیا اور پاکستان میں اس کے رشتہ داروں کی تلاش شروع ہوئی۔ عارضی طور پر زینب کو ایک کیمپ میں رکھا گیا۔

بوٹا سنگھ کی دنیا اجڑ گئی۔ وہ فوراً دہلی چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے وہ کام کیا جو کسی سکھ کے لئے انتہائی مشکل ہو سکتا ہے۔ اس نے اپنے لمبے بال کٹوا دئے۔ جامع مسجد جا کر اسلام قبول کیا۔ اس کا نیا نام جمیل احمد رکھا گیا۔

اس تبدیلی کے بعد بوٹا سنگھ پاکستان ہائی کمیشن پہنچا اور اپنی بیوی کی واپسی کا مطالبہ کرنے لگا لیکن اس کا یہ مطالبہ نامنظور کر دیا گیا کیونکہ دونوں ملک معاہدے کی اس شرط کی

سختی سے پابندی کر رہے تھے کہ اغوا شدہ عورت خواہ کسی مذہب کے آدمی کے پاس سے برآمد ہو اور وہاں وہ خود کسی حیثیت سے رہ رہی ہو اسے فوراً کیمپ پہنچا دیا جائے اور جب اس کے خاندان کا پتہ چل جائے تو اسے لے کر وہاں چھوڑ دیا جائے۔

چھ مہینے تک بوٹا سنگھ روزانہ اپنی بیوی سے ملنے کیمپ جاتا تھا۔ آخر وہ دن آہی گیا۔ جب زینب کے رشتہ داروں کا پتہ پاکستان میں چل گیا۔ رخصت ہوتے وقت بوٹا سنگھ اور زینب ایک دوسرے سے رو رو کر ملے۔ زینب نے قسم کھائی کہ وہ اپنے شوہر اور بچی کے ساتھ رہنے کے لئے بہت جلد واپس آئے گی۔ بوٹا سنگھ نے ایک مسلمان کی حیثیت سے پاکستان ہجرت کرنے کی اجازت مانگی اس کی درخواست نامنظور کر دی گئی۔ اس نے ویزا مانگا جو اُسے نہیں ملا۔ ہار کر بوٹا سنگھ نے اپنی بچی کو ساتھ لیا جس کا نیا نام سلطانہ رکھا گیا تھا اور غیر قانونی طور پر پاکستان میں داخل ہو گیا۔ سلطانہ کو لاہور میں چھوڑ کر وہ اس گاؤں کو روانہ ہوا جہاں زینب کے خاندان نے سکونت اختیار کی تھی۔ وہاں پہنچ کر بوٹا سنگھ کے دل کو انتہائی صدمہ پہنچا۔ ہندوستان سے ٹرک میں بیٹھ کر زینب پاکستان کے اس گاؤں میں پہنچی ہی تھی کہ چند گھنٹوں کے اندر اس کی شادی ایک دور کے رشتہ دار سے کر دی گئی۔ بیچارہ بوٹا سنگھ روتا پیٹتا رہ گیا ـــــ "میری بیوی مجھے واپس کر دو۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

زینب کے بھائیوں اور رشتہ داروں نے مل کر بوٹا سنگھ کو بُری طرح مارا پیٹا اور پولیس کے حوالے کر دیا کہ یہ بغیر پاسپورٹ اور ویزا کے پاکستان میں داخل ہوا ہے۔

عدالت میں بوٹا سنگھ نے گڑگڑا کر کہا کہ وہ مسلمان ہے اور اس کی بیوی اسے واپس کر دی جائے۔ اگر اسے ایک بار بیوی سے ملنے کا موقعہ دیا جائے تو وہ خود یہ پوچھ کر تسلی کر لے گا کہ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ رہنے کے لئے ہندوستان واپس جائے گی یا وہ اپنی مرضی سے پاکستان میں رہنا چاہتی ہے۔

اس کی رقت آمیز التجا سے متاثر ہو کر عدالت نے اس کی درخواست منظور کرلی۔ اور ایک ہفتہ بعد زینب کو عدالت میں حاضر کرنے کا حکم دے دیا۔ اخباروں کے ذریعہ اس معاملے کی خبر پھیل چکی تھی۔ اور جب تاریخ معینہ پر زینب عدالت میں لائی گئی تو وہ بُری طرح سہمی ہوئی تھی۔ اپنے بہت سے رشتہ داروں کے ہجوم میں اسے جج کے سامنے حاضر ہونا پڑا۔

جج نے بوٹا سنگھ کی طرف اشارہ کیا۔ "کیا تم اسے جانتی ہو؟"

زینب نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "ہاں، یہ بوٹا سنگھ ہے میرا پہلا شوہر"

زینب نے اپنی لڑکی کو بھی پہچانا۔

"کیا تم ان لوگوں کے ساتھ ہندوستان واپس جانا چاہتی ہو؟"

زینب کا جواب سننے کے لئے عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ ایک طرف بوٹا سنگھ اور اس کی بچی کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف اس کا موجودہ شوہر اور اس کے تمام رشتہ دار اس کی طرف آنکھیں لگائے ہوئے تھے۔

زینب نے سر ہلایا اور دھیرے سے کہا "نہیں؟"

اس کے رشتہ داروں نے زینب کو سمجھا دیا تھا کہ بوٹا سنگھ سکھ ہے اور سکھ ہی رہے گا۔ اس نے اگر اسلام کے خلاف ایک لفظ نکالا تو اس کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔

زینب کی زبان سے انکار سن کر بوٹا سنگھ کے پیروں تلے زمین سرک گئی وہ جس اُمید کی کرن کی تلاش میں اپنا ملک اور مذہب چھوڑ کر یہاں تک چلا آیا تھا وہ اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ اس بُری طرح لڑکھڑایا کہ اسے عدالت کے جنگلے کا سہارا لینا پڑا۔

جب اس نے اپنے آپ کو سنبھالا تو بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر زینب کی طرف بڑھا۔

"ٹھیک ہے...... لیکن میں تم سے تمہاری بیٹی نہیں چھین سکتا۔ میں اسے تمہارے سپرد کئے جاتا ہوں۔" اس نے اپنی جیب سے سارے نوٹ نکال کر اپنی بیٹی کی جیب میں ڈال دئے۔ اس نے مارے موت کے لہجے میں کہا۔ میری زندگی میں اب کیا رہ گیا ہے۔"

جج نے زینب سے پھر پوچھا کہ کیا وہ اپنی بیٹی کی ذمہ داری قبول کرنا چاہتی ہے۔
عدالت میں موجود زینب کے رشتہ داروں نے غصہ میں سر ہلا دیا۔ وہ اپنے خاندان میں سکھ کا خون نہیں چاہتے تھے۔

زینب سہم گئی۔ اس نے اچٹتی ہوئی نگاہ اپنی بچی پر ڈالی۔ بچی کو ساتھ رکھنے کا مطلب یہ ہوتا کہ بے چاری زندگی بھر طعنے سنتی رہے۔ اسے اتنا ستایا جائیگا جس کا کوئی حساب نہ ہوگا۔ زینب کا سارا وجود سسکیوں میں ڈوبا جا رہا تھا اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں"

اب بوٹا سنگھ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہہ نکلی۔ چند لمحوں تک وہ اپنی بیوی کو دیکھتا رہا جس کی آنکھیں آنسوؤں سے نم تھیں۔ بوٹا سنگھ اس چہرے کو ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھوں میں بسا لینا چاہتا تھا۔

اس نے بڑے پیار سے اپنی بچی کو گود میں اٹھالیا اور بغیر کچھ کہے اور بغیر کسی کی طرف دیکھے وہ عدالت سے نکل گیا۔ بوٹا سنگھ کا دل ہمیشہ کے لئے ٹوٹ چکا تھا۔ وہ رات اس نے داتا گنج بخش کی درگاہ میں رونے اور دعائیں مانگنے میں گزاری۔ اس کے قریب ایک کھمبے کے پاس اس کی بچی سو رہی تھی۔

جب صبح ہوئی تو بوٹا سنگھ بچی کو بازار لے گیا۔ پچھلے دن دوپہر کو اس نے جو روپے بچی کی جیب میں بھر دئے تھے۔ ان سے اس نے بچی کے لئے نئے کپڑے خریدے اور پہنا دئے۔ سنہری کامدار جوتیاں بھی خرید کر پہنا دیں۔

ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے باپ بیٹی قریب کے ریلوے اسٹیشن کی طرف چلے۔

پلیٹ فارم کی طرف بڑھتی ہوئی گاڑی کی سیٹی دور سے سنائی دی۔

بوٹا سنگھ نے بے حد پیار سے بیٹی کو اٹھایا اور چوم لیا۔ اسے گود میں بھر کر

بوٹا سنگھ پلیٹ فارم کے کنارے کھڑا ہوگیا۔ بھاپ کے بادل اُڑاتا ہوا انجن جھپٹا چلا آرہا تھا
بچی نے محسوس کیا کہ بوٹا سنگھ کی گرفت اس پر زیادہ مضبوط ہوگئی ہے۔

بوٹا سنگھ نے بچی کے ساتھ اچانک انجن کے سامنے چھلانگ لگادی لیکن بچی سامنے
کی طرف گر گئی۔ اس نے انجن کی سیٹی اور اس کا بھیانک شور سنا جس میں اس کی اپنی چیخیں
شامل تھیں۔ اگلے لمحے وہ انجن کے نیچے پڑی تھی۔

بوٹا سنگھ فوراً مرگیا۔ لیکن قدرت نے معجزہ دکھایا۔ اس کی بچی کے بدن پر ایک
خراش تک نہیں آئی۔ اس کی خون سے لت پت لاش سے پولیس کو وہ الوداعی خط ملا جو اس
نے اپنی بیوی کے نام لکھا تھا جس نے اُسے ٹھکرا دیا تھا۔

"میری پیاری زینب"!

"تم نے بھیڑ کی آواز سنی لیکن ایسی آواز کبھی سچی نہیں ہوتی۔ اب بھی میری آخری خواہش
یہ ہے کہ تمہارے ساتھ رہوں۔ مجھے تم اپنے ہی گاؤں کے قبرستان میں دفن کرنا اور کبھی کبھی
آکر میری قبر پر پھول چڑھا دیا کرنا۔"

بوٹا سنگھ کی خودکشی نے سارے پاکستان کو ہلا دیا اس کے جنازے کو ایک اہم
واقعہ کی حیثیت حاصل ہوئی۔

نہ صرف زینب کے خاندان نے بلکہ اس کے گاؤں کے سب لوگوں نے اپنے قبرستان
میں بوٹا سنگھ کی تدفین کی اجازت نہیں دی۔ گاؤں کے مردوں نے جن کی قیادت زینب کا
دوسرا شوہر کر رہا تھا ۲۲ فروری ۱۹۵۷ء کو جنازے کو گاؤں کے باہر روک دیا۔

بوٹا سنگھ کی المناک قربانی سے متاثر ہوکر ہزاروں مسلمان اس کے جنازے کے
ساتھ گاؤں میں آئے تھے۔ افسروں نے ہدایت کی کہ وہ جھگڑا فساد کرنے کے بجائے بوٹا
سنگھ کو لاہور میں دفن کریں۔

لاہور میں اس کی قبر پر لوگوں نے اتنے پھول چڑھائے کہ پھولوں کے پہاڑ بن گئے۔

بوٹا سنگھ کو اتنی زیادہ عزت ملنا زینب کے خاندان والوں کو گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے ایک گروہ لاہور بھیجا جس نے بوٹا سنگھ کی قبر کو نہ صرف توڑا پھوڑا بلکہ اُسے ناپاک بھی کر دیا۔ اِس وحشیانہ حرکت سے سارے لاہور کے لوگ سنّاٹے میں آگئے۔ لاہور والوں نے بوٹا سنگھ کو دوبارہ دفن کیا اور اس کی قبر کو ایک بار اور پھولوں کے پہاڑ سے ڈھک دیا۔ اس بار سیکڑوں مسلمان اُس کی قبر کی حفاظت کے لئے تعینات ہو گئے۔

بوٹا سنگھ کی بیٹی سُلطانہ کو لاہور کے ایک خاندان نے منھ بولی بیٹی بنا کر پالا۔ اب وہ اپنے انجینیر شوہر اور تین بچّوں کے ساتھ لیبیا میں رہتی ہے۔

(ماخوذ از کتاب "آدھی رات کی آزادی")

سید محمد حسن

تنظیم آزادیٔ فلسطین کی ایک کوہ بہری کہانی

کفّارہ

اُس نے گھر کے در و دیوار پر الوداعی نگاہ ڈالی۔ یہی گھر جو اس کے لئے ایک مضبوط پناہ گاہ تھا، آج ریت کی دیوار ثابت ہوا تھا۔ کیسی کیسی مصیبتیں ٹوٹیں کتنے ایسے ماضی ہو گئے اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ یہ بستی اور یہ گھر کبھی چھوڑ کر نہیں جائے گی، مگر آج وہ اپنا عہد توڑ رہی تھی۔

وہ دن اسے اچھی طرح یاد تھا جب پہلی مرتبہ اسرائیلی درندوں نے اس بستی پر حملہ کیا تھا۔ چاروں طرف دھماکے گونج رہے تھے۔ گولیاں برس رہی تھیں۔ ہر سمت موت دھواں بن کر رقص کر رہی تھی۔ وہ بستی کی دوسری عورتوں کے ساتھ اپنے بچوں کو سمیٹے ایک محفوظ مقام پناہ گزیں رہی۔ شام ڈھلے جب درندگی دم توڑ گئی۔ دھماکے گولیاں اور دھویں کے بادل اپنی اپنی بھینٹ لے کر خاموش ہوئے تو لوگوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کا سامان کیا پھر لاشیں جمع کرتے رہے۔ انہی میں اسے اپنے دو بھائیوں اور شوہر کی لاشیں بھی ملی تھیں۔ یہ درد مشترک تھا۔ پوری بستی ہی رنج والم اور آہ و بکا میں ڈوبی ہوئی تھی۔ خاموشی سے شہدا کی تدفین عمل میں آئی تھی۔

اس کے لئے اصل مسئلہ اپنے تین بیٹوں کی پرورش تھا اور بڑے صبر و عزم کے ساتھ اس نے یہ فرض نبھانے کا آغاز کیا تھا شوہر کی شہادت اگرچہ اس کے لئے بڑا ہی المناک تجربہ تھا مگر وہ اس سے پہلے بھی ایسے کئی مواقع پر برداشت اور حوصلے کا مظاہرہ کر چکی تھی۔

اس کا باپ اور ایک بھائی صیہونیوں کے خلاف لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کر چکے تھے پھر اس کی ماں، تین بہنیں اور ایک بھائی صیہونی گولہ باری کے نتیجے میں ہلاک ہو گئے تھے۔ اور پھر اب اس کے دو بھائی اور شوہر بھی نشانۂ ستم بن گئے۔

لوگوں نے اسے بہت سمجھایا کہ اب اس بستی میں رہنا بہت خطرناک ہے۔ نہتے اور مجر امن شہری کب تک جدید اسلحے سے لیس اور انسانیت سے عاری صیہونیت کا مقابلہ کر سکیں گے لہٰذا دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح اسے بھی یہ بستی چھوڑ دینی چاہئے۔ پیچھے بہت سے کیمپ قائم ہو چکے ہیں۔ وہ کسی ایک میں چلی جاتے۔ مگر ساری دلیلیں اور مصلحتیں اس کے آہنی عزم سے ٹکرا کر رہ گئیں۔ اس نے عہد کیا کہ جب تک اس کا وطن اس کا فلسطین دشمنوں کے ناپاک قدموں سے آزاد نہیں ہو جاتا۔ وہ یہیں رہے گی۔ اسی بستی میں رہ کر اپنے بچوں کی تربیت کرے گی اور انہیں اس قابل بنائے گی کہ وہ اپنے ہم وطنوں کے شانہ بشانہ اسرائیلیوں کے دانت کھٹے کر سکیں یہیں رہ کر اپنے بچوں کو بستی میں جا بجا پھیلے ہوئے صیہونی ظلم و ستم اور درندگی کے اشتہار دکھائے گی اور انہیں اپنے شوہر، والدین اور بھائی بہنوں کی قبریں دکھا کر غیرت دلائے گی کہ وہ ان کا انتقام لے سکیں۔

بالآخر وہ گھڑی بھی آن پہنچی جس کا اُسے بڑی بے صبری سے انتظار تھا۔ اس نے فرطِ مسرت سے اپنے تینوں بیٹوں کی پیشانیوں پر ممتا کے بوسوں کی مہریں ثبت کیں، اور پیار بھری نصیحتوں کے ساتھ انہیں محاذ کی طرف روانہ کیا۔

لوگوں نے ایک بار پھر اسے ہجرت کے لئے مجبور کرنا چاہا۔ یوں بھی بستی میں بہت کم لوگ رہ گئے تھے۔ لوگوں نے سمجھانا چاہا کہ ایک تو وہ اکیلی رہ گئی ہے۔ بیٹے سب محاذ پر جا چکے ہیں پھر اب اس کی عمر بھی ایسی نہیں رہ گئی کہ متوقع حملے کے وقت بھاگ دوڑ میں اس کا ساتھ دے سکے۔ وہ یہ ساری باتیں بڑے اطمینان سے سنتی رہتی اور جواب میں بس ہولے سے مسکرا دیتی۔ بڑی شاندار اور پُرعزم مسکراہٹ اس کے چہرے پر نور بن کر پھیل جاتی وہ سوچتی کہ

اب اسی بستی اور اسی گھر میں رہ کر وہ خوش خبری سنے گی۔ آزادیٔ فلسطین اور بیت المقدس واپس ملنے کی خوشخبری۔

اسی گھر میں رہتے ہوئے اس نے اپنے دو بیٹوں کی شہادت کی خبر سنی۔ ان کی لاشیں محاذ ہی پر دفنا دی گئی تھیں لوگ جب اسے تسلی دلاسہ دینے آئے تو اس کے حوصلے اور جواں عزم کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ اس نے انھیں مخاطب کر کے کہا تھا کہ یہ تو خوشی کا مقام ہے کہ اس کے دو سپوت آزادی کی راہ میں لڑتے ہوئے کام آئے۔ اس سے بھی زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ ابھی ایک بیٹا باقی ہے جو اس کی طرف سے وطن کا حق ادا کرتا رہے گا۔

حقیقت بھی یہ تھی کہ اب اس کی تمام اُمیدوں کا مرکز اس کا واحد اور آخری بیٹا تھا۔ وہ بھی اسے اکثر و بیشتر خطوط لکھتا رہتا۔ ہر خط میں اپنی پوری کارگزاری اور محاذ کی عمومی کیفیت سے آگاہ کرتا۔ ان خطوط سے اسے یہ تو پتہ نہیں چلتا تھا کہ اس کا بیٹا کس مقام اور کس محاذ پر ہے، مگر اتنا اطمینان ضرور ہو تا کہ وہ اپنا فرض خوب ادا کر رہا ہے۔ جوابی خطوط میں وہ نصیحتوں ہدایتوں اور التجاؤں کے پُل باندھ دیتی۔ ان میں سے بیشتر کچھ اس قسم کی ہوتیں۔ :

"اچھی طرح ڈٹے رہنا، جم کر لڑنا، دشمن کو بھاگنے کا موقع نہ دینا، چُن چُن کر ختم کر دینا۔"

"اپنے اسلحے کی حفاظت کرنا، ضائع نہ ہونے پائے، بھاگتے دشمن کو اسلحہ، گولہ بارود اور دیگر ساز و سامان ساتھ لیے بھاگنے کا موقع نہ دینا۔"

"اب تک اسرائیلی کیوں جمے ہوئے ہیں۔ جلد از جلد انھیں شکست سے دوچار کرو اور انھیں وطنِ پاک سے نکال باہر کرو۔"

کبھی وہ آس لگاتی :

"اُمید ہے تم نے صیہونیوں کو اچھی طرح سبق سکھایا ہوگا۔ تم بیت المقدس تک کب پہنچ رہے ہو؟ اُمید ہے زیادہ دن نہ لگیں گے۔"

کبھی ہدایات دیتی :

"جب فتح کے بعد تم بیت المقدس میں داخل ہو تو سب سے پہلے اپنی میری اور اپنے شہید باپ بھائیوں کی طرف سے اس پاک زمین کو بوسہ دینا اور پھر مسجد اقصیٰ میں شکرانے کے نفل ادا کرنا بھول نہ جانا۔"

اور جو ایک دو مرتبہ اس کا بیٹا اس سے ملنے بھی آیا تو اس نے جانے کون کون سی دنیا جہان کی نصیحتوں سے نواز دیا۔ اسے زیادہ دیر گھر میں ٹکنے نہ دیا۔ بلکہ اس کا بس چلتا تو وہ محاذ سے کسی کو ہلنے بھی نہ دیتی۔ اس کی تو بس ایک ہی تمنا تھی کہ اس کا وطن ارضِ فلسطین جلد از جلد آزاد ہو جائے۔ ہر طرف امن کے گیت گونجنے لگیں۔ کسی خوف اور خطرے کا وجود نہ رہے۔ اس کے ہم وطن بھی امن، ترقی، خوشحالی اور سلامتی کے سفر میں دوسری قوموں کے ساتھ کھڑے ہوں

مگر یہ سب اُمیدیں حسرت ہو گئیں۔ خواب خام ہو گئے جب اس تک یہ خبر پہنچی کہ اس کا آخری سہارا بھی لڑائی میں مارا گیا۔ خود اپنے ہم وطنوں کے ہاتھوں ارضِ فلسطین کے سپوت ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ ان کے ہتھیاروں کے زاویے بدل گئے، وہ اپنے دشمن کی سازشوں کا شکار ہو گئے کیوں؟ آخر کس لئے وہ ایک دوسرے کے سینے گولیوں سے چھلنی کر رہے ہیں؟

ضبط کے سارے بندھن یکلخت ٹوٹ گئے۔ آنسو سیلِ رواں بن کر بہہ نکلے۔ وہ جو کبھی اپنے پیاروں کی جُدائی پر ایک آنسو بھی نہ روئی تھی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی جیسے سب کچھ کھو گیا ہو۔ اُمید کے سارے در بند ہو گئے ہوں، روشنی کی آخری کرن بھی دور اندھیروں میں ڈوب گئی ہو۔ سارا دن اس نے اسی طرح روتے روتے یا دور خلا میں ایک ٹک تکتے تکتے گزار دیا۔ لوگ آئے اور تسلیاں دے کر جاتے رہے، پر اسے کچھ خبر نہ ہوتی کون آیا اور کون گیا۔ بس وہ روتی ہی رہی۔ روتے روتے تھک جاتی تو چُپ جانے کیا سوچنے لگتی۔ آج اسے اپنے ماں باپ، بھائی، شوہر اور بچے سب بڑی شدت سے یاد آئے۔ بستی کے وہ سب لوگ بھی اُسے یاد آئے جو دشمن سے لڑتے ہوئے یا صیہونی حملے اور ظلم کے نتیجے میں شہید ہو گئے تھے۔

دوسرے روز صبح وہ فجر کی نماز کے بعد کھڑکی سے ورآنے والے سپیدۂ سحر کو دیکھ رہی تھی۔ دور اُفق پر آج کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ خدا جانے غلامی کا یہ سورج کب تک طلوع ہوتا رہیگا۔ اسی لمحے اس نے ایک فیصلہ کر لیا اب وہ اس گھر اور بستی میں مزید نہیں رہ سکتی۔ وہ ارضِ فلسطین چھوڑ دے گی۔ اس محکوم سورج کے سایے میں سانس لینا بہت دشوار ہو گیا تھا۔ اب وہ کسی آزاد سرزمین کا رُخ کرے گی۔ چاہے کیمپوں ہی میں بقیہ زندگی کیوں نہ گزارنی پڑے۔

اب تک وہ بد سے بدتر حالات میں بھی اپنے عہد اور اپنی قسم پر قائم تھی۔ اسے پورا بھروسہ تھا کہ اس کے ہم وطن ایک نہ ایک دن ضرور اپنی پاک سرزمین آزاد کرالیں گے ــــ مگر اب؟ اس نے بڑے دکھ سے سوچا، وہ ہاتھ جو آپس ہی میں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوں کیسے عروسِ آزادی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں؟ ایسے لوگ تو آزادی کے اہل ہی نہیں۔

خدا جانے وہ ابھی اور کتنی دیر ماضی کے دھندلکوں میں گم رہتی کہ باہر گلی میں بڑھتے ہوئے شور نے اس کی سوچ کا دھارا منقطع کر دیا۔ غالباً بستی کے باقی ماندہ لوگ اسے الوداع کہنے جمع ہو گئے تھے۔ اسے اس گھر کی چھت، در و دیوار غرض ہر شے فریاد کناں معلوم ہو رہی تھی جیسے اس کی بے وفائی پر آہ و فغاں میں مصروف ہو، اس کے قدموں کو تھام رہی ہو۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے مگر وہ شاید ان سے بے خبر تھی۔

وہ جلدی سے تیز تیز قدم اٹھاتی، لاٹھی ٹیکتی باہر نکل آئی۔ فرداً فرداً چھوٹے، بڑے عورت مرد، ہر ایک سے ملی۔ الوداعی کلمات کہے گئے۔ سب نے ارضِ مقدس کی آزادی، اور فلسطینی سپاہیوں کے گم شدہ اوصاف بازیاب ہونے کی دعائیں کیں۔

اماں! آج تم نے بڑی پرانی قسم توڑ دی۔ اب تو کفارہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔ ایک منچلے نے غالباً ماحول کی سنجیدگی سے گھبرا کر تمدّاحاً سوال کیا۔

"کفارہ"! وہ چونک سی گئی۔

ہاں امی! کون ادا کرے گا؟" اس نے اپنی ترکیب کامیاب ہوتے دیکھ کر

دوبارہ سوال کیا۔

"اس قسم کے ٹوٹنے کا کفارہ سارے فلسطینی تو کیا تمام عرب مل کر بھی ادا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔" اس نے خلا میں گھورتے ہوئے ناامیدی سے جواب دیا۔

ہجرت کے سفر میں نوجوان تنظیم نے اس کا بازو تھام لیا اور اس نے نالۂ دل کو گریہ بننے سے بمشکل روکتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیے"•••

غزل

از حسرت بھٹکلی بنگلور

شعلۂ ظلم و تشدد کو ہوا دی جائے — رُخِ تہذیب کی رعنائی بڑھا دی جائے

خوابِ مقصود میں تعبیر نہیں ہے مقصود — روشنی ہو نہ ہو، اک شمع جلا دی جائے

ہیں اسی فکر میں یہ آگ بجھانے والے — کون زندہ ہے کہاں آگ لگا دی جائے

ہمنوائی ہمیں منظور تو یہ ضد کیوں ہے — ان کی آواز میں آواز ملا دی جائے

ان کا اصرار یہی ہے مرے اخلاص کے ساتھ — رسمِ فرسودہ زمانے سے اُٹھا دی جائے

روشنی کے لئے اس دور میں بہتر ہے یہی — گل چراغوں کو کریں، آگ لگا دی جائے

منصفِ وقت یہی سوچ رہا ہو شاید — کتنے معصوم کہاں ہیں کہ سزا دی جائے

خیر و شر کی حدیں مفقود نہ ہو جائیں کہیں — بیچ ان کے کوئی دیوار بنا دی جائے

مجھ کو یاد آتا ہے اسلاف کا ایثار و خلوص — کیوں نہ گذرے ہوئے لمحوں کو صدا دی جائے

داغِ دل داغِ جگر، داغِ محبت کی قسم — ہر نفس درد کی میعاد بڑھا دی جائے

زندگی یوں ہوئی محسوس مجھے ان کے بغیر — جیسے پروانہ نہ ہو، شمع جلا دی جائے

ذوقِ تعمیرِ گلستاں کا تقاضا ہے یہی — آشیاں جلنے دیں، بجلی کو دعا دی جائے

چشمِ فیاض سے اتنی ہے گذارش میری — ہوش و مستی کے تعلق سے پلا دی جائے

رہ نوردی کا تقاضا تو یہی ہے حسرت — فاصلے طے نہ ہوں رفتار بڑھا دی جائے

ایک سچّی کہانی

(ہاجرہ زرّیں)

واقعہ یہ ہے کہ ایک دس سالہ بچے نے ایک روز سرِ شام کسی جگہ بھڑ کے ایک چھتّے کو چھیڑا۔ بھڑوں نے نکل کر اسے کاٹنا شروع کیا۔ وہ اپنی جان لے کر ایک طرف بھاگ نکلا۔ جب وہ بھڑوں کے جھرمٹ سے دور نکل گیا تو اسے اس عذاب سے نجات ملی۔ وہ اپنے گھر کو روانہ ہوا۔ راستہ میں میرے بھائی سے ملاقات ہوئی جس کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بارہ برس تھی۔ بھائی نے اس لڑکے کی پریشان حالی کو دیکھ کر خیریت پوچھی۔ وہ ذرا بھی متوجہ نہ ہوا اور گھر کو بھاگتا چلا گیا اور جھوٹ موٹ اپنے والدین سے جا کر یہ کہا کہ ہم کو فلاں کے بیٹے نے باندھ کر خوب مارا ہے۔

اس وقت اس کا جسم بھڑوں کے کاٹنے سے کسی قدر پھول چکا تھا۔ اس کے والدین نے اِدھر اُدھر دریافت کیا تو حقیقتِ حال ظاہر ہو گئی اور اپنے بیٹے کی دروغ گوئی بھی واضح ہو گئی۔ لیکن لڑکے کے والدین نے یہ سوچا کہ اس واقعہ کو بہانہ بنا کر ایک فتنہ کھڑا کرنے اور ہمارے گھرانے والوں سے پرانی دشمنی کی بنا پر درپے آزار ہونے کا ایک نادر موقع ہے اس موقع پر لوگوں کی ہمدردی بھی "مظلوم" ہی کے ساتھ ہو گی۔ تھوڑی دیر بعد وہ شور مچاتے اپنے گھرانے اور برادری کے ساتھ لڑکے کو لے کر ہمارے دروازے پر آپہنچے اور والد بزرگوار سے کہا کہ آپ کے لڑکے نے ہمارے لڑکے کو بہت مارا ہے اور اپنے لڑکے کو پیش کیا جس کے جسم پر ہلدی وغیرہ لگی ہوئی تھی اور جسم بھی پھولا ہوا تھا۔ والد صاحب نے میرے بھائی کو طلب کیا اور واقعہ پوچھا تو بھائی نے انکار کیا اور بار بار اپنی صفائی پیش کی۔ لیکن وہ لوگ

ان باتوں کو پہلے بھانپ کر آتے تھے اور اپنے ساتھ "عینی شاہد" بھی لاتے تھے۔ بالآخر بات یہاں تک پہنچی کہ میرے بھائی کو سزا ملنی لازمی ہے۔ یہ ان کی خواہش تھی کہ اپنے ہاتھ سے زدوکوب کریں اور والدین اور بھائی بہنوں کے سامنے اس قدر ماریں کہ جسم اسی قدر پھول جائے۔ والد بزرگوار بھی اس پر راضی ہو گئے۔

یہ ایک بڑا نازک موقع تھا۔ وہ لوگ میرے معصوم بھائی کو پیٹنے کے لئے تیار ہو گئے لیکن ٹھیک یہی وہ وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ دیا۔

بھائی کو مار پڑنے سے صرف چند لمحے پہلے اللہ نے ایک پردہ نشین خاتون کو بھیج دیا جو ایک معزز خاندان کی فرد تھیں اور جن پر جھوٹ اور بہتان کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا انھوں نے آکر یہ کہا کہ میں یہ سن کر آئی ہوں کہ آپ کے بچے کو مار پڑنے والی ہے آج میرے سامنے اس شریر لڑکے کے چھیڑنے پر بھڑوں نے اسے خوب کاٹا ہے۔ یہ میری آنکھوں دیکھی بات ہے اس کا جسم کسی مار کی وجہ سے نہیں پھولا۔ مار سے اگر جسم پھولتا ہے تو پھٹ بھی جاتا ہے۔ ڈنڈے کی مار کے الگ نشانات ہوتے ہیں۔

اس موقع پر اکٹھے ہونے والے دوسرے لوگوں نے غور سے دیکھا تو ان کی بات صحیح نکلی۔ چونکہ لڑکے کے والدین اور عزیزوں کو صحیح واقعہ کا پہلے ہی علم تھا اس لئے وہ شرمندہ سے ہو گئے۔ اور اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔

اس سے مجھے یہ سبق ملا کہ اللہ تعالیٰ سچائی کو پسند فرماتے ہیں، جھوٹ کو نہیں۔ میں نے اپنے عزیزوں اور خاص طور پر چھوٹے بچوں کو ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین کی اور خود بھی اسے پیش نظر رکھا۔

لطیفہ ایک طالبہ نے (لیڈی پروفیسر) سے کہا: معاف کیجئے گا میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ آپ کو ڈاکٹر کہہ کر مخاطب کروں یا مسز؟

لیڈی پروفیسر نے کہا: (مسز کہہ کر بیٹی!) کیونکہ مجھے مسز بننے کے لئے زیادہ محنت کرنا پڑی تھی۔

قلم کی کہانی

قاضی محمد الیین وکرم پوری
۵۲ ٹیپو سلطان روڈ، ڈھاکہ ۱، بنگلہ دیش۔

دودھ سے دُھلا ہوا اور شبنم میں گھلا ہوا یہ واقعہ آج سے چار سال قبل قلم بند کیا گیا تھا لیکن بنگلہ دیش کے اس دور کے میرے ایک دوست مدیر نے اپنے اکلوتے رسالے میں شائع نہیں کیا تھا بلکہ اتنی تاخیر اور بددلی سے مسوّدہ لوٹایا کہ اسے دوبارہ کہیں بھیجنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ ایک وہ دن ———— اور ایک آج کا دن ہے کہ وہی مسوّدہ اچانک میرے سامنے آ گیا۔ اس بھولی بسری کہانی کے ساتھ آج کے بنگلہ دیش کے لیل ونہار اس قدر ہم آہنگ نظر آ رہے ہیں جیسے میں ابھی اس کہانی کو رقم کر کے سبکدوش ہوا ہوں انسانی کوشش، اللہ کی رضامندی کے بغیر بیکار محض ہے۔ دراصل قدرت کو منظور تھا کہ اس دور کی لکھی ہوئی کہانی آج کے گھما گھمی کے دور میں شائع ہو۔ "لیل ونہار" کے مقاصد اور اس کا سلسلہ "اس قلم کی کہانی" سے کس قدر مربوط ہے۔ اس کا فیصلہ آپ بھی کیجئے۔

میں آپ سے صرف اس دعا کا متمنی ہوں کہ بنگلہ دیش سے اُردو حروف تہجی لکھنے کے لئے ناچیز کا قلم زندگی کے آخری سانس تک رواں دواں رہے ———— ق۔م۔ وکرم پوری، ڈھاکہ ۱۲ نومبر ۱۹۸۳ء

دس فروری ۱۹۸۰ء کی سہ پہر کا واقعہ ہے میں اپنی دکان پر جوش ملیح آبادی کی خود نوشت "یادوں کی برات" کے اس حصّے کا مطالعہ کر رہا تھا جہاں جوش کے معاشقے کا مربوط تذکرہ تھا۔ جوش کی آتش بیانی اور معاشقے کی رنگین داستان میں غرق تھا کہ اچانک میری دکان کے سامنے ایک سبز رنگ کی کار آ کر رُکی۔ میں نے فوراً اپنی عادت کے مطابق کتاب کاؤنٹر پر اُلٹ کر رکھ دی اور خود کھڑا ہو گیا۔ -

ڈرائیور نے اُتر کر کار کا دروازہ کھولا میں نے شمار کیا. ایک ایک کر کے چار لڑکیاں اور ایک ادھیڑ عمر کی مگر گلاب گلاب خوشبوؤں جیسی شخصیت کی خاتون اتری. پھر جھجکتے جھجکتے یکے بعد دیگرے پہلے آپ، پہلے آپ کی سی اداؤں کے ساتھ وہ دوکان میں داخل ہوئیں. عام طور پر ایسی خواتین جب دوکان پر آتی ہیں تو سب سے پہلے ان کی نگاہیں کتابوں کی ریک کی طرف ہوتی ہیں. یا پھر CLIPS میں لٹکے ہوئے نئے نئے رسائل کی طرف. مگر ان پانچ خواتین کی دس آنکھیں میری جانب یوں لگی تھیں جیسے وہ اپنے گھر کے مفرور ملازم کی شناخت کر رہی ہوں. میں نے دل میں سوچا لاحول ولاقوۃ. اور پھر اسی عالم میں بے اختیار پوچھ لیا. "فرمائیے ——؟" سنجیدہ خاتون نے انتہائی مہذب انداز میں خود مجھ سے پوچھا. "قاضی محی الدین اینڈ سنز" یہی ہے نا ——؟ میں نے اثبات میں گردن ہلا کر اقرار کیا. انھوں نے شگفتگی سے کہا. "ہمیں قاضی محی الدین صاحب سے ملنا ہے" فطری طور پر میں نے ایک پل میں بہت ساری باتیں سوچ لیں. آخر میری سوچ اس نقطے پر آکر جم گئی کہ خاص کر انھیں مجھ سے ملنے کی ضرورت کیوں پڑی. مگر بے ساختہ مجھے کہنا ہی پڑا. "جی میں ہی ہوں. فرمائیے کیا بات ہے ——؟"

لڑکیاں جو ابتک خاموش اور متجسس نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں ان میں سے ایک نے اپنی گفتگو کا آغاز اس طرح کیا جیسے کوئی بازی جیت لی ہو. آپ کے پتے سے شائع ہونے والی" اپنی جنتری" میں "گون کا کفن" کا پہلا باب ہم لوگوں نے پڑھا. اس ناول کی بیگم کا کردار ہمیں بہت ہی پسند آیا." اتنا کہہ کر وہ اس انداز سے رُک گئی جیسے بہت کچھ بول گئی ہو. اس کی بات سن کر میں معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا اور ان لوگوں سے گفتگو کرنے کے لئے فوراً اپنے ذہن میں کشادگی پیدا کر لی. "چلئے اچھا ہی ہوا کہ آپ لوگوں کو میری بیگم پسند آگئیں. ورنہ ناپسند ہونے کی صورت میں زندگی بھر اسی بیگم کے لئے لعن طعن سننی پڑتی." میرے اس بے باک جواب سے وہ سب ہنس پڑیں جس سے سامنے کے دکاندار جو پہلے ہی سے اس طرف متوجہ تھے، اب وہ انھیں دیکھ کر اور بھی محظوظ ہو رہے تھے. میرے اندر کے ادیب کا ایک اشتیاقی جذبہ اُبھرا." ناول

کی اس ایک قسط میں آپ لوگوں نے جو کچھ بھی پڑھا اس میں کون سا حصہ پسند آیا ۔ یا اس میں کہاں کہاں خامیاں موجود ہیں ۔ ان باتوں پر ہی زیادہ روشنی ڈالیں تاکہ مجھے اپنی تحریر کی سمت کا اندازہ ہو سکے ۔"

میں نے محسوس کیا میری یہ فرمائش اس کے لئے گراں گزر گئی ۔ اس نے ذرا جزبز ہو کر جواب دیا ۔۔۔ "خامیوں کی باتیں تو بعد کی ہیں ۔ بیگم کی خوبیوں کا جواب نہیں ۔ آپ کے قلم کی نوک کی زد پر بیگم اس قدر ننگی ہو گئی ہے کہ آج کے معاشرے کی ساری خرابیاں غلاظت کے ڈھیر کی طرح خود بخود سامنے آگئیں ۔ اور قلم کے مقاصد کی یہی بہت بڑی کامیابی ہے ۔" یہ سن کر میں دل میں بے حد مطمئن ہوا ! بنگلہ دیش میں باشعور اردو پڑھنے والے لوگ موجود ہیں ۔ لڑکی نے قدرے جوش میں آکر کہا ۔۔۔ "دس روپے کے نوٹ پر شیخ مجیب الرحمٰن کی تصویر سے آپ نے نہ صرف فائدہ اٹھایا ہے بلکہ انھیں مثبت کردار میں اجاگر کر کے انتہائی دور اندیشی کا ثبوت دیا ہے اور یہی اندازہ آپ کے قلم کے وقار کی ضمانت ہے ۔"

خاتون بڑے غور سے یہ گفتگو سن رہی تھی اور تینوں لڑکیاں گم صم کھڑی تھیں ۔ اتنی دیر کے بعد اب مجھے احساس ہوا کہ میں نے انھیں ابتک بیٹھنے کو بھی نہیں کہا ۔ بے اختیار میں نے اپنی کرسی بھی ان کی طرف بڑھائی تو خاتون نے میرا ہاتھ تھام کر آستہ سے کہا ۔۔۔ "نہیں ہمیں دیر ہو جائے گی ۔ پھر کبھی ملاقات ہو گی اور تفصیل سے گفتگو بھی ۔ یہ تو صرف آپ کو دیکھنے کا اشتیاق تھا جو ان کے ساتھ چلی آئی ۔ دراصل آپ کے ناول کا ایک حصہ پڑھ کر آج کئی دنوں سے گھر میں ادھم برپا ہے ۔ خاص کر اس شہناز نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ آپ کو دیکھنے آؤں ۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ آپ کو پہلے سے جانتی ہے اور اسی بات پر ان لڑکیوں میں شرط ہوئی ہے اور اس شرط کا فیصلہ بھی ابھی آپ ہی کے سامنے ہو جائے گا ۔" میں نے شہناز کی طرف غور سے دیکھا ۔ اس کا چہرہ اور نام میرے ذہن میں چاول کے دانوں کی طرح ابال کھانے لگے ۔ میں نے یقیناً پہلے اس لڑکی کو دیکھا ہے اور نام سے بھی واقف ہوں لیکن کب اور کیسے ؟

بھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ شہناز نے چہک کر کہا: "آپ اپنی ایڈریس بک نکال کر دیکھئے، اس میں شہناز گل لکھا ہوگا۔"

اپنے ذہن کی بیداری کے ساتھ ساتھ میں نے ایڈریس بک نکالی۔ ابھی میں انڈکس میں لفظ ایس (S) تلاش کر ہی رہا تھا کہ اس نے جھپٹ کر ایڈریس بک میرے ہاتھ سے لے لی۔ اور بہت جلد اپنا نام اور پتہ نکال کر کاؤنٹر پر رکھتے ہوتے تینوں لڑکیوں پر فاتحانہ نگاہ ڈالی۔ سبھوں نے جھک کر اس کا نام اور پتہ دیکھا۔ اس کے نام کے ساتھ یادداشت کے طور پر میں نے اس کی کچھ مطلوبہ کتب کے نام بھی درج کر لئے تھے۔ وہ بھی ان لوگوں نے بلند آواز میں پڑھا۔ خواتین ڈائجسٹ، اخبار جہاں، شہاب کی سرگزشت اور پاکیزہ ڈائجسٹ وغیرہ۔ اب مجھے یاد آیا۔ تین سال قبل یہ لڑکی کچھ کتابیں خریدنے آئی تھی۔ اور اس نے بڑی سلجھی ہوئی کتابیں منتخب کی تھیں۔ اور اپنا پتہ لکھوا کر ہدایت کی تھی کہ مطلوبہ کتابیں فراہم ہوں تو اُسے ڈاک کے ذریعے اطلاع کر دوں۔ لیکن اس کے بعد مجھے یہ سب کچھ یاد نہیں رہا۔ مگر جب کہ آج وہی شہناز میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے تین سال کے پہلے کا چہرہ میرے تصور میں اچھی طرح اُبھر رہا تھا مگر اس چہرے اور اُس چہرے میں اس قدر تضاد تھا جیسے جوہی اور گلاب کا پھول۔

خاتون نے ان تینوں لڑکیوں کو مخاطب کیا۔ "لو بھئی مریم، تم تینوں شرط ہار گئیں۔" تینوں لڑکیوں کے جسم میں بیک وقت ایک ایسی جنبش ہوئی جیسے اس شکست ہی میں ان کی فتح موجود ہے۔ ان تینوں نے اپنے اپنے پرس سے کچھ نوٹ نکالے اور انہیں یکجا کر کے گننے کے بعد شہناز کے حوالے کر دئے۔ دس دس کے نوٹوں کو اس نے دوبارہ گنے۔ پورے دو سو تھے۔ اس کے بعد اس نے اپنے وینٹی بیگ سے ایک چھوٹا سا بکس نکالا اور اسے کھولنے لگی۔ میرے لئے یہ سب معمہ تھا۔ پھر اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں خاتون سے اجازت چاہ کر زبان سے صرف اتنا ہی کہا۔ "امی ــــ" میں نے محسوس کیا اس کی امی کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ انھوں نے پر اشتیاق نگاہوں سے اپنی بیٹی شہناز کو دیکھا۔ شہناز اپنی دونوں ہتھیلیوں پر رکھے

وہی دو موٹا کا اور ایک فاؤنٹین پین مجھے پیش کر رہی تھی — "آپ کی تحریر کے احترام میں یہ حقیر تحفہ قبول فرمائیں —!"

یہ سن کر میں اپنے چہرے کے تاثرات سے تو واقف نہیں ہو سکا لیکن دل کی دھڑکنوں کی شدت کو ضرور محسوس کر رہا تھا۔ بے ساختہ چوبیس سال پہلے کا گزرا ہوا ایک واقعہ آنکھوں کے سامنے نمایاں ہو گیا۔ اس وقت بھی اسی طرح کسی نے مجھے مسلسل لکھتے رہنے کے لئے قلم ہی پیش کیا تھا۔ اس دن اور آج کے دن کے درمیان میری ادبی زندگی کی ایک ایسی تاریخ موجود ہے جسے اگر میں تحریر میں لانا چاہوں تو پتہ نہیں مجھے اپنے ذہن کے کتنے دریچے کھولنے پڑیں۔ مجھے ذہنی طور پر موجود نہ پا کر شہناز نے دوبارہ کہا — "آپ دل میں کسی قسم کا خیال نہ لائیں۔ یہ میں بہت ہی خلوص کے ساتھ ایک ادیب کو پیش کر رہی ہوں۔"

میں اپنے خیال کی دنیا سے فوراً واپس آ گیا۔ "نہیں، میں چوبیس سال پہلے کا ایک واقعہ سوچ رہا ہوں جس کے ساتھ آج کے اس حادثے کا سلسلہ ملتا جا رہا ہے —" شہناز نے تعریباً خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "آپ اسے حادثہ کہہ رہے ہیں؟" میں اس کی امی کی طرف مڑ کر قدرے مسکرایا۔ انھوں نے نہ جانے کیا خیال کر کے بیٹی کی سفارش کی — "تحفہ سمجھ کر قبول کر لیجئے اصل میں یہ لکھنے پڑھنے کی عادی ہے۔ کسی دن آپ کو اپنے گھر مدعو کروں گی، تاکہ آپ خود ہی اس کے ذوق کا اندازہ کر سکیں۔"

میں قصداً ان سے بے تکلف ہو گیا۔ "آپ بھی میرا مطلب نہیں سمجھیں۔ میں اس تحفے کو حادثہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اسی قسم کے ایک حادثے نے میری زندگی میں ایک انقلاب برپا کر کے میری زندگی کے رُخ ہی کو موڑ دیا تھا اور چوبیس سال کے بعد آج پھر میرے ساتھ وہی تاریخ دہرائی جا رہی ہے اس لئے میں سوچ رہا ہوں کہ یہ کس سلسلے کی کڑی ہے —" میرا آخری جملہ ختم ہوتے ہی ایک زندگی بخش قہقہہ بلند ہوا اور مجھے اسی بات پر فخر بھی ہوا کہ میں بڑے باشعور لوگوں سے گفتگو کر رہا ہوں۔ کار کا ڈرائیور بڑی دلچسپی سے ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ آخر کار شہناز کی امی نے بڑے

خلوص کے ساتھ کہا — قاضی صاحب! آپ بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔ آپ کا ناول شائع ہو جانے کے بعد انشاء اللہ میں آپ کے اعزاز میں ایک شاندار پارٹی دوں گی — پھر انھوں نے بیٹی کے ہاتھوں سے قلم اور رقم اٹھا کر بڑی محبت کے ساتھ میرے ہاتھوں میں دیا۔ میں نے دیکھا گولڈن کیپ اور سیاہ باڈی کے قلم پر اردو زبان میں کندہ کیا ہوا میرا نام قاضی محی الدین سفید رنگ میں یوں چمک رہا ہے جیسے اسی ارض مشرق میں اب بہت جلد اُردو کی قسمت درخشاں ہونے والی ہے —

لڑکیوں نے فیاضی کے ساتھ چند کتابیں خریدیں اور پھر کبھی آنے کا وعدہ کر کے سبھوں نے مجھے فرداً فرداً اسلام کیا۔ خاتون نے رخصت ہونے کے لئے ایسے عجز و انکساری سے اجازت چاہی کہ میں ان کی وضعداری اور دل کش ادا پر مسحور ہو گیا۔ میں ان کے اس انداز کو صبح بنارس یا شام اودھ سے تشبیہ دوں، فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں نے قلم کو ہاتھ میں لیکر تولا۔ اس کے وزن کو نہیں، بلکہ اس کے وقار کو۔ میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ چند ہی روز قبل ڈھاکے سے شائع ہونے والے تقریباً تمام رسائل کے دیروں نے بیک وقت ہم سے کہانیوں کی فرمائشیں کیں اور اصرار بھی۔ میں نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ کیوں نہ شہناز گل کے احترام میں اسی کے دئے ہوئے قلم سے ایک ایسی کہانی لکھوں، جو اچھوتی بھی ہو اور زندگی کی بھرپور علامت بھی۔ اور بنگلہ دیش کے موجودہ مزاج کی ترجمان بھی ہو۔ چنانچہ میں نے رات کے دس بجے ایک نئی فکر اور نئے زاویے پر شہناز گل کا کورا قلم اٹھایا، اور آدھی رات گزر چکنے کے بعد کہانی مکمل کر لی۔ پندرہ صفحے کی اس طویل کہانی کو نظرثانی کرتے وقت میں خود ہی متاثر ہو کر سوچ رہا تھا کہ یہ میرے لکھنے کی تاثیر نہیں بلکہ شہناز گل کی عقیدت اور اس کے قلم کا اعجاز ہے۔ کہانی کا عنوان میں نے عائشہ تجویز کر لیا۔

عائشہ کی تخلیق کے دوران یہ پہلا اتفاق تھا کہ لکھتے وقت بعض جگہ میری آنکھیں نمناک ہو گئیں، اور بعض جگہ آنسو ضبط ہی نہ کر سکا۔ اس رمز کو جاننے کے لئے علی الصباح میں

جناب حافظ دہلوی کے پاس گیا اور ان سے دریافت کیا۔ "قلم یا غزل کہتے وقت کبھی آپ کی آنکھیں نم ہوتی ہیں۔۔۔؟" انھوں نے برجستہ جواب دیا۔ "ہاں اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ فوراً چونکے۔ اور اپنے ایک خاص انداز میں مجھ سے پوچھ لیا۔ "لیکن آپ نے یہ بات کیوں پوچھی۔۔۔؟" میں نے عائشہ کی کہانی اور اس کا نقطۂ عروج زبانی بتا کر نشاندہی کی کہ فلاں فلاں جگہ پر میں بھی آنسو ضبط نہ کر سکا۔ اور دوران گفتگو شہناز گل کے آنے اور قلم کا تحفہ دینے کا ماجرا سنایا۔ انھوں نے تمام باتیں توجہ سے سنیں۔ پہلے انھوں نے عائشہ کے بارے میں بتایا۔ "عائشہ کی کہانی اصل میں آپ کے ضمیر کی کشید ہے۔ اور کسی بھی چیز کی کشید کے کرب کا ردِ عمل تکلیف دہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر عملِ آتش فشاں کو لیجئے، شعلے نکلتے ہیں لاوا اُبلتا ہے اور زلزلے بھی آجاتے ہیں۔ اسی طرح کسی چیز کے اصل تک پہنچنے کے لئے سوچ اور فکر کی آخری حد تک جائے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اور آخری حد وہ ہے جہاں عمل اور ردِ عمل میں تصادم ہو جاتا ہے۔ فکری دنیا میں اسی تصادم کا دوسرا نام آنکھوں کی نمی، یا جذبات کی روانی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی لکھی ہوئی عائشہ یقیناً ایک معرکۃ الآرا کہانی ثابت ہو گی۔۔۔" پھر اس کے بعد انھوں نے شہناز گل کا دیا ہوا قلم ہاتھ میں لیکر میرا اتنا غور سے دیکھا اور ایک عجیب انداز میں کہا۔۔۔ "قاضی صاحب! آپ کو یہ قلم بھی مبارک ہو، اور سنہ ۱۴۰۱ھ بھی۔ آپ کے لئے قلم کا یہ تحفہ صرف ایک قلم ہی نہیں، بلکہ ایک معتبر اور نیک شگون ہے مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ اس سال کی جنتری میں آپ کا "گون کا کفن" رنگ لائے گا۔ اور یہ قلم ان ہی رنگوں میں سے ایک رنگ ہے۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے قلم کی حفاظت کرے۔ ہو سکے تو آپ میری خواہش کے مطابق اس واقعے کو اپنی ڈائری میں ضرور قلم بند کر لیں تاکہ مستقبل کے لئے خود آپ کے پاس ایک سند موجود رہ جائے۔"

چنانچہ میں نے اس کے چند روز بعد فرصت ملنے پر اسی قلم سے "قلم کی کہانی" لکھنے بیٹھ گیا۔ ابھی ایک ہی صفحہ لکھ پایا تھا کہ میرے عزیز ترین دوست عبدالرحیم دوکان پر آ گئے۔ آتے ہی

ان کی نگاہ قلم پر پڑی۔ قلم کی کالی زمین پر سفید لکھائی میں میرے نام کو چمکتے دیکھ کر پہلے تو وہ چونکے پھر بے تکلفی سے قلم ہاتھ میں لے کر اس کا پس منظر جانے بغیر ہی انھوں نے کہنا شروع کر دیا۔ "اب تو قاضی کا یہ قلم میوزیم میں رکھنے کے لائق ہو گیا۔" میں نے چٹکی لی "کیا مطلب ــــ ؟" انھوں نے جواب دیا ــــ "اس قلم کی حفاظت کے لئے اب آپ کو چوکنا رہنا پڑے گا۔ کیونکہ اگر موقع ملا تو کوئی ٹھیک نہیں کہ میں ہی اسے اڑا لے جاؤں۔ تاکہ آگے چل کر لوگ قاضی کا قلم دیکھنے کے لئے میرے گھر تک آئیں ــــ" اس کے بعد میں نے تفصیل سے اس قلم کا پس منظر انھیں بتایا۔ پوری روداد سننے کے بعد رحیم صاحب بہت خوش ہوئے انھوں نے اپنے چہرے پر بھرپور طمانیت لاتے ہوئے بتایا کہ "شہاب کی سرگزشت ان کے پاس موجود ہے۔ اگر مناسب ہو تو شہناز گل کو یہ نسخہ دے دیا جائے ــــ"

اسی دن رات کے دس بجے سہ ماہی "محاذ" کے مدیر اور میرے دوست جناب ایوب جوہر حسب دستور میری دکان پر تشریف لائے۔ انھوں نے بھی آ کر مجھے یہی کہانی لکھتے ہوئے پایا۔ ان کی موجودگی میں بنگالی زبان کے ایک صحافی ــــ مگر اچھی اردو جاننے والے اور اردو کے فروغ کی طرف رجحان رکھنے والے میرے ایک دوست جناب حسنین امتیاز بھی تشریف لے آئے۔ اب میرا لکھنا خود بخود بند ہو گیا اور ادبی گفتگو جاری ہو گئی۔ امتیاز صاحب نے اپنے طور پر اطلاع دی کہ بنگلہ زبان میں مخصوص طرز کا ایک ماہوار رسالہ "بوئی" یعنی کتاب کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ اس رسالے کا خاص کام ہے بنگلہ دیش سے شائع ہونے والی کسی بھی کتاب پر تبصرہ کرنا۔ اس بوئی کی کارکردگی سے میں واقف تھا۔ مگر جب ان کی زبانی معلوم ہوا کہ بوئی کے دفتر سے ان کا رابطہ ہے میں نے اپنے اسٹاک سے سہ ماہی "افق" کا پہلا شمارہ، صدائے زنداں، شعاع، بنگلہ سیکھو، مسلسل پانچ سال کی پاکٹ جنتریوں کی ایک ایک کاپی ہوتے شمیم اور نجم قیصر کا ایک نسخہ ان کے حوالے کیا۔ اور جناب ایوب جوہر نے اپنا رسالہ "رفتار" بھی دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد جوہر صاحب نے اپنے مجوزہ "محاذ" کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا

جسے وہ بہت جلد اپنی ادارت میں شائع کرنے والے ہیں۔ پھر محاذ کے سلسلے میں جوہر صاحب اور میرے مابین بہت ساری اشاعتی اور تکنیکی گفتگو ہوئی۔ اس سلسلے میں میں نے اپنی تمام خدمات انھیں پیش کیں۔ اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ دورانِ گفتگو جوہر صاحب نے رشک کے ساتھ کہا۔ قاضی صاحب! آپ خوب جم کر لکھ رہے ہیں اور یہ اچھی بات ہے۔ میں نے بہت دنوں سے لکھنا بند کر دیا تھا لیکن اب لکھوں گا — ان کی یہ بات سن کر میں نے دل میں سوچا۔ آج سے آٹھ سال قبل جب وہ خوب خوب لکھ رہے تھے اس وقت میں خاموش تھا اور اُسی وقت ان ہی کی تحریک اور اُکسانے پر میں نے دوبارہ لکھنے کا آغاز کیا تھا اور ایک آج کا دن ہے، کہ میرے لکھنے کے مشغلے سے متاثر ہو کر وہ اپنے لئے تجدیدِ قلم کر رہے ہیں۔ بلاشبہ تحریک سے تحریک چلتی ہے اور عمل کی روشنی سے راستے کا سراغ ملتا ہے۔

رات کے گیارہ بجے اچانک فیصلہ ہوا کہ جوہر صاحب کے ساتھ چل کر ان کے یہاں محاذ کا Dummy دیکھا جائے۔ ان کی اطلاع کے مطابق محاذ کا ڈمی اور سرورق کے لئے — Day Out کا نمونہ انھوں نے خود تیار کیا ہے۔ چنانچہ میں نے دکان بند کی اور ہم تینوں کشاں کشاں خوشگوار سردی کا اثر قبول کرتے ہوئے جوہر صاحب کے ڈیزائن سینٹر پہنچے۔ انھوں نے محاذ کا ڈمی سامنے رکھ دیا۔ پہلے حسنین امتیاز نے دیکھا اور پھر میں نے۔ جوہر صاحب نے سرورق کا صوری اور معنوی پس منظر تفصیل سے سمجھایا۔ بے شک ان کا بنایا ہوا محاذ کا ٹائٹل ہر اعتبار سے کامیاب ہے۔ ہم دونوں نے متفقہ طور پر بے حد پسند کیا۔ اور پھر اس کے بعد رات کے ایک بجے تک محاذ سے لے کر بنگلہ دیش کے اردو ادب، اس کا مزاج، اس کا مستقبل، اس کا کمرشیل انداز اور اس قسم کی بہت ساری گفتگو ہوئی۔ حسنین امتیاز ایک بنگالی صحافی ہونے کے باوجود ہماری گفتگو میں اس گہرائی سے حصہ لے رہے تھے جیسے وہ بھی اُردو کے اس منصوبے میں ایک اہم رکن ہیں۔ آخر کار جب میرے قلم کی بات سامنے آگئی تو جوہر صاحب بہت مسرور ہوئے۔ میں نے محسوس کیا۔ وہ اپنی اس خوشی کی کیفیت میں بنگلہ دیش میں اُردو کے تابناک

مستقبل کو غور سے دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انھوں نے بڑی چاہ اور محبت سے کہا۔ "قاضی صاحب! اس خوشی کی مٹھائی میں میرا حصہ کہاں ہے؟" حسنین صاحب نے بھی اس بات کی تائید کی۔ اور ظاہر ہے مجھے مٹھائی فراہم کرنے کا وعدہ کرنا پڑا۔ پھر جوہر صاحب نے انتہائی سنجیدہ ہو کر کہا۔ "بہرحال بڑی خوشی کی بات ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ کل تک آپ کے قلم کی کہانی مکمل طور پر پڑھ سکوں گا۔" اور پھر رات کے ایک بجے کے بعد وہاں سے واپسی پر میں یہ سوچتا رہا۔۔۔ مٹھائی کی تقریب یقیناً ہوگی۔ لیکن بنگلہ دیش کے ایک روشن خیال اور فکری اسلوب کے شاعر جناب نوشاد نوری کے بغیر نہیں۔۔۔

"تادمِ تحریر، قلم کی یہ کہانی تو بظاہر یہاں ختم ہو جائے گی۔ مگر اس قلم کی ہر وہ تحریر جو اپنی جگہ ختم ہوگی۔ وہیں سے زندگی کی ایک نئی تحریک کا آغاز بھی ہوگا خواہ وہ میرے لئے ہو یا کسی اور کے لئے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا قلم ہے جو ایک مثبت عمر میں قدرت نے مجھے تفویض کیا ہے۔ انشاءاللہ میں اس قلم اور قلم کی آبرو اور وقار کی حفاظت کے لئے اپنے شدید حالات کی آنکھ سے ٹپکتے ہوئے لہو کا ایک ایک قطرہ تک بہا دوں گا۔۔۔"

اسلام کی حقانیت

ایک امریکی ماہر جرائم نے بڑی تحقیق و کاوش کے بعد یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ جرائم کی سزا بدنی ہونی چاہیے اور برسر عام دینی چاہئے۔ صرف اسی طرح جرائم رک سکتے ہیں۔ قیدخانے اُلٹا جرائم کے جراثیم کی پرورش کرتے ہیں اور قیدی وہاں سے پکے اور عادی مجرم بن کر نکلتے ہیں۔ عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی جو جیلیں تعمیر کرنے اور چلانے پر صرف ہوتی ہے۔ وہ اُلٹا جرائم میں اضافہ کا سبب بن رہی ہے اس کے کہنے کے مطابق اگر امریکہ میں جرائم اسی رفتار سے بڑھتے رہے تو بڑی تعداد میں نئی جیلیں تعمیر کرنا پڑیں گی۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی کتاب بارش کے پہلے قطرے کی مانند ہے بالآخر دنیا کو اسی کے پیش کردہ نتائج کی طرف آنا اور انھیں اپنانا پڑے گا اور بارش کا یہ پہلا قطرہ وہی حقیقت پیش کر رہا ہے جو قرآن پاک چودہ صدیاں پہلے پیش کر چکا ہے۔

لطائف ملّا نصیر الدین

(دشنا ور)

دنیائے مشرق کا ایک کردار ملا نصیر الدین کا ہے۔ اپنے طنز اور طنز کی کاٹ کے لحاظ سے یہ کردار مشرقی مزاج کی بڑی خوبصورت عکاسی کرتا ہے۔

امیر تیمور خاں نے ایک قصیدہ لکھ کر ملا نصیر الدین کو سنایا اور اسکی داد چاہی۔ ملا کو قصیدہ پسند نہ آیا۔ انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ قصیدہ بے جان ہے۔ اتنا سننا تھا کہ امیر غضب ناک ہو گیا اور حکم دیا کہ ملا کو جیل میں ڈال دیا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور ملا نصیر الدین کو جیل بھیج دیا گیا۔

کچھ دن گزرنے کے بعد امیر تیمور خاں نے خیال کیا کہ ملا کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ میرے اشعار کی تعریف نہ کرنے کی کیا سزا ملتی ہے۔ حکم دیا کہ رہا کر دیا جائے اور دربار میں لایا جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ ملا نصیر الدین کو رہا کر دیا گیا اور جیل سے سیدھا دربار میں پہنچا دیا گیا۔ امیر نے پہلے تو ملا کی خیریت پوچھی۔ پھر انھیں انعام واکرام دیا تاکہ اتنے دن جیل میں رہنے سے جو اذیت پہنچی ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔ کچھ دیر کے بعد امیر نے ایک اور قصیدہ ملا کو سنایا۔ قصیدہ سن کر ملا نے جواب نہ دیا بلکہ اُٹھ کر جانے لگے۔

امیر نے پوچھا۔ ملا صاحب کہاں جاتے ہو؟

ملا نے جواب دیا۔ جیل خانے۔

• ایک بار ملا کو حاکم شہر کی طرف سے حکم ملا کہ وہ اس کے لئے شکاری کتا لائیں۔ چند دن بعد ملا نے ایک پالتو کتا پیش کر دیا بالکل بے ضرر اور بھولا بھالا۔ اس کتے کو دیکھ کر حاکم شہر

کو غصّہ آگیا۔ گرج کر بولا: "میں نے شکاری کتّا لانے کے لئے کہا تھا نہ کہ اس جیسا بے ضرر کتّا۔"
ملّا نے بڑی متانت سے جواب دیا "آپ مطمئن رہیں۔ یہ آپ کے ساتھ رہے گا تو جلد ہی خونخوار شکاری کتّا بن جائے گا۔"

❖

• ایک شخص ملّا نصیرالدین کے پاس آیا: "میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس بڑا شاندار سرکہ ہے۔ چالیس برس پرانا سرکہ۔ مجھے اس میں سے تھوڑا سا سرکہ تو دیجئے۔"
ملّا اس شخص کے خوشامدانہ انداز پر مسکرائے۔ وہ خوشامد کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے کہا:
"تم خود سوچو، اگر میں تم جیسوں کو تھوڑا تھوڑا سرکہ دیتا رہتا تو وہ چالیس برس پرانا کیسے ہو پاتا۔"

غزل

احمد پرویز

دنیا سے جُدا عہدِ وفا ہم نے کیا ہے
دنیا کو بڑا غم ہے، یہ کیا ہم نے کیا ہے

اوروں نے جسے دردِ سری جان کے چھوڑا
اس غم کو مگر دل کی دوا ہم نے کیا ہے

ڈرتے ہیں، نہ ہو جائے کہیں ہم سے خفا وہ
جس کے لئے دنیا کو خفا ہم نے کیا ہے

کہنے کو تری راہ میں مر مر کے جئے ہم
کس منہ سے کہیں فرض ادا ہم نے کیا ہے

روکے سے رُکا ہے کہیں پرویزؔ یہ طوفاں
جذبات کو پابندِ حیا ہم نے کیا ہے

غزل

سیدہ اختر

میں نے جس کو موم کا پیکر کہا
جب کہا اس نے مجھے پتھر کہا

میری غربت نے، مرے احساس نے
ہر اندھیری رات کو چادر کہا

گھر کے معنی کیا در و دیوار ہیں؟
تم نے کیوں دیوار و در کو گھر کہا؟

اُڑ گیا کیوں آپکے چہرے کا رنگ
ہم نے پتھر کو اگر پتھر کہا

اِک حقیقت اِک حقیقت ہی رہی
سب نے میرے شعر کو نشتر کہا

آج میں نے بھی لیا اس گل کا نام
اور اُس نے بھی مجھے اخترؔ کہا

مغرب کے لطائف

چبھتے ہوئے جامع جملوں میں بات سمیٹ لینے کا فن دنیائے مغرب میں بھی بڑی دلچسپ مثالیں پیش کرتا ہے:

• کسی ایسے ملک میں، جہاں مکھن کی دو سو اقسام ہوں، ایک پارٹی سسٹم کی کیسے توقع کی جاسکتی ہے۔" (چارلس ڈی گال)

• "امریکہ میں مجھے جو بات زیادہ متاثر کرتی ہے وہ یہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کے بے حد فرمانبردار ہیں۔" (ڈیوک آف ونڈسر)

• اور یہ گفتگو واٹرلو کے میدانِ جنگ کی ہے۔ نپولین کو اس جنگ میں شکست ہوئی تو انگلستان کے ولنگٹن نے اس سے مخاطب ہو کر کہا: "تم نے دولت کے لئے جنگ کی، اور ہم نے عزت کے لئے!"

فرانسیسی سربراہ کا جواب تھا: "ہاں! جس کے پاس جس چیز کی کمی تھی۔"

• امریکہ کے صدر ابراہم لنکن کے کمرے میں کسی ملک کا سفیر داخل ہوا تو دیکھا وہ اپنا جوتا صاف کر رہے تھے۔ حیرت سے کہنے لگا: "آپ اپنا جوتا صاف کر رہے ہیں؟"

ابراہم لنکن نے جواب دیا: "جی ہاں، لیکن آپ حیران کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا آپ دوسروں کے جوتے صاف کرتے ہیں؟"

• انگلستان کے وزیراعظم کی حیثیت سے مسٹر ونسٹن چرچل کا تیکھا اندازِ گفتگو بڑی انفرادیت رکھتا ہے۔ وہ اسی برس کے ہوئے تو ان کی سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ اس موقع پر ایک نوجوان فوٹو گرافر نے مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا:

"کیا ہی اچھا ہو کہ آپ سو برس کے ہو جائیں تو اس وقت بھی میں آپ کی تصویر اُتاروں

بوڑھے سیاسی مدبر نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ نوجوان کو دیکھا اور کہا:
نوجوان! کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ تمہاری خواہش کیوں پوری نہ ہو۔ مجھے تو تم اچھے بھلے اور تندرست و توانا دکھائی دے رہے ہو۔"

ایک مداح نے مسٹر چرچل سے کہا: "آپ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہوں گے کہ آپ تقریر کرنے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت بڑا ہجوم سننے کا منتظر ہوتا ہے۔"
ان کا جواب تھا: ہاں مسرت تو ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی آتا ہے کہ اگر مجھے پھانسی پر لٹکایا جا رہا ہو تو ہجوم اس سے کئی گنا زیادہ ہو سکتا ہے۔"

انہی ونسٹن چرچل کے چند جملے اور :

- "کمیونسٹوں سے اچھے تعلقات مگرمچھ کی دوستی کی طرح ہیں۔ آپ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ اسے گدگدی کی جائے یا اسے مارا جائے۔ اسی طرح جب وہ اپنا منہ کھولے تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ مسکرا رہا ہے یا آپ کو ہڑپ کر جانے کی تیاری کر رہا ہے۔"

غزل

از فضل قریشی
آرمود

ہر ایک گنج قبر کے اندر دکھائی دے
دارا دکھائی دے نہ سکندر دکھائی دے

اللہ ایسا پھر کوئی منظر دکھائی دے
قانون تیرا غالب و برتر دکھائی دے

میں اس سے کیا ڈروں گا کہ دیوانہ ہوں تیرا
ہر اک کے ہاتھ میں جو یہ پتھر دکھائی دے

جن کی زباں پہ رہتی ہے امن و اماں کی بات
ان ہی کی آستینوں میں خنجر دکھائی دے

یارب مرے نصیب میں کیا یہ بھی اب نہیں
جو خواب ہی میں چہرۂ انور دکھائی دے

اس دور زر پرست میں آنکھیں ترس گئیں
کوئی تو ایک پیرو بوذرؓ دکھائی دے

دنیائے دوں کا وہ بھی پرستار ہو گیا
وہ فضل جو کہ مرد قلندر دکھائی دے

میری ماں ایک اہم کردار

شفیق الاسلام فاروقی

ایڈورڈس کالج پشاور میں تعلیم اور وہاں کی سرگرمیوں کے ذکر سے پہلے اپنے قریبی ماحول کی تین اہم شخصیات کا تذکرہ مناسب رہے گا جنہوں نے بعد ازاں ایک کارکن کی حیثیت سے کام کرنے میں میری بڑی معاونت کی۔ میرے فطری ذوق مطالعہ کو مہمیز کرنے میں والدہ مرحومہ اور میرے چچا ظہیر الاسلام فاروقی صاحب کا بڑا حصہ ہے۔ والدہ مرحومہ جن کا انتقال دو سال قبل پچاسی سال سے زائد عمر میں ہوا، گہرے دینی شغف کی مالک تھیں۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد انھوں نے اپنا تعلق قرآن حکیم سے جوڑ لیا تھا۔ اول وقت پنج وقتہ نمازوں کی پابندی، باقاعدگی سے ادائیگی نوافل اور تہجد گذاری، اوراد و وظائف اور تسبیح و تہلیل میں ساٹھ سال سے زائد عرصہ گذرا۔ رمضان شریف کے روزے، زندگی کے آخری سال تک پابندی کے ساتھ رکھے نفلی روزے ان کے علاوہ ہوتے تھے۔ باترجمہ قرآن شریف ہمیشہ ساتھ رہا۔ بلاناغہ پانچ چھ پاروں کی تلاوت اور کچھ حصہ ترجمہ کا پڑھنا زندگی بھر معمول رہا اور آخری سانس تک بہترین سماعت و بصارت قائم رہی۔ کہا کرتی تھیں کہ یہ سب کلام پاک کی برکت کا نتیجہ ہے بڑے تحکم کی مالکہ تھیں اور بڑی سختی سے گھر کے ایک ایک فرد کو نماز کی پابندی کراتی تھیں۔ ناظرہ قرآن میں نے انھیں سے پڑھا اور سات سال کی عمر میں مکمل کر لیا۔

ہم تینوں بھائیوں کی پرورش اور تربیت والدہ مرحومہ نے اتنی توجہ اور لگن کے ساتھ کی جو اس زمانہ میں بھی بہت کم بچوں کو نصیب ہوگی۔ چھوٹے بھائی کا تو نوجوانی ہی میں انتقال ہوگیا تھا لیکن بڑے بھائی اختر الاسلام تحریک کے ایک مثالی کارکن ثابت ہوئے۔ آج بھی اگر مائیں قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کریں اور اسی کے حکم کے مطابق اولادوں کی تربیت کریں تو بچے بچے مثالی ہونگے

حجاب — اپریل ۱۹۸۴ء

زمانے کی گواہی

افغانستان میں روسیوں کے چار سال

افغانستان میں خاک اور خون کے چار سال پورے ہو گئے کمیونسٹ کارخانوں کا بنا ہوا گولہ بارود مسلسل وہاں صرف ہو رہا ہے۔ ان ملوں کے اوپر ہتھوڑے اور درانتی کے پرچم بھی لہرا رہے ہوں گے اور ان کی دیواروں پر یہ ٹریڈ مارک بھی لکھا ہوگا کہ "دنیا بھر کے مزدور ایک ہو جاؤ" اور انہی دیواروں کے قریب وہ ٹرک بھی کھڑے ہوں گے جو آگ برسانے کا سامان افغانستان بھیجنے کے لئے ایئرپورٹ پہنچا رہے ہوں گے۔

لیکن خاک اور خون کی بارش صرف افغانستان کے غریب عوام پر نہیں ہو رہی، اس کی زد میں خود ہتھوڑے درانتی والے بھی آرہے ہیں۔ کیونکہ مزاحمت کرنے والے مزاحمت کر رہے ہیں اور وہ ایک لاش خود اٹھاتے ہیں تو بہت سی لاشیں اپنے دشمن کو اٹھانے کیلئے پیش کر دیتے ہیں۔

افغانستان پر روسی فوجوں کے حملے کو پوری ایک سہ ماہی بھی گزرنے نہ پائی تھی۔ جب عالمی پریس نے برطانوی صحافی ڈان فشر کی وہ رپورٹ شائع کی جس کے مطابق جنوری کے اوائل میں (جنوری ۱۹۸۰ء مراد ہے) جب روسیوں کو افغانستان میں داخل ہوئے سات آٹھ دن ہوئے تھے) ایک سفارتی افسر نے تصدیق کی کہ اس مختصر سی مدت میں لاشیں لے کر صرف ماسکو پہنچنے والے تابوت ایک سو چار تھے۔

• فروری کے اوائل میں ایک روسی ڈاکخانے کے کلرک نے افغانستان میں مارے جانے والے ڈیڑھ ہزار روسی فوجیوں کے ڈیتھ سرٹیفکیٹ ان کے ورثا میں تقسیم کئے۔

• ماسکو ہی میں ایک لڑکی نے اسکول سے رخصت لیتے ہوئے اپنی درخواست میں وجہ بتائی کہ جب سے اس کے والد کو افغانستان بھیجا گیا ہے اس کی والدہ کو ہسٹریا کے دورے پڑ رہے ہیں۔

اپنی آزادی اور اپنے تشخص کی حفاظت میں افغانوں کی اپنی ایک روایت اور اپنی ایک تاریخ ہے ـــــ اس تاریخ کو افغانوں کی زبانی نہیں بلکہ دوسروں کی زبان سے سنیئے۔

• امریکی سفیر رابرٹ نیومین لکھتا ہے کہ "غیر ملکی فوجوں کا افغانستان میں فاتحانہ داخلہ تو آسان ہے لیکن ان کی صحیح سلامت واپسی ممکن نہیں"۔

• ملکہ وکٹوریہ کے عہد میں انگریزی فوج نے ساڑھے چار ہزار انگریز اور بارہ ہزار دیسی سپاہیوں کے ساتھ افغانستان پر حملہ کیا تھا۔ حملہ کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد جب انگریزی فوج کو واپسی کا حکم دیا گیا تو صرف ایک شخص اس سرزمین سے واپس پہنچا اور یہ اس فوج کا ایک ڈاکٹر تھا۔ باقی ساڑھے سولہ ہزار فوجیوں کو افغانوں نے گھات لگا لگا کر موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔

• خود روسیوں کو اس باب میں کیا تجربہ حاصل ہوا ہے، اسے بھی دیکھنا چاہیئے، ۲۳ر دسمبر ۱۹۸۰ء کے اخبارات میں ایک ہلاک ہونے والے روسی فوجی کی ڈائری سے روسی زبان میں یہ سطور برآمد ہوئیں: "خدا نے خوبصورت زمین، باغات، مناظر اور انسان بنائے اور شیطان نے مشین گنیں، توپیں اور گولہ بارود بنایا۔ خدا نے جنت پیدا کی اور شیطان نے مسئلۂ افغانستان پیدا کر دیا"۔

شاید اس سے زیادہ موزوں الفاظ میں کوئی روسی اپنی قیادت کو خراج نہیں پیش کر سکتا تھا۔"

دس ماہ میں بارہ دلہنوں کا قتل

پٹنہ۔ سرکاری ذرائع کے مطابق بہار کے ضلع بہار شریف میں گذشتہ دس ماہ کے دوران بارہ دلہنوں کو ان کے شوہروں اور سسرال والوں نے جہیز کی وجہ سے قتل کر دیا۔"

گھر کا بھیدی

پروفیسر سارو کن کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے مغربی تہذیب اور اس کے پیدا کردہ ...ل کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ موصوف نے موجودہ دور کو مغرب کے زوال کا دور کہا ہے اور ...ی کی مثالیں گنائی ہیں۔ اس ضمن میں آپ نے مغرب و مشرق میں رائج سیاسی نظام کا بھی تذکرہ ...ہوئے لکھا ہے کہ آجکل کی زیادہ تر حکومتیں آمرانہ اور قانون سے بالاتر ہیں ان کی مرضی ہی قانون کا ...رکھتی ہے۔ وہ کسی شہری کی جائیداد پر قبضہ کر سکتی ہیں جو ٹیکس چاہیں لگا سکتی ہیں اور جب چاہیں ...کا تیا پانچہ کر سکتی ہیں۔ کمیونسٹ حکومتیں تو عوام کے لئے پیشے کا انتخاب بھی خود ہی کرتی ہیں لوگوں ...کرنا ہے کہاں رہنا ہے کیا پڑھنا ہے اور کیا سوچنا ہے اس کا فیصلہ خود یہ حکومتیں ہی کرتی ہیں جمہوری ...ہو یا اشتراکی، حکومتی مشینری عوام کے کام آنے کے بجائے ان کے لئے مشکلات و مصائب ہی پیدا کرتی ...۔ تقریباً ہر ملک کی انتظامیہ نااہل اور بے مصرف ہے۔ سیاسی پارٹیوں کو "خدا" کا درجہ حاصل ...ا ہے۔ انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے دھوکا فریب، دھاندلی، رشوت، غرض یہ کہ ...ز کو جائز قرار دے لیا گیا ہے۔ دیانت دار حکومتیں عنقا ہو گئی ہیں۔"

...ا اور مثال

پروفیسر سارو کن نے مغربی معاشرے میں زوال کی ایک اور علامت خاندانی نظام کی تباہی اور ...ہمی تعلقات میں انتشار کی کیفیت کو قرار دیا ہے۔ پہلے خاندان اہل خانہ کو تحفظ، اعتماد اور تربیت

مہیا کرتا تھا۔ بچپن میں خبر گیری اور بڑھاپے میں دیکھ بھال کے مسئلے سے لوگ بے نیاز رہا کرتے تھے خاندانی روایات اور خاندان کی عزت کا پاس ولحاظ لوگوں کو بہت سی برائیوں سے بچاتا تھا۔ خاندان کی فراہم کردہ ڈھال کے ساتھ لوگ کارگہہ حیات میں جس خود اعتمادی کے ساتھ اترتے تھے وہ ہر قدم پر انھیں سہارا دیتی تھی۔ غلط روایتوں سے بچاتی تھی۔ اب یہ ڈھال ٹوٹ چکی ہے۔ گھر نام کی کوئی چیز معنوی معاشرے میں باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اب گھر عام طور رات گذاری کے ٹھکانے بن گئے ہیں۔ اس صورت حال نے لوگوں کے اندر عدم تحفظ، مجرمانہ ذہنیت اور عیش کوشی کو پروان چڑھا ہے اور بقول سارو کن "ایک ناخواندہ معاشرہ تو زندہ رہ سکتا ہے مگر کوئی جرائم پسند معاشرہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔"

غزل

ساحل بھارتی

مزاج اس کا سمجھ لے جو وہی در اصل آدم ہے
کبھی یہ وقت شعلہ ہے کبھی یہ وقت شبنم ہے

نشانِ منزلِ مقصود ان کو کیا دکھائی دے
نظر خوابیدہ ہے جن کی دلوں میں روشنی کم ہے

نیا سورج لئے ہم تو سویرا بن کے ابھرے ہیں
جہاں کی تیرگی میں دیکھنا ہے کتنا دم خم ہے

جہاں بر رند ڈوبا ہے لئے عرفانِ ہستی میں
ہمارے میکدہ کی آج بھی اک شان قائم ہے

اسی ظلمت کے پردے سے کرن پھوٹیگی جینے کی
چراغِ حوصلہ کا ہے کو ساحل اپنا مدھم ہے

میرے پسندیدہ اشعار

خونِ دل دے کے نکھاریں گے رُخِ برگِ گلاب
ہم نے گلشن کو سجانے کی قسم کھائی ہے (نامعلوم)

فقط سجدوں سے ہی تکمیلِ ایمانی نہیں ہوتی
محبت کے بغیر اصلاحِ روحانی نہیں ہوتی (اقبال)

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائیگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا (اقبال)

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد (اقبال)

مرسلہ:۔ کوثر جہاں فاروقی
(موسیٰ بنی)

۹۵۰ ہریجن کنبے!

نئی دہلی — تامل ناڈو کا ضلع رام ناتھ پورم ہریجنوں کی طرف سے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے دو سال پہلے خبروں کی زینت بنا تھا۔ اب ۸۹ ہریجنوں کے قبولِ اسلام کے واقعہ کے بعد اس ضلع نے ایک بار پھر اخبارات کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی ہے۔ انڈین ایکسپریس نے ایکسپریس نیوز سروس کے حوالہ سے خبر دی ہے کہ رام ناتھ پورم کے اطراف میں واقع دس دیہات کے ۹۵۰ ہریجن کنبوں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ یہ ہریجن چھوٹے چھوٹے گروپوں میں اسلام قبول کریں گے اور یہ کام ۱۴ جنوری ۱۹۸۴ء کو تامل سالِ نو کے تہوار پونگل سے پہلے مکمل کرلیا جائے گا۔ ۸۶ ہریجنوں کے قبولِ اسلام کا جو واقعہ سیالور گاؤں میں پیش آیا تھا وہ تقریباً تین ہزار ہریجنوں کے قبولِ اسلام کا پیش خیمہ ہے۔

اسلام قبول کرنے والے بیشتر خوش حال ہیں

سیالور گاؤں رام ناتھ پورم سے دس کلومیٹر دور واقع ہے۔ اس گاؤں میں ہریجنوں کے ۹۰ کنبے آباد ہیں، ۳۵ کنبے تھیور ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور باقی کا تعلق یادو ذات سے ہے۔ اسلام قبول کرنیوالے

ہریجنوں کو اپنے نئے مذہب میں بہتر سلوک کی توقع ہے

۱۹ کنبوں کے ۸۶ افراد میں ۳۷ مرد اور ۴۹ عورتیں اور بچے شامل ہیں۔ ان لوگوں کے رشتہ داروں نے جو اطراف کے دس دیہات میں آباد ہیں اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا

ہے۔ منقریب اسلام قبول کرنیوالے ایک شخص السگا سامی نے بتایا کہ اسلام قبول کرنے کا یہ فیصلہ اچانک نہیں کیا گیا ہے۔ السگا رسامی ایک ٹیچر ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ سیالور میں ۹۰ ہری جن کنبے اسلام قبول کریں گے۔ ان میں سے ۱۹ کنبوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ السگا رسامی سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ آپ لوگ خلیجی ملکوں میں روزگار حاصل کرنے کے لئے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ چار ہزار افراد کے لئے خلیجی ملکوں میں ایک ساتھ روزگار حاصل کرنا کس طرح ممکن ہے۔ لیکن انھوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ خلیجی ملکوں میں روزگار کا حصول بھی قبولِ اسلام کی ایک وجہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ اسلام قبول کرنے والے تمام افراد غریب نہیں ہیں۔ ان میں سے بہت سے افراد کافی خوش حال ہیں۔ ان کا یہ احساس ہے کہ سوسائٹی ان کو نظر انداز کر رہی ہے۔ وہ اپنے نئے مذہب میں بہتر سلوک کی امید رکھتے ہیں۔ انھوں نے اعلیٰ ذات والوں کی طرف سے بدسلوکی کی شکایت کی اور کہا کہ برسراقتدار طبقہ بھی ہری جنوں کو نظر انداز کر رہا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ گاؤں کے ایک حالیہ میلے میں ایک ہری جن نوجوان کو صرف اس وجہ سے زدوکوب کیا گیا کہ اس نے چپل پہن رکھے تھے۔ انھوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اعلیٰ ذات والوں میں اب کچھ تبدیلی پیدا ہوئی ہے اور بعض اعلےٰ ذات والے ہری جنوں کے ساتھ مساوی سلوک کر رہے ہیں۔ لیکن بدسلوکی کا ایک بھی واقعہ تمام اچھے کاموں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ میرے جیسے بوڑھے لوگوں کا خیال ہے کہ حالات پہلے کے مقابلہ میں بہت بہتر ہو گئے ہیں لیکن نوجوان نسل کو نظر انداز کئے جانے کی شکایت ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سوسائٹی کو انکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خلیجی ملکوں میں جاکر دولت کمانے اور اس طرح اپنی حالت کو بہتر بنانے کا رجحان بھی قبولِ اسلام کی ایک وجہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ جب نوجوان طبقہ اسلام قبول کئے جا رہا ہے تو صرف میں ہندو رہ کر کیا کروں گا۔ بادلِ ناخواستہ ہی سہی لیکن مجھے بھی اسلام قبول کرنا ہی پڑے گا۔ السگار سامی نے بتایا کہ ضلع ترنیول ویلی کے مینارکشی پورم

اور ضلع رام ناڈ میں ہری جن بتدریج اسلام قبول کر رہے ہیں۔ قبولِ اسلام کے یہ واقعات چھوٹے چھوٹے گروپوں میں پیش آ رہے ہیں۔ السگار سامی نے اس بات کی تردید کی کہ سیالور میں قبولِ اسلام کے واقعات کے بعد کشیدگی پیدا ہو گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم زیادہ تر مچھلی فروش ہیں۔ کبھی کبھار قبولِ اسلام پر ہمارا مذاق اڑایا گیا تھا لیکن امن و اماں کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔

یو این آئی نیوز ایجنسی نے بھی اپنے نمائندے کو سیالور گاؤں کے دورے پر بھیجا۔ اس نامہ نگار نے گاؤں کا دورہ کرنے کے بعد جو رپورٹ بھیجی ہے اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

سٹپٹائی ہوئی اندرانی نے کہا کہ مجھے اپنا نام یاد نہیں ہے۔ میرا اپنا نام کاغذ کے ایک ٹکڑے پر لکھا ہوا ہے جو گھر پر رہ گیا ہے۔ اندرانی ان ۱۹ ہری جن کنبوں کے ۸۰ (۸۶) افراد میں شامل ہیں جنھوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے۔ قبولِ اسلام کے تازہ ترین واقعہ نے اس عام خیال کو غلط قرار دے دیا ہے کہ ۱۹۸۱ء میں ضلع ترنیول ویلی میں جو لہر چلی تھی وہ ختم ہو گئی ہے۔ تحقیقات پر معلوم ہوا کہ ضلع ترنیول ویلی میں ضلع رام ناتھ پورم میں اعلیٰ ذات والوں اور ہری جنوں کے درمیان تصادم کے بعد دو برسوں میں تقریباً چار ہزار افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔

بعض دیہات جیسے کرالیور میں تمام آبادی مسلمان ہو گئی ہے۔ پچاس دیہات میں جن میں سیالور بھی شامل ہے آبادی کے ایک حصے نے اسلام قبول کیا ہے اور دوسرے جلد اسلام قبول کرنے والے ہیں لیکن میناکشی پورم کے نومسلموں کے برعکس یہاں کے نومسلم اپنی عادات فوراً تبدیل کرنے میں مشکلات محسوس کر رہے ہیں۔ وہ رہنمائی کے لئے ۲۵ سالہ احمد کبیر کی طرف دیکھتے ہیں جن کا پہلا نام کروپیا تھا۔ احمد کبیر کے پاس ہی نومسلموں کے ناموں کی فہرست ہے۔ احمد کبیر ایک شرمیلے شخص ہیں۔ وہ اسلامی طریقے سے آپ کو سلام کریں گے لیکن دوسرے نومسلم ابھی ہاتھ جوڑ کر سلام کرنے کے پرانے طریقے سے ہی سلام کرتے ہیں۔ احمد کبیر نے کہا کہ ہم نے کسی کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا۔ انھوں نے

بتایا کہ انھوں نے دس سال پہلے اسلام قبول کیا
تھا لیکن اس کا باقاعدہ اعلان ۴ اکتوبر کو ہی
کیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اُن کے والدین ایک
مسلم گھرانے میں ملازم تھے۔ اسی ذریعہ سے
اُن کو اسلام سے محبت ہوئی۔ انھوں نے اسلام
اور پیغمبرِ اسلام کے بارے میں کتابیں خریدیں
اور اُن کو دوسروں کو پڑھ کر سنایا۔ ابتداء میں
لوگوں نے اُن پر طعنہ زنی کی لیکن اُن کو بتدریج
اس بات کا احساس ہوا کہ صرف اسلام ہی
اُن کو مساوات عطا کر سکتا ہے۔

اُن سے سوال کیا گیا کہ انھوں نے اپنے
باقاعدہ مسلمان ہونے کا اعلان کرنے میں
دس سال کا عرصہ کیوں لگایا تو انھوں نے جواب
دیا کہ میں گاؤں میں تنہا مسلمان ہونا نہیں
چاہتا تھا۔ جب میں نے دوسروں کو رضامند
کر لیا تو اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

دوسرے نومسلموں سے سوالات کئے گئے
تو وہی تعصب، تنگ نظری اور مظالم کی
شکایات دوہرائی گئیں۔

میناکشی پورم کی طرح سیالور میں بھی
تبدیلیٔ مذہب نے کئی خاندانوں کو منقسم کر دیا
ہے، مثلاً مسز اندلاقی کے بھائی متکلم ابھی تک
ہندو ہیں۔ وہ سوگند کھاتے ہیں کہ وہ ہندو
ہی مریں گے۔ انھوں نے اپنی بہن کو اپنے گھر آنے
سے روک دیا ہے کیونکہ اُس نے بندیا کھرچ
دی ہے اور منگل سوتر کی جگہ تسبیح گلے میں ڈال
لی ہے لیکن متکلم کی بیوی نے اپنے شوہر کے فیصلہ کو
غیر دانشمندانہ قرار دیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ بعض
افراد دیوالی کے بعد اسلام قبول کریں گے۔ ہریجن
ابھی تک ان مظالم کو نہیں بھولے ہیں جن کا
نشانہ اُن کو ۱۹۸۱ء میں بنایا گیا تھا۔ اُن کا
کہنا ہے کہ اُن کو دو مرتبہ اُن کے گھروں سے
نکالا گیا تھا اور رام ناتھ پورم قصبے کے اطراف
میں اُن پر حملے کئے گئے تھے۔

محمد بخاری (سابق کھنگا وسلو) نے بتایا
کہ ہمارے گاؤں پر حملہ اس لئے نہیں ہوا تھا
کہ اعلیٰ ذات والوں کے ساتھ ہمارے تعلقات
بہتر تھے لیکن آج بھی ہم مدد کا تصور کسی جگہ
پر جانے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ ہم یہ بات
فراموش نہیں کر سکتے کہ فسادات کے بعد
صرف ہری جنوں کو گرفتار کیا گیا۔ کئی افراد
نے بتایا کہ ہندو ہونے کی صورت میں و

خود کو غیر محفوظ سمجھتے تھے۔ دیکھئے سری لنکا میں کیا ہوا
صرف ہندوؤں پر حملے کئے گئے۔ مسلمانوں پر کوئی حملہ نہیں ہوا حالانکہ دونوں تامل بولتے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ انھوں نے اپنے گھروں میں گائے کا گوبر پوتنا بند کر دیا ہے کیونکہ اسلام میں اسکی ممانعت ہے۔ انھوں نے اپنے سونے کا رُخ بھی تبدیل کر لیا ہے۔ ایک نومسلم نے بتایا کہ وہ موسم برسات کے بعد ختنہ کرائے گا۔ اس نے اپنا نام کپّو سوامی بتایا، لیکن مسٹر کبیر نے اس کی اصلاح کی اور اُس کو یاد دلایا کہ اُس کا نام محمد موسیٰ ہے۔ بیشتر نومسلم زمین کے مالک ہیں۔ انھوں نے اس بات کی تردید کی ہے کہ اُن کو روپیہ یا خلیجی ملکوں میں روزگار کا لالچ دیا گیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ کسی نے اُن کے گھروں پر آ کر اُن کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ بھی نہیں دیا۔

اعلیٰ ذات سے تعلق رکھنے والے گاؤں کے ایک ہندو مدا سوامی نے کہا کہ گاؤں والوں کو تبدیلیٔ مذہب پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر وہ مسلمان ہونا چاہتے ہیں تو ہو جائیں۔ اب تک انھوں نے ہمارے لئے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کیا ہے اور نہ مستقبل میں کوئی مسئلہ پیدا ہونے کی امید ہے۔

(دعوت، ۱۱ر۲ر۸۴)

غزل ... مسعود اختر قاسمی

جنونِ شوق جو کامل نہیں ہے
نگاہِ لطف کے قابل نہیں ہے

بظاہر برق خوابیدہ ہے لیکن
نشیمن سے مرے غافل نہیں ہے

مجھے موجوں میں رکھتی ہیں یہ موجیں
مجھے اک حسرتِ ساحل نہیں ہے

ذرا مٹھی میں اپنی دیکھئے تو!
مرے پہلو میں میرا دل نہیں ہے

رواں ہے قافلہ اہلِ جنوں کا
اسیر جادہ و محمل نہیں ہے

لہسن گردن توڑ بخار کی پُر اثر دوا

بیجنگ۔ گردن توڑ بخار کے اثر کو زائل کرنے میں لہسن کو ایک پر اثر اور سستا علاج پایا گیا ہے۔ یہ مرض زیادہ تر بچوں کو ہوتا ہے اور یہ انتہائی مہلک ہے۔ اس سے دماغ کے مغز غشائی میں ورم آجاتا ہے اور شدید بخار ہو جاتا ہے۔ ایک چینی طبی رسالے نے دعویٰ کیا ہے کہ لہسن کے جوے جب گردن توڑ بخار کے مریض کو استعمال کرائے گئے تو اس کے اثرات جدید دواؤں سے زیادہ بہتر ثابت ہوئے۔

تبدیلیٔ مذہب کی روک تھام

نئی دھلی۔ امورِ داخلہ کے مرکزی وزیر مملکت اَر۔ این۔ لسکر نے راجیہ سبھا میں بتایا کہ تامل ناڈو کے ضلع رامناتھ پورم میں ادی دراویدروں (ھریجنوں) کو مسلمان ہونے پر مجبور کرنے کے خلاف تمام انسدادی تدابیر اختیار کرلی گئی ھیں۔ مسٹر ایس۔ ایس مہاپتر کے ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ یہ رپورٹ مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے کہ ضلع کے دس گاؤں میں لگ بھگ تین ہزار ادی ڈریدروں کو اسلام میں داخل کرنے کا منصوبہ ہے لیکن یہ اطلاع بہرحال ہے کہ کیلک کاریا کی مسلم جماعت اور شہر کے کچھ دولت مند مسلمان ادی ڈراویڈروں کو عرب ملکوں میں ملازمت اور دوسرے مالی فائدوں کا لالچ دے کر پھسلا رہے ہیں۔

مرکزی وزیر مملکت نے تامل ناڈو حکومت کی فراہم کردہ معلومات کی بنیاد پر کہا کہ ریاستی حکومت نے رام ناتھ پورم میں ہری جنوں کے عام قبولِ اسلام پر ۷ ار نومبر کی میٹنگ میں غور کیا جو تامل ناڈو کے چیف سکریٹری نے امن وامان کے مسئلے پر غور کرنے کے لئے طلب کی تھی۔ پولیس کے سینیر حکام بھی میٹنگ میں موجود تھے۔

مرکزی وزیر مملکت نے مندرجہ ذیل تفصیلات پیش کیں:

(۱) ادی ڈراویدروں کو زیادہ تر عرب ملکوں میں بڑی بڑی تنخواہوں پر نوکریاں ملنے کی توقع ہے کیونکہ عرب ممالک نوکریوں وغیرہ میں مسلمانوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ مقامی مسلمان جو عرب ملکوں میں کاروبار رکھتے ہیں

یہ لالچ دیتے ہیں کہ مسلمان ہو جانے پر اُن کے لئے بھی ایسا ممکن ہے۔

② ڈسٹرکٹ کلکٹر اور ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس نے ان دسوں گانوؤں کا دورہ کرکے عام مذہب بدلی کے مسائل کا جائزہ لیا ہے۔ ضلع حکام نے ادی ڈراویڈروں (ہریجنوں) کی شکایات دور کرنے اور اُن کو فوری طور پر دور کرنے کی ایک خصوصی مہم شروع کر دی ہے۔

③ ادی ڈراویڈروں (ہریجنوں) کی معاشی ترقی اور سماجی مرتبہ میں اضافہ کے مقاصد پورے کرنے کے لئے اس پہلو پر زور دیا گیا ہے کہ انسداد چھوت چھات ایکٹ کے تحت آنے والے جرائم پر پولیس لازمی طور پر مقدمات قائم کرے اور خطاکاروں کو لازمی طور پر سزا دلوائے۔

④ بہت احتیاط سے کی جانے والی تحقیقات سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ پڑوس کے کسی دوسرے گاؤں میں کسی عام تبدیلیٔ مذہب کا کوئی امکان نہیں ہے۔

(ماخوذ از "دعوت" دہلی)

حق دار

سید فضل اللہ کرم جگتیالی

ایک سوداگر رہتا تھا۔ اس کا کاروبار بغداد میں تھا۔ خدا نے اس کو گھر ملو سکو بھی دے رکھا تھا۔ اس کی بیوی نہایت خوبصورت نیک، ہوشیار اور سلیقہ مند تھی۔

سوداگر کاروباری ضرورت سے کبھی کبھی بغداد جاتا اور کئی کئی ماہ وہاں رہتا تھا۔ بیوی یہ سمجھ کر کہ یہ گھر سے غائب رہنا کاروباری ضرورت سے ہوتا ہے۔ مطمئن تھی لیکن جب سوداگر جلد جلد سفر پر جانے لگا اور زیادہ زیادہ دنوں تک گھر سے غائب رہنے لگا تو بیوی کھٹکی۔

گھر میں ایک بوڑھی ملازمہ تھی۔ سوداگر کی بیوی کو اس پر بڑا بھروسہ تھا۔ اس نے بڑھیا سے شبہ کا اظہار کیا اور بتایا کہ مجھے بہت بے چینی ہے۔ بڑھیا بولی !!

اے بی بی! آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں ؟ میں چٹکی بجاتے سب راز معلوم کئے لیتی ہوں۔ اب جب سوداگر گھر سے چلا تو بڑھیا بھی اس کے پیچھے لگ گئی۔ آخر کار اس نے راز معلوم کرلیا اور واپس گھر آئی۔

بڑھیا نے بتایا کہ سوداگر کی دوسری شادی ہو چکی ہے۔ سوکن کی جلن مشہور ہے اس بی بی نے سوچا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اب میں پریشان ہو کر اپنی زندگی کیوں بیزار بناؤں۔ اور اس نے اپنے میاں پر ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ اس راز سے واقف ہے وہ ہمیشہ کی طرح سوداگر کی خدمت کرتی رہی اور اپنے برتاؤ اور خلوص میں ذرا فرق نہ آنے دیا۔

سوداگر بیوی کا خوش گوار سلوک اور برتاؤ دیکھ کر یہی سمجھتا رہا کہ شاید خدا کی اس بندی کو یہ راز معلوم نہیں ہے۔

کچھ برسوں کے بعد سوداگر کی زندگی کے دن پورے ہو گئے اسکا انتقال ہو گیا

اب ترکہ تقسیم ہونا تھا۔ اس نیک بی بی نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ سوداگر کی دوسری بیوی کا حق مار بیٹھے۔

اس نے ایک نہایت معتبر آدمی کو یہ ساری بات بتا کر ترکے کی تقسیم کرائی۔ اور دوسری بیوی کا بھی حصہ رکھا۔ اور اپنی سوکن کے پاس روانہ کیا اور اس کے یہاں کہلوایا کہ افسوس آپ کے شوہر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کی جائیداد اور ترکے میں جو کچھ ملا ہے، اسلامی قانون کی رو سے آپ اس میں برابر کی شریک ہیں وہ میں بھیج رہی ہوں امید کہ قبول فرمائیں گی۔

کچھ ہی دنوں میں وہ شخص واپس آیا اور اس نے وہ ساری رقم واپس لاکر سوداگر کی بیوی کو لا کر دی۔ پھر جیب سے ایک خط نکالا اور کہا' اس کو پڑھ لیجیے۔

نیک بیوی نے جلدی جلدی لفافہ چاک کیا اور اپنی سوکن کا خط پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا کہ:۔

محترمہ بہن! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے خط سے یہ معلوم کرکے بڑا رنج ہوا کہ آپ کے اچھے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ ان کی سرپرستی سے محروم ہو گئیں۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر اپنی رحمتوں اور عنایتوں کی بارش فرمائے۔

میں کس دل سے آپ کے خلوص وایثار کا شکریہ ادا کروں کہ آپ نے ان کے ترکے میں سے میرے حصے کی رقم بھیجی ہیں آپکے اس حسن سلوک سے بہت متاثر ہوئی حقیقت یہ ہے کہ سوداگر کے اس راز سے کوئی واقف نہ تھا۔ میرا نکاح بہت پوشیدہ طریقہ پر ہوا تھا۔ مجھے تو یقین تھا کہ آپ کو بھی اس کی خبر نہیں ہے۔ اور میں کیا، خود سوداگر مرحوم بھی یہی سمجھتے رہے کہ آپ کو اس دوسری شادی کی اطلاع نہیں ہے۔ اب آپ کے اس خط سے یہ راز کھلا کہ آپ ہمارے راز سے واقف تھیں۔

سوکن کی جلن طبعی بات ہے آپ کو ضرور اس بات سے تکلیف پہنچی ہو گی لیکن اللہ اکبر آپ کا صبر وضبط! حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جس صبر وضبط سے کام لیا اس کی نظیر

نہیں مل سکتی کچھ اشارے کنائے سے بھی
تو آپ نے یہ ظاہر ہونے نہ دیا کہ آپ ہماری
اس خفیہ شادی سے واقف ہیں آپ کا
یہ ایثار اور صبر و تحمل واقعی حیرت انگیز ہے
اس کے بعد آپ نے محض خدا کے
خوف سے میرے حق کا خیال رکھا، اور
اپنے حصے میں سے آدھی رقم مجھے بھیجدی
اچھی بہن! خدا آپ کو خوش رکھے۔
اور دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے۔ لیکن
بہن! میں اب اس حصے کی مستحق نہیں رہی
ہوں۔ خدا آپ کا یہ حصہ آپ ہی کو مبارک
کرے۔

یہ صحیح ہے کہ سوداگر مرحوم نے مجھ
سے نکاح کیا تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ
میرے پاس آکر کئی کئی ماہ رہتے تھے لیکن
سوداگر مرحوم نے مجھے طلاق دے دی
تھی۔ اس راز کی آپ کو بھی خبر نہیں۔ میں
اس خط کے ساتھ آپ کی اطلاع اور یقین
کے لئے طلاق نامے کی نقل بھیج رہی ہوں
آخر میں آپ کی بے مثال محبت، عنایت
ایثار، خلوص اور ہمدردی کا پھر شکریہ ادا
کرتی ہوں۔ والسلام۔ آپکی بہن ......

سوداگر کی بیوہ اس خاتون کا خط پڑھکر
بہت متاثر ہوئیں اور اس کی سچائی، دیانت
اور نیکی نے اس کے دل میں گھر کر لیا اور پھر
دونوں میں مستقل طور پر خلوص و محبت اور
رفاقت کا رشتہ قائم ہو گیا۔ (صفتہ الصفوۃ)

لطائف

انتخاب کے موقع پر ایک خاتون ووٹ ڈالنے
بوتھ میں گئی تو پیچھے پیچھے ایک آدمی بھی اندر جانے
لگا۔ پولنگ افسر نے اسے روکا تو خاتون بولی:
"انھیں روکنے کی ضرورت نہیں یہ میرے
شوہر ہیں۔"

●

تھانیدار دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ٹیلی فون
کی گھنٹی بجی۔ "جناب تھانیدار صاحب! میں مصری
شاہ سے بول رہا ہوں میرا ہمسایہ غنڈہ گردی پر
اُتر آیا ہے اور قانون ہاتھ میں لیکر اس کی دھجیاں
بکھیرنا چاہتا ہے۔"
"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے!" تھانیدار بولا۔
"تھوڑی دیر پہلے تمہارے ہمسایے نے بھی فون
پر مجھے یہی اطلاع دی تھی۔"

بچوں میں

اسلامی شعور بیدار کرنے والی آسان اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
درندوں کے گرفتار	۵/۵۰	جنت حوا	۱/۴۰	خانہ آبادی	-/۸۰	مہمان ریچھ	-/۶۰
ام المومنین حضرت عائشہ	۲/۵۰	بھورے بھیا	-/۵۰	خدیجۃ الکبریٰ	-/۵۰	میں نے مضمون نویسی کیسے سیکھی؟	-/۶۰
امانت کا بوجھ	۲/-	بہت خوب	-/۶۰	دودھ کا پوت	-/۷۰	مرحلے	۲/-
ایک شہر کی کہانی	۱/۵۰	بنت اسلام	۱/۸۰	دانا حکیم	۱/۶۰	مزدور یا فرشتے	۱/-
نبی کی پیاری پیاری باتیں	-/۷۵	جگنوؤں کی مائیں	۱/۲۵	دانا حکیم کی دانا بیٹی	-/۶۰	مرد ناداں	۲/۵۰
اسلامی تہذیب و آداب	۱/-	بشریٰ کے خطوط	۱/-	دو انسان ایک کردار	۲/-	نقلی شہزادہ	۳/۵۰
اورنگ بادشاہ	-/۶۰	پیشینگوئیاں	۱/۲۵	زبان کا زخم	۱/-	ولی کا سایہ	-/۵۰
ابن بطوطہ کا بیٹا	۲/۵۰	پھول کی پتی	۱/۵۰	سچے افسانے	۲/-	ہمارے بزرگ اول	۱/۷۵
اچھی نظمیں اوّل دوم	۱/-	پیارے نبی ایسے تھے	۱/۷۵	شہزادہ توحید	۱/-	ہمارے بزرگ دوم	۱/۷۵
ایک سپاہی	۲/۲۵	ترتیبی کہانیاں اول تا چہارم		طویلے کی بلا	۱/-	ہیرے کا جگر	۶/-
اچھے افسانے	۳/-	ترکستان سے ترکی تک سیٹ	۲/- ۸/-	فیصلے	۱/۶۰	ہم ایسی بنیں	۲/-
ایک انسان دو کردار	۱/۲۵	جنتی بچہ	-/۶۰	۹۹ قتل کے بعد	۱/-	ہندوستانی عورت	۱/۵۰
حضور کا بچپن	-/۷۵	جانباز ساتھی	۲/-	گڈو کے گیت	-/۴۰	ہمارا ابن بطوطہ	۶/-
حق کی تلاش	-/۶۰	حضرت عمر ثانیؒ	۲/۵۰	گڈو کی گڑیا	-/۴۰	اسلامی شریعت - ہندی	۶/۵۰
[illegible]	۱/۶۰	خواتین کے دل کی باتیں	۳/-	گڑیا کا دودھ	۱/-		

مرکزی مکتبہ اسلامی ہند، چتلی قبر ۱۳۵۳ دہلی-۶

GD NEWS PAPERS Regd. No MRD 34

IJAB (URDU MONTHLY) Rampur (U P.) 244901

Regd No. R.N 20394'70

APRIL 1984

رسول کریمؐ

(از مائل خیرآبادی)

قرآن کریم کی روشنی میں سیرت پاک

کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے غیرمسلموں

کے ذہنوں کو بھی سنوارنے والا۔

کاغذ عمدہ۔ دیدہ زیب ٹائٹل۔ فوٹو آفسٹ

کی طباعت۔ صفحات ۲۹۲

قیمت صرف -/15 روپے

مکتبہ حجاب رام پور

(یو۔پی) ۲۴۴۹۰۱


ایڈیٹر

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ

حجاب

رام پور

جلد ۱۵ : شمارہ ۱۲

مئی ۱۹۸۴ء مطابق شعبان ۱۴۰۴ھ

مدیرہ: [illegible]

زرتعاون : سالانہ معہ رجسٹری فیس سالنامہ ۵۵ روپیہ، یہ شمارہ ۵ روپیہ

پروپرائٹر، پرنٹر، پبلشر محمد اسحاق، مقام اشاعت بارہ دری محمود خاں رامپور مطبوعہ محبوب آفسیٹ پریس دہلی

در پردۂ حجاب

تاریخی مشغلہ نمبر ۲

① حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی کتنی عمر تھی ؟

② حضرت ابوبکرؓ کی کوشش سے کن کن صحابہ کرامؓ نے اسلام قبول کیا ؟

③ حضرت بلالؓ نے کب اور کہاں وفات پائی ؟

④ صحابیاتؓ میں سے اُن کے اسمائے گرامی بتائیے جنھیں پورا قرآن مجید حفظ تھا۔

⑤ حضورؐ کے وصال کے وقت کتنے صحابہ کرامؓ قرآن مجید کے حافظ تھے ؟

⑥ معراج کے وقت حضورؐ کی عمر کتنی تھی ؟

⑦ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت موسیٰؑ کی کتنی عمر تھی ؟

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات بذریعہ ڈاک ہمیں بھیجدیجئے ــــ ۲۰ مئی ۱۹۸۴ء تک ملنے والے صحیح جوابات بھیجنے والے بہن بھائیوں کے نام ماہنامہ حجاب رامپور میں شائع کئے جائیں گے اور پانچ بہن بھائیوں کو قرعہ اندازی سے سات سات روپیے کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔

اپنے جوابات اِس پتہ پر بھیجیں :۔

شفیق اعجاز احمد خاں

چیف آرگنائزر ملتِ اسلامیہ مسلم لائبریری

۹۳۔ اے، نیو کالونی، بٹہ مالو، سرینگر کشمیر ۱۹۰۰۰۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"وہ اپنی خو نہ چھوڑیں تو ہم اپنی وضع کیوں بدلیں؟"

اُوپر بسم اللہ کے بعد جو مصرع لکھا گیا ہے اس میں "وہ" سے مُراد وہ لوگ ۱۴ ر شعبان کا دن گزرنے کے بعد رات میں آتشبازی سے باز نہیں آتے۔ ہر سال تمام مذہبی اور اَخبار اس شیطانی فعل پر اَپنے قلم کی پوری قوت کے ساتھ لوگوں کو متوجہ کرتے ہیں کہ آت گناہ ہے۔ آتشبازی ملّت کا عظیم مالی نقصان ہے اور آتشبازی فضول خرچی ہے۔ یہ و سُنائی جاتی ہے کہ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ فضول خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھا

ہم بھی حلقۂ حجاب کو متوجہ کرتے رہے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ حلقہ حجاب اِس فضول خر بچا ہوا ہے۔ تو ہم حلقۂ حجاب سے یہ کہتے ہیں کہ اُن کے رشتہ داروں اور ملنے والوں میں جو بہ بھائی اِس تاریخ کو آگ سے کھیلتے ہیں اُن کو اس سے روکیں انھیں بتائیں کہ آتشباز اللہ کو پسند ہے نہ اللہ کے رسولؐ کو۔ پھر یہ کہ ہمارے بہت سے بچے ہر سال آتشبازی میں اور جل جاتے ہیں۔ اقتصادیات کے ماہرین ہر سال یہ تخمینہ بنا کر پیش کرتے ہیں کہ اِ مسلمانوں نے آتشبازی میں اِتنے لاکھ روپیہ پھونکا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ رقم جمع کی جائے تو مسلم یونیورسٹی کسی کی مدد کے بغیر چل سکتی ہے۔

اِس تاریخ یعنی ۱۴ ر شعبان کو بہت سے نادان مسلمانوں کے گھروں میں حلوہ پکتا ہے اُس پر مشہور تابعی حضرت اویس قرنیؒ کی نیاز ہوتی ہے۔ اِس نیاز کے بارے میں ایک جھ

ہت مشہور ہے کہ غزوۂ احد میں نبی کریمؐ کے دو دانت شہید ہو گئے تھے۔ اُس وقت حضرت اویس قرنیؒ اپنے وطن یمن میں تھے۔ وہ اپنے وطن میں نبی کریمؐ کے ارشاد کے مطابق ٹھہرے ہوئے تھے۔ حکم تھا کہ اپنی والدہ کی خدمت کرتے رہو۔ یمن میں حضرت اویسؒ نے حضورؐ کے دانتوں کے شہید ہونے کا حادثہ سُنا تو انھوں نے بھی اپنے دانت توڑ ڈالے۔ پھر خیال آیا کہ نہ جانے حضورؐ کے کون سے دانت شہید ہوئے ہوں۔ یہ سوچ کر سارے دانت اکھڑوا دئے۔ یہ خبر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپؐ نے اُن کے لئے حلوہ تیار کرا کے بھیجا۔ اللہ کی پناہ! یہ کہانی ہر طرح جھوٹی ہے۔ حضرت اُویس قرنیؒ اِس درجے کے تابعی ہیں کہ اگر حضورؐ اُن کو یمن میں رُکنے کو نہ فرماتے تو وہ حضورؐ کی خدمت میں آتے اور صحابی کا مقام حاصل کرتے۔ اِس لئے اکثر علماء کی رائے ہے کہ وہ بزرگی میں سیّدالتابعین حضرت سعید بن مسیبؒ سے بھی بڑھ کر ہیں جبکہ علم میں حضرت سعید بن مسیبؒ کا مقام اُن سے بلند ہے۔ ایسا عظیم تابعی ایسی غلط بات کیسے کر سکتا تھا جبکہ حضورؐ کے صحابہؓ اور صحابیاتؓ میں سے کسی نے ایسی غلط محبت کا ثبوت نہیں دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جنگِ اُحد شعبان سے کئی ماہ قبل ہوئی تھی۔ حضورؐ کے دانتوں کے شہید ہونے کی خبر کم سے کم ایک ماہ بعد حضرت اویس قرنیؒ کو ملی ہو گی۔ اِس کے بعد پھر ایک ماہ بعد حضورؐ کو اُن کے دانتوں کے حادثے کا حال معلوم ہوا ہو گا اور پھر آپؐ نے حلوہ بھیجا ہو گا تو حساب لگائیے۔ نہ پورا سال تو چھ سات مہینے کا وقفہ ضرور ماننا پڑے گا۔ ایسی صورت میں کون سمجھدار اس من گھڑت کہانی کو سچی مانے گا یعنی اِسطرح بھی یہ کہانی غلط ہے۔

میں یہ سب حجاب میں ہر سال اس لئے لکھتا ہوں کہ حلقہ حجاب کے بھائی اور بہنیں یہ سب اُن لوگوں کو بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ نذر بغیر اللہ حرام ہے۔ ہر نذر اللہ کے نام کی ہونی چاہئے۔ آپ کہئے اور بتائیے کہ آتش بازی ایک عظیم گناہ ہے۔ آتشبازی شیطانی فعل ہے۔ آتشبازی ملّت کا مالی نقصان ہے اور ۱۴ شعبان کے حلوے کے جواز میں جو کہانی گھڑی گئی ہے وہ غلط ہے۔

آپ یہ نصیحت کرنے میں ہرگز نہ تھکیں جس طرح ہم ہر سال لکھتے ہیں اسی طرح آپ بھی لوگوں
بار بار سمجھائیں۔ پھر یوں سوچئے کہ ایک شخص غلط بات کئے جاتا ہے تو آپ سچی بات کیوں نہ سمجھ
رہیں۔ وہی بات کہ "وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں"

۱۴ شعبان کی رات کی فضیلت کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے نبی صلی اللہ علیہ
اس رات جنت البقیع (قبرستان) تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہؓ سو رہی تھیں۔ آہٹ پا
اُن کی آنکھ کھلی۔ خیال آیا کہ شاید کسی دوسری بیوی کے پاس جا رہے ہوں تو وہ میں پیچھے چلیں
پیچھے پیچھے جنت البقیع تک گئیں تو دل میں کہا کہ میں کس وسوسے میں تھی۔
میں نے جب اس حدیث کے بارے مزید مطالعہ کیا تو میں اُن علماء کی رائے کو زیادہ وز
مانتا ہوں جو کہتے ہیں کہ یہ روایت درایتاً (یعنی عقل کی کسوٹی پر) اور روایتاً دونوں طرح مجروح
مجھے تو یہ بھی شبہ ہوتا ہے کہ یہ روایت کسی رافضی نے حضرت عائشہؓ کا مقام گرانے کے لئے گھڑی ہو
واللہ اعلم بالصواب (م)۔

اس رات کے سلسلے میں ایک اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں آسمانِ دنیا کی طرف
متوجہ ہوتا ہے اور بندوں سے کہتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے مانگے، میں اُسے دوں...... اسی
طرح کے اور بھی ارشادات ہیں۔ ان ارشادات سے یہ نتیجہ ضرور نکالا جا سکتا ہے کہ اس رات میں
اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہئے لیکن ہمارے بہت سے بھائی رات بھر قبرستانوں کی زیارت کرنے
جاتے ہیں اور ایصال ثواب کرتے ہیں۔ اس دھن میں اکثر فجر کی نماز کھو بیٹھتے ہیں۔ تو گزارش
ہے کہ ایک نفل کے لئے فرض کھو دینا بڑا گھاٹا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس رات میں قبرستان
زیارت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل قرار دینا، یہ بات بھی غلو ہے۔ اللہ تعالیٰ

اور یہ انتہائی سنجیدگی

اور اللہ نے فرمایا.......

قرآنِ پاک کی مختلف آیتوں کا ترجمہ

کوثر جہاں فاروقی

(۱) جب نماز کا وقت آجائے تو کام چھوڑ کر نماز کی طرف دوڑنا چاہئے ... جمعہ

(۲) ہر نماز کا ایک وقت ہے اور اس کی ادائیگی میں وقت کی پابندی ضروری ہے ... نساء

(۳) نماز کے وقت اپنے آپ کو ماحول سے الگ کرکے اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے ... مزمل

(۴) نماز جاہلی طریقوں کو چھوڑ دینے کا سبق دیتی ہے ... ھود

(۵) نماز آدمی کے اوپر اس طرح چھائے کہ وہ اس کی پہچان بن جائے ... فتح

(۶) نماز آدمی کے اوپر نگراں بن جائے جو اسے برے کاموں سے روکے ... عنکبوت

(۷) جب نماز پڑھی جائے تو پاک صاف ہو کر پڑھی جائے ... مائدہ

(۸) نماز اس طرح پڑھی جائے کہ آدمی کا شعور اس کے ساتھ جڑا ہوا ہو ... نساء

(۹) نماز آدمی کو اللہ کی یاد کرنے والا بناتی ہے ... طٰہٰ

(۱۰) نماز کے وقت آدمی کے اوپر پستی کی حالت طاری ہونا چاہئے ... مومنون

(۱۱) نماز نمازیوں کے لئے ایک ہونے کی تربیت ہے ... بقرہ

(۱۲) نماز ہر آدمی پر ساری عمر کے لئے فرض ہے ... معارج

(۱۳) نماز آدمی کے لئے اس کی تنہائی کا ساتھی ہے ... فرقان

نماز میں آدمی کو عاجز بندے کی طرح کھڑا ہونا چاہئے ... بقرہ

... کو اللہ کی نزدیکی کا تجربہ ہوتا ہے ... علق

... خدا کی مدد کا طالب ہوتا ہے ... بقرہ

... حفاظت کی چیز ہے ... بقرہ

ان لوگوں کو بتائیے ...

... اور بتائیے کہ آتش ...

مالی نقصان ہے اور ۱۳ ارب ...

یہ نامے!

میرے نام

محترم چچا جان! السلام علیکم۔

آپ کا خط مہدی بانو کے نام ملا جس میں آپ نے مجھے بھی مخاطب کیا تھا۔ میری بہن مہدی بانو یونانی حکیم ہیں۔ پھر گھر آکر انھیں بچوں کی دیکھ بھال بھی کرنی پڑتی ہے۔ ان مصروفیتوں کی وجہ سے انھیں وقت کم ملتا ہے۔ اب تک میں ہی اُن کی جانب سے آپ کو خط لکھتی رہی ہوں

آپ کو اس بات پر خوش ہونا چاہئے تھا کہ میں ہندی میں تعلیم پانے کے باوجود اُردو بھی لکھ پڑھ لیتی ہوں۔ آپ کے حجاب نے اس سلسلے میں میری بہت مدد کی ہے۔ تحریک اسلامی کا بہت سارا لٹریچر بھی میں نے پڑھ لیا ہے اور گزشتہ دو سال سے حلقۂ طالبات سے بھی وابستہ ہوں۔ اُردو کا املا البتہ ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے اس زبان میں خط و کتابت کرنے میں جھجک ہوتی ہے لیکن اب میں نے اس کی باضابطہ مشق شروع کردی ہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ حیدرآباد سے اُردو کو ختم کردیا گیا۔ یہاں پر کئی اُردو میڈیم کے اسکول و کالج قائم ہیں۔ اُردو میں کئی اخبار و رسائل بھی نکلتے ہیں۔ آپ اس بات پر افسوس نہ کریں کہ ہمارے خاندان سے اُردو ختم ہوگئی ہے۔ حجاب خریداری نمبر ۱۷۸۴ اور ۳۲۴۸ دونوں ہی جاری رکھئے۔ ان کا چندہ آپکو برابر ملتا رہیگا

مکرمی مائل صاحب! آداب و نیاز

عرض ہے کہ آپ کی جانب سے "حجاب" کا اعزازی نسخہ برابر موصول ہو رہا ہے اور یہ انتہائی سنجیدگی

کے ساتھ میرے علاوہ میرے حلقۂ احباب کی نگاہوں سے بھی گزرتا ہے۔ خصوصاً آپ کے قلم کا شاہکار 'حاتم نمبر' بے حد پسند کیا گیا ہے۔ عوامی ضرورت کے پیش نظر حاتم نمبر کی بیس کاپیاں اور ماہنامہ حجاب ماہ جنوری ۱۹۸۳ء سے ہر ماہ سر دست پندرہ کاپیاں ارسال کرتے رہا کریں۔ آئندہ حسب ضرورت تعداد میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ آپ کے اپنے ادارے کی تمام مطبوعات بھی بطور نمونہ ایک ایک کاپی ارسال فرمائیں۔

قاضی محی الدین احمد اینڈ سنز تاجران کتب ۵۳ ٹیپو سلطان روڈ۔ ڈھاکہ۔ بنگلہ دیش

برادر مکرم و محترم السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

آپ کے خط کا غیر معمولی تاخیر سے جواب دے رہا ہوں۔ وجہ مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس کے بعد سہ ریاستی دورے کی مصروفیت رہی۔ آج ہی تامل ناڈو، آندھرا پردیش اور کرناٹک کے طویل سفر سے واپس آیا ہوں۔ یہ دورہ اصلاً ادارہ ادب اسلامی کے سلسلے میں ہوا۔ اس پورے سفر کا ماحصل یہ ہے کہ زندگی کی طرح ادب بھی اندھیرے میں عرصہ دراز تک بھٹکنے کے بعد صراط مستقیم کی تلاش میں ہے۔ مختلف منحرف ادبی رجحانات کے سرخیل بھی اب اقرار کرنے لگے ہیں کہ مابعد الطبیعاتی اور اخلاقی اقدار سے رابطے کے بغیر عظیم تخلیقات کا تصور محال ہے۔ مگر وہ اقرار کیا ہوں، یہاں پہونچ کر وہ پھر بھٹک جاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اعلیٰ تر فکری و فنی سطح سے ان بے چاروں کو ادبی صراط مستقیم دکھائی جائے۔ تعمیر پسند ادباء و شعراء اس وقت مشعل راہ بن سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ ان تھک محنت اور وسیع مطالعہ سے کام لیں اور فکر و فن کی اعلیٰ مثالیں پیش کریں۔ اس وقت تعمیر پسند شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات کے مفصل جائزوں کو بھی منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔ مگر ہمارے فن کاروں کا یہ حال ہے کہ ان کی شائع شدہ چیزیں بھی اس وقت عنقا ہیں، جائزے کا کام ہو تو کیسے ہو۔ خدا کرے ہمارے احباب اس قیمتی ادبی سواد کی فراہمی میں ہماری مدد فرمائیں

دلی میں اس خبر سے بے حد مسرت ہوئی کہ آپ کی آنکھ کا آپریشن کامیاب رہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے نورِ بصیرت کو عام کرے۔ آمین۔ محترمہ بھابھی اور بچوں کو سلام علیک۔ بی فاطمہ زہراؓ کی شادی پر ہم سب کی طرف سے دلی مبارکباد۔ والسلام۔ خیراندیش: احمد سجاد۔ رانچی۔

محترم المقام جناب مائل صاحب! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امید ہے مزاجِ گرامی بخیر و عافیت ہوں گے۔ میں نے حجاب کے دو خصوصی نمبروں 'آج کا حاتم' اور 'رسول کریم نمبر' کا مطالعہ کیا۔ اِن کے مطالعے سے واقعی میری معلومات میں بہت حد تک اضافہ ہوا۔ حق تو یہ ہے۔ میرے ہم خیال دوستوں نے اِس کو بہت پسند کیا۔ میری بہنوں نے اِس کو بہت زیادہ پسند کیا اور اپنے تاثرات آپ تک پہونچانے کے لئے کہا۔ میری بہن نے اپنے کالج میں ایک پروگرام شروع کیا جس میں وہ اپنی سہیلیوں کو لٹریچر پڑھنے کے لئے دیتی ہے۔ کالج کی تمام طالبات نے مطالبہ کیا کہ ہمیں صرف جناب مائل صاحب کا لکھا ہوا لٹریچر چاہیئے۔ اِس مطالبے کو پورا کرنے کے لئے میں نے بہت حد تک کوشش کی۔ رسائل میں بھی اُنھوں نے حجاب کو ہی پسند فرمایا۔ آج کے حاتم کے سلسلے میں مزید عرض ہے۔ اِس کو اس حد تک پسند کیا گیا کہ میری بہن نے اِس کے چند حصوں کو کشمیری ڈرامے کے طور پر تیار کیا ہے اور وہ چاہتی ہے کہ جس طرح اِس میں دعوتِ اسلامی کو عام کرنے اور پھیلانے کا انداز اختیار کیا گیا ہے واقعی یہ نہایت اچھا انداز ہے۔ آج کا حاتم پڑھ کر میرے بھی خون میں گرمی پیدا ہوئی۔ بقول فرزانہ ناہید بہن اِس کے سبب ہماری زندگی میں کافی تبدیلیاں آگئی ہیں۔ اب دین کا مفہوم ہماری سمجھ میں آرہا ہے کہ ہماری عملی زندگی میں دین کا رول کیا ہے۔ اگرچہ ابھی ہم پورے کے پورے دین میں داخل نہیں ہوگئے لیکن پیشقدمی جاری ہے اور انشاء اللہ ہم تیزی سے دین پر چلنے کی کوشش کریں گے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔ آمین! سچ پوچھئے حجاب۔ سے مجھے باقی تمام

تحریکی رسائل سے کچھ زیادہ لگاؤ اور محبت ہے کیونکہ جس عرق ریزی سے اس کتاب کو تیار کیا جاتا ہے وہ سب سے بڑی خوبی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حجاب دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ آمین! ثم آمین۔ والسلام۔ آپ کا برخوردار

شفیق اعجاز احمد خان چیف آرگنائزر ملّتِ اسلامیہ مسلم لائبریری

۹۳-اے، ہیوکالونی۔ بتہ مالو۔ سری نگر۔۱۹۰۰۰۹

محترمی محبی چچا جان صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہزاروں ہزار رحمتیں، برکتیں، نعمتیں نازل ہوں۔ فروری کا حجاب بروقت ہمدست ہوا۔ دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام اُن کاوشوں کو قبول فرمائے جو مالک کی رضا حاصل کرنے کے لئے زیرِ عمل ہیں اور ہم سب کو بھی استفادہ کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین۔ "رسولِ کریمؐ" بہت خوب رہا۔ جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ فروری کا حجاب کھولتے ہی "زندگی ایک امتحان" عنوان پر نظر پڑی۔ بہن ساجدہ فرزانہ صاحبہ نے بہت خوب لکھا ہے:

عزائم جن کے اونچے اور اونچا بخت ہوتا ہے　　زمانے میں انہی کا امتحاں سخت ہوتا ہے

بے شک بہت پسند آیا۔ بیٹی کے نام خط، رشتہ نہ ٹوٹے، ملاقات کبھی کبھی، کم جہیز کی سزا، حرام کی دولت، جی ہاں، اور جنوری کے حجاب میں یاس کی پت جھڑ، تہی دامن کا دھلی ہوئی سلیٹ وغیرہ وغیرہ سبھی مضامین بہت متاثر کن اور اصلاحی رہے۔ کرنوں کا سفر تو جگ مگ جگ مگ روشن، روشن ہی رہا۔ اللہ تعالیٰ سب کی کاوشوں کو قبول کرے اور تحریکی کام میں برکت عطا فرمائے۔ بند دل کا دل کھول دے۔ چچا جان! قابلِ مبارکباد ہیں وہ لوگ جو اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے۔ مجھ ناچیز کی تمام مراسلہ نگاروں کو مبارکباد قبول ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح و سالم رکھے اور

پھلا حجاب دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ چچا جان! ورانی چاچا ایجنسی وغیرہ جو حجاب کیلئے سےدہے ہیں، انشاءاللہ میں بھی اس کام میں معاون رہوں گی۔ دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی کچھ خدمت لے لے۔ میری جانب سے تمام حجابی بہن بھائیوں اور چچی ماں وغیرہ متعلقین کو سلام مسنون۔ خلوص آگیں طالب دعا: آپ کی بیٹی سیدہ شمیم افزا۔ظہیرآباد۔

محترم چچا جان! السلام علیکم۔

رسولِ کریمؐ نمبر گھر میں سب کو بہت پسند آیا اور ابھی تک پڑھا جا رہا ہے۔ اتنا اچھا نمبر شائع کرنے پر مبارکباد قبول فرمائیں۔ رسول اکرمؐ کی مدنی حیات مبارکہ پر مبنی ایک اور نمبر یعنی رسولِ کریمؐ نمبر ۲ بھی جلد شائع فرمائیں۔ گزارش ہے کہ اسی طرز پر یعنی آسان اور دلکش زبان میں ایک قرآن پاک نمبر بھی ترتیب دیں جس میں قرآن پر مبنی تعلیمات کی تلخیص ہو۔ مثال کے طور پر قرآنی آیات کی بنیاد پر مختلف عنوان ہوں۔ "رسولِ کریمؐ" بزبان ہندی کا انتظار ہے۔ سیدہ رعنا مظفر۔بدھواڑا۔اصغر منزل۔بھوپال۔

محترم المقام مائل صاحب! السلام علیکم۔

جنوری ۱۹۸۴ء کا حجاب ملا۔ ماشاءاللہ ہے۔ مگر "اسلامی اجتماعیت کی تعمیر" کا صفحہ ایسا گڑبڑ ہوا کہ سارا مزہ کرکرا ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کاتب اور جلد ساز توجہ سے کام نہیں کرتے۔ ایک میرا مشورہ ہے، اگر مناسب معلوم ہو تو اُسے عمل میں لائیں گے۔ مذکورہ بالا مضمون ایسا ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہونچایا جائے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اسے پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا جائے۔ اس سے بات آسانی سے سمجھنے اور غلط فہمی دور ہونے میں دلپذیر کا کام کرے گا۔ آپ کی آنکھوں کا حال لکھئے۔ دعا ہے کہ ہم لوگ آپکی تحریروں سے محروم نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپکو صحتِ کلی عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط محمد علی حبیب۔سہدیو کھاپ۔

صبر

اللہ کا بہترین عطیہ

سیدہ شمیمہ افزا۔ ظہیرآباد

دُنیا کا رنگ یکساں نہیں ہے۔ یہاں کسی وقت دھوپ کسی وقت چھاؤں۔ یہاں انسان کو کسی وقت سُکھ ملتا ہے تو کبھی دُکھ، کبھی صحت ہے تو کبھی مرض۔ یہاں مہر و محبت کی شیرینی بھی ملتی ہے اور مخالفت و عداوت کے کانٹے بھی چبھتے ہیں۔ یہاں اعزہ اور احباب سے ملاقات کی مسرت بھی حاصل ہوتی ہے اور اُن کی جدائی کا غم بھی سینے پر اُٹھانا پڑتا ہے۔ آرام کے دن تو ہنستے کھیلتے گزر جاتے ہیں مگر پریشانی اور تکلیف کا ایک ایک پل پہاڑ بن جاتا ہے۔ اِن دشواریوں کی گھڑی میں کبھی آدمی مایوس ہو جاتا ہے اور آگے بڑھنے کی سکت اپنے اندر نہیں پاتا تو اِن حالات میں اُسے صبر سے مدد ملتی ہے۔ صبر ہی اُس کے اندر حوصلہ اور ولولہ پیدا کرتا ہے اور مسکراتے ہوئے دشواریوں سے مقابلہ کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ مکہ معظمہ میں رسول اکرم صلعم کے جاں نثار ساتھیوںؓ کو جن دشوار مراحل سے گزرنا پڑا کیا صبر اور برداشت کے بغیر اُس سے عہدہ برآ ہونا ممکن تھا؟ نہیں، کبھی نہیں۔ اسی لئے اہل ایمان سے بار بار کہا گیا ہے کہ تم صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ ایک مقولہ ہے کہ صبر مومن کا سامانِ سفر ہے۔ خود قرآن کریم میں جا بجا ارشاد ہوا ہے: "اِنّ اللہ مع الصّابرین بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" جو لوگ صبر اور شکر کا دامن تھام کر دشواریوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بے حد و حساب اجر سے نوازتا ہے۔ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو کامیابی اور نجات کی بشارت دی گئی ہے۔ غرضکہ صبر ایمان کے راستے پر چلنے والوں کے لئے زادِ سفر ہے۔ احادیث میں صبر کے جن مختلف گوشوں کو نمایاں اور اُجاگر کیا گیا ہے، اس کی ایک جھلک پیش نظر اِن احادیث میں ہے۔ حضرت ابو سعید الخدری سے روایت ہے کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اکرم صلعم سے سوال کیا یعنی کچھ مانگا۔ آپؐ نے اُن لوگوں کو اُن کی فرمائش کے مطابق دیا تو اُن لوگوں نے پھر سوال کیا تو پھر آپؐ نے اُن کو دیا یہاں تک کہ آپؐ کے پا

جو کچھ تھا ختم ہو گیا۔ پھر جب آپؐ نے سب کچھ دے دیا تو اُن سے فرمایا "میرے پاس جو کچھ تھا ختم اُور میں نے تم لوگوں سے بچا کر کچھ نہیں رکھا ہے۔ دیکھو! جو خوددار بننا چاہتا ہے اللہ اُسے خوددار بنا دیتا ہے اور جو استغنا چاہتا ہے اللہ اُسے صبر دیتا ہے"۔ بس صبر سے زیادہ کسی کو بہتر اُور وسیع عطیہ دیا گیا۔ فی الحقیقت صبر ایک بہترین عطیہ ہے مگر بعض اُوقات دنیا ہی میں صبر کا بدلہ بہترین طور سے مل جاتا ہے۔

کسی کا قول ہے کہ صبر اُجالا ہے۔ صبر کی تعبیر اُجالے اُور روشنی سے کی گئی۔ جس طرح دن میں گزار راہوں پر دن کے اُجالے میں چلنا آسان ہوتا ہے اور آدمی راستے کے ہر مرحلے سے بآسانی گزر جاتا ہے اُسی طرح صبر کی مدد سے ایمان کی راہ پر چلنا مومن کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ بڑی سے بڑی پریشانی اُور دشواری نہ اُس کے پاؤں کی زنجیر بن سکتی ہے اُور نہ اُسے آگے بڑھنے سے روک سکتی ہے

اکثر دیکھا گیا ہے کہ بندے خوشی سے اترانے لگتے ہیں اور غم کے موقعہ پر مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں حالانکہ ایسا ہونا خلافِ شرع ہے۔ خوشی کے موقعہ پر انسان کو اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ آج اُس نے ہمیں ایسے دن دکھائے اُور غم کے موقعہ پر صبر کی راہ اپنانی چاہیئے۔ خدا کی مرضی میں کسی کا چارہ نہیں ہے۔ وہ جو کرتا ہے اچھا کرتا ہے۔ یہی اہلِ ایمان کی روشنی ہے۔ اسی روشنی کو اپنانے پر دُکھ اُور سُکھ دونوں رب کی رضا کے موجب بن جاتے ہیں۔ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صبر کی تائید کی ہے۔ رسول اکرم صلعم نے فرمایا ہے کہ جو صبر نہیں کرتا اور پریشانی کی حالت میں منھ پر چانٹے مارتا ہے اُور بال نوچتا ہے وہ میری اُمت سے نہیں ہے۔

صبر انسان کے دشوار مرحلوں کو آسان کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اُن لوگوں کا انجام بخیر ہوتا ہے جو صبر اُور شکر کا دامن مضبوطی سے تھامتے ہیں۔ جو رنج و غم کا مقابلہ سعادتمندی اور خاموشی کے ساتھ کرتے ہیں کامیابی اُن کے قدم چومتی ہے۔ عربی میں ضرب المثل ہے الصبر مفتاح الفرج۔ صبر کامیابی کی کنجی ہے اُور حقیقت "صبر ظفر"۔ جس نے صبر کیا اُس نے کامیابی پائی۔

اللہ کی نعمتیں

خود پکا کر نوش فرمائیں اور پڑوسن کو تحفے میں دیں

بیسن کے لڈو

اشیاء:۔ بیسن آدھ سیر، گھی ڈیڑھ پاؤ، چینی آدھ سیر، سبز الائچی ۱۵۔۲۰، پستہ چند دانے

ترکیب:۔ بیسن کو گھی میں خوب بھونیں۔ جب بھن جائے تو اس میں چینی پیس کر خوب باریک کر کے ملا دیں اور نیچے اتار کر اتنا ملائیں کہ سب یکجان ہو جائے ایک ذرا ٹھنڈا ہونے پر اس میں الائچی کے دانے ڈال دیں اور لڈو بنا لیں۔ اوپر سے پستہ باریک کاٹ کر چھڑک لیں اور چاندی کے ورق لگا کر پیش کریں۔

پپیتے کا حلوہ

اشیاء:۔ کچا پپیتا درمیانہ سائز، چینی چائے کے دو کپ، گھی ایک کپ۔

ترکیب:۔ سب سے پہلے پپیتے کو چھیل کر باریک کاٹ لیں اور درمیانی دیگچی میں ڈال کر ڈیڑھ کلو پانی ڈال دیں اور ساتھ ہی چینی بھی ڈال دیں پپیتے کو گلا لیں۔ جب پپیتا خوب اچھی طرح گل جائے تو اس میں گھی ڈال کر اچھی طرح بھون کر اتار لیں۔ اس حلوے کی خاص بات یہ ہے کہ یہ حلوہ گردے کی پتھری خارج کرنے کے لئے بہت مفید ہے۔ تین چار بار استعمال سے پتھری خارج ہو جاتی ہے۔ شرطیہ آزمائیے۔

حکایاتِ منتخبہ

شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکایت ۴۹ - از اشاعتی تبلیغی نصاب در فضائل درود شریف عکسی ص۱۱۵

دن اور رات کا مناظرہ

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکۃ آرا تالیف تبلیغی نصـ
میں دن اور رات کا ایک مناظرہ نقل فرمایا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں یہ مناظرہ نقل کروں، تفہیم کے لیے
یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ادبی دنیا میں ادیبوں اور شاعروں نے اکثر ایسی حکایتیں لکھی اور نظـ
کی ہیں جن میں بے زبان چیزیں انسانوں کی طرح باتیں کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ان کو 'زبانِ حال' سے
واضح کیا جاتا ہے نہ کہ اقوالِ واقعی ہوتا ہے۔ فارسی میں مولانا رومؒ اور شیخ سعدیؒ نے بڑی فصاحت
بلاغت سے ایسے ادب پارے پیش کئے ہیں۔ میرے بچپن میں یہ ادب پارے علم مجلس کی جان ہوتے تھے
محفلوں میں موقع موقع سے برجستہ یہ فقرے بولے جاتے تو محفل جھوم اٹھتی تھی۔ حضرت سعدی کی بوستـ
گلستاں اور گلزار دبستاں کی پوری کہانیاں آج بھی اِن سطروں کے لکھنے والے کو یاد ہیں۔ اسی طر
عربی زبان اور ہندی بھاشا میں بھی یہ مثالیں کم نہیں ہیں۔ میں اردو زبان کی کچھ مثالیں پیش کر رہا ہو
مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی، بچوں کے سب سے بہتر ادیب و شاعر، کے یہاں ایسی بہت سی مثالیـ

تی ہیں سائن کے یہاں کہیں یہ کہ :-

ایک لڑکی پکا رہی تھی دال دال کرتی تھی عرض یوں احوال

کہیں خرگوش اور کچھوے کی جھڑپ ہے کہ کچھوے سے ناحق الجھ پڑا خرگوش :-

بولا کچھوے! تمہاری چال ہے یہ یا کوئی شامت و بال ہے یہ

کہیں گھنگھور گھٹا تُلی کھڑی تھی لیکن برس نہیں رہی تھی کہ ایک ناچیز قطرے نے نعرہ لگایا اور برس پڑا۔ اسی طرح کہیں کتے بلّی کی گھاتیں، بلّی اور مرغ کی باتیں، بھیڑیئے اور شیر کے سوال و جواب وغیرہ وغیرہ بچّوں کے ادب سے اوپر نظر ڈالئے۔ میر تقی میر کا صرف ایک قطعہ ملاحظہ فرمائیے کس قدر عبرت انگیز ہے۔ فرماتے ہیں :-

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا یکسر وہ استخوانِ شکستہ سے چور تھا

کہنے لگا کہ دیکھ کر چل راہ بے خبر میں بھی کبھی کسی کا سرِ پُر غرور تھا

بس زیادہ نہیں۔ اب صرف مشہور میلاد خواں اکبر میرٹھی مرحوم کی ایک نظم اور ملاحظہ فرمائیے۔ نظم اس طرح شروع کرتے ہیں :-

فلک بولا کہ مجھ میں چاند ہے، سورج، ستارے ہیں

زمیں بولی کہ مجھ میں پھول بوٹے پیارے پیارے ہیں

اس کے بعد اکبر میرٹھی صاحب نے شعر و ادب کے خوب خوب گل کھلائے ہیں اور زمین و آسمان کی ساری خصوصیتیں نظم فرما دی ہیں۔

اُردو میں بیان کی گئی اِن چند مثالوں سے یہ بات اچھی طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ دال، کچھوے، خرگوش، شیر، بھیڑئیے حتّٰی کہ مُردہ کھوپڑی کے بولنے اور زمین و آسمان کے مناظرے کو بیان کرنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ دل میں بیٹھ جانے والی نصیحت یا اثر کرنے والی عبرتناک بات ادبی زبان میں کہہ دی جائے۔ اس طرح جب بے زبانوں کی طرف سے کچھ کہلوایا جاتا ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ یہ سب "زبانِ حال" سے کہا جاتا ہے نہ کہ استخوانِ شکستہ سے چور کھوپڑی گوشت والی زبان سے

بولتی ہے، یا زمین و آسمان کا مناظرہ واقعی کبھی ہوا تھا۔ اسی طرح کی وہ مثال ہے جس کا ترجمہ حضرت شیخؒ نے نزہتہ المجالس سے کیا ہے جو یہ ہے :۔

(۴۹) نزہتہ المجالس میں ایک عجیب قصہ لکھا ہے کہ رات اور دن میں آپس میں مناظرہ ہوا کہ ہم میں سے کون سا افضل ہے۔ دن نے اپنی فضیلت کے لئے کہا کہ میرے میں تین فرض نمازیں ہیں اور تیرے میں دو اور مجھ میں جمعہ کے دن ایک ساعت اجابت ہے جس میں آدمی جو مانگے وہ ملتا ہے (یہ صحیح اور مشہور حدیث ہے) اور میرے اندر رمضان المبارک کے روزے رکھے جاتے ہیں۔ تو لوگوں کے لئے سونے اور غفلت کا ذریعہ ہے۔ اور میرے ساتھ تیقظ اور چوکنا پن ہے اور مجھ میں حرکت ہے اور حرکت میں برکت ہے۔ اور میرے میں آفتاب نکلتا ہے جو ساری دنیا کو روشن کر دیتا ہے۔ رات نے کہا کہ اگر تو اپنے آفتاب پر فخر کرتا ہے تو میرے آفتاب اللہ والوں کے قلوب ہیں۔ اہل تہجد اور اللہ کی حکمتوں میں غور کرنے والوں کے قلوب ہیں۔ تو ان عاشقوں کے شراب تک کہاں پہنچ سکتا ہے جو خلوت کے وقت میں میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ تو معراج کی رات کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔ تو اللہ جل شانہٗ کے پاک ارشاد کا کیا جواب دے گا جو اس نے اپنے پاک رسول ﷺ سے فرمایا وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ کہ رات کو تہجد پڑھئے جو بطور نافلہ کے ہے آپ کے لئے۔ اللہ نے مجھے تجھ سے پہلے پیدا کیا۔ میرے اندر لیلۃ القدر ہے جس میں مالک کی نہ معلوم کیا کیا عطائیں ہوتی ہیں۔ اللہ کا پاک ارشاد ہے کہ وہ ہر رات کے آخری حصہ میں یوں ارشاد فرماتا ہے کوئی ہے مانگنے والا، جس کو دوں، کوئی ہے توبہ کرنے والا جس کی توبہ قبول کروں۔ کیا تجھے اللہ کے اس پاک ارشاد کی خبر نہیں يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۔ کیا تجھے اللہ کے اس ارشاد کی خبر نہیں کہ جس میں اللہ نے ارشاد فرمایا سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا پاک ہے وہ ذات جو رات کو لے گیا اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک فقط۔

پڑھ لی آپ نے حکایت نمبر ۴۹۔ حضرت اقدس کہتے ہیں کہ یہ "عجیب قصہ" ہے۔ دوستو! یہ عجیب قصہ نہیں

بلکہ پڑھنے والے کو کسی شے کی خصوصیات اور خوبیاں سمجھانے کا موثر اور دلکش انداز ہے۔ اس کا تعلق "زبانِ حال" سے کہلوانے کا ہے نہ کہ واقعی یہ مناظرہ کبھی ہوا تھا۔

ایک سوال یہ ہے کہ کیا حضرت شیخ زبانِ حال اور احوالِ واقعی کے فرق کو نہیں سمجھتے؟ میرا یقین یہ ہے کہ سمجھتے تھے۔ پھر کیوں اسے "عجیب قصہ" کہہ کر اُس کتاب میں نقل کیا جو بطور درس مسجدوں میں پڑھائی جاتی ہے اور جس کا نام "تبلیغی نصاب" ہے۔ اس کتاب کا بیشتر حصہ اتنا قیمتی ہے کہ انسان کی تربیت کے لئے کافی ہے۔ ایک طالب علم کو حکایاتِ صحابہؓ، فضائلِ تبلیغ، فضائلِ قرآن، فضائلِ نماز، فضائلِ ذکر، فضائلِ رمضان اور فضائل درود شریف سے متعلق وہ سارا میٹریل یکجا مل جاتا ہے جس کی ضرورت ہے لیکن حیرت ہے کہ ایسی کتاب میں قرآن و حدیث سے ہٹ کر جو روایات اور حکایات نقل کی ہیں وہ حضرت اقدسؒ کے قلم کے شایانِ شان نہیں۔ میں اس خیال سے کہ بے ادبی نہ ہو جائے یہ تنقید نہیں کروں گا کہ اس حکایت کو بیان کرتے کرتے حضرت شیخؒ کو اپنے "مقامات اور مبشرات" کا ذکر کرنا تھا جو صفحہ ۱۱۰ پر حکایت نمبر ۵۰ میں درج ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کو خودستائی اور اپنے بارے میں خوش فہمی سے بچائے۔ اس خوش فہمی نے بڑے بڑے چاند تاروں کو زمین پر لا ڈالا اور پھر "زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے"؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔

میرے پسندیدہ اشعار، مرسلہ: شفیق اعجاز احمد خان۔ سری نگر کشمیر

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن : کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
علامہ اقبالؒ

نہ ہو مذہب میں جب زورِ حکومت : تو وہ کیا ہے؟ فقط اک فلسفہ ہے
اکبر الہ آبادی

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو : اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی
ظفر علی خانؒ

فاطمہ زہرا، متعلمہ فاضلہ ادب، جامعۃ الصالحات۔ رامپور

ایک مرد کی تعلیم ایک فرد کی تعلیم

ایک عورت کی تعلیم

ایک نسل کی تعلیم

اقسامِ علم:۔ علوم وفنون کے سلسلے میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ان کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) ایک علم وہ جو ایک انسان کو خداترس اور بہترین انسان بناتا ہے۔ اسے اسلامی اصط میں ''العلم'' کہا گیا ہے۔ اس کے متعلق نبی کریمؐ نے فرمایا: طلب العلم فریضۃ علیٰ ک مسلمٍ و مسلمۃٍ (ہر مرد اور عورت پر 'العلم' حاصل کرنا فرض ہے)۔ تمام خدائی مذاہب اس بات پر متف ہیں کہ ''العلم'' میں خداترسی کا علم شامل ہے۔ آپ دوسرے مذاہب کا مطالعہ کیجئے تو آپ ''خوفِ خدا'' اور ''بھگوان کا بھے'' جیسے الفاظ ملیں گے۔ آخرت، مکافاتِ عمل، جنّت دوزخ، بیکنٹھ اور نرک کا عقیدہ اسی لئے ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ اور غور فرمائیں۔ ٹرین سفر کرتے وقت نوٹوں سے بھرا تھیلا نظر آجائے تو خداترس انسان اس کی طرف ہاتھ بڑھانے ہو کانپ جائے گا لیکن خدا سے نہ ڈرنے والا روپیہ ہتھیا لے گا۔ دنیا کے دانشوروں کا فیصلہ بھی خوفِ خدا (العلم) کے بغیر کوئی شخص اچھا انسان نہیں بن سکتا۔

(۲) العلم تو صرف ایک ہے۔ اس کے علاوہ معاشی اور سائنسی علوم بہت ہیں۔ صنعت و حرفت اور تجارت کے علوم بھی اس میں شامل ہیں۔ آپ اپنی معاشی اور معاشرتی کامیابی کے لئے جو علم چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ آپ کا جی چاہے آپ ڈاکٹری علم حاصل کریں، انجینیرنگ کا علم حاصل کریں، فن تعلیم حاصل کریں، کپڑا بننے، کپڑا سینے، کھانے پکانے وغیرہ کا جو علم چاہیں حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح کا علم چاہے چین سے حاصل کرے چاہے امریکہ اور یورپ سے لے، جائز ہے۔ اسلام ایسے علوم و فنون کو مستحب قرار دیتا ہے۔

(۳) کچھ علوم و فنون ایسے ہیں جو ظاہر میں آدمی کی نظر میں بڑے دلکش ہوتے ہیں لیکن دنیا کے تمام دانشوروں نے ان کو مذموم قرار دیا ہے مثلاً علم الربا، سودی کاروبار کا علم، شراب سازی اور شراب فروشی، رقص و سرود، عریاں افسانہ نگاری کا علم۔ مطلب یہ کہ اخلاق کو بگاڑنے والے سارے علوم کے لئے جس فن کی عمارت کا دروازہ کھلتا ہے وہ سب اس میں شامل ہیں۔ اسلام نے ان کو حرام قرار دیا ہے۔

تعلیم کے معنی و مطلب اور العلم کو نظر میں رکھ کر ہی یہ فیصلہ کن بات کہی گئی ہے کہ اس کے تحت انسان کو انسان بنانے کے لئے نبیوں کو مستثنیٰ کر کے عرض ہے کہ مرد سے زیادہ عورت کا حصہ ہے۔ ایک مرد کو تعلیم کا مطلب اور العلم سمجھا دیا جائے تو زیادہ تر وہ علم اسی تک رہتا ہے۔ کمانے کی دھن میں اسے فکر ہی نہیں ہوتی کہ دوسروں کو بھی خدا ترس اور اچھا انسان بنائے۔ مرد کی کوششوں کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ العلم حاصل کر کے وہ اکیلا ہی جنت میں جانا چاہتا ہو لیکن اسے کچھ رعایت ملنی چاہیئے۔ اس غریب کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی طرف دھیان دے۔ ہاں، وہ عورت ہے جو جنت میں اکیلی نہیں، اپنے ساتھ اپنی اولاد اور اپنے متعلقین کو بھی لے جانا چاہتی ہے۔ یہ اس کی فطرت ہے۔ شاید اسی لئے اسلام میں صلہ رحمی کی اخلاقی قدر کا اضافہ کیا گیا ہے اور احادیث میں اس کے متعلق ایسی بہت سی باتیں کہی گئی ہیں مثلاً صالحہ خاتون کو دنیوی نعمتوں میں سے سب سے بہترین نعمت کہا گیا ہے۔ مثلاً المراعۃ راعیۃ، علی بیت زوجھا وولدہ یعنی عورت

اپنے شوہر کے گھر اور اُس کے بچّوں کی نگران ہے ماُس سے اِس کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ سب
اچھا وہ گھر ہے جس کے اندر ایک صالحہ (خدا ترس) عورت ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے
چیزوں کو بہت پسند فرمایا۔ نماز کو آپؐ نے آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا۔ باقی دو چیزوں کا ایک
ذکر کیا۔۔۔ عورت اور خوشبو۔ غور کیجئے، عورت اور خوشبو کا ایک ساتھ ذکر کرنا کیا یہ معنی بھی اپنے
سموئے ہوئے ہے کہ عورت کا کردار خوشبو کی طرح مہکتا اور پھیلتا ہے۔ اگر یہ معنی بھی ہیں تو ہمارے
مضمون کے عنوان کے لئے کتنی بے مثل اور ٹھوس دلیلیں ملتی ہیں۔ پھر یہ کہ عورت کی زندگی خود ا
دلیل ہے۔ اولاد بالغ ہونے تک اپنی ماں کے زیر سایہ رہتی ہے اور کسی کتاب کے بغیر غیر شعوری طو
ماں کے حرکات وسکنات کا اثر قبول کرتی رہتی ہے۔ ایک بار مشہور فاتح نپولین بوناپارٹ کے سا
تین سپاہی پیش ہوئے۔ اُنھوں نے جنگ میں بڑی بہادری دکھائی تھی۔ انھیں انعام دینا تھا۔ نپو
نے دیکھا کہ اُن کے پیچھے ایک بوڑھی عورت کھڑی ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ ان بہادروں کی ماں ہے۔ وہ تخ
سے اُترا۔ اُس ماں کو سلوٹ کیا اور کہا میں اُس ماں پر فخر کرتا ہوں جس نے ایسے لڑکے ملک کو دیے۔

لطیفہ:- کسی بڑے شہر کا ایک آدمی ہے، اُس کا دفتر گھر سے پندرہ بیس کلومیٹر دور
وہ کرائے کی بس پر یا اپنی سائیکل پر جاتا ہے، صبح سویرے منھ اندھیرے یعنی اُس وقت جب کہ اُس
بچے سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر رات گئے آتا ہے تو اُس وقت اُس کے بچے کھا پی کر سو رہتے ہیں۔ اتوار کو
مرد گھر میں دکھائی دیتا ہے۔ اتوار کو اسے گھر میں دیکھ کر بچے اپنی ماں سے پوچھتے ہیں کہ یہ پاپا نام کا کون
مرد ہے جو ہمارے یہاں اتوار ہی کو آتا ہے۔

یہ لطیفہ پورا پورا ہمارے عنوان پر فٹ ہوتا ہے۔ عورت ہی وہ ذات ہے جس سے ایک نسل
اصلاح ہوتی ہے۔ اور ہاں، عورت بنت عورت شادی کے بعد جہاں جاتی ہے
وہ دوسری نسلوں کی اصلاح کا سبب بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم عورتوں کو وہ توفیق عطا فرمائے
ہم اپنے مقام کو پہچانیں اور اس مقام بلند کو مجروح یا گم نہ ہونے دیں۔ آمین ثم آمین!

نوٹ: یہ مضمون جامعۃ الصالحات رامپور کے ایک انعامی مقابلے میں نمبر ۲ پر آیا اور انعام حاصل کیا

سائنس اور طریقِ تعلیم

یہ ایک سائنٹفک حقیقت ہے کہ دنیا کی تمام دوسری چیزیں تو سرد ہو کر سکڑتی چلی جاتی ہیں مگر ان کے برعکس پانی جب سرد ہوتے ہوئے جمنے کے قریب پہنچتا ہے تو پھیل جاتا ہے اور برف بن کر ہلکا ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے برف سطحِ آب پر تیرنے لگتی ہے۔ یہ ایک امرِ واقعہ ہے۔ اب ایک شخص اس چیز کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ پانی کی یہ خاصیت ہے اور واقعتہً ایسا ہوا کرتا ہے دوسرا شخص اسی واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ خدا نے اپنی حکمت و ربوبیت سے پانی میں یہ خاصیت اس لئے رکھی ہے کہ دریاؤں اور تالابوں اور سمندروں میں جاندار مخلوق رہ سکے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو پانی جم جم کر نیچے بیٹھتا چلا جاتا۔ یہاں تک کہ پورے پورے سمندر اور تالاب اور دریا برف بن جاتے اور کوئی جاندار مخلوق ان میں زندہ نہ رہتی۔ دیکھئے ایک ہی امرِ واقعہ کو دو شخص اپنے اپنے طرزِ فکر کے مطابق دو مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں اور ہر ایک کا بیان پڑھنے سے آدمی کے ذہن پر دو مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایک طریقے سے اسی واقعی حقیقت کو بیان کیا جائے تو وہ پڑھنے والے کے ذہن میں خدا کی توحید اور اس کی حکمت اور ربوبیت کا عقیدہ بٹھائے گا اور دوسرے طریقے سے یہی واقعہ بیان کیا جائے جس طرح موجودہ سائنس میں اس کو بیان کیا جاتا ہے تو کسی شخص کے ذہن میں سرے سے خدا کا تصور آتا ہی نہیں بلکہ اس سے آدمی کے سامنے تصویر یہ آتی ہے کہ یہ سب کچھ آپ ہی آپ ہو رہا ہے۔ کسی صانعِ حکیم کی حکمت اور کسی ربِّ قدیر کی پروردگاری اس میں کارفرما نہیں ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک طریقے سے اگر سائنس کو پڑھایا جائے تو اس سے ایک مادہ پرست سائنسداں تیار ہوگا اور دوسرے طریقے سے وہی سائنس پڑھایا جائے تو ایک مسلمان سائنس داں تیار ہو جائے گا"

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

مسائل وسائل

وہ تو "ملّانی" نکلیں

دانشوری کی ایسی مثالیں یوں تو اکثر و بیشتر قومی سطح کے اخبارات کے صفحات پر نظر آتی ہی رہتی ہیں۔ لیکن برا خاندان کے مشہور زمانہ "روزنامہ ہندوستان ٹائمز" کے ۸ر جنوری کے شمارہ میں پردہ کے تعلق سے جو شہ پارہ شائع ہوا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

مضمون نگار رینا ناجھاب والا نے جو غالباً ابھی دانشوری کی نچلی سیڑھی پر کھڑی ہیں۔ پردہ کے سلسلے میں مسلم خواتین کی رائے جاننے کے لئے بظاہر کافی بھاگ دوڑ کی ہے لیکن پہلے ہی مرحلے میں ان سے چوک ہوگئی۔ انھوں نے سب سے پہلے گجرات کے قصبہ منگرول کے ایک خوش حال مسلم گھرانے کی پڑھی لکھی اور سلیقہ مند خاتون محترمہ حمیدہ بیگم سے اس توقع کے ساتھ ملاقات کی کہ موصوفہ پردے کے نام پر جلی کٹی سنائیں گی مردوں کے جبر و ظلم اور عورتوں کی مظلومیت کا رونا روئیں گی لیکن وہ تو "پوری ملّانی" نکلیں۔ پردہ کو عورتوں کی عصمت و عفت کا محافظ بتایا عورتوں کو گھر کی ملکہ قرار دیا۔ اور اس بات کی وکالت کی کہ انھیں اپنا دائرہ کار گھر ہی کو بنانا چاہیئے۔

یہی نہیں بلکہ انھوں نے یہ غضب بھی کیا کہ بے پردگی کو جنسی جرائم کے لئے ذمہ دار بھی ٹھہرا دیا۔ بات بنتے بنتے بگڑ گئی۔

چنانچہ جھاب والا نے دہلی کی ایک بے نام سماجی کارکن کا سہارا لیا اور ریما صاحبہ

کی غیر شعوری اور غیر دانشورانہ باتوں کا جواب دینے کی کوشش کی۔

یہ نرالی منطق بھی ملاحظہ فرمائیے

رینانا جھاب والا فرماتی ہیں پردے میں رہ کر یعنی اپنے گھر میں کام کرنے والی خواتین کو اجرت کم ملتی ہے۔ مثال کے طور پر احمد آباد میں ایک مزدور ایک سو ستر روپے ماہانہ کما لیتا ہے جب کہ گھریلو خواتین صرف ڈیڑھ سو روپے تک ہی پہنچ پاتی ہیں۔ بات خاصی معقول ہے لیکن موصوفہ نے یہ نہیں بتایا کہ اپنے گھر سے کارخانہ یا کارگاہ تک جانے کے لئے کتنا وقت برباد کرنا پڑتا ہے۔ کتنا کرایہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ پھر رکھ رکھاؤ کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ان ساری پریشانیوں اور اخراجات سے اگر ۲۰ روپے ماہوار کم اجرت حاصل کر کے نجات حاصل کی جا سکتی ہو تو کسی بھی اعتبار سے یہ خسارے کا سودا نہیں ہوگا۔

وزیر اعظم مسلح افواج میں لڑکیوں کی شرکت کے خلاف ہیں

نئی دہلی۔ وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے مسلح افواج میں شمولیت کی خواہاں لڑکیوں سے کہا ہے کہ ہندوستان کے سماجی رجحانات ابھی تک مسلح افواج میں عورتوں کے لڑنے والے کردار کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

جانکی دیوی مہا ودھیالیہ کی ایک طالبہ نے وزیر اعظم مسز گاندھی کو ایک خط لکھا تھا۔ جس میں اس نے لکھا تھا کہ جب طلبا اور طالبات یکساں این سی سی کی تربیت حاصل کرتے ہیں تو صرف طلبا ہی کو فوج میں کیوں شامل کیا جاتا ہے۔ طالبہ ارمیلا شرما کے مراسلہ کے جواب میں مسز گاندھی نے کہا کہ مغربی سماج ہمارے سماج کے مقابلہ میں زیادہ آزاد خیال ہے۔ ہمارے یہاں کوئی ناخوشگوار واقعہ ایک بحران پیدا کر سکتا ہے اس کے علاوہ خطرے کے وقت مرد فوجی اپنے فرائض بھول کر عورت فوجیوں کو بچانے کی

طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔

مسز گاندھی نے مزید کہا کہ انھوں نے اس سوال پر مسلح افواج کے تینوں شعبوں کے سربراہوں سے گفتگو کی ہے اور سب کا یہی خیال ہے کہ مسلح افواج میں لڑکیوں کی شمولیت ہمارے حالات کے مطابق نہیں ہے۔

مس ارمیلا شرما اپنی کالج کی طالبات کی یونین کی صدر ہیں۔ وہ این سی سی کی سرگرم کیڈٹ ہیں۔ انھوں نے چھاتہ برداری کی تربیت حاصل کی ہے۔ گذشتہ سال یوم جمہوریہ پر انھوں نے فوجی پریڈ میں حصہ لیا تھا۔

امریکہ میں اسلامی سزاؤں کا مطالبہ

(محمد افضل خاں)

پچھلے دنوں ایک پروگرام میں ایک نئی کتاب (جسمانی سزا منصفانہ اور تکلیف دہ) کے مصنف نیویارک یونیورسٹی کے علم جرائم کے پروفیسر ڈاکٹر نیومین سے انٹرویو لیا گیا۔

ڈاکٹر نیومین نے مختلف سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ جرائم کی سزا دینے کے لئے قید کی بجائے جسمانی سزا دینے کا طریقہ اپنانا چاہیئے۔ اس نے کہا کہ گزشتہ ڈیڑھ سو سال میں جیلوں کو اصلاح خانے بنانے کا جو نظریہ اختیار کیا گیا تھا۔ وہ ناکام ثابت ہو چکا ہے۔

شماریات اور حالیہ ریسرچ کے مطابق قید کی سزا کاٹ کر جیلوں سے واپس آنے والوں میں سے ۷۰ فیصد افراد جرائم کا ارتکاب کر کے دوبارہ جیل پہنچ جاتے ہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جیلوں میں قیدیوں کی اصلاح نہیں ہوتی بلکہ وہ پختہ کار ہو کر اور دوسرے قیدیوں سے جرائم کے نئے طریقے اور واردات سیکھ کر مزید جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اس نے کہا کہ مجرموں کو قید کی بجائے جسمانی سزائیں دی جانی چاہئیں۔ انھیں جرم کی مناسبت سے کھلے میدان میں عوام، اخباری نمایندوں اور ٹیلی ویژن کی موجودگی میں کوڑے لگائے جانے چاہئیں۔ مجرم عورتوں اور کم عمر بچوں کو بھی یہی سزا دینی چاہیے جرم کی مناسبت سے کئی دفعہ کوڑے بھی لگائے جا سکتے ہیں۔ اگر کسی مجرم کو دو تین سال قید کی بجائے اس طرح کوڑے لگائے جائیں کہ جسمانی درد، کھلی بے عزتی، اور رسوائی کی وجہ سے مجرم دوبارہ ارتکاب جرم کی جرأت نہیں کرے گا، اور دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو گی۔"

قرآن کی اپنی تاثیر

فرانسیسیوں نے الجزائر پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی پوری قوت وہاں کے مسلمانوں کو اسلامی شعار، تعلیمات اور عرب تہذیب سے الگ کرنے میں صرف کر دی۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ایک تدبیر یہ اختیار کی کہ الجزائر کے دارالسلطنت کی دس مسلمان لڑکیوں کو نرسری اسکول میں داخل کیا اور گھر کے ماحول سے الگ رکھا، کسی سے ملنے جلنے نہیں دیا اور مسیحی اور فرانسیسی طرز پر ان کی تربیت کی۔ یہاں تک کہ یہ لڑکیاں اپنے تعلیمی مراحل کو طے کرتے ہوئے بی۔اے تک پہنچ گئیں لیکن ۲۲ جون ۱۹۵۸ء کو فرانسیسی صحافت میں تہلکہ مچ گیا جب انھوں نے دیکھا کہ وہی لڑکیاں خالص اسلامی لباس میں پردے کا لحاظ رکھتے ہوئے امتحان دینے جا رہی ہیں جو الجزائر کی مسلم خواتین کا شعار تھا۔ حالانکہ ان کی نشوونما پورے پندرہ سال فرانسیسی ماحول میں ہوئی تھی۔ جب فرانس کے وزیر لاکوست جو الجزائر میں مقیم تھے سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو اس نے جواب میں کہا، میں کیا کر سکتا ہوں؟ قرآن اپنی تاثیر میں فرانس سے زیادہ طاقت ور ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ تم نے پردہ اچانک کیوں اختیار کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے ایک کتاب "پردہ" دیکھی اور اس سے سبق حاصل کیا۔"

جب مُردے جی اُٹھے

ڈاکٹر عبدالقادر اختر — تاریخ طب کے ہوشربا واقعات

تاریخ بتاتی ہے کہ آج سے ہزاروں برس پہلے زندہ انسان دفنا دیے یا جلا دیے جاتے تھے۔

● سلطنتِ عباسیہ کے عہد کا ذکر ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کا ایک معتمد اچانک حرکتِ قلب بند ہو جانے سے فوت ہو گیا۔ اراکینِ سلطنت کے علاوہ ہزاروں شہری اس کا جنازہ لئے قبرستان کی طرف جا رہے تھے۔ اسی راہ سے ایک معمر حکیم کا گزر ہوا۔ حکیم نے اس نیکبخت کا آخری دیدار کرنا چاہا جب کفن سرکایا گیا تو معمر حکیم نے چیختے ہوئے کہا ——— ظالمو ——— ! یہ ابھی تک زندہ ہے، چنانچہ اس نے اپنے تھیلے میں سے کوئی دوا نکال کر مریض کی ناک میں پھونک دی اور اس سے فوراً خون جاری ہو گیا۔ دو تین منٹ بعد مُردے نے آنکھیں کھول دیں۔ جنازے کے ساتھ آنے والے ہزاروں افراد حکیم کی اس فراست پر بہت حیران ہوئے۔ حکیم صاحب نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا، آج کل بغداد کے اکثر گھرانوں میں مرد، عورتیں اور بچے زیب و زینت کی خاطر ایسا تنگ لباس استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے جسم انسانی کے اندر خون ٹھیک طور پر گردش نہیں کر سکتا اور دل کو خون کے پمپ کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ بعض مرد اور عورتیں گلے کے بٹن اس قدر کس کر بند کرتے ہیں کہ آنکھوں میں مصنوعی سُرخی پیدا ہو جاتی ہے۔

حکیم صاحب نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ تنگ لباس سے خون کی شریانیں اور وریدیں پھول جاتی ہیں۔ دماغ میں اجتماعِ خون کے باعث آجکل بغداد میں جس قدر اموات ہو رہی ہیں وہ زیادہ تر چست لباس اور مرغن غذا کا نتیجہ ہے۔

● شیخ الرئیس حضرت بوعلی سینا رات کے وقت ایک جنگل سے گزر رہے تھے۔ سردی بہت زیادہ تھی۔ وہ اپنے ملازم سے کہہ رہے تھے کہ ہمیں جلد آبادی میں پہنچ جانا چاہیے۔ ابھی تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ انھیں دو ڈھائی سو گز کے فاصلے پر جھاڑیوں کی اوٹ میں آگ کے شعلے نظر آئے سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے دونوں مسافر اُن کی سمت میں روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک موٹی تازی نوجوان خاتون درخت کے سہارے بیٹھی محوِ خواب ہے۔ اس کا سر ایک طرف جھکا ہوا ہے اور سامنے آگ جل رہی ہے۔ شیخ صاحب گھوڑے پر تھے۔ ان کے ملازم نے بڑھ کر آواز دی۔ ملازم نے جونہی غور سے دیکھا، فوراً بڑھ کر بوعلی سینا کے قریب پہنچا اور کہا ایک مُردہ عورت درخت کے سہارے کفن میں لپٹی ہوئی ہے۔ شاید کوئی مُردہ خور اسے ابھی ابھی قبر سے نکال کر لایا ہے۔ اس زمانے میں مُردہ خور راکھشس جنگلوں میں کثرت سے ہوا کرتے تھے ملازم نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ہمیں بہت جلد اس جنگل سے نکل جانا چاہیے۔ ملازم کو ہراساں دیکھ کر شیخ صاحب گھوڑے سے اُتر کر اس مُردہ عورت کے قریب گئے۔ آگ کی روشنی میں مردہ عورت کا چہرہ دیکھتے ہی بوعلی سینا نے فرمایا، معلوم نہیں، اس بے چاری کو قبر سے نکال کر یہاں کون لے آیا ہے۔ جسے رشتہ دار مُردہ سمجھ کر دفن کر گئے تھے مگر اس کے جسم میں ابھی تک زندگی کے آثار موجود ہیں چنانچہ انھوں نے تھیلے سے نشتر نکال کر بائیں بازو کی فصد کھول دی۔ رگ میں نشتر چبھونے سے خون کی تیز دھار جاری ہوگئی۔ چند ثانیوں کے اندر مُردہ عورت کے جسم میں حرکت پیدا ہوگئی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور اپنا منہ اندھیرے کی طرف کر دیا۔ پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی حضرت بوعلی سینا نے شفقت آمیز لہجے میں فرمایا۔ بیٹی! تجھے دوبارہ زندگی مبارک ہو تیرے عزیز و اقارب تجھے مردہ سمجھ کر سپردِ خاک کر گئے تھے۔ خدا جانے تجھے کون قبر سے نکال کر لایا ہے اور تیری خوش قسمتی کہ آج ہمارا گزر بھی اس جنگل سے ہوا۔ عورت نے بے حد نرم انداز میں شکریہ ادا کیا۔ یہ کنواری لڑکی ایک بہت بڑے سوداگر کی بیٹی تھی۔ محلے کا ایک غریب نوجوان اس عورت پر دل و جان سے فدا تھا۔ اس عاشقِ زار نے کئی مرتبہ سوداگر کی خدمت میں رشتے کے لئے

درخواست کی۔ مگر سوداگر نے غریب لڑکے کی بات پر کبھی توجہ نہ دی۔ لڑکے کی بے پناہ محبت کا علم لڑکی کو بھی تھا وہ بھی دل وجان سے اس پر فریفتہ تھی۔ اس امیر کبیر سوداگر کے گھر حد درجہ تنگ لباس فیشن کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ اس حد تک کہ عورت کو قمیص اُتارتے وقت دو کنیزوں کی خدمت حاصل کرنا پڑتی تھی۔ اتفاقاً ایک روز سوداگر کی اس لڑکی کو سر کا شدید درد اور بخار شروع ہوا۔ بہت علاج کے باوجود پانچویں روز وہ فوت ہوگئی اور اسے قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

اس کے عاشقِ زار نے قبر کھود کر اپنی مردہ محبوبہ کو کندھے پر اُٹھایا اور بہت دور لے جا کر درخت کے سہارے بٹھا دیا اور خود اس کے سامنے آگ جلا کر بیٹھ گیا۔ لڑکے نے جب بوعلی سینا اور اس کے ملازم کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو ڈر کے مارے گھنے جھنڈ میں جا چھپا۔ اور سارا ماجرا دیکھتا رہا۔ جب لڑکی دفعتہً ہوش میں آ کر زار و قطار رونے لگی تو وہ انتہائی خوشی کی حالت میں دوڑتا آیا اور بوعلی سینا کے قدموں میں گر پڑا اور رو رو کر اپنی درد بھری کہانی سنائی۔ لڑکی کا باپ شیخ الرئیس بوعلی سینا کا انتہائی عقیدت کیش تھا چنانچہ ان دونوں کو لیکر شیخ صاحب سوداگر کے پاس پہنچے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ لڑکی کے ماں باپ اور اس کے رشتہ دار اپنی بیٹی زندہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بوعلی سینا کی سفارش پر ان دونوں کا بڑی شان و شوکت سے بیاہ رچایا گیا۔

٭

مسیح الملک حکیم اجمل خاں ایک روز اپنے مطب میں بیٹھے تھے۔ انہیں یہ خبر پہنچی کہ آپ کے محلے کا قصّاب جو کئی روز سے بیمار تھا آج فوت ہوگیا۔ حکیم اجمل خاں نے مسکراتے ہوئے اپنے ملازم سے کہا کہ یہ قصاب زندہ ہے۔ اس کے گھر جا کر کہہ دو کہ ماتم و گریہ بند کر دیں۔ میں ابھی دوا لیکر آتا ہوں۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد مسیح الملک قصاب کے گھر پہنچے اور اس کے منہ میں دوا کے چند قطرے ٹپکا کر اسے اوندھا لٹا دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے منہ سے زرد رنگ کا پانی بہنا شروع

ہوا جو بتدریج گہرے سیاہ رنگ میں تبدیل ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی ناک کے نتھنوں سے سیاہ رنگ کا خون بہنے لگا۔ دس پندرہ منٹ میں مریض نے سانس لینا شروع کر دیا اور آنکھیں کھول دیں۔ کہا ہائے ہائے اور کہاں واہ واہ! محفلِ ماتم خوشیوں میں تبدیل ہوگئی۔ مسیح الملک نے فرمایا۔ یہ بدبخت موٹا ہونے کے باعث رفعِ حاجت کے وقت احتیاط نہیں کرتا تھا۔ پیشاب کے قطرے اس کے پاؤں اور پنڈلیوں پر گرتے تھے اس کے باعث ایک مرض پیدا ہوا۔ بیشتر لوگ اس مرض کا شکار ہو کر زندہ درگور کئے جاتے ہیں۔ بارہا۔ اس قسم کے مریض دفن ہونے کے چند گھنٹے بعد خود بخود ہوش میں آجاتے ہیں لیکن بند قبر سے چھٹکارا پانا انتہائی دشوار ہوتا ہے۔ حکیم صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ گرم اور خشک ممالک میں تنگ لباس کا استعمال عموماً زندہ انسانوں کو قبر تک لے جاتا ہے

☆

فراعنۂ مصر کے شاہی خاندان کے اکثر افراد تنگ لباس استعمال کرتے اور اس بنا پر ایک عجیب و غریب مرض کا شکار ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ان مردوں کو دفن کرنے کے بجائے بڑے بڑے کشادہ اور وسیع تہہ خانوں میں سنگِ مرمر کی بڑی بڑی چارپائیوں پر رکھ دیا جاتا اور مسلسل کئی روز تھوڑے تھوڑے وقفے سے ان لاشوں کی دیکھ بھال کی جاتی۔ کئی مرتبہ ممی خانے میں رکھے ہوئے افراد مرض کا دورہ ختم ہونے کے بعد پھر ہوش میں آجاتے۔

اس قسم کے اور بھی بے شمار ہوش رُبا واقعات ہیں۔ دراصل جب کسی گرم ملک میں تنگ لباس کا فیشن بہت زیادہ ہوا تو قدرت نے اس ناقابلِ معافی جرم کی سزا بھی بہت بڑی رکھی ہے۔"

● لطیفہ:۔ انتخاب کے موقع پر ایک خاتون ووٹ ڈالنے بوتھ میں گئی تو پیچھے پیچھے ایک آدمی بھی اندر جانے لگا۔ پولنگ افسر نے اُسے روکا تو خاتون بولی:

"انھیں روکنے کی ضرورت نہیں یہ میرے شوہر ہیں"۔ ●

باپ کا خط ③
بیٹی کے نام!

عزیز بیٹی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خط ملا، حال معلوم ہوا۔ تم نے اس خط میں اپنی نندوں کی بڑی تعریف کی ہے "وہ ہر وقت میرے پاس گھسی رہتی ہیں"۔ یہ نسائی تحریر کا نہایت حسین اور محبت بھرا ہوا برجستہ جملہ تمہارے قلم سے گویا ٹپک پڑا ہے۔ پھر اس جملے کی تشریح میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔

① "اللہ تعالیٰ نے مجھے چند زندہ گڑیاں عطا فرمائی ہیں"۔

② "ابا جان! میری نندیں، وہ تو بہت ہی بھولی اور سادہ دل ہیں"۔

③ "وہ سب ہندی پڑھتی ہیں اور ان کا لب و لہجہ بھی ہندی بولنے والوں کی طرح ہوتا جاتا ہے"

اس تیسری بات کے سلسلہ میں ان کی بولی کے جو فقرے تم نے نقل کئے ہیں ان سے میں نے بڑا لطف اٹھایا۔ مثلاً یہ کہ:۔

- بھابی! آج تو آپ نے بڑی ہی جوردار تکریر کی۔
- بھابی! آج آپ نے اپنی تکریر جلدی کھتم کر دی۔
- نہ ہی پڑھائی ہوگی نہ ہی کڑھائی، مجھے کچھ ایسا لگتا ہے۔ وغیرہ

بے شک یہ اللہ کا فضل ہی ہے کہ تم کو ایسی نندیں ملیں، ورنہ ہمارے معاشرے میں ہزار میں ۹۹۹ ایسی نندیں ہوتی ہیں جو نئی نویلی دلھن سے حسد کرتی ہیں۔ پھر ان کے تیر و نشتر بولوں کی بارش

ہوتی ہے تو اس نئی دلہن کا شوہر یعنی نندوں کا بھائی بھی مجروح ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ نندیں جب نئی بھابی سے جلنے لگتی ہیں تو ان کی ماں ماماتا سے مجبور ہو کر ان کا ساتھ دیتی ہے اور پھر حیا شرم کی رسم ٹوٹنے کے ساتھ دل بھی ٹوٹ جاتے ہیں یہ ہمارے معاشرے کا ایک بڑا المیہ ہے۔ اس المیہ نے تمہاری سسرال میں جنم نہیں لیا تو میں سمجھتا ہوں کہ تم کو آنند ہی آنند ہے۔ یعنی سسرال میں امتحان اور آزمائشوں سے دو چار ہوئے بغیر تم پاس ہو گئیں۔ میرے نزدیک اس خوش میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

پیاری بیٹی! سنو، تم کو سسرال میں رہتے ہوئے "جمعہ جمعہ آٹھ دن" ہوئے ہیں۔ یہ تیسرا مہینہ ہی تو ہے۔ تم کو تجربہ نہیں ہے۔ ابتدا میں جب نئی نویلی دلھن سسرال جاتی ہے تو سسرال کے لوگ اس پر پیار انڈیل دیتے ہیں۔ یہ ایک فطری بات ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ گھر والے دلہن کی حرکات و سکنات پر پوری نظر رکھتے ہیں وہ کیسے باتیں کرتی ہے؟ کس طرح چلتی پھرتی ہے؟ کام کاج میں کیسی ہے؟ کھاتی پیتی کیسے ہے؟ میکے سے کیا سیکھ کر آئی ہے اپنے اور بیگانے سے کس طرح پیش آتی ہے؟ بہت سی جاہل ساسیں اور نندیں ایسی بے غیرت ہوتی ہیں جو اس ٹوہ میں رہتی ہیں کہ سنیں میاں بیوی تنہائی میں کیا باتیں کرتے ہیں؟ لاحول ولا قوۃ۔

اس طرح تین چار ماہ میں نئی دلہن کا پہلا دور ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد تنقید و تنقیص شروع ہو جاتی ہے۔ یہی تنقیدی دور دلہن کے لئے بڑا آزمائشی مرحلہ ہوتا ہے جو دلہن اس مرحلے میں اخلاقی قدروں اور پرخلوص خدمت کا مظاہرہ کرتی ہے وہ کامیاب ہوتی ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ سونا آزمائش کی بھٹی میں تپ کر کندن بن جاتا ہے۔ اگر اس مرحلے میں خدانخواستہ دلہن صبر کا دامن چھوڑ دیتی ہے تو شریف ساس اور سسر اس خیال سے کہ خاندان کا بھرم باقی رہے۔ بیٹے سے کہتے ہیں کہ بیوی کو لے کر الگ رہو تاکہ وہ تھکا فضیحت جو شروع ہو چکی ہے نہ ہو۔ احمق نئی نویلی دلہن اسے اپنی کامیابی سمجھتی ہے حالانکہ یہی اس کی ناکامی اور نامرادی ہوتی ہے

ساس سسر سے الگ ہوجانا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اگر حضرت آدم سے لیکراب تک لوگ جوائنٹ فیملی سسٹم میں جڑے رہتے تو دنیا میں یہ رنگا رنگی اور طرح طرح کی ترقی نہ ہوتی بلکہ وہ جوائنٹ فیملی سسٹم ایک عذاب ہوجاتا۔ گھر کا باورچی خانہ خاندان کے سارے افراد کو کیسے کھانا کھلاتا" اسی طرح دوسرے گھریلو کام کیسے انجام پاتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کو یہی منظور ہے کہ ایک خاص مدت تک بیٹا اور بہو ساتھ رہے۔ گھریلو تربیت حاصل کرے۔ جب اپنے پاؤں پر کھڑی ہو تب الگ گھر کرے۔ یہ الگ ہونا بڑا ستھرا اور صاف اور سیف طریقہ ہے۔ اس طریقہ میں دل جڑے رہتے ہیں اور یہ آئندہ زندگی کے لئے عظیم کامیابیوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

میری پیاری بیٹی! اب جبکہ تمہارا یہ دوسرا دور شروع ہو کیوں نہ میں تم کو وہ مشورے دوں کہ شاہراہ تمہارے سامنے آجائے اور شاہراہ کے آس پاس کے جھاڑ جھنکاڑ آپ سے آپ صاف ہوتے چلے جائیں۔

اس نازک مرحلے سے گذرنے کے لئے تم اپنی نندوں کی طرف پوری توجہ مبذول کردو۔ تم اپنی زندہ گڑیوں کو سدھاکر اور انھیں تربیت دے کر کٹ پتلیوں کا وہ ڈرامہ دکھانا شروع کردو کہ بچّے، بڑے بوڑھے بھی اس ڈرامے سے دلچسپی لینے لگیں۔ تم اس ڈرامے کو کس طرح ترتیب دو اس کے لئے کیسے کیسے ڈائیلاگ تیار کرو اور پھر کیسا اسٹیج بناؤ۔ یہ میں بتاتا ہوں۔

(۱) تم نے اپنی نندوں کو "زندہ گڑیاں" لکھا ہے۔ اس فقرے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک طرف تمہاری نندیں تم میں دلچسپی لیتی ہیں تو دوسری طرف تمہارا پیار بھی انھیں حاصل ہے۔

پھر تم نے لکھا ہے کہ:۔

(۲) "وہ تو بہت ہی بھولی اور سادہ دل ہیں"۔ نندوں کی یہ سادہ دلی بتاتی ہے کہ گو وہ اسکول میں پڑھنے تو جاتی ہیں لیکن انھیں وہاں کی سموم ہوا نہیں لگی ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔ اب تمہارا کام یہ ہے کہ ان بھولی بچیوں کے دلوں کی سادہ لوحوں پر تم اپنی مرضی کے نقش و نگار بنانا شروع کردو۔

وہ موم کی ناک ہیں جس طرف چاہو آسانی سے موڑ دو۔

میں تم کو بتاؤں۔ تمہارے خسر نے یہ بات بہت اچھی کی کہ ان بھولی بچیوں کے لئے کوئی ٹیوٹر نہیں رکھا۔ میرا کہا مانو تو تم ان کی ٹیوٹر بن جاؤ۔ ان کے ہوم ورک میں مدد دینے کے لئے تم کو وقت نکالنا ہوگا پھر کچھ کچھ اردو بھی پڑھانی ہوگی۔ اردو کے لئے میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ابھی ہمارا دینی سرمایہ اردو زبان ہی میں ہے۔ ہندی میں منتقل نہیں ہوا ہے۔ اس لئے دینی معلومات اردو کی کتابوں ہی سے مل سکیں گی۔ آؤ مشورہ کریں۔ اس گھریلو ٹیوشن کے لئے وقت کیسے نکالا جائے؟۔

دیکھو، اس وقت موسم گرما ہے۔ تمہاری نندوں کے اسکول کا ٹائم صبح سے ۱۲ بجے تک ہے۔ یہ صبح کے بارہ بجے تک کا وقت وہ وقت ہے کہ اس میں تم صبح سے اس وقت تک یعنی آدھے دن کے گھریلو کام سے فارغ ہو چکی ہوتی ہو۔ یہی ٹھیک دوپہری کا وقت وہ جادو جگانے کا وقت ہے جس کے اثر سے نندوں پر چلاؤ گی۔ تم ساس سسر کو کھانا کھلا دو۔ وہ کہیں کہ تم بھی کھالو، تو کہو کہ نہیں، بچیاں اسکول سے آلیں تو ان کے ساتھ کھاؤں گی۔ یہ سن کر تمہاری ساس بڑے پیار بھرے فقروں میں تم کو ڈانٹیں گی۔ کھا بھی لو دلہن! ان کا انتظار کب تک کرو گی۔ وہ خود آکر کھالیں گی لیکن تم اس وقت ساس کا کہنا نہ ماننا۔ اس وقت کہنا نہ ماننے سے تمہاری ساس کے دل میں تمہاری طرف سے بھی ممتا کا جذبہ پیدا ہوگا اور وہ دل ہی دل میں خوش ہوں گی لیکن زبان سے یہی کہتی رہیں گی کہ "اونہہ، تم کھاؤ اور جاؤ ذرا کمر سیدھی کرلو"۔

اس جگہ ذرا ٹھہر کر تم کو ایک بھولا بسرا واقعہ یاد دلاؤں۔ کوئی سال بھر ہوا ہوگا جب تمہاری سہیلیاں طیبہ باجی، نکہت، شمع، عقیلہ آپا اور رقیہ اور زینت اور جانے کون کون تھیں، وہ کیا میری آنکھوں کا آپریشن ہوا تھا نا! سب میری عیادت کو آئی تھیں۔ میں نے باتوں باتوں میں ایک سوال کیا تھا "کیا بڑوں کی نافرمانی بھی کسی وقت کی جا سکتی ہے؟" تو تم سب نے سورۂ لقمان کے حوالے سے کہا تھا کہ اگر والدین شرک کرنے کو کہیں تو ان کا کہنا ہرگز نہ ماننا چاہیئے یہ سن کر

چپ ہی رہا تو تم سب سمجھ گئیں کہ میں کچھ بتانے والا ہوں پھر مجھ سے کہا تو میں نے جو واقعہ سنایا تو سب بہت محظوظ ہوتی تھیں۔ واقعہ یہ تھا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب قریش مکہ کا سفیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرنے آیا تھا تو معاہدہ میں حضرت علیؓ نے حضورؐ کے نام کے ساتھ "رسول اللہ" بھی لکھا تھا۔ قریشی نمائندے نے اس لفظ پر اعتراض کیا تھا کہ سارا جھگڑا تو یہی ہے۔ ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرتے، اس لئے تحریر میں سے یہ لفظ ہٹا دیجئے۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ لفظ "رسول اللہ" نکال دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ خدا کی قسم میں ہرگز یہ جرأت نہیں کروں گا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے لفظ رسول اللہ نہیں ہٹایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود دست مبارک سے یہ لفظ نکالنا پڑا تو اس وقت حضرت علیؓ نے حضورؐ کی نافرمانی کی تھی۔

جب میں نے یہ کہا تو تم سب نے بہ یک زبان یہ کہا تھا کہ حضرت علیؓ کی اس نافرمانی پر ہماری ہزاروں ہزار فرماں برداریاں اور عبادتیں قربان۔

یہ واقعہ اچانک یاد آگیا اور میں نے سخن گسترانہ طور پر لکھ دیا۔ حالانکہ یہ اس جگہ فٹ نہیں ہوتا۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ دوپہر کے وقت جب تم ساس کا کہنا نہ مان کر اپنی نندوں کے انتظار میں بھوکی بیٹھو گی تو تمہاری ساس کی پیار بھری نظریں تم پر ڈھیروں پیار برسا رہی ہوں گی پھر جب تمہاری نندوں کو یہ معلوم ہو گا کہ بھابی نے محض ان کے انتظار میں ابھی تک کھانا نہیں کھایا تو میں کیا کہوں۔ ان معصوم اور بھولی بھالی بچیوں کے دل کی کیفیت کیا ہو گی؟

بیٹی! نندوں کو بس میں کرنے کے جادو کا یہ وہ انچھر اور منتر میں نے بتایا ہے جو کبھی خطا نہ کرے گا۔ ذرا دو دن تجربہ کر کے دیکھو۔ اس سے کئی فائدے ہوں گے۔

- پہلا فائدہ تو یہی۔ تمہارے ساس اور سسر تم کو پیار کرنے لگیں گے اور تمہارا شوہر تمہارے اس کریڈٹ کے بل پر ہمچشموں کے درمیان فخر کرے گا۔

• دوسرا فائدہ یہ ہوگا نندیں تمہاری بے داموں لونڈی بن جائیں گی۔

• تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ جو کبھی کبھی اسکول کے آنے میں دیر کر دیتی ہیں تو وہ دیر نہیں کریں گی، جلد آنے کی کوشش کریں گی کہ گھر بھابی بھوکی ہوں گی۔

• اور چوتھا فائدہ یہ کہ پھر اپنی مرضی کے مطابق ڈھلنے میں زمین ہموار ہو جائے گی۔ تم اب گھر کے اندر دعوت و تبلیغ کی داغ بیل ڈال سکتی ہو اور جب یہ نیک اقدام کرو گی تو ساس، سسر، نندیں سب تمہارا ساتھ دیں گی۔ مثل تو یوں ہے کہ "ایک تیر سے دو شکار" لیکن تم یہاں ایک تیر سے چار پانچ کو شکار کرو گی۔ پھر تمہاری سسرال میں یہ نغمہ گونجے گا ؎

بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدۂ　　　درونِ سینۂ من زخم بے نشاں زدۂ

مجھے حیرت ہے کہ تو نے بے کمان کے تیر مارا کہ میرے دل میں زخم تو ہے لیکن اس کا نشان نظر نہیں آتا۔

میرے خیال میں اب ٹائم ٹیبل یوں بنے کہ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے آرام کر لو۔ ظہر کی نماز پڑھ کر نندوں کے ہوم ورک میں مدد دو۔ ہوم ورک تو بہانہ سمجھو۔ تم تو بات بات اور لفظ لفظ میں اپنی بات کہو۔ وہ پوچھیں، بھابی، گھٹ گھٹ باسی کا ارتھ کیا ہے۔ تم ارتھ بتاؤ، ہر ایک کے دل میں بسنے والا۔ اس کے بعد کہو کہ وہ صرف خدا ہے۔ خدا کے علاوہ اگر کسی اور کو گھٹ گھٹ باسی مانا جائے گا تو یہی اسلام کی رو سے شرک ہوگا۔ پھر جب وہ تم سے پوچھیں کہ

"ہے محمد، بدھ، عیسیٰ ایشں کے اوتار ہو تم"

کے کیا معنی ہیں تو تم سمجھاؤ کہ اوتار کے معنی ہیں ایشور کا کسی جسم میں آ کر زمین پر اترنا، یہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔ اس کویتا (شاعری) کا شاعر ہندو ہے۔ اس لئے اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اوتار سمجھ لیا جبکہ یہ حضرات اوتار نہیں انسان تھے اور اللہ نے ان کو اپنا رسول بنایا تھا۔ پھر یہ بھی بتاؤ آجکل مسلمانوں کے عقیدے کو خراب کرنے کے لئے ایک چال چلی جا رہی ہے۔ یہ کہ سارے دھرم سچے ہیں۔ اسی سلسلے میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت محمد

حضرت عیسیٰ کو بدھ جی کی طرح اوتار ماننا چاہیئے۔

ہوسکتا ہے کہ تمہاری نندیں اتنی ذہین ہوں کہ اس موقع پر اعتراض کریں کہ رواداری تو ہے سارے دھرموں کو سچا مانا جائے تو اس طرح سمجھا سکتی ہو کہ :۔

• پارسی کہتے ہیں کہ خدا ہے تو لیکن دراصل اس کی دو طاقتیں خدائی کا کام کرتی ہیں ایک نیکی کا خدا یزداں، دوسرا بدی کا خدا اہرمن۔ یہ دونوں خدا لڑتے رہتے ہیں جب نیکی کا خدا غالب آتا ہے تو دنیا میں نیکیاں پھیل جاتی ہیں اور جب اہرمن غالب آتا ہے تو برائیاں فروغ پاتی ہیں۔ اس طرح پارسی دھرم تین خداؤں کا قائل ہے ایک تو خدائے خدائیگاں (بڑا خدا) دوسرا یزداں، تیسرا اہرمن۔ پھر دونوں کے ماتحت بہت سے خدا ہیں جو چاند تاروں سے متعلق ہیں۔

• عیسائی کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں • ہمارے ملک کے ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ ہزاروں خدا ہیں بلکہ دنیا کا ذرّہ ذرّہ خدا ہے۔ اور • اسلام کہتا ہے کہ خدا ایک ہی ہے اور وہ اللہ ہے اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔

تو ان مذہبی عقیدوں میں سے ایک ہی عقیدہ صحیح ہوسکتا ہے۔ یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ ایک خدا کو ماننا بھی ٹھیک، دو اور دو سے زیادہ اور سیکڑوں خداؤں کو ماننا بھی ٹھیک۔ اس طرح سمجھنا نادانی ہے۔ اگر نادانی نہیں تو نادانوں کو سیدھی راہ سے بھٹکانا ہے۔ اسی طرح رسالت اور اوتار میں فرق ہے۔ اسی طرح مکافاتِ عمل کے بارے میں بھی فرق ہے۔ تو رواداری کا یہ مفہوم غلط ہے بلکہ یہ ایک چال ہے مسلمانوں کو غلط راہ پر ڈالنے کی۔

اس طرح کی باتیں ان کے اس کورس کی کتابوں کے مطالعہ کے سلسلے میں بتاؤ۔ اسی ہوم ورک کے وقت میں پندرہ منٹ اردو پڑھانے کے لئے نکال لو۔ یہ گڑیاں جب اردو پڑھنے لگیں تو انھیں دینی لٹریچر کے مطالعہ کی طرف موڑ دو۔ مفتی کفایت اللہؒ کی کتاب تعلیم الاسلام تھا دو

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب بہشتی زیور دیدو، مولانا مودودیؒ کی کوئی آسان کتاب خطبات اور دینیات کا مطالعہ کراؤ۔ وغیرہ

امید ہے کہ اردو پڑھاتے وقت تم اپنی نندوں کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کا تلفظ بھی درست کرتی جاؤ گی۔ آخر میں اپنی وہ بات ضرور یاد دلاؤں گا جس پر مجھے اصرار ہے یعنی تم ہفتہ میں ایک بار جمعہ کے دن ۳ بجے سے ۴ بجے تک یا پھر عشا کے بعد ایک گھنٹہ گھریلو اجتماع ضرور کیا کرو۔ اس میں تمہاری این قدر و آں قدر سب نندیں، تمہارے دیور حصہ لیں، اور ساس سسر سب شریک ہوں۔ اپنے شوہر کو اس اجتماع کا کنوینر بناؤ۔ اس گھریلو اجتماع سے بڑے فائدے ہیں۔ کسی خط میں گھریلو اجتماع کے فائدوں کے بارے میں لکھوں گا انشاء اللہ!

آج خصوصیت سے میرا سلام اپنی نندوں سے اس طرح کہنا "ابا جان نے ہر نند کو یہ دعا دی ہے کہ سب آنند سے رہیں"۔ والسلام (م)

بھینٹ

• صبح صادق کا وقت تھا۔ ان کی کل تعداد چھ تھی۔ گاؤں کے کنارے واقع جنگل کے پاس وہ سب ایک جھاڑی کے پیچھے جمع تھے جہاں سے جنگل کی طرف آنے والے ہر شخص پر اچھی طرح نظر رکھی جا سکتی تھی۔ وہ سب خاموش تھے۔ آنے والے راستے پر ان سب کی نگاہیں جمی ہوئی تھیں۔ انھیں اس راستے سے کسی کے آنے کا انتظار تھا۔ اور یہ انتظار غالباً طویل ہوتا جا رہا تھا۔ ان میں سے بعض کے چہروں سے مایوسی ظاہر ہونے لگی تھی۔ کہ اچانک ان کی جانب دو سائے بڑھتے نظر آئے وہ سب کے سب ٹکٹکی باندھ کر ادھر ہی دیکھنے لگے۔ اور انھیں پہچاننے کی کوشش کرنے لگے۔ دھیرے دھیرے جب دونوں سائے جنگل کے قریب پہنچ گئے تو ان لوگوں کے چہرے خوشی سے دمک اُٹھے اور سب کے سب ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر مسکرا پڑے۔ جنگل کی طرف آنے والے یہ دونوں سائے دو لڑکے تھے جن کی عمر تقریباً ۱۴ سال اور ۱۲ سال رہی ہوگی۔ جب یہ دونوں جنگل میں داخل ہو گئے تو ان کے انتظار میں جھاڑی کے پیچھے چھپے یہ چھ افراد بھی خاموشی کے ساتھ درختوں کی آڑ لیتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے اور پھر جنگل میں ایک کھلی جگہ پہنچ کر دونوں لڑکے ایک جگہ رک گئے۔ ان میں سے بڑا لڑکا متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار صاف نمایاں تھے۔ چھوٹا لڑکا بڑے لڑکے سے واپس لوٹنے پر اصرار کر رہا تھا کہ اچانک یہ چھ افراد وہاں پر نمودار ہوئے اور چھوٹے لڑکے کو دھر دبوچا۔ چھوٹا لڑکا خوف سے چلانے لگا۔ "مجھے چھوڑ دو..." مجھے چھوڑ دو..." وہ

ان لوگوں سے منت وسماجت کرنے لگا۔ اس کو
دو آدمیوں نے پکڑ رکھا تھا اور پھر تیسرے نے
اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے رسی سے کس دیئے
اور پھر پیر کو باندھ دیا گیا۔ اب لڑکا اور زور
سے رونے لگا۔ خوف سے اس کا سارا بدن
لرز رہا تھا۔ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ
گئیں۔ آنسوؤں سے اس کا سارا چہرہ تر ہو گیا
وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی ان اجنبی افراد کی
طرف دیکھتا اور کبھی اپنے ساتھی کی طرف جو
ایک کونے میں کھڑا نظریں نیچی کئے زمین کو
گھورے جا رہا تھا۔ اس کا بھی سارا بدن خوف
سے لرز رہا تھا۔ ان اجنبی افراد میں سے ایک
نے ایک جھولے سے "پوجا پاٹ" کی کچھ چیزیں
نکالیں اور جلدی جلدی انھیں سجانے لگا۔
سب سے آخر میں اس نے اپنے جھولے سے
چمکتا ہوا لمبے پھل والا ایک تیز دھار چھرا نکالا
چھرا نکالتے وقت اس نے ایک نظر بندھے
ہوئے لڑکے پر ڈالی۔ اس کی نظروں کی سفاکی
اور بے رحمی دیکھ کر لڑکے کا رواں رواں کانپ
اٹھا۔ اس کی گگھی بندھ گئی۔ وہ اپنی رہائی اور
جاں بخشی کے لئے کبھی ان اجنبیوں کی منت
سماجت کرتا اور کبھی اپنے ساتھی سے چھڑوانے
کی التجا کرتا لیکن ایک معصوم کی آہ و بکا کا ان
پتھر دل انسانوں پر ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔
اس کے ساتھی سے یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی
اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کو چھڑا لے
یا گاؤں جا کر لوگوں کو بلا لائے۔ اس وقت وہ
اپنے کئے پر بہت پچھتا رہا تھا۔ اس کا ضمیر اسے
لعنت و ملامت کر رہا تھا۔ کبھی اس کے قدم اضطراری
طور پر اپنے ساتھی کی طرف اٹھ جاتے تھے لیکن
پھر وہ اپنی جگہ تھم کر رہ جاتا۔ اس کے ذہن میں
اپنے ساتھی کو بچانے کے لئے کوئی ترکیب اور تدبیر
سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ چاروں طرف سے دونوں لڑکے
پانچ آدمیوں کے نرغے میں تھے۔ چھٹا جو پوجا پاٹ
کی چیزیں جھولے سے نکال رہا تھا اب ان کو
لے کر بندھے ہوئے لڑکے کے قریب پہنچ گیا تھا
اس کو اپنے قریب دیکھ کر بندھے ہوئے لڑکے
کی آنکھوں میں موت کا سایہ لہرانے لگا۔ اس
وقت تک سورج افق پر اونچا اٹھ چکا تھا۔
اور اس کی شعاعیں پیڑوں کی پتیوں سے

چھن کر زمین پر پڑنے لگی تھیں پرندوں کی چہچہاہٹ کا شور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سب مل کر اس معصوم بچے کی رہائی کے لئے ان بے رحم اور سفاک انسانوں سے فریاد کر رہے ہوں۔ وہ شخص جو لڑکے کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اب آسمان کی طرف دیکھ کر وقت کے اندازے کی کوشش کرنے لگا اور پھر جب مطلوبہ ساعت آپہنچی تو اس نے پوجا پاٹ کرنے کے لئے اگربتی اور دھونی سلگائی۔ اس سے فارغ ہو کر وہ زیر لب کچھ بُدبُدانے لگا۔ دھیرے دھیرے اس کے بُدبُدانے کی آواز تیز ہونے لگی اور آنکھوں میں بے رحمی اور سفاکی کے آثار زیادہ نمایاں ہونے لگے۔ وہ کچھ پڑھتا جا رہا تھا اور لڑکے کے گرد چکر لگاتا جا رہا تھا اور ساتھ ہی چاول کے دانے زمین پر چھیٹاتے ہوئے لڑکے پر چھینٹتا جا رہا تھا۔ لڑکا اس کے اس عمل کو بڑی بے چارگی اور بے بسی سے ایک ٹک دیکھتا جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا گو کہ اب بھی وہ روئے چلا جا رہا تھا لیکن خوف کی وجہ سے اس کی زبان گنگ ہو چکی تھی معصوم

چہرہ آنسوؤں سے تر تھا موت کے سائے اس کی آنکھوں میں منڈلا رہے تھے۔ پجاری کے عمل سے اب اس کو یقین ہو چکا تھا کہ اس کی آخری ساعت اب قریب آچکی ہے اب اسے بھینٹ چڑھایا جانے والا ہے۔ ان حالات میں ایک ۱۴ سالہ معصوم کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ ظاہر ہے بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ اچانک پجاری کا رقص تیز ہو گیا اور اس کی آواز بھی خوفناک ہو گئی۔ رقص کرتے کرتے اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور جھپٹ کر زمین پر پڑا چمچماتا ہوا چھرا اٹھا لیا اور بجلی کی طرح لڑکے کے پاس پہنچ گیا اور اس کے کان کے نچلے حصے پر چھرے کا بھرپور وار کر دیا۔ لڑکے نے ایک دل خراش چیخ ماری جس سے جنگل کی ساری فضا لرز اٹھی۔ پرندے پھڑ پھڑا کر اِدھر اُدھر بدحواسی میں بھاگنے لگے پجاری کے پہلے حملے کو دیکھ کر لڑکے کا دوسرا ساتھی چیخ مار کر وہاں سے بھاگنے لگا پجاری کے ساتھیوں نے اسے پکڑ لیا اور اُسے بھی قربان کر دینے کی دھمکی دی وہ سہم گیا اور اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اس کا سارا بدن لرز رہا تھا۔

ادھر پجاری کے وحشیانہ حملے سے لڑکا زمین پر تڑپ رہا تھا۔ پجاری نے چھرا باہر نکالا تو خون کا ایک فوارہ سا چھوٹا اور پجاری اس میں نہا گیا۔ لڑکا تڑپ رہا تھا۔ اس منظر سے پجاری کے دل میں رحم کے بجائے مزید شقاوت پیدا ہو گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنے مرغوب ترین کھیل میں مصروف ہے۔ اس نے تڑپتے ہوئے لڑکے پر دوسرا حملہ کیا۔ یہ حملہ اس نے بچے کے سر پر کیا۔ چھرا لڑکے کے سر کو پھاڑتا ہوا آر پار ہو گیا۔ اور لڑکے کی ایک دل خراش چیخ جنگل کی فضا کو چیرتی ہوئی پھر ابھری۔ اس بار پیڑوں پر جو ایک آدھ پرندے رہ گئے تھے ان کے پھڑپھڑانے کی آواز آئی اور پھر آس پاس کی فضا پر سکوت طاری ہو گیا۔ لڑکے کے منہ سے "خرخر" کی آواز آہستہ آہستہ نکل رہی تھی اور جسم تڑپ رہا تھا۔ آس پاس خون کا چھوٹا موٹا تالاب سا بن گیا تھا۔ اسی وقت پجاری نے اپنا تیسرا اور بھرپور حملہ لڑکے کی پیٹھ پر کیا چھرا پیٹ پھاڑتا ہوا زمین میں دھنس گیا۔ اور لڑکے کے جسم میں پھر کوئی حرکت نہیں ہوئی اس کا جسم زمین سے اچھلا اور پھر گر کر ٹھنڈا ہو گیا اس کے بعد کیا ہوا یہ کسی کو نہیں معلوم کیونکہ دوسرا لڑکا جو اس واقعہ کا عینی شاہد تھا، بے ہوش ہو گیا تھا اسے جب ہوش آیا تو دوپہر کا وقت ہو گیا تھا۔

مذکورہ واقعہ کی یاد آتے ہی وہ خوف سے لرزنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کے ساتھی کی لاش بھی نہیں تھی اور نہ ہی پجاری اور اس کے ساتھی وہاں تھے جہاں اس کے ساتھی کو بے رحمی اور سفاکی کے ساتھ قتل کیا گیا تھا وہاں خون پر مٹی ڈال دی گئی تھی جس پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔

مذکورہ لرزہ خیز قتل کی واردات کا انکشاف گدچرولی ضلع کے بھامراگڑھ گاؤں میں واقع طلبہ کے آشرم بھامراگڑھ ساموبک آشرم شالا" کے ایک طالب علم وسنت نے کیا۔

بھامراگڑھ میں اس وقت وہ آشرم شالا [illegible] ہیں جہاں قبائلیوں کے بچوں کو تعلیم دی جاتی اور یہیں ان کے کھانے پینے کا انتظام بھی حکومت کی طرف سے انھیں کھانے وغیرہ سہولیت اس لئے ہے کہ دوران تعلیم

خاندان والوں پر بوجھ نہ بنیں اور حکومت کی طرف سے ناخواندگی کو اس علاقہ سے ختم کرنے کی جو مہم چلائی جارہی ہے اس سے مستفید ہو سکیں انہی دو آشرم شالاؤں میں بھامراگڑھ ساموبک آشرم شالا کے طالب علم وسنت کے سامنے مذکورہ بہیمانہ قتل کا واقعہ ہوا جس میں ۱۴ سالہ لڑکے کو قتل کیا گیا وہ بھی اسی آشرم شالا کا طالب علم مادھو پانڈے تھا جو وسنت کا ہی ہم جماعت تھا۔ یہ سارا واقعہ اس کی آنکھوں کے سامنے پیش آیا لیکن اس نے کسی کو بھی اس کی خبر نہیں دی کیونکہ مادھو پانڈے کو جنگل میں بہلا پھسلا کر لے جانے والا وہ خود تھا جو اس نے پجاری اور اس کے ساتھیوں کے کہنے پر کیا تھا۔ اگر واقعہ کے دن مادھو اور وسنت کو ایک ساتھ جنگل کی طرف جاتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا ہوتا تو شاید اس لرزہ خیز واقعہ سے پردہ نہ اٹھتا لیکن یہ اتفاق ہی تھا کہ دونوں کو جنگل کی طرف جاتے ہوئے کئی لوگوں نے دیکھ لیا تھا۔

ہوا یہ کہ گذشتہ سال ۱۹۸۳ء میں ۱۷ار نومبر کو دیوالی کی چھٹی کے بعد جب آشرم شالا کھلی تو اس دن ناشتے پر دونوں کو غائب پایا گیا جب دوپہر کو وسنت مذکورہ واقعہ کے بعد جنگل سے آشرم آیا تو اس سے اس کے غائب ہونے کے بارے میں دریافت کیا گیا اور مادھو کے بارے میں بھی معلوم کیا گیا کہ وہ بھی اس کے ساتھ تھا کہ نہیں۔ وسنت نے بتایا کہ وہ اور مادھو پاس کے گاؤں میں واقع ایک خیراتی ہسپتال میں اپنے "رسولی" کے مرض کا علاج کرانے گئے تھے مادھو وہیں ٹھہر گیا ہے۔ جب شام تک وہ آشرم نہیں لوٹا تو آشرم کے ذمہ داران کو تشویش ہونے لگی۔ رات بھی گزر گئی اور سویرا ہو گیا۔ اس وقت بھی مادھو نہیں لوٹا تو آشرم کے سپرنٹنڈنٹ نے وسنت کو بلایا اور اس سے پھر دریافت کیا لیکن اس بار بھی اس نے پہلے ہی والا جواب دیا۔ اس سے سچ بات دریافت کرنے کے لئے سپرنٹنڈنٹ نے اس کی بینتوں سے پٹائی کی تب جا کر اس نے مذکورہ بہیمانہ قتل کا پردہ فاش کیا۔ یہ دریافت کرنے پر کہ پجاری اور اس کے ساتھیوں سے اس کی کہاں ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا کہ دیوالی کی

ٹی کے دوران کچھ لوگوں نے اس سے دوستی
مائی وہ انھیں پہلے سے نہیں جانتا تھا۔
ستی بڑھانے کے بعد اسی دوران انھوں نے
ب دن مادھو کو کسی طرح سے جنگل میں لانے کے
ئے اس سے کہا۔ اس کے لئے ان لوگوں نے ۱۷
بر کا دن اور تاریخ بھی طے کر دی۔ منصوبے کے
طابق وہ سب جن کی کل تعداد چھ تھی۔ ۱۶ نومبر
ا رات بھر گاؤں میں رُکے رہے۔ ان چھ افراد
ں ایک کا نام جوگا مداوی تھا اور دو اس کے
ڈکے تھے جن میں ایک کا نام دولو تھا جو قبائلی
پجاری تھا اور تین افراد "مادیہ" قبیلے کے لوگ
تھے۔ اس نے بتایا کہ جب صبح سویرے وہ
دھو کو لے کر جنگل میں داخل ہوا تو یہ لوگ ہم
ونوں کا تعاقب کرتے ہوئے خاموشی سے
نے لگے اور بتائی ہوئی جگہ پر مادھو کو لیکر
ہنچنے کے بعد ان لوگوں نے اسے دھر دبوچا
ور پھر اس کو بے رحمی سے قتل کر ڈالا۔ وسنت
شرم کے ذمہ داروں کو جنگل کے اس مقام پر
لے گیا جہاں مادھو کو قربان کیا گیا تھا وہاں
ں وقت بھی خون آلود پتیاں پڑی ہوئی پائی گئیں

جب معصوم مادھو کو بھینٹ چڑھانے
کے اس واقعہ سے پردہ اُٹھا تو پولیس نے
فوراً قبائلی پجاری "دولو" کو گرفتار کر لیا گرفتاری
کے بعد اس نے پولیس کے سامنے اپنے جرم کا
اقبال کرتے ہوئے کہا کہ مادھو کی قربانی ریٹاپلی
کے ایک کسان کی طرف سے ادا کی گئی ہے اس
نے یہ قربانی اچھی فصل حاصل کرنے کی خوشی میں
"شکرانے" کے طور پر دلوائی۔ پولیس جب
مذکورہ کسان کو گرفتار کرنے کے لئے پہنچی تو
اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کیونکہ اسے پہلے ہی
سے اپنی ضمانت (انٹی سپیٹری بیل) کروالی تھی۔

معلوم ہوا ہے کہ گذشتہ چار سال سے
اس علاقہ میں اس طرح کے انسانی جانوں کی
قربانی کے چھ واقعات پیش آ چکے ہیں لیکن ہر واقعہ
کے ملزموں کو معقول ثبوت کی عدم موجودگی کی
بنا پر عدالت سے رہائی مل گئی۔

ابھی گذشتہ ہی سال کا واقعہ ہے کہ
گیارہ پی گاؤں کے ایک آشرم کی ۹ سالہ بچی منوبائی
کو گاؤں کے کنارے واقع ایک نالہ کے پاس مردہ
پایا گیا۔ آشرم کے چوکیدار اور ایک قبائلی پجاری نے

رام شالا نامی ایک شخص کو منو بائی کے قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اس شخص پر ۱۹۷۹ء میں اپنی بہن کے لڑکے کی قربانی دینے کا الزام تھا لیکن ثبوت کی عدم موجودگی کی بنا پر عدالت نے اُسے رہا کر دیا تھا

انسانوں اور جانوروں کو بھینٹ چڑھانے کا رواج ابھی تک قبائلیوں اور آدی واسیوں میں موجود ہے۔ یہ لوگ دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے انسانی جانوں کی قربانی دینے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتے۔ جیسا کہ کچھ عرصہ قبل مراٹھواڑہ کے مالوت علاقہ میں بھی چھ معصوم بچیوں کی قربانی کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔

یہ علاقہ مہاراشٹر اور مدھیہ پردیش سرحد پر بہت ہی اندر واقع ہے جہاں پولیس وغیرہ بہت مشکل سے پہنچ پاتی ہے۔ اور جہاں کے لوگوں کو موجودہ سائنسی ترقی اور تعلیم چھو بھی نہیں پائی ہے۔ یہاں پر اب بھی توہم پرستی کا راج ہے۔ کوئی بھی تعمیری کام کرنے سے قبل گائے، بھینس اور بکریوں کی قربانی دی جاتی ہے۔

گدچرولی میں بھی آج کل تعمیراتی کام چل رہے ہیں۔ ان تعمیراتی کاموں کو جلدی سے پورا کرانے کے لئے ٹھیکیدار لوگ کبھی کبھی انسانی جانوں کی قربانیاں پیش کرتے ہیں ایسا ایک واقعہ گذشتہ سال پیش آیا۔ ناگپور کا ایک ٹھیکیدار بھنڈارا ضلع میں ایک تالاب کی کھدائی کروا رہا تھا۔ لیکن کھدائی کافی ہو جانے کے بعد بھی ابھی تک پانی نہیں نکلا تھا۔ تب ایک قبائلی پجاری نے اسے انسانی جانوں کی قربانی دینے کی ترغیب دی اور اس نے ایک لڑکے کو تالاب کی جگہ پر بھینٹ چڑھا دیا۔ اپنے اس جرم کے لئے آج وہ جیل کی کوٹھریوں میں قید و بند کی زندگی گزار رہا ہے۔ مادھو کی بھینٹ چڑھنے کے واقعہ سے پورے علاقہ میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ اب ہر روز آشرم کے بچوں کی دن میں پانچ چھ بار حاضری لی جاتی ہے اور گاؤں میں کسی کے بھی ساتھ خصوصاً اجنبیوں کے ساتھ بچوں کے آنے، جانے، میل ملاپ پر پابندی لگا دی گئی ہے۔“ ●●●

بابا محمد دین

خورشید برنی

چند سال پہلے کی بات ہے۔ غالباً دسمبر یا جنوری کا مہینہ تھا۔ اچھی خاصی سردی پڑ رہی تھی۔ ہلکی ہلکی ہوا بھی چل رہی تھی۔ احباب اپنے اپنے حجروں سے نکل کر باہر چمکتی دھوپ میں بیٹھے تھے۔ میں بھی ان کی محفل میں جا بیٹھا اور گفتگو میں شریک ہو گیا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ میں نے دیکھا ایک بوڑھا پستہ قد، دبلا پتلا آدمی سیاہی مائل جامنی رنگ کا پھٹا پرانا کوٹ پہنے میلی چادر باندھے، سر پر خاکی رنگ کا چھوٹا سا میلا کچیلا کپڑا لپیٹے اور پیروں میں بے رنگ سی گھسی ہوئی ٹوٹی پھوٹی دیسی جوتی پہنے، خراماں خراماں چلا آ رہا ہے۔ مجھے نہ اس کے لباس نے متوجہ کیا کہ ہمارے ملک میں غریبوں کے تن ڈھکنے کا یہی سامان ہے اور نہ اس کی چال نے متاثر کیا کہ ضعیف و ناتواں لوگوں کا اندازِ خرام یہی ہوتا ہے۔ میں تو یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اس کے ہمراہ چند چڑیاں بھی چلی آ رہی تھیں۔ کچھ زمین پر اس کے قدموں سے قدم ملا کر اور کچھ ہوا میں اس کے دائیں بائیں محوِ پرواز۔ ایک دو چڑیاں اس کے شانے پر بھی بیٹھی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ چڑیاں اس سے باتیں کر رہی ہوں اور وہ ان کی ہر بات سن رہا ہو۔ وہ چہچہا رہی تھیں شاید کوئی رسیلا گیت گنگنا رہی ہوں اور وہ گوش بر آواز، تصویرِ انہماک بنا، گیت کے سروں میں ڈوبا، اپنے دھیان میں مگن ہماری طرف چلا آ رہا تھا۔

وہ میرے قریب ایک بنچ پر آ کر بیٹھ گیا۔ چڑیاں بدستور اس کے گرد منڈلا رہی تھیں۔ ایک چڑیا اب بھی اس کے شانے پر پھدک رہی تھی اور کبھی کبھی سر اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھ لیتی۔ چہرہ جو جھریوں سے بھرا ہوا تھا، ساکت و صامت تھا۔ یہ جھریاں اس قدر گہری اور نمایاں

تھیں کہ معلوم ہوتا تھا پوری صدی کے ماہ وسال کی گردشیں ان میں سما گئی ہیں۔اس کی آنکھوں میں اس کے چہرے پر کچھ لکھا ہوا تھا ہی نہیں۔ چڑیاں مسلسل شور مچا رہی تھیں۔ ان کی بیقراری اس سے دیکھی نہ گئی۔ وہ شاید ان کی زبان جانتا تھا۔ ان کے اشارے پہچانتا تھا۔ ان کی آواز کے زیر و بم پر اس کا دل دھڑکتا ہوگا۔ وہ شاید ان کا مطالبہ سمجھتا تھا چنانچہ اس نے اپنا دایاں ہاتھ جو خشک ٹہنی کے مانند سوکھا ہوا مرجھایا اور جھریوں سے بھرا ہوا تھا۔ کوٹ کی جیب میں ڈالا، اور مڑی ہوئی، تہہ کی ہوئی ایک روٹی باہر نکالی۔ اس میں سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا توڑا اور باقی روٹی جیب میں رکھ لی۔ پھر مہین اور باریک ٹکڑے زمین پر ڈالنے لگا۔ اور چڑیاں مزے لے لیکر کھانے لگیں۔ کوئی چڑیا اس کے بازو یا شانے پر بھی آ بیٹھتی۔ وہ اسے بھی مایوس نہ کرتا بلکہ چھوٹا سا ریزہ اس کے لئے بھی اپنے کوٹ کی آستین پر رکھ دیتا جسے وہ کھا لیتی۔ یہ نظارہ اس قدر دلچسپ تھا کہ میں حیران و مبہوت بنا دیکھتا رہا۔ پیار میں کیسی مقناطیسی کشش ہے کہ بے زبان جانور اور پرندے بھی کھنچے چلے آتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد بوڑھا اُٹھ کر چلا گیا اور اس کے جلو میں چڑیوں کی وہ برات بھی چلی گئی جس نے مجھے مسحور کر دیا تھا۔

بابا سے میری یہ پہلی ملاقات تھی۔ نہ میں یہ جانتا تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے نہ مجھے یہ معلوم تھا وہ کہاں رہتا ہے اور اس کا مشغلہ کیا ہے۔ میں نے سوچا شاید وہ مجذوب ہو کہ ہوشمند انسان سے آجکل بے لوث پیار کی یہ دلچسپ حرکتیں کہاں سرزد ہوتی ہیں۔ وہ تو ہر وقت ہر آن فتنہ و فساد کے حیلے بہانے تلاش کرنے اور نفرت و نفاق کے بیج بونے میں مصروف رہتا ہے آبادیوں میں جو ویرانے آپ کو نظر آتے ہیں کرۂ ارض کے مختلف گوشوں میں سینہ زوری کے بل پر آتش و آہن کے کھیل اور اس کے نتیجے میں جلتی جھلستی، اُجڑتی بستیوں کی المناک روداد جو ہر روز آپ سنتے ہیں، اغوا، چوری، ڈکیتی اور قتل و غارت گری کے سنگین جرائم کے لرزہ خیز واقعات جو روزانہ آپ دیکھتے اور اخبارات میں پڑھتے ہیں اور انسانیت کے شفاف چہرے پر طمانیت اور سکون کے نور کے بجائے کرب و انتشار کی پرچھائیاں اور سہمے ہوئے آنسو جو ہر قدم پر

آپ کو پکارتے ہیں۔ یہ سب ہوشمندوں ہی کی دانش کے ادنیٰ کرشمے ہیں۔

اس دن کے بعد جب بھی میں کچہری جاتا اور وکلا کے چیمبروں میں گھومتا۔ وہاں بیٹھتا اور باتیں کرتا میری نگاہیں بابا کو ڈھونڈھ رہی ہوتیں۔ میں جتنی دیر وہاں رہتا، یہ جستجو مجھے مضطرب رکھتی کہ آنکھوں کے سامنے وہی پیار کا منظر ہو، جذب وکیف کا وہی سماں ہو۔ جی چاہتا بابا کہیں سے اچانک نمودار ہو۔ چڑیوں کی انجمن ساتھ ہو۔ بابا حسب عادت انھیں روٹی کھلائے وہ اس سے اٹھکھیلیاں کر رہی ہوں اور بابا اپنی چھوٹی سی بے ضرر دنیا میں مسرور وشاداں جھوم رہا ہو۔ میں سوچتا، اس کی دنیا کتنی حسین اور دلفریب دنیا ہے۔ فتنہ وفساد، بغض وحسد اور حرص وہوا سے پاک دنیا۔ چاند ستاروں کی کیف پرور دنیا، اور چمکتے دمکتے معصوم خوابوں کی دنیا۔ کبھی وہ نظر آجاتا تو میرے دل کی کلی کھل اٹھتی اور کئی کئی روز کہیں دکھائی نہ دیتا تو میں اپنے دل پر بوجھ لیے افسردہ وسوگوار چلا آتا۔

میں نے چند احباب سے بابا کے متعلق استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ پہلے وہ سرکاری مالی تھا۔ اب خاصی مدت سے وکلا کے چیمبروں میں کام کرتا ہے علی الصباح آتا ہے۔ ہر چیمبر میں جھاڑو لگاتا ہے، میز کرسیاں اور بنچ صاف کرتا ہے۔ جو وکیل اپنے چیمبروں میں پانی کا انتظام رکھتے ہیں ان کے گھڑے اور صراحیاں بھرتا ہے۔ چیمبروں کے اردگرد جو قطعات اراضی یونہی ویران اور بنجر پڑے ہیں۔ ان میں پھول، پودے، بیلیں اور گھاس لگاتا ہے۔ پانی کی باری آتی ہے تو ان باغیچوں میں پانی بھی لگاتا ہے۔ گھاس اور پودوں کی تراش خراش بھی کرتا ہے۔ کوئی اسے کام کرنے کی ہدایت یا تاکید نہیں کرتا۔ اس کی نوبت ہی نہیں آتی وہ خود بہ خود ہر کام لگن سے کرتا ہے اور ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتا اور اپنا فرض پہچانتا ہے جب وہ اپنے کام سے فراغت پاتا ہے یا درمیان میں سستانے بیٹھ جاتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی بے زبان مخلوق یاد آجاتی ہے پھر وہ اپنی جیب سے روٹی کا ٹکڑا نکالتا ہے اور چڑیوں کو چھوٹے چھوٹے حصے کرکے ڈالتا رہتا ہے وہ کھاتی رہتی ہیں اور اس کے ساتھ

اٹکھیلیاں بھی کرتی جاتی ہیں۔

ہر چیمبر سے اس کی اُجرت مقرر ہے۔ لیکن وہ کسی سے طلب نہیں کرتا جب مہینہ ختم ہوتا ہے تو وہ ہر چیمبر میں جاتا ضرور ہے مگر مانگتا کسی سے نہیں، نہ کسی کو یاد دلاتا ہے کہ مہینہ ختم ہو گیا ہے اور اُجرت واجب الادا ہو گئی ہے۔ بس وہ باری باری ہر چیمبر میں جا کر بیٹھ جاتا ہے اور صاحبِ خانہ اس کی اُجرت ادا کر دیتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے ادائیگی ممکن نہ ہو تو اسے مطلع کر دیا جاتا ہے۔ اگر وضاحت نہ بھی کی جائے اور اُجرت بھی ادا نہ کی جائے تو وہ دس پندرہ منٹ بعد خود ہی چلا جاتا ہے۔ مانگنا اس نے سیکھا ہی نہیں اور اسے ہاتھ پھیلانے کی عادت بھی نہیں۔ وہ اپنا حق بھی نہیں مانگ سکتا۔

میں نے اس کے مشاغل کی یہ کہانی سنی تو مجھے خوشی کے ساتھ ساتھ حیرت بھی ہوئی۔ کہ اس عمر میں وہ اتنے ڈھیر سارے کام کیسے کرتا ہوگا اور وہ یہ سب کچھ بغیر کسی تاکید و تنبیہ کے خود بخود کس طرح کرتا رہتا ہے جبکہ اس دور میں لوگ نگرانوں، بلکہ پہرے داروں کی کڑی چوکسی کے باوجود بھی کچھ کر کے نہیں دیتے۔ کام نہ کرنے کے سو سو بہانے بناتے ہیں بیشتر وقت حقہ، سگریٹ اور چائے پینے میں گنوا دیتے ہیں، کھیتوں، کارخانوں، اور دفتروں میں ہر جگہ تضیعِ اوقات کا یہی منظر دکھائی دیتا ہے۔ بابا پر ان سب باتوں کا اثر کیوں نہیں ہوا؟ وہ بھی تو اسی ملک کا باشندہ ہے اسی ملک کے کسی شہر یا گاؤں میں ان لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہوگا جو اپنے فرض سے غافل رہ کر محنت سے جی چراتے ہیں جہاں وہ رہتا اور کام کرتا ہے وہاں کام چوروں کی ایک فوج بھی تو شتر بے مہار کی طرح پھرتی ہوگی۔ وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوگا۔ پھر خربوزے کو دیکھ کر خربوزے نے رنگ کیوں نہیں پکڑا؟ ملک کی بدلی ہوئی آب و ہوا نے اسے اپنی لپیٹ میں کیوں نہیں لے لیا؟ ایسے ابتر ماحول اور زوال پذیر معاشرے میں اس کی فرض شناسی اور محنت کی لگن کا جذبہ سرد یا مدھم کیوں نہیں ہوا؟۔ گداگروں کے اس ملک میں خودداری کا اتنا بڑا سرمایہ اسے کہاں سے مل گیا؟ میں نے تو یہاں

بڑے بڑے سرمایہ داروں کو بھی ہاتھ پھیلاتے دیکھا ہے ؎

مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج

کوئی مانے یا نہ مانے، میر و سلطاں سب گدا

ہاتھ نہ پھیلانے کی یہی ادا اگر کسی اہلِ ثروت میں ہوتی تو جانے کون کون اس کی شان میں قصیدے لکھتا اور اس کی شخصیت میں چار چاند لگانے کے لئے قوسِ قزح کے سارے رنگ بکھیر دیتا۔ لیکن یہی ادا جب کسی نادار و محتاج کی عادت بن جائے تو کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ بڑے آدمی گھٹیا حرکات کر کے بھی بڑے ہی بنے رہتے ہیں اور چھوٹا آدمی عظیم کردار کا مالک ہو کر بھی چھوٹا ہی رہتا ہے۔ ترقی یافتہ تہذیب و تمدن اور سائنس کے اس عصرِ جدید میں جبکہ انسان آسمان کی پہنائیوں اور خلائی وسعتوں کو عبور کر کے چاند کی سطح پر قدم رکھ چکا ہے اس کا طرزِ فکر صدیوں پرانا اور فرسودہ کیوں ہے؟ اس کا اندازِ نظر کیوں نہیں بدلا؟ اس کے قلب و ذہن میں کوئی تلاطم برپا کیوں نہیں ہوا؟ میں دیر تک انہی سوچوں کی یلغار سے نبرد آزما رہا۔

پھر جب بھی میں کچہری جاتا، بابا کو اپنے کام میں ہمہ تن مصروف پاتا۔ کبھی وہ میز کرسیوں کی جھاڑ پونچھ میں لگا ہوتا، کبھی گھڑے، صراحیاں بھر رہا ہوتا، کبھی کسی لان میں نئے پودے لگا رہا ہوتا یا پرانے بیل بوٹوں کی تراش خراش اور زیب و زینت میں مصروف ہوتا۔ میں نے کبھی اسے خالی بیٹھے نہ پایا۔ کام کرتے وقت وہ اِدھر اُدھر دیکھنے کا عادی نہ تھا۔ وہ تو بس ایک مشین کی طرح ہر دم متحرک رہتا۔ کبھی میں دوپہر کے وقت یا اس سے کچھ قبل جا نکلتا تو وہ کام کاج سے فارغ ہو کر کسی لان یا چمبر میں بیٹھا چڑیوں کو روٹی کے ٹکڑے توڑ توڑ کر کھلا رہا ہوتا۔ چڑیاں اس سے بہت مانوس تھیں۔ بے خوف ہو کر کھاتیں، اور کوئی ٹکڑا بڑا ہوتا، تو اسے اپنی چونچ سے زمین پر رگڑ رگڑ کر مزید باریک کر لیتیں۔ کوئی ٹکڑا زمین پر باقی نہ رہتا تو بے صبری سے اُڑ اُڑ کر اس کے سر، شانوں اور بازوؤں پر بیٹھ جاتیں اور وہ خوشی سے بے خود ہو جاتا۔ یہی اس کا واحد

مشغلہ تھا۔ یہی اس کا سامانِ تفریح تھا۔ بے ضرر اور روح پرور۔ وہ چڑیوں کو روٹی کھلا کر مسرتِ بے پایاں سے سرشار ہو جاتا۔ اس کی ساری تھکن دور ہو جاتی۔ اور وہ بالکل تازہ دم ہو جاتا۔ اس کے بعد اگر کوئی کام ہوتا تو وہ اس میں جُت جاتا۔

ایک دن جو میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بابا کچہری کے سب سے اونچے شیشم کے درخت کی پھننگ پر بیٹھا کلہاڑی سے شاخیں کاٹ رہا ہے۔ غالباً وہ شاخ تراشی کا موسم تھا۔ درختوں کی نشوونما اور بڑھوتری کے لئے ایسا کرنا بھی ضروری ہے اور وہ بن کہے یہ کام بھی خود ہی کر دیا کرتا۔ پھر کٹی ہوئی شاخیں اکٹھی کر کے گٹھا بناتا، رسّی سے اسے باندھتا اور سر پہ رکھ کر گھر لے جاتا، شاخیں سوکھ جاتیں تو جلانے کے کام آتیں، اس روز میں اسے دیکھتا رہا۔ اور وہ سوکھے، جھرّیوں بھرے ہاتھ سے کلہاڑی چلاتا رہا۔ میں حیران تھا ایک نحیف و نزار جسم میں اتنی قوت کہاں سے آگئی کہ وہ دو پیروں اور ایک ہاتھ سے اپنا توازن قائم رکھ کر دوسرے ہاتھ سے مسلسل کلہاڑی چلا رہا ہے۔ وہ دایاں ہاتھ پیچھے لے جا کر زور سے کلہاڑی مارتا کہ ضرب کاری لگے اور ٹہنی کٹ کر گر پڑے۔ بابا کلہاڑی چلاتا رہا، شاخیں گرتی رہیں۔ لیکن اس پر تھکن کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ اور میرا خیال ہے کہ اس کی جسمانی قوت اتنی برسرِ کار نہیں تھی جتنا اس کا عزم و استقلال برسرِ عمل تھا۔ وہ سارے کام ہمت و ارادے کے بل بوتے پر کرتا اسے کام کرنے کا شوق تھا۔ شاید وہ کام کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے ایسی زندگی کا کبھی تصور ہی نہیں کیا تھا۔ جس میں کام نہ ہو، حرکت نہ ہو، گردش نہ ہو۔ ع

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی

بابا نے کچہری میں ٹھگوں، جعلسازوں، جیب تراشوں اور تخریب کاروں کو دیکھا، بڑے بڑے ڈاکوؤں، قاتلوں چوروں اور رہزنوں کو دیکھا، مویشیوں، عورتوں اور بچوں کو اغوا کرنے والوں اور انھیں پناہ دینے والے، رسّہ گیروں اور بُردہ فروشوں کو دیکھا۔ ان سب کو بہت قریب سے دیکھا، ان کی کمینگی، سنگ دلی اور بہیمیت کی کہانیاں سُنیں۔ فریقین

مقدمہ کی رقابتوں اور مخاصمتوں کا منظر دیکھا۔ لیکن کسی نے بابا کو متاثر نہ کیا۔ اور اگر کیا تو اس طرح کہ وہ ظلم سے نفرت کرنے اور بدی سے کترانے لگا۔ نیکی سے قریب ہوتا گیا۔ اس کا کردار اور مضبوط ہو گیا۔

اس کے آس پاس ایسے لوگ بھی تھے جو قانون کی کسی درسگاہ سے تازہ تازہ فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے۔ انھوں نے نئے چیمبر بنائے۔ نئے ایوان سجائے حسین مستقبل کے نئے خواب دیکھے، ان کے دلوں میں ولولہ تھا، جوش تھا، مہر کے سر کرنے کی لگن تھی، ان میں سے بعض ایسے تھے جنھوں نے محنت کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اور ان کی سعی پیہم بار آور ہو رہی تھی مگر بعض ایسے بھی تھے جو سنگین اور ناسازگار حالات کا سامنا کرنے سے پہلو تہی کر رہے تھے محنت سے جی چرا رہے تھے۔ معمولی مشکلات سے مایوس ہو رہے تھے اور تابناک مستقبل کے لئے کسی معجزے کا انتظار کر رہے تھے لیکن چاند تاروں سے جگمگاتے مستقبل کی تعمیر الہ دین کے چراغ کی نہیں، انتھک محنت اور لگن کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ مستقبل کسی کو عطیے کے طور پر نہیں ملتا، اور نہ یہ کہیں سے خریدا جا سکتا ہے۔ اس کی مانگ میں کہکشاں سجانے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، خون پسینہ ایک کر دینا پڑتا ہے۔ کاش! وہ ایک نظر بابا کو دیکھ لیتے۔ اس کی محنت سے بھرپور زندگی پر غور کر لیتے تو بآسانی اس حقیقت کا ادراک کر سکتے کہ اگر محنت اور لگن سے بنجر زمین میں گلزار کھلایا جا سکتا ہے تو ان کے مستقبل میں پھولوں اور کلیوں سے مہکتا ہوا چمن فروزاں کیوں نہیں ہو سکتا۔ بابا کی زندگی کھلی کتاب کی طرح تھی۔ اس کی ہر نقل و حرکت اس کی تگ و دو اور جہدِ مسلسل ہر کسی کو، ہر لمحے پیامِ عمل دے رہی تھی ؎

ع جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

ایک دن بابا مجھے کسی کے خالی چیمبر میں بیٹھا مل گیا۔ وہ حسبِ معمول چڑیوں کو روٹی کھلا رہا تھا۔ اور ان کی معصوم شرارتوں پر خوش ہو رہا تھا۔ میں نے سلام کیا تو وعلیکم السلام کہہ کر سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے پوچھا: "بابا! آپ کی عمر کیا ہے؟"

اس نے مجھے پھر ایک بار غور سے دیکھا اور جواب دیا" عمر کا تو مجھے پتہ نہیں ہے۔ البتہ سن چودہ کی جنگ میں چودہ پندرہ برس کا تھا اور کھیتی باڑی کا کام کرتا تھا۔ اب آپ حساب لگالیں کہ میری عمر کیا ہے۔" میں نے حساب لگایا تو بابا اسی برس کے لگ بھگ تھا۔ میں نے پوچھا:" بابا آپ کی اولاد کوئی نہیں ہے" قدرے تامل سے جواب دیا:" اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ ایک لڑکا ہے۔ رمضان لڑکیاں ہیں، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں، سب کچھ ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے"

مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ میں تو سمجھتا تھا کہ بابا اولاد نہ ہونے کے باعث بڑھاپے کی اس عمر میں محنت و مشقت پر مجبور ہے۔ میں نے سوال کیا۔ آپ کا لڑکا آپ کو اپنے پاس کیوں نہیں رکھتا، کیا وہ آپ کو دو روٹی اور دو کپڑے بھی نہیں دے سکتا؟ آخر اس نے آپ کو بڑھاپے میں ذلیل و خوار ہونے کے لئے بے یار و مددگار کیوں چھوڑ دیا ہے؟ اُسے ذرا بھی شرم نہیں آئی! اُسے میرے آخری الفاظ شاید بُرے لگے۔ لیکن اس نے ناراضی کا اظہار نہ کیا بلکہ اپنے بیٹے کی لاج رکھتے ہوئے بولا:" بابو جی! اصل بات یہ ہے کہ جب تک میرے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتا۔ میں اپنی روٹی خود کما سکتا ہوں تو پھر کیوں بیکار پڑا رہوں۔ میں نے زندگی بھر کام کیا ہے اب اس کے بغیر میرا جی نہیں لگتا۔" کام کرنا میری عادت بن گئی ہے۔" میں بابا کے محنتی ہونے کا قائل تو پہلے ہی تھا اب مجھے اس کے خیالات نے بھی متاثر کیا اور مجھے محسوس ہوا کہ بابا خوددار ہے۔ اور اقبال کی خودی سے آشنا بھی اور وہ کسی طور اپنی انا کو مجروح ہونے کی اجازت نہیں دے گا۔ پھر بھی میں نے ہمت کرکے کہہ ہی دیا:" بابا! اس عمر میں محنت و مشقت وہی لوگ کرتے ہیں جن کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہوتا آپ کا تو ایک بیٹا بھی ہے۔ پوتے پوتیاں بھی ہیں، بیٹیاں اور نواسے نواسیاں سبھی ہیں۔ لیکن ان کے ہونے سے آپ کو کیا فائدہ جب وہ آپ کے کسی کام نہیں آتے؟ میری بات مانو تو میرے ساتھ چلو، غریب خانے پر میرے بزرگ کی طرح رہو۔ مجھے بھی اپنا بیٹا سمجھ لو۔

اپنا دوسرا بیٹا ـــــ میرے پاس روکھی سوکھی جیسی ہو کھالیا کرو۔ اور اللہ اللہ کیا کرو، اب تمہاری عمر کام کرنے کی نہیں"۔

بابا میری بات بڑے غور سے سنتا رہا۔ ہلکی سی مسکراہٹ بھی لبوں پر نمودار ہوئی۔ سر جھکا کر انگوٹھے سے زمین کریدتا اور کچھ سوچتا رہا۔ جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ بالآخر میرے ساتھ چلنے پر رضامند ہو جائے گا۔ شاید ایک دو دفعہ اصرار کرنے پر وہ میری پیشکش قبول کر لے۔ اس کی خاموشی سے کچھ یہی ظاہر ہو رہا تھا، لیکن وہ تھوڑی دیر سوچ کر بولا :"باؤجی کچھ عرصہ پہلے بھی کسی نے بالکل یہی بات مجھ سے کہی تھی، میں نے جو کچھ اس سے کہا تھا وہی آپ سے بھی کہتا ہوں کہ میں بے کار نہیں رہ سکتا۔ خالی پڑے پڑے بیمار ہو جاؤں گا۔ میرے ہاتھ پاؤں کمزور ضرور ہیں۔ میں بوڑھا بھی ہو گیا ہوں لیکن ابھی مجھ میں اتنا حوصلہ ہے کہ میں کام کر سکتا ہوں۔ مجھے کام ہی کرنے دو، اس طرح میرا جی بھی لگا رہتا ہے اور ہاتھ پاؤں بھی کھلے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ مفت خوری اور آرام کی عادت پڑ گئی تو مرتے دم تک مجھے خوار کرتی رہے گی۔ میں اپنے بیٹے کا بھی محتاج نہیں۔ اللہ ہی سے مانگتا ہوں اور وہ مجھے مایوس نہیں کرتا۔ بڑی بھلی روزی دیے رکھتا ہے۔ آپ تو بس یہ دعا کریں کہ اللہ مجھے کسی کا محتاج نہ کرے۔ اور میرا خاتمہ ایمان پر ہو"۔ میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ بابا اپنی انا پر آنچ نہیں آنے دے گا۔

پھر ایک دن میں اسے اپنے گھر لے گیا۔ بیوی بچے اتفاق سے لاہور گئے ہوئے تھے لازم بھی نہیں تھا۔ میں نے بابا کے لئے خود چائے بنائی۔ دو انڈے بھی اُبالے اور پسے ہوئے نمک اور پسی ہوئی سیاہ مرچ کے ساتھ ٹرے میں رکھ کر لے آیا۔ بابا یہ سب کچھ دیکھ کر پریشان ہوا اور اعتراض بھی کہ یہ تکلیف کیوں کی۔ منت سماجت کر کے میں نے ایک انڈا اسے کھلایا اور چائے پلائی۔ ورنہ وہ کچھ کھانے پینے پر رضامند ہی نہ تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں حج کرنے کی آرزو میں جی رہا ہوں اور برسوں سے حج کے لئے پیسہ پیسہ جوڑ کر جمع کر رہا ہوں لیکن ہر سال حج کا

خرچہ بڑھ جاتا ہے اور میں حج سے محروم رہ جاتا ہوں۔ پھر بڑے المناک لہجے میں کہنے لگا۔
میرے پاس پچھلے سال اتنے پیسے جمع ہو بھی گئے تھے کہ میں حج پر جا سکتا تھا لیکن اچانک ہی کچہری کی کنٹین والے کو پیسوں کی سخت ضرورت پیش آگئی۔ اس نے وعدہ کیا کہ حج کی درخواست سے پہلے وہ مجھے پیسے واپس دے دے گا، میں نے چار ہزار روپے اُسے دے دیئے۔ دوسری کنٹین والے کو پتہ چلا تو اس نے بھی اپنی پریشانی کا رونا رویا میں نے اُسے بھی چار ہزار اُدھار دے دیئے۔ حج کی درخواستوں کا وقت آیا تو دونوں ہی اپنی مجبوریاں ظاہر کرنے لگے۔"

میں نے یونہی پوچھ لیا: "بابا! آپ نے پیسے وصول کرنے کے لئے کوئی چارہ جوئی کی؟ میرا مطلب ہے کوئی درخواست وغیرہ دی؟ بابا نے مجھے غور سے دیکھا اور خاموش ہو گیا اس نے جیتے جی کوئی درخواست نہ دی کینٹین والوں سے کوئی جھگڑا نہ کیا۔ حالانکہ افسران اور وکلا اس کی مدد ضرور کرتے۔ اور یہ عین ممکن تھا کہ اس کے پیسے جلد وصول ہو جاتے اور وہ حج کی درخواست دے سکتا۔۔۔۔ اس کی رقم وصول نہ ہو سکی اور وہ حج پر نہ جا سکا۔ اس نے کینٹین والوں کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اسے یقین تھا کہ جب ان کے پاس پیسے ہوں گے وہ خود ہی لوٹا دیں گے۔

بابا کو حج کی بڑی تمنا تھی۔ یہ آرزو تھی کہ وہ طوافِ کعبہ کرے اور روضۂ رسول ؐ کی زیارت بھی۔ وہ اللہ کے گھر ہی کی لگن میں زندہ تھا اور اپنی قوت ارادی سے چل پھر رہا تھا۔ جب مایوس ہو گیا تو اس کے ہاتھ پاؤں جواب دینے لگے۔ اسے جانے کیسے یہ احساس ہو گیا کہ اب اس کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ پھر ایک دن کچہری میں سب وکلا سے باری باری ملنے گیا اور سب سے اپنا کہا سنا معاف کرایا۔ اس نے کسی سے کہا ہی کیا تھا؟ وہ تو برسوں بالکل خاموش رہا سب کہتے تھے اور وہ سنتا تھا اس کے پاس کچھ کہنے کے لئے الفاظ ہی کہاں تھے؟ الفاظ تو سارے ان کے پاس تھے جن سے وہ اپنی خطائیں معاف کرا رہا تھا۔ وہ الفاظ سے

رات کو دن اور دن کو رات، قصوروار کو بے قصور اور بے قصور کو قصوروار ثابت کر سکتے تھے۔ ان کی آنکھوں میں غیظ و غضب کی چنگاریاں اور چہروں پر تلخی کے تاثرات ہوتے لیکن الفاظ میٹھے بول بن کر ہی نکلتے۔ ان کے پاس لفظوں کے انبار تھے جو ہر شکل میں ان کے کام آتے۔ اس کے برعکس بابا کھرا اور سچا آدمی تھا۔ نہ اس کا چہرہ جھوٹ بولتا، نہ اس کی آنکھیں غلط کہتیں۔ کھری اور سچی بات کہنے کے لئے الفاظ کی ضرورت کم پڑتی ہے اور ان چند الفاظ کا استعمال بھی وہ شاذونادر ہی کرتا تھا۔

یوں تو رخصت ہوتے وقت اس کو سبھی کا غم تھا لیکن سب سے بڑا دکھ یہ تھا کہ ان چڑیوں کا اب کیا بنے گا جنہیں وہ روٹی کھلایا کرتا تھا اور جو اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر کے اس کا دل بہلایا کرتی تھیں۔ پوری کائنات میں یہی چڑیاں اس کی غمگسار تھیں۔ وہ انھیں یاد کرتا ہوا اپنے گھر چلا گیا اور جاتے ہی چارپائی پر دراز ہو گیا اور پھر اٹھ نہ سکا۔

مجھے معلوم ہوا کہ بابا بیمار ہو گیا ہے اور اس نے کچہری آنا چھوڑ دیا ہے۔ مجھے اس خبر پر اعتبار ہی نہ آیا۔ میں نے تو اسے ہردم چلتے پھرتے، کام کرتے اور متحرک دیکھا تھا۔ میں یہ گمان بھی نہ کر سکتا تھا کہ وہ بیمار بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے کبھی ہار نہ مانی تھی۔ وہ کسی راہ میں تھک کر نہ بیٹھا تھا اور بڑی سے بڑی مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہو جاتا تھا۔ اس کی ساری زندگی شوریدہ سر ندی کے مانند رواں دواں رہی۔

بچپن میں جب اس کے شعور نے آنکھ کھولی تو اس نے اپنے آپ کو کام میں مصروف پایا۔ لڑکپن آیا تو وہ کام کر رہا تھا۔ جوانی گو طوفان کی طرح آئی لیکن اس کے دن کا چین گیا۔ نہ رات کی نیند، کیونکہ وہ شب و روز کام ہی میں لگا رہتا اور تھک کر اس قدر چور چور ہو جاتا کہ چارپائی پر لیٹتے ہی نیند اسے دبوچ لیتی اور دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیتی۔ اس لئے جوانی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ کام کاج اور محنت و مشقت نے اسے اس قدر مضبوط بنا دیا تھا کہ بڑھاپا بھی اس کے اعصاب کو متاثر نہ کر سکا۔ پچاس ساٹھ سال بڑھاپا طاری رہا، مگر بابا نے اس کا

لوہا مان کر نہ دیا۔ جب کبھی بڑھاپے کا تصور اس کے اعصاب پر اثر انداز ہونے لگتا، وہ زیادہ زور شور سے کسی نہ کسی کام میں ہمہ تن مصروف ہو جاتا۔ جسمانی محنت اس کے اعضا پر ایک نشے کی سی کیفیت طاری کر دیتی اور بڑھاپے کی ناتوانی کا احساس زائل ہو جاتا۔ وہ اپنی بیماری اور ناسازیٔ طبع کا علاج بھی محنت و مشقت ہی سے کرتا ہو گا ادھر ہل چلایا ادھر بخار غائب۔ سرما کی یخ بستہ راتوں کو کھیتوں میں پانی لگایا اور نزلہ زکام رفو چکر۔ لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ اعصاب کیسے ہی مضبوط اور توانا کیوں نہ ہوں۔ ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے جب وہ یکسر جواب دینے لگتے ہیں۔ عزم کیسا ہی فولادی کیوں نہ ہو ایک دن ہتھیار ڈال ہی دیتا ہے اور قوتِ ارادی کیسی ہی مستحکم کیوں نہ ہو۔ آخر بکھرنے لگتی ہے۔ ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے۔ قدرت اپنے نظام کا لوہا منوا ہی لیتی ہے۔

میرا بہت جی چاہا کہ بابا کی مزاج پرسی کو جاؤں، اس کا حوصلہ بڑھاؤں اور کچھ نہیں تو شبِ علالت کی تاریکی میں صبحِ اُمید کی ایک دو کرنیں ہی اچھوڑ آؤں۔ بیماری جو اس کا زندگی بھر سامنا کرنے سے کتراتی رہی۔ اسی کے ہاتھوں آج اسے بے بسی کی تصویر بنے ہوئے دیکھنے کی ہمت اگرچہ مجھ میں نہ تھی تاہم اسے ایک نظر دیکھنے اور اس سے باتیں کرنے کو دل بہت بے چین تھا۔ کچھ عرصہ قبل مجھے اس کی رہائش گاہ کا علم ہو چکا تھا۔ اس کے مکان میں، جو میرے مکان سے دور نہ تھا۔ اس کی بیٹی اور نواسیاں رہتی تھیں۔ اس کا بیٹا کسی اور شہر، غالباً عارف والا میں سکونت پذیر تھا۔ سستے زمانے میں اس نے اپنا مکان بنا لیا تھا اور اس میں اپنی بیٹی کو آباد کر دیا تھا وہ خود بھی اسی کے پاس رہتا تھا۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ بابا کے گھر میں لڑکیاں اور عورتیں ہی رہتی ہیں۔ میں نے اپنی بیوی کو ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا اور صبح آٹھ نو بجے کے قریب ہم دونوں وہاں پہنچ گئے۔ ابھی ہم بابا کی پرسشِ احوال بھی نہ کر پائے تھے کہ اس کی بیٹی نے میرے ہاتھ میں ایک کاغذ تھما دیا اور کہا کہ پڑھ کر بتائیں کیا یہ ٹھیک ہے میں نے پڑھا تو وہ مکان کے ہبہ نامے کی رجسٹری تھی جو بابا کی طرف سے بیٹی کے حق میں کی گئی

تھی۔ اسے پڑھ کر مجھے پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ بابا کا نام محمد دین ولد مہتاب دین ہے۔

پہلی ملاقات کے بعد میں نے اکثر وکلا سے اس کا نام دریافت کیا تو کوئی نہ بتا سکا تھا۔ کسی کو اس کا نام معلوم نہ تھا سب اسے بابا ہی کہتے تھے۔ آج اس کا نام معلوم ہوا اور یہ بھی پتہ چلا کہ اولاد کو والدین سے جائیداد اور روپے پیسے کے علاوہ کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ یہ رجسٹری بابا کی علالت ہی کے دوران میں تازہ تازہ کرائی گئی تھی۔ اور صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے بیٹے رمضان اور دوسری بیٹی یا بیٹیوں کو حق وراثت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بابا تو غیروں کی حق تلفی بھی پسند نہ کرتا تھا پھر اس نے اپنوں کی حق تلفی کیوں کی؟ کیا بابا اپنے بیٹے اور دوسری بیٹی سے ناراض ہے۔ اور کیا وہ سرکش، باغی، گستاخ اور نافرمان ہیں؟ اور اگر ایسے ہیں تو یہ رجسٹری علالت سے پہلے، اس کی تندرستی کے زمانے میں کیوں نہ کرائی گئی تھی۔ اس وقت کیا امور مانع تھے؟ کیا بابا نے یہ سب کچھ بے بسی کے عالم میں کیا ہے؟ کیا اس کی بیٹی نے اس کے علاج اور اس کی تجہیز و تکفین کا پیشگی معاوضہ وصول کیا ہے؟ کیا یہ رجسٹری بابا کی مجبوری و بے کسی کی کہانی بیان کر رہی ہے؟ میں دیر تک اسی قسم کے سوالات سے اُلجھتا رہا۔

بابا برآمدے میں ایک چارپائی پر لیٹا ہوا تھا جسمانی طور پر کمزور تو پہلے ہی تھا۔ چند روز کی علالت نے اسے بالکل نحیف و نزار بنا دیا تھا۔ میں نے سلام کیا تو اس نے وعلیکم السلام کہتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی لیکن بیٹھ نہ سکا۔ آخر اس کی بیٹی نے کمر کے نیچے ایک دو تکیے لگا کر اسے قدرے بٹھا دیا۔ اس نے مجھے بڑے غور سے دیکھ کر پہچاننے کی کوشش کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بیماری سے اس کی بینائی متاثر ہو چکی ہے۔ اس کا حال چال دریافت کیا تو اس نے میری آواز کسی قدر پہچان لی اور اپنی معمولی سی مسکراہٹ کے ساتھ میری خیریت پوچھی۔ ہوش و حواس تو کسی حد تک قائم تھے مگر قوتِ حافظہ تقریباً جواب دے رہی تھی۔ اسے میری ملاقاتیں غالباً یاد نہیں تھیں۔ اس کی بیٹی نے ایک دو

تعارفی جملے میرے متعلق کہے جس پر بابا فوراً بول پڑا۔" ہاں ہاں جانتا ہوں۔ میں ابھی ہوش میں ہوں بس کچھ کم نظر آنے لگا ہے۔" میں نے تسلی اور حوصلے کے چند فقرے ادا کئے۔ اور وہ سنتا رہا۔ اس پر کسی قسم کی گھبراہٹ کی کیفیت طاری نہیں تھی۔ پست حوصلگی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

میں نے پہلے بھی چند لوگوں کو جو بڑے تنومند، قوی ہیکل اور حوصلہ مند تھے۔ مرض الموت کی حالت میں ہنستے مسکراتے دیکھا ہے۔ وہ شروع میں دل لگی کی باتیں کرتے رہے کاروباری گتھیاں سلجھاتے رہے۔ خانگی مسائل حل کرتے رہے لیکن جب انھوں نے اچانک موت کی چاپ سنی تو اپنا حوصلہ قائم نہ رکھ سکے اور جب انھیں یقین ہو گیا کہ وقتِ رحلت آن پہنچا ہے تو وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگے۔ اس کے برعکس بابا پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہا۔ اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ مرض الموت میں گرفتار نہیں بلکہ جسمانی مشقت سے تھک کر سستانے کے لئے لیٹ گیا ہے۔ اس کے تیور صاف بتا رہے تھے کہ وہ اپنی زندگی کے اعمال نامے سے پریشان نہیں۔ اس کے پاس معقول زادِ راہ موجود تھا۔ وہ رختِ سفر باندھ کر تیار بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر اور دھندلی آنکھوں میں طمانیت اور سکونِ قلب کی علامتیں نمایاں تھیں۔ میں نے اس قدر مطمئن اور بے فکر اسے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

بابا کے دل میں حج کی آرزو کا دیا جب تک ٹمٹماتا رہا۔ وہ بڑا چاق چوبند رہا اور سرزمین حجاز دیکھنے کی تڑپ اُسے بے چین کرتی رہی۔ مگر جب اس دیے کی لو بھڑک کر بجھ گئی تو اس کی جسمانی قوت بڑی تیزی سے سلب ہوتی چلی گئی۔ اب وہ بے چینی بھی اس کے چہرے پر عیاں نہ تھی۔ اسے شاید صبر آ گیا تھا۔ اس نے اپنے قلبِ مضطر کو شاید سمجھا لیا تھا کہ قدرت کو یہی منظور تھا۔ وہ اللہ کی رضا پر راضی تھا۔ وہ پیش آنیوالے سفر سے خوفزدہ نہ تھا بلکہ پوری طرح مطمئن اور بے چینی سے اس کا منتظر تھا۔ اس کی بیٹی اور نواسیاں بھی اس کے سفر کا بے چینی سے

انتظار کر رہی تھیں لیکن ان کے انتظار کی کیفیت مختلف تھی۔

بابا کو دیکھ کر مجھے کچہری کے وہ سرسبز و شاداب رنگین پھولوں اور کلیوں سے مہکتے چمن یاد آرہے تھے جن میں اس کی محنت و مشقت کا پسینہ رچا بسا ہوا تھا۔ گاتی چہچہاتی ہوئی چڑیاں یاد آرہی تھیں جو بابا کو دیکھ کر اس کے گرد دیوانہ وار منڈلانے لگتی تھیں اور وہ اپنی جیب سے مڑی تڑی روٹی نکال کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے انھیں کھلاتا اور انھیں کھاتے اور شرارتیں کرتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ وہ لوگ بھی یاد آئے جن کے درمیان رہ کر بابا نے دیانت و شرافت نظم و ضبط، خودداری اور سچی محنت کی لائق صد تحسین اور ناقابلِ فراموش داستان مرتب کی اور ان میں سے کسی نے اسے پڑھنے کی زحمت نہ کی۔ وہ لہلہاتے چمن بابا کے محنتی ہاتھوں کے لمس سے محروم ہو کر جانے کتنے اداس ہوں گے! اور وہ چڑیاں جانے کب تک بابا کو یاد کرتی رہیں گی! بیچاریاں کچہریاں کا کونہ کونہ چھان ماریں گی۔ مگر اب وہ انھیں کبھی نہ مل سکے گا۔ وہ اپنی چھوٹی سی دنیا میں رہتے ہوئے بھی کردار و عمل کے ایسے چراغ روشن کر گیا ہے جو بھٹکے ہوئے لوگوں کو ہدایت کا نور عطا کرتے رہیں گے۔

حسرت بھری نظر ڈال کر بابا سے رخصت ہونے لگا تو میں نے اپنی جیب سے کرنسی کاغذ کے چند پُرزے نکالے اور بابا کے ہاتھ پر رکھ دیئے لیکن اس نے انھیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے بہت منت سماجت کی مگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔

وہ پُرزے اس کی بیٹی نے اس کے ہاتھ سے لے کر رکھ لیے۔ چند روز بعد بابا اللہ کو پیارا ہو گیا۔ پاک وطن کا ایک عظیم انسان رخصت ہو گیا۔ سدا رہے نام اللہ کا! ●●

لطیفہ:۔ وکیل نے (عدالت کے باہر) کہا: اچھا یار! سچ سچ کہو، تم نے چوری کی تھی نا؟
ملزم نے (بری ہونے کے بعد) کہا: جناب! جس طرح آپ عدالت میں باتیں کر رہے تھے۔ اس سے تو مجھے یہی شبہ ہوتا ہے کہ میں نے چوری نہیں کی تھی۔

تحریکی زندگی اور ایثار

حاصل مطالعہ
(ایشیا لاہور سے ماخوذ)

فاطمہ زہراء

یہ بات ہم میں سے ہر شخص پر واضح ہے کہ تحریکی زندگی سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ ہم محض کسی سیاسی انقلاب کے لئے کوشش کریں۔ بلکہ ہمارے پیش نظر ایک ہمہ گیر انقلاب ہے۔ ہم ایک ایسے انقلاب کے لئے کوشش کر رہے ہیں جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں حاوی ہو۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری پوری انفرادی و اجتماعی زندگی اسلام کے زریں اصولوں کے مطابق ہو جائے۔ ہمارا جس کلمہ پر عقیدہ و ایمان ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسی کلمہ کی روح ہماری زندگی کے تمام شعبوں میں یکساں سرایت کئے ہوئے ہو۔ جس خدا کی پرستش ہم مسجدوں میں کرتے ہیں اسی کی اطاعت ہم اپنی جلوت و خلوت میں، تعلیم گاہوں کے اندر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جس قرآن کی تلاوت ہم نمازوں میں کرتے ہیں۔ اس قرآن کا قانون ہماری عدالتوں میں چلے۔ یہی قرآن ہمارے خاندانی و سماجی تعلقات کو بہتر بنانے میں ہمارا رہنما ہو۔ ہر جگہ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات ہی کارفرما نظر آئیں۔ اور ہماری جدوجہد کا آخری مقصود انقلاب امامت ہے یعنی دنیا میں ہم جس انتہائی منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ فساق و فجار کی امامت و قیادت ختم ہو کر امامتِ صالحہ کا نظام قائم ہو اور اسی سعی و جہد کو ہم دنیا و آخرت میں رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ چیز جسے ہم نے اپنا مقصد قرار دیا ہے افسوس ہے کہ آج اس کی اہمیت سے مسلم اور غیر مسلم سبھی غافل ہیں۔

ان باتوں سے ہم سمجھ چکے ہیں کہ تحریکی زندگی اپنے اندر کتنی ہمہ گیریت اور وسعت رکھتی ہے اور ہمارے پیش نظر کتنا بڑا اور اہم کام ہے۔ انسانی کارناموں میں جس فطری

اصولوں کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ کام جتنا اہم ہوگا۔اس کی انجام دہی کے لئے اتنی ہی محنت اور ایثار و قربانی کے جذبے کی ضرورت ہوگی جن کاموں میں انسان یکساں حالات سے گزرتا ہے اس کی انجام دہی میں انسان کی رفتار کار اور اس سے متعلق دیگر عوامل میں بھی کوئی زیادہ فرق نہیں ہوا کرتا ہے ۔ اس کے برعکس جب حالات میں ردّ و بدل اور اُتار چڑھاؤ ہوتے رہتے ہیں تو انسان کو کچھ زیادہ ہی حوصلہ اور صبر کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے ۔ اور اکثر ایثار و قربانی کے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے ۔ تحریکی زندگی میں بسا اوقات حالات کے مدوجزر سے براہ راست واسطہ پڑتا ہے اور ان مرحلوں کو کامیابی کے ساتھ طے کرنے میں تحریک کے علمبرداران کے اندر صرف نصب العین کا صحیح شعور ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس نصب العین کے حصول کے لئے ان کے اندر تڑپ بھی ہونی چاہیئے اور ان حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے صبر و استقامت اور ایثار و قربانی کی صفت بھی ضروری ہے۔

اسلامی تحریک کا دوسری تحریکوں کے مقابلے میں طرّہ امتیاز یہ ہے کہ یہاں جذبۂ قربانی ہر مرحلہ اور ہر معاملہ میں درکار ہے۔ یہاں قربانی کرنے والا کچھ کھونے کا احساس نہیں بلکہ کچھ پانے کا ہی احساس رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں قربانی کی عظیم ترین مثالیں ملتی ہیں اور دنیا نے ایسے عملی نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں کہ جس کی مثال کوئی دوسری تحریک پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی بندے سے جب کوئی بڑی خدمت لیتا ہے یا یوں کہئے کہ اسے جب کوئی اونچا مقام عطا کرتا ہے تو اس کی بھی کوئی بڑی وجہ ہوتی ہے یوں تو وہ مختار کل ہے۔ لیکن دنیا میں جو واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں ان کے سلسلے میں اس کی سنت یہی ہے کہ وہ بلا سبب نہیں ہوا کرتے ۔

اب دیکھئے کہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کس ترتیب و تدریج کے ساتھ کام میں سب سے پہلے آپ نے ایمان کی دعوت دی اور اس کو وسیع ترین ۔ بنیادوں کو پختہ و مستحکم فرمایا پھر اس ایمان کے مقتضیات کے مطابق بتدریج اپنی تعلیم و تربیت

کے ذریعے سے اصل ایمان میں عملی اطاعت و فرماں برداری، اخلاقی عبادت کے اوصاف پیدا کیے۔ اور یہ کام محض نیک تمناؤں اور آرزؤں سے انجام نہیں پا سکتا۔ ہم اپنی زندگی میں تحریک اسلامی کی برکتوں کو دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں عزمِ مصمم کے ساتھ میدانِ عمل میں اترنا ہوگا۔ ہمارا جینا مرنا اور جینا ربّ العالمین کے لئے ہو جائے تو سنتِ ابراہیمی کے جواب میں سنت اللہ کا مشاہدہ یقینی ہو جائے۔ اللہ بندوں کی آزمائش ان کے ظرف کے مطابق ہی کرتا ہے۔ مگر آزمائش میں پورا اُترنے پر اس کا صلہ اپنی شایانِ شان ہی دیا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بڑی شان والا ہے۔ اس کی راہ میں معمولی چیزیں قربانی کرنا زیب نہیں دیتا۔ اس کی راہ میں جو بھی قربانی کرنی ہو۔ بہترین ہونی چاہیئے۔ بچا کھچا وقت و مال از کار رفتہ عمر، اور اپنی معمولی صلاحیتیں تو خدا کی راہ صرف ہوں۔ اور بہترین وقت، مال صلاحیتیں اور عمر کا بہترین حصہ اپنے نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے یا بندگانِ خدا کو خوش کرنے میں لگایا جائے۔ یہ شیوہ اس کے مومن پیروؤں کا نہیں۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے۔ کہ ہم اپنی بہترین متاعِ حیات اس کی راہ میں قربان کر کے اس کے نیک اور صالح بندوں میں شامل ہو جائیں۔

انھیں پتھروں پر چل کر اگر آسکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

مزاح

سرسید، مولانا شبلی اور سید ممتاز علی اکٹھے بیٹھے تھے۔ سرسید کا ایک بہت ضروری کاغذ گم ہو گیا تھا وہ اسے اِدھر اُدھر تلاش کر رہے تھے مگر ملتا نہ تھا اتفاقاً مولانا شبلی کو وہ کاغذ الگ پڑا مل گیا انھوں نے مزاحاً اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ سرسید بھانپ گئے کہ کاغذ شبلی دبائے بیٹھے ہیں اس پر انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا: بڑے بوڑھوں سے سنتے آئے ہیں جو چیز گم ہو جاتی ہے شیطان اس پر اپنا ہاتھ رکھ لیتا ہے۔"

احساس کی سولی پہ

:(از خدیجہ شمیم گھٹالہ):

کون کون ہو تم، وہ پریشان سی اس جھکتے سایے کو تھامنے لگی۔ جو چادر میں لپٹا اس کے پیروں پر اپنا سر رکھ دینا چاہ رہا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس جھکتے وجود کو تھام لیا.......

بہن مجھ کو کیوں گنہگار بنا رہی ہو۔ آپ کون ہیں؟ کیا چاہتی ہیں؟ کیوں اپنا چہرہ ڈھانک رکھا ہے؟ چہرے کو کھولیئے میں پہچان تو سکوں کہ آپ کون ہیں۔ لیکن اس ڈھکے چھپے وجود نے اپنے آپ کو اور بھی زیادہ چھپا لیا۔

نہیں! نہیں وہ وجود سسک پڑا میں اپنا چہرہ اپنی منحوس صورت آپ کو دکھا نہ سکوں گی۔ میں اپنی شکل بتا ہی نہیں سکتی آہ! کیسے بتا دوں، کیسے دکھا دوں نہیں نہیں، اس کو یوں ہی چھپا رہنے دیجئے۔

وہ چونک پڑی۔ کون یہ کون بولا۔ یہ کس کی آواز ہے جو یوں میرے کلیجہ کے پار ہو رہی ہے۔ واللہ تمہیں قسم ہے رب کعبہ کی، تمہیں قسم ہے رب کائنات کی۔ اپنے چہرے سے چادر ہٹا دو۔ للّٰہ اپنا چہرہ کھول دو۔

کہیں تم کہیں تم۔ اور وہ آگے بڑھ کر زبردستی اس کے چہرے سے چادر ہٹانے لگی......

کون... کون ہو تم۔ فرخ تو نہیں۔ ہاں ہاں فرخ ہی ہو نا۔ فرخ۔ فرخندہ میرا لاڈ۔ میرا پیار۔ میری چاہت تو کہاں کھو گئی تھی۔ تو کہاں گم ہو گئی تھی۔ آ۔ آ میرے کلیجے سے لگ جا میری بہن میری گڑیا۔ آجا۔ آجا۔ آ۔ آ۔ اور وہ ڈرا سہما کانپتا وجود دھیرے سے ان پھیلی باہوں میں سما گیا۔

اور پھر آنسوؤں۔ آہوں کا بندھ ٹوٹ گیا

دونوں ٹوٹ کر رو دیں۔ میری بھتنا: تو کہاں کھو گئی تھی، میری ماں جائی! تو کہاں چلی گئی تھی میرا خون مجھ سے جدا ہو گیا۔ اور میں تیرے بنا یوں تڑپتی رہتی جیسے مجھ کو خنجر کی نوک پر رکھ لیا گیا ہو۔ اور تو اتنی کٹھور کہ پلٹ کر بھی نہیں پوچھا اپنی بہن کو اپنی آپا کو۔

آپا: چادر میں لپٹا کمزور وجود سسک پڑا سچ مچ آپ نے مجھ گنہگار کو بخش دیا۔ کیا میں اتنی خوش نصیب ہوں کہ پھر سے آپ کے کھوئے ہوئے پیار کو پالوں گی۔ کیا میں بخش دی جاؤں گی۔ ہاں آپا مجھ گنہگار کو بخش دیا نہ بولئے بخش دیا۔ کہہ دیجئے بخش دیا۔ کہو آپا، کہہ دو صرف ایک بار صرف ایک بار۔ للہ صرف ایک بار۔ نہیں۔۔۔۔۔ ایک جھٹکے سے اس نے فرخندہ کو اپنے سے الگ کر دیا۔

نہیں، نہیں۔ آپا ایک دم چلا اٹھی کیا کہا بخش دوں۔ تجھ گنہگار کو۔ ہاں۔ ہاں گنہگار ہی تو ہے۔ بھلا میں کیسے بخش سکتی ہوں کیسے معاف کر سکتی ہوں۔ نہیں نہیں، ہرگز نہیں چلی جا۔ جا چلی جا میری ہی آنکھوں سے دور ہو جا ماں کی قاتلہ کو بخش دوں۔ یہ کیسے سمجھا کہ تجھ کو مجھ سے معافی مل جائے گی۔ تجھ کو ہمت۔۔۔۔۔۔ کیسے ہوئی کہ تو اپنے اس ناپاک وجود کو لیکر پھر اس دہلیز پر، اس آنگن میں آگئی۔ جہاں سے ہمیشہ کے لئے چلی گئی تھی۔ آہ! تو کیوں آئی۔ کیوں چلی آئی۔

آپا نماز کی چوکی پر بے جان سی گر پڑی اتنا روئیں کہ ہچکیوں پر ہچکیاں آنے لگیں۔ فرخندہ اپنی آپا کے دکھ کی اس شدت کو دیکھنے لگی۔ وہ کتنی بدنصیب ہے۔ اس نے سوچا۔ اتنی چاہت بھری بہن کو اس نے کتنے دکھ دئے۔ فرخندہ لڑکھڑاتے قدموں سے چل کر صراحی سے پانی انڈیل لائی۔ آپا کو اپنے کمزور ہاتھوں کے سہارے کچھ اٹھا سا دیا اور پانی کا کٹورا ہونٹوں سے لگا دیا کہ چند قطرے ٹھنڈے پانی کے حلق سے اتر جائیں تو کچھ سکون مل جائے۔

نہیں نہیں۔ فرخ تو یہ کٹورا ہٹا لے تیرے ہاتھ کا پانی پی لوں یہ کبھی نہیں ہوگا۔ جا میری نظروں سے دور ہو جا۔ تو اس گھر میں کیوں آئی۔ جہاں پر تو ہمیشہ کے لئے اس گھر کو

اس گھر کے ہر فرد کو بدنامی کی آگ میں جلتا جھلسا چھوڑ گئی تھی۔ اور اس آگ میں گھر جل گیا عزت جل گئی۔ اور آہ اور میری ماں جل گئی۔ سب کچھ جل کر بھسم ہو گیا۔ اب کیا رکھا ہے اب کیا لینے آئی ہے۔ یہ جو تو لے آنسو، تڑپ، محبت دیکھی ہے نا یہ اس خون کی گردش کا اثر تھا جو میری اور تیری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ اس ایک کوکھ کا اثر تھا جس سے ہم دونوں نے جنم لیا تھا لیکن تو نے ہاں تو نے خون کے اس رشتہ کو کاٹ کر اور اس کوکھ کی محبت میں آگ لگا کر اپنی خوشیاں سمیٹنے اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ گئی۔

ہاں فرخ تو نے ہی ہماری عزت کو داغدار کر دیا۔ ہمارے وقار کے آبگینوں کو چور چور کر ڈالا۔ باپ کی سفید داڑھی میں کالک مل دیا اور تو نے اپنے آپ کو گناہوں کی گندی اور سڑی ہوئی نالیوں میں ڈبو کر ایک حرامی پلے کو جنم دینے کے لئے اس کوکھ کی ٹھنڈک میں آگ لگا دی جس سے تم نے خود جنم لیا۔ اور میری ماں! آہ میری ماں اس آگ کے لگائے ہوئے چرکوں کو سہہ نہ سکی۔ تو نے جو بدنامی میری ماں کی جھولی میں ڈال دی تھی نہ اس بدنامی کو دامن سے جھٹک سکی نہ دامن کو اس آنچ سے بچا سکی اور خود جل کر بھسم ہو گئی۔ میرا باپ جس کی نیکی، شرافت شان و عزت کی دھجیاں اڑ گئیں۔ زمانے بھر میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہا۔ اور اور پھر لاپتہ ہو گیا۔ دیکھا تو نے اپنی ایک خواہش کی تکمیل کے لئے جن غلط راستوں پر چل پڑی تھی۔ اس راستے پر بڑھتا تیرا ایک ایک قدم سارے بھرے پرے گھر کو دکھوں کی گہرائیوں میں دھکیل گیا۔ نہ ماں رہی، نہ عزت رہی۔ اور نہ میرا باپ، آہ میرا باپ اس کو کہاں ڈھونڈوں۔ اس کو کہاں پاؤں۔ میری ماں نے مر کر چین پا لیا۔ زندوں کو کیسے صبر کر لوں۔ اس ضعیف العمری میں پتہ نہیں کہاں کہاں بھٹک رہے ہوں گے۔ جی بھی رہے ہیں یا اللہ نہ کرے..........

اب جبکہ سب کچھ تباہ ہو گیا۔ ماں مر گئی، باپ لاپتہ ہو گیا۔ تو آئی ہے۔ اب کیوں آئی ہے اب تک تو زندہ کیوں ہے۔ تیرا وجود انسانیت

کے لئے ایک سڑا ہوا ناسور ہے اگر بہہ جائے
تو سارے سماج میں گندگی، سڑان و بد بو
پھیل جائے گی تو عورت کیلئے ننگ ہے
تو محبت کے لئے ذلت ہے۔ محبت ہاں ہاں
محبت ایک پاک جذبہ ہے محبت مذہب اور
سماج کی بندشوں میں جکڑ کر جلا پاتی ہے لیکن
تو نے ہوس و جذبات کی گندی اور بدبودار
نالی میں خود کو ڈبو کر محبت کی پاکیزگی کو ختم کر دیا
عصمت کے آبگینوں کو چکنا چور کر دیا اور
سمجھ لیا کہ محبت کی معراج پالی۔

آہ! فرخ تم ایک کتیا سے بھی بدتر ہو
کتیا اپنے مالک کے ایک اشارے پر جان
کی بازی لگا دیتی ہے اور تم انسان ہو اتنے
بڑے گناہ پر اپنے مالک اپنے خدا کا خوف
نہ آیا۔ جب انسان کو اپنی عظمتوں کا خیال
نہیں رہے تو وہ جانور سے بھی بدتر ہے
فرخندہ اب تو چاہتی ہے کہ میں تجھے معاف
کر دوں۔ نہیں قیامت تک بھی نہیں، فرخ
بس اب تو چلی ہی جا، ورنہ شاید میں تیرا گلا
گھونٹ دوں۔ تیری تکا بوٹی کر دوں، بس
تو میرا غصہ غضبناک ہونے سے پہلے ہی
چلی جا۔ بس اب تم چلی جاؤ، تو یہ مجھ پر احسان ہوگا۔

لیکن فرخندہ میں حرکت کرنے کی سکت
بھی باقی نہ رہی تھی۔ آپا آپ نے سچ کہا۔ میں
سماج کے لئے آئندہ نسل کے لئے ایک
عبرت کا نشان ہوں۔ ہاں آپا! جو مذہب اور
سماج کے بندھن توڑتا ہے وہ اپنے وجود
میں خود انگارے بھر لیتا ہے۔ اور اپنے
وجود میں لگی اس آگ میں خود جل کر بھسم ہو جاتا
ہے۔ میں بھی جل چکی ہوں۔ کچھ نہ رہا۔ کچھ بھی تو
نہ رہا۔ میری بیٹی بھی ان ہی داغدار راستوں
پر چلی گئی جس پر چل کر ساری زندگی میں نے
داغ ہی داغ پائے۔ مجھ کو آج اس نے اسی
مقام پر کھڑا کر دیا جہاں پر سترہ سال پہلے
آپ سب کو چھوڑا تھا میری بیٹی کے باپ نے
خودکشی کر لی۔ اور خدا نے اپنا انصاف پورا کیا
میری اپنی ماں مجھ بدبخت کے کارن موت کے
آغوش میں سو چکی۔ میرا باپ لاپتہ ہے۔ سچ
آپ کیسے معافی دیویں گی۔ آپ معاف ہی نہ
کیجئے۔ میں معافی کے قابل ہی نہیں۔ سوچا تھا
معافی کی ٹھنڈک سے کچھ پھاہے اپنے وجود
کے جلتے ہوئے زخموں پر رکھ لوں گی تو سکون سے

طاہر کی عمر کوئی بائیس سال کے قریب تھی۔ اس کے دراز قد، سڈول جسم اور حسین چہرے میں غایت درجہ کی شوکت اور دلفریبی تھی۔ نگاہوں میں عقاب کی سی بے باکی اس کی ذہانت کی آئینہ دار تھی۔

احمد بن حسن نے سوال کیا۔ "تیار ہو آئے؟"

"جی ہاں! میں امی جان سے رخصت ہو آیا ہوں۔"

احمد بن حسن نے شاگردوں کو رخصت کیا اور اُٹھ کر نوجوان کے ساتھ مسجد سے باہر نکل آئے۔

مسجد کے دروازے سے باہر شیخ کا ایک نوکر گھوڑا لیے کھڑا تھا جو سفر کے ضروری سامان سے لیس تھا۔ احمد بن حسن نے گھوڑے کی گردن پر تھپکی دی۔ گھوڑے نے گردن اٹھائی، کان کھڑے کر لیے اور اگلا سم زمین پر مارنے لگا۔

احمد بن حسن نے مسکراتے ہوئے طاہر کی طرف دیکھا اور کہا: "تمہارا گھوڑا کہہ رہا ہے کہ دھوپ تیز ہو رہی ہے۔ ہمیں جلد رخصت کرو! طاہر! میرے ذہن میں اس وقت کوئی ایسی بات نہیں جو میں تم سے بار بار پہلے نہیں کہہ چکا۔ بغداد تمہارے لیے ایک نئی دنیا ہوگی۔ وہاں تم جیسے نوجوان کے لیے بننے اور بگڑنے کے ہزاروں سامان موجود ہیں۔ چاہو تو اس باغ کے کانٹوں سے اُلجھ کر رہ جاؤ۔ چاہو تو اپنا دامن مہکتے ہوئے پھولوں سے بھر لو۔ بغداد خوبیوں اور برائیوں کا مرکز ہے۔ لیکن اب برائیاں زیادہ ہو رہی ہیں اور خوبیاں کم۔ تمہیں کئی تلخیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور کئی حوصلہ شکن مراحل سے گزرنا ہوگا۔ قاضی فخر الدین میرا خط پڑھ کر یقیناً تمہارے لیے بہت کچھ کریں گے اور ممکن ہے کہ ان کی مدد سے تم دربارِ خلافت تک رسائی حاصل کر سکو۔ دربارِ خلافت پر ترک اور ایرانی امراء کا غلبہ ہے۔ وہ تمہارا راستہ روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے لیکن مجھے تمہاری صلاحیتوں پر بھروسہ ہے۔ تم علم کے گہرے دریاؤں کی سیر کر چکے ہو۔ مدینے کے بہترین دماغ تمہاری ذہانت

پر رشک کرتے ہیں۔ مومن کی زندگی کا دوسرا جوہر سپہ گری ہے اور تم تلوار سے کھیلنا بھی جانتے ہو۔ اس وقت عالمِ اسلام کو تمہارے علم سے زیادہ تمہاری تلوار کی ضرورت ہے۔ بغداد میں قاضی فخرالدین تمہارے لیے بہترین رہنما ثابت ہوں گے۔ اگر ان کے وسیلے سے تم کوئی بلند مرتبہ حاصل کر لو تو یہ بات یاد رکھنا کہ امارت کا نشہ بُرا ہوتا ہے۔ خدا کی خوشنودی کو خلیفہ کی خوشنودی پر مقدم سمجھنا اور ہمیشہ خیال رکھنا کہ تم عبدالملک بننے کے لیے نہیں عبداللہ بننے کے لیے پیدا ہوئے ہو۔ اپنی دولت کے لحاظ سے تم بغداد کے امیر ترین آدمیوں میں شمار کیے جاؤ گے۔ میں نے ان جواہرات میں سے ایک ہیرا ایک جوہری کو دکھایا تھا اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی قیمت دس ہزار دینار سے کم نہیں۔ میں نے ان میں سے پانچ بڑے ہیرے رکھ لیے ہیں۔ وہ میرے پاس امانت رہیں گے۔ اس کے علاوہ میں نے تجارت میں تمہارا حصہ رکھا تھا۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں تمہارے لیے یہاں ایک باغ خرید لوں!"

نوجوان نے کہا۔ "مجھے آپ نے مجبور کیا ہے ورنہ میں تو اتنی دولت ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔"

شیخ نے کہا۔ "اس کے متعلق کافی بحث ہو چکی ہے اور بغداد جا کر تمہیں محسوس ہوگا کہ میری رائے صحیح تھی۔ ہاں اس دولت سے کہیں زیادہ قیمتی چیز تمہارے پاس صلاح الدین کی تلوار ہے اور تم اس کا حق ادا کرنا جانتے ہو۔ اب چلو تمہیں دیر ہو رہی ہے ــــ امین کہاں ہے؟"

"وہ میرے ساتھ جانے پر بضد تھا۔ میں نے اسے نوکر کے ساتھ شہر بھیج دیا ہے۔"

گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے طاہر نے مصافحے کے لیے شیخ کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن شیخ نے مصافحے کے بجائے اپنے ہاتھ پھیلا دیے اور آگے بڑھ کر نوجوان کو گلے لگا لیا۔

"میرے بیٹے!" اُس نے بھرّائی ہُوئی آواز میں کہا۔ "تمہاری جدائی ہمارے لیے بہت صبر آزما ہوگی۔ خدا تمہارے نیک ارادوں میں برکت دے۔"

احمد سے بغل گیر ہونے کے بعد نوجوان نے خدا حافظ کہہ کر مصافحے کے لیے دوبارہ ہاتھ بڑھایا لیکن احمد نے کہا۔ "تم گھوڑے پر سوار ہو جاؤ!"

نوجوان گھوڑے پر سوار ہوا اور بوڑھے شیخ نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

"نہیں! مجھ سے یہ گستاخی نہیں ہو سکتی۔" یہ کہہ کر نوجوان نے گھوڑے سے اُترنے کی کوشش کی لیکن شیخ نے اسے ہاتھ سے روکتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! مجھے ایک مجاہد کے گھوڑے کی باگ پکڑنے کی سعادت سے محروم نہ کرو۔ اگر صدیق اکبرؓ اسامہ بن زیدؓ کے گھوڑے کی باگ تھام کر اپنا سر مبارک فخر سے اونچا کر سکتے تھے تو مجھے بھی آج اپنی خوش بختی پر ناز ہے۔ بڑھاپے میں میرے نحیف ہاتھ اگرچہ تلوار نہیں اُٹھا سکتے لیکن ان میں تمہارے گھوڑے کی باگ تھامنے کی قوت ابھی تک باقی ہے۔ خوش بخت ہے وہ قوم جس کے [illegible] جوانی میں تلواروں سے کھیلتے ہیں اور بڑھاپے میں اپنے بچوں کے گھوڑوں کی باگ پکڑ کر انھیں میدان جہاد کا راستہ دکھاتے ہیں۔"

احمد بن حسن طاہر کے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے نخلستان سے باہر نکلے۔ وہ کچھ دور اور اس کے ساتھ جانا چاہتے تھے لیکن طاہر نے کہا۔ "آپ زیادہ تکلیف نہ کیجیے۔ مجھے اجازت دیجیے۔"

احمد بن حسن نے گھوڑے کی باگ طاہر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "طاہر! میں نے سُنا ہے کہ بغداد کے درختوں کی چھاؤں بہت ٹھنڈی ہوتی ہے۔ بیٹا وہاں جا کر سو نہ جانا اور وہاں زید کا خیال رکھنا۔ وہ بہت سیدھا آدمی ہے۔ بغداد کے امراء کے ہوشیار اور چالاک نوکروں سے اس کا مقابلہ نہ کرنا۔ اس کی سادگی کبھی کبھی حماقت کی حد تک پہنچ جاتی ہے لیکن اس کی بہادری اور ایثار اس کی ہر کوتاہی کی تلافی کرتا ہے۔"

طاہر نے کہا۔ "آپ اطمینان رکھیے، میں اسے اپنا بہترین دوست سمجھتا ہوں"۔
احمد بن حسن نے خدا حافظ کہہ کر گھوڑے کی باگ چھوڑ دی۔

(۴)

طاہر بن یوسف اس زمانے میں پیدا ہوا تھا جب صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار عالمِ اسلام کی طرف یورپ کی عیسائی طاقتوں کی یلغار روکے ہوئے تھی۔ گزشتہ صدی میں ترکان سلجوق نے ایک طرف بغداد کے عباسی خلفاء کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر طغرل بیگ، الپ ارسلان اور ملک شاہ جیسے فاتحین کی قیادت میں آرمینیا، ایشیائے کوچک اور شام میں ایک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی اور دوسری طرف بازنطینی سلطنت سے بحیرۂ رُوم کے بہت سے ساحلی علاقے چھین لیے تھے۔ ۱۰۶۳ء میں سلجوقی ترکوں نے بازنطینی افواج کو ملازجرد کے مقام پر فیصلہ کن شکست دی۔ سلجوقی ترکوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوفزدہ ہو کر پوپ اربن ثانی نے یورپ کی عیسائی سلطنتوں سے اسلام کے سیلاب کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کی اپیل کی۔ پوپ کی اپیل ایک عرصے کے لیے کوئی خاطر خواہ نتائج پیدا نہ کر سکی۔ یورپ کے بادشاہ سلجوقیوں کی تلواروں کے سامنے سینہ سپر ہونے کے لیے پوپ کی طرف سے نسخۂ ثوابِ آخرت کا وعدہ کافی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی نگاہ میں دُنیا کی منفعت کے لیے سلجوقیوں سے نبرد آزما ہونا شکار کے لیے عقاب کے گھونسلے میں ہاتھ ڈالنے سے کم خطرناک نہ تھا۔

لیکن اس زمانے میں ایک فرانسیسی راہب اُٹھا اور اس نے اچانک یورپ کے عوام کو عالمِ اسلام کے خلاف مشتعل کر دیا۔ اس راہب کا نام پیٹرس تھا۔ اس نے صلیب اُٹھائی اور گدھے پر سوار ہو کر تمام یورپ کا چکر لگایا۔ اس کے پھٹے پرانے لباس اور ننگے پاؤں سے مظلومیت برستی تھی۔ اس کی نگاہوں میں انتقام کی چنگاریاں تھیں اور زبان پر زہریلے نشتر تھے۔ وہ جہاں جاتا لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے۔ وہ ارض

مقدس پر سلجوقیوں کے مظالم کی فرضی داستانیں بیان کرتا۔ خود روتا اور دوسروں کو رُلاتا۔ عوام اس کی ہر تقریر کے اختتام پر صلیب کی حرمت کے لیے قربان ہوجانے کی قسمیں کھاتے۔ عوام کا جوش وخروش دیکھ کر یورپ کی ہر چھوٹی اور بڑی سلطنت کے حکمران عالمِ اسلام کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ہلال کے خلاف صلیب کی تمام قہرمانی قوتیں یکجا ہو چکی تھیں لیکن ملک شاہ کی وفات تک یہ سیلاب رُکا رہا۔

ملک شاہ کی وفات کے بعد سلجوقی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ اس کے تنزل کی رفتار ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات کے بعد سلطنت مُغلیہ کے تنزل کی رفتار سے بھی تیز تھی۔

سات سال کے عرصے میں مغرب کی طرف عالمِ اسلام کا وہ دفاعی مورچہ جسے یورپ کی عیسائی سلطنتیں ناقابلِ تسخیر سمجھتی تھیں، خود بخود ٹوٹ گیا اور ۴۹۱ھ میں عیسائیت کا سیلاب عالمِ اسلام پر اُمڈ آیا۔

بغداد میں سلطنتِ عباسیہ نے ترکانِ سلجوق کے زوال پر اطمینان کا سانس لیا لیکن وہ عیسائیت کے خوف ناک سیلاب کی روک تھام کے لیے کچھ نہ کر سکے۔ ایک سال کے اندر اندر عیسائیوں نے سلجوقیوں کی رہی سہی طاقت کچل ڈالی اور یروشلم کے علاوہ شام کے بہت سے شہروں اور بندرگاہوں پر قابض ہوگئے اور فلسطین اور شام کے چند علاقے ملا کر ایک عیسائی سلطنت قائم کر دی۔ یہ سلطنت عالمِ اسلام کے سینے پر ایک خنجر تھی۔

قریباً پچاس سال کے بعد عالمِ اسلام کا مدافعانہ جذبہ عمادالدین زنگی کی شخصیت میں نمودار ہوا اور اس کے جان توڑ حملوں نے صلیب کے علمبرداروں کے دلوں میں غازیانِ اسلام کی پُرانی ہیبت زندہ کر دی۔ بغداد کے عباسی خلیفہ کی طرف سے ابتدا میں اس کی حوصلہ افزائی ہوئی اور اس کی شجاعت کی داستانیں سُن کر مختلف اطراف سے عالمِ اسلام کے

ِاروں سرفروش اس نے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے لیکن سلطنت کے اندرونی انتشار
کے باعث وہ اپنا کام پورا نہ کر سکا اور ارض مقدس میں عیسائی سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ
بجھتے بجھتے بچ گیا لیکن ۵۶۴ھ میں مصر میں صلاح الدین ایوبیؒ کا اقتدار اس چراغ کے
لیے ہوا کا آخری جھونکا ثابت ہوا۔ ارض مقدس پھر ایک بار غازیانِ اسلام کے سمندِ اقبال کے
سُموں سے لے رہی تھی۔ یورپ کی عیسائی طاقتوں کو صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار سلجوقیوں کی تلواروں
سے کہیں زیادہ خطرناک نظر آنے لگی اور فرانس، جرمنی اور انگلینڈ کے علاوہ یورپ کی تمام
عیسائی سلطنتیں اپنی ٹڈی دل افواج کے ساتھ مشرق میں عیسائیت کے اقتدار کے گرتے
ہوئے ستونوں کو سہارا دینے کے لیے آ موجود ہوئیں۔

خلافتِ عباسیہ نے اب کی بار بھی براہِ راست اس جنگ میں شرکت نہ کی لیکن
صلاح الدین ایوبیؒ کے شجاعانہ کارناموں نے جلد ہی عالمِ اسلام کو اس کا گرویدہ بنا دیا۔
یورپ کی بے شمار افواج کی یلغار سے باخبر ہو کر عرب، عراق اور ترکستان سے کئی سرفروش
یکے بعد دیگرے صلاح الدین ایوبیؒ کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

(۵)

مدینے کے چند اور نوجوانوں کی طرح صلیب کے مقابلے میں ہلال کا پرچم بلند رکھنے کا
جذبہ احمد بن حسن کو بھی مدینہ سے فلسطین لے گیا۔ ہلال و صلیب کے معمولی معرکوں میں احمد
بن حسن ایک گمنام سپاہی کی حیثیت سے شریک ہوتا رہا۔ اس کے رسالے کے افسر اس
کی شجاعت کے معترف تھے لیکن وہ خود اعتمادی جو احمد بن حسن کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا نتیجہ
تھی، ایک مدت تک اس کے راستے میں رکاوٹ بنی رہی۔ بڑے سے بڑے آدمی کو
خوش کرنے کے لیے بھی وہ اپنی رائے بدلنے کے لیے تیار نہ ہوتا۔ اس کے دستے کا
افسر ایک ترک تھا اور وہ اس کی خود اعتمادی کو اس کی خود پسندی سے تعبیر کرتا تھا۔
ایک شاندار فتح کے بعد رات کے وقت صلاح الدینؒ کی افواج ایک وسیع میدان

میں ڈیرہ ڈالے پڑی تھیں۔ ایک طرف زیتون کے چند درختوں کے قریب ا
کے دستے کا ترک سالار چند سپاہیوں اور افسروں کی مجلس میں گزشتہ لڑائی کے وا
تبصرہ کر رہا تھا۔

"احمد بن حسن کہاں ہے؟" اس نے اچانک ایک سپاہی سے سوال کیا
سپاہی نے جواب دیا۔" وہ درخت کے نیچے مشعل کے سامنے بیٹھ کر کوئی کت
رہا ہے"

ترک افسر نے کہا۔" اگر اسے کتابیں پڑھنے کا اس قدر شوق نہ ہو تو وہ ایک
سپاہی بن سکتا ہے۔ پرسوں وہ سچ مچ ایک سپاہی کی طرح لڑ رہا تھا۔ اس نے بار
کو موت کے گھاٹ اُتارا اور مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ احمد ہے۔ لیکن یہ کتابیں
ناکارہ بنا دیں گی"

ایک نوجوان جواب تک خاموشی سے ایک طرف بیٹھا ہوا تھا' بول اُٹھا۔"
کہ وہ محض ایک سپاہی بننے کی بجائے کسی فوج کی رہنمائی کے لیے پیدا ہوا ہو! ایک
سپاہی شاید تلوار سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت محسوس نہ کرے لیکن ایک سالار کتابوں
سے انکار نہیں کر سکتا"

ترک افسر نے نوجوان کے الفاظ کی تلخی کو ایک بلند قہقہے میں چھپانے کی کوشش
ہوئے کہا۔" تو اہلِ بغداد سب کے سب سالار ہیں۔ وہ فقط کتابیں پڑھتے ہیں"

نوجوان نے جواب دیا۔" یہ عالمِ اسلام کی بدقسمتی ہے کہ اہلِ بغداد کتاب کے
تلوار کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ورنہ عالمِ اسلام کا ہر سپاہی ان کی قیادت میں لڑ
لیے باعثِ فخر سمجھتا"

مشعل کی روشنی سے دُور ہونے کے باعث ترک سالار اپنے مخاطب کو
نہ سکا۔ اس نے ذرا ترش لہجے میں کہا۔" یہ احمد بن حسن کا دوسرا ساتھی کہاں سے آگیا"

لے آجاؤ!"

نوجوان کونے سے اُٹھ کر سالار کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ سالار نے کہا "ارے
ف آج تمھاری زبان کیسے کھُل گئی؟ بیٹھ جاؤ! میں ہر بہادر کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں۔
ے پہلے ہی معرکے میں ہم سب کو اپنا معترف بنالیا ہے لیکن اس بات کا خیال رکھو کہ
ں۔ اسے عامہ اہلِ بغداد کی ستائش کو پسند نہیں کرتی۔"

یوسف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔" بات کرتے وقت میرے ذہن میں لائے عاً
آپ تھے اور اہلِ بغداد کو میں اس وقت تعریف کے قابل سمجھتا ہوں نہ میں نے
تعریف کی ہے۔ ان کا ذکر ضمناً آگیا تھا۔ اصل موضوع یہ تھا کہ سپاہی کو علم سیکھنا چاہیے
ں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تلوار ایک ایسا سرکش گھوڑا ہے جس کے لیے علم کی باگ
ورت ہے۔ بغداد والے فقط باگ کو سنوار رہے ہیں۔ ان کے پاس گھوڑا نہیں۔"

سالار نے پوچھا۔" اور ہمارے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟"

یوسف نے جواب میں پوچھا۔" ہمارے سے آپ کی مراد اپنی ذات ہے یا سلطان
ح الدین ایوبیؒ کی فوج؟"

ترک افسر نے اس سوال سے پریشان ہو کر گفتگو کا رُخ بدلنے کے لیے کہا۔" باتوں میں
ان احمد بن حسن کا بھی استاد معلوم ہوتا ہے۔ اسے بھی بُلا لاؤ!"

ایک سپاہی اُٹھ کر احمد بن حسن کو اپنے ساتھ لے آیا۔ ترک سالار نے کہا۔" احمد! پرسوں
ج ایک سپاہی کی طرح لڑ رہے تھے۔ مجھے تم سے ہرگز یہ توقع نہ تھی — بیٹھ جاؤ!"
احمد بن حسن نے جواب دیا۔" آپ کو اپنے سپاہیوں سے بڑی توقعات وابستہ نہیں کرنی
ں۔"

ترک افسر نے قدرے کھسیانا ہو کر کہا۔" تمھارا یوسف سے تعارف ہوا ہے یا نہیں؟ یہ
سنے رفیق ہیں۔"

احمد نے جواب دیا۔ "میں ان سے متعارف ہو چکا ہوں۔"

"کیا پڑھ رہے تھے آج!"

"میں خالدؓ بن ولید کی فتوحات کے واقعات پڑھ رہا تھا۔"

ترک افسر نے سوال کیا۔ "بھلا خالدؓ بن ولید کی فتوحات زیادہ ہیں یا ہمارے سلطان
میرے خیال میں اس زمانے کی جنگیں موجودہ جنگوں کے مقابلے میں معمولی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں
احمد بن حسن نے جواب دیا۔ "آپ کا خیال عام طور پر صحیح نہیں ہوتا۔ میں بے علمی کو نا
معافی سمجھتا ہوں لیکن ریاکاری کو قابلِ معافی نہیں سمجھتا۔ آپ سلطان کے سامنے ایسی
کرکے شاید انھیں خوش کر سکیں لیکن وہ اس وقت یہاں موجود نہیں ـــــ میں مانتا
کہ آپ کو کتابوں سے نفرت ہے لیکن یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ آپ کو ایک مسلم
ماں نے خالدِ اعظمؓ کی فتوحات کے حالات نہ بتائے ہوں اور آپ کو فخر اور احترام
ساتھ ان مجاہدین کا نام لینا نہ سکھایا ہو جنھوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر اور جسم پر چیتھڑے
کر قیصر و کسریٰ کے تاج روند ڈالے تھے۔ خالدؓ ابن ولید کے زمانے کی اکثر جنگیں ایسی
جن میں اسلام کی ایک تلوار کے مقابلے میں دشمن کی دس تلواریں ہوا کرتی تھیں۔ میری
سے آپ کو تکلیف ضرور ہوگی۔ آپ میرے سالار ہیں۔ میدانِ جنگ میں آپ کا ہر اشارہ
لیے حکم ہے لیکن وہ بھی اس لیے نہیں کہ میں آپ کی یا سلطان صلاح الدینؒ کی خوشنو
چاہتا ہوں اور سلطان کا احترام اگر میرے دل میں ہے تو محض اس لیے کہ وہ بھی میری
اسلام کے ایک سپاہی ہیں۔ اس قسم کی غلط بیانی سے تاریخ کا ایک طالب علم شاید گمراہ
سکے لیکن ہو سکتا ہے کہ سلطان کے سامنے اس قسم کی ناجائز خوشامد ان میں خود پسندی کا
پیدا کر دے جس کے باعث خلفائے بنی عباس اسلام کے لیے ایک عضوِ معطل بن چکے
وقت عالمِ اسلام کی بہت سی توقعات سلطان صلاح الدین ایوبیؒ سے وابستہ ہیں۔ اس لیے
الجھن سے انھیں خالدؓ اور ابو عبیدہؓ کا ہم پلہ ثابت کرکے مستقبل سے بے نیاز کر دینے کی

ان کے لیے یہ دُعا کریں کہ وہ بڑی سے بڑی منزل پر پہنچ کر بھی یہ محسوس کریں کہ ابھی اُن کے سفر کی ابتدا ہوئی ہے۔"

احمد بن حسن کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن اچانک درخت کی آڑ سے ایک نقاب پوش نمودار ہوا اور اس نے آگے بڑھتے ہوئے بلند آواز میں کہا: "خدا صلاح الدینؒ کو عالمِ اسلام کی نیک توقعات پورا کرنے کے قابل بنائے اور اسے خوشامدیوں سے محفوظ رکھے۔" اجنبی کی آواز میں غصہ اور ہیبت اور جلال تھا۔ سامعین بدحواس ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس نے مشعل کی روشنی کے قریب پہنچ کر چہرے سے نقاب اٹھا دیا۔ ترک افسر سراسیمہ ہو کر بولا۔ "سُلطان!"

سب کے سب اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ سلطان صلاح الدینؒ نے ترک افسر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے تمھاری باتیں سُن کر بہت دُکھ ہوا لیکن تم جاہل ہو۔ تمھاری سزا یہ ہے کہ تم آئندہ چھ ماہ تک فرصت کے اوقات میں اپنے ساتھیوں سے بالکل الگ بیٹھ کر تاریخ پڑھا کرو۔ چھ ماہ بعد میں خود تمھارا امتحان لوں گا۔ اگر تم نے میری تسلی کر دی تو تمھیں ترقی دی جائے گی ورنہ تنہائی میں بیٹھنے کی سزا اور بڑھا دی جائے گی۔ اور تم دونوں ادھر آؤ!" سلطان نے احمد بن حسن اور یوسف کی طرف اشارہ کیا۔ احمد اور یوسف آگے بڑھ کر سلطان کے قریب کھڑے ہو گئے۔

سُلطان نے پوچھا۔ "تم کہاں سے آئے ہو؟"

"میں مدینہ سے آیا ہوں۔" احمد بن حسن نے جواب دیا۔ سلطان یوسف کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بولا "میں بغداد سے آیا ہوں۔"

"تم میری فوج میں کب شریک ہوئے؟"

احمد نے جواب دیا۔ "مجھے قریباً چھ ماہ گزر چکے ہیں اور یوسف کو کوئی پانچ دن۔"

سلطان صلاح الدینؒ نے کہا۔ "تم میرے متعلق غلط توقعات ظاہر کرنے کے مجرم ہو، تمھیں کیا سزا دوں؟"

احمد نے کہا۔ "اگر آپ میری تمام باتیں سُننے کے بعد بھی مجھے مجرم قرار دیتے ہیں تو میں اپنی صفائی پیش نہیں کرتا۔"

سُلطان صلاح الدّین ایوبیؒ نے پیار کے ساتھ احمد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہُوئے کہا۔ "سردست میں تمہاری زبان سے متاثر ہوا ہوں۔ مجھے تمہاری سپاہیانہ صلاحیتوں کا صحیح علم نہیں۔ اس لیے تمھیں بارہ دستوں کا سالار مقرر کرتا ہوں اور یوسف تمہاری آواز پر ایک سپاہی کی سی خود اعتمادی ہے۔ ممکن ہے تم آگے چل کر اپنے آپ کو بڑی سے بڑی ذمہ داری سنبھالنے کے قابل ثابت کر سکو لیکن سردست تمھیں، پانچ دستوں کا سالار مقرر کرتا ہوں۔ تم دونوں کو میں یقین دلاتا ہوں کہ میرے دل میں فقط جواں مردی اور شجاعت کی عزت ہے، خوشامد کی نہیں۔ اور حضرت حسن اللہؓ کے متعلق شاید میں اپنے جذبات کی صحیح ترجمانی نہ کر سکوں۔ کاش میں مصر کا سلطان ہونے کی بجائے اسلام کے مجاہدِ اعظم کی فوج کا ایک معمولی سپاہی ہوتا۔ میرے لیے نہ صرف وہ مجاہدین بلکہ وہ لوگ بھی قابلِ رشک ہیں جنھوں نے عراق اور شام کے میدانوں میں خالد اعظمؓ کی افواج کے سواروں کو گرد کے بادلوں میں روپوش ہوتے دیکھا تھا۔ میں اپنی ذات سے غازیانِ اسلام کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہو جانے والی ایک بڑھیا کا درجہ بلند سمجھتا ہوں۔"

(۶)

چند دن کے بعد صلاح الدّین ایوبیؒ کی فوج میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو احمد بن حسن اور یوسف بن طاہر سے واقف نہ ہو۔ ایک سال کے بعد یوسف سلطان کے جانبازوں کے دستے کا سالار اور احمد بن حسن مجلسِ شوریٰ کا رکن بن چکا تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے سے غایت درجے کی عقیدت تھی۔ میدانِ جنگ میں اگر احمد بن حسن کو کسی پر رشک آ سکتا تھا تو وہ یوسف تھا اور علماء کی محفل میں یوسف اپنے دوست کی برتری کا اعتراف کرتا تھا۔

یوسف اور احمد بن حسن نے عہد کر رکھا تھا کہ جب تک یروشلم دوبارہ نشانِ صلیب

بعد ہاں پہ ...

صلاح الدین ایوبی یروشلم پر آخری حملے کی تیاریاں کر رہا تھا' بغداد میں سلطان کی فوج کے چند رضا کار جو رخصت پر گئے ہوئے تھے' واپس آئے اور ان میں سے ایک سپاہی نے یوسف کے خیمے میں داخل ہو کر اسکی بیوی کا خط پیش کیا۔ یوسف نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خط کھول کر پڑھا اور تھوڑی دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد سپاہی کی طرف دیکھنے لگا۔

سپاہی نے کہا: "میں نے اپنی بیوی کو آپ کے گھر بھیجا تھا۔ وہ آپ کی بیوی کی حالت نازک بیان کرتی تھی۔ آپ کا بچہ میں نے دیکھا تھا' وہ تندرست ہے۔ میں اپنی بیوی سے کہہ آیا ہوں۔ وہ آپ کی اہلیہ کی تیمارداری کر رہی ہے۔"

یوسف نے اپنے چہرے پر ایک غمگین مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا: "خدا آپ کو جزا دے" اور پھر دوبارہ خط دیکھنے میں منہمک ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد یوسف تنہا اپنے خیمے میں بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔ پانچ چھ مرتبہ پڑھنے کے بعد اسے مختصر سے خط کے یہ الفاظ زبانی یاد ہو چکے تھے:

"میرے آقا! میرے شوہر! بہت انتظار کے بعد آپ کا خط ملا۔ کاش میں بھی آپ کے ساتھ یروشلم پر اسلام کا جھنڈا نصب ہوتے دیکھ سکتی۔ میں قدرے علیل ہوں لیکن آپ فکر نہ کریں۔ یروشلم کی فتح کی خبر سن کر میں تندرست ہو جاؤں گی۔ ہاں' یہ ضرور چاہتی ہوں کہ مجھے سب سے پہلے یروشلم کی فتح کی خبر سنانے والے آپ ہوں۔ اپنا عہد پورا کیجیے۔ میں دن رات خدا سے دعا کرتی ہوں کہ یروشلم پر جھنڈا نصب کرنے کی سعادت آپ کے حصے میں آئے۔ طاہر بہت خوش ہے اور محسن کی بیوی میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں۔"

یوسف خیمے میں ٹہلتے ہوئے یہ الفاظ کبھی آہستہ اور کبھی بلند آواز میں دہرا رہا تھا۔ اس

کے دل کی دھڑکن کبھی تیز اور کبھی سست ہو رہی تھی۔ اس کا دل اور دماغ دو مختلف خیالات، دو مختلف امنگوں اور ارادوں کی کش مکش میں مبتلا تھے۔ اس کے سامنے دو فرائض تھے۔ ایک طرف حسین اور نوجوان بیوی جس کے ساتھ شادی سے پہلے وہ دنیا میں بالکل تنہا تھا اور شادی کے بعد جس کی حیا میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ اس کے لیے دنیا بھر کے خزانوں سے زیادہ قیمتی تھی وہ بیمار تھی اور خط کے اس تسلی آمیز لہجے کے باوجود وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی حالت مخدوش ہے ورنہ وہ معمولی تکلیف کی حالت میں محسن کی بیوی کی تیمارداری کی ضرورت محسوس نہ کرتی۔ اسے گھر پہنچنا چاہیے۔ وہ خیالات کے برق رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر بغداد پہنچتا اور اپنے مکان میں داخل ہوتا "زاہدہ! زاہدہ!! تم کیسی ہو! میں آ گیا ہوں۔ میری طرف دیکھو" وہ چونک کر اس کی طرف دیکھتی اور بے قرار سی ہو کر کہتی "آپ! کیا یروشلم پر اسلام کا پرچم نصب ہو چکا ہے؟" یہ سوال تصور کے گھوڑے کے لیے تازیانہ ثابت ہوتا اور وہ بغداد کے پُرامن گوشے سے لوٹ کر یروشلم کی رزم گاہوں میں پہنچ جاتا اور ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر بلند آواز میں کہتا "میں اپنا عہد پورا کروں گا۔ میں اپنے ساتھ یروشلم کی فتح کی خبر لے کر جاؤں گا" اور وہ تیروں کی بارش میں خندق عبور کرتا، قلعے کی دیواریں توڑتا، صلیب کے نشان اکھاڑتا اور ہلال کا پھریرا اڑاتا ہوا قلعے کے آخری برج تک پہنچ جاتا اور فتح کا نعرہ بلند کرتے اور خون آلود تلوار نیام میں ڈالتے ہوئے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہوتا اور پھر بغداد پہنچ جاتا۔ اپنے گھر کے سامنے گھوڑے سے اترتا اور بھاگ کر اندر داخل ہوتے ہوئے کہتا:

"میری جان! میری روح! میں آ گیا ہوں۔ یروشلم فتح ہو گیا ہے میں نے قلعے کے سب سے اونچے برج پر اپنے ہاتھوں سے اسلامی جھنڈا نصب کیا ہے۔" اور زاہدہ کا حسین اور معصوم چہرہ خوشی سے چمک اٹھتا۔ "میں نہیں جاؤں گا۔" اس کا آخری فیصلہ تھا۔

احمد بن حسن اس کے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا "یوسف! بغداد سے چند سپاہی آئے ہیں۔ تمہارے گھر سے کوئی پیغام آیا؟"

"بیوی کا خط آیا ہے۔" یوسف نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم پریشان ہو خیریت تو ہے؟"

"وہ کچھ علیل ہے۔"

احمد بن حسن نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور ایک لمحہ سوچنے کے بعد پوچھا۔ "تمھیں بُلایا ہے؟"

"نہیں۔ آپ خط پڑھ لیجیے۔" یہ کہتے ہوئے یوسف نے احمد کے ہاتھ میں خط دے دیا۔

احمد نے خط پڑھنے کے بعد کہا۔ "خط سے تو کوئی تشویش کی بات ظاہر نہیں ہوتی، تاہم تم پریشان ضرور ہو۔ میں تمھیں ایک خوش خبری سُناتا ہوں۔"

یوسف نے بے تابی سے سوال کیا۔ "کیسی خوش خبری؟ کیا یروشلم پر جلد حملہ ہونے والا ہے؟"

احمد نے جواب دیا۔ "ہاں، پرسوں ہم یروشلم کی فصیل توڑ رہے ہوں گے اور انشاء اللہ تم ایک ہفتے سے پہلے بغداد والوں کو یروشلم کی فتح کی خوش خبری دینے کے لیے روانہ ہو جاؤ گے اور چند منازل تک میں بھی تمھارا ساتھ دوں گا۔"

یوسف نے پھر پوچھا۔ "آپ کو یقین ہے کہ پرسوں حملہ ہو جائے گا؟"

احمد نے جواب دیا۔ "میں ابھی سلطان سے مل کر آ رہا ہوں۔"

یوسف کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنے دوست کی طرف دیکھا اور مُسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "کاش! یہ حملہ آج ہوتا!"

احمد نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد پوچھا۔ "میں خط لانے والے کا نام پُوچھ سکتا ہوں؟"

"یہ خط محسن لایا ہے۔ وہ بغداد میں میرا پڑوسی ہے۔"

"کس رسالے میں ہے وہ؟"

۔۔۔وہ ہراول فوج کے اٹھارہویں دستے کا نائب سالار ہے۔"

شام کے وقت احمد بن حسن نے یوسف سے کہا "یوسف! میں محسن سے مل چکا ہوں۔ اس کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری بیوی کی حالت تسلی بخش نہیں۔ اگر جانا چاہو تو میں سلطان سے تمہاری رخصت کے لیے کہوں!"

یوسف نے جواب دیا "نہیں۔ مریضہ کی تیمارداری کا موقع شاید پھر بھی مل جائے لیکن یروشلم کی فتح میں حصہ لینے کی سعادت شاید دوبارہ نصیب نہ ہو۔"

(۷)

آٹھ دن کے بعد مسلمانوں کی فوج چاروں طرف سے یروشلم پر یلغار کر رہی تھی۔ سلطان صلاح الدینؒ ایک سفید گھوڑے پر سوار حملہ آور فوج کی رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ سپاہی جسے سلطان نے سب سے پہلے کمند ڈال کر قلعے کی فصیل پر چڑھ[illegible]رف تھا اوپر سے تیروں اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی اور یوسف سر پر ڈھال رکھ کر اپنا بچاؤ کر رہا تھا۔ فصیل پر پہنچنے کے لیے اس کی کامیابی کے امکانات بہت کم تھے۔ سلطان نے اپنے دل میں کہا اگر یہ فصیل پر پہنچ گیا تو میں اسے اپنی تلوار انعام میں دوں گا۔ یوسف فصیل پر پہنچ چکا تھا اور چند نوجوان اس کی تقلید کر رہے تھے۔ یوسف کی تلوار چند آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکی تھی۔ سلطان اپنے جرنیل سے کہہ رہا تھا "اب وہ میرے گھوڑے کا بھی حق دار ہے۔"

چند مجاہد فصیل پر چڑھ کر یوسف پر عقب سے حملہ کرنے والے پہرے داروں کو روک رہے تھے اور یوسف اپنے پے در پے حملوں سے چھ سات سپاہیوں کے پاؤں اکھاڑ چکا تھا۔ صلاح الدینؒ جوش مسرت میں کہہ رہا تھا "نوجوان! میں تمہیں ہراول دستے کا سالار اعلیٰ بنا رہا ہوں۔" تھوڑی دیر کے لیے سلطان کی توجہ کسی اور محاذ پر مبذول ہو گئی جب دوبارہ اس نے فصیل کے اس حصے کی طرف دیکھا تو اس کے سپاہی اس مقام پر قبضہ جما چکے تھے لیکن یوسف

[illegible]

اُس نے دروازے کے سب سے اُونچے بُرج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا: "وہ دیکھیے! یوسف بہت خطرناک مقام پر لڑ رہا ہے۔"

سلطان نے اوپر نگاہ کی۔ یوسف کی تلوار بیک وقت تین تلواروں سے ٹکرا رہی تھی۔ سُلطان کے دو سپاہی اس کی مدد کے لیے پہنچ چکے تھے۔ یوسف کی تلوار کی ایک ضرب سے نشانِ صلیب سرنگوں ہو چکا تھا۔ سلطان نے آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھرتے ہوئے کہا: "تم میرے بیٹے ہو۔ میں تمھیں اس شہر کا والی مُقرّر کرتا ہوں۔" لیکن یوسف کے ہاتھ سے تلوار گِر چکی تھی اور ایک نوجوان اسے سہارا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ سلطان نے اسے پہچان لیا۔ یہ احمد بن حسن تھا۔

سلطان کے سپاہی اندر داخل ہو کر قلعے کا دروازہ کھول چکے تھے۔ دُشمن ہتھیار ڈال چکا تھا۔ سلطان گھوڑا بھگاتا ہُوا قلعے کے اندر داخل ہوا اور گھوڑے سے اُتر کر اپنی فوج کے چند افسروں کے ساتھ جلدی سے بُرج پر چڑھا۔ یُوسف کے جسم پر زخموں کے کئی نشان تھے۔ احمد اسے اپنی چھاگل سے پانی پلا رہا تھا۔ سلطان فرش پر گھٹنے ٹیک کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کی زرہ کھلوا کر اس کے زخم دیکھے اور اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر مغموم لہجے میں کہا: "بیٹا! میں تمھیں اس شہر کا والی بنا چکا ہوں۔ شاید تمھارا عہدِ حکومت بہت مختصر ہے۔ اگر شہر والوں کے لیے کوئی حکم نافذ کرنا چاہتے ہو تو جلدی کرو۔"

یُوسف نے پہلے سُلطان کی طرف اور پھر احمد کی طرف دیکھا اور بالآخر اس کی نگاہیں لوٹ کر لٹکتے ہوئے صلیبی جھنڈے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

احمد بن حسن نے کہا: "اس شہر کے حاکم کی خواہش یہ ہے کہ وہ فتح کا جھنڈا اپنے ہاتھ سے نصب کرے۔" سلطان کو ان الفاظ کے ساتھ یوسف کی آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک نظر آئی۔ سُلطان نے دوبارہ اس کی نبض دیکھی اور ایک سپاہی کو جھنڈا لانے کا اشارہ کیا۔ ایک افسر نے ٹوٹا ہوا نشانِ صلیب اتار کر پھینک دیا۔ سُلطان

صلاح الدین ایوبیؒ اور احمدؒ بن حسن نے یوسف کو سہارا دے کر اٹھایا۔ یوسف کے بے جان ہاتھوں میں اچانک زندگی آ گئی۔ اس نے جھنڈا نصب کیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، وہ مسکراہٹ جو صرف خدا کی راہ میں شہید ہونے والوں کو نصیب ہو سکتی ہے۔ اچانک اس کے ہونٹوں سے یہ الفاظ نکلے: "زاہدہ! یروشلم فتح ہو چکا ہے!"

سلطان کے حکم سے یوسف کو شاہی محل کے ایک کمرے میں پہنچایا گیا۔ جان کنی کی حالت میں اس نے احمد بن حسن سے جو آخری بات کہی وہ یہ تھی۔ "احمد! میری بیوی کی دعا کا صرف ایک حصہ قبول ہوا۔ میں یروشلم کی فتح کی خبر لے کر اس کے پاس نہ پہنچ سکا لیکن قدرت کا ایک راز اب میری سمجھ میں آ رہا ہے۔ زاہدہ بغداد میں نہیں کسی اور مقام میرا انتظار کر رہی ہے۔ وہ اس دنیا میں ہوتی تو میں یقیناً بغداد پہنچتا۔ جھنڈا نصب کرتے ہوئے میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ مجھے دیکھ رہی ہے! تم بغداد جاؤ۔ اگر وہ زندہ ہے تو بغداد میں سب سے پہلے یروشلم کی فتح کی خبر سننا اس کا حق ہے۔ اگر وہ زندہ نہیں تو میں اپنا بیٹا تمھیں سونپتا ہوں!" اس نے یہ کہہ کر آنکھیں بند کر لیں اور خفیف سی آواز میں الفاظ دہرانے لگا: "زاہدہ! میں آ گیا ہوں۔ یروشلم فتح ہو گیا ہے۔ میں نے فتح کا جھنڈا اپنے ہاتھوں سے نصب کیا ہے!" اس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں۔ سلطان اور احمد کی طرف دیکھا لیکن ایک لمبی سانس کے بعد اس کی آنکھوں کے سامنے موت کے پردے حائل ہو چکے تھے۔

سلطان نے کہا: "احمد! تم فوراً بغداد جانے کی تیاری کرو۔ میں تمھیں کچھ رقم یوسف کی بیوہ کے لیے دیتا ہوں۔ اگر وہ خدا نخواستہ زندہ نہ ہو تو میں اس کے بچے کی پرورش تمھیں سونپتا ہوں۔"

احمد بن حسن نے کہا: "میں تیار ہوں اور اگر آپ کی اجازت ہو تو بغداد کے ایک سپاہی کو جو یوسف کا پڑوسی ہے، ساتھ لیتا جاؤں!!"

تھوڑی دیر بعد سلطان کی قیام گاہ کے سامنے تین گھوڑے کھڑے تھے، جن میں سے ایک وہ تھا جس پر تھوڑی دیر قبل سلطان صلاح الدین ایوبیؒ خود سوار تھا۔ رخصت کے وقت سلطان نے احمد بن حسن کو اپنے خیمے میں بلایا اور چمڑے کی ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا "اس میں پانچ ہزار طلائی سکے ہیں۔ ان میں سے ایک ہزار تمہارے لیے ہیں اور باقی یوسف کی بیوہ کے لیے۔ اگر خدا نخواستہ وہ زندہ نہ ہو تو یہ رقم یوسف کے بیٹے کی پرورش پر خرچ کرنا اور اس کے مستقبل کے لیے میں تمہیں کچھ اور دیتا ہوں۔ یہ لو" سلطان نے ایک ریشمی کپڑے کی تھیلی اٹھاتے ہوئے کہا "اسے کھول کر دیکھو!"

احمد بن حسن نے تھیلی لے کر کھولی۔ اس میں بیش قیمت جواہرات جگمگا رہے تھے۔ سلطان نے کہا "یہ جواہرات اسے اس وقت دینا جب وہ بالغ ہو جائے"

احمد بن حسن نے کہا "یوسف کے بیٹے کے لیے آپ کا ہر انعام جائز ہے لیکن میں یہاں دولت کی تلاش میں نہیں آیا تھا۔ خدا نے مجھے ہر شے دے رکھی ہے"

سلطان نے کہا۔ "اگر تمہیں اس کی ضرورت نہیں تو یہ مدینے کے غریب بچوں کے لیے لے جاؤ!"

سلطان کا لب ولہجہ کچھ ایسا تھا کہ احمد انکار نہ کر سکا۔ سلطان نے پھر کہا "دو اور چیزیں جو میں تمہیں سونپنا چاہتا ہوں، ان میں سے ایک میرا گھوڑا ہے۔ ایک سپاہی یہ گھوڑا چھوڑنے کے لیے بغداد جائے گا۔ بغداد میں اسے بیچ کر جو رقم حاصل ہو وہ بھی یوسف کی بیوہ کو دے دینا۔ مجھے امید ہے کہ بغداد کے لوگ میرے گھوڑے کو اچھی قیمت پر خریدیں گے، دوسری چیز میری تلوار ہے۔ وہ یوسف کے بیٹے کے بڑا ہونے تک تمہارے پاس محفوظ رہے گی!"

احمد نے کہا: "محسن میرے ساتھ جا رہا ہے"

سلطان نے کہا۔ "میں نے اسے فراموش نہیں کیا۔ اس کی واپسی تک مالِ غنیمت میں اس کا حصّہ محفوظ رہے گا' تاہم زادِ راہ کے لیے میں اسے کچھ دیتا ہوں!"

سلطان نے محسن کو اندر بُلا کر پانچ سو طلائی سکّے دیئے۔ پھر دونوں سے مصافحہ کرتے ہُوئے کہا۔ "اب تم جاؤ! میں چاہتا ہوں کہ بغداد میں یروشلم کی فتح کی خبر سُننے والی یوسف کی بیوہ ہو۔ خُدا حافظ!"

چند ہفتوں کے بعد بغداد پہنچ کر احمد بن حسن کو معلوم ہوا کہ یوسف کی بیوی یروشلم کی فتح سے چار دن پہلے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ چکی تھی اور محسن کی بیوی اس کے بچے کو اپنے گھر لے گئی تھی احمد بن حسن نے گھر پہنچتے ہی بچّے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور جب محسن نے اڑھائی سال کا ایک خوب صورت بچّہ لاکر اس کی گود میں بٹھا دیا تو احمد کا دل بھر آیا۔ احمد بن حسن اس کے سر پر پیار اور شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگا۔ بچّے نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ناک پکڑ لی اور کہا "ــــ غازی ــــ ابا ــــ غازی!

احمد نے اسے سینے سے بھینچ کر آنکھوں میں آنسو بھرتے ہُوئے کہا۔ "بیٹا، شہید کہو!"

"ابا ــــ؟" بچّہ غور سے احمد کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابا شہید!" احمد نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"ابا شہید۔" بچّہ یہ کہتے ہوئے اس کی گود میں اُچھلنے لگا۔

شام تک بغداد میں صلاح الدین ایوبیؒ کے گھوڑے کا چرچا ہو چکا تھا۔ بغداد کے امرا میں سے ہر ایک اسے اپنے اصطبل کی زینت بنانے کے لیے بے قرار تھا' اور ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو گھوڑے پر چڑھنے سے زیادہ اسے سنوارنا جانتے تھے۔ خلیفہ کے متعلق مشہور تھا کہ جس قدر اس کا دل گھوڑا خریدنے کے لیے بے قرار ہو گیا تھا اسی قدر اپنی جیب پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی اور پھر اگر کسی سوداگر کے لیے

پیش کش قابلِ قبول نہ ہو تو امرا اس کے خریدار بننے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے لیکن خلیفہ
اس وقت خبر ہوئی جب کہ چین کا سفیر یہ گھوڑا دس ہزار کی مالیت کے جواہرات کے عوض
خرید چکا تھا۔

اگلے دن احمد بن حسن، یوسف بن ظہیر کے بچے کو لے کر مدینے روانہ ہو گیا۔

(۹)

یوسف کے کم سن بچے کا نام طاہر احمد تھا۔ احمد بن حسن نے گھر پہنچ کر اسے اپنی بیوی کے سپرد کرتے ہوئے کہا۔ "سعیدہ! یہ ایک مجاہد کا بیٹا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم اس ننھے مہمان کی تواضع میں مدینے کے انصاری روایات پر عمل کرو گی!"

دوپہر کے وقت جب احمد بن حسن کا سات سالہ لڑکا طلحہ مکتب سے گھر آیا تو اس نے اپنی ماں کی گود میں ایک خوب صورت بچہ دیکھ کر کہا۔ "امی! یہ کون ہے؟"

سعیدہ نے جواب دیا۔ "تمہارا چھوٹا بھائی ہے بیٹا!"

شام کے وقت طلحہ بستی کے تمام بچوں کو اپنا چھوٹا بھائی دکھا رہا تھا۔

پانچ سال کے بعد ایک دن احمد نے سعیدہ سے پوچھا۔ "سچ کہو تمہیں طلحہ زیادہ عزیز ہے یا طاہر؟"

سعیدہ نے غور سے دونوں کی طرف دیکھا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "مجھے معلوم نہیں۔"

احمد بن حسن کے گھر میں بارہ سال کی عمر تک طاہر کی زندگی ایک سہانا خواب تھی۔ احمد بن حسن نے اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ مدینے کے علما اور فنونِ حرب کے ماہرین کی اس ہونہار بچے کے متعلق متفقہ رائے تھی کہ وہ کسی بڑے کام کے لیے پیدا ہوا ہے۔ احمد بن حسن اور سعیدہ کو وہ اپنے بیٹے طلحہ سے کم عزیز نہ تھا اور طلحہ بھی اس کے ساتھ اپنی زندگی کی بیشتر دلچسپیاں وابستہ کر چکا تھا۔

ساتویں صدی ہجری کے ابتدائی برسوں میں ہلال وصلیب کی جنگیں از سرِ نو شروع ہو چکی تھیں۔ یورپ کی عیسائی طاقتیں گزشتہ برسوں میں فلسطین اور شام میں صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں پے در پے شکستیں کھانے کے بعد قسطنطنیہ کو اپنا مرکز بنا کر بازنطینی سلطنت کو پھر ایک بار مشرق کی طرف پھیلانے کے لیے جدوجہد کر رہی تھیں۔ مشرقی افواج پھر ایک بار عالمِ اسلام کی طرف عیسائیت کے سیلاب کی تازہ لہروں کے سامنے آہنی چٹان کا کام دے رہی تھیں لیکن بغداد میں سلطنتِ عباسیہ پھر ایک بار اپنی بے توجہی اور غفلت کا ثبوت دے رہی تھی۔

شام کے تاجروں کا ایک قافلہ مدینے پہنچا اور ان کی زبانی نصرانیوں کے نئے ارادوں کا حال سُن کر احمد بن حسن جہاد پر جانے کے لیے تیار ہو گیا

رُخصت ہونے سے ایک دن پہلے طلحہ نے کہا۔ "ابا جان! میں بھی جاؤں گا!"

احمد بن حسن نے اسے گلے لگا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے منہ سے یہ الفاظ سُننے کے لیے بے قرار تھا۔ تم نے اپنی ماں سے ذکر کیا ہے؟"

"ہاں! وہ مجھے اجازت دے چکی ہیں۔"

طاہر نے طلحہ کی جُدائی کو بہت زیادہ محسوس کیا

دس ماہ کے بعد احمد بن حسن واپس آیا اور اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ "سعیدہ! میں ایک الم ناک خبر لایا ہوں!"

"طلحہ ــــــــ؟" اس نے جواب طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! ہم دونوں ایک ہی مقصد لے کر گئے تھے۔ اسے شہادت نصیب ہوئی اور میں خالی ہاتھ واپس آیا ہوں۔"

سعیدہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

اگلے سال خدا نے احمد بن حسن کو ایک اور بیٹا عطا کیا جس کا نام امین رکھا گیا۔

چند سال بعد جب عالمِ اسلام کے باقی شہروں کی طرح مدینے کے لوگ بھی عالمِ اسلام مغرب سے عیسائیت کے سیلاب کی بجائے شمال مشرقی افق پر ایک تاریک آندھی کے بتدائی آثار محسوس کر رہے تھے۔ احمد بن حسن نے طاہر سے کہا "بیٹا! اب مدینے سے یادہ بغداد کو تمہاری ضرورت ہے۔ تمہاری جدائی میرے اور امین کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گی لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تم میرے بڑھاپے کی لاٹھی بننے کی بجائے عالمِ اسلام کا ایک ستون بن سکتے ہو۔ تم بغداد جانے کی تیاری کرو!"

مدینے میں احمد بن حسن کے سوا کسی کو طاہر کی دولت کا علم نہ تھا لیکن کوئی ایسا نہ تھا جسے اس کے ساتھ عقیدت نہ تھی۔ لوگوں کو اس کے بغداد جانے کا علم ہوا تو ان میں سے بعض یہاں تک کہتے تھے کہ سلطنت عباسیہ کو طاہر بن یوسف سے بہتر وزیرِ اعظم نہیں مل سکتا۔

طاہر کو بغداد بھیجنے سے پہلے احمد بن حسن کو اس کے لیے ایک قابلِ اعتماد ساتھی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کی بستی سے کوئی تین کوس کے فاصلے پر ایک گاؤں میں زید نامی ایک شخص رہتا تھا۔ وہ چند سال قبل احمد بن حسن کے باغات کا محافظ رہ چکا تھا۔ یہ ایک سادہ دل اور دیانت دار آدمی تھا۔ احمد بن حسن نے طاہر سے کہا: "بیٹا! میں تمہارے لیے ایک نہایت ہی مخلص اور دیانت دار خادم کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ مجھے زید سے بہتر آدمی نظر نہیں آتا۔ اگر مناسب سمجھو تو اسے ساتھ لیتے جاؤ!"

طاہر نے جواب دیا۔ "جب میں آٹھ برس کا تھا تو اس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ جب میں بڑا ہو کر باہر جاؤں گا تو اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا' اور اس کے بعد وہ جب بھی مجھے ملتا رہا ہے' اس وعدے کی تجدید کراتا رہا ہے!"

احمد بن حسن نے کہا۔ "تو پھر اسے بلاؤ! میں اسے چند باتیں سمجھانا چاہتا ہوں۔"

طاہر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ آج صبح سے مسجد میں بیٹھا ہوا ہے۔

اسے ڈر ہے کہ میں اسے چھوڑ کر نہ چلا جاؤں۔"

"بلاؤ اُسے!"

طاہر تھوڑی دیر بعد اپنے ساتھ ایک میانے قد کے قوی ہیکل آدمی کو لے آیا۔ اس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی اور چہرے پر غایت درجے کی معصومیت تھی۔

احمد بن حسن نے کہا۔" زید! تم طاہر کے ساتھ جانا چاہتے تھے تو مجھ سے کیوں نہ کہا؟"

زید نے آگے سے جواب دیا۔" سچی بات تو یہ ہے کہ بڑی عمر کے تمام لوگ مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ بھی مجھے ایسا ہی سمجھتے ہوں گے اور میرا جانا پسند نہیں کریں گے۔"

"تو تم تیار ہو؟"

"میں بیس برس سے بغداد جانے کے لیے تیار بیٹھا ہوں لیکن جب کبھی مدینے سے کوئی وہاں جاتا ہے، مجھ سے کہتا ہے کہ تم بھیڑیں چرانے کے لیے پیدا ہوئے ہو، بغداد میں کیا کرو گے؟"

احمد بن حسن نے جواب دیا۔" لیکن میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ بغداد میں تمھاری ضرورت ہے۔"

"دیکھیے مجھ سے مذاق نہ کیجیے۔ میں غریب سہی لیکن اپنے سینے میں دل ضرور رکھتا ہوں۔ اگر آپ مجھے طاہر کے ساتھ نہیں بھیجنا چاہتے تو صاف کہہ دیجیے۔ میں جانتا ہوں کہ میں ایک بیکار آدمی ہوں۔"

احمد بن حسن نے ہنستے ہوئے طاہر سے کہا۔" بیٹا! اسے کوئی تکلیف نہ ہو!" اور پھر زید سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔" زید! طاہر پرسوں یہاں سے روانہ ہوگا۔ تم تیار ہو کر پہنچ جاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ تمھیں ساتھ لے جائے گا۔"

طاہر نے کہا: "اس کی بستی میرے راستے میں ہے۔ میں اسے ساتھ لیتا جاؤں گا۔ اسے یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔"

زید نے کہا: "میری بھی یہی خواہش تھی۔ میری بستی کے لوگ انھیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے انھیں بتایا ہے کہ ان کے والد کو سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اپنی تلوار اور گھوڑا انعام دیا تھا ——— ایک بات اور بھی ہے۔ ان میں سے یہ کوئی نہیں مانتا کہ میں بغداد جا رہا ہوں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں چند دن اِدھر اُدھر پھر کر واپس پہنچ جاؤں گا۔ اگر یہ وہاں سے گزریں تو کم از کم میں ان کو شرمندہ ضرور کر سکوں گا۔"

احمد بن حسن نے کہا: "اچھا جاؤ! طاہر پرسوں صبح تمھاری بستی میں پہنچ جائے گا۔ اب تمھیں یہاں پہرہ دینے کی ضرورت نہیں۔ میرے وعدے پر اعتبار کرو۔"

"آپ کا وعدہ؟ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر آپ مجھے آسمان پر پہنچا دینے کا وعدہ کریں تو بھی یقین کر لوں گا۔"

احمد بن حسن نے زید کو گھوڑا اور سفر کی دیگر ضروریات خریدنے کے لیے ایک معقول رقم دے کر رخصت کیا۔

(۱۰)

احمد بن حسن سے رخصت ہو کر طاہر نے زید کی بستی کا رخ کیا۔ زید بستی سے باہر درختوں کے سائے میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے ارد گرد بستی کے چند بچے جمع تھے۔ ایک گھوڑا درخت سے بندھا ہوا تھا اور زید جنگ کے تمام ضروری اور غیر ضروری سامان سے لیس تھا۔ اس کا فربہ جسم تنگ زرہ میں بہت بری طرح کسا ہوا تھا اور خون کے دباؤ کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کو مصروف رکھنے کے لیے نیزہ اور ڈھال کافی تھے۔ پیٹھ پر اس نے دو ترکش باندھ رکھے تھے۔ کمر میں ایک تلوار اور دو خنجر لٹک رہے تھے۔ کمان کمند اور خوراک کا تھیلا اس نے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ

رکھا تھا۔

زید نے طاہر کو دیکھ کر اُٹھتے ہُوئے کہا۔ "آپ نے بہت انتظار کروایا۔ لوگ آپ کا انتظار کر کے اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں۔"

طاہر نے کہا۔ "اب گھوڑے پر سوار ہوجاؤ۔ دیر ہو رہی ہے؟"

زید گھوڑے پر سوار ہو کر ایک لڑکے سے مخاطب ہُوا۔ "ابراہیم! تمھارا باپ میرا سب سے زیادہ مذاق اُڑایا کرتا ہے، جاؤ! اسے کہو۔ میں طاہر کے ساتھ بغداد جا رہا ہوں۔ اگر یقین نہیں آتا تو آکر دیکھ لے۔ اور سلیمان! تم بھی اپنی دادی سے کہو، وہ بھی آج صبح کہہ رہی تھی کہ میں بے وقوف ہوں۔ مجھے بغداد کون لے جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ طاہر کی طرف متوجّہ ہوا۔ "اصل میں ان لوگوں کا بھی قصور نہیں۔ میں کئی مرتبہ بغداد جاتے جاتے رہ گیا ہوں۔"

طاہر نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔ "اب چلو دھوپ تیز ہو رہی ہے۔ جب تم بغداد پہنچ کر بستی والوں کو خط لکھو گے تو انھیں یقین ہو جائے گا۔"

طاہر اور زید نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ بستی سے کچھ دور جا کر طاہر نے مڑ کر دیکھا زید کا چہرہ پہلے کی نسبت زیادہ سُرخ ہو رہا تھا۔ اس نے گھوڑے کی باگ کھینچتے ہُوئے کہا۔ "زید تمھاری زرہ تنگ ہے؟"

زید نے جواب دیا۔ "زرہ تنگ نہیں، میں کچھ زیادہ موٹا ہو گیا ہوں۔ یہ زرہ میں نے دو سال قبل بغداد جانے کے ارادے سے تیس بکریوں کے عوض خریدی تھی۔"

طاہر نے کہا۔ "یہ تمھیں زیادہ تکلیف تو نہیں دیتی؟"

زید نے اپنا چہرہ شگفتہ بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں میرا جسم اتنا نازک نہیں۔"

لیکن دو تین کوس چلنے کے بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ "طاہر! میرے جسم پر

یونٹیاں سی رینگ رہی ہیں۔"

طاہر نے جواب دیا۔" اتنی جلدی تھک گئے۔ چلو آگے جا کر تھوڑی دیر سستا لیں گے۔"

"طاہر!" زید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔" میرا جسم گھٹ رہا ہے۔"

طاہر نے حدِ نگاہ پر درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"چلو اس نخلستان میں اتریں گے۔ وہاں پانی بھی ہے۔ دوپہر وہیں گزاریں گے۔"

زید کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے تیسری بار پھر گھوڑا روکا اور چلّا کر کہا۔" طاہر ٹھہرو! میں قریب المرگ ہوں۔" اور وہ طاہر کے جواب کا انتظار کیے بغیر گھوڑے سے کود کر تپتی ہوئی ریت پہ بیٹھ گیا۔

طاہر نے ہنستے ہوئے کہا۔" تم تو کہتے تھے کہ تمہارا جسم اتنا نازک نہیں۔"

زید نے دانت پیس پیس کر زرہ کو اتارنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"یہ نہیں اُترتی۔ خدا کے لیے میری مدد کرو! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہزاروں بچھو مجھے ڈنگ مار رہے ہیں۔"

طاہر نے گھوڑے سے اتر کر بڑی مشکل سے اس کی زرہ اتاری۔ زید نے کہا۔" خدا تمہیں جزا دے۔ مجھے امید نہ تھی کہ یہ اُترے گی آج صبح تین آدمیوں نے اسے بڑی مشکل سے میرے جسم پر کسا تھا۔"

طاہر نے کہا۔" زرہ اچھی ہے لیکن تمہیں ذرا تنگ ہے۔"

زید نے کہا۔" ذرا تنگ ہے؟ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ ایک بے وقوف ہاتھی نے چوہے کے پنجرے میں گھسنے کی سزا پائی ہے۔"

طاہر نے کہا۔" اچھا اسے اٹھا لو۔ میں بغداد پہنچ کر تمہیں بہت اچھی زرہ لے دوں گا۔ یہ کسی اور کو دے دیں گے۔"

زید نے دونوں ہاتھوں سے ریت کا گڑھا کھودتے ہوئے کہا: "میں اسے یہیں دفن کرتا ہوں، میں سمجھوں گا کہ میری تیس بکریاں بیماری سے مرگئیں اور نئی زرہ کی مجھے قطعاً خواہش نہیں۔ میں اس آہنی شکنجے میں پھنس کر دم توڑنے کی بجائے ننگے سینے پر تیر کھا لوں گا۔"

زید زرہ کے لیے قبر کھود چکا تھا لیکن طاہر کے سمجھانے پر وہ اسے اپنے گھوڑے کے توبرے میں ڈال کر ساتھ لے جانے پر رضامند ہوگیا۔

(باقی آئندہ)

عظیم خاتون، شدید ابتلاء

محترمہ زینب الغزالی پہ کیا گذری!

مولانا خلیل حامدی صاحب

" یہ مضمون ایک باب ہے اُس لرزا دینے والی ایک خودنوشت کتاب کا جس کی مؤلفہ زینب الغزالی ہیں۔ اُردو میں "روداد قفس" کے نام سے مولانا خلیل حامدی نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مصر میں اخوان المسلمون کے ساتھ وہاں کے حلقۂ خواتین پہ کیا گذری۔ یہ کتاب مکتبہ المنار کے اہتمام سے زیر طبع ہے۔"

(ادارہ)

قتل کا النواز حمزہ نے ہاتھی کی طرح چنگھاڑ کر صفوت الروبی کو حکم دیا کہ وہ مجھے رو بہ دیوار کھڑا کر دے۔ میں نے خود ہی جلدی کے ساتھ اس کے حکم پر عملدرآمد کر دیا، دیوار کے ساتھ کھڑی ہو گئی اور اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ صفوت کے ہاتھ میں کوڑا تھا، وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ میری کمر پہ برسنا شروع ہو گیا۔ حمزہ نے ایک اور سپاہی کو بلایا جس کا نام سعید تھا۔ اُسے میرے پہلو میں کھڑا کر دیا۔ اُس کے ہاتھ میں بھی کوڑا تھا اور وہ اُسے زمین پر مارتا تھا۔ ایک تیسرا سپاہی جلتے ہوئے تیل کا ایک کنستر لے کر آیا جس میں انہوں نے متعدد کوڑے ڈال دیے۔ حمزہ البسیونی اور صفوت الروبی چلے گئے، مگر بدبخت سعید کو یہیں چھوڑ گئے۔ وہ جرمی کوڑوں کو جلتے ہوئے تیل میں ڈبوتا اور مجھے حکم دیتا کہ میں اس کارروائی کو غور سے دیکھتی رہوں۔ کچھ عرصہ بعد صحن میں دس سے زائد سپاہی داخل ہوئے۔ اُن میں سے ہر ایک نے ایک ایک کوڑا اُٹھا لیا اور زمین

پر اُسے مارنے لگے۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ لے بنت الحرام، یہ جوڑی تازیانے تمہارے ہی لیے لچکدار کیے جا رہے ہیں۔ میں اُن کی طرف نظر نہ اُٹھاتی۔ میں اُن کی تیاریاں دیکھ کر اللہ کی یاد میں مشغول ہو گئی۔ قرآن کریم کی یہ آیت وردِ زبان تھی:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ۔

کچھ وقفے کے بعد ظالم صفوت الروبی آگیا اور کہنے لگا "سپاہیو! یہاں سے سردست نکل جاؤ، میرا انتظار کرو۔ رات تک اس کا قتل ملتوی کر دیا گیا ہے"۔ صفوت نے مجھے بالوں سے کھینچا اور کوٹھڑی کی طرف لے گیا۔

کوٹھڑی کا طلسمی دروازہ کھلا اور مجھے اُس کے منہ میں ڈال دیا گیا۔ علیہؔ اور غادہ سو رہی تھیں وہ میری آواز سن کر یک دم اُٹھ گئیں۔ میرے پاؤں سے جو لہو رس رہا تھا اُسے دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ علیہؔ پوچھنے لگی کہ تمہارے پاؤں کو ان لوگوں نے کیا کیا ہے؟ میں نے صرف الحمد للہ کہا اور انہیں سو جانے کی نصیحت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کو میں نے شفا کا ذریعہ بنایا: بسم اللہ اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد واحاذر

(اللہ کے نام سے میں اللہ کی عظمت و جلال کی پناہ مانگتی ہوں اُس شر سے جس میں میں مبتلا ہوں اور جس کا مجھے اندیشہ ہے)۔

دو راتیں —— سنگین و گراں راتیں —— گزر گئیں، لیکن کوڑوں کی چوٹوں سے میرے جسم کا ہر حصہ درد و الم میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں اپنے درد کو اندر ہی اندر پیتی اور اُسے علیہؔ اور غادہ پر ظاہر نہ ہونے دیتی۔ اُن کی یہ پوری کوشش رہی کہ مجھ سے یہ نہ پوچھیں کہ رات مجھے کیوں بلایا گیا تھا اور پھر مجھ پر کیا گذری۔ اس نفسیاتی کیفیت کے ساتھ کہ گری ہو جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو۔ انہوں نے میرے جسم پر نمایاں ہونے والے آثارِ تعذیب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے تھے اور پھر میں جس طرح مضمحل ہو کر کوٹھڑی میں واپس آگری تھی وہ منظر بھی وہ دیکھ چکی تھیں۔

صبح کے وقت غادہ نے مجھ سے گزشتہ واقعہ کے بارے میں سوال کر ڈالا گرعلیہ نے اُس کو چپ کرا دیا۔ مجھے غادہ کے سوال میں کسی نئے خطرے کا کھٹکا لگا۔ میری جان سکڑ گئی اور پھر جیسے تیسے دن گزر گیا۔

میں ہوں فوجی جیل کا بھیڑیا

عشاء کی نماز پڑھی تھی کہ پھر کوٹھڑی کا دروازہ کھلا۔ سامنے صفوت الروبی اپنے تاریک تن و توش کے ساتھ نظر آیا۔ اُس نے وحشیانہ انداز میں پکارا۔ " زینب اُٹھ "! اور پھر اُس نے مجھے ہاتھوں سے پکڑا اور باہر کھینچ کر لے چلا۔ اُس نے مجھے چلنے کے لیے کہا اور میں اپنا توازن برقرار نہ رکھنے کی وجہ سے انتہائی خستگی کی حالت میں زمین پر گرا چاہتی تھی۔ راستے میں اُسے ایک شخص ملا جس نے کہا کہ " صفوت، طلبل کب تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" صفوت نے حسبِ عادت دشنام طرازی اور لعن طعن کی اور پھر جواب میں کہنے لگا: "میں یہ " مصیبت " لا رہا ہوں اُس کے پاس"۔ اُسی دوسرے آدمی نے مزید پوچھا کہ یہی ہے زینب الغزالی؟ صفوت نے کہا: یہی ہے زینب الغزالی۔ یہ کہا اور پھر مجھے گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اور مجھے اُس کمرے میں دھکا دے کر داخل کر دیا جہاں کرسی پر ایک شخص پہلے سے براجمان تھا۔ اُس کا چہرہ سیاہ مانند شبِ تار اور خوفناک جیسے دیو مردم خور۔

یہ دیو یکایک اُچھلا، جیسے کسی جن نے اُسے چھو لیا ہو۔ اُس نے صفوت الروبی سے کہا کہ: "جاؤ اور فلاں آدمی کو لے آؤ"۔ اور وہ خود مجھے ایستادہ چھوڑ کر کمرے کے اندر مارگزیدہ شخص کی طرح اِدھر اُدھر گردش کرنے لگا۔ صفوت واپس آگیا اور اُس کے ساتھ وہ شخص بھی آگیا جسے طلب کیا گیا تھا۔ اُس نے کرسی پر بیٹھتے ہی مجھ سے سوال کیا: " یا بنت، تم کون ہو؟ میں نے کہا میں زینب الغزالی الجبیلی ہوں۔ وہ کہنے لگا، تم یہاں کیوں آئی ہو؟ میں نے جواب دیا۔ یہ میں نہیں جانتی۔ وہ کہنے لگا، تمہیں یہ جاننا چاہیے کہ تم یہاں کیوں آئی ہو۔ تم یہاں اس لیے آئی ہو کہ تم نے اور الھضیبی، سید قطب اور عبدالفتاح اسماعیل نے مل کر جمال عبدالناصر کے قتل کی سازش کی تھی۔ میں نے برجستہ کہا، یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ اُس نے کہا: ڈھنگ سے بات کرو۔ آج رات کو معمول کی طرح کوڑے نہیں ہوں گے بلکہ تمہاری گردن اُڑے گی۔ کیا تمہیں

معلوم ہے کہ میں کون ہوں۔ میں ہوں فوجی جیل کا بھیڑیا۔ آئی بات سمجھ میں!
میں نے کہا: جیل میں صرف آپ ہی نہیں بلکہ تمام لوگ بھیڑیے اور کتے نظر آتے ہیں۔ جب سے میں نے جیل میں قدم رکھا ہے آدم زاد تو مجھے ایک بھی دکھائی نہیں دیا۔ سوائے ان مظلوموں کے جو اخوان المسلمین سے تعلق کی وجہ سے یہاں لائے گئے ہیں۔ یہ لوگ امانتِ خداوندی کے علمبردار اور حق کے گواہ ہیں۔ اور باقی سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے۔ میرا جواب سن کر یہ شخص اٹھا اور مجھے اپنی لات رسید کی۔ اور پھر مجھے اپنے دونوں ہاتھوں سے گھونسے مارے اور مجھے پیچھے پھینک دیا۔ اور اپنے پاؤں سے ٹھوکریں مارنا شروع کر دیں۔ پھر مجھے اوپر اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ اب میرے ہوش چھوٹ چکے تھے۔ میں نے دیوار سے ٹیک لگالی مگر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا: یہ فلسفہ ہم نہیں جانتے۔ سیدھی کھڑی ہو کر بات کرو! پھر اس نے میرے چہرے پر دونوں ہاتھوں سے تھپڑ مارے۔ صفوت نے مجھے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کرسی پر بٹھا دیا اور کمرے کا دروازہ بند کر کے خود باہر نکل گیا۔
کچھ وقفے کے بعد ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا: "زینب یہ کیا کر رہی ہو۔ اپنے آپ پر کیا ظلم ڈھا رہی ہو۔ کیوں تم لوگوں کو برا بھلا کہتی ہو اور اُن کا تمسخر اڑاتی ہو۔ صدر کا دل بڑا وسیع ہے۔ وہ تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ ہم تمہیں اخوان کے مقدمے میں صرف گواہ بنانا چاہتے ہیں۔ اور پھر ہم تمہیں اس جرم سے نکال لیں گے جس میں اخوان المسلمون کے لوگوں نے تمہیں ملوث کر رکھا ہے۔"
میں نے جواب دیا: اخوان المسلمون نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اصل جرم یہ ہے کہ تم اوباش لوگ اس ملک کی گردن پر سوار ہو چکے ہو۔ وہ کہنے لگا "تم یا تو پاگل ہو اور یا تمہاری نفسیاتی کیفیت میں سخت فتور برپا ہو چکا ہے۔ میں اب تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ کل میں کسی کو تمہارے پاس بھیجوں گا جو تمہارے ساتھ مفاہمت کے طریقے سے بخوبی آگاہ ہو گا۔" وہ یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ اور میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے کھڑا رہنے کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ اب مجھ میں کھڑا رہنے کی سکت باقی نہ رہی تھی۔
میں کمرے ہی میں تھی کہ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص اندر آیا۔ ہاتھ میں اس نے کوڑا لے رکھا

تھا۔ اُس کی امتیازی علامت یہ تھی کہ اُس کا چہرہ دانوں سے بھرا ہوا تھا۔ اُس نے آتے ہی کہا۔ یا بنت اُٹھ! تو کون ہے؟ میں نے کہا: میں زینب الغزالی الجبیلی ہوں۔ اُس نے کہا: وائے روز سیاہ۔ میں یہاں آگیا ہوں۔ اب اِس عورت کی یہ رات زندگی کی آخری رات ہوگی۔ ایک اور شخص آکر پہلے شخص سے کہنے لگا۔ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں اس کے ساتھ کچھ دیر کے لیے نشست کرنا چاہتا ہوں۔ تم لوگ اس کے ساتھ جو سلوک کر رہے ہو درست نہیں ہے۔ اِس نے رفاہ عامہ کے بڑے بڑے کام کیے ہیں۔ لیکن اخوان کے لوگوں نے اسے مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔ پہلا شخص بولا کہ بھائی درست کہتے ہو۔ بے شک اس نے اچھے کام کیے ہوں گے۔ اب تم اس کے پاس آچکے ہو۔ اس کی مہلتِ عمر ختم ہوا چاہتی ہے۔ بس چند منٹ اور باقی ہیں۔ دوسرے آدمی نے پہلے شخص سے کہا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میں اس کے پاس بیٹھ کر کچھ تبادلۂ خیال کرتا ہوں۔ تم لوگ اس خاتون سے متعین طور پر کیا چیز چاہتے ہو؟ پہلے نے کہا: صدر جمال عبد الناصر اور فیلڈ مارشل عبدالحکیم عامر کی خواہش ہے کہ اخوان المسلمون کے مقدمے میں زینب الغزالی کو سلطانی گواہ بنایا جائے۔ اخوان المسلمون کے لوگوں نے تو اپنے جرم کا اقرار کر لیا ہے یہ بھی اخوان کی سازش کی تصدیق کردے

میں سلطانی گواہ بن جاؤں

اس گفتگو کے بعد پہلا شخص باہر چلا گیا اور دوسرا بیٹھا رہا۔ اُس نے مجھ سے سوال کیا: زینب بی بی تم یہ کیا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہی ہو۔ تمہارا لباس نہایت گندہ اور تار تار ہو رہا ہے۔" پھر وہ کرسی پر بیٹھ کر بولا: "تمہارے چہرے سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ تم اس وقت سخت خستگی میں ہو۔ کیا اس وقت تم میرے سوالوں کا جواب دے سکتی ہو یا یہ گفتگو کل پر اُٹھا رکھیں۔" میں نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر اُس نے کہا: "آج صبح کے وقت میں تمہارے بھائی عبد المنعم اور سیف اور تمہارے خاوند کے پاس تھا۔ تمہارا خاوند بڑا شریف اور نیک سرشت انسان ہے۔ مگر تم اس کے مقابلے میں بڑی بے لچک ہو۔ میں اِس قضیے سے تمہیں نجات دلانا چاہتا ہوں اور یہ بات کہ تم سلطانی گواہ بن جاؤ بڑی خوشگوار اور نفع بخش بات ہے۔"

یہ کہہ کر اُس نے صفوت الروبی کو بلایا اور اُسے حکم دیا کہ مجھے کوٹھڑی میں لے جائے تاکہ میں کچھ نیند لے لوں اور تازہ دم ہو کر اس مسئلے پر سوچ بچار کروں۔ کل اسی سلسلے میں پھر نشست ہوگی۔

صفوت نے حکم کی تعمیل کی اور مجھے کوٹھڑی میں چھوڑ آیا۔

کلبۂ احزان میں

کلبۂ احزان میں میں واپس آگئی۔ علیہؔ اور غادہ محوِ خواب تھیں۔ علیہ کو میرے آنے کا پتہ چل گیا۔ پوچھنے لگیں: حاجن بی آگئی ہو؟ میں نے کہا: الحمدللہ!
کوشش کی کہ آنکھ لگ جائے، مگر کہاں میں اور کہاں نیند۔ فجر کی اذان ہوئی۔ ہم نے مل کر اللہ کے حضور نماز گذاری۔ غادہ نے مجھ سے پوچھنا شروع کر دیا کہ کیا کیا کارروائی ہوئی؟ میں نے کہا ابھی ہمارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ سے یہی دعا ہے کہ وہ ہمیں حق پر ثابت و قائم رکھے۔ یہ گروہِ ظالمین ہماری آزمائش پر تلا ہوا ہے۔ اور مجھ سے ایسی بات کا مطالبہ کیا جا رہا ہے جو قطعاً محال ہے۔ علیہؔ بول اٹھیں: حاجن، اللہ تمہاری دستگیری کرے۔ غادہ نے پھر اپنا سوال دہرایا اور مجھ پر جو کچھ بیتی وہ پوچھنا چاہی، مگر میں کچھ نہ بیان کر سکی۔ میں خستہ و کوفتہ تھی اور آنے والی رات کی نشست کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا تھا۔ علیہؔ میری خاموشی سے اصل بات سمجھ گئی۔ غادہ بھی چپ ہو گئی اور دن گذر گیا۔

اخوان سے دست برداری کے لیے دباؤ

پھر آگئی وہ شبِ دیجور جس کے تصور سے میں لرزاں و ترساں تھی۔ علیہؔ اور غادہ میرے لیے اور تمام اخوانی رفقاء کے لیے خدا کے حضور دعاؤں میں مشغول ہو گئیں۔ کوٹھڑی کا دروازہ وا ہوا۔ مجھے نکال لیا گیا۔ اس مرتبہ میں نے ایک ایسے آدمی کو صفوت الروبی کی معیت میں دیکھا جس کی شکل اب تک سامنے نہ آئی تھی۔ یہ دونوں مجھے معمول کی تعذیب گاہ میں لے گئے۔ اس نو وارد انسان نے صفوت کو حکم دیا کہ کمرے سے نکل جائے۔ پھر اس نے مجھے اپنے قریب ایک کرسی پر بٹھا لیا اور اپنی بات شروع کرتے ہوئے کہا،
"سیدہ زینب! جو لوگ بھی تمہارے پاس تمہاری خیر خواہی اور دستگیری کے لیے آتے رہے ہیں تم نے اُن سب کو بچھاڑ دیا ہے۔ میں آج تمہارے پاس آخری اور قطعی بات کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مدد کرے۔ تم اللہ کے بھروسے پر چھلانگ مار ڈالو۔ چھوڑو اخوان المسلمون کی کہانی۔ ان کی طرف سے تمہارے لیے اتنی سزا کافی ہے کہ انہوں نے تمہیں موجودہ نازک اور جان گسل پوزیشن میں ڈال دیا ہے۔ اُن کے بارے میں تم سراسر فریب خوردہ ہو۔ تمہارے دماغ میں یہ سودا سما گیا ہے کہ اخوان والے

فی الواقع اسلام کے فدائی ہیں۔ یہ لوگ اقتدار کے بھوکے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ تم ہمارے لیے اپنا دل کھول لو۔ الہضیبی نے ایسا خطرناک بیان دیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہیں موت کی سزا دی جائے۔ سید قطب نے بھی الہضیبی کے بیان کی توثیق کر دی ہے۔ ہم ان کے بیانات کو سچا نہیں مانتے، البتہ تمہیں اس قضیئے سے مکمل طور پر نکالنا چاہتے ہیں۔ تم سلطانی گواہ بن جاؤ۔ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ تم ابھی اپنے گھر چلی جاؤ۔ اور جب ہمیں تمہاری گواہی کی ضرورت پیش آیا کرے گی ہم کسی آدمی کو بھیج کر تمہیں کو منگوا لیا کریں گے۔ یا ہم خود تمہارے پاس آجایا کریں گے۔ اگر میرا مشورہ تمہیں منظور ہے تو ابھی تمہاری ملاقات فیلڈ مارشل عبدالحکیم عامر اور صدر جمال عبدالناصر سے کرا دی جائے گی۔ صدر کی طرف سے راتوں رات یہ حکم نامہ بھی جاری ہو جائے گا کہ سیدات مسلمات پر سے پابندی اٹھالی جائے اور رسالہ بحال کر دیا جائے۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ صدر تو یہ عزم رکھتے ہیں کہ حکومت کے اندر تمہیں بہت بڑی پوزیشن دی جائے، جمہوریہ مصر کے اندر تمام تنظیموں اور انجمنوں اور ایسوسی ایشنوں پر تمہیں کلی اقتدار حاصل ہو۔ اخوان والوں نے تمہارے ساتھ جو غداری کی ہے۔ وہی تمہارے لیے کافی ہے۔ وہ خود تو اس قضیئے سے صحیح و سالم نکل جانا چاہتے ہیں اور مصائب کا سارا بوجھ تمہارے سر پر لادنا چاہتے ہیں۔"

اس کی تقریر جاری رہی۔ میں کوئی لفظ منہ سے نکالے بغیر ہمہ تن گوش ہو کر سنتی رہی۔ وہ گفتگو کے دوران میرے چہرے کے آثار اور میری حرکات تاڑ رہا تھا۔ اس نے بات ختم کی تو گھنٹی دی۔ صفوت اندر آیا۔ اور اسے چائے لانے کو کہا۔ مجھ سے بھی پوچھنے لگا کہ آپ بھی پینا پسند کریں تو آپ کے لیے بھی ایک کپ منگوا لوں؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کا شکریہ۔ مجھے کوئی چیز درکار نہیں ہے۔ اس نے کہا، زینب! سنو۔ میں کاغذ اور قلم تمہیں دیئے دیتا ہوں، جن باتوں پر ہمارا اتفاق ہو چکا ہے وہ تم تحریر کر دو۔ میں نے کہا: ہمارا تو کسی چیز پر اتفاق نہیں ہوا۔ لہٰذا میں کیا آپ کو لکھ کر دوں؟"

اس نے میری طرف کاغذ بڑھاتے ہوئے کہا: "ابھی تک تم اپنے فائدے کی بات سمجھنے سے قاصر ہو۔۔۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ صدر صاحب تمہیں اس مصیبت سے نجات دینا چاہتے ہیں۔

اور تمہاری سیوا کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کونسا قضیہ ہے، جس سے مجھے نجات دلانے کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔ اگر قضیہ سے مراد یہ ہے کہ کچھ خدا پرست افراد مل کر اپنے دین کا مطالعہ کرتے رہے ہیں اور شریعت اسلامی میں تفقہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں تو کیا اسے قضیہ یا مجرمانہ کارروائی کہا جائے گا؟ ــــ صدر اور فیلڈ مارشل دونوں کے لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اُن لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی کریں جو اخلاقی بے راہ روی، اباحیت اور الحاد پھیلا رہے ہیں۔ ملک کے اندر ہر جگہ انہوں نے بدی کی اشاعت کی مہم چلا رکھی ہے ــــ اگر تم مجھ سے کچھ لکھوانا چاہتے ہو تو میں یہ لکھ دیتی ہوں کہ اس مسکین اور مظلوم قوم پر کیا کچھ گزر رہی ہے۔ جو حق بات مجھے معلوم ہے میں وہ ضبط تحریر کیے دیتی ہوں"۔

وہ کہنے لگا: مجھے خوب معلوم ہے کہ تم بڑی فاضلہ اور عالم خاتون ہو۔ بلا کی عقلمند اور ذہین ہو۔ اس لیے مجھے یقین ہے کہ تم اب جن بُرے حالات سے گزر رہی ہو ان میں مزید اضافہ اپنے لیے پسند نہ کرو گی۔ میں کاغذ اور قلم تمہارے پاس چھوڑے جا رہا ہوں۔ کچھ قلم بند کرنے سے پہلے اپنی نگاہوں کے سامنے یہ ضرور رکھو کہ صدر تمہیں اس قضیے میں سے الگ کرنا چاہتا ہے۔ قضیے کے تمام خطوط روز روشن کی طرح عیاں ہو چکے ہیں۔ حسن الہضیبی اور سید قطب عبدالناصر کو قتل کر کے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ اور ان کا بیان ہے کہ اس ساری اسکیم کی پشت پناہی زینب الغزالی کرتی رہی ہے۔ اس طرح کے بیانات سے وہ سازش کا سارا ملبہ تمہارے سر پر ڈال کر خود بری الذمہ ہونا چاہتے ہیں، بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ وہ بالکل بے گناہ اور پاک ہیں۔ جو کچھ ہوا ہے تمہاری شہ پر ہوا ہے۔ اور تم نے اُن دونوں کو مصیبت کے چنگل میں ڈالا ہے ــــ لکھو، ضرور لکھو، لیکن اپنی پوزیشن اور ان کے رویے پر خوب سوچ سمجھ کر لکھنا۔ اُن کی سر توڑ کوشش ہے کہ اس سازش کا ایک ایک بوجھ تم پر چسپاں کر دیا جائے اور وہ مقدمے میں سے سموچے نکل جائیں۔ ہمیں خبر ہے کہ انہوں نے خود پہلے تمہیں اس سازش کے لیے اکسایا اور آمادہ کیا۔ اور پھر انہوں نے تم سے ہاتھ اُٹھا لیا ــــ یہ کوئی بہادری ہے۔ یہ تو انتہائی کمینگی اور بزدلی ہے"۔

یہ ہے ہمارا اصل جرم | یہ شخص کاغذ اور قلم میرے حوالے کر کے مجھے تنہا کمرے ہی چھوڑ کر چلا گیا۔ اسی وہ کاغذ اور قلم جو جیل کی کوٹھڑیوں میں محبوس و مطلوب اسیر کے پاس آجاتے ہیں

اسی اُس چار گرہ کپڑے کی قیمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

میں نے قلم تھاما اور مندرجہ ذیل تحریر لکھ دی:

"ہم لوگ اخوان المسلمون کے نوجوانوں کو لے کر بیٹھ جاتے تھے اور فقہ، حدیث اور تفسیر کی کتابوں کا باہم مطالعہ کرتے تھے۔ ان اجتماعات میں ہم نے ابن حزم کی المحلّی، ابن القیم کی زاد المعاد، حافظ المنذری کی الترغیب والترہیب اور سید قطب کی "فی ظلال القرآن" کا مطالعہ کیا۔ سید قطب کی زیرِ طبع کتاب معالم فی الطریق کے اوراق بھی زیرِ مطالعہ آتے رہے۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کا درس بھی ہوتا تھا۔ اور اس بات کا بھی مطالعہ کیا جاتا تھا کہ دعوتِ اسلامی کا آغاز کس طرح ہوا۔ یہ سب اجتماع استاذ حسن الھضیبی کے اذن و ارشاد کے تحت ہوئے۔ اس اجتماعی مطالعہ سے ہمارا مقصد مسلمان نوجوانوں کے اندر صحت مندانہ اور ستھرے اخلاق و کردار کے نمونے تیار کرنا تھا۔ شاید ہم اس طرح اسلام کی شوکت رفتہ بحال کر سکیں۔ اور ملک کے اندر اسلام کی ایک جاندار اور فعال اُمت وجود میں لاسکیں طویل غور و فکر کے بعد ہم نے طے کیا کہ ہر مقام پر ہم اخوان المسلمون کی تنظیم کو زندہ کر دیں اور اس ہمہ گیر جاہلی معاشرے کے اندر رکھو جانے والے نوجوانانِ ملت میں سے جس قدر صالح اور کارآمد افراد ہمیں مل سکتے ہوں۔ ہم صبر و تحمل اور لگاتار محنت سے انہیں جمع کرتے رہیں۔ یہ بھی ہم نے طے کیا کہ اس تربیت و تزکیہ کا عمل تیرہ سال تک جاری رہے گا۔ یہ مدت گذر جانے کے بعد ہم ملکی صورتِ حال کا میدانی جائزہ لیں گے اور ہم نے دیکھا کہ اسلام کے اُصولوں پر کاربند رہنے والوں کی تعداد ملک کے اندر پچیس فی صد سے کم ہے تو ہم تربیت واصلاح کا یہ پروگرام مزید تیرہ سال بڑھا دیں گے اور دوبارہ اپنے اثرات و مساعی کا جائزہ لیں گے۔ اگر پھر بھی مطلوبہ نتائج

برآمد نہ ہوئے تو ہم اپنا کام بدستور جاری رکھیں گے۔ جب مجموعی طور پر ملکی آبادی میں سے ہمیں پچھتر فیصد لوگ ایسے ملیں گے جو فی الواقع اسلام کو جانتے بھی ہوں اور مانتے بھی، تو اس وقت ہم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ اُٹھائیں گے۔

—— لہٰذا ہمارے ان پروگراموں میں کون سی چیز ایسی تھی جس سے جمال عبدالناصر خوفزدہ ہوگیا۔ اور دوسرے حکام بھی لرزہ براندام ہوگئے؟ ہم جو نتائج پیش نظر رکھتے ہیں شاید انہیں برآمد کرنے کے لیے کئی نسلیں کھپ جائیں۔ پھر تمہیں کیوں خوف لاحق ہے۔ یہ بات تو قطعاً ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہے کہ جمال عبدالناصر کو قتل کیا جائے۔ ہماری اسکیم میں تو اس کے قتل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم جس اصلاح کے علمبردار ہیں وہ کسی ایک شخص یا چند اشخاص کے قتل سے بہت بالا و برتر ہے، کیونکہ قتل و غارت گری کا اصول ہمیں سرے سے نامنظور رہا ہے، لیکن تم لوگ اس جھوٹے الزام کی آڑ میں دراصل اہل ایمان گروہ کی گردنیں اُڑانا چاہتے ہو —— بلکہ مجھے اجازت دو تو میں تم سے یہ پوچھوں کہ ہماری تعذیب اور ہمارے قتل کا حکم تمہیں کس نے دیا ہے صہیونیوں نے یا کمیونسٹوں نے؟

جس بات سے ملحد کمیونزم پر رعشہ جاری ہے، اباحیت پسند اور عیسائیت بیزار مغرب خوفزدہ ہو رہا ہے۔ عالمی صہیونیت لرز رہی ہے اور اس کی نیند حرام ہو چکی ہے۔ اور اس کا سکون ختم ہو چکا ہے —— جس بات سے یہ سب حلقے خائف ہیں۔ یہ ہے کہ کہیں اسلام اپنے عقائد و نظریات، اپنے قوانین و شرائع اور اپنے معاملات و کردار کے ساتھ مسلمانوں کے اندر دوبارہ جلوہ گر ہو جائے۔ جی ہاں، اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہی نے ان تمام حلقوں کو قلق و اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے اور اسی وجہ سے یہ ہماری گھات میں رہتے ہیں۔ اور ہماری حرکات و سکنات کی ٹوہ لگاتے رہتے ہیں۔ اور پھر گھبرا کر وہ اپنے آلۂ کار حکمرانوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اسلامی عناصر کا قلع قمع کر دیں، لیکن اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے نور کو غالب اور کافروں کو ذلیل و رسوا کرے گا۔ اگر تم لوگ آج ہمیں قتل کر دو گے، تو ہمارے بعد اللہ ایسے لوگوں کو اُٹھا دے گا جو اسلام کا پرچم بلند و بالا

کریں گے۔ رہا سیدات و مسلمات کا مجلہ یا تنظیم کا دفتر یا کوئی بھی دنیاوی متاع اگر وہ ہمیں اس شکل میں ملے کہ اس سے غیر اللہ کی خدمت سرانجام دی جائے تو ہم اسے مسترد کر دیں گے اور ہرگز قبول نہ کریں گے۔ ہمارا ہدف اور نصب العین صرف خوشنودیٔ خدا ہے۔ اسی کا راستہ ہمارا راستہ اور اسی کی شریعت ہماری شریعت ہے"۔

بقلم: زینب الغزالی الجبیلی

صفوت الروبی کمرے میں آیا اور اس نے مجھ سے کاغذات مانگے۔ میں نے مذکورہ تحریر اس کے حوالے کر دی جسے وہ لے کر باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شخص کمرے میں داخل ہوا، جو مجھے کاغذ اور قلم دے گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے، لیکن وہ میرے لکھے ہوئے کاغذات نہیں تھے۔ میرے سامنے اُس نے وہ کاغذ پرزہ پرزہ کر دیئے اور پھر میرے منہ پر دے مارے۔ غالباً یہ جتلانے کے لیے کہ میں نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ اس نے ضائع کر دیا ہے —— پھر اس نے صفوت سے کہا: "صفوت اسے دبوچو۔ یہ عورت تو پھانسی کے سوا —— جس کا فیصلہ ہم کر چکے ہیں —— کسی اور چیز کی مستحق نظر نہیں آتی۔ میں تو اس کے حق میں بہتری کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، لیکن میرا دستِ تعاون اس نے جھٹک دیا ہے۔ لگنے دو اب اسے پھانسی"۔ یہ بات کہہ کر وہ شخص بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔

اصل قضیہ صفوت شیطان نے مجھے آتے ہاتھوں لیا، اور بڑے وحشیانہ طریقے سے مجھے جرم تازیانے رسید کرنے لگا۔ کبھی ہاتھوں سے تازیانے مارتا اور کبھی پاؤں سے ٹھوکریں لگاتا۔ اور پھر مجھے حسبِ معمول کوٹھڑی میں چھوڑ آیا۔ میں سخت حیران ہوں کہ اگر ان لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ قضیے کی تمام کڑیاں اور خطوط بے نقاب ہو چکے ہیں تو پھر یہ لوگ مجھ پر کھلی عدالت میں کیوں مقدمہ نہیں چلاتے۔ ترغیب و ترہیب اور تعذیب و تشدد کا جو وطیرہ انہوں نے اختیار کر رکھا ہے، اس کی کیا ضرورت ہے یا یہ لوگ سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق مجھے —— مار ڈالنا چاہتے ہیں —— بے شک قضیے کی تمام کڑیاں اور تمام خطوط طشت از بام ہو چکے ہیں، بلکہ میں کہوں گی کہ اس کا مقصدِ اصلی بھی عیاں ہو چکا ہے۔ اور عیاں راچہ بیاں، یعنی اصل قضیہ یہ ہے کہ یہ حکمران اس ملک میں جاہلی نظام چاہتے ہیں اور وہ اس سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

خدا کرے یہ دن عافیت سے گذرے

کوٹھڑی کا دروازہ بند ہے۔ میں خیالات کی ایک اور ہی دنیا میں منتقل ہو گئی۔ تکان، خستگی اور درد، ان سب عوارض نے میرے جسم پر اپنے اثرات و نتائج کے گہرے نقوش ثبت کر رکھے تھے۔ میں اپنی جگہ پر منہ ڈھانپ لیٹ گئی۔ نیند لانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ میری کیفیت یہ تھی کہ میں گویا آگ دہکتے ہوئے کیلوں کانٹوں پر لیٹ رہی تھی۔ کوڑوں نے، ٹھوکروں نے اور سر پر لگائی جانے والی ضربات نے میرا جسم تار تار کر رکھا تھا۔ جب کہ نہایت غلیظ اور فحش انداز میں دی جانے والی گالیوں نے میرے ذہن و قلب کو بری طرح مکدر کر دیا تھا۔ میں بے چینی اور درد و رات بھر بے چینی سے پہلو بدلتی رہی یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔ عَلیّہ اور غادہ بھی بیدار ہو گئیں اور ہم نے تیمم کر کے نماز ادا کی۔ میری حالت کسی سوال کی محتاج نہ تھی۔ میرا جسم زبانِ حال پکار پکار کر اپنی سرگذشت بیان کر رہا تھا۔ علیہ نے میری طرف دیکھا اور کہا: "ڈاکٹر نے مجھے تسکین آور گولیاں دے رکھی ہیں۔ حاجن! کیا تم ایک آدھ گولی لینا پسند کرو گی"؟ میں نے کہا: تمہاری پیشکش قبول کر لیتی ہوں۔ لہٰذا میں نے گولی کھا لی اور نیند کو دعوت دی، مگر نیند کے بس میں کہاں کہ وہ تار تار جسم اور ریزہ ریزہ جان کو مجتمع کر سکے۔ ہم نے اللہ کی جانب رجوع کیا۔ قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی اور تا استطاعت چند سجدے بھی گزارے۔ غادہ روز سے جیل میں آتی تھی روزانہ کوٹھڑی کی دیوار پر جیل میں داخل ہونے کی تاریخ ثبت کرتی تھی۔ موصوفہ کہنے لگی: آج ۸ راکتوبر ہے"۔ میں نے کہا: خدا یہ دن عافیت سے گزارے"۔ علیہ نے بھی دعائیہ انداز میں کہا: "انشاء اللہ"

گھر سے میرے کپڑے کیوں منگوائے گئے

چاشت کے وقت کوٹھڑی کا دروازہ کھلا۔ صفوت اندر آیا۔ اس کے ساتھ دو سپاہی تھے۔ جن کے ہاتھ میں ایک بڑا بیگ تھا۔ میں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا کہ یہ بیگ میرے گھر سے لائے ہیں۔ صفوت نے بیگ کھول کر کہا: "زینب یہ کپڑے تمہارے گھر سے منگوائے گئے ہیں"۔ اس نے بیگ کو الٹ پلٹ کرنا شروع کر دیا۔ بیگ میں سے سب کچھ نکالا اور پھر اس میں واپس رکھ کر اسے بند کر دیا۔ بیگ گویا کسی لمبے سفر کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ میں نے پوچھا: "یہ کپڑے کس نے منگوائے ہیں اور کون انہیں لے کر آیا؟

ت نے جواب دیا: ہم نے منگوائے ہیں اور تمہاری بہن حیات انہیں لے کر آئی ہے۔" اس کے
اس نے سپاہیوں کو بیگ واپس لے جانے کا حکم دیا اور خود تھوڑی دیر کوٹھڑی میں رہا اور
دروازہ بند کر کے چل دیا۔
جیل کے کارکن چلے گئے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ بیگ کی کہانی سنتے ہی مجھ پر شدید غشی کا
دورہ پڑ گیا۔ علیہ اور غادہ جھٹ میری طرف لپکیں اور میرے ہاتھ اور پاؤں رگڑنے لگیں
مجھے ہوش میں لے آئیں۔ میرا غم ہلکا کرنے کے لیے کہنے لگیں: "حاجن! معمولی بات ہے۔
جیل والوں نے سوچا ہوگا کہ تمہیں کپڑوں کی ضرورت ہے۔ اس لیے انہوں نے یہ کپڑے منگوا
ہیں۔ یہ تو بالکل معمولی بات ہے۔ بالکل معمولی۔"
میں نے ہوش میں آتے ہی بچیوں سے کہا: "علیہ بچی۔ کسی بڑی مصیبت کا سامنا ہونے والا
ہے۔" علیہ پھر بول اٹھی کہ نہیں، حاجن ایسا کیوں سوچتی ہو۔ جیل والے دیکھ چکے ہیں کہ تمہارے
کپڑے تار تار ہو چکے ہیں۔ اور تمہیں نئے کپڑے درکار ہیں۔" میں نے کہا: علیہ۔ یہ بات نہیں ہے
محسوس کر چکی ہوں کہ یہ ایک نئی آزمائش کا آغاز ہے۔ صرف میرے لیے ہی کیوں یہ کپڑے
منگوائے گئے ہیں۔ میں ان خصوصی "حسن سلوک" سے دل میں گھٹن اور بیزاری محسوس کر رہی
ہوں۔ میں موجودہ آزمائش سے بڑھ کر سنگین تر آزمائش کے منہ میں جانے والی ہوں۔" چنانچہ میں
حسب معمول اپنے حقیقی چارہ گر کی طرف متوجہ ہوئی اور عرض کیا کہ اے میرے مالک و مددگار مجھے
حق پر ثابت و استوار رکھیو۔
ہم نے نماز عصر کے لیے صفیں درست کیں اور آخری رکعت میں تھیں کہ صفوت الروبی دندناتا ہوا
آیا اور مجھے جانوروں کی طرح کھینچ کر کہنے لگا کہ "اٹھ میرے ساتھ چل"۔ مجھے باہر کھینچا اور
دروازہ بند کر دیا۔ مجھے گلی کے آخر کنارے میں لے گیا۔ اور پھر مجھے ایک انتہائی تاریک کوٹھڑی
میں پھینک دیا۔ کوٹھڑی نہ صرف تنگ و تاریک تھی بلکہ بڑی بدبودار اور نمدار۔ چوہے چاروں
طرف اس میں بھاگ دوڑ رہے تھے۔ میں کوٹھڑی میں خوفزدہ ہو کر بیٹھ گئی۔ سردی کی شدت
سے میرا جسم کانپ رہا تھا۔ پختہ فرش کی ٹھنڈک سردی میں مزید تندی پیدا کر رہی تھی کوٹھڑی
کی تاریکی بھی میرے خوف و ہراس اور میرے درد و کرب میں دوچند اضافہ کر رہی تھی۔ میں نے

اللہ تعالیٰ کی طرف رُخ کیا تاکہ اُس کی عنایت بے پایاں کی طفیل میں ان حالات پر قابو پالوں میں نے تیمم کیا اور اللہ کی جانب متوجہ ہوگئی۔ اور اس کی بارگاہ میں جبہ سائی کرنے لگی۔ اور پھر دل کی ہر بات اُس کی جناب میں عرض کی۔ اُس کا ارشاد ہے: الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (آگاہ رہو کہ اللہ کی یاد سے دلوں میں اطمینان پیدا ہوتا ہے)۔

صدر جمہوریہ کی طرف سے تعذیب کا حکم نامہ یکایک روشنی ہوئی۔ صفوت الروبی اندر آیا اور میری طرف ہاتھ بڑھا کر کہنے لگا: اے بنت، پڑھ یہ خط"۔ میں نے خط پر نظر ڈالی۔ اُس کی پیشانی پر یہ عبارت درج تھی "دفتر صدر جمہوریہ"۔ اور نیچے ٹائپ میں یہ مختصر تحریر درج تھی۔" مأمر جمال عبد الناصر رئيس الجمهورية تعذب زينب الغزالي الجبيلي فوق تعذيب الرجال" (بحکم جمال عبدالناصر صدر جمہوریہ: زینب الغزالی الجبیلی پر مردوں سے بڑھ کر تشدد کیا جائے) ——— دستخط: جمال عبدالناصر رئیس الجمہوریہ"۔ خط پر پریذیڈنٹ ہاؤس کی مخصوص مہر بھی ثبت تھی۔ میں نے یہ خط پڑھنے کے بعد صفوت کو یہ کہہ کر واپس کردیا: "اللہ اکبر۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ وہ تم سب سے بڑا ہے۔ ہمارے ساتھ اللہ ہے۔ وہی ہمارا نگہبان ہے"۔

صرف ایک گھنٹہ باقی ہے صفوت انتہائی خشمناک نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ اُس کے غلیظ دہن سے نہایت ناپاک و ناگفتہ بہ گالیوں کی غلاظت برسنے لگی۔ میں چُپ رہی اور کوئی بات منہ سے نہ نکالی۔ وہ دروازہ بند کرکے چلا گیا۔ چند لمحات کے بعد باہر سے صفوت کی آواز کان پر آئی اُس نے بلند آواز سے کہا: "خبردار!" اور پھر کوٹھڑی کا دروازہ کھل گیا۔ حمزۃ البسیونی اندر آیا۔ اُس کی دونوں آنکھوں میں شیطان پاکوبی کر رہا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا: "تیرے لیے یہ آخری موقع ہے۔ صرف ایک گھنٹہ۔ اچھی طرح سوچ لے۔ اچھی طرح اپنے بُرے بھلے کا اندازہ کرلے۔ ہم نے تیرے کپڑے منگوا لیے ہیں تاکہ تو فیلڈ مارشل عبدالحکیم عامر اور صدر جمہوریہ جمال عبدالناصر کی ملاقات کی جاسکے۔ اس کے بعد اس کیس میں تیری پوزیشن بدل جائے گی"۔ اُس نے صفوت کی طرف دیکھا اور کہا: "صفوت! اسے صدر صاحب کا خط پڑھ کر سنادو"۔ صفوت گلا پھاڑ کر خط پڑھنے لگا: "بحکم جمال عبدالناصر صدر جمہوریہ: زینب الغزالی الجبیلی پر مردوں سے بڑھ کر تشدد کیا جائے

ستخط جمال عبدالناصر"۔ حمزہ البسیونی نے خط صفوت سے لے لیا اور مجھے تھماتے ہوئے کہنے
لگا: "اے پاگل عورت، پکڑ یہ خط۔ اور جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے اُسے اچھی طرح سمجھ لے"
ں نے اُسے جواب دیا: "میں اسے پڑھ چکی ہوں۔" کہنے لگا: "دوبارہ پڑھ۔ یہ پڑھنے کی
یز ہے۔" پھر وہ صفوت کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: "صفوت! کہاں ہے تانہ بانہ؟"
ں نے خط ہاتھ میں لے لیا اور پڑھنے لگ گئی۔ اور پھر میں نے اسے زمین پہ پھینک دیا
ور پوری قوت کے ساتھ کہا: "اے فاجروں کے ٹولے اللہ تم سب سے بالا و برتر ہے۔
ے خدا کے منکرو، یہاں سے نکل جاؤ۔" حمزہ البسیونی نے کوٹھڑی کے باہر پھرنے والے
عض سپاہیوں کو پکارا۔ ایک سپاہی کپڑوں کا بیگ لیے اندر آیا۔ اور مجھ سے کہنے لگا:
تجھے صرف ایک گھنٹے کی مہلت ملے گی۔ یہ تیرے کپڑے ہیں۔ خوب سوچ لے۔ تو اپنے
بھلے کی فکر کر۔ اِس مسئلے کا حل تیرے اپنے ہاتھ میں ہے۔" یہ تلقین کر کے سب لوگ دروازہ
ند کر کے واپس چلے گئے۔ میں نے پہلے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا اور پھر حق پہ جمے رہنے
ی دُعائیں کرنے لگی۔

ایک گھنٹے کی جو مہلت مجھے دی گئی تھی وہ تمام ہوگئی۔ صفوت کی آواز کانوں سے ٹکرائی:
"خبردار!" حمزہ البسیونی اندر آیا۔ میرے سراپا کا جائزہ لیا اور پھر کہنے لگا: "کیا تو نے
پڑے تبدیل نہیں کیے ـــ کیا تو نے موت کے منہ میں جانے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ چل
ونہی سہی ـــ تو نے تو اپنی جان کا سودا کر رکھا ہے۔ چہ خوب۔ صفوت! اس بنت الحرام
وقابو کرو۔ یہ سید قطب اور حسن الہضیبی کی نذر ہونا چاہتی ہے۔ وہ بھی اس عورت
ے اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں اور خود سُرخ رُو ہو کر نکلنا چاہتے ہیں۔"

صفوت نے مجھے زور سے کھینچا اور کوٹھڑی سے باہر لے آیا اور پھر مجھے سامنے لے کر
لی کے اندر چل پڑا۔ میں نے زور سے "اللہ اکبر" کہا تاکہ علیہ اور غادہ میری آواز سن لیں
ں یہ خیال کر چکی تھی کہ یہ میری زندگی کے آخری لمحات ہیں ـــ جیسا کہ حمزہ البسیونی مجھے بتا
پکا تھا۔

تصانیف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

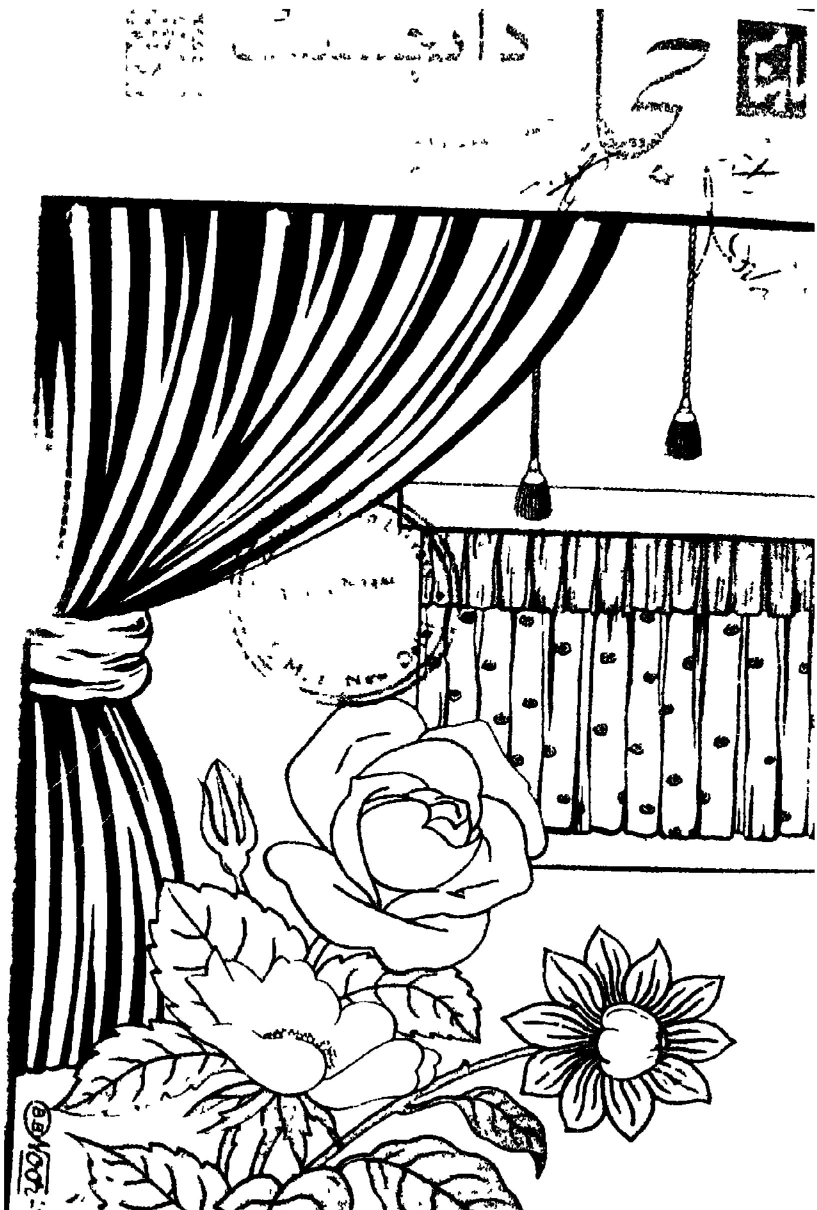
الجہاد فی الاسلام ۲۴/-
" مجلد ۲۷/۵۰
اسلام اور جاہلیت ۱/-
اسلامی تزکیۂ نفس ۱/۵۰
اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر ۳/-
اسلام کا نظام حیات ۲/-
اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر ۱/-
اسلام کا نظریۂ سیاسی ۱/۵۰
اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟ ۱/۵۰
اسلامی قانون ۲/۵۰
اسلام اور جدید معاشی نظریات ۳/۵۰
اسلامی نظم معیشت کے اصول و مقاصد -/۵۰
اسلام اور ضبط ولادت ۴/۵۰

انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا حل ۱/-
اسلام کا معاشی نظام ۱/-
اسلامی سیاست ۶/-
اسلام کا سرچشمۂ قوت ۳/۵۰
اسلام کا پیغام -/۵۰
اسلامی تہذیب اور اُس کے اصول و مبادی ۱۰/-
اسلام کس چیز کا علمبردار ہے ۱/۵۰
اسلام کے اصول حکمرانی ۱/۲۵
اسلام اور رہبانیت -/۷۰
اسلام اور جدید مسائل ۱/۵۰
اسلام اور عدل اجتماعی ۱/-
اسلامی فلسفۂ معیشت کے بنیادی اصول -/۵۰
انسان کے بنیادی حقوق -/۷۵

اہم ہدایتیں ۱/۲۵
ایک نہایت اہم استفتاء -/۳۵
بناؤ بگاڑ ۱/۲۵
پردہ پیپربیک ۱۵/-
" مجلد ۱۸/۵۰
تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں ۱/۵۰
تحریک اسلامی کی کامیابی کے شرائط ۲/-
تجدید و احیائے دین ۵/-
توحید اور شرک ۱/۲۵
تحریک اور کارکن ۱۳/-
اسلامی نظام کس طرح ۱۳/-
تفہیم القرآن اول ۴۵/-
" دوم ۴۵/-
" سوم ۴۰/-

تفہیم القرآن چہارم ۴۵/-
" پنجم ۴۵/-
" ششم ۴۵/-
تفہیم القرآن سورہ یٰس ۲/۵۰
" سورہ احزاب ۵/-
" سورہ نور ۸/-
" پارہ عم ۱۰/-
تنقیحات ۱۶/-
تفہیمات اول ۳۰/-
" دوم ۲۲/-
" سوم ۲۰/-
جماعت اسلامی کی دعوت ۱/-
جماعت اسلامی ہند۔ ایک تعارف ۱/۷۵
جماعت اسلامی ہند کیا ہے اور کیا نہیں ہے -/۵۰

مرکزی مکتبہ اسلامی ہند چتلی قبر دہلی ۶



اگست ۱۹۸۴ء مطابق ذوقعدہ ۱۴۰۴ھ جلد ۱۵ شمارہ ۸

خواتین اور بچوں کا پاکیزہ ڈائجسٹ

زرِ تعاون

سالانہ	50/-	پچاس روپیہ
سالنامہ کی رجسٹری کے لئے	3/-	تین روپیہ
کُل	53/-	ترپن روپیہ
وی پی سے	60/-	ساٹھ روپیہ
ایک شمارہ	5/-	پانچ روپیہ

پروپرائٹر، پرنٹر، پبلشر محمد اسحاق، مقام اشاعت بارہ دری محمود خاں رامپور مطبوعہ منا آفسیٹ پریس دہلی

دریچۂ حجاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہنو اور بیٹیو!

جناب میاں طفیل محمد صاحب امیر جماعت اسلامی پاکستان

(یہ جامع پیغام میاں طفیل محمد امیر تحریک اسلامی پاکستان منصورہ لاہور، نے مدرسۃ السلفیہ للبنات فیصل آباد کی سالانہ تقریب کے لیے بھیجا ہے) اور اسی کو ہم نے آج کا اداریہ بنالیا۔ خواتین استفادہ کریں (م)

مجھے یہ معلوم کرکے دلی مسرت ہوئی کہ مدرسۃ سلفیہ للبنات فیصل آباد، دو اپریل کو اپنا اٹھارھواں سالانہ اجتماع عام منعقد کر رہا ہے جس کی آخری نشست کو " خاتون کانفرنس " کی شکل دی جا رہی ہے اور اس میں ملک بھر سے ہزاروں مسلمان خواتین شریک ہو رہی ہیں۔ میں اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی تمام مسلمان بہنوں سے عالم اسلام کے موجودہ حالات میں مسلمان خواتین کے فرائض کے سلسلے میں چند گذارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میری دینی اور ایمانی بہنیں ان پر غور فرمائیں گی اور اس سلسلے میں اپنا تاریخ ساز کردار ادا کریں گی۔

میری دینی بہنو اور بیٹیو! میں سب سے پہلے آپ کی توجہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد گرامی کی طرف دلاتا ہوں۔

ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا وبمحمد رسولاً و بالاسلام دینا۔

یعنی ایمان کا مزا چکھا اس شخص نے جو راضی ہوگیا اس پر کہ اللہ ہی اس کا رب ہو

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے رہنما ہوں اور اسلام ہی اس کا طریق زندگی ہو۔"

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جس شخص نے اسلام کو برضا و رغبت اور مکمل طور پر اپنا طریق زندگی اور حضور نبی کریم کو اپنی زندگی میں رہبر و رہنما نہیں بنایا وہ اسلام اور ایمان کے مزے تک سے ناآشنا ہے۔ اس نے دین کا ذائقہ تک نہیں چکھا۔

گویا مسلمان ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص پورے شعور کے ساتھ یہ فیصلہ کرے کہ دنیا میں خدائی، فرمانروائی اور آقائی کے جتنے بھی مدعی پائے جاتے ہیں، ان میں سے صرف ایک رب العالمین ہی بلاشرکت غیرے اطاعت و فرمانبرداری کا مستحق ہے۔ باقی رب کی فرمانبرداری کے تابع ہے۔ اس کے سوا جس ہستی کا بھی یہ دعویٰ ہے کہ آدمی ان کی مرضی کی پیروی کرے، ان کے احکام بجا لائے اور اپنی شخصیت کو ان کے تابع کرے، ان سب میں سے صرف ایک اللہ ہی کی ہستی ایسی ہے جس کے آگے بلاچوں وچرا سر تسلیم خم کرنا چاہیے اور وہی ذات گرامی ہے جس کی مرضی کی اسے بغیر مشروط پابندی اور جس کی رضا کی اسے ہر حال میں تلاش کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ مسلمان ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں زندگی گزارنے کے مختلف طریقوں کے درمیان آدمی یہ فیصلہ کرلے کہ اسے صرف وہی طریق زندگی پسند ہے جس کو اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ دوسرے کسی طریقے کو اسلام پر ترجیح دینا تو درکنار، اس کی طرف کوئی رغبت اور میلان بھی اس کے دل میں نہ ہو۔ وہ اسلام ہی کو سچے دل سے صحیح طریق زندگی تسلیم کرے۔ اسی طرح مسلمان ہونے کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ دنیا میں انسان کی رہبری و رہنمائی کے جتنے بھی دعویدار گزرے ہیں یا آج پائے جاتے ہیں، ان سب کے درمیان ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو وہ اپنی رہنمائی اور ہدایت کے لیے چن لے اور وہ یہ فیصلہ کرلے کہ اسے بس نبی آخر الزماں ہی کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہے۔

جو شخص اس طرح اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو [illegible] رہنما تسلیم کرے وہ شخص صحیح اور سچا مسلمان ہے اور ایسے شخص کی دو [illegible] طرز معاشرت [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی ہے کہ وہ اپنی خواہشات نفس [illegible] اور کفایت شعاری کو اپنی عا [illegible] رہنے کی کوشش کریں کہ اس کے بغیر ہم [illegible]

جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ پھر جہاں اور جس معاملے میں اللہ اور رسول کا
کوئی حکم موجود ہو وہاں وہ یہ نہیں کہتا اور کہہ سکتا کہ اس بارے میں میری یہ رائے ہے
اور یہ پرانی بات اب نہیں چل سکتی۔ جس شخص کا یہ رویہ ہو اس کے متعلق سمجھ لینا چاہئے
کہ وہ حقیقت میں اسلام پر ایمان ہی نہیں لایا ہے۔ وہ اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو غلط کرتا ہے۔
حقیقی ایمان یہ ہے کہ انسان اپنی پسند کو، اپنی خواہشات کو، اپنے جذبات کو، اپنے
خیالات، نظریات اور رسم و رواج سب کو پوری طرح اسلام کے ماتحت اور اس کے
تابع کر دے۔

خواتین محترم! اس دینِ اسلام کے مخاطب جس طرح سے مرد ہیں اسی طرح سے عورتیں
بھی اس کی مخاطب ہیں۔ چنانچہ میں یہاں موجود خواتین اور اپنی تمام بہنوں اور بیٹیوں سے
یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی شخصیتوں کو مردوں کی شخصیتوں کی تابع مہمل نہ بنا دیں۔ نہ
اپنے دین کو مردوں کے حوالے کر کے بیٹھ جائیں۔ اسلام کی رُو سے عورتیں مردوں کا ضمیمہ
نہیں ہیں۔ وہ مردوں سے الگ اور اپنی مستقل شخصیت رکھتی ہیں اور قرآن کہتا ہے کہ
جو مرد کریں گے وہ بھریں گے اور جو عورتیں کریں گی وہ بھریں گی۔ عورتوں کو بھی مردوں
ہی کی طرح فرداً فرداً خدا کے روبرو پیش ہونا اور اپنے اعمال و افعال کا حساب دینا
ہوگا۔ ہر عورت قیامت کے روز اپنی قبر سے اٹھے گی، اپنے باپ یا شوہر یا بھائی کی
قبر سے نہیں اٹھے گی۔ نہ اعمال کا حساب دیتے وقت کوئی عورت یہ کہہ کر بری الذمہ نہ
ہو سکے گی کہ ... مردوں کے پیچھے چلتی رہی۔

... آپ سب اپنے طریقِ زندگی اور تمام طور طریقوں کا خود
...ول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور طریقے کے مطابق
...ہ کہیں انحراف پایا جاتا ہو تو بلا تاخیر اصلاحِ احوال
...طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام غیر مشروط اور
...ہ کے پورے اپنے سب کچھ سمیت

ذاق ...
بالاسلام دینا۔
یعنی ایمان کا مزا چکھا اس شخص نے

داخل ہوئے"

وہ جزوی یا آدھی پوری اطاعت پر راضی نہیں ہے۔ واضح بات ہے کہ جب کوئی انسان اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کردہ راہ سے ہٹ کر کوئی اور راہ اختیار کرے گا وہ اسلام سے ہٹ کر کسی اور راستے پر پڑ جائے گا۔

اب میری ان گذارشات کی روشنی میں جو محترم خواتین سوچ سمجھ کر اسلام کو اپنی زندگی کا مکمل طریق حیات بنانے کا فیصلہ کریں انہیں میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اُن کو عملاً کیا کام کرنے چاہئیں۔

آپ کا پہلا کام یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی زندگیوں اور رہن سہن کو اسلام کا نمونہ بنائیں۔ آپ میں سے ہر ایک اپنی زندگی کا بے لاگ محاسبہ کرے کہ اس میں جاہلیت کا کوئی اثر تو نہیں پایا جاتا۔ اور اگر ایسے کوئی اثرات آپ اپنی زندگیوں میں پائیں تو ان سے اپنی زندگیوں کو پاک کرنے کی فکر کریں۔ اپنے خیالات کو، اپنے طرزِ معاشرت کو، اپنے اخلاق کو اور اپنے پورے طرزِ عمل کو دینِ اسلام کے مطابق ڈھالیں۔ ہر ایک سے پیار محبت، اخلاق، ملنساری اور انکساری سے پیش آئیں۔ چغلی، بدگوئی، غیبت، فضول و بے کار باتوں سے پرہیز کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ یعنی انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی اور فضول باتوں سے پرہیز کرے

آپ کا دوسرا کام یہ ہے کہ آپ اپنے اپنے گھروں کی فضا کو درست کریں۔ اس فضا میں پرانی جاہلیت کی جو رسمیں چلی آ رہی ہیں یا جدید دور کے جو واہیات طریقے اور فیشن آپ کے گھروں میں داخل ہو گئے اور ہو رہے ہیں، ان سب کو نکال باہر کریں۔ روشن خیالی کے زعم میں بعض خواتین مغربی تہذیب کے بُرے اثرات کو ترقی یافتہ ہونے کی علامت سمجھ کر قبول کر رہی ہیں۔ آپ کا کام یہ ہے کہ ہندوانہ رسم و رواج کو بھی اور جدید مغربی تہذیب کے حیا سوز فیشنوں کو بھی اپنے گھروں میں گھسنے نہ دیں۔ اسلام نے جس سادہ طرزِ معاشرت کی تعلیم دی ہے اس کو بلا خوف دھڑا دھڑ اپنائیں۔ سادہ زندگی اور کفایت شعاری کو اپنی عادت بنائیں اور قناعت کی صفت کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں کہ اس کے بغیر ہم اپنے

ملک اور قوم کو رشوت، خیانت، مہنگائی اور عام بددیانتی کی وبا سے نجات نہیں دلا سکتے۔

آپ کا تیسرا کام یہ ہے کہ اپنے بچوں کو اسلامی طرز پر تربیت دیں۔ میرے نزدیک وہ بچے بڑے بدقسمت ہیں جن کے کانوں میں صبح کے وقت قرآن کی آواز نہیں پڑتی۔ وہ اپنے گھر کے لوگوں کو نماز پڑھتے نہیں دیکھتے۔ آپ کو اس فکر میں لگ جانا چاہیے کہ آپ کے گھر والوں کی معاشرت میں اور زندگی کے مختلف معمولات میں اسلام نمایاں طور پر نظر آئے۔ آپ کے بچے اپنی آنکھوں کے سامنے اسلامی زندگی کو چلتا پھرتا دیکھیں، وہ ہر چیز میں اسلام کا رنگ دیکھیں اور اس سے اثر قبول کریں۔ اُن کے کانوں میں بار بار خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں پڑیں۔ وہ دن میں پانچ مرتبہ گھر میں نماز کا منظر دیکھیں، پھر وہ اپنی فطرت کے تحت بڑوں کی تقلید کریں اور انہیں نماز پڑھتا دیکھ کر خود بخود نمازی بن جائیں۔ وہ توحید کا پیغام ماں کی آغوش سے ہی سنیں، عبادت کا مفہوم سمجھیں، اسلام کا نقش اُن کے دلوں پر قائم ہو، اُن کی عادات اور ان کے اطوار درست ہوں، اُن کے اندر اعلیٰ اسلامی ذوق پیدا ہو۔ غرضیکہ مسلمان عورتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے گھر والوں اور گردوں کو صحیح معنوں میں مسلمان بنائیں تاکہ ان میں وہ مسلمان نسل پروان چڑھے جو پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی نظریاتی مملکت بنا سکے۔

آپ کا چوتھا کام یہ ہے کہ اگر آپ کے گھر کے مرد مثلاً باپ، بھائی، بہنیں، شوہر، بیٹے یا دوسرے اعزہ اسلام کے سوا کسی اور راہ پر چل رہے ہیں تو ان کو بھی اسلام کی طرف بلائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ عورتیں مردوں پر بہت گہرے اثرات ڈالتی اور ڈال سکتی ہیں۔ مسلمان عورت اگر ڈٹ جائے کہ اس گھر میں معاشرت اسلامی ہوگی جس میں نماز ہو، روزہ ہو، پرہیزگاری اور دیانت اخلاق ہو، خدا کا خوف اور اسلامی آداب و تہذیب کا لحاظ ہو تو گھر میں کوئی حرام کی کمائی ... نہیں ... ہوگی ... تو آپ کی آنکھوں کے سامنے مردوں کی زندگی بدلنے لگیں گی۔ ہر ایک مسلمان بیوی اگر صاف صاف ... کر دے کہ ... حرام کی کمائی ... سجائے ہوئے ڈرائنگ روم پسند نہیں۔ رشوت کے روپے سے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنا گوارا نہیں، بلکہ وہ حلال کی محدود کمائی میں روکھی سوکھی

روٹی کما کر جھونپڑے میں سادہ زندگی گزارنے کو ترجیح دے گی تو ہمارے معاشرے سے حرام خوری کے بہت سے اسباب بلا تاخیر ختم ہو جائیں گے اور رائج الوقت بے شمار خرابیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس طرح اگر آپ سب اصلاح احوال کی مہم شروع کر دیں تو آپ اپنے اعزہ و اقربا، اپنے خاندان کے لوگوں، اور اپنے میل ملاپ رکھنے والے گھرانوں کو بھی بہت سی خرابیوں سے بچا سکتی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ اچھے طریقے سے اپنے عزیزوں اور ملنے جلنے والوں کے سامنے جاہلیت کے طریقوں پر تنقید کریں، انہیں اسلام کے احکام سمجھائیں، ان کو اسلام کے حدود سے آگاہ کریں اور خود بھی اسلامی حدود کی پابندی کر کے اپنا صحیح عملی نمونہ ان کے سامنے پیش کریں تو ہمارے معاشرے کا پورا ڈھانچہ درست ہو سکتا ہے۔

آپ کا پانچواں کام یہ ہے کہ آپ میں سے جو خواتین تحریر کی صلاحیت رکھتی ہوں وہ اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ مثلاً ریڈیو اور ٹی۔ وی کے پروگراموں پر نظر رکھیں اور ان میں جو پروگرام یا جو چیز خلاف اسلام پائیں ان پر تنقید کریں۔ ذرائع ابلاغ کے ذمہ داروں اور اخبارات کے ایڈیٹروں کے نام خطوط لکھیں اور ان کے پروگراموں اور کالموں کے ذریعے جو فحاشی پھیلائی جا رہی ہے اس کے خلاف احتجاجی مراسلات و مضامین لکھ کر انہیں بھیجیں۔

سب سے آخری بات میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مغرب زدہ خواتین کا ہر میدان میں تعاقب کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں۔ وہ اسلامی احکام و آثار کے خلاف کوئی قرارداد پاس کریں تو آپ اس کے مقابلے میں مسلمان خواتین کی تنظیموں کی طرف سے دس قراردادیں پاس کر کے اخبارات کو بھجوائیں۔ وہ اس سلسلے میں کوئی جلسہ کریں یا جلوس نکالیں تو آپ بھی شریعت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان سے بڑا جلسہ کریں اور بڑا منظم اور موثر جلوس نکالیں اور حکومت پر دباؤ ڈالیں کہ وہ مٹھی بھر مغرب زدہ خواتین کے آگے ہتھیار ڈال کر خدا اور اس کے فرمانبردار بندوں کو غضب ناک کرنے سے باز رہے۔ اسے ان چند بگڑی ہوئی خواتین کا نہیں ان کروڑوں صاحب ایمان مسلمان خواتین

کے جذبات و احساسات کا پاس و لحاظ رکھنا چاہیے جو ان سے ابدان کے خیالات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہیں:

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ اس طرح اپنے آپ کو منظم کر کے اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں گی تو آپ وطن عزیز میں غلبہ اسلام کی راہیں ہموار کر سکے اللہ تعالیٰ کے ہاں بے انتہا اجر پائیں گی - اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو بہترین عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے - آمین -

دولت

کسی کو فکرِ دولت ہے کسی کو فکرِ دنیا ہے * کتابِ حق میں کل من علیہا فان لکھا ہے
مگر اب مسلماں ہیں دولت کے عاشق * نہ قرآں کے عاشق نہ ملّت کے عاشق
چھا نٹا گیا تھا جن کو قیادت کے واسطے * ایمان فروش ہو گئے دولت کے واسطے
سلامت رہے دولتِ دین و ایماں * جہاں کا خسارہ خسارہ نہیں ہے
یہ دولتِ دنیا تو دو دن کا تماشا ہے * دل کو غمِ عقبیٰ کی جاگیر عطا کر دے
یارب صفائے قلب کی دولت نصیب کر * محشر میں انبیاء کی رفاقت نصیب کر

زر و جواہر کی کوئی خواہش نہ مال و دولت کی کچھ تمنا
میں مسلم ہوں، مجھے عطا کر تو نیکیوں کا گہنا

امۃ المعیز۔ کوٹلہ

درسِ قرآن

بقلم ارشاد بنت عبد القدیر اصلاحی ۔ ملتان

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ○

.... جو شخص ثوابِ دنیا کے ارادے سے کام کرے گا اُس کو ہم دنیا ہی میں سے دیں گے، اور جو ثوابِ آخرت کے ارادے سے کام کرے گا، وہ آخرت کا ثواب پائے گا اور شکر کرنے والوں کو ہم اُن کی جزا ضرور عطا کریں گے .... (آلِ عمران: ۱۴۵)

جنگِ اُحد کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی ۔ نبی کریمؐ کی حکم عدولی کے سبب جب جنگِ اُحد میں مسلمانوں شکست ہوئی اور جب نبی کریمؐ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی ۔ اور کچھ لوگ بددل ہو کر بیٹھ گئے کچھ لوگوں

ے کہا کہ محمد جب نہیں رہے تو ہم دنیا میں کیسے رہیں گے۔ اور پھر تلوار لے کر آگے بڑھے اور شہید ہو گئے۔

اِس سورہ میں مسلمانوں کو اُن کی غلطی اَور خامی کی اصلاح کی گئی ہے۔ جو لوگ نبی کریمؐ کی شہادت کی خبر سُن کر مایوس ہو گئے اُن کی اِصلاح اِس طرح کی گئی کہ محمدؐ تو صرف پیغامبر ہیں اَور آپؐ سے پہلے بھی دنیا میں رسولؑ آتے اَور جاتے رہے۔ اِس طرح اگر رسول بھی موت کا شکار ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو اِسلام سے پھر جاؤ گے۔ رسولؐ نے تو تمہارا تعلق اللہ سے جوڑا ہے تو کیا اب وہ تعلق تم اللہ سے توڑ لو گے۔ اَور اللہ کا تعلق زندگی کے آخری سانس تک رہنا چاہئے کیونکہ رسول تو جا سکتا ہے مگر اُس کا پیغام باقی رہیگا۔

اَور اَے ایمان والو! ہمیشہ اپنی نیت اَور ارادہ کا جائزہ لیتے رہو۔ اِس سے پہلے بہت سے نبی گزر چکے ہیں۔ اُن کے ساتھ ایمان والوں نے جنگ کی اَور اُن کی نگاہ میں، اُن کی نیت میں، اُن کے اِرادے میں آخرت کے ثواب کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ اُن کے دل آلام و مصائب میں نہیں ٹوٹے چاہے مسلسل رہے ہوں۔ اُن کے حوصلے نہیں ٹوٹے چاہے وہ تباہ ہو گئے ہوں۔ اُنھوں نے کمزوری نہیں دکھائی، تھکے نہیں، ہمّت نہیں ہاری۔ خدا کی راہ میں بڑھتے رہے اَور بڑھتے ہی گئے۔ اَور وہ پُردم رہے، پُرعزم رہے۔ اَور یہ وہ نمونہ ہے جو صادق مسلمانوں نے پیش کیا۔ اسی لئے قرآن کریم میں خدا فرماتا ہے کہ "واللہ یحب الصّابرین۔ اللہ ایسے صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔ ہر طرح کی مشکلات میں چلتے رہنا، نہ تھکنا نہ کمزور ہونا، یہ ہے صبر کی حقیقت۔ حوادث کے طوفان میں کھڑے رہنا۔ جناب رسالت مآبؐ سے پہلے دوسرے نبی پر ایمان لانے والے لوگ اُسی طرح اپنے عقیدے، اپنے عزم اَور اپنے اِرادے پر جمے رہے اَور اللہ تعالیٰ سے ثابت قدمی کی دعا فرماتے رہے۔ دعا کا ایک وقت اَور اُس کا بھی ایک مقام ہوتا ہے۔ دعا ایسے وقت نہ ہو کہ انسان کچھ بھی نہ کرے اَور یہ سمجھے کہ بس اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا دعا مانگ لے اَور خدا کے فرشتے آسمان سے اُتر کر مومن کی حاجات کو پورا کر دیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ اپنی راہ میں ہمارے اِرادے کو مضبوط بنا دے، ہم کو ثابت قدم رکھے اَور نصرت و مدد سے ہماری تائید فرمائے۔ اِس طرح طالبانِ حق کو دنیا بھی ملے گی اَور آخرت بھی۔ اور اِس کے برعکس جو دنیا کے طالب ہیں اُن کو دنیا ملے گی اَور آخرت نہیں ملے گی۔ لہٰذا خدا کے دین پر چلنے والوں کے پیشِ نظر مال و متاعِ دنیا نہ ہو بلکہ آخرت کا حصول سامنے رہے اَور اِس پر ثابت قدمی کی دعا بھی جاری رہے۔ آمین!!!

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ بیشک خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو مخاطب کر کے مصائب و مشکلات اور غم کے موقع پر صبر و نماز سے مدد لینے کی ہدایت کی ہے۔

صبر و نماز یہ دو چیزیں دنیا میں ایسی ہیں جیسے کسی سیڑھی کے دو ڈنڈے۔ جب بھی کوئی سیڑھی کے ذریعہ اُوپر چڑھنا چاہتا ہے تو اِن ہی ڈنڈوں کے سہارے چڑھتا ہے۔ اِسی طرح دین پر قائم رہنا ہو تو صبر اور نماز کا سہارا لینا ضروری ہے۔ اِنسانی زندگی میں یہ دونوں چیزیں ہر انسان کے لئے یکساں ضروری ہیں۔ اِن کے بغیر انسان دنیا میں مومن بندے کی حیثیت سے زندگی گزار نہیں سکتا۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ مومن بندوں سے مخاطب ہو کر صبر اور نماز کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ بتوں کی پرستش کو چھوڑ کر صرف ایک خدا پر ایمان لا کر اُس کے مطیع و فرماں بردار

بندے بننے کے لئے انسان کو اپنے نفس کے خلاف خدا کی اطاعت کرنا پڑتا ہے[1]۔ ایسے وقت میں صبر او
نماز سے بڑی مدد ملتی ہے۔

اگر دُنیا کا ماحول بھی اُس کے خلاف ہو جائے تو اُس وقت بھی صبر اَور نماز سے مدد لینی پڑتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو ایمان کی آزمائش ہوتی ہے اُس وقت بھی صبر اَور نماز سے مدد ملتی ہے۔

یعنی خواہشات نفس، دُنیا کا ماحول اَور اَللہ کی جانب سے آزمائش، اِن تینوں موقعوں پر صبر و نما
مومنوں کے لئے مددگار ہوتے ہیں۔

ایمان لانے کے ساتھ ہی مومنوں پر خود دین پر چلنے اَور دوسروں کو بھی دین پر چلنے کی دعوت دینے
ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

جہاں تک ذاتی عمل کا تعلق ہے اس میں نفس، شیطان اَور ماحول بڑی حد تک ٹکراتے ہیں۔ اِس
ٹکراؤ میں ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لئے بھی صبر اَور نماز ہی مومنوں کے لئے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

اَب رہا دعوت و تبلیغ، اِس کے لئے بھی بڑی سے بڑی تکلیف گوارا کرنے، دُکھ جھیلنے اَور مصیبت
اُٹھانے اَور دوسروں سے اِس کی مخالفت کا سامنا کرتے ہوئے اِس کام کو جاری و ساری رکھنے کے لئے
بھی پہلے صبر، پھر نماز سے مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ تب ہی تو اَللہ تعالیٰ نے بھی اَپنے کلامِ پاک میں اِ
دونوں سے مدد لینے کی ہدایت کی ہے۔

قرآن سارے کا سارا اِنسانوں کے لئے ہدایت ہے۔ جہاں جس قسم کے احکام کی ضرورت ہوئی
وہاں ویسی ہی ہدایت ملی۔ قرآن میں جگہ جگہ ارشاد ہے کہ اَللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مُردہ
کہو کیونکہ خدا کی راہ میں جان کی بازی لگانے کے لئے بھی صبر اَور نماز مددگار و معاون ثابت ہوتے ہیں
لہٰذا اِس آیت میں صبر اَور نماز پر عمل کرنے کے لئے زور دیا گیا ہے۔

---

[1] اِس جملے کو میں لکھتا تو اس کے کئی جملے بناتا۔ اِس طرح کہ: جو ایمان لایا یعنی مسلمان ہوا۔ اُس نے بتوں کی پو
چھوڑ دی۔ اللہ کا فرمانبردار بننے کی کوشش کی۔ اَب اُسے چاہئے کہ اَپنے نفس کے کہنے پر نہ چلے۔ اَیسے شخص کو قدم قدم پر مشکلا
پیش آتی ہیں۔ اِن مشکلات میں صبر اَور نماز بڑے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ (ھ)

اگست ۱۹۸۳ء — حجاب

جو مومن بندے دنیوی تکالیف و مصائب کو صبر کے ساتھ برداشت کرتے ہیں اور اُن کے دور ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں وہی بندے قیامت کے دن کامیاب بندے کہلائیں گے اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی دنیا میں آرام و آسائش سے رہیں گے۔

ہم سب کو چاہئے کہ ہمیشہ صبر سے کام لیں۔ صبر کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیں اور ہر حالت میں صبر کریں اور پابندی کے ساتھ نماز پڑھیں اور اپنی پریشانیوں، تکالیف اور مصائب کے دور ہونے کے لئے دعا کرتے رہیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ صبر اور نماز کو اپنا ساتھی بنائے رکھیں۔

QUANITA SIDDIQUA, H No. 23.2.340, Moghalpura, Hyderabad -500002

پانچ باتیں پانچ چیزیں

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن (جب بارگاہ خداوندی میں حساب کے لئے پیشی ہوگی تو) آدمی کے پاؤں سرک نہ سکیں گے جب تک اُس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کر لیا جائے:

① اُس کی پوری زندگی اور عمر کے بارے میں کہ کن کاموں میں اُس کو ختم کیا ② خصوصیت سے اُس کی جوانی (اور جوانی کی قوتوں) کے بارے میں کہ کن مشاغل میں ان کو بوسیدہ کیا ③ مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے اس کو حاصل کیا تھا ④ کن کاموں اور راہوں میں اس کو صرف کیا ⑤ جو کچھ معلوم تھا اُس کے بارے میں کیا عمل کیا (ترمذی)

عمرو بن میمون اودی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

پانچ حالتوں کو دوسری پانچ حالتوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو اور ان سے جو فائدہ اٹھانا چاہئے وہ اٹھا لو:

① غنیمت جانو جوانی کو بڑھاپے کے آنے سے پہلے ② غنیمت جانو تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے ③ غنیمت جانو خوشحالی اور فراخدستی کو ناداری اور تنگدستی سے پہلے ④ غنیمت جانو فرصت اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے ⑤ غنیمت جانو زندگی کو موت آنے سے پہلے۔ (ترمذی)

........مرسلہ: ساجدہ فرزانہ صادق

اخلاص کی برکت

ساجدہ فرزانہ صادق

JIDA FARZANA SADIQ W/o MOHD. SADIQ AHMED FOREST CONTRACTOR, SATARIPET
REET, P.O JAGTIAL TQ. 505327, KARIMNAGAR DIST (A P.) * *

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: تین آدمی کہیں چلے جا رہے تھے کہ اُن کو مینھ نے آلیا۔ وہ پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے، پہاڑ سے غار کے منھ پر ایک پتھر کی چٹان آپڑی اور غار کو بند کر دیا۔ تینوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: اپنے اُن نیک عملوں پر نظر ڈالو جو خاص طور پر خدا کے لئے کئے ہوں، اور اُس عمل کے وسیلہ سے خدا سے دعا مانگو، اُمید ہے کہ خداوند تعالیٰ اِس پتھر یا اِس مصیبت کو دور کرے۔

اُن میں سے ایک نے یوں کہنا شروع کیا: — اَے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے کئی چھوٹے بچے تھے میں

بکریاں وغیرہ چرایا کرتا تھا کہ اُن کا دُودھ اُ
سب کو پلاؤں گا۔ جب شام ہو جاتی تو میں گا
اُٹھا، دودھ دوہتا اور سب سے پہلے اپنے ما
باپ کو پلاتا، پھر بچوں کو دیتا۔ ایک روز اَیـ
اتفاق ہوا کہ چراگاہ کے درخت مجھ کو دور سـ
گئے (یعنی بکریوں کو چراتا چراتا میں دور نکل گیا
اور وقت پر میں گھر واپس نہ آسکا یہاں تک
شام ہوگئی۔ جب گھر پہونچا تو دیکھا کہ میرـ
ماں باپ دونوں سو گئے ہیں۔ میں نے حسب معمو
دودھ دوہا۔ پھر دودھ کا برتن لے کر ماں بابـ
کے پاس پہونچا اور اُن کے سرہانے کھڑا ہو گیا
مجھ کو اُن کو جگانا بھی برا معلوم ہوا اور یہ بھی
کہ ماں باپ سے پہلے بچوں کو دودھ پلا دوں
بچے میرے پاؤں کے پاس پڑے بھوک سے رو

ر چلاتے تھے اور میں دودھ لئے کھڑا تھا۔
صبح تک یہی کیفیت رہی یعنی میں دودھ لئے
کھڑا رہا، بچے روتے رہے اور ماں باپ پڑے
سوتے رہے ۔۔۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے
کہ میں نے یہ کام محض تیری رضامندی اور خوشنودی
کے لئے کیا تھا تو تو اس پتھر کو اتنا کھول دے کہ
ہم آسمان کو دیکھ سکیں ۔۔۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ
نے پتھر کو اتنا ہٹا دیا کہ آسمان نظر آنے لگا۔

دوسرا شخص کہنے لگا: ۔۔۔ اے اللہ!
میرے چچا کی ایک بیٹی تھی۔ میں اُس سے انتہائی
محبت رکھتا تھا، ایسی محبت جیسی مرد کو کسی عورت
کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ میں نے
اُس سے جماع کی خواہش ظاہر کی۔ اُس نے کہا کہ
جب تک سَو اشرفی نہ دو گے ایسا نہیں ہو سکتا۔
میں نے کوشش شروع کی اور سَو اشرفیاں جمع
کرلیں اور اُن کو لے کر اُس کے پاس پہونچا، پھر جب
میں اُس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا (یعنی
جماع کے لئے) تو اُس نے کہا کہ اے خدا کے بندے!
خدا سے ڈر اور مُہر کو نہ توڑ۔ میں خدا کے خوف سے
فوراً اُٹھ کھڑا ہوا (یعنی اُس سے جماع نہیں کیا)۔
اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہ فعل محض تیری
رضامندی اور خوشنودی کے لئے تھا تو اِس
پتھر کو ہٹا دے اور ہمارے لئے راستہ کھول دے۔
اللہ تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا سا اور ہٹا دیا۔

تیسرے شخص نے کہا: ۔۔۔ اے اللہ!
میں نے ایک شخص کو مزدوری پر لگایا تھا، ایک فرق
(پیمانہ) چاول کے معاوضہ پر۔ جب وہ شخص اپنا
کام ختم کر چکا تو بولا کہ میری مزدوری مجھ کو دلوائیے۔
میں اُس کی مزدوری دینے لگا تو وہ اس کو چھوڑ کر
چلا گیا اور پھر اپنے حق کو لینے کے لئے نہ آیا۔ تو میں
نے اُس کی مزدوری کے چاولوں سے کاشت شروع
کردی، اور ہمیشہ کاشت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ
اُن چاولوں کی قیمت سے میں نے بہت سے بیل
اور اُن کے چرواہے جمع کر لئے۔ پھر مدت کے بعد
وہ مزدور آیا اور کہا: خدا سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر،
اور میرا حق میرے حوالے کر۔ میں نے کہا کہ اِن بیلوں
اور چرواہوں کو لے جا۔ یہ سب تیرے ہی ہیں۔
چنانچہ اُس نے اِن سب کو جمع کیا اور لے کر چلا گیا۔
اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہ فعل محض تیری خوشنودی
اور رضامندی کے لئے تھا تو تو اِس پتھر کو بالکل ہٹا
دے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو ہٹا دیا اور راستہ
کھول دیا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)



محمد مصطفیٰ ۔ سراہے ترین رسول کریمؐ

محترم اباجان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آج یہاں میرے دو دوست یعنی مسعود عالم قاسمی اور عبید اللہ فہد فلاحی آئے ہوئے ہیں ۔ ج
باتیں ہونے لگیں تو ذکر 'رسول کریمؐ نمبر' آپ کی کتاب کا بھی آگیا ۔ مسعود عالم قاسمی نے بہت تعریف ک
فہد صاحب بھی آپ کی کتابوں کی بہت تعریف کرتے تھے ۔ کہہ رہے تھے کہ ماہل صاحب نے رسول کریمؐ
کے اندر بہت سی نئی خوبیاں پیدا کر دیں جس سے علماء کرام بہت متاثر ہیں ۔ ہمارے یہاں کل اجتماع تھا

ا یہاں سرائے ترین میں ۲۸ - ۲۹ مئی کو شاید جماعتِ اسلامی کا ضلعی اجتماع ہو۔ یہاں کے رفقاء آپ کو ی بلانے کو کہہ رہے ہیں۔ اس موقع پر کیا اچھا ہو کہ زہراء کے اُستاد مولانا عزیز صاحب بھی یہاں آئیں۔
ں خیریت سے مطلع فرمائیں۔ والسلام

ناصرہ خانم۔ ناظمہ حلقہ خواتین۔ جماعتِ اسلامی ہند۔ شہر حیدرآباد۔

درمحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاجِ گرامی اُمید ہے کہ بہ خیر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام تر کاوشوں کو مقبولیت کا شرف عطا فرمائے جو صرف اللہ کی رضا اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے زیرِ عمل ہیں اور تمام سامعین کو زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

ناچیز ایک تعزیتی پیام "تحریکِ اسلامی کی عظیم مجاہدہ محترمہ قیصر بیگم نیازیؒ" کے سلسلہ میں روانہٗ خدمت کرنے کی جرأت کر رہی ہے۔

اُمید ہے کہ برادر محترم آپنے رسالے میں شائع کر کے ممنون فرمائیں گے۔ جزاک اللہ!

قیصر بیگم نیازی کے غم میں:

❖ ❖ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے ❖ ❖

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے)

۱۳ر اپریل کی شام یہ المناک خبر ہمارے کانوں تک پہونچی تو ایسا لگا کہ ہم سبھی غم واندوہ کے اُمنڈتے ہوئے طوفان میں چھوڑ کر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملیں جن کی آنکھیں جمالِ حقیقی کے دیدار کی برسہا برس سے تیاری کر رہی تھیں۔

آہ! آج ہماری شفیق ماں ہم سے جدا ہوگئیں۔ مسافت کے اعتبار سے وہ ہم سے

کافی دُور تھیں لیکن دلوں کے درمیان کوئی فاصلہ، کوئی دوری نہیں تھی۔ آج حلقہ خواتین ماں جیسی اہم و محترم شخصیت سے محروم ہوگیا جن کی سرگرمیوں کا اصل مرکز درس و تدریس، عملی، زبانی اور قلم کے ذریعہ قرآنی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور اسوۂ حسنہ پر عمل پیرائی تھی، جنھوں نے اپنے قول، عمل اور قلم سے حق کی گواہی دی۔ ماں نے نہ صرف خود حق کی روشنی سے اپنے آپ کو منور کیا بلکہ ساتھ ساتھ بہت سی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی زندگی کی تاریکیوں کو دور کیا اور انھیں قرآن کا فہم دیا، مقصد کی خاطر مرنے جینے کا جذبہ پیدا کیا۔ اُن کا مقصد زندگی یہی تھا کہ وہ خواتین کو بیدار کریں، اُن کے ضمیر کو جگائیں اور اُن میں صحیح اسلامی شعور پیدا کریں تاکہ اسلامی انقلاب کے برپا کرنے میں ہماری خواتین مردوں سے کسی طرح پیچھے نہ رہیں۔ تحریک اسلامی کی وہ عظیم مجاہدہ جو باوجود اپنی کمزوری، ناتوانی اور ضعیفی کے اپنے عزائم میں پختہ آخری دم تک سعی و جہد میں لگی رہیں جس کی خاطر انبیاء اکرام، اولیاء اللہ، صحابیات نے اپنی زندگیاں قربان کردیں، مردانِ حق نے قید اور کوڑوں کی سزائیں برداشت کیں۔ بس یہی فکر ماں کے بھی دامن گیر تھی۔ وہ اپنی قوتِ ارادی کے بل بوتے جی تھیں۔

آہ! وہ محترم ہستی ہم تمام خواتین کے لئے بہترین رہنما تھیں جس کی زندگی آج کے اس تاریک پُرآشوب دَور میں ہم تمام کے لئے مشعلِ راہ تھی جو ضعیفی کی حالت میں بھی مسلسل باطل سے برسرِپیکار تھیں۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر جس کی زندگی کا امتیازی نشان تھا۔ یوں تو دنیا میں انسان بہت پیدا ہوتے ہیں لیکن ایسی ہستیاں بہت کم ہوتی ہیں جو ایک اعلیٰ نصب العین کو قبول کرکے زمانے کا رُخ بدل دینے کے لئے کمربستہ ہوجاتے ہیں، اور بڑی بے جگری سے باطل کا مقابلہ کرتی ہیں، کبھی اس راہ میں آنے والی مشکلات اور مصائب سے پناہ نہیں ڈھونڈتیں۔ ماں کا شمار بھی اُن ہی مبارک ہستیوں میں ہوتا ہے کہ جنھوں نے ایک بار سوچ سمجھ کر زندگی کے جس میدان میں قدم رکھا موت نے ہی

اُگر اُس میدان سے قدم اُکھاڑے۔

غم واندوہ سے چور چور دل کے ساتھ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے اُور بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین ! !

ریحانہ احمد

H.No 21-4-694, BOWLI GULLAB SINGH
HYDERABAD - 500264

محترم و معظم محترم تایا جان صاحب، سلامِ مسنون !

اُمید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔ معاشرے کا مسیحا "حجاب" اپنی تمام تر رعنائیاں و شادمانیاں بکھیرتا ہوا اپنے دلکش ٹائیٹل کے ساتھ جلوہ افروز ہوا۔

سب سے پہلے جب "کونڈے" پر نظر پڑی تو دِل باغ باغ ہوگیا کیونکہ یہ ہمارے معاشرے کی پرانی رسم ہے۔ یہ رسم جب بھی کسی کے گھر ہوتی ہے تو میں پوچھتی ہوں کہ آخر یہ کیوں ... " " ، سے کوئی بھی خاطر خواہ جواب نہیں ملا اُور میں اِس اُلجھن میں ہی رہی۔ اَب مجھ کو معلوم ہوگیا کہ . . . . ہے۔

قیصر بیگم نیازی صاحبہ سے چھٹے آل انڈیا اجتماع میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا اُور تب ہی اُن کا آٹوگراف بھی حاصل کیا جس میں اُنھوں نے ایک بہترین شعر لکھ دیا تھا :

ہے خبر تیری عدالت میں ہمیں جانا ہے
فکر یہ قلب پہ چھا جائے تو کچھ بات بنے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آخرت کی یہ فکر آج کے دور کے تمام مسلمانوں کے دلوں پر چھا جائے۔ آمین

پہلے قیصر بیگم نیازی سے مل کر اُور بعد میں فروری ۱۹۸۳ء کے حجاب میں اُن کا خطبۂ صدارت پڑھ کر بہت خوشی ہوئی تھی۔ اِس سے کہیں زیادہ بڑھ کر اُن کے سانحۂ ارتحال کی خبر سُن کر دلی صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اُور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اُور جمیع ارکان خاندان کو

یل عطا فرمائے۔

خونِ دل دے کے نکھاریں گے رُخِ برگ گلاب ؛ ہم نے گلشن کو سجانے کی قسم کھائی ہے
تایا جان صاحب! آپ تو اِس شعر کے مصداق حجاب کو دن دونی رات چوگنی سجا رہے ہیں۔ اللہ تعا۔
ی کاوشوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین! اگر میں حجاب کے ایک ایک مضمون کی تعریف کروں تو
پھر حجاب کے قیمتی صفحات کم پڑ جائیں۔ تمام مضامین دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز ہیں۔
سنگھ بہت ہی پسند آیا۔ "کرنوں کا سفر" خوبصورت ہے۔ مضامین و مقالات میں سیدہ آسیہ فاطمہ
ا کی تقریر "پردہ اور ترقیٔ نسواں" دیکھ کر میری بھی ایک تقریر جو گورنمنٹ گرلز جونیر کالج حسینی ع
ر آباد میں بتاریخ ۱۸ مارچ ۱۹۸۰ء کو کی گئی تھی اور دوسرے اِنعام کی مستحق قرار دی گئی تھی، یہ
ی تقریری مقابلہ بعنوان "بیسویں صدی میں عورتوں کے لئے تعلیمی اہمیت" تھا۔ اگر یہ تقریر پسند
، تو آپ قریب کے شمارے میں حجاب کے صفحات کی زینت بنائیں۔ اِنشاءاللہ آئندہ بھی کچھ بھیجنے کی
ارت کروں گی۔

میرا نام ریحانہ احمد ہے اور میرے والد صاحب کا نام محمد احمد ہے جو رکنِ جماعت ہیں۔ میں
ہ طالبات باؤلی گلاب سنگھ حیدر آباد کی ناظمہ ہوں۔ آخر میں ایک گذارش ہے کہ آپ اپنا آٹو گراف
اِس مضمون کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کے اِظہار سے مطلع کریں۔ اِنتظار کروں گی۔ والسلام۔

امی تقریری مقابلہ بعنوان بیسویں صدی میں عورتوں کیلئے تعلیمی اہمیت

جنابِ پرنسپل صاحبہ، معزز لیکچررس اور عزیز ساتھیو! السلام علیکم۔
میں بڑے ادب اور معذرت سے عرض کرنے کی اجازت چاہوں گی کہ آج کی
تقاریر کا عنوان یعنی "بیسویں صدی میں عورتوں کے لئے تعلیمی اہمیت" (IMPORTANCE OF EDUCATION FOR WOMEN IN 20th CENTURY) مجھے عجیب سا

محسوس ہو رہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اور قیامت تک جتنے سمجھدار لوگ اس دنیا میں آئے ہیں اور آئیں گے، سب ہی یہ محسوس کریں گے اور اس ضرورت کا شدت سے احساس دلائیں گے کہ عورت کی تعلیم و تربیت انسانی معاشرے کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ اِس کے لئے کسی صدی کی تقصیص (یعنی تخصیص۔ م) نہ تو ضروری ہے اور نہ مناسب۔ البتہ دنیا میں مروجہ تعلیمی نظام کو اور اس کے نتائج کو دیکھتے ہوئے یہ بحث ضرور کی جا سکتی ہے کہ موجودہ صدی میں عورتوں کو کیسی تعلیم دی جائے کیونکہ اب تک عورتوں اور مردوں کو ایک ہی تعلیم دینے سے جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ اگرچہ کہ بظاہر بہت خوشنما اور شاندار معلوم ہوتے ہیں لیکن آپ گہرائی سے اس کا جائزہ لیں تو آپ محسوس کریں گے کہ اس کائنات کے خالق نے عورتوں اور مردوں کی دو جنسیں پیدا کیں اور اُن کے لئے زندگی میں مخصوص کام اور دائرۂ کار متعین کر دئیے جن کی پیروی سے یہ دُنیا بھی سدا بہار بن سکتی ہے اور اس کے بعد آنے والی ہمیشہ کی زندگی بھی کامیاب ہو سکتی ہے۔

آج کے انسان نے مساوات کے نام پر یکساں تعلیم و تربیت کے ذریعہ طبقہ نسواں پر جو ظلم کیا ہے اُس کا احساس کرنے سے ہی کلیجہ کانپ جاتا ہے۔ عورت کو آج کے ماحول میں یکساں تعلیم پانے کے بعد دو ہی مواقع حاصل ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنی مخصوص ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے اُن مزید ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھالے جو اُس کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔ یا پھر نام نہاد یورپی اقوام کی طرح اپنے خاندان کا اپنے ہی ہاتھوں شیرازہ بکھرتے ہوئے دیکھے۔

عورت کو صنف نازک کا خوبصورت نام دے کر اتنا بڑا ظلم ایک کھلے مذاق سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ یہاں میں ایک لمحہ کے لئے معذرت کے ساتھ اس بات کی درخواست کروں گی کہ ہم میں سے ہر ایک تھوڑی دیر کے لئے اپنے دل کی گہرائیوں کو ٹٹولے

تو انھیں میرے منھ کی بات خود کے دل کی بات محسوس ہوگی۔ عورت کی تعلیم کی صحیح اہمیت کو پیغمبرِ اسلام ؐ نے چودہ سو سال پہلے ہی ارشاد فرما دیا تھا کہ "علم کا حاصل کرنا ہر مرد و عورت پر فرض ہے"۔ تعلیم پانے والے کی قدر و منزلت آپؐ کے اِس ارشاد سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ "طالبِ علم کے لئے سمندر کی مچھلیاں تک دعا کرتی ہیں" اور یہ کہ "طالبِ علم کے راستے میں فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں"۔

کِسی بڑے مفکّر نے بڑی حقیقت کی بات کہی ہے کہ ایک مرد کی تعلیم محض ایک فرد کی تعلیم ہے لیکن ایک عورت کی تعلیم پورے خاندان کی تعلیم ہے۔ عورت کی تعلیم کی اہمیت انگریزی کے اس مقولے سے بھی معلوم ہوتی ہے جِس میں کہا گیا ہے :

THE HAND THAT ROCKS THE CRADLE ROLLS THE WORLD.

میری ساتھیاں اِس بات کو محسوس کریں گی کہ آج کی تعلیم کی بدولت برطانیہ کی مسز مارگریٹ تھیچر جو قدامت پسند پارٹی کی لیڈر ہیں اور فن لینڈ کی مسز ہلوی سپیلا جو خواتین کے بین الاقوامی سال اور عالمی کانفرنس کی سکریٹری جنرل ہیں، اور ایسی ہی دوسری خواتین کا نام بہت ہی زور و شور سے لیا جاتا ہے۔ مجھے اس سے انکار بھی نہیں ہے۔ لیکن ہم میں سے کون عقلمند ہوگا جو بکری کو بَیل کے بجائے بنڈی میں جوتنے سے خوش ہوگا۔ آج کچھ عہدوں کا پالینا یا کچھ مال و اسباب جمع کرلینا کامیابی کی دلیل سمجھا جاتا ہے لیکن میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ، حضرت عائشہ ؓ اور ایسی ہی سیکڑوں خواتین کو کیسے فراموش کرسکتی ہوں جنھوں نے دنیا کو عورت کی عظمت کا صحیح احساس دلایا۔ اور یہ محض اُن کی صحیح تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔ یہ سمجھ لینا کہ آج کی عورتوں کی تعلیم ہی روشن خیالی پیدا کرنے کا سبب ہے، میرے نزدیک پوری طرح صحیح نہیں ہے۔

میرا ایقان ہے کہ عورت کی تعلیم پہلے بھی ضروری تھی اور اب بھی ضروری ہے اور آئندہ بھی ضروری رہے گی۔

میں صرف اس فرق کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتی ہوں جس کو ایک شاعر نے بڑے اچھے انداز میں کہا کہ عورتوں کو تعلیم پاکر چراغِ خانہ بننا چاہیئے نہ کہ محفل کی شمع۔ مجھے عورت کی تعلیم کا صحیح احساس دلانے کے لئے موزوں الفاظ نہیں ملتے۔ میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ بڑے صبر و سکون کے ساتھ آپ نے میرے خیالات کو سماعت فرمایا۔ میں اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے آپ سے رخصت چاہتی ہوں کہ کائنات کے اس وسیع نظام میں عورت کے مقام اور حیثیت کو صحیح طور پر اجاگر کرنے والی تعلیم کو عام کرنے میں آپ لوگ جو دن و رات محنت کرتے ہیں، میں اور میری ساتھی سب ہی طالبات اس کو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ اگر اللہ نے ہم کو موقع دیا تو ہم بھی آپ کے نقشِ قدم پر چلنے اور اس دنیا کو ارضی جنت بنانے میں اپنی خدمات کے لگانے کو خوش قسمتی سمجھیں گے۔ بیسویں صدی میرے خیال میں عورتوں کی صدی ہے اور اس میں عورت کی صحیح تعلیم ایک اہم رول ادا کریگی۔ خدا حافظ۔

نوٹ: آپ نے اس صحیح تعلیم کا تذکرہ نہیں فرمایا جس کا ایک اہم رول آپ ادا کریں گی۔ آپ کو بتانا چاہیئے تھا کہ چراغِ خانہ والی تعلیم کیا ہے اور اس سے کیا فوائد ہوتے ہیں اور رونقِ محفل والی تعلیم کیا ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے اور ان دونوں میں کس کو اہمیت حاصل ہے۔ م

نسیم حجازی ... مسلسل ناول

آخری چٹان

قسط ۲۴

طاہر کے نئے دوست اور دشمن

اسی رات عشا کی نماز سے تھوڑی دیر بعد طاہر اپنے دیوان خانے میں بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا کہ اس کے مکان کے سامنے چار گھوڑوں کی ٹاپیں رکی۔ ایک خادم نے آکر اطلاع دی کہ ایک فوجی افسر سپہ سالار کا پیغام لایا ہے۔ طاہر نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا "اسے اندر لے آؤ!"

خادم چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک دراز قامت، قوی ہیکل اور بارعب آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی اور چہرے سے خلوص ذہانت اور شجاعت مترشح تھی۔ طاہر نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کیا اور اپنے قریب ایک کرسی پر بٹھالیا۔

نووارد نے کہا "میرا نام عبدالعزیز ہے۔ میں آپ سے غائبانہ واقفیت حاصل کر چکا ہوں۔ اس وقت میں سپہ سالار کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں لیکن میں آپ سے ذاتی طور پر بھی ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔ سردست میں آپ کو یہ بتادینا کافی سمجھتا ہوں کہ آپ مجھے اپنا دوست سمجھیں۔ اور میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ اس لیے نہیں بڑھانا چاہتا کہ آپ بہت زیادہ امیر ہیں یا آپ کے پاس وہ تلوار ہے جو آپ کے والد نے صلاح الدین ایوبیؒ سے انعام میں حاصل کی تھی بلکہ اس لیے کہ آپ کے دل میں اپنے آپ کو بہادر باپ کی نشانی

کا حق دار ثابت کرنے کی خواہش پائی جاتی ہے۔ آپ نے قاسم کو مقابلے کی دعوت دی ہے۔"

طاہر نے جواب دیا۔ "ہاں، مجھے معلوم نہ تھا کہ بغداد میں یہ تلوار اس قدر اہمیت اختیار کرلے گی۔ میرے نزدیک اس کا صحیح مصرف یہ نہ تھا کہ ایک امیرزادے کے اسلحہ خانے کی زینت بن جائے، اس لیے مجھے مقابلے کی دعوت دینا پڑی۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "جہاں تک تلوار سے کھیلنے کا تعلق ہے، قاسم کو آپ نے محض ایک امیرزادہ سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس کی صلاحیت کا اعتراف کرنے کا شرف حاصل نہیں ہوا لیکن قصرِ خلد کے آس پاس رہنے والے امراء کے لڑکوں سے وہ اپنا لوہا منوا چکا ہے، اس لیے آپ ذرا محتاط رہیں تو اچھا ہوگا۔ اگر آپ ہار گئے تو آپ کو شاید تلوار چھن جانے کا افسوس نہ ہو لیکن بغداد کی فوج میں ایک نہایت غلط قسم کے عہدے دار کا اضافہ ہوجائے گا۔ پچھلے دنوں جب علاؤالدین خوارزم شاہ کی افواج بغداد کی طرف بڑھ رہی تھیں، ہماری افواج نے اسے راستے میں روکنے کے لیے پیش قدمی کی۔ وزیرِ اعظم کی کوشش سے خلیفہ نے اس برخوردار کو میمنہ کے بیس دستوں کے سالار کا عہدہ دے دیا لیکن تمام راستہ یہ حالت رہی کہ اگر سپہ سالار کے خیمے پر رات کے وقت بیس سپاہی پہرہ دیتے تو یہ دن کے وقت بھی چالیس پہرے داروں کا مطالبہ کرتا۔ اپنے ہر افسر کے ساتھ گستاخی سے پیش آتا اور یہ کہتا کہ میرا باپ سلطنتِ عباسیہ کا وزیرِ اعظم ہے۔ ہم سب نے محسوس کیا کہ بغداد میں اس نوجوان کو جس قدر کند تلواروں سے مشق کرنے کا شوق تھا، اسی قدر اب یہ اصلی تلواروں کا مقابلہ کرنے سے گھبراتا ہے چنانچہ چوتھی منزل پر اسے دردِ سر شروع ہوا اور پانچویں منزل پر یہ رخصت لے کر گھر چلا آیا۔ اس کی خوش قسمتی سے خوارزم کی افواج راستے سے لوٹ گئیں اور اسے خلیفہ کے سامنے صفائی پیش کرنے کا موقع مل گیا۔ اب سپہ سالار کو ڈر ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی

ہوا اسے حقیقی نظروں میں بھی نہایت اہم عہدے کا حقدار ثابت نہ کر دے۔ میں بھی یہ خدشہ محسوس کرتا ہوں لیکن سپہ سالار کی طرح پریشان نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بغداد کی ترقی کے دن گنے جا چکے ہیں اور بیسیوں نااہل عہدے داروں میں ایک اور کے اضافے سے کوئی زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔ میں بغداد میں بہت بڑی اُمیدیں لے کر آیا تھا لیکن۔۔۔!"

یہاں تک کہہ کر عبدُالعزیز خاموش ہو گیا اور اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

"لیکن کیا۔۔۔؟" طاہر نے پوچھا۔

عبدُالعزیز نے کہا۔ "میں مایوس ہو چکا ہوں۔ میں اب یہاں نہیں رہنا چاہتا اور اگر آپ اپنے دل میں خدمتِ اسلام کا جذبہ لے کر آئے ہیں تو آپ بھی شاید یہاں زیادہ دیر نہ رہ سکیں۔ اس وقت مصر میں ہلال و صلیب کے معرکے پھر گرم ہو گئے ہیں' میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔ وہاں میری ضرورت ہے' وہاں عالمِ اسلام کے ہر مجاہد کی ضرورت ہے' میرے چند اور دوست بھی وہاں جانے کے لیے تیار ہیں اور میں آپ کو بھی دعوت دیتا ہوں لیکن اگر آپ وہاں نہ جانا چاہیں تو کم از کم ہمارے لیے ایک تعارفی خط لکھ دیں۔ مصر میں آپ کی کافی واقفیت ہو گی۔ تعارفی خط اس لیے نہیں چاہتا کہ وہاں ہماری اہمیت محسوس کی جائے بلکہ اس کی ضرورت اس لیے محسوس کرتا ہوں کہ بغداد کے ہر آدمی کو وہاں شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر میں سپہ سالار کا خط لے کر بھی جاؤں تو بھی ہم پر اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ ہمیں جاسوس سمجھا جائے گا۔"

طاہر نے کہا۔ "نصرانیوں پر ملک العادل کی پے در پے فتوحات کی خبر آپ سُن چکے ہوں گے۔ میرے نزدیک فتنۂ تاتار' اسلام کے لیے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔"

عبدالعزیز نے مایوس ہو کر کہا۔ "میں بھی اسے کم خطرناک نہیں سمجھتا۔ لیکن کاش! وہ شخص جو خوارزم میں ہمارے دفاع کا آخری مورچہ سنبھالے ہوئے ہے' اس قدر احمق نہ ہوتا۔ اسے محض اپنی قوت کے غلط اندازے نے تمام دنیا سے لڑائی مول لینے پر آمادہ

کردیا ہے۔ وہ نہ صرف اہلِ بغداد کو بلکہ ہر غیر مُلکی کو خلیفہ کا جاسوس سمجھتا ہے۔ اس نے چنگیز خان کو قوت آزمائی کی دعوت دی ہے لیکن اس قدر خوف ناک طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے کسی اسلامی سلطنت کی اعانت کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ خلیفہ ناصر کو بھی یقین ہے کہ چنگیز خان سے نجات حاصل کرنے کے بعد وہ پھر بغداد پر اپنی طاقت آزمائے گا۔ اس لیے ——— لیکن یہ باتیں کہنے کا ابھی وقت نہیں آیا ——— پھر سہی۔ اب چلیے، سپہ سالار آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے!"

طاہر نے کہا: "آپ خاموش کیوں ہو گئے۔ مجھ پر اعتماد کیجیے۔"

عبدالعزیز نے متجسس نگاہوں سے طاہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "میں صرف ایک سپاہی ہوں اور سپاہی کو سیاسی معاملات میں دخل دینے کا حق نہیں۔"

"ٹھہریے!" طاہر یہ کہتے ہوئے جلدی سے اٹھا اور دوسرے کمرے سے صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار نکال لایا اور عبدالعزیز کے سامنے اس کے دستے پر دایاں ہاتھ رکھتے ہوئے بولا: "میرے والد نے خون کا آخری قطرہ بہا کر یہ انعام حاصل کیا تھا۔ میں اس تلوار پر ہاتھ رکھ کر ہر نیک مقصد میں آپ سے وفاداری کا وعدہ کرتا ہوں۔ اس کے عوض میں آپ سے کوئی وعدہ نہیں لیتا۔ آپ کے چہرے پر پہلی نگاہ نے مجھے بتا دیا تھا کہ بغداد میں مجھے جس رفیق کی تلاش تھی، اسے قدرت نے بھیج دیا ہے۔"

عبدالعزیز نے اُس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور طاہر کے چہرے پر آنکھیں گاڑتے ہوئے کہا: "شاید میں بھی کسی کی تلاش میں تھا۔ بغداد میں بہت سے لوگ کسی کی تلاش میں ہیں۔ کیا قدرت نے بغداد کی پرسکون زندگی میں تموّج پیدا کرنے کے لیے آپ کو منتخب کیا ہے؟ اس جھیل کا کھڑا پانی ہوا کے کسی تیز جھونکے کا منتظر ہے۔ اس سوئی ہوئی محفل کے لیے صورِ اسرافیل کی ضرورت ہے۔ اگر وہ آپ ہیں تو میں آپ سے آخری دم تک دوستی اور وفا کا عہد کرتا ہوں۔ میں نے گزشتہ رات ایک خواب دیکھا تھا اور اب شاید اس کی تعبیر دیکھ

رہا ہوں۔ میں بہت سے لوگوں کے ساتھ کشتی میں سوار تھا۔ سمندر میں طوفان اُٹھ رہا تھا۔ کشتی میں ایک سُوراخ کے راستے آہستہ آہستہ پانی جمع ہو رہا تھا اور ہمیں یقین تھا کہ یہ ڈُوب جائے گی۔ ہم زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ اچانک پانی سے ایک چٹان نمُودار ہوئی اور وہ پھیلتی اور بلند ہوتی چلی گئی۔ سرکش موجیں بعض اوقات اس سے ٹکرا کر واپس چلی جاتیں اور بعض اوقات اسے تھوڑی دیر کے لیے اپنی آغوش میں چُھپا لیتیں۔ ہم میں سے ایک نوجواں نے کشتی کی پتوار سنبھالتے ہوئے کہا " یہ چٹان ہمارا آخری سہارا ہے۔" لیکن ہم یہ محسوس کرتے تھے کہ یہ چٹان زیادہ دیر ان زبردست موجوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بعض ملاحوں نے اس کی مخالفت کی اور اس کے ہاتھ سے پتوار چھین لی اور اس نے مایوس ہو کر پانی میں چھلانگ لگا دی اور تیرتا ہوا چٹان پر جا چڑھا۔ میں اور میرے چند ساتھیوں نے اس کی تقلید کی لیکن دوسرے مُسافر کشتی کے ساتھ چمٹے رہے۔ ہم چٹان پر پہنچ چکے تھے اور کشتی کو سمندر کی موجیں ایک تنکے کی طرح بہا کر ہم سے دُور لے جا رہی تھیں لیکن عجیب بات یہ تھی کہ بعض لوگ اس چٹان سے کود کر کشتی کا رُخ کر رہے تھے۔ میری آنکھ کھُل گئی اور میں کشتی کا انجام نہ دیکھ سکا۔"

طاہر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا " کیا آپ سلطنتِ خوارزم کو تاتاریوں کے سیلاب کی راہ میں آخری چٹان نہیں سمجھتے ؟ "

عبدالعزیز نے جواب دیا " وہ ہمارے دفاع کی آخری چوکی ضرور بن سکتی تھی لیکن موجودہ حالات میں یہ کہنا مشکل ہے کہ علاؤالدین محمد شاہ کی قیادت میں خوارزم کی افواج تاتاری سیلاب کے سامنے آخری چٹان ثابت ہوں گی، وہ ایک خود غرض، جاہ پسند اور توہم پرست آدمی ہے۔ جب اس نے بغداد پر چڑھائی کی تھی، اہل بغداد پر مایوسی کے بادل چھا گئے تھے اور یہ خدشہ تھا کہ اس کی فتح کے امکانات دیکھ کر خلیفہ کی فوج کے بہت سے ترک امراء اس کے ساتھ جا ملیں گے لیکن راستے میں برف پڑی اور وہ اسے عذابِ الٰہی سمجھ کر واپس چلا گیا۔ مجھے خدشہ

ہے کہ چنگیز خان سے پہلی شکست کے بعد وہ یہ سمجھ کر ہمت ہار دے گا کہ اس کے مقدر کا ستارہ ڈوب چکا ہے اور یہ چٹان ایک بار ڈوب کر دوبارہ اُبھرنے کا نام نہ لے گی۔"

طاہر نے کہا۔ "تو کیا اس صورت میں بغداد کے لوگوں میں یہ احساس پیدا کرنا ضروری نہیں کہ دفاع کا یہ آخری مورچہ ٹوٹ جانے کے بعد تاتاریوں کا سیلاب ہم سے قریب تر ہو جائے گا۔ کیا مشترکہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے خلیفہ اور خوارزم شاہ کے اختلافات مٹانے کی کوشش کرنا ہر دُور اندیش آدمی کا فرض نہیں؟ مجھے یقین ہے کہ اگر دولتِ عباسیہ اور سلطنتِ خوارزم میں اتحاد ہو جائے تو ہم دنیا کے آخری کونے تک چنگیز خان کا تعاقب کر سکتے ہیں۔ میں یہی مقصد لے کر بغداد میں آیا ہوں اور یہی مقصد ہے جو مجھے امرائے سلطنت اور خلیفہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے نہایت بھونڈے اور شرمناک طریقے اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ میں انھیں خواب سے جگانا چاہتا ہوں اور اگر خدانخواستہ مجھے کامیابی نہ ہوئی تو میری دوسری منزل مصر یا خوارزم ہوگی۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "تو مجھے خواب میں کشتی سے چٹان کا راستہ دکھانے والا اور کوئی نہ تھا، آپ تھے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میرے چند دوست بھی آپ کا ساتھ دیں گے۔ اگر آپ کو کوئی اور مصروفیت نہ ہو تو میں کل رات انھیں اپنے ساتھ لے آؤں گا۔"

طاہر نے کہا۔ "کل رات میری وزیر اعظم کے یہاں دعوت ہے۔ پرسوں آپ انھیں یہاں لے آئیں۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "اگر کل رات آپ کی وزیر اعظم کے ہاں دعوت ہے تو پرسوں شام یقیناً سپہ سالار آپ کو اپنے ہاں بلائیں گے۔ اس کے بعد دوسرے امراء کی باری ہوگی اور پھر شاید خلیفہ بھی آپ کو اپنی نظرِ عنایت کا مستحق سمجھیں لیکن سچ بتایئے آپ نے وزیر اعظم پر کیا جادو کیا؟ وہ کسی معمولی تحفہ کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے؟"

طاہر کے تذبذب پر عبدالعزیز نے کہا۔ "میں نے یہ سوال صرف اس لیے پوچھا تھا

کہ آپ کو ذرا باخبر کر دوں۔ سپہ سالار براہ راست آپ سے یہ سوال نہ پوچھے لیکن وہ گول مول باتوں سے یہ راز معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ لیکن آپ اسے ٹالنے کی کوشش کریں اور اپنا سب سے قیمتی تحفہ خلیفہ کے لیے رکھ چھوڑیں۔"

طاہر نے کہا: "میں نے وزیر اعظم کو ایک ہیرا پیش کیا تھا اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو سپہ سالار کو بھی ایک ہیرا پیش کر دوں؟"

عبدالعزیز نے کہا: "اچھا ہوا آپ نے مجھ سے پوچھ لیا۔ سپہ سالار تحائف سے عہدے حاصل کرنے والے امیر زادوں سے بہت چڑتا ہے۔ وہ تحائف پیش کرنے والوں سے ہمیشہ کے لیے بدظن ہو جاتا ہے۔ اب چلیے وہ بہت پریشان ہو رہا ہوگا۔"

طاہر اور عبدالعزیز ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیے مکان سے باہر نکلے اور بگھی پر سوار ہو گئے۔ راستے میں عبدالعزیز نے کہا: "آپ کی دعوتوں کا سلسلہ شاید چند دنوں تک ختم نہ ہو۔ اس لیے اگر مناسب سمجھیں تو میں اپنے دوستوں کے ساتھ پرسوں صبح آ جاؤں گا۔ پرسوں جمعہ ہے اور ہمیں چھٹی ہوگی۔ نماز کے بعد ہم کشتی پر یا گھوڑوں پر سیر کے لیے جائیں گے۔"

تھوڑی دور آگے جا کر طاہر نے سوال کیا: "آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ سپہ سالار نے مجھے شرف ملاقات کیوں بخشا ہے؟"

عبدالعزیز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "جو نووارد وزیر اعظم سے ملتا ہے سپہ سالار اس سے ملاقات ضروری سمجھتے ہیں اور آپ سے ملنے کے لیے ان کی بے قراری کی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ نے قاسم کو مقابلے کی دعوت دی ہے۔ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ قاسم کی شہرت میں ایک نیا اضافہ شاید اس کے لیے فوج میں بلند ترین عہدہ حاصل کرنے کا سبب بن جائے۔ اس لیے وہ آپ سے غالباً یہ کہیں گے کہ برخوردار! اگر تم تلوار چلانا نہیں جانتے تو گھوڑوں کا انتظام میں کرتا ہوں۔ تم آج رات ہی بغداد سے روانہ ہو جاؤ، کسی

یاسی موضوع پر ان سے بات نہ کرتا۔ وہ ہر سیاست دان کو بغداد کے لیے خطرناک سمجھتے ہیں۔ان کے سامنے اپنے آپ کو ایک سادہ دل سپاہی ثابت کرکے تم ان کی ،جہ اور دلچسپی کے مستحق بن جاؤ گے۔ اگر علاؤالدین محمد شاہ کا ذکر آجائے تو یہ نہ کہہ دینا کہ دہ راستے کی برف باری کو بدشگونی سمجھ کر واپس چلا گیا تھا۔ وہ صرف یہ سن کر خوش ہوتے ہیں کہ خوارزم شاہ پر ان کی ہیبت چھا گئی تھی۔ یہ سُننے کے بعد اگر وہ اُٹھ کر قدآدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرنے لگیں تو آپ یہ ضرور کہہ دیں کہ خوارزم کی لومڑی کو شیر بغداد کے سامنے آنے کی جرأت کیونکر ہو سکتی تھی؟"

سپہ سالار کے مکان کے سامنے بگھی رُکی اور طاہر اور عبدالعزیز اندر داخل ہوئے ایک پہرے دار انھیں اُوپر کی منزل میں لے گیا۔ ملاقات کے کمرے سے باہر سپہ سالار کا محافظ کھڑا تھا۔اس نے ان دونوں کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے عبدالعزیز سے مخاطب ہو کر کہا "آپ نے بہت دیر لگائی۔آپ یہیں ٹھہریں۔میں انھیں اندر چھوڑ آؤں۔"

(۲)

محافظ طاہر کو اندر چھوڑنے کے بعد واپس آکر عبدالعزیز کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک حبشی غلام نے باہر آکر عبدالعزیز سے کہا "سپہ سالار آپ کو بلاتے ہیں۔"

عبدالعزیز کمرے میں داخل ہوا۔ سپہ سالار نے کہا "عبدالعزیز! انھیں ان کے گھر پہنچا آؤ اور دیکھو۔کل علی الصباح ان کے پاس جانا اور یہاں لانے سے پہلے ان کا اچھی طرح امتحان لے لینا۔ قاسم کو آج شام میں نے اس کے یونانی اُستاد کے ساتھ مشق کرتے دیکھا ہے۔ تمھیں معلوم ہے یہ یونانی کون ہے؟"

عبدالعزیز نے جواب دیا "اس کے متعلق میں نے ابھی معلومات فراہم نہیں کیں لیکن میں نے سنا ہے کہ وہ گزشتہ ہفتے اپنے بادشاہ کی طرف سے خلیفہ اور وزیراعظم کے پاس

چند تحائف لایا تھا اور اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ میں بہادری دکھا کر شاہِ فرانس سے انعام حاصل کیا تھا اور قاسم نے ایک معقول معاوضے پر اس کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔"

عمر رسیدہ سپہ سالار نے غصّے سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "اور اب وہ واپس جا کر یہ کہے گا کہ بغداد کے امراء کے لڑکے تیغ زنی سیکھنے کے لیے مغرب کے عیسائی اُستادوں کے محتاج ہیں۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو اُسے یہ بتا سکے کہ مسلمان تلوار کا کھیل سیکھنے کے لیے کسی اُستاد کا محتاج نہیں۔ یہ احساسِ کمتری ہمیں لے ڈوبے گا!"

عبدالعزیز نے کہا "اس بارے میں ہمارے جذبات آپ سے مختلف نہیں لیکن کاش وہ شخص محض ایک یونانی ہوتا۔ وہ وزیرِ اعظم کے صاحب زادے کا اُستاد ہے۔ ایک عام سپاہی اسے مقابلے کی دعوت کیونکر دے سکتا ہے؟ اگر قاسم کو مقابلے کی دعوت دینے کے لیے بھی ایک امیر زادہ ہونا ضروری نہ ہوتا تو اب تک اپنے متعلق اس کی خوش فہمی دُور ہو چکی ہوتی۔ طاہر کو ایک امیر زادہ فرض کر لیا گیا ہے اور اگر اسے ایک امیر زادہ فرض نہ بھی کیا جاتا تو صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار قاسم کے دل میں رقابت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے کافی تھی۔"

سپہ سالار نے کہا "لیکن یہ تماشہ خلیفہ کے سامنے ہوگا۔ قاسم کے اُستاد کے پاس شاہِ فرانس کا آفرین نامہ ہے۔ شاگرد نے اگر بازی جیت کر صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار حاصل کر لی تو کون کہہ سکتا ہے۔ چند سال بعد بغداد کی افواج کی قیادت کیسے لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی!"

عبدالعزیز نے کہا "مجھے طاہر کے متعلق اطمینان ہے۔ اگر شاگرد کے بعد کسی طرح اُستاد بھی میدان میں آجائے تو ممکن ہے کہ یہ کھیل اور بھی دلچسپ بن جائے۔"

"اُستاد کے بعد شاگرد! نوجوان تم دُور کی سوچنے میں ہمارے وزیرِ خارجہ سے کسی

طرح کم نہیں۔ آج سے تمھارا نام اپنے ذہین سالاروں کی فہرست میں درج کرتا ہوں، اُستاد کے بعد شاگرد!"

عبدالعزیز نے اپنی مسکراہٹ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "جی شاگرد کے بعد اُستاد!"

"ہاں ہاں شاگرد کے بعد اُستاد!" سپہ سالار نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اگر اس نوجوان نے ہماری توقعات پوری کیں تو اُن دونوں کی صورت دیکھنے والی ہوگی۔ شاگرد کے بعد اُستاد! عزیز! تم نے بہت دُور کی سوچی۔ اب بہت دیر تک مجھے نیند نہیں آئے گی۔ آج وزیر اعظم یہ خدشہ ظاہر کر رہے تھے کہ اگر کوئی قصیدہ گو شاعر آ گیا تو خلیفہ اس دلچسپ کھیل کو دیکھنے کے لیے آنے کا وعدہ بھول جائیں گے۔ میں یہ کوشش کروں گا کہ کل کوئی شاعر اس طرف کو نہ جانے پائے لیکن......!" اُس نے اچانک سنجیدہ ہو کر کہا "کل صبح اس نوجوان کو اچھی طرح آزما کر دیکھ لینا۔ اب اسے گھر چھوڑ آؤ!"

سپہ سالار کے محل سے نکل کر بگھی پر سوار ہوتے ہوئے عبدالعزیز نے طاہر کی طرف دیکھا اور ہنستے ہوئے کہا "اُستاد کے بعد شاگرد!"

طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا "تمھارا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ سپہ سالار نے میرے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد میرے بازوؤں کو ٹٹولتے ہوئے کہا "برخوردار! تمھارے بازو تو کافی مضبوط معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر تم تیغ زنی میں اپنی مہارت کا غلط اندازہ لگانے کے عادی ہو تو میرے بہترین گھوڑے تمھیں گھر پہنچانے کے لیے موجود ہیں۔ قاسم کے یونانی اُستاد کا نام کیا ہے؟"

"لوکس" عبدالعزیز نے جواب دیا "لیکن آپ پریشان نہ ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اُستاد شاگرد سے بہتر ثابت نہیں ہوگا۔"

اگر

میرا اور اس کا مقابلہ اس قدر دوستانہ فضا میں کُند تلواروں سے نہ ہوتا۔"

عبدالعزیز چاندنی کی روشنی میں غور سے طاہر کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دلفریب چہرہ جس پر اسے تھوڑی دیر پہلے ایک باعلم آدمی کی سنجیدگی نظر آتی تھی، اب سپاہیانہ وقار و جبروت کا آئینہ دار تھا۔

طاہر کے مکان کے سامنے پہنچ کر عبدالعزیز نے کہا۔ "اُتریے۔ آپ کا مکان آگیا۔"

لیکن وہ کسی گہرے خیال میں محو تھا۔ عبدالعزیز نے آہستہ سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "کیا سوچ رہے تھے آپ؟ کیا اُس یونانی کو تیغ زنی کا سبق دے رہے تھے؟"

طاہر نے چونک کر کہا۔ "نہیں نہیں۔ میرے لیے یہ مسئلہ اس قدر اہم نہیں۔ میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ چنگیز خان اس وقت کیا کر رہا ہوگا! ترکستان میں سلطان علاؤالدین کیا کر رہا ہے۔ مصر میں کیا ہو رہا ہے اور ہم بغداد میں کیا کر رہے ہیں۔ ہم زندگی سے کس قدر دُور ہیں؟"

طاہر بگھی سے اُترا۔ دروازے کے باہر زید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ طاہر نے کہا۔ "زید! تم ابھی تک سوئے نہیں؟"

زید نے غصّے، شکایت اور شفقت کے لہجے میں جواب دیا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ خالی ہاتھ شیروں کی کچھار میں جائیں اور مجھے نیند آجائے؟"

(۳)

شاہی محل کے سامنے ایک نصف دائرے میں سائبانوں کے نیچے دو قطاروں میں امرائے سلطنت کرسیوں پر رونق افروز تھے۔ ان کے پیچھے تیسری قطار میں نچلے طبقے کے حکام کھڑے تھے۔ درمیان میں ذرا اُونچے پلیٹ فارم پر ولی عہد ظاہر اور اس

کے نوجوان بیٹے مستنصر کی کرسیاں تھیں۔ طاہر اور مستنصر کے سامنے ایک میز پر سنہری
طشت میں صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار رکھی ہوئی تھی۔ سائبان اور شاہی محل کے برآمدے
کے درمیان میں خالی جگہ پر ایک سرخ رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا۔ اور محل کے برآمدوں
میں ریشمی پردوں کے پیچھے شاہی خاندان اور امیر گھرانوں کی خواتین بیٹھی ہوئی تھیں محل
کی دوسری منزل کی کشادہ گیلری کے درمیان ایک خوب صورت محراب کے نیچے ایک سنہری
کرسی دکھائی دیتی تھی اور شامیانے کے نیچے بیٹھنے والے تمام امراء کی نگاہیں اس کرسی پر لگی
ہوئی تھیں ولی عہد کے دائیں ہاتھ وزیر اعظم اور شہزادہ مستنصر کے بائیں ہاتھ سپہ سالار کی
کرسیاں تھیں اور دوسرے وزراء فوجی عہدے داروں اور بیرونی ممالک کے سفیروں کو ان
کے مراتب کے لحاظ سے بٹھایا گیا تھا۔ چنگیز خان کے سفیر کی کرسی وزیر اعظم کے ساتھ تھی اور
علاؤالدین محمد شاہ کا سفیر عماد الملک سپہ سالار کے قریب بیٹھا تھا۔

پہلی قطار کے ایک سرے پر قاسم کی کرسی تھی اور اس کے پیچھے دوسری قطار میں
طاہر بیٹھا ہوا تھا۔ طاہر کے بائیں ہاتھ تین کرسیاں چھوڑ کر قاسم کا فرانسیسی استاد بیٹھا ہوا
تھا اور طاہر کے عین پیچھے تیسری قطار میں عبدالعزیز کھڑا تھا۔

طاہر نے عبدالعزیز کی طرف مڑ کر دیکھا اور آہستہ سے کہا "کیا ہمارا مقابلہ اس
قالین پر ہوگا؟"

عبدالعزیز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "یہ خالی قالین تو صرف اس لیے ہے کہ
آپ کا مقابلہ وزیر اعظم کے صاحب زادے سے ہوگا اگر یہ مقابلہ شاہی خاندان کے کسی
فرد کے ساتھ ہوتا تو اس پر پھولوں کی سیج بھی بچھائی جاتی"

طاہر نے مسکراتے ہوئے پوچھا "کیا چوگان کے لیے بھی میدان میں قالین بچھائے
جاتے ہیں؟"

عبدالعزیز نے آہستہ سے اس کے کان میں جواب دیا "نہیں۔ لیکن اگر ہمارے

آپ کے بائیں ہاتھ چوتھی کرسی پر!"

طاہر نے بائیں طرف دیکھ اور کہا "ارے! یہ تو پوری تیاری کر کے آیا ہے"؟

عبدالعزیز نے کہا "آپ اسے ہر وقت اسی لباس میں دیکھیں گے۔ شاید یہ سوتا بھی اسی لباس میں ہے۔ آپ ہمت کریں۔ شاگرد کے بعد استاد کی باری ضرور آئے گی۔ شاید سپہ سالار شہزدہ مستنصر کے ساتھ اس وقت یہی بات کر رہا ہے۔"

طاہر نے سپہ سالار کی طرف دیکھا' وہ مستنصر سے سرگوشی کے انداز میں کوئی بات کہہ رہا تھا' قاسم نے طاہر کی طرف مڑ کر دیکھا اور ذرا بلند آواز میں کہا "آپ پریشان نہ ہوں' میں یہ کھیل بہت جلد ختم کر دوں گا۔"

اس کے جواب میں طاہر کی خاموشی پر لوکس نے ٹوٹی پھوٹی عربی میں کہا "لیکن اتنی جلدی نہ کرنا۔ اگر تم نے یہ تماشہ فوراً ختم کر دیا تو دیکھنے والوں کو مایوسی ہوگی۔"

آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی نگاہیں طاہر کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔ اس نے مڑ کر عبدالعزیز کی طرف دیکھا۔ طاہر کی پیشانی کی وہ رگ جسے عبدالعزیز نے صبح کے وقت کئی بار غور سے دیکھا تھا' اب پھر اُبھر رہی تھی۔ ایک لمحہ عبدالعزیز کی طرف دیکھنے کے بعد طاہر لوکس کی طرف متوجہ ہوا اور بولا "آپ مطمئن رہیں۔ دیکھنے والوں کو مایوسی نہیں ہوگی۔ شاید آپ کو بھی مایوسی نہ ہو۔ جب تک آپ خود اس بات کی خواہش نہیں کریں گے، یہ کھیل ختم نہیں ہوگا۔"

طاہر کے الفاظ میں ایک غایت درجہ کی خود اعتمادی تھی اور اپنے اُستاد کی طرح قاسم بھی اپنے جسم میں ایک ہلکی سی کپکپاہٹ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

دوسری طرف برآمدے میں ریشمی پردوں کے پیچھے خواتین کے اجتماع میں صفیہ سکینہ سے کہہ رہی تھی "دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ قاسم کی زبان اس کی تلوار سے زیادہ

تیز ہے۔

سکینہ نے کہا: "وہ کوئی دوستانہ بات کر رہے ہوں گے۔"

صفیہ نے کہا: "اگر کوئی دوستانہ بات ہوتی تو سلسلۂ کلام اس کے جواب پر ختم نہ ہو جاتا۔ قاسم کے منہ سے کوئی سخت بات نکل گئی ہوگی۔ اس کے یونانی اُستاد نے تائید کی ہوگی اور اب اس کا جواب سُن کر دونوں بھیگی بلیوں کی طرح سر جھکا کر بیٹھ گئے ہیں۔"

سکینہ نے کہا: "میرا بھائی تو ایک شیر کی طرح بیٹھا ہوا ہے۔ تم ہر بات فرض کر لیتی ہو۔ بھلا تمھارے پاس کیا ثبوت ہے کہ قاسم نے اس سے کوئی سخت بات کی ہے؟ اتنی دُور سے نہ کوئی بات تم سُن سکتی ہو اور نہ میں سن سکتی ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر میں یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ قاسم کی تلوار زیادہ تیز ہے یا زبان۔ قاسم اس کی ایسی گت بنائے گا کہ وہ دوبارہ تلوار کو ہاتھ لگانے کا نام نہ لے گا۔"

صفیہ نے کہا: "اور اگر قاسم کی گت بن گئی تو ـــــ؟"

سکینہ نے کہا: "صفیہ! خدا سے نیک دُعا مانگو۔ تمھیں اس اجنبی کے ساتھ اس قدر ہمدردی کیوں ہے؟"

صفیہ نے چونک کر جواب دیا: "مجھے ایک اجنبی کے ساتھ نہیں، اس مُجاہد کے بیٹے کے ساتھ ہمدردی ہے جس نے یروشلم پر مسلمانوں کی فتح کا جھنڈا نصب کر کے صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار حاصل کی تھی۔ میں نہیں چاہتی کہ اس کا بیٹا بھری محفل میں اپنے باپ کی اس مقدس امانت کا نا اہل ثابت ہو اور قاسم اس تلوار کو حاصل کر کے بھی کیا کرے گا؟"

"کیا وہ ایک سپاہی نہیں؟"

"سپاہی؟ سپہ سالار کی لڑکی سے پوچھو وہ کیسا سپاہی ہے۔ زیادہ جاننا چاہو تو

زمین پر چار منازل طے کرنے کے بعد سپہ سالار سے لڑکر گھر لوٹ آیا تھا۔ خوش قسمتی سے خوارزم کی افواج واپس چلی گئیں اور اسے باتیں بنانے کے لیے بہانہ مل گیا' ورنہ میں نے سُنا ہے کہ وہ رات کے وقت خواب کی حالت میں بھی چلاّ اُٹھتا تھا کہ " ترک آ گئے۔ بھاگو اپنی جانیں بچاؤ!" میں سچ کہتی ہوں کہ اگر وہ تمہارا بھائی ہونے کی بجائے ایک عام آدمی کا لڑکا ہوتا تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا جو میدانِ جنگ سے بھاگنے والے سپاہیوں سے کیا جاتا ہے۔"

سکینہ نے کہا "یہ سب سپہ سالار کی شرارت ہے۔ اس نے قاسم کو خلیفہ کی نظروں سے گرانے کے لیے ایسی باتیں مشہور کر رکھی ہیں لیکن آج اسے بھی یہ معلوم ہو جائے گا کہ بغداد کی افواج کی قیادت سنبھالنے کا حق دار کون ہے؟"

صفیہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ بالائی منزل سے نقیب نے بلند آواز میں کوئی ایک درجن القاب بول کر خلیفۃ المسلمین کی آمد کی خبر دی۔ شامیانے کے اندر بیٹھنے والے امراء نے اُوپر کی بالکنی کی طرف دیکھا اور اُٹھ کر تعظیم سے گردنیں جھکالیں لیکن طاہر گردن جھکانے کی بجائے دم بخود سا ہو کر سفید ریش خلیفہ کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے چہرے کے صحیح خدوخال کو بڑھاپے کی جھرّیوں نے چھپا رکھا تھا۔ دو حبشی غلاموں نے بوڑھے خلیفہ کو سہارا دے کر سنہری کرسی پر بٹھا دیا۔ اچانک دریچوں کے پردے گرے اور نقیب نے حاضرین کو بیٹھنے کا حکم دیا۔

(۴)

ایک فوجی افسر ثالث کے فرائض سرانجام دینے کے لیے میدان میں آکر کھڑا ہو گیا۔ ایک حبشی غلام سُنہری طشت میں چند تلواریں جو مشق کے لیے استعمال کی جاتی تھیں اُٹھائے ہوئے آگے بڑھا۔ ثالث کے اشارے پر قاسم اور طاہر اپنی کرسیوں سے اُٹھے

اور انکھوں کے طشت سے ایک ایک جوڑا اٹھالی۔ ... پر سر کالیا۔ طاہر نے اس کی تقلید کی۔ تماشائیوں پر ایک سکوت طاری تھا۔

تلواروں کی جھنکار آہستہ آہستہ بلند ہونے لگی اور اس جھنکار کے ساتھ ساتھ تماشائیوں کی زبانیں کھلنے لگیں۔

امراء جو اپنی کرسیوں پر ٹیک لگائے ہوئے آرام سے بیٹھے تھے، آہستہ آہستہ آگے کی طرف جھکنے لگے۔ قاسم کے حملوں کی تیزی بڑھ رہی تھی اور طاہر صرف اس کے وار روکنے پر اکتفا کر رہا تھا۔ تماشائی ایک طرف قاسم کی تندی اور تیزی کے معترف تھے تو دوسری طرف انھیں مدافعانہ جنگ میں طاہر کے کمال کا اعتراف تھا۔ وزیر اعظم اپنی کرسی پر اکڑا اکڑ کر بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا تو سپہ سالار اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کرسی سے بالشت بھر اونچا ہو رہا تھا۔ قاسم کا استاد لوکس اپنے شاگرد کے پے در پے حملوں کی ناکامی برداشت نہ کر سکا اور فرانسیسی زبان میں کچھ کہتا ہوا کھڑا ہو گیا لیکن پیچھے سے ایک قوی ہیکل فوجی افسر نے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے زبردستی دبا کر کرسی پر بٹھا دیا۔ اس نے تھوڑی دیر کے بعد پھر اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس دفعہ اس کی کرسی کے پیچھے عبدالعزیز پہنچ چکا تھا اور لوکس کو اپنے کندھوں پر نئے ہاتھوں کا دباؤ کہیں زیادہ حوصلہ شکن محسوس ہوا۔

دوسری طرف خواتین کے اجتماع میں صفیہ، سکینہ سے کہہ رہی تھی۔ "سکینہ! کیا تمھارے خیال میں بغداد کے مہذب نوجوان نے مدینے کے ایک بدّو کو مقابلے کی دعوت دے کر غلطی نہیں کی؟ قاسم کہتا تھا کہ پچاس گننے سے پہلے یہ کھیل ختم ہو جائے گا اور میں تین سو گن چکی ہوں۔"

سکینہ نے صفیہ سے زیادہ اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا "پگلی میں نے اسے کہا تھا کہ ذرا تھوڑا تماشہ ہونے دینا۔ وہ اسے ایک بچے کی طرح کھلا رہا ہے۔"

سکینہ نے کہا "تم دس دن تیغ زنی کی مشق کرنے کے بعد سمجھ بیٹھی ہو کہ تم اس فن کی اُستاد ہو گئی ہو۔ تم کیا جانو مردوں کے کھیل !"

صفیہ نے کہا "میں اپنے مقابلے میں تمھارے بھائی کی برتری کا اعتراف کرتی ہوں لیکن یہاں اس کا مقابلہ ایک مرد کے ساتھ ہو رہا ہے اور وہ بھی بدّو کے ساتھ، جو لڑے بغیر ہار نہیں مانے گا۔ دیکھو! قاسم اب اندھا دُھند وار کر رہا ہے اور وہ ابھی تک روکنے پر اکتفا کر رہا ہے۔"

طاہر کو بچاؤ کے لیے پیچھے ہٹتا دیکھ کر سکینہ نے مسرّت سے اُچھلتے ہوئے کہا "جسے وار کرنا ہی نہ آتا ہو وہ روکنے کے سوا اور کر ہی کیا سکتا ہے؟"

صفیہ نے کہا "اگر کہو تو پچاس کی گنتی اب پھر شروع کر دوں؟"

سکینہ نے جواب دیا "نہیں۔ اب تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کر لو۔ کہیں میرے بھائی کو تمھاری نظر نہ لگ جائے۔ جب تمھارا یہ بدّو تلوار پھینک کر زمین پر لیٹ جائے گا، میں تمھیں آنکھیں کھولنے کے لیے کہوں گی۔"

صفیہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اتنی باتوں کے باوجود ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے اُس نے ابھی تک دُعا نہ کی تھی اور آنکھیں بند کرنے کے بعد جب اس نے دُعا کا ارادہ کیا تو اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا کہ وہ کس کی فتح کے لیے دُعا کرے؟ قاسم اس کے چچا کا لڑکا تھا۔ اس کے خاندان کی تمام امیدیں اس کے ساتھ وابستہ تھیں اور اس کے علاوہ وہ اسے چاہتا بھی تھا۔ اپنی تمام کمزوریوں اور تمام کوتاہیوں کے باوجود قاسم اسے چاہتا تھا اور جب تک اس کے فوج سے واپس آنے کے بعد اس کی بزدلی کے افسانے مشہور نہ ہوئے تھے، اسے خود بھی اس سے نفرت نہ

تھی۔ جب وہ خوارزم شاہ سے مقابلے کے لیے روانہ ہونے لگا ...
کے لیے گھر سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا تھا تو صفیہ نے نہایت خلوص کے ساتھ اپنے
دل میں کہا تھا۔ قاسم! خدا تمھیں سلامتی سے واپس لائے اور جب بغداد کے لوگ
میدان میں تمہارے بہادرانہ کارناموں کے عوض تمہارے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالیں
تو میں بھی اپنے باغ کے بہترین پھول تمہارے لیے منتخب کروں اور پھر اگر سکینہ یہ کہے
کہ صفیہ تمھیں قاسم پسند ہے؟ تو میں بُرا نہیں مانوں گی۔ لیکن جب قاسم واپس آیا اور
اس کی بزدلی کے افسانوں کے ساتھ اس کی شراب نوشی کے قصّے مشہور ہوئے تو اُس
نے محسوس کیا کہ وہ اسے ہمیشہ نفرت سے دیکھتی تھی اور اظہارِ محبّت کے لیے قاسم کی بیہودہ
حرکتوں نے اس نفرت کی خلیج کو اور وسیع کر دیا تھا لیکن اس وقت قاسم۔ اس کے
چچازاد بھائی کا مقابلہ ایک اجنبی کے ساتھ تھا۔ وہ اجنبی جس کے متعلق وہ صرف اتنا جانتی
تھی کہ وہ ایک بہادر باپ کا بیٹا ہے اور اس کے پاس صلاح الدین ایوبیؒ کی نشانی ہے۔
صلاح الدین ایوبیؒ کے زمانے میں اس کے باپ نے بھی ہلال وصلیب کے معرکے میں
ایک گمنام سپاہی کی حیثیت میں حصّہ لیا تھا اس لیے اسے اسلام کے اس عظیم الشان مجاہد
کے نام سے عقیدت تھی۔ اور اسی عقیدت نے اس کے دل میں اس اجنبی کے لیے مروّت
کے جذبات پیدا کر دیے تھے لیکن کیا ظاہر سے ہمدردی کے لیے صرف یہی وجہ کافی تھی کہ
اس کے پاس صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار تھی؟ صفیہ بار بار اپنے دل سے یہ سوال پوچھ رہی
تھی اور ہر بار اس کا دل یہ گواہی دیتا تھا، نہیں، اگر کسی اور نوجوان کے پاس یہ تلوار ہوتی
تو شاید تجھے قطعاً متاثر نہ کر سکتا۔ صفیہ! صفیہ!! تو بھی ان نوجوان لڑکیوں میں سے ایک
ہے جنھوں نے مقابلہ شروع ہونے سے پہلے اس کی حسین صورت کو اپنے دھڑکتے ہوئے
دلوں کی نیک دُعاؤں کا مستحق سمجھ لیا تھا۔

اچانک تماشائیوں کی دبی ہوئی آوازیں بلند نعروں میں تبدیل ہونے لگیں لیکن

صفیہ آنکھیں کھولنے کی بجائے تصوریں یکے بعد دو صورتیں دیکھ رہی تھی۔ ایک ثانیے کے لیے اس کے سامنے فاتح قاسم کی مغرور صورت اور شکست خوردہ طاہر کی بیکس شکل تھی اور دوسرے لمحے میں وہ طاہر کے سامنے اپنے چچازاد بھائی کو گردن جھکائے دیکھ رہی تھی۔ خون کے رشتے نے جوش مارا اور اس نے جلدی سے دُعا کی "یا اللہ! قاسم کی فتح" لیکن اس کی زبان رُک گئی۔ وہ اجنبی جس نے اس کی زندگی کے سمندر میں پہلی بار ہلکی ہلکی موجیں پیدا کی تھیں، انتہائی بے بسی کی حالت میں یہ پوچھ رہا تھا "کیا میرے لیے تمہارا چچازاد بھائی نہ ہونا ایک گناہ ہے؟"

تماشائیوں کی بڑھتی ہوئی لے دے سن کر صفیہ نے آنکھیں کھولیں۔ طاہر کی مدافعت اب جارحانہ حملوں میں تبدیل ہو چکی تھی اور قاسم بدحواس ہو کر اُلٹے پاؤں میدان میں چکّر لگا رہا تھا۔ قاسم تین بار اُلٹے پاؤں بھاگتے ہوئے گرا لیکن طاہر نے اس کے سینے پر تلوار رکھ کر ہار منوانے کی بجائے ہر بار اسے اٹھنے کا موقع دیا۔ چوتھی بار گر کر قاسم نے اُٹھنے کی بجائے اپنی تلوار پھینک دی۔ طاہر نے آگے بڑھ کر اسے اُٹھانے کے لیے ہاتھ کا سہارا دینا چاہا لیکن اس نے طاہر کا ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹا دیا اور اُٹھ کر ڈگمگاتا ہوا اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ اس نے خود اُتار کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ وہ تھکے ہوئے گھوڑے کی طرح ہانپ رہا تھا اور اس کے چہرے سے پسینے کی دھاریں چھوٹ رہی تھیں۔ لوکس نے اٹھ کر اسے پسینہ پونچھنے کے لیے اپنا رومال پیش کیا لیکن قاسم نے اس کا ہاتھ جھٹک کر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ جب لوکس پریشان ہو کر اپنی کرسی پر بیٹھ رہا تھا، عبدالعزیز نے جھک کر اس کے کان میں کہا "یہ رومال اپنے لیے رکھیے ـــ ابھی لوگوں کی تسلی نہیں ہوئی۔ وہ آپ کے کرتب بھی دیکھنا چاہتے ہیں!"

لوکس کے لیے ہنس کر ٹالنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

بغداد کے امرا دبی زبان سے طاہر کو داد دے رہے تھے لیکن خوارزم کا سفیر اپنی کرسی سے اُٹھا اور آگے بڑھ کر مصافحے کے لیے طاہر کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا "نوجوان میں تمھیں مبارک باد دیتا ہوں۔ صلاح الدین ایوبیؒ کے بہادر سپاہی کے بیٹے سے ہمیں یہی توقع تھی!"

طاہر نے خود اتار کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ عماد الملک نے اس کا خود پکڑتے ہوئے اسے اپنا رومال پیش کیا۔ طاہر اس کے ہاتھ سے رومال لے کر اپنے چہرے سے پسینہ پونچھ رہا تھا کہ اُوپر سے نقیب نے اعلان کیا کہ خلیفۃ المسلمین جا رہے ہیں۔ حاضرین اُٹھ کر احترام کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ نقیب نے تھوڑی دیر بعد خلیفہ کے تشریف لے جانے کا اعلان کیا اور سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

طاہر، عماد الملک کے ہاتھ سے اپنا خود لے کر پسینہ پونچھتا ہوا اپنی جگہ پر بیٹھا۔ امرائے سلطنت کی نگاہیں وزیر اعظم پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے ذہنی کرب کو ایک سیاسی مسکراہٹ میں چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا:

"میں خلیفۃ المسلمین، ولی عہد سلطنت شہزادہ مستنصر اور امرائے بغداد کی طرف سے طاہر بن یوسف کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ تلوار جس کا اس نوجوان نے اپنے آپ کو بہترین حقدار ثابت کیا ہے، دولتِ عباسیہ کی بہترین خدمات سرانجام دے گی۔"

اس تقریر نے حاضرین کی جھجک دور کر دی اور وہ یکے بعد دیگرے اُٹھ کر طاہر سے مصافحہ کرنے لگے۔

سپہ سالار پھر ایک بار مستنصر سے سرگوشی کرنے کے بعد اُٹھا اور بلند آواز میں بولا:

"شہزادہ مستنصر باللہ کی خواہش ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے صلاح الدین ایوبیؒ

لی تلوار کمر میں باندھنے سے پہلے اس کا ایک اور امتحان لیں۔

ہمارے معزز مہمانوں میں سے ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ دنیا میں اس سے بہتر تیغ زن کوئی نہیں۔ اگر طاہر بہت زیادہ تھک نہ گیا ہو تو میں یہ درخواست کروں گا کہ وہ ہمارے معزز مہمان کی دعوت قبول کرے، کیونکہ طاہر کے پاس اگر صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار ہے تو ہمارے معزز مہمان لوکس کے پاس شاہِ فرانس کا آفرین نامہ ہے۔"

لوکس نے یہ سن کر آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ اپنی کرسی سے اُٹھا اور سر پر خود رکھ کر میدان میں آ کھڑا ہوا۔ طاہر پانی کا پیالہ پی کر مسکراتا ہوا اُٹھا۔ عبدالعزیز نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا: "آپ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ مقابلہ جلد ختم کرنے کی کوشش کریں۔" طاہر نے اطمینان سے اپنے سر پر خود رکھتے ہوئے کہا: "اس کے ساتھ میرا کھیل بہت مختصر ہوگا، تم فکر نہ کرو۔"

حبشی غلام نے آگے بڑھ کر تلواریں پیش کیں۔ لوکس نے اپنے لیے ایک تلوار اُٹھانے کی بجائے دو تلواریں اُٹھائیں اور ایک تلوار طاہر کی طرف پھینک دی۔ طاہر نے تلوار دبوچ لی اور اس کے وار کا انتظار کرنے لگا۔ لوکس طاہر کا طریقِ جنگ دیکھ چکا تھا۔ اس نے اس کی تھکاوٹ سے فائدہ اٹھانے کے لیے فوراً حملہ کر دیا لیکن بجائے اس کے کہ طاہر اس کا وار اپنی تلوار پر روکتا، اس نے جلدی سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس کا وار خالی جانے دیا اور جب لوکس کی تلوار کی نوک زمین کے ساتھ لگ چکی تھی، طاہر نے اپنی تلوار پوری طاقت کے ساتھ گھما کر اس کی تلوار کے ساتھ دے ماری۔ لوکس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور وہ خالی ہاتھ میدان میں کھڑا لوگوں کے قہقہے سن رہا تھا۔

شہزادہ مستنصر نے ولی عہد ظاہر شاہ کا اشارہ پا کر میز پر سے تلوار اٹھائی اور آگے بڑھ کر طاہر کی کمر کے ساتھ باندھ دی اور طاہر سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا: "ہمارے اسلحہ خانے میں اس سے زیادہ خوبصورت اس سے زیادہ چمک دار اور تیز تلواریں

ہیں۔ لیکن کاش آپ جیسے چند اور سپاہی بھی ہوتے۔ آپ یہاں سے نہ جائیے۔ ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔"

طاہر نے جواب دیا "جب تک آپ کو میری ضرورت ہے، میں یہیں ہوں۔"

"چلیے ابّا جان سے ملیے!"

طاہر ولی عہد کی کرسی کے قریب پہنچا۔ ولی عہد نے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا: "نوجوان! میرے اصطبل کا بہترین گھوڑا جس پر میں سوار ہونے کی حسرت اب تک پوری نہ کر سکا اور میرے اسلحہ خانے کی بہترین تلوار، جس کے استعمال سے میرے ہاتھ ناواقف ہیں، تمہیں انعام دیتا ہوں ــــ آج یہ چیزیں تمہارے پاس پہنچ جائیں گی۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے بیٹے سے مخاطب ہوا "مستنصر! مہمانوں کو رخصت کرنا اب تمہارا کام ہے۔ میں جاتا ہوں۔ میری طبیعت خراب ہے۔"

ولی عہد کے چلے جانے کے بعد اہلِ محفل اور زیادہ بے تکلف ہو گئے۔ وہ آگے بڑھ بڑھ کر طاہر سے مصافحہ کر رہے تھے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی چنگیز خان کے سفیر نے بھی طاہر کے ساتھ مصافحہ کیا لیکن اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے طاہر نے اپنے جسم میں ایک کپکپاہٹ محسوس کی۔

مجلس آہستہ آہستہ برخاست ہونے لگی۔ وزیرِ اعظم نے رخصت ہوتے ہوئے طاہر سے کہا "بیٹا! میرے ہاں رات کی دعوت نہ بھولنا!"

قاسم ابھی تک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وزیرِ اعظم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کرسی سے اٹھایا اور اپنے ساتھ لے کر محل کی طرف چل دیا۔

سب سے آخر میں طاہر کے گرد سپہ سالار اور دوسرے فوجی افسر رہ گئے۔ سپہ سالار نے عبدالعزیز کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا "استاد کے بعد شاگرد!"

عبدالعزیز نے کہا "شاگرد کے بعد استاد۔"

سپہ سالار نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "عزیز! تمھیں شکار کا بہت شوق ہے۔ میں کل سے تمھیں اور تمھارے دوستوں کو' لیکن آٹھ سے زیادہ نہ ہوں۔ تین دن کی چھٹی دیتا ہوں۔ طاہر کو ساتھ لے جاؤ!"

پردے کے پیچھے صفیہ سکینہ سے کہہ رہی تھی "سکینہ! دیکھا اس بدّو کو؟"

سکینہ خاموش تھی اور جب صفیہ اس کے ساتھ اپنے محل کی طرف جا رہی تھی وہ تمام راستہ اپنے دل میں بدّو کا لفظ دہراتی رہی۔ اس کے لیے اس لفظ کے معنی بدل چکے تھے۔

مرسلہ
کوثر جہاں فاروقی

خلیل جبران نے کہا

① جب اللہ نے مجھے ایک چھوٹی سی کنکری کی شکل میں عجیب و غریب سمندر میں پھینکا تو میں نے اس کی سطح پر بے شمار دائرے بنا کر اُس کے سکون کو برباد کر دیا لیکن جب میں اس کی گہرائیوں میں پہونچا تو وہی خاموشی مجھ پر بھی طاری ہو گئی جو اُس پر طاری تھی۔

② بیشک وہ ہاتھ جو کانٹوں کے تاج بناتے ہیں اُن ہاتھوں سے بہتر ہیں جو کچھ نہیں کرتے۔

شجرۂ نسب

نادر شاہ نے دلّی فتح کر لی تھی۔ مغل بادشاہ محمد شاہ شکست تسلیم کر چکا تھا۔ نادر شاہ نے اُس سے عزت و احترام کا سلوک کیا۔ دونوں میں دوستی ہو گئی۔ دوستی کو تقویت دینے کے لئے محمد شاہ نے اپنی بیٹی کی شادی نادر شاہ کے لڑکے نصر اللہ سے طے کر دی۔ نکاح کے موقعہ پر دلہن والوں کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ دولہا کا شجرۂ نسب ساتویں پشت تک سنایا جائے۔ فاتح نادر شاہ یہ سُن کر جلال سے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے دولہا کا شجرہ شروع کیا: "نصر اللہ بن نادر شاہ بن شمشیر بن شمشیر بن شمشیر بن شمشیر بن شمشیر......"

جنّت

لندن گول میز کانفرنس میں شریک ہونے کے بعد علامہ اقبالؒ اٹلی میں قیام پذیر تھے۔ وہاں کسی عورت نے جو اسلامی فنِ تعمیر کی دلدادہ تھی، ایک مصنوعی جنّت بنائی ہوئی تھی۔ اُس نے علامہؒ کو بھی اِس جنّت کی سیر کرائی اُور سیر کرانے کے بعد اُن سے اپنی خود ساختہ جنّت کے متعلق رائے معلوم کی۔ علامہؒ نے مسکرا کر کہا "جنّت بھی موجود ہے اُور حور بھی۔ کسر صرف ایک مردِ مومن کی ہے۔"

غور طلب

◎ روشنی کی رفتار تو ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ ہے، دیکھئے اِن سیاست دانوں کے دماغ تک کب پہونچے!

◎ احمق .... وہ جو سیاست دانوں کی بات کو سچ جانے۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں

میں نے ایک روز شام ڈھلے بچّے کو دیکھا کہ روشن شمع لئے جا رہا ہے۔ میں نے اُسے روک کر پوچھا "بیٹے! تم بتا سکتے ہو کہ یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے؟" بچّے نے سوال سنتے ہی لمحے کا توقف نہ کیا اُور پھونک مار کر شمع گل کر دی اُور مجھ سے کہنے لگا "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ روشنی کہاں چلی گئی؟"

گورکن

ایک گورکن خود قبر میں گر گیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کسی کے قدموں کی چاپ سُن کر آواز لگائی: ارے بھائی مجھے یہاں سے نکالو۔ سردی سے برا حال ہے۔ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں جواب ملا: حال تو برا ہوگا ہی۔ تمہارے اُوپر مٹی جو نہیں ڈالی گئی۔ اُور یہ کہہ کر اُس نے اُس پر ڈھیروں مٹی ڈال دی۔

زمانے کی گواہی

کیسی ہولی؟

دہلی کے ایک مشہور اخبار نے اپنے ۱۷ مارچ کے شمارے اداریہ میں "کیسی ہولی" کے عنوان سے اداریہ سپردِ قلم کیا ہے جس کا آخری پیراگراف پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ معاصر عزیز نے لکھا:

"ویسے بھی ان دنوں جس طرح ہولی منائی جانے لگی ہے وہ ایک سیکنڈل بن گیا ہے۔ اس سے زیادہ شرمناک بات اور کیا ہو گی کہ دہلی کے لڑکیوں کے کالج اور ہوسٹلوں پر پولیس کو خاص پہرہ دینا پڑتا ہے کیونکہ کالجوں کے لڑکے اُن پر حملے کر دیتے ہیں۔ اِن بے چاری لڑکیوں کو اپنی عزت بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ عجیب قسم کی ہولی ہے۔ مان نہ مان میں ترا مہمان جس کسی سے کوئی جان پہچان نہیں جس سے کوئی تعلق نہیں ہے، اُس پر رنگ پھینکنا یا اُس کے منہ پر زبردستی رنگ ملنا ہولی نہیں غنڈہ گردی ہے کس طرح کوئی شریف آدمی یہ سب برداشت کر سکتا ہے۔ اِس سے ہمارے سماج کی حالت کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے۔ کتنی گراوٹ آ گئی ہے ہم میں۔ اور ہمارے کالجوں میں پڑھنے والے نوجوان راہ چلتی لڑکیوں کو اِس طرح پریشان کریں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ پولیس کی تمام وارننگ کے باوجود ایک کالج کے چند لڑکوں نے ایک سرکاری بس کو اغوا کر کے اس کے ڈرائیور کو مجبور کر دیا کہ وہ بس کو ایک لڑکیوں کے کالج تک لے جائے۔ بے شرمی اور بے حیائی کی بھی حد ہے۔ ایسے نوجوانوں کو جیل میں نہیں بھیجنا چاہئے بلکہ انھیں پبلک مقام پر کوڑے لگنے چاہئیں۔"

یہ اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ جرم و سزا کا وہ تصور جو مہذب دنیا میں رائج ہے اور ہما

ملک کے بزعم خود "انسانیت دوست" دانشور جس کی شان میں قصیدہ خوانی کرتے نہیں، جرائم کی روک تھام میں قطعاً ناکام ہو چکا ہے اور جب آگ کی لپٹیں خود اُن کے دامن تک پہونچنے لگتی ہیں تو وہ اپنے آپ کو جرم و سزا کے اسی تصور کی وکالت پر مجبور پاتے ہیں جو اسلام کا عطا کردہ ہے۔
(دعوت)

اعداد و شمار بولتے ہیں

۱۵ مارچ ۱۹۸۴ء کو ایک سوال کے جواب میں حکومت نے راجیہ سبھا میں ایک بیان دیا۔ اِس میں یہ بتایا گیا کہ ۱۹۸۳ء کے دوران عورتوں سمیت درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبیلوں کے کتنے افراد ہلاک ہوئے اور عصمت دری کی کتنی وارداتیں ہوئیں۔ یہ بیان ریاستی حکومتوں کی فراہم کردہ اطلاعات پر مبنی تھا۔ یہ سرکاری بیان پیش خدمت ہے

ریاست کا نام	ہلاکتوں کی تعداد		عصمت دری کی وارداتیں		ریاست کا نام	ہلاکتوں کی تعداد		عصمت دری کی وارداتیں	
	اقوام مندرجہ فہرست	قبائل	اقوام مندرجہ فہرست	قبائل		اقوام مندرجہ فہرست	قبائل	اقوام مندرجہ فہرست	قبائل
آندھرا پردیش	۱۰	۱۰	۱۷	۵	مدھیہ پردیش	۱۰۸	۱۱۶	۱۸۳	۱۷۷
بہار	۵۹	۶	۷۵	۹	مہاراشٹر	۱۷	۱۳	۳۵	۲۰
گجرات	۲۰	۷	۸	۷	اڑیسہ	۹	۱	۷	۸
ہریانہ	۱	-	۲۳	-	پنجاب	۸	-	۷	-
ہماچل پردیش	۲	فراہم نہیں	۳	فراہم نہیں	راجستھان	۲۵	۹	۷۵	۱۹
جموں و کشمیر	۱	"	-	"	تملناڈو	۱۳	-	۸	-
کرناٹک	۱۵	۲	۹	-	اتر پردیش	۲۰۲	-	۱۴۸	-
کیرلا	۶	-	۱۴	۱	مغربی بنگال	۳	-	-	۵

وزیر داخلہ نے ایک سوال کے جواب میں ۵ ارمارچ ۱۹۸۴ء کو راجیہ سبھا میں جو بیان دیا وہ
[ذیل] بخدمت ہے:

[جر]م کی نوعیت	۱۹۸۱ء	۱۹۸۲ء	۱۹۸۳ء	جرم کی نوعیت	۱۹۸۱ء	۱۹۸۲ء	۱۹۸۳ء
[ق]تل	۲۰۰	۲۴۰	۲۴۷	چوری	۱۶۲۰۹	۱۳۶۲۶	۱۳۰۲۹
[ڈک]یتی	۲۴	۲۴	۱۵	عصمت دری	۶۶	۷۱	۸۲

(لوک لہر، نئی دہلی)

[ل]ڑکی ڈر گئی

اورنگ آباد:۔ دونوں نے ایک ساتھ خود کشی کرنے کا فیصلہ کیا لیکن آخری [لمحہ م]یں لڑکی پیچھے ہٹ گئی اور اُس کا عاشق اکیلا مر گیا۔

پولیس نے کہا کہ دونوں پڑھنی کے تھے اور قریبی جنگل میں زہر لے کر آئے تھے۔ نوجوان سدھاکر جوشی [نے] زہر کھا لیا لیکن، لڑکی جو کمسن تھی ڈر گئی اور بھاگ گئی۔

[گ]ریجویٹ شوہر اور ماں کو سزائے موت کا حکم

اجین سیشن [عد]الت نے دلہن کو جلانے کے مقدمہ میں ۲۳ سالہ گریجویٹ شوہر اور اُس کی ماں کو سزائے موت کا حکم دیا۔ [ڈس]ٹرکٹ اور سیشن جج مسٹر وی این شکلا نے ملزم کے دو قریبی رشتہ داروں کو شہادت نہ ہونے کی [وج]ہ سے بری کر دیا۔ استغاثہ کے بیان کے مطابق یہاں سندھی کالونی کے رہنے والے ہریش کمار کی [شا]دی جام نگر کے مسٹر نرائن سندھی کی لڑکی ہنسا بائی کے ساتھ پچھلے سال ۹ مئی کو ہوئی تھی۔

شادی کے بعد جہیز نہ ملنے کی وجہ سے اس کو اذیتیں دی جاتی تھیں اور اُسے والدین کے گھر جانے اجازت نہ تھی۔ استغاثہ کے بیان کے مطابق ہریش اور اُس کی ماں نے پچھلے سال ۱۹ اگست کو [ہنس]ا بائی کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور بعد میں مٹی کا تیل چھڑک کر اُسے جلا دیا۔ جج نے سزا کا حکم دیتے ہوئے

بھاکہ اس طرح کے سنگین جرم میں اس سے بھی سخت سزا ملنی چاہیے۔ سسرال والوں نے اس واقعہ کی اطلاع پولیس کو دی تھی اور خود کشی کا واقعہ درج کرایا تھا لیکن تفتیش سے یہ انکشاف ہوا کہ ہنسا بائی کو قتل کیا گیا ہے۔ وکیل صفائی نے بہر حال جرم سے انکار کیا تھا۔

مصر کے نوجوان

اس گئے گزرے اور گمراہ معاشرے میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جسے جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔ اخوان المسلمون کے لوگ صحیح معنوں میں مسلمان ہیں۔ انھیں دیکھ کر اور اُن سے مل کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور ایک اجنبی یہ تصور تک نہیں کر سکتا کہ اس کھوئی ہوئی تہذیب میں بھی کوئی ویسا شخص ہو سکتا ہے۔ اخوان کا مصر میں کافی رسوخ ہے اور دن بدن لوگوں کی ہمدردیاں اخوان سے بڑھتی جا رہی ہیں۔ اکثر بڑے بوڑھے اپنی موجودہ گمراہ تہذیب سے نالاں ہیں۔ اخوان المسلمون نے نوجوانوں کے اخلاق سدھارنے کے لئے بھی گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ مصر میں جو نوجوان اسلام کو صحیح معنوں میں قبول کئے ہوئے ہیں اُن کے اخلاق و کردار کی نظیر دنیائے اسلام کے کسی ملک کے نوجوانوں میں نظر نہیں آسکتی۔ میں ایسے نوجوانوں سے بھی ملا ہوں جن سے مل کر روح کو سکون ملتا ہے اور ایک مسلمان جب مصر کے معاشرے میں اس قسم کے نوجوانوں کو دیکھتا ہے تو اُس کے حوصلے بندھتے ہیں اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ خداوند قدوس ان نوجوانوں سے یقیناً اس گمراہ معاشرے کی اصلاح کا کام لے گا (سید نظیر الحسن گیلانی کے سفرنامہ مصر کا ایک اقتباس)

مٹی کا دیا

جھٹپٹے کا وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سرِ رہ لا کے روشن کر دیا

تاکہ رہ گیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گزر جائے ہر اک چھوٹا بڑا

یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑوں سے اور فانوس سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا

گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھئے
ہے اندھیرا گھپ در و دیوار پر چھایا ہوا

سرخرو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

(مولانا حالی)

امام الدین میرٹھی

حکایاتِ شیخ الحدیث

از کتاب 'تبلیغی نصاب' فضائل ذکر صن ۹۰

مرتبہ فخر الاماثیل نور حشمانِ اکابرین و کاملین شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

ایک کافر بادشاہ کا قصہ ہے کہ نہایت متشدّد و متعصب تھا۔ اتفاق سے مسلمانوں کی ایک لڑائی میں گرفتار ہوگیا۔ چونکہ مسلمانوں کو اُس سے بہت تکلیفیں پہونچی تھیں اِس لئے انتقام کا جوش اُن میں بھی بہت تھا۔ اُس کو ایک دیگ میں ڈال کر آگ پر رکھ دیا۔ اُس نے اوّل اپنے بتوں کو پکارنا شروع کیا اور مدد چاہی۔ جب کچھ نہ بن پڑا تو وہیں مسلمان ہوا اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ورد شروع کیا۔ لگاتار پڑھ رہا تھا۔ اور ایسی حالت میں جس خلوص اور جوش کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے ظاہر ہے۔ فوراً اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے مدد ہوئی اور اِس زور سے بارش ہوئی کہ وہ ساری آگ بھی بجھ گئی اور دیگ بھی ٹھنڈی ہوگئی۔ اِس کے بعد زور سے آندھی چلی جس سے وہ دیگ اُڑی اور دور کسی شہر میں، جہاں سبھی کافر تھے، جا گری۔ یہ شخص لگاتار کلمہ طیبہ پڑھ رہا تھا۔ لوگ اِس کے گرد جمع ہوگئے۔ وہ اِس عجوبے کو دیکھ کر متحیّر تھے۔ اُس سے حال دریافت کیا۔ اُس نے اپنی سرگزشت سنائی جس سے وہ لوگ بھی مسلمان ہوگئے۔

(تبلیغی نصاب۔ فضائل ذکر صن ۹۰) مرسلہ ساجدہ امام الدین۔ بمبئی

اِس حکایت پر ہمیں یاد آیا۔ ایک بار حضرت علیؓ نے غصے کی حالت میں ایک زندیق کو آگ میں

جلانے کا حکم دیا۔ صحابہؓ نے مخالفت کی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ اور دوسرے صحابہؓ نے حضورؐ کے ارشادات سنائے کہ آگ کا عذاب دینے کا حقدار صرف اللہ ہے۔ یہی بات آپؐ نے اُس وقت فرمائی جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ بچہ تھے اور اُنھوں نے اور اُن کے ساتھی بچّوں نے چیونٹیوں کو جلایا تھا۔

دوسری بات یہ کہ یورپ کے مستشرقین اور ہندوستان کے متعصّب صاحبانِ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اسی طرح کے لایعنی قصّے گھڑنے اور شائع کرنے میں کیا کم ہیں کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے ایک اور قصے کا اضافہ فرما دیا۔ اب اگر کسی ہندو نے ہم سے مسلمانوں کے انتقامی جذبے کے تحت یہ ظالمانہ قصہ سُنایا تو ہم کیا جواب دیں گے۔ اگر ہم کہیں کہ یہ بات غلط ہے تو وہ معترض کہے گا کہ کیا حضرت شیخ الحدیثؒ غلط لکھ سکتے ہیں۔ وہ زیادہ عالم ہیں یا تو؟ کہاں ہیں وہ علماء دین شرع متین جو قرآن و حدیث کی روشنی میں بتاتے ہیں کہ اضطرار کی کیفیت میں لایا ہوا ایمان مقبول نہیں ہے ورنہ فرعون کے اس ایمان کو ضرور قبول کر لیا جاتا جس کو دریائے نیل میں غرق ہوتے وقت اُس نے اختیار کیا تھا۔ نیز آج تک کوئی بھی شخص ایمان کے دونوں اجزا (۱ لا الٰہ الا اللہ ۲ محمد رسول اللہؐ) کا اقرار کئے بغیر مسلمان نہیں ہوتا مگر تبلیغی نصاب کا کافر صرف لا الٰہ الا اللہ کے بار بار پڑھنے سے مسلمان ہو جاتا ہے۔ اور ایسا مسلمان کہ فوراً ہی اللہ کی مدد بھی پہونچ گئی اور مسلمانوں کی آتشِ انتقام گلزار ابراہیم بن گئی...... یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ نہ معلوم کتنے عظیم صحابہؓ کو مسیلمہ بن کذاب نے قیمہ قیمہ کر ڈالا۔ نہ معلوم کتنوں کو ابوجہلوں نے قتل کر ڈالا۔ لیکن کوئی صحابیؓ اِس مرتبے کو نہ پہونچ سکا جسے اللہ بروقت مدد پہونچا کر بچا لیتا۔ قرآن پاک میں صرف حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ اور کسی نبی کو ایسی مدد نہ پہونچ سکی۔

بوڑھاپے کی موت

جناب امام الدین صاحب کی صاحبزادی مِس ساجدہ امام نے جب یہ اقتباس مجھے بھیجا تو میں نے کتاب "تبلیغی نصاب" صنہ۹ مرتبہ فخرالاماثیل، نورِ چشمانِ اکابرین و کاملین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ (نور اللہ مرقدہٗ) سے لفظ بلفظ ملایا۔ پھر یہ دیکھنے کے لئے کہ اِس کا سیاق سباق کیا ہے، اِس حکایت

پہلے دو ایک صفحات اَور دو ایک بعد کے صفحات پڑھے تو اس سے زیادہ دلچسپ حکایت نظر سے
ری اَور وہ ہم بوڑھوں کے لئے بڑے اطمینان اَور تقویت کا باعث بنی۔ میری عمر ۶۵ سال کی ہو گئی۔
طور پر ستّر بہتّر ہو کر انسان بوڑھا مان لیا جاتا ہے۔ مجھے یہ فخر ہے کہ میں اِس لمِٹ سے آگے
۔ آگے جو واقعہ آپ پڑھیں گے اُس کی رُو سے میرے جنتی ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ خوشخبری ہو
تمام بوڑھوں کو جو بوڑھاپے میں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ فخر الاماثیل نورِ چشمانِ اکابرین و کاملین حضرت
الحدیث رح کی تحقیق کے گُن گائیں۔ میں پہلے لکھنے والا تھا کہ اُن کو دعا دیں لیکن اب دعا کی ضرورت
لیا ہے۔ حضرت جی بھی بوڑھے ہو کر مرے۔ ارے توبہ! یہ حضرت جی صاحبان مرتے کب ہیں۔ یہ تو
ال فرماتے ہیں۔ واصِل بحق ہوتے ہیں۔ پردہ فرماتے ہیں۔ مولانا سیّد ابو الحسن علی میاں لکھتے ہیں
شنبہ کو عصر و مغرب کے درمیان وصال فرمایا (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۷۹ کتاب: حضرت شیخ الحدیث
لانا محمد زکریا مرحوم)۔ وصال کے وقت پاس موجود ہونے والوں میں فلاں فلاں (اُن کے نام لکھے
) حضرات تھے"۔ حضرت جی کے جنّتی ہونے کا ثبوت ملاحظہ ہو۔ علی میاں مدظلہ العالی اِس کتاب
صفحہ ۱۸۲ پر لکھتے ہیں "تدفین کے بعد حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے ایک مجاز نے دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے فتحت
اب الجنۃ الثمانیۃ یعنی ان کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے گئے"۔ پھر
ین سطروں کے بعد لکھتے ہیں "گویا حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تمہارے شیخ کو
اعلیّین میں جگہ دی گئی ہے"۔ پھر لکھتے ہیں کہ اِنسان لاکھوں کروڑوں میں کوئی کوئی ہوتا ہے۔
سے خیال میں 'کوئی کوئی' کہہ کر علی میاں نے حضرت شیخ رح کے مراتب عالیہ کا پورا پورا حق ادا نہیں
ا، لکھنا چاہیئے تھا کہ آج تک اَیسا کوئی ہوا ہی نہیں۔

تصوف کی اِصطلاح میں واصِل بحق ہوتے یا وصال فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ میں مِل گیا۔
حدۃ الوجود کا فارمولہ یا کرامت ہے۔ یہی وہ بات ہے کہ اِنسان کی روح چوراسی ہزار یونی بدلنے کے
پاک ہوتی ہے اَور یہ پاک شدہ روح ایشور میں مِل جاتی ہے۔ قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا
جائے۔ اِس فارمولے کو سامنے رکھ کر ایک عظیم صوفی نے انا الحق (میں ہی خدا ہوں) کا دعویٰ کیا اَور

ایک حضرت فرماتے ہیں 'اِنّی سُبحانی' (میں ہی سُبحان ہوں) ۔ یہ تو وہ مجذوب ہیں ۔ ہم نے جب تصوف کا مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ ایں خانہ ہمہ آفتاب شد یعنی اِس لنکا میں جو راون ہے باون ہاتھ سے کم نہیں ہے ۔

اَب وہ حکایت سنئے جو ہم بوڑھوں کے لئے جنّت کا مژدہ اَور جنّت کی بشارت ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں فضائل ذکر عکسی صـ۸۹ ۔

"یحییٰؒ بن اکثم ایک محدّث ہیں ۔ جب اُن کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے اُن کو خواب میں دیکھا ۔ اُن سے پوچھا کیا گزری ۔ فرمانے لگے کہ میری پیشی ہوئی ۔ مجھ سے فرمایا گیا او گناہ گار بوڑھے تو نے فلاں کام کیا ، فلاں کیا ۔ میرے گناہ گنوائے گئے اَور کہا گیا تو نے اَیسے اَیسے کام کئے ہیں ۔ میں نے عرض کیا یا اللہ مجھے آپ کی طرف سے یہ حدیث نہیں پہونچی ۔ فرمایا اَور کیا حدیث پہونچی ۔ عرض کیا مجھ سے عبدالرزاقؒ نے کہا اُن سے معمرؒ نے کہا اُن سے زہریؒ نے کہا اُن سے عُروہؒ نے کہا اُن سے حضرت عائشہ رضؓ نے کہا اُن سے حضور اَقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اُن سے حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا اُن سے آپ نے فرمایا کہ جو شخص اِسلام میں بوڑھا ہوا اَور میں اُس کو (اُس کے اعمال کی وجہ سے) عذاب دینے کا ارادہ بھی کروں لیکن اُس کے بڑھاپے سے شرما کر معاف کر دیتا ہوں اَور یہ آپ کو معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہوں ۔ ارشاد ہوا کہ عبدالرزاقؒ نے سچ کہا اَور معمرؒ نے بھی سچ کہا ۔ زہریؒ نے بھی سچ کہا عُروہؒ نے بھی سچ نقل کیا ۔ عائشہ رضؓ نے بھی سچ کہا اَور نبیؐ نے بھی سچ کہا اَور جبرئیلؑ نے بھی سچ کہا اَور میں نے بھی سچّی بات کہی ۔ یحییٰؒ کہتے ہیں کہ اِس کے بعد مجھے جنّت میں داخلہ کا ارشاد فرما دیا ۔"

لطیفہ

ایک مسلمان بزرگ کی خدمت میں ایک غیر مسلم عقیدتمند عرصۂ دراز سے حاضری دے رہا تھا ۔ مدّت گزر گئی مگر یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا ۔ بزرگ کے ایک مُرید نے غیر مسلم سے ایک دن کہا کہ برسوں سے تم ہمارے ساتھ رہتے ہو پھر اسلام کیوں نہیں لے آتے ۔ غیر مسلم نے کہا کہ میں ان بزرگ جیسا تو ہو نہیں سکتا جس کی مجھے خواہش ہے اَور مسلمان بن کر تم جیسا ہرگز ہونا نہیں چاہتا ۔ یہ اسلام کو بدنام کرنے کے مترادف ہے ، اِس لئے میں ایسا ہی بھلا ہوں ۔

دین

…. تسنیم [illegible]

قرآن نے لفظ "دین" کو جن معنوں میں استعمال کیا ہے، میں کوشش کروں گی کہ وہ تمام معنی اس مضمون کے پڑھنے والے بھائیوں اور بہنوں کے سامنے آجائیں۔ سب سے پہلے میں سورہ آل عمران کی آیت ۱۹ نقل کرتی ہوں۔ فرمایا :۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ یعنی خدا کے نزدیک دین وہی ہے جس میں انسان صرف اللہ کو عزت والا مانے اور اُس کے سوا کسی کے آگے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ صرف اللہ کو آقا اور مالک اور سلطان سمجھے اور اُس کے سوا کسی کا غلام، فرمانبردار اور تابعدار بن کر نہ رہے۔ صرف اللہ کو حساب کرنے اور جزا و سزا دینے والا سمجھے اور اُس کے سوا کسی کے حساب سے نہ ڈرے، کسی کی جزا کا لالچ نہ کرے اور کسی کی سزا کا خوف نہ کھائے۔ اسی دین کا نام 'اسلام' ہے۔ اگر اس کو چھوڑ کر انسان نے کسی اور کو اصلی عزت والا، اصلی حاکم، اصلی بادشاہ اور مالک، اصلی جزا و سزا دینے والا سمجھا اور اُس کے سامنے ذلت سے سر جھکایا، اُس کی بندگی و غلامی کی، اُس کا حکم مانا، اُس کی جزا کا لالچ اور سزا کا خوف کھایا تو یہ جھوٹا دین ہوگا۔ اللہ ایسے دین کو ہرگز قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ خدا کے سوا کوئی دوسری ہستی کائنات میں اصلی عزت والی نہیں ہے۔ نہ کسی اور کی سلطنت اور بادشاہی ہے۔ نہ کسی اور کی بندگی اور غلامی کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ نہ اس مالک حقیقی کے سوا کوئی اور جزا و سزا دینے والا ہے۔

یہی بات دوسری آیتوں میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے :۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران ۸۵) یعنی جو شخص خدا کی سلطانی اور بادشاہی کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا مالک اور حاکم مانے گا اور اُس کی بندگی اور غلامی اختیار کرے گا اور اُس کو جزا و سزا دینے والا سمجھے گا اُس کے دین کو خدا ہرگز قبول کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے کہ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ (البیّنۃ۔ ۵) یعنی انسانوں کو خدا نے اپنا بندہ بنایا اور اپنے سوا کسی

اَور کی بندگی کرنے کا اُسے حکم ہی نہیں دیا۔ اُن کا تو
فرض یہ ہے کہ سب سے منہ موڑ کر صرف اللہ
کے لئے اَپنے دین یعنی اپنی اطاعت اَور غلامی کو
مخصوص کر دیں اَور یکسو ہو کر صرف اُس کی بندگی
کریں اَور صرف اُسی کے حساب سے ڈریں۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ
كَرْهًا وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (آل عمران ۸۳)

کیا اِنسان خدا کے سوا کسی اَور کی غلامی اَور
فرمانبرداری کرنا چاہتا ہے حالانکہ زمین اَور
آسمان کی ساری چیزیں صِرف خدا کی غلام اَور
فرمانبردار ہیں اَور اِن ساری چیزوں کو اَپنے حساب
کتاب کے لئے کسی اَور کی طرف نہیں جانا ہے۔
کیا اِنسان زمین اَور آسمان کی ساری کائنات
کے خِلاف ایک نرالا راستہ اَپنے لئے نکالنا چاہتا ہے

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ (التوبۃ ـ ۳۳)۔

اللہ نے اَپنے رسولؐ کو سچے دین کا علم
دے کر اِسی لئے بھیجا ہے کہ وہ سارے جھوٹے
خداؤں کی خدائی ختم کر دے اَور انسان کو اَیسا
آزاد کر دے کہ وہ خداوند عالم کے سِوا کسی کا بندہ
بن کر نہ رہے چاہے کفار و مشرکین اِس پر اپنی
جہالت سے کتنا ہی واویلا مچائیں اَور کتنی ہی ناک
بھوں چڑھائیں۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ
وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (الانفال ۳۹)

اَور تم جنگ کرو تاکہ دنیا سے غیر اللہ کی
فرمانروائی کا فتنہ مٹ جائے اَور دنیا میں بس
خدا ہی کا قانون چلے، خدا ہی کی بادشاہی تسلیم
کی جائے اَور اِنسان صِرف خدا کی بندگی کرے۔

اِس تشریح سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ
دین کے معنی کیا ہیں: خدا کو آقا اَور مالک اور حاکم
ماننا، خدا ہی کی بندگی، غلامی اَور تابعداری کرنا
اَور خدا کے حساب سے ڈرنا، اُس کی سزا کا
خوف کھانا اَور اُسی کی جزا کا لالچ کرنا۔

پھر چونکہ خدا کا حکم اِنسانوں کو اُس کی
کتاب اَور اُس کے رسولؐ ہی سے پہونچتا ہے،
اِس لئے رسولؐ کو خدا کا رسولؐ اَور کتاب کو خدا
کی کتاب ماننا اَور اس کی اطاعت کرنا بھی دین
ہی میں داخل ہے جیسا کہ فرمایا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ

مْنكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ لا فَمَنِ
تَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o (الاعراف - ۳۵)

یعنی اے بنی آدم! جب میرے رسول تمہارے پاس میرے احکام لے کر آئیں تو جو شخص تم میں سے ان احکام کو مان کر پرہیزگاری اختیار کرے گا اور اُن کے مطابق اپنا عمل درست کرے گا اُس کے لئے ڈر اور رنج کی کوئی بات نہیں ہے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ براہ راست ہر انسان کے پاس اپنے احکام نہیں بھیجتا بلکہ اپنے رسولوں کے واسطے سے بھیجتا ہے۔ اس لئے جو شخص اللہ کو حاکم مانتا ہو وہ اس کی فرمانبرداری صرف اسی طرح کر سکتا ہے کہ اُس کے رسولوں کی فرمانبرداری کرے اور رسول کے ذریعہ سے جو احکام آئیں اُن کی اطاعت کرے۔ اِسی کا نام دین ہے

TASNEEM KOASER D/O Mohd
Qutbuddin Sahib
Railway station master
Malkapur 443101
Distt. Buldana (M.S)

خدا کے خلاف مقدمہ درج :: پولیس مجرم کی تلاش میں

فیض آباد :۔ جس بھگوان یا خدا کو بڑے بڑے رشی مُنی اور پیر پیغمبر جنگلوں اور پہاڑوں میں تپسیا کر کے بھی نہیں پا سکے اُس کی تلاش فیض آباد کی پولیس کر رہی ہے مگر اِس فرق کے ساتھ کہ جہاں رشی مُنی بھگوان کو آرادھیہ (आराध्य) دیو کے طور پر پانا چاہتے ہیں پولیس اُسے ایک مجرم کے طور پر گرفتار کرنا چاہتی ہے۔ گوسائیں گنج تھانہ کے علاقہ کے ایک شخص رمضان ٹانڈوی نے تھانہ میں رپورٹ لکھائی ہے کہ خدا نے اس کی زندگی تباہ کر دی ہے ٹانڈوی نے اتحادی سبھا کو بھی ایک خط بھیجا ہے جس میں سرکار کی طرف سے خدا کے خلاف کارروائی نہ کرنے اور خدا اور سرکار میں سازباز کا الزام لگاتے ہوئے انصاف کی مانگ کی ہے۔ خبروں کے مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۸۰ء کو ٹانڈوی نے گوسائیں گنج تھانہ میں رپورٹ درج کرائی تھی کہ برسوں سے خدا اُسے پریشان کر رہا ہے اور اُس نے اس کی زندگی تباہ کر دی ہے۔ (شائع شدہ روزنامہ ہند سماچار۔ جالندھر ۲۳ مارچ ۱۹۸۴ء)

حکمت کے موتی

دانائی کی باتیں

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رہبرِ کامل ہی نہیں، طبیبِ اعظم بھی ہیں۔ آپؐ نے جن آراء سے صحابہ کرامؓ کو نوازا وہ آج کے اطباء اور ڈاکٹروں کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

آپؐ کا ارشاد ہے "کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا برکت کا سبب ہے" منشا یہ ہے کہ کھانے سے قبل ہاتھ دھوکر تولیہ وغیرہ سے خشک نہ کئے جائیں تاکہ تولیہ کے جراثیم منتقل نہ ہو سکیں۔

آپؐ نے بسیار خوری سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے "مومن ایک انتڑی میں کھاتا ہے اور کافر سات انتڑیوں میں" موجودہ تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ بسیار خوری کی وجہ سے بلڈ پریشر، امراضِ قلب، بد ہضمی، قبل از وقت بڑھاپا اور ذیابیطس جیسے امراض لاحق ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح چبا چبا کر کھانے سے لعابِ دہن غذا میں شامل ہو کر اُسے ہضم ہونے میں مدد دیتا ہے۔

کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنا سنت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا "جس شخص کو مٹی کھانے کی عادت ہو گویا وہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔" ہم جانتے ہیں کہ مٹی میں پیراسائیٹ کے انڈے ہوتے ہیں جو بعد میں خون چوستے ہیں اور نظامِ ہضم کو خراب کر دیتے ہیں۔ آپؐ نے گوشت کو غذاؤں کا سردار قرار دیا ہے اور سبزیاں کھانے کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا ہے۔ موجودہ اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ گوشت میں تقریباً تمام اجزائے خوراک موجود ہیں اور سبزیوں میں وٹامنز مطلوبہ مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

آپؐ نے ٹوٹے ہوئے پیالے کی دراڑ سے پانی پینے سے منع فرمایا کیونکہ دراڑ میں جراثیم وغیرہ جمع ہوتے ہیں جس سے بیماری کا احتمال ہوتا ہے

آپؐ کے ارشادات اور قرآنی آیات کے مطابق سؤر کا گوشت حرام قرار دیا گیا ہے۔ جدید سائنسی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اور بہت سی بیماریوں کے جراثیم کے علاوہ سؤر کے گوشت میں ایک خاص قسم کا پیراسائیٹ SPIRALIS TRICHIELLA پایا جاتا ہے جو انسانی جسم کو ایک نہایت تکلیف دہ مرض TRICHI-NOSIS میں مبتلا کر دیتا ہے۔

آپؐ نے پیٹ کے بل لیٹنے سے منع فرمایا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس طرح دل اور معدہ صحیح کام نہیں کر سکتے۔ اسی طرح کھانا کھانے کے فوراً بعد سونا بھی صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے "بخار دوزخ کی بھاپ ہے۔ تم اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔" آپؐ نے تیس روز تک ٹھنڈا پانی ڈالنے کے بارے میں فرمایا ہے۔ ڈاکٹر حضرات جانتے ہیں کہ یہ تشخیص کے نقطہ نگاہ سے کس قدر اہم ہے۔ آپؐ نے فرمایا "دو شفا دینے والی چیزوں کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ ایک شہد اور دوسرا قرآن۔" شہد کے شفا بخش اثرات سے موجودہ میڈیسن انکار نہیں کر سکتی۔ اس میں وٹامنز اے، بی اور سی کافی مقدار میں موجود ہوتے ہیں۔

اللہ کے رسولؐ نے فرمایا "بے شک نماز میں شفا ہے۔" اس مختصر جملے میں بیشمار حکمتیں پوشیدہ ہیں جن کا ادراک مشکل ہے۔

نماز بہترین ورزش ہے۔ نماز کی رکعتوں کی ترتیب کچھ ایسی ہے کہ جب معدہ خالی ہوتا ہے تو رکعت کی تعداد کم ہوتی ہے مثلاً فجر، عصر، مغرب۔ مگر کھانے کے بعد ظہر اور عشاء کی رکعتیں زیادہ ہیں۔ رمضان المبارک میں افطار کے بعد زیادہ کھایا جاتا ہے۔ اس طرح عشاء میں تراویح کی رکعتوں کا اضافہ ہے۔ کوئی عضو ایسا نہیں جس کی نماز میں از خود بہترین ورزش نہیں ہو جاتی۔

تکبیر اولیٰ میں کہنی کے تمام عضلات اور کندھے کا جوڑ حصہ لیتے ہیں۔ اقامت میں کلائی کے آگے پیچھے والے عضلات حصہ لیتے ہیں اور رکوع کی حالت میں کولہے کا جوڑ، کہنیاں، کلائی اور کمر کے تمام عضلات بڑی سختی سے عمل کرتے ہیں۔ اس طرح سجدے میں کولہے، گھٹنے، ٹخنے، اور کہنیوں پر دباؤ اور جھکاؤ ہوتا ہے۔ ٹانگوں، رانوں اور کمر کے عضلات کھنچے ہوتے ہیں۔ سجدہ

کی حالت میں خون دماغ کو پہونچتا ہے۔ اسی لئے
نمازی لوگوں کو بڑھاپے میں حافظہ کی کمزوری
کی شکایت کم ہوتی ہے۔ تشہد میں ٹخنے اور
پاؤں کے عضلات حصہ لیتے ہیں۔ سلام پھیرتے
وقت گردن کے دونوں طرف کے عضلات
کام کرتے ہیں۔ نماز کے یہ فوائد اُن بیشمار فوائد کا ایک
بہت معمولی حصہ ہیں جو انسان کی معاشرتی،

اخلاقی اور روحانی زندگی پر مثبت اثرات
مرتب کرتے ہیں۔ حضور پاکؐ کے ہر فرمان میں
حکمت ہی حکمت ہے خواہ ہمیں ظاہری طور پر
نظر آئے یا نہ آئے۔ ہمارا یہ یقین ہونا چاہئے کہ
دنیا و آخرت کی کامیابی آپؐ کے بتلائے ہوئے
طریقوں کے مطابق زندگی گزارنے میں ہے۔
اللہ پاک ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سخت ضرورت ہے

مجھے ایک پمفلٹ کی ضرورت ہے۔
یہ پمفلٹ آج سے کم و بیش تیس بتیس برس
پہلے چھپا تھا۔ میں حضرت مولانا...... کی
سوانح حیات لکھ رہا ہوں۔ پمفلٹ جس کی
مجھے سخت ضرورت ہے اس میں سے مندرجہ
ذیل اقتباس مع صفحہ لینا ہے۔ عبارت مجھے
زبانی یاد ہے لیکن ضرورت ہے پمفلٹ کی۔
اسے اس حوالے کے ساتھ دینا ہے:
○ پمفلٹ کا نام۔ مکالمۃ الصدرین
○ سن اشاعت ○ کس مطبع میں چھپا
○ ناشر کا نام ○ صفحہ نمبر۔ عبارت یہ ہے:
"مولانا شبیر احمد عثمانی: کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ
وائسرائے کی طرف سے پندرہ ہزار روپیہ بطور ہدیہ
اے۔ رشید بندوق والے کے ذریعہ مولانا..... کی
خدمت میں پیش کئے گئے تھے اور اُنھوں نے یہ
ہدیہ قبول کر لیا تھا؟
مولانا حفظ الرحمٰن: جی ہاں، صحیح ہے۔"
(مکالمۃ الصدرین)
اگر یہ پمفلٹ کسی کے پاس ہو تو براہِ کرم
عنایت فرمائیں۔ ہدیتہً، عاریتہً یا قیمتاً۔ شکریہ!

مائل خیرابادی معرفت حجاب رامپور۔ یوپی

دُلہن بھابی

"چاہے سمجھ میں نہ آئے؟"
"جی!"

دلہن بھابی کا 'جی' کہنا تھا کہ مجھے ایسا لگا جیسے انھوں نے بھڑوں کے چھتے میں پتھر پھینک مارا۔ پروین بھابی ایم۔اے۔ نہ جانے کیوں پہلے سے بھری بیٹھی تھیں۔ سب سے پہلے وہی پھٹ پڑیں:
"یہی ہے آپ کا مبلغِ علم؟ بات سمجھ میں نہ آئے اور مان لی جائے۔ اِسی کو تو کہتے ہیں اندھی تقلید! عدنان احمق بھی ہے اور جھوٹا بھی۔ خواہ مخواہ بیوی کے کریڈٹ پر فخر کرتا ہے۔ آج کل دیکھو تو اُسے۔ سچ ہی کہتے ہیں کہ اس کے 'ہیں پاؤں تو زمیں پہ، دماغ آسمان پر' سایہ ہے اک پری کا مرے نوجوان پر۔"

پروین بھابی جب یہ فرما رہی تھیں تو ہم سب کی نظریں دلہن بھابی پر تھیں لیکن جب انھوں نے شعر پڑھ کر عدنان بھائی کو دیکھا تو ایک قہقہہ بلند ہوا۔ کسی کو یہ بھی احساس نہ رہا کہ امّی، ابّا، بڑے بھیّا، عدنان بھائی اور اپنی ننھی عذرا کو گود میں لئے دلہن بھابی بھی سب کے ساتھ چائے کی میز کے آس پاس کرسیوں پر بیٹھی ہیں۔ ابّا، امّی بھی تو ہنس دئے تھے۔ دلہن بھابی کی سِتم ظریفی ملاحظہ ہو۔ انھیں جھینپ جانا چاہیئے تھا مگر وہ بھی یہ کہہ کر ہنس پڑیں کہ 'سچ فرمایا باجی نے!' وہ اپنے عدنان کی طرف دیکھنے لگیں اور وہاں یہ عالم کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں؟ میرا یہ حال کہ میں دلہن بھابی پر دانت پیس رہی تھی۔ بیسوں جمعہ ہی کو میں نے یہی اعتراض کیا تھا اور دلہن بھابی نے کس خوبصورتی سے

میرے اشکال کو دور کیا تھا، کیوں نہیں جواب دیتیں۔ چپ کیوں ہیں۔ ہار کیوں مان لی؟

جب میں نے یہ دیکھا کہ سب کی طنز آمیز نظریں دلہن بھابی پر جمی ہوئی ہیں تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ جمعہ کو دلہن بھابی کے بتانے پر جو کچھ میرے ذہن میں رہ گیا تھا اس طرح اُگلنے لگی:

"پروین بھابی! آپ اور ہم اور ہمارے یہ سب بزرگ خدا نہ کرے کوئی بیمار ہوتا ہے تو کسی نہ کسی ڈاکٹر کو اتھارٹی مانتے ہیں۔ مقدمہ آن پڑتا ہے تو کسی وکیل کو اتھارٹی مانتے ہیں۔ کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا ہے تو کسی مولوی کو اتھارٹی مان کر اپنے اشکال رفع کرتے ہیں۔ تو کیا دین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتھارٹی تسلیم کرنا خلاف عقل ہے۔ پروین بھابی کا ننھا اُس دن بیمار ہوا تھا۔ اُسے بخار تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کے دماغ پر برف رکھ کر سینکو۔

'نمونیہ نہ ہو جائے ڈاکٹر صاحب!' پروین بھابی نے ڈاکٹر سے بڑی حیرت کے ساتھ کہا تھا۔ اَب پروین بھابی ہی فرمائیں ڈاکٹر نے کیا جواب دیا تھا:

'ڈاکٹر میں ہوں یا آپ!' اور پھر پروین بھابی کی بولتی بند ہو گئی تھی۔۔۔۔۔"

"احمق لڑکی!" دلہن بھابی نے میرے منھ پر ہاتھ رکھ دیا "تمیز سے بات کرتے ہیں۔ یہ کون سی زبان ہے۔ 'بولتی بند کر دی تھی' یہ نہ بڑے بھیا کی زبان ہے، نہ ابا امّی کی۔ پروین باجی کا اعتراض بالکل صحیح ہے۔ تو چپ رہ!"

دلہن بھابی نے سختی سے مجھے چپ کر دیا تو پہلے بڑے بھیا نے میری حوصلہ افزائی کی پھر ابا اور امّی نے۔ اور عدنان بھائی تو جیسے میرے ممنون ہو گئے۔

"ہاں عشرت بی! تم کیا کہہ رہی تھیں؟" پروین بھابی کو چھوڑ کر سب کی زبان سے نکلا۔

"خبردار! بزرگوں کے سامنے نہیں بولتے۔" یہ دلہن بھابی کی تنبیہہ تھی۔ میں چپ ہی رہی۔ سچ پوچھئے تو مہینہ بھر میں ہی دلہن بھابی نے مجھے ایسا مرعوب کر لیا تھا کہ میں اُن کے اشارے پر چلنے لگی تھی۔

پروین بھابی نے تیز نظروں سے بڑے بھیا کو دیکھا لیکن بڑے بھیا کو اس چھوٹی سی بھری محفل

یں دلہن بھابی کی ذلت منظور نہ تھی۔ انہی نے اپنے عزیز بھائی عدنان کے لئے دلہن کا انتخاب کیا تھا۔
بات اُن کی بھی ہیچ ہو رہی تھی۔ بیوی کی تیز نظروں کی پروا کئے بغیر پھر اُنھوں نے مجھ سے کہا:
"ہاں عشرت! تم کیا کہہ رہی تھیں؟ شاباش!" اور پھر ابا امی سب ہی تقاضا کرنے لگے۔
میں اس انتظار میں تھی کہ دلہن بھابی اجازت دیں تو زبان کھولوں۔

پروین بھابی میرے مختصر سے جواب پر سمجھ چکی تھیں کہ دلہن بھابی کا پلہ بھاری ہونے لگا ہے۔ انھوں نے اسی میں خیر سمجھی کہ اُٹھ کر چلی جائیں۔ بہانہ بھی اچھا ہاتھ آ گیا۔ ننھا پیارے اُن کے کمرے میں سو رہا تھا۔ وہ اچانک چونک کر رو دیا اور پروین بھابی اُس کی طرف بھاگیں۔ وہ اُدھر گئیں
اِدھر ابا جان نے امی سے کہا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دلہن یہ بات عشرت کو سمجھا چکی ہے۔ تو پھر کیوں نہیں اُسے کہنے
"ابا جان!" دلہن بھابی بولیں "ایک بڑی نزاکت آ گئی تھی۔ اِس لئے میں نے جو نہیں دیا اور اِسی لئے عشرت کو روک دیا۔"

"کیا؟" سب کی زبان سے ایک ساتھ نکلا۔
"امی! کیوں نہ عشرت اپنی بات پوری کر لے تب میں اس نزاکت کے بارے میں عرض کروں!"
"ٹھیک ہے"۔ امی کی بات سب ہی مانتے تھے۔ میں نے کہا:
"امی جان! جب ہم ہر بیماری میں، ہر مقدمے میں ایک ٹاپ کے ڈاکٹر اور وکیل پر اعتماد کر کے اپنا مقدمہ اس کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں تو اس کے کہنے پر اس طرح عمل کرتے ہیں گویا اس کا ہر بول ہمارے لئے وحیِ الٰہی کا مقام رکھتا ہے حالانکہ اُس کا ایک علم ہے جو کبھی کبھی ناکامی کا منہ بھی دکھاتا ہے۔ رہا دین کا معاملہ تو ہم کو چاہئے کہ ہم ان تمام دانشوروں کو پرکھ لیں جو مذہب کا نام لے کر اپنے اصول و نظریات ہمیں دینا اور ہم سے منوانا چاہتے ہیں۔ پھر جب کسی ایک پر ہم یقین کر لیں تو اسی کو دین کے معاملے میں اتھارٹی مان لیں۔

دین کے معاملے میں دنیا کے تمام اگلے اور آج کے مہا دِدوانوں، عظیم انسانوں، مفکرین، مصلحین،

وغیرہ کے فارمولے اور اُن کی زندگیاں دیکھ جائیے۔ پرکھنے پر واضح ہوگا کہ وہ ذاتِ بابرکت صرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جس میں ہر پہلو سے انسانیت کے لئے عظیم اور قابلِ اطمینان نمونے ہیں۔ میں جو عرض کر رہی ہوں، کاش وہ دلہن بھابی اپنی زبان سے کہتیں تو آپ دیکھتے۔ دل میں ایک کھٹک تک نہیں رہتی۔ غور فرمائیں امّی جان! جب ہم نے ہر طرح محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کو چھان پھٹک لیا تو پھر کیوں نہ پیارے رسولؐ کو دین کے معاملے میں اتھارٹی مان لیں۔ اور کیا غلط کہا دلہن بھابی نے کہ چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے حضورؐ پر جو کچھ نازل ہوا ہے پوری عقیدت کے ساتھ مان لینا چاہئے۔ کیا پروین بھابی کی سمجھ میں بخار کی حالت میں ننھے پیارے کے دماغ کو برف کی تھیلی سے سینکنا آگیا تھا۔ وہ تو یہ سوچ رہی تھیں کہ نمونیہ ہو جائے گا۔ بڑے بھیّا ایک دن فرما رہے تھے کہ ایک وکیل سے اُس کا مؤکل 'کیوں؟' اور 'کیسے' کرنے لگا تو وکیل نے اُس مؤکل کو دفتر سے نکلوا دیا تھا ......"

"بس بس! عشرت بس کرو اپنا یہ وعظ شریف!" دلہن بھابی نے مجھے بولنے سے روک دیا۔ میں چُپ ہوئی تو امّی نے، ابا نے، بڑے بھیّا نے باری باری مجھے چمٹایا اور پیار کیا۔ اور عدنان بھائی پھر آسمانوں میں اُڑنے لگے۔

"ہاں بیٹی عصمی! اب تم وہ نزاکت بتاؤ کیا تھی کہ تم نے جان بوجھ کر ہار مان لی۔" ابا جان نے دلہن بھابی کو مخاطب فرمایا۔ جی ہاں! دلہن بھابی کا نام عصمت آرا بیگم تھا۔

"ابا جان! میں پروین باجی سے بہت محبت کرتی ہوں اور وہ بھی مجھے بہت پیار کرتی ہیں۔ وہ اکثر ایسے سوالات کرتی رہتی ہیں جس سے میری ذہانت بڑھتی ہے۔ جواب نہیں معلوم ہوتا ہے تو میں کتابوں میں تلاش کرتی ہوں۔ اِس طرح میرے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ دیکھئے تو کتنا بڑا احسان ہے باجی کا مجھ پر۔ پھر میں کیسے گوارا کر سکتی ہوں کہ وہ خدانخواستہ بات کی پچ میں کچھ سے کچھ کہہ جائیں اور وہ ہم آپ کے لئے تکلیف دہ ہو۔"

"کیا نزاکت تھی عصمی!" بڑے بھیا نے پوچھا۔

"بھائی جان! بات یہ آرہی تھی کہ رفتہ رفتہ باجی کے اعتراض کی زد میں آیت ما اتوا الرسول فخذوہ[1] نہ آجائے۔ آپ جانتے ہیں کہ بات یہیں پر آگئی تھی کہ اگر اُس وقت میں اِس کا حوالہ دیتی تو ہوسکتا تھا کہ باجی کہہ دیتیں 'نہیں مانتی جی!'۔ اور پھر توبہ کے سوا اُن کے سامنے کوئی راستہ نہ ہوتا۔"

دلہن بھابی کے اِس انکشاف پر سب کے منھ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ امّی نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ملاکر پیالہ بنایا اور اِس پیالے میں دلہن بھابی کا چہرہ لے کر چوم لیا۔ بڑے بھیّا نے ابا جان کی طرف دیکھا اور کہا:

"میرا انتخاب بہترین رہا۔ اور حسن عدنان! تو واقعی ناسمجھ ہے۔ تیری بھابی تجھے بہت ستاتی ہے۔ پریشان کرتی ہے۔ تو چڑتا کیوں ہے۔ جتنا ہی چڑے گا وہ پریشان کرے گی۔ جا۔ جاکے لا اپنی بھابی کو۔ چائے پی لیں اور اگر نہ آئیں تو پوری کیتلی لے جاکر انڈیل دینا اُن پر۔"

میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ بھابی کے اعتراض پر بڑی اچھی باتیں سامنے آگئیں۔ میں دعا کرنے لگی کہ اللہ تعالیٰ میری دلہن بھابی کو دین کی باتیں سمجھانے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرما۔ اِس طرح یہ ایک نازک' میں تو فتنہ ہی کہوں گی، رونما ہونے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اِس فتنے کو دبا دیا۔

---

[1] رسول جو کچھ تم کو دے، وہ تم بے چوں وچرا لے لو۔ (م)

چار باتیں

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار باتیں اور چار خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم کو نصیب ہوجائیں تو پھر دنیا (اور اُس کی نعمتوں) کے فوت ہوجانے اور ہاتھ نہ آنے میں کوئی مضائقہ اور گھاٹا نہیں:—

(۱) امانت کی حفاظت (۲) باتوں میں سچائی

(۳) حسنِ اخلاق اور (۴) کھانے میں احتیاط اور پرہیزگاری (مسند احمد)

مرسلہ: ساجدہ فرزانہ صادق

حبِ رسولؐ

حسنین ساغرؔ ٭ بھرکنڈہ ٭ ہزاری باغ ٭

عبداللہ بن ہشامؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپؐ عمرؓ بن خطاب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ عمرؓ نے آپؐ سے کہا یا رسول اللہؐ آپؐ مجھے اپنی جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جب تک تم کو میں اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز نہ ہو جاؤں (تم مومن نہیں ہو سکتے)۔ عمرؓ نے کہا اب تو بخدا آپؐ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا، اب اے عمرؓ (تم مومن ہو)۔ (بخاری)

اِس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر اُس شخص کو جو اللہ اور اُس کے رسولؐ پہ ایمان رکھتا ہو چاہئے کہ وہ اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفٰےؐ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی جانِ عزیز سے بھی زیادہ محبوب رکھے تب ہی وہ کامل مومن ہو سکتا ہے۔ بلکہ مومن ہونے کے لئے یہ ایک قسم کی شرط لگا دی گئی ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث شریف سے بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جو بخاری و مسلم سے منقول ہے اور جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں۔ کہتے ہیں کہ "رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُس کو اُس کے باپ اور اُس کی

اَولاد اَور تمام اِنسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

توضیح کے لئے یہ حدیث کافی ہونا چاہئے جس میں صاف اَور صریح طور پر لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ کا لفظ آیا ہے یعنی تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہوا کہ نبیؐ سے محبّت ماں، باپ، بیوی، بچے، دوست، احباب اَور رشتے ناطے حتیٰ کہ اپنی ذات تک کی محبت سے بالکل جداگانہ اَور منفرد ہونی چاہئے بلکہ سب سے بڑھ کر ہونی چاہئے۔

جو تعلق، جو لگاؤ اَور جو انسیت نبیؐ کا مسلمانوں سے اَور مسلمانوں کا آپؐ سے ہے اُس سے کسی بھی دوسرے رشتے کو ذرہ برابر بھی نسبت نہیں ہے۔ اِسی بات کو اللہ تبارک تعالیٰ نے سورۂ احزاب کے چھٹے رکوع میں یوں فرمایا ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ یعنی نبیؐ کا تعلق مومنوں کے ساتھ اس سے زیادہ ہے جتنا ان لوگوں کا اپنے آپ سے ہے۔ نبیؐ کو مسلمانوں سے جس درجہ شفقت و محبت ہے، ماں باپ کی شفقت و محبت اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ بلکہ مسلمانوں کے تئیں آپؐ کی خیرخواہی تو اس سے بھی بڑھ کر ہے جتنی کہ آدمی کو خود اپنی ذات سے ہو سکتی ہے۔ آدمی کو اُس کے والدین گمراہی مبتلا کر سکتے ہیں، اس کے ساتھ امتیازانہ سلوک کا برتاؤ کر سکتے ہیں، اُس سے خودغرضی کا معاملہ کر سکتے ہیں۔ اِسی طرح بیوی بچے بھی آدمی کے لئے ضرر رساں اَور نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں، یا آدمی خود اَپنے آپ کو مبتلائے آلام کر سکتا ہے، اَپنے ہی ہاتھوں اَپنے پیر پہ کلہاڑی مار سکتا ہے۔ لیکن نبی صِرف اَور صرف وہی کریں گے جس میں ہماری فلاح ہو۔

اَب ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ حبِ رسولؐ کی نوعیت کیا ہے۔ وہ کون سے طریقے اَور وہ کون سے اعمال ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہم فدایانِ رسولؐ میں شامل ہو سکتے ہیں؟ تو کسی بھی ذی ہوش آدمی کے نزدیک یہ بات محبت رسولؐ کے زمرے میں شمار نہیں کی جا سکتی کہ ہم اللہ کے مقرر کردہ ان قوانین کی کھلم کھلا خلاف ورزی کریں جو ہمیں نبیؐ کے ذریعہ معلوم ہوئے۔ یا یہ بات بھی کسی طرح شاملِ محبت نہیں کی جا سکتی کہ ہم حضورؐ کے بیشمار احکامات و تعلیمات (جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کا

...یں) ان سے چند ایک پر تو عمل کریں اور
باقی کو اس لئے چھوڑ دیں کہ اُن پر عمل کرنے سے
یا تو ہماری انا کو ٹھیس پہونچتی ہو یا ہمارے ذاتی
مفاد کو دھکا لگ رہا ہو یا ہمارے منفی جذبات و
رجحانات کے راستے کی رکاوٹ بن رہے ہوں۔
اُس لڑکے کے بارے میں کیا رائے قائم کی جا سکتی
ہے جو اپنے والدین کی اِس بات کو تو مان لے کہ
وقت پہ کھانا کھا لیا کرو، اِس لئے کہ اِس بات
میں اُسے اپنی صحت کی بھلائی نظر آتی ہے مگر
اِس بات کو نہ مانے کہ بلا ضرورت اِدھر اُدھر
آوارہ گردی نہ کیا کرو، اِس لئے کہ ایسا کرنے
سے اُسے اپنے مشغولاتِ لہو و لعب سے باز
آجانا ہوگا جس میں اُس کی گہری دلچسپی ہے۔
اُس لڑکے کی اِس حرکت سے کیا اِس بات
کی بو نہیں آتی کہ یا تو وہ اپنے شفیق والدین
سے باغی ہو گیا ہے یا آمادۂ بغاوت ہے جو
سے اچھائی کی تعلیم دیتے ہیں اور بُرائیوں
سے روکتے ہیں۔

اِسی طرح یہ بات بھی تقاضائے محبّت
از الہ نہیں کہ حضورؐ کی دی ہوئی تعلیمات کو
نَمل سمجھ کر کچھ کا اضافہ کر لیں اور نام حسنہ رکھ دیں
یا اپنی سہولت کے پیش نظر کچھ کی تنسیخ کر دیں اُ
شانِ بے اعتنائی سے فرما دیں کہ یہ ضعیف بلکہ
موضوع ہے۔ یا ڈھول کے پول کی طرح ویسی
محبت بھی کسی کام کی نہیں کہ بس زبان سے تو
محبّت کے گن گائیں، تعریف و توصیف میں
(یقیناً یہ بات اپنی معنوی حد تک مستحسن ہے)
آسمان و زمین کے قلابے ملائیں اور عمل حضورؐ
کی تعلیمات سے مطابقت ہی نہ رکھتے ہوں،
بلکہ بالکل برعکس ہوں۔ یا یہ بات بھی منشائے
محبت کی تکمیل نہیں کہ اُنؐ کی محبت میں مقرر کردہ
حدود سے آگے گزر جائیں۔ بلکہ نبی کریمؐ نے
اِس بات کی ممانعت فرمائی ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے
اظہار کے لئے کچھ ایسے طریقے وضع کر لئے گئے
ہیں، کچھ ایسی رسموں کو رواج دے لیا گیا ہے
جو کسی بھی طرح مناسب نہیں۔ ربیع الاول کے
مہینے میں جو کہ حضورؐ کی ولادت باسعادت کا
مہینہ ہے، جھنڈا اور جلوس نکال کر اور چراغاں
کر کے ہم حضورؐ سے اپنی گہری محبت و عقیدت
کا اظہار کرتے ہیں جبکہ اسلام میں کسی کے یوم
پیدائش یا یوم وفات منانے کی گنجائش ہی نہیں۔

ایک طرف تو ہم حضورؐ سے اپنی محبت کا دم بھرتے ہیں مگر دوسری طرف اُنؐ کے احکامات کی پیروی سے عملاً گریز کرتے ہیں، ایک طرف تو ہم حضورؐ سے والہانہ لگاؤ کا اظہار کرتے ہیں مگر دوسری طرف آپؐ کی تعلیمات کو قابلِ عمل نہیں سمجھتے اور ایک طرف تو حضورؐ سے اپنی قلبی انسیت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں مگر دوسری طرف اپنی من مانی اور نفس کی بندگی کرتے ہیں۔ آخر یہ کیسی محبت ہے؟ کیسا لگاؤ ہے؟ قول و عمل کا یہ نمایاں تضاد کسی بھی طرح محبت کا مظہر نہیں بن سکتا بلکہ کھلی ہوئی نافرمانی ہے۔

ایک بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ محبت اطاعت کے ساتھ مشروط ہے نبی کریمؐ سے دلی محبت کا اظہار تو آپؐ کے احکامات کی پیروی کرنے میں ہے۔ حضورؐ سے قلبی لگاؤ کا اظہار تو آپؐ کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے اور حضورؐ سے انسیت کا اظہار تو اُن باتوں میں ہے کہ جن باتوں سے آپؐ نے منع فرمایا ہم ہرگز نہ کریں چاہے اس کام کے کر لینے میں اپنا کتنا ہی فائدہ کیوں نہ ہو۔ تب ہم درحقیقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے شیدائیوں میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبیؐ سے پوچھا: وہ گھڑی (قیامت) کب آئے گی؟ آپؐ نے فرمایا: تم نے اس کے لئے کیا تیار کر رکھا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس کے لئے کچھ زیادہ تیار نہ کیا ہے۔ نہ زیادہ نمازیں ہی نہ روزے نہ صدقہ۔ لیکن میں اللہ اور اُس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: تم اُنہی کے ساتھ ہو گے جن سے تمہیں محبت۔ ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ محبت کا ثمرہ اُخروی معیت ہے۔ آدمی کو جس درجہ آپؐ سے محبت ہو گی اُسے آخرت میں اُتنا ہی زیادہ آپؐ کی معیت اور قربت حاصل ہو گی

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: اے میرے پیارے بچے! اگر تم سے ہو سکے تو صبح و شام اِس طرح گزارو کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف سے کوئی میل نہ ہو پھر فرمایا اے میرے پیارے بچے! یہ (یعنی محبت کا رکھنا) میری سنت ہے جس نے میری سنت سے محبت رکھی اُس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے مجھ سے محبت رکھی وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔ اِس حدیث سے یہ اچھی طرح واضح ہو جانا چاہیئے کہ حضورؐ سے محبت کی نوعیت کیا ہے نیز یہ کہ کس طرح آپؐ سے اپنی دلی محبت و عقیدت کا اظہار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ←

← ہمیں، آپ کو اور دنیا کے سارے مسلمانوں کو فدایانِ رسولؐ کے زمرے میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔ (غیر مطبوعہ)

اپنی بیٹی کے لئے

ہدایت

یمن میں حارث بن عمرو الکندی نام کا ایک بادشاہ تھا۔ اُسے عوف کندی کی لڑکی کے حسن و جمال کی اطلاع ملی کہ وہ غیر معمولی حسین و جمیل ہے، بادشاہ نے اسی کی برادری کی عصام نامی ایک عورت کو صورتِ حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ عورت اُس لڑکی کی والدہ کے پاس پہونچی جس کا نام امامت بنتِ حارثہ تھا۔ اُس نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ وہ اُسے اپنی لڑکی کے پاس لے گئی اور لڑکی سے کہا کہ یہ تیری خالہ ہے جو تجھ سے ملنے کے لئے اور تیرے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے آئی ہے۔ اِس سے ملاقات کر۔ اُس کے حسن و جمال اور سلیقہ مندی کی قائل ہو گئی۔ واپس آ کر بادشاہ سے صورتحال بیان کر دی اور اُس کی بہت تعریف کی۔

یہ رپورٹ سُن کر بادشاہ نے اُس کے باپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ چنانچہ اُس کے ساتھ بادشاہ کی شادی ہو گئی۔

رخصتی کے وقت جب دلہن کو پالکی میں بٹھانے کا مرحلہ آیا تو اُس کی ماں نے اُسے چند نصیحتیں کیں۔ اُس نے کہا :۔

"اے بیٹی! اگر نصیحت کسی کے عقل و خرد یا اعلیٰ نصب کی وجہ سے چھوڑ دی جاتی تو میں ضرور اُسے

؛ دیتی اور تجھ سے چھپاتی ۔ مگر یہ عقلمند کے لئے یاد دہانی کے طور پر اور بے سمجھ کے لئے بطور تنبیہہ کیجاتی ،، اس لئے میں تجھ کو نصیحت کر رہی ہوں ۔“

اے میری بیٹی ! اگر عورت اپنے والدین کی دولت مندی اور ان کی والہانہ محبت کی وجہ سے مستغنی ں تو سب سے زیادہ میں اپنے خاوند سے لاپرواہ اور مستغنی ہوتی ۔ مگر ایسا نہیں ہے بلکہ جس طرح عورتوں لئے مرد پیدا کئے گئے ہیں بالکل اسی طرح عورتیں مردوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں ۔ اے بیٹی ! تو ایک مانوس ل اور وطن سے دور ایک ایسے ماحول کی طرف جا رہی ہے جسے تو نہیں جانتی اور ایک ایسے ساتھی کے ں تجھ کو جانا ہے جس سے تو مانوس نہیں ہے جب کہ وہ تیرا مالک بن جائے گا ۔ لہٰذا تو اس کی لونڈی بن نا ، اس طرح وہ تیرا غلام بن جائے گا ۔ اس لئے اس سلسلے میں تو میری دس باتیں یاد رکھنا :

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ تو اپنے خاوند کے ساتھ قناعت اور سادگی سے زندگی گزارنا ۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس کی بات غور سے سننا اور اس کی اطاعت کرنا کیونکہ قناعت میں دل کو راحت پہونچتی ہے اور اطاعت و فرمانبرداری میں مالک (خاوند) خوش ہوتا ہے ۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ تجھ سے خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی بات سرزد نہ ہو ۔

(۴) چوتھی بات یہ کہ تیرا خاوند تجھے صاف ستھری اور خوشبو کی حالت میں دیکھے ۔ اے میری بیٹی ! تجھے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ خوشبو کی عدم موجودگی میں پانی سب سے خوشبودار ہے ۔ اس سے نہا اور بناؤ سنگار کر ۔ اور حسن پیدا کرنے کے لئے تیرے پاس سُرمہ موجود ہے ۔ اس سے زیادہ کوئی چیز اچھی نہیں ۔

(۵) پانچویں بات یہ ہے کہ اس کے کھانے کے وقت کا خیال رکھ ۔

(۶) چھٹی بات یہ کہ سونے کے وقت اس کے آرام کا خیال رکھ کیونکہ بھوک کی شدت ناقابل برداشت ہوتی ہے اور نیند سے اچانک جاگنا غصہ کا سبب ہوتا ہے ۔

(۷) ساتویں بات اس کے مال کی حفاظت کرنا ہے ۔

(۸) آٹھویں نصیحت یہ ہے کہ اس کے رشتہ داروں اور خاندان کا لحاظ رکھنا کیونکہ مال کی حفاظت

حسنِ ترتیب اُور رشتہ داروں اُور خاندان کی رعایت حسنِ انتظام کی علامت ہے۔

(۹) نویں یہ کہ اُس کے راز کو ظاہر نہ کرنا۔ اُور

(۱۰) دسویں یہ کہ اُس کے حکم کی نافرمانی نہ کرنا کیونکہ اگر تو نے اُس کے رازوں کو ظاہر کر دیا تو اُ[س] سزا سے نہ بچ سکے گی اُور اگر نافرمانی کی تو اُس کے غصّہ کو بھڑکا دے گی۔

اُے بیٹی! جب وہ ناخوش ہو تو خوش ہونے سے اُور جب وہ خوش ہو تو غم کا اظہار کرنے سے، کیونکہ پہلی چیز کوتاہی کی علامت ہے اُور دوسری سے کدورت کا اظہار ہوتا ہے۔ اُور تجھے اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ یہ تمام چیزیں تو اپنے خاوند سے اُس وقت حاصل نہ کر سکے گی جب تک کہ تو اُ[ن] معاملات میں جنھیں تو پسند یا ناپسند کرتی ہے، اپنے خاوند کی خواہش اُور رضا کو اپنی مرضی اُور خواہش[وں پر] ترجیح نہ دے۔ اللہ تعالیٰ تیرے لئے بہتری کرے اُور تجھے اپنی رحمت سے نوازے۔

چنانچہ وہ اپنے خاوند کے یہاں پہونچی اُور والدہ کی نصیحتوں کے مطابق عمل کیا تو خاوند کا اعتم[اد] حاصل کر لیا اُور بڑی عزت پائی۔

(ماخوذ از صدائے سحر بنگلور)

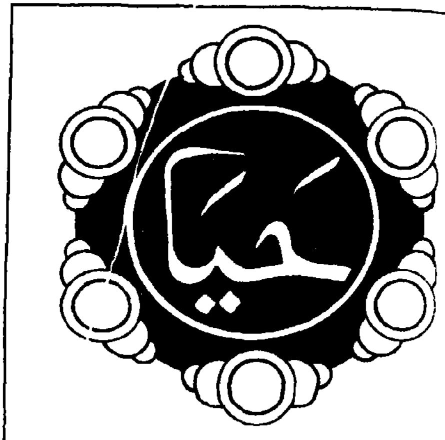
صابر و شاکر بندہ

مرسلہ، ساجدہ فرانہ صادق

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

جس شخص میں یہ دو خصلتیں ہونگی، اللہ تعالیٰ اس کو شاکرین اُور صابرین میں لکھیں گے۔ (اِن دو خصلتوں کی تفصیل یہ ہے کہ) جس شخص کی یہ عادت ہو کہ وہ دین کے معاملہ میں تو اللہ کے اُن بندوں پر نظر رکھے جو دین میں اُس سے فائق و بالاتر ہوں اُور اُن کی پیروی اختیار کرے اُور دنیا کے معاملہ میں اُن غریب و مسکین اُور خستہ حال بندوں پر نظر رکھے جو دنیوی حیثیت سے اُس سے بھی کمتر ہوں اُور اِس پر اللہ کا شکر اَدا کرے کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اِن بندوں سے زیادہ دنیا کی نعمتیں اُس کو دے رکھی ہیں.... (ترمذی)

ہمارا مذہب اسلام شرم وحیا کو ایمان کا ایک جز بتاتا ہے یعنی شرم ایک ایسی فطری صفت ہے کہ جس انسان کے اندر یہ صفت ہوتی ہے وہ باحیا شریف النفس انسان ہو جاتا ہے اور یہی شرم وحیا انسان کو ہر قسم کی برائیوں و بے حیائیوں کے ارتکاب سے روکتی رہتی ہے۔ حیا ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان اور حیوان کے درمیان امتیاز اور فرق معلوم ہوتا ہے۔ اسی واسطے ہمارے نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ کہ



ذوالقرنین۔ شیش گڑھ۔ بریلی

حیا و شرم ایمان کی ایک شاخ ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ حیا نیکیوں کی طرف ... کرتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے۔ پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ اَلْحَیَاءُ (موطا) یعنی ہر دین کے لئے ایک صفت ہوا کرتی ہے۔ اسلام ... صفت جو دینِ اسلام میں عمدہ ہے وہ حیا ہے۔ ایک موقع پر پیارے رسولؐ نے فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں ... م و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تو جب کسی شخص سے اِن میں کا ایک اُٹھا لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اُٹھا ... جاتا ہے یعنی اگر حیا ہے تو ایمان بھی باقی ہے اور اگر حیا باقی ہے، تو ایمان بھی موجود ہے۔ اور اگر کسی ... یمان کے اندر حیا و شرم نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ایمان سے بھی محروم ہے۔

حضرت قرۃ بن ایاس فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک بار پیارے نبیؐ کے پاس اِس مقصد سے حاضر ہوئے ... سے حیا کے بارے میں معلوم کریں۔ چنانچہ لوگوں نے آپؐ سے دریافت کیا یا رسول اللہؐ! کیا حیا

دین میں سے ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ اَے لوگو سُن لو حیا دین میں سے نہیں بلکہ حیا مکمل دین ہے۔ پھر مزید آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ حیا عفت اَور کم سخنی ایمان سے ہے جس کو حیا و شرم نہیں اُس کا ایمان ہی صحیح طور سے نہیں ہے۔ اِن اَحادیث سے ہمیں معلوم ہوا کہ حیا دار انسان مومن ہے اَور بے حیا مومن نہیں ہے۔ اَور حیا کا مطلب یہ ہے کہ اَپنے آپ کو برائیوں سے بچایا جائے۔ اَور آنکھ، کان، زبان، شرمگاہ وغیرہ کی سخت نگرانی کی جائے یعنی بری نگاہ سے کسی کو نہ دیکھا جائے اَور زبان سے کسی کی برائی نہ بیان کی جائے اَور زنا و بدکاری سے پرہیز و اجتناب کیا جائے۔

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اَے میرے صحابہؓ اَللہ پاک سے تم ایسی شرم کرو جیسا اُس سے شرم کرنے کا حق ہے۔ تو آپؐ کے ساتھیوں نے عرض کیا کہ اَے اللہ کے نبیؐ! ہم خدا سے حیا کرتے ہیں۔ تو پیارے نبیؐ نے فرمایا کہ حیا یہ نہیں ہے بلکہ حیا وہ شخص کی ہے جو سر اَور آنکھ اَور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے اَور موت کو اَور مٹی میں سڑنے گلنے کو یاد کرتا ہے۔ اَور آخرت کا چاہنے والا دنیا کے زیب و زینت کو ترک کر دیتا ہے۔ ایسا جس نے کیا اُس نے خدا سے شرمانے کا حق اَدا کر دیا۔

حجابی بہنو! آج حقیقت یہی ہے کہ اِنسان موت کو بالکل بھول چکا ہے اَور آخرت کے قیام کے بارے میں سوچتا ہی نہیں ہے۔ اِس لئے بے حیائی کی زندگی گزارتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہے اَور تباہ و برباد ہو رہا ہے۔ ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ جب اَللہ تعالیٰ کسی بندے کو ہلاک و برباد کرنا چاہتا ہے تو اُس سے شرم و حیا کو نِکال دیتا ہے۔ اَور جب شرم و حیا نکل جاتی ہے تو خدا کا غصہ و لعنت اُس پر مسلّط ہو جاتا ہے اَور خدا کے نزدیک وہ اِنسان بہت ہی معیوب اَور قبیح سمجھا جاتا ہے۔ اِس کے مقابلہ میں شرم و حیا کرنے والا بندہ خدا کے نزدیک بہت ہی محبوب اَور پیارا ہو جاتا ہے۔ خدا کرے کہ ہم سب شرم و حیا کو اپنی زندگی میں پیدا کریں اَور پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ایجنٹ صاحبان براہِ کرم وی پی بنڈل پہونچنے کی اطلاع جیسے ہی ملے فوراً ڈاک خانہ جا کر وی پی بنڈل وصول کر لیجئے۔ (ادارہ)

احساسِ خودی

شبین بانو * ماشاء اللہ بلڈنگ * شیش گڑھ * بریلی۔

شکیلہ ایک معزز گھرانے کی چشم و چراغ تھی۔ اُس کی پرورش و پرداخت بڑے لاڈ پیار سے ہوئی تھی اور معاشرے کی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ رہ کر شکیلہ نے بھی اکثر و بیشتر اوقات سیر و تفریح میں گزارے تھے۔ ماں نے اپنی بیٹی کی ہر خواہش کو پورا کیا تھا۔

اِس طرح جب شکیلہ نے صغر سنی کے دن گزار لئے تو پھر والدین کو اپنی لاڈلی کی تعلیم و تربیت کی بے انتہا فکر لاحق ہوئی۔ چنانچہ شفیق والدین نے معصوم شکیلہ کو محلّہ کے ایک دینی مدرسے میں داخل کر دیا جہاں نوخیز بچوں اور بچیوں کو دین ہی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ وہیں ننھی شکیلہ کو بھی پھلنے پھولنے کا موقع مِلا۔ اِس طرح اُس نے لڑکپن کے پانچ سال ایک دینی تربیت گاہ میں گزار کر معمولی عربی و اُردو زبان سے واقفیت حاصل کرلی۔ اِس کے بعد شکیلہ کے لئے کوئی بہترین راستہ نہ ہموار ہوسکا کہ جس کے ذریعہ وہ مزید تعلیم حاصل کرکے اپنی تشنگی بُجھا سکی۔ ادھر والدین بھی کوئی خاص توجہ نہ دے سکے۔ بلکہ شکیلہ کے ابّوجان نے ترکِ تعلیم ہی کا حکم دیدیا اور گھر میں رہنے کی تاکید فرمادی۔ شکیلہ باپ کی حکم عدولی نہ کرسکی اور امّی کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگی۔ امّی کے ساتھ نماز پنجگانہ وقت پہ ادا کرتی رہی۔ ہر دن نماز فجر کے بعد بڑے اہتمام کے ساتھ تلاوتِ کلام پاک کرنا اپنی زندگی کا ایک اہم جزو تصور کیا۔ قرأتِ قرآن پاک سے

اُسے بہت فائدہ پہونچا۔ اُس کے ایمان و یقین میں
اضافہ ہوتا گیا۔ خوفِ خدا دل میں بیٹھ گیا۔ اسلام
سے قلبی لگاؤ پیدا ہوتا گیا۔ پھر اُسے مزید شوق پیدا
ہوا جس کی وجہ سے اُس نے اسلامی خواتین
کی سوانح حیات و سیرت کا مطالعہ کرنا شروع
کر دیا۔ اور نصیحت آموز کہانیوں و قصّوں کی
کتابوں سے بھی استفادہ کیا۔ پھر اللہ نے ایک
راستہ اور ہموار کر دیا کہ تحریک اسلامی کی کتابیں
بڑے بھائی کے ذریعہ اُس کو دستیاب ہونے
لگیں جن کے مطالعہ سے شکیلہ کی زندگی کی کایا
پلٹ گئی۔ اُس کے مضمحل دل و دماغ کو سکون
میسر ہوا اور اُس کے دل میں دعوت و تبلیغ کرنے
کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ شکیلہ نے محلّہ کی ہم عمر
لڑکیوں کو اکٹھا کر کے انھیں دین کا صحیح تصور بتایا
اور بہترین زندگی گزارنے کی ہدایت کرنے لگی۔
اس طرح شکیلہ کی زندگی کے شب و روز اسلامی
مشاغل میں گزرنے لگے۔

شکیلہ کی مسلسل و پیہم کاوشوں کی وجہ
سے بہت سی مسلم نو عمر لڑکیاں مذہبِ اسلام کے
اصول و ضوابط کو سمجھ کر اِس پر عمل کرنے کے لئے
راغب ہو گئیں۔ پھر ایک جمعیت قائم کر کے اجتماعیت
کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ
انجام دینے لگیں اور کنتم خیر امة اخرجت
للناس تأمرون بالمعروف وتنهون
عن المنکر کی عملی تصویر بن کر معاشرے کے لئے
نشانِ راہ بن گئیں۔

اب شکیلہ اپنے معاشرے کو ایک اسلامی
معاشرے کی سچی تصویر دیکھ کر خدا کے حضور اپنی
محنتوں کا اجر آخرت میں زادِ راہ کے لئے بھیک
مانگتی ہے اور اپنی تمام لغزشوں کی معافی چاہتی
ہے اور سماج کی اچھائیوں کو دیکھ کر خوش رہتی ہے
وہ اپنی سرگرمیوں میں ہمہ وقت مصروف رہ کر
منزل کی جانب رواں دواں ہے ❊

غزل

زور گھٹ جائے گا وقت ٹل جائے گا
ظلم کا سارا کس بل نکل جائے گا

اپنے کردار میں ہوگی نرمی اگر
دشمنِ جاں یقیناً پگھل جائے گا

چڑھتے سورج کی حدت سے گھبرائیں کیوں
اپنی حدت سے خود یہ پگھل جائے گا

پیکرِ عزم بن جاؤ اے دوستو!
زندگی کا یہ نقشہ بدل جائے گا

شوق پھیلی ہے ہر سو برائی کی آگ
اپنا دامن بچاؤ کہ جل جائے گا

.... محمد ابراہیم خاں شوق اکوٹی

چراغ چراغاں

ممتاز حسین بسمل

شاہ جہاں نے اپنے جلوس کے لئے وہ شہرۂ آفاق تخت بنوایا جسے تختِ طاؤس کہتے ہیں۔ بارہ مرصع ستونوں پر مغرق محرابیں اور جڑاؤ مینا کاری کی چھت دھری تھی۔ چھت سے لیکر پائے تک خالص کندن اور آبدار جواہر جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے اور تین تیر بھی! بلند چبوترے پر یہ عالم تھا گویا ایک ستارے کا نگینہ ہے کہ انگوٹھی پر دھرا ہے۔ چاروں طرف چار چتر زرنگار جن میں موتیوں کی جھالر جھلملاتی تھی۔ آگے ایک شامیانہ کہ جواہرات اور موتیوں کی آبداری سے دریائے نور کی طرح لہراتا تھا اور ایک لاکھ روپے کی لاگت میں تیار ہوا تھا، خالص سونے کی چوبوں پر ایستادہ تھا۔ گرد اس کے کرسیاں اور چوکیاں اپنے اپنے مرتبہ سے سجی ہوئی تھیں۔ تخت کے گرد کئی کئی گز کا حاشیہ چھوڑ کر چاندی کا کٹہرا ایسا خوشنما لگا تھا جس کی مینا کاری مرغِ نظر کو شکار کرتی تھی۔

پہلے روز لال قلعے میں دربار آراستہ ہوا، تو اقبال کا رعب اور دبدبہ دیکھ کر قدرت خدا یاد آتی تھی؛ کٹہرے کے باہر شاہزادے، راجے، مہاراجے صوبوں کے حاکم، امیر وزیر اپنے اپنے مقامات پر مؤدب کھڑے تھے۔

دیوانِ خاص کے ہر ایک در میں دو خاص بردار مخملیں غلاف دار بندوقیں کندھوں پر، بارلے کی جھنڈیاں ہاتھوں میں لئے بُت بنے کھڑے تھے۔ باہر کے دالان میں عہدیدار اور منصب دار حکم کے منتظر تھے۔ دالان کے دروں میں تین تین تنومند، دراز قد حبشی، لال زربفت کی وردیاں پہنے، ہتھیاروں میں ادچی بنے، گرزہائے فولادی کندھوں پر، بارلے کی بیرقیں ہاتھوں میں، تیسرے درجے میں منشی متصدی قلمدان اور بستے سامنے رکھے موجود تھے۔

باہر تیس تیس گز کا فاصلہ دے کر چاندی کا کٹہرا تھا اور وہاں خاص خاص بادشاہی سپاہی، دائیں جانب ترک، سامنے راجپوت، اور بائیں جانب افغان اپنی اپنی وردیاں پہنے ہتھیار بند کھڑے تھے۔

دربار آراستہ ہوا، شاہزادوں اور امرا نے نذریں پیش کیں۔ اچانک بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور دونوں ہاتھ فاتحہ کو اُٹھائے۔ ساتھ ہی اہلِ دربار نے ہاتھ اُٹھائے، فاتحہ کے بعد بادشاہ نے کہا: "اے بندگان با اخلاص! جو خیال اس وقت میرے دل میں گزرا ہے اس کا اظہار تم پر بھی واجب سمجھتا ہوں۔ فرعون نے آبنوس اور ہاتھی دانت کے تخت پر بیٹھ کر خدائی کا دعویٰ کیا۔ گواہ اور آگاہ ہو کہ جس نخوت اور غرور سے اس نے وہ دعویٰ کیا تھا۔ میں اس سے لاکھ مرتبہ زیادہ عبودیتِ الٰہی کا اقرار کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھا اور دوگانہ شکر کا بجا لاکر دیر تک پیشانی کو زمینِ نیاز پر ملتا رہا۔

جنگِ آزادی (۱۸۵۷ء) سے قبل کلکتے سے چار میل جنوب کی جانب ایک خوب صورت آبادی تھی جسے گارڈن ریچ (باغِ ساحل) کہتے تھے۔ اس کے وسط میں مٹی کا ایک عظیم تودہ تھا اس لئے عوام اسے مٹیا برج کہتے تھے۔ وہاں کئی عالی شان کوٹھیاں تھیں جو دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ ڈھائی میل تک چلی گئی تھیں جب لارڈ ڈلہوزی نے پاور ہوا بہانوں سے اودھ کی سلطنت ضبط کرلی، تو جانِ عالم پیا واجد علی شاہ، کلکتہ چلے گئے اور مٹیا برج میں زمین کا ایک بڑا قطعہ جو چوڑائی میں دریا کے کنارے کنارے ڈیڑھ میل تک چلا گیا تھا، اور لمبائی میں قریباً سات میل تھا۔ اپنی اپنی بیگمات اور متوسلین کی رہائش کے لئے کوٹھیوں سمیت خرید لیا۔

جد علی شاہ نے وہاں بہت سی نئی عمارات بنوائیں اور باغات لگوائے۔معزول تاجدارِ اودھ کو مختلف جانور پالنے
بڑا شوق تھا۔ اس لئے ایک وسیع علاقہ، ایک خوشنما آہنی کٹھرے سے گھیر کر ایک وسیع رمنا بنایا گیا جہاں
سینکڑوں چیتل، ہرن اور وحشی چوپائے آزادانہ پھرتے تھے۔ اس کے درمیان سنگِ مرمر کا ایک پختہ تالاب
تھا جس کے اِردگرد شتر مرغ، فیل مرغ، سارس، قازیں، بگلے، راج ہنس، مور، چکور اور اسی قسم کے دوسرے جانور
چھوڑ دیے گئے۔ وہاں صفائی کا اس قدر اہتمام تھا کہ کیا مجال کہ کہیں بیٹ یا کسی جانور کا پر بھی نظر آجائے
ی تالاب کے کنارے کٹھروں میں شیر تھے اور قریب ہی پنجروں میں بیسیوں قسم کے بندر تھے جو عجیب عجیب
رکات کرتے، مختلف مقامات پر حوضوں میں رنگین مچھلیاں تھیں جو اُچھل کود کر اپنی بہار دکھاتیں۔
قام پر ایک بہت بڑا حوض بنا کر اس کے وسط میں ایک مصنوعی پہاڑ بنایا گیا تھا۔ اس میں سینکڑوں
دوڑائی گئی تھیں۔ اس مصنوعی پہاڑ میں بے شمار دو دو تین تین گز کے سانپ چھوڑ دیے گئے تھے
رینگتے ہوئے پہاڑی چوٹی پر چڑھ جاتے اور پھر نیچے اُتر آتے۔ قریب ہی دو کٹھرے تھے جن میں دو بہت
بڑے اژدہے رہتے تھے۔

خاص شاہی محل میں ہزارہا پرندوں کے چمکتے ہوئے برنجی پنجرے دکھائی دیتے تھے۔ بیسیوں بڑے بڑے
ال تھے جو لوہے کے جال سے محفوظ کر دیے گئے تھے اور ان میں کئی اقسام کے پرندے لاکر چھوڑے گئے تھے ان
جانوروں کی فراہمی کے لئے روپیہ بے دریغ خرچ کیا جاتا۔ جانِ عالم پیا نے ریشمی پروں والے کبوتروں کا جوڑا
چوبیس ہزار میں اور سفید موروں کا جوڑا گیارہ ہزار روپے کو خریدا تھا۔ زرافہ کا ایک جوڑا بھی موجود تھا۔ دو کوہان
کے اونٹ بغداد سے خریدے گئے۔ درندوں میں سے ببر شیر، بنگالی شیر، تیندوے، بھیڑیے، چرخ سب پنجروں
میں بند تھے اس خیال سے کہ کوئی جانور رہ نہ جائے، دو گدھے بھی رمنا میں لاکر چھوڑ دیے گئے (از مضامین شرر)

پرانے وقتوں میں بزرگانِ دین علماء اور مشائخ دینِ اسلام کی تبلیغ کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اس سلسلے
میں مدارس قائم کئے جاتے اور وہاں قرآن پاک اور احادیثِ نبوی ؐ کی تعلیم دی جاتی، لنگر خانے میں مسافروں کو

طعام اور خانقاہ میں رہائش کی سہولتیں مہیا کی جائیں۔ اور ان کے قیام کے دوران میں انھیں روحِ اسلام سے روشناس کیا جاتا۔
شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے عہدِ حکومت میں علاقہ اودھ میں ایک بزرگ اسی قسم کے مشاغل میں معروف تھے۔ اور ایک دنیا ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہو رہی تھی شہنشاہ نے ان کے لنگر خانے کے اخراجات کے لئے اپنے قلم سے فرمان لکھا کہ چند دیہات کا لگان ان کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ حکم نامہ مذکورہ ان بزرگ کے پاس پہنچا تو انھوں نے حسب ذیل شعر لکھ کر واپس کر دیا ؎

شاہ مارا دِہ دِہد منت نہد
رازقِ ما رزق بے منت دِہد

(بادشاہ نے مجھے گاؤں دے کر احسان مند کیا جبکہ خدا مجھے بغیر احسان دھرے رزق دیتا ہے)۔

۱۰۸۰ھ میں حسن ابدال جاتے ہوئے اورنگ زیب عالمگیرؒ نے ایک روز ایک باغ میں قیام کیا۔ باغ کی دیوار کے نیچے ایک بڑھیا کا مکان تھا۔ بڑھیا کی ایک پن چکی تھی جس میں باغ سے پانی آتا تھا۔ سرکاری میوں نے پانی روک دیا اور پن چکی بند ہو گئی۔ عالمگیر کو خبر ہوئی تو اسی وقت پانی کھلوا دیا۔ رات کو جب خاصے پر بیٹھا تو دو قاب کھانے کی اور پانچ اشرفیاں بڑھیا کو بھیجیں اور معذرت کی کہ ہمارے آنے کی وجہ سے تم کو تکلیف ہوئی۔ صبح ہوئی تو پالکی بھیج کر بڑھیا کو بلایا اور حرم میں بھیجا دریافت سے معلوم ہوا کہ بڑھیا کی دو بن بیاہی بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ دو سو روپے عنایت کئے۔ بیگمات نے اسے زر و جواہر سے مالا مال کر دیا۔ دو تین روز بعد پھر بلایا اور لڑکیوں کی شادی کے لئے دو ہزار روپے عنایت فرمائے۔ بیگمات اور شاہزادیوں نے روپے اور اشرفیاں برسا دیں اس طرح چند روز میں بڑھیا امیر کبیر ہو گئی۔ (اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر)

لارڈ ولزلی برصغیر میں گورنر جنرل بن کر آیا، تو وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھا کہ سلطان فتح علی ٹیپو کی موجودگی میں برصغیر میں برطانوی اقتدار کا قائم ہونا امر محال ہے۔ اس نے نظامِ دکن اور مرہٹوں کے حکمران پیشواؤں کے

اشتراکِ عمل سے میسور پر فوج کشی کی۔ حملے سے پہلے اُس نے سلطان کے چند ایمان فروش درباریوں کو سستے داموں خرید لیا۔ انھوں نے ولزلی کے ایما پر ایک خطرناک منصوبہ بنایا۔ سلطان کے سپاہیوں کو دارالحکومت سے دور دشمن کے ہزاروں سپاہیوں نے گھیر لیا۔ سپاہی مردانہ وار لڑے۔ اپنی آن پر قربان ہو گئے لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ سلطان کی عسکری قوت کو خاصا نقصان پہنچا، اور نظام مرہٹوں اور انگریزوں کی فوجوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان اس وقت بھی دشمن کو نیچا دکھا سکتا تھا۔ مگر غداروں کی ریشہ دوانیاں اس کی قوتِ مدافعت کو گھن کی طرح کھا گئیں اور وہ شمشیر بکف سعادتِ شہادت سے بہرہ ور ہوا۔

نظام کی فوجوں کے سپہ سالار میر عالم نے سلطان شہیدؒ کا بہت سا قیمتی مال اسباب ہتھیا لیا۔ یہ شخص بعد از سالارِ جنگ کے خطاب سے نوازا گیا اور اس کی اولاد بھی سالارِ جنگ کہلائی۔ سلطان شہید کی وہ خاص ٹ جو بوقت شہادت ان کے سر پر تھی۔ آخری سالارِ جنگ کے پاس موجود تھی۔ سلطان شہید اپنے گلے میں مالا پہنتے تھے جس کے درمیان میں ایک مستطیل زبرجد تھا اور اُس پر حسب ذیل شعر کندہ تھا ؎

ٹیپو سلطان سکندرِ ثانی
سکّہ زد بر جبینِ نصرانی

یہ مالا بھی اُسی آخری سالارِ جنگ کے پاس تھی۔

بیسویں صدی کے آغاز میں جناب پروفیسر حافظ محمود شیرانی صاحب مرحوم و مغفور نے وکٹوریہ البرٹ میوزیم لندن میں سلطان شہید کی چند یادگاریں دیکھیں تو اُن سے متأثر ہو کر ایک مقالہ سپردِ قلم فرمایا۔ اس کے علاوہ سلطان شہید کی یاد میں ایک طویل نظم لکھی جس کا ایک شعر تھا ؎

کہاں ہے ٹیپو! مجھ کو کوئی بتائے ذرا
نظام کون سے آرام سے رہیں گے سدا

حافظ صاحب، سلطان کے ایک پسندیدہ ساز کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہاں ایک عجیب قسم کا ساز ہے جو اپنی وضع میں اکیلا ہے اس ارگن کی شکل یہ ہے کہ لکڑی کے ڈیڑھ گز چوڑے

تختے پر ایک انگریز چت لیٹا ہے جس پر ایک شیر سوار ہے۔ شیر کی دونوں داڑھیں انگریز کی گردن میں گڑی ہوئی ہیں۔ اگلے پنجے سینے میں پیوست ہیں اور پچھلے پنجے رانوں میں۔ شیر کا جسم اندر سے خالی ہے۔ اس خالی مقام میں ایک کل رکھی ہوئی ہے۔ جس میں ہارمونیم کی طرح سے برابر قطار میں اٹھارہ پردے ہیں۔ پردوں پر تین تین انگلی اونچی، انگل انگل موٹی اٹھارہ نلیاں دوہری قطار میں جن پر تانبے کا دو انچ چوڑا تار پردوں کے متوازی لٹکایا گیا ہے۔ پردوں کے اختتام پر ایک دندانے دار چکر ہے جس کا تعلق ایک آہنی تار کے ذریعے باہر کے دستے سے ہے۔ دستہ شیر کے بازو پر باہر کی طرف بنا ہوا ہے۔ دستے کو گردش دینے سے اندر کا چکر حرکت میں آتا ہے اور اس کا اثر نلیوں اور پردوں تک پہنچتا ہے۔ شیر کی دم پر دو مروڑیاں ہیں جن کے مروڑنے سے اندر تار گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ شیر کا جسم تختیوں کے ذریعے ڈھکا ہوا ہے۔ تختیاں اس قسم کی ہیں کہ انہیں کھولا اور بند کیا جا سکتا ہے یہ ساز سلطان ٹیپو کی تفریح طبع کے لئے ایجاد کیا گیا تھا موجد نے یہ کمال دکھایا کہ اپنی اس اختراع میں سلطان کی ادا شناسی اور مزاج دانی کو بھی پیش نظر رکھا۔ یہ آلہ دیکھنے میں کسی ہندوستانی کے زرخیز دماغ کا نتیجہ تھا۔ اس کو یورپین مصنوعات سے کوئی مشابہت نہیں۔

قیامِ پاکستان سے چار یا پانچ سال قبل میں چمن گنج کانپور کے عقب میں احاطہ کمال خاں میں اپنے دوست سے ملنے گیا۔ ان کے مکان کے سامنے پانی کا ایک نلکا لگا ہوا تھا جس سے آس پاس کے غریب لوگ، جن کے مکانوں میں نل نہیں تھے۔ پانی بھرا کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ چھوٹے قد کے ایک بزرگ جن کی چوڑی گھیردار ڈاڑھی ان کے چہرے پر چھائی ہوئی تھی، دو بالٹیاں لے کر نلکے سے پانی بھرنے آئے، میرے دوست نے اشارے سے کہا: "ان کو جانتے ہو؟"

میں نے نفی میں جواب دیا وہ بڑے متعجب ہوئے: "ارے تم مولانا حسرت موہانی کو نہیں جانتے؟"

میں نے کہا: "بھلا ان سے کون واقف نہیں ہوگا۔ لیکن یہ مولانا ہیں؟"

"ہاں ہاں وہی ہیں" میرے دوست نے استعجاب کو دور کرتے ہوئے کہا وہ سامنے ان کا مکان ہے

وہ اپنے مکان کا پانی تو بھرتے ہی ہیں۔ ایسی غریب خواتین کا پانی بھی بھرتے ہیں اور سودا سلف لا دیتے ہیں جن کے مرد پردیس میں ہیں یا کام پر گئے ہوتے ہیں۔

میں نے مولانا حسرت موہانی کی سادگی اور خلوص کے متعلق بہت کچھ سنا تھا۔ آج میں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا۔ ہمارے اسلاف کی یہ زندہ یادگار، حسرت موہانی ۱۹۰۳ء میں علی گڑھ کالج کے فرسٹ کلاس گریجویٹ ہوئے۔ جب علی گڑھ سے تھرڈ ڈویژن میں کامیاب ہونے والے گریجویٹ ڈپٹی کلکٹر ہوا کرتے تھے۔ مولانا کو میں نے بڑی عقیدت سے دیکھا۔ جی یہی چاہتا تھا کہ قرونِ اولیٰ کے اس سچے اور پاک باطن مومن کے قدم لوں۔ لیکن میرے دوست نے مجھے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ مولانا عقیدت کے اظہار کو پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ اس سے افراد میں انا بیدار ہوتی ہے جو مولانا ایسے درویش صفت فطرت کے خلاف ہے۔ (چند یادیں۔ خواجہ جمیل احمد)

آج سے دو ہزار سال قبل سنسکرت زبان میں ایک مقید کتاب لکھی گئی جس کا نام منو اپدیش ہے اس میں مختصر کہانیاں ہیں جن کے آئینے میں ہمارے لئے چند در چند حقائق اور نصائح موجود ہیں اس میں مصنف نے لکھا ہے: "پرانے وقتوں میں کوہ ہمالیہ کے جنوبی دامن میں ایک خوشحال ریاست تھی۔ اتفاق سے وہاں کے راجے کی شیطان سے دوستی تھی۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں نارومنی شیطان کا کردار ادا کرتا ہے۔ بظاہر اس کی زبان پر اللہ کا ذکر جاری رہتا ہے۔ مگر وہ عوام کو گمراہ کرتا ہے اور ان کی بربادی سے خوش ہوتا ہے۔

راجے کا ایک ہی بیٹا تھا ـــــ اس کی شادی بڑی دھوم دھام سے رچائی گئی۔

راجہ نے شیطان کو بلایا اور کہا" میں تمہیں پرانی دوستی کا واسطہ دیتا ہوں کہ راجکمار کی شادی کی محفل میں شریک نہ ہونا، کیونکہ تم شرارت سے باز نہیں رہ سکتے اور ممکن ہے کہ اس کے نتائج ہولناک ہوں۔

شیطان مسکرایا، جھک کر آداب بجالایا اور کہنے لگا:" مجھے باہمی دوستی کا پاس ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ راجکمار کی شادی میں کوئی حرکت نہیں کروں گا۔"

شہر سے باہر ایک شاہی باغ تھا ہمالیہ کی بلندیوں سے آنے والی ایک خوش خرام ندی اس کے وسط میں رواں دواں تھی۔ ندی کے دونوں کناروں پر سنگِ مرمر کی ایک خوب صورت روش بنی ہوئی تھی۔ چاروں طرف حسین اور دلفریب پھولوں کے جنت نگاہ تختے تھے اور ہرے بھرے درختوں کی ٹہنیوں میں چھپے ہوئے ننھے منے پرندے میٹھے میٹھے راگ الاپ رہے تھے۔ باغ کے چاروں طرف ایک بلند فصیل تھی۔ ندی کے کنارے سنگِ مرمر کی روشوں پر مہمانوں کو کھانا کھلانے کا انتظام تھا اور باغ کے دروازوں پر پہرے دار کھڑے تھے تاکہ کوئی ناپسندیدہ آدمی اندر داخل نہ ہو سکے۔ مہمان کھانا کھا رہے تھے۔ ہر طرف مسرت کا دور دورہ تھا۔ ہنسی مذاق کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اچانک ایک بے حد دلفریب پھول ندی میں بہتا ہوا آیا۔ مہمانوں میں سے ہر ایک اسے حاصل کرنے کے لئے بے تاب دکھائی دے رہا تھا۔ پہلے تو تُو تُو میں میں ہوئی، پھر خشم ناک آوازیں بلند ہوئیں اور اس کے بعد لوہے سے لوہا ٹکرانے لگا۔ ہنگامہ فرو ہوا، تو معلوم ہوا کہ دولہا بھی پھول کے کشتگان میں شامل تھا۔

راجہ نے دیکھا کہ شیطان باغ کی فصیل پر ٹھوڑی رکھے قہقہے لگا رہا ہے۔ راجے نے اس سے کہا: "کم بخت میں نے تمہیں دوستی کا واسطہ دیا تھا، مگر تم باز نہیں آئے۔"

شیطان نے جواب دیا: "میں اس دعوت میں شامل نہیں ہوا میں نے صرف ایک پھول پھینکا تھا۔"

کیا آپ ایسے اشخاص کی نشان دہی کر سکتے ہیں جو ایک پھول پھینک کر عالمِ اسلام میں دینی بھائیوں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیتے ہیں؟" ★★★★

پیٹ بھرے

من کی موجوں کو بس میں رکھنے کا انوکھا نرالا قصہ جسے قرآن نے انسانوں کی تربیت کے لئے بیان کیا۔ (دیکھئے سورہ بقرہ آیت ۲۴۶ تا ۲۵۱)۔ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ من کو مار سکتے ہیں۔ وہی دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پیٹ بھرے اور سفید پوش راستہ روکنے والے ہوتے ہیں ان کی مثالیں کل بھی تھیں۔ آج بھی ہیں اور کل بھی ملیں گی۔ دنیا میں ہر تحریک کا سمجھدار سربراہ ان سے دوچار رہتا ہے۔ یہ مضمون میں نے تفہیم القرآن کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔ (فاطمہ زہراء)

بنی اسرائیل کے معنی

یوں سمجھئے۔ ایک باپ کے کچھ بیٹے ہیں۔ ان میں سے ایک بیٹا باپ کا بڑا فرماں بردار ہے۔ باپ جس بات سے خوش ہوتا وہی کرتا ہے۔ باپ جس بات سے روکتا ہے، اس بات کو نہیں کرتا تو اس بیٹے سے باپ بہت خوش ہوتا ہے اور پھر لوگوں سے بڑے فخر کے ساتھ کہتا ہے " یہ ہے میرا بیٹا!" یہ کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سچ مچ میرا بیٹا جیسا ہونا چاہئے۔ یہ ہے۔ ویسے اور بھی میرے بیٹے ہیں لیکن وہ بس نام کے ہیں۔

اسی مثال سے اب اس طرف آیئے، ہم آپ اللہ کے بندے ہیں جو لوگ ہم سے آپ سے پہلے

گزرے ہیں۔ وہ بھی اللہ کے بندے تھے۔ آج سے چار ہزار برس پہلے اللہ کے ایک نبی ہوئے ہیں
ان کا نام تھا یعقوبؑ۔ یعقوب علیہ السلام، حضرتِ اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ
کے پوتے تھے۔ حضرت یعقوبؑ بھی اللہ کے بندے تھے۔ ایسے اچھے بندے اور نمونے کے انسان
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

دیکھو، یہ ہے میرا بندہ۔ جس کو میرا بندہ بننا ہو وہ ایسا بنے۔ اللہ کا بندہ، یہ اردو زبان کا لفظ
ہوا۔ فارسی میں اس کو بندۂ خدا، عربی میں عبداللہ اور حضرت یعقوبؑ کے زمانے میں جو بولی بولی جاتی تھی
اس بولی میں اس کے بدلے "اسرائیل" کا لفظ بولا جاتا تھا۔ بس حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہی لقب
مشہور ہوگیا۔ لقب اس نام کو کہتے ہیں جو آدمی کی کسی خوبی کی وجہ سے مشہور ہو جائے۔ تو حضرت یعقوب
علیہ السلام "اسرائیل" کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ اور آپ کی اولاد بنی اسرائیل کے نام سے یعنی
اسرائیل کی اولاد۔

بنی اسرائیل کا عروج وزوال

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی بڑائی دی تھی۔ بنی اسرائیل میں حضرت یوسف علیہ السلام
ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوبؑ کے پیارے بیٹے تھے۔ حضرت یوسفؑ کو اللہ نے اپنا نبی بھی
بنایا تھا۔ اور ان کو دنیا میں بھی ایسی بڑائی دی کہ وہ مصر کی ریاست کے کرتا دھرتا بن گئے تھے۔ انھوں
نے مصر میں خوب ہی اسلام پھیلایا تھا۔

حضرت یعقوبؑ نے بنی اسرائیل کو نصیحت کی تھی کہ تم سب اللہ کے بندے ہی بنے رہنا۔ حضرت یوسف
علیہ السلام نے بھی یہی نصیحت بنی اسرائیل کو کی تھی اور یہی کیا، سارے ہی نبیوں نے لوگوں کو یہی نصیحت کی
کہ اللہ ہی کے بندے بنو۔ اللہ کے بندے بنے رہو گے تو دونوں جہان میں آرام سے رہو گے۔ دنیا میں ترقی
کرو گے۔ بڑائی پاؤ گے۔ پھر جب اللہ کے حضور جاؤ گے تو اللہ تم سے خوش ہوگا اور اپنی رضا کے گھر جنت

میں آرام اور سکھ سے رکھے گا۔

بنی اسرائیل حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کے کہنے پر چلے تو ان کو دنیا میں بڑا مرتبہ حاصل ہوا
پھر دھیرے دھیرے نصیحتیں بھول گئے تو دوسری قوموں نے ان کو دبا لیا۔ بنی اسرائیل کی تربیت کے لئے
اللہ نے دوسرے نبی بھیجے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اسی قوم میں ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے
فرعون جیسے بادشاہ سے ٹکر لی۔ وہ تباہ ہوا۔ اس کے بعد پھر بنی اسرائیل کو عروج حاصل ہوا۔ انھوں
نے فلسطین فتح کیا اور وہاں اسلام پھیلایا لیکن پھر عیش میں پڑ گئے۔ بزرگوں کی نصیحت بھول گئے تو اب
سے تین ہزار برس پہلے ایک قوم عمالقہ تھی۔ اس قوم نے بنی اسرائیل کو دبا لیا۔ ان کا ملک ان سے چھین
لیا اور بادشاہ بن بیٹھے۔ اور بنی اسرائیل کو خوب پریشان کیا۔ بنی اسرائیل نے سوچا، اگر ہمارا بھی کوئی بادشاہ
بنے اور ہم اس کے ساتھ ہو کر جنگ کریں تو ہمارے دن پھر جائیں گے۔ اس وقت ان میں حضرت
نبی تھے۔ حضرت سموئیل بہت بوڑھے ہو گئے تھے۔ سب نے ان سے کہا کہ آپ ہمارے لئے ایک
چن دیجئے۔ وہ بزرگ یہ سنکر چونکے۔ فرمایا "تمہارا بادشاہ تو اللہ ہے۔ اس کے حکم پر چلو۔ تم کو دو
پر بڑائی حاصل ہوگی۔ میں اللہ کا نبی ہوں۔ میرا کہنا مانو۔

بنی اسرائیل کی جہالت

اس وقت بنی اسرائیل ایسے مورکھ اور جاہل ہو چکے تھے کہ وہ بادشاہ اور خلیفہ کا فرق بھی نہیں
تھے۔ اللہ کے نبی حضرت سموئیلؑ نے سمجھایا کہ اللہ ہی تمہارا بادشاہ ہے، تم اس کے خلیفہ بنو تم اس۔
نائب بنو۔ اللہ کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرو۔ اپنے میں سے کسی کو اپنا سربراہ چن لو۔ جو اللہ کے حکمو

تم کو چلائے۔

بنی اسرائیل ایسے نا سمجھ ہو گئے تھے کہ وہ یہی ضد کرنے لگے کہ آپ تو بوڑھے ہو گئے۔ آپ کے
(یعنی بنی اسرائیل) آپ کا کہنا ہی نہیں سنتے۔ آپ تو ہمارے لئے کسی کو بادشاہ بنا ہی دیجئے جو دوسر

بادشاہوں کی طرح ہماری سنے اور فیصلہ کرے۔

بادشاہ اور خلیفہ کا فرق

بنی اسرائیل کی یہ بات حضرت سموئیلؑ کو بہت بری لگی۔ انھوں نے پھر سمجھایا "دیکھو، انسانوں انسان کا بادشاہ ہونا اچھی بات نہیں ہے۔ بادشاہ اپنی رعایا کو انسان نہیں جانور سمجھتا ہے جس طرح جا ہے ان سے کام لیتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں، بادشاہ اپنی حکومت برقرار رکھنے کے لئے سپاہی پیادے نوکر رکھتا پچاس پچاس سو سو پر جمعدار مقرر کرتا ہے۔ ہزار ہزار، دو دو ہزار کے سردار بناتا ہے۔ انہی جمعداروں اا سرداروں کی مدد سے سب کو غلام بنائے رکھتا ہے۔ اللہ کے بدلے اپنا حکم چلاتا ہے۔ انسانوں کو جانور کی جگہ رتھوں میں جوتتا ہے۔ ان سے ہل چلواتا ہے۔ اپنے لئے ہتھیار بنواتا ہے۔ اپنے لئے فصل کٹو ہے۔ عورتوں اور لڑکیوں سے بیگار لیتا ہے۔ کسانوں، تاجروں سے زکوٰۃ کے بدلے چوتھ وصول کرکے اس چوتھ میں سے کچھ اپنے جمعداروں اور سرداروں کو دیتا ہے باقی سب اپنے لئے رکھ لیتا ہے۔ خود ٹھاٹ کرتا ہے۔ اگر تم نے بھی کسی انسان کو اپنا بادشاہ بنا لیا تو تم بھی غلام بن کر رہ جاؤ گے۔ پھر فریاد کرو گے تمہاری اس فریاد کو اللہ بھی نہ سنے گا۔ یہ بات سوچو اور اللہ سے توبہ کرو۔

بنی اسرائیل کی سمجھ پر کچھ ایسے پتھر پڑ گئے تھے کہ انھوں نے اللہ کے نبی کی ایک نہ سنی۔ اور یہی ضد کرتے رہے کہ آپ تو ہمارے لئے ایک بادشاہ چن دیجئے۔ وہ ہمارے آگے چلے اور ہم اس کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑیں۔

حضرت سموئیلؑ نے پھر کچھ نہ کہا اور سوچنے لگے کہ اب کسی ایسے کو ان کا بادشاہ بنا دیں جو اللہ کے حکم کے مطابق عدالت کرنے والا ہو۔ ہو تو وہ نام کا بادشاہ لیکن ہو اللہ سے ڈرنے والا۔

طالوت کا بادشاہ ہونا

ایک دن سموئیل علیہ السلام کی نگاہ میں ایک نوجوان آیا۔ یہ نوجوان حضرت یوسف علیہ السلام

کے چھوٹے بھائی حضرت بن یمین کے خاندان سے تھا۔ اس کا نام طالوت تھا۔ اس کی عمر تیس سال کی تھی۔ بڑا خوبصورت۔ بڑا طاقت ور، ڈیل ڈول کا بھی اچھا۔ چال چلن کا بھی اچھا، اللہ سے ڈرنے والا۔ متقی۔ پرہیز گار۔ عبادت گذار بندہ تھا۔

حضرت سموئیلؑ نے اُسے پاس بلایا۔ باتیں کیں۔ اطمینان ہوگیا۔ پھر بنی اسرائیل کو بلایا۔ فرمایا "آج میں تمہارے لئے بادشاہ چن دوں گا لیکن تم یہ وعدہ کرو کہ میں جس کو بادشاہ بنا دوں تم اس کا کہا مانو گے۔ اس کے ساتھ مل کر دشمنوں سے لڑو گے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو حکم دے۔ دشمنوں سے لڑنے کو کہے اور تم نہ لڑو۔

بنی اسرائیل نے کہا، بھلا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم جنگ نہ کریں جبکہ ہمارے دشمنوں نے ہمیں دبالیا ہے۔ ہمارے گھر ہم سے چھین لیئے اور ہمارے بچے لونڈی غلام بنا کر لے گئے۔

یہ سنا تو حضرت سموئیلؑ نے کہا کہ میں نے اللہ کے حکم سے اس نوجوان طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا۔ طالوت کے بادشاہ ہونے کا اعلان سُنا تو بنی اسرائیل نے کہا "واہ حضرت یہ خوب رہا۔ کوئی بڑا آدمی نہیں ہے۔ آپ نے ایک غریب آدمی کو بادشاہ بنا دیا۔ آپ تو ایسے آدمی کو بادشاہ بناتے جو ہمارے رئیسوں میں ہوتا۔

اللہ نے نبی حضرت سموئیلؑ سے کہا۔ بس ہوگیا۔ اللہ کا حکم یہی ہے۔ یہ سمجھ میں تم اچھا ہے۔ جسمانی طاقت میں تم سے اچھا ہے۔ اللہ کو یہ اختیار ہے جس کو چاہے بادشاہ بنائے۔ وہ جانتا ہے کہ تم میں کون بادشاہ ہونے کے لائق ہے۔

بنی اسرائیل ایسے ڈھیٹ ہو گئے تھے کہ پھر ڈھٹائی پر اُتر آئے۔ اللہ کے نبی سے زبان لڑانے لگے۔ بولے "ہم کیسے جانیں کہ اللہ نے اسے بادشاہ بنایا ہے؟" توبہ توبہ! اللہ کا نبی کہہ رہا ہے کہ اسے اللہ نے بادشاہ بنا دیا۔ اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا ہوسکتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ ثبوت مانگنے لگے۔

اللہ نے اپنے نبیوں کو بڑا دل گردہ والا اور صبر کرنے والا بنایا تھا۔ حضرت سموئیلؑ نے بتایا کہ اس کے زمانے میں تم کو وہ صندوق مل جائے گا جس کو پاکر تم کو اطمینان ہو جائے گا۔ تم جانتے ہو، وہ برکت والا صندوق ہے۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی اولاد کے، اس میں حضرت ہارونؑ اور ان کی اولاد کے چھوڑے ہوئے تبرک ہیں۔ اس میں اللہ کی کتاب توریت ہے۔ اس میں وہ تختیاں بھی ہیں جو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تحفہ کے طور پر دی تھیں۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معجزے والی لاٹھی ہے۔ مَن سے بھری ہوئی بوتل ہے۔ وہ مَن جو تمہارے بزرگوں پر چالیس سال آسمان سے برسایا گیا تھا۔ اور بہت سی نشانیاں ہیں۔

برکت والا صندوق

برکت والے اس صندوق کا قصہ اس طرح ہے کہ یہ صندوق بنی اسرائیل کے پاس تھا۔ وہ اس کی بڑی دیکھ بھال رکھتے تھے۔ پھر وہ غافل ہو گئے۔ ایک بار دشمنوں سے جنگ ہوئی تو دشمن یہ صندوق چھین لے گئے۔ اللہ کی قدرت کہ دشمن جہاں یہ صندوق رکھتے وہاں قحط پڑ جاتا، وہاں بیماری پھیل جاتی۔ وہ بہت گھبرائے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ اس صندوق کے کارن یہ ہو رہا ہے۔ انھوں نے گھبرا کر ایک بیل گاڑی پر صندوق کو لاد دیا اور بیلوں کو ایک طرف ہانک دیا۔ ڈر کے مارے کوئی اس بیل گاڑی پر بیٹھنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ وہ بیل گاڑی کسی گاڑی بان کے بغیر اِدھر اُدھر چلتی پھرتی رہی۔ اللہ کو پھر بنی اسرائیل کے پاس پہنچانی تھی۔ فرشتے اس گاڑی کو بنی اسرائیل کی طرف لے گئے۔

اس صندوق کو دیکھتے ہی بنی اسرائیل خوش ہو گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ سچ مچ طالوت کو خدا کی طرف سے بادشاہ بنایا گیا ہے۔ انھوں نے اقرار بھی کر لیا مگر یہ بات ان کو کھٹکتی رہی کہ طالوت غریب آدمی ہے اور اس کو اللہ نے بادشاہ بنا دیا۔ جب انسان اللہ سے نہیں ڈرتا اور نبیوں کی تعلیم بھلا دیتا ہے تو وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے۔

دشمن سے جنگ پھر طالوت نے بنی اسرائیل کا لشکر تیار کیا۔ وہ لشکر لے کر چلا۔ راستے میں

یا تھا۔ طالوت نے سب سے کہہ دیا کہ تمہارا امتحان کیا جانے والا ہے۔ امتحان یہ ہے کہ کوئی اس دریا کے
ی سے پیاس نہ بجھائے۔ ایک آدھ چلّو کوئی پی لے تو خیر معاف ہے۔ یاد رکھو، جو شخص دریا کا پانی ایک
ھ چلّو سے زیادہ پئے گا وہ میرا ساتھی نہیں۔

طالوت کے اس حکم کو بہت کم لوگوں نے مانا۔ زیادہ لوگوں نے جھک کر پانی پیا۔ جن لوگوں نے زیادہ
نی پیا تھا۔ ان پیٹ بھروں کے دلوں میں بزدلی چھا گئی۔ دریا پار پہنچ کر جب دشمن فوج کو دیکھا تو وہ
نی اسرائیل کی فوج سے کئی گنا زیادہ تھی۔ دشمن فوج کا بادشاہ جالوت بھی بڑا گرانڈیل تھا اور وہ ہتھیاروں
سے لیس تھا۔ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے پیٹ بھر کے پانی پیا تھا۔ وہ دشمن فوج اور جالوت
کو دیکھ کر ڈر گئے۔ انھوں نے طالوت سے کہا۔ ہم جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے
ہیں سراسر اپنی موت دکھائی دیتی ہے لیکن وہ تھوڑے مسلمان، جنھوں نے پانی نہیں پیا تھا یا ایک۔
دھ چلو پیا تھا۔ ان کے دل میں اللہ کی محبت تھی۔ ان کا ایمان جاگ رہا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ
ایک دن اللہ کو منھ دکھانا ہے۔ انھوں نے کہا۔ لشکروں کی کمی زیادتی سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہم نے
بہت بار دیکھا ہے کہ تھوڑے لوگوں نے اللہ کے حکم سے بہت زیادہ لوگوں کے لشکروں کو ہرا دیا
ہے۔ دراصل بات یہ ہے اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے

یہ کہہ کر انھوں نے دعا کی " اے ہمارے رب! ہم کو صبر دے، ہم میدان میں جمے رہیں۔ ڈٹ کر
دشمن کا مقابلہ کریں۔ اے اللہ ہمارے قدم جما دے اور اس کا فروں کے لشکر پر ہمیں فتح عطا فرما۔

مسلمان یہ دعا کر رہے تھے۔ جالوت میدان میں کھڑا دہاڑ رہا تھا۔ تم میں کون ہے جو میرا
سامنا کرے۔ جن لوگوں سے دریا پر صبر نہ ہو سکا تھا۔ وہ ڈر کے مارے کانپ رہے تھے۔ اتنے میں
طالوت کے لشکر سے ایک نوجوان آگے بڑھا۔ جالوت پر اچانک ٹوٹ پڑا جالوت اس نوجوان کا حملہ نہ روک
سکا اور اس نوجوان نے جالوت کو گرا دیا۔ پھر جب مسلمانوں نے بڑھ کر حملہ کیا۔ تو بے سہ دار فوج بھاگ
کھڑی ہوئی۔

طالوت نے اس نوجوان کو پاس بلایا۔ نام پوچھا۔ نوجوان نے بتایا کہ میرا نام داؤد ہے۔ طالوت نوجوان سے بہت خوش ہوا۔ داؤد کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دی۔ یہی نوجوان آگے چل کر اللہ کا نبی ہوا۔ اور اب ہم اس بہادر کا نام اس طرح لیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام۔

حضرت داؤد علیہ السلام ہی طالوت کے بعد بادشاہ ہوئے مگر وہ ایسے بادشاہ نہیں تھے۔ وہ اللہ کے نبی تھے۔ وہ اللہ کی کتاب توریت کے حکموں کے مطابق بادشاہت کرتے تھے۔ انھوں نے ظلم نہیں کیا۔ دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کیا۔ دین پھیلایا۔

یہ سب اللہ کی حکمت ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب بادشاہ دنیا کا نظام بگاڑ دیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ایک ایسا عبقری (ہر بات میں زبردست) بندہ پیدا کر دیتا ہے جو اس بگڑے نظام کے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت میں ایک گروہ ایسا ضرور رہے گا جو باطل طاقتوں سے لڑتا رہے گا۔ اور میری امت میں ہر سو سال میں ایک ایسا قرآن وسنّت کا جاننے والا پیدا ہوتا رہے گا جو خود قرآن وسنّت پر عمل کرے گا اور دوسروں کو دینِ حق پر چلنے کی دعوت دیتا رہے گا۔ اور اس کے زمانے میں جو باطل نظریہ چھایا ہوا ہوگا اس نظریہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دے گا۔

اللہ کا شکر ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں مسلمان رہتے ہیں وہاں ان میں کا ایک گروہ باطل طاقتوں سے ٹکر لے رہا ہے۔ ان شاء اللہ یہ گروہ فتح پائے گا۔ ہم کو چاہیے کہ اس گروہ کو طاقتور بنائیں اور اس کے لیے دعا کرتے رہیں۔

سالک دھامپوری

تین اہم کہانیاں

اَور میں دیکھتا رہ گیا

ہال میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ ایک صاحب درمیان میں بیٹھے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر زور دے رہے تھے۔ قرآن اَور حدیث کی روشنی میں وہ یہ بات ثابت کر رہے تھے کہ مساکین اَور سائل کو کبھی جھڑکنا نہیں چاہئے۔ مانگنے والے کو دھتکارنا نہیں چاہئے۔ کچھ دے نہ سکو تو نہایت خاموشی سے معذرت کر لینا چاہئے۔

تھوڑی دیر کے بعد یہ پروگرام ختم ہو گیا۔ لوگ ایک ایک کرکے باہر نکلنے لگے۔ میں بھی باہر آیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک پھٹے حال شخص جس کے بدن پر میلے کچیلے کپڑے تھے اَور جو دیکھنے میں بیمار لگ رہا تھا، باہر کھڑا ہر شخص سے کچھ کھانے کو مانگ رہا تھا۔ ہر شخص اُسے دیکھ کر سامنے سے نکل جاتا۔ اُسی وقت واعظ بھی باہر نکلے۔ اُن کو دیکھ کر سائل نے بڑی لاچارگی اَور بے بسی سے کہا "صاحب! دو دن سے بھوکا ہوں۔ کچھ مدد کرو!"

واعظ نے اس کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا اَور پھر بڑے زور سے اُس غریب کو ڈانٹتے ہوئے کہا:

"بھیک مانگتے ہو! شرم نہیں آتی!! جاؤ، بھاگو یہاں سے ....!!"

اَور میں یہ سب کچھ خاموشی سے کھڑا دیکھ رہا تھا ....

صفائی

وہ ایک چھوٹا سا معمولی قصبہ تھا۔ وہاں ترقی برائے نام ہی تھی۔ سڑکیں بھی برائے نام ہی بن سکی تھیں۔ نالیوں میں جگہ جگہ گندا پانی بھرا رہتا تھا۔ سڑکوں پر گندگی کے ڈھیر لگے رہتے۔ مہینوں بھی صفائی کا نمبر نہ آتا۔

اچانک ایک دن اس قصبہ میں بڑی دھوم دھام نظر آنے لگی۔ لوگوں نے حیرت سے دیکھا کہ سڑکیں صاف کی جا رہی ہیں۔ نالیوں کی صفائی ہو رہی ہے۔ سڑک کے کنارے سفیدی چھڑکی جا رہی ہے۔ میں نے ایک صفائی کرنے والے سے معلوم کیا:

"کیوں بھائی! یہ آج صفائی کیسی ہو رہی ہے؟"

"آپ کو معلوم نہیں.... !"

"نہیں.... تو.... کیا بات ہے.....؟"

"ارے جناب! الیکشن ہونے والے ہیں۔ کل اس قصبہ میں صفائی منتری جی تشریف لا رہے ہیں۔ اسی وجہ سے تو قصبہ کو دلہن کی طرح سجایا جا رہا ہے۔"

اور تب میں سمجھ سکا کہ آج اس قصبہ میں صفائی کیوں کی جا رہی ہے۔

گالی

دو آدمی آپس میں دست و گریباں تھے۔ دونوں کا یہ حال تھا کہ شاید ایک دوسرے کی جان ہی لے کر دم لیں گے۔ لوگوں کی بھیڑ ان کے چاروں طرف موجود تھی لیکن ان کو کوئی الگ نہیں کر رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر ان کو الگ کرنا چاہا تو اچانک ان میں سے ایک نے مجھ سے کہا:

"آپ بیچ میں نہ آئیں جناب۔ میں آج اِسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔۔۔۔"

"لیکن آپ لوگ اِس طرح لڑکیوں رہے ہیں؟"

"اِس نے مجھے گالی دی ہے۔ میں اِسے مزا ضرور چکھاؤں گا۔۔۔۔۔"

"اِس نے آخر کیا گالی دے دی تم کو؟"

"میں اپنی زبان گندی نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ وہ بڑی گندی گالی تھی۔۔۔۔۔"

بعد میں اُس آدمی نے مجھے کان میں آخر وہ گالی بتا ہی دی جو دوسرے آدمی نے اُسے دی تھی۔ آپ بھی سُننا چاہیں گے کہ اس کو کیا گالی دی تھی۔۔۔۔۔

اُس دوسرے آدمی نے اِس شریف آدمی کو "نیتا" کہا تھا۔

پیارے نبیؐ کی نصیحتیں

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کون ہے جو مجھ سے سیکھ لے یہ چند خاص باتیں۔ پھر وہ خود ان پر عمل کرے یا دوسرے عمل کرنے والوں کو بتائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں حاضر ہوں۔ تو آپؐ نے (ازراہِ شفقت) میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیا اور گن کر یہ پانچ باتیں بتائیں۔ فرمایا ① جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں ان سے بچو اور ان سے پورا پورا پرہیز کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم بہت بڑے عبادت گزار ہو اور یہ عبادت نفلی عبادت کی کثرت سے افضل ہے ② دوسری بات آپؐ نے یہ فرمائی کہ اللہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اُس پر راضی اور مطمئن ہو جاؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو تم بڑے بے نیاز اور دولتمند ہو جاؤ گے ③ تیسری بات یہ کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم مومنِ کامل ہو جاؤ گے ④ چوتھی بات یہ کہ جو تم اپنے لئے چاہتے ہو اور پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے بھی چاہو اور پسند کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو حقیقی مسلم اور پورے پورے مسلمان ہو جاؤ گے ⑤ پانچویں بات یہ کہ زیادہ مت ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مُردہ کر دیتا ہے (مسندِ احمد، جامع ترمذی)۔ مرسلہ ساجدؔ فرزانہ صادق

بدلتے رخ

CHIAT YASMEEN C/O NAFEES FOOTWEAR, MAIN ROAD,
ZDIGERE. CHICKMAGLUR DISTRICT * * * * *

عدنان آج انجینیرنگ کی ڈگری لے کر اپنے دیہات آیا تھا!!!

لیکن آج وہاں اُس کا کوئی نہیں تھا۔ ماں باپ فوت ہو چکے تھے۔ وہ اپنے گھر کے سامنے آکر یکبارگی ٹھٹک گیا۔ فرطِ غم سے اُس کی آنکھیں ابرِ باراں بن گئیں۔

آج اُس کی شاندار حویلی اپنے مکینوں کی دلگداز کہانی اپنے ٹوٹے پھوٹے در و دیوار کے ذریعہ جیسے زبانِ حال سے سُنا رہی تھی۔ فضا میں موت کا سماں طاری تھا۔ یہ دردناک نظارہ دیکھ کر آسمان بھی آنسو بہا رہا تھا۔ ماضی کا سین اپنی ایک ایک ادا لئے اُس کے سامنے اُبھر رہا تھا!!!

جب وہ چھوٹا تھا، اُس کی ماں نے ایک دائی اُس کی دیکھ بھال کے لئے رکھ چھوڑی تھی۔ جو ایک ہندو عورت تھی۔ وہ اُسے دودھ پلاتی، کپڑے پہناتی، اُس کے سارے ناز نخرے برداشت کرتی۔ اسی کی زیرِ نگرانی یہ تیزی سے بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی کی سرحد پر آ گیا۔ آج یہ ایک خوبرو نوجوان تھا۔ کائنات کے ظاہر بین پردے کے پیچھے کی حقیقت کو اپنی فراست و ذہانت کے بل پر دل کی آنکھوں سے دیکھنے کا شیدائی تھا۔

جلد ہی اُس نے اپنی خداداد صلاحیت کی بنا پر دیہات میں ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ وہ اِس تنظیم کا سب سے بااثر لیڈر تھا۔

صبح جب مسجد کے فلک بوس منارے عظمتِ الٰہی کا نغمہ سُناتے تو جیسے اُس کے خوابیدہ لمحات جاگ اُٹھتے۔ وہ مبارک و معصوم عدنان اپنا جبہ و شلوار پہنے، ٹوپی سنبھالے تاریک راہ کا روشن چراغ بن کر غافل اِنسانوں کو اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم،

(نماز نیند سے بہتر ہے، نماز نیند سے بہتر ہے) کا ترنم ریز نغمہ سُنا کر پکارا کرتا اور گھر گھر جا کر دستک دیتا اور کہتا:

"آؤ ہم سب متحد ہو کر ایک اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو جائیں۔ اُس سے اپنی سیہ کاریوں کی معافی مانگیں۔ اُس منعمِ حقیقی کے آگے سجدۂ شکر بجالائیں جس نے ہمیں بے شمار عنایات سے نوازا ہے۔ اُٹھو، وقت کے یہ انمول موتی یوں غافل پڑے ضائع نہ کرو!"

تو ایسے سرور افزا ماحول میں اُس کی مدھ بھری آواز پر طائرِ خوش الحان بھی لبیک کہہ کر خالقِ کائنات کی تعریف و توصیف میں نغمہ سرا ہو جاتے۔ برگ و گل بھی لہک لہک کر آواز میں آواز ملا کر مدح خواں ہو جاتے۔

لیکن اُس کے بعض مخالف ساتھی بھی تھے جو اُس کو تنگ کرنے کا ہر حربہ آزما لیتے۔ لیکن آفرین صد آفرین کہ اللہ کا یہ سپاہی ہر مرحلہ پر ثابت قدم رہ کر اُس کے بندوں کو دعوت دینے سے باز نہ آتا۔

آج اُس کی کوشش سارے دیہات کو اللہ کے رنگ (صبغۃ اللہ) سے رنگ چکی تھی۔ جب وہ انجینیر کی ڈگری لینے شہر جا رہا تھا، سارے دیہات کی آنکھیں اُس کی ودداعی پر نمناک تھیں۔ وہ گوہرِ لعل جو اُن کی زندگیوں کی تاریک گہرائیوں میں اُنھیں ملا تھا، اب اُن سے جدا ہو رہا تھا۔ سب ہی نے پُر اشک آنکھوں سے اور غمگین دلوں سے ڈھیروں دعائیں دے کر اُسے رخصت کیا اور تھکے دل سے اپنے اپنے گھر واپس چلے آئے۔

طائرِ وقت محوِ پرواز تھا۔ دن ہفتوں میں، مہینے سالوں میں، خزاں بہار میں، گرما سرما میں تبدیل ہوتا رہا۔ عدنان تیزی سے وقت کی اُڑان کے ساتھ عہدِ رفتہ کو فراموش کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ انجینیرنگ کی ڈگری نے اُس کی رگوں سے للّٰہیت اور وحدانیت کا سارا خون نچوڑ لیا اور اُس کی جگہ مادّیت کا خون اُس کی رگوں میں دوڑنے لگا۔

اور آج وہ ساری دینی روایات کی زنجیروں کو توڑ کر، نئے باطل خیالات کو اپنے اوپر مسلط

کر کے، اپنے بچپن و جوانی کی امین و رازدار حویلی کے سامنے آیا تو جیسے آج دیہات اُس مغرور نوجوان کو اپنے اندر جگہ دے کر اُس سرزمین کو ناپاک نہ کرنا چاہتا تھا جہاں وحدانیت کے پرستار، غازیانِ دین اپنا خونِ جگر نچوڑ کر چمنستانِ اسلام کو لالہ زار کر گئے تھے اور حویلی جیسے اُس کے ذہن و دل میں سرگوشیاں کر رہی تھی :

"جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا" (بے شک حق آگیا اور باطل مٹ گیا، اور بے شک باطل مٹنے ہی والا ہے) ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

لیکن جیسے اُس کا ضمیر ہمیشہ کے لئے مُردہ ہو چکا تھا۔ وہ مادہ پرستی کے سمندر میں اتنا گہرا ڈوب گیا تھا کہ وہ ہر مرحلے پر ایمان کا سودا کر لینا چاہتا تھا اور ضمیر کو بیچ دیتا تھا، ہر قیمت پر۔

گھنٹوں دیہات کے گھٹن زدہ ماحول میں کھڑے کھڑے جب اُس کو نفرت ہونے لگی تو لمحہ بھر کے لئے بھی وہ وہاں رُکنا پسند نہ کرتا تھا۔ پھر نئے سرے سے وہ ساری روایات کو جو اُسے ورثہ میں ملی تھیں اپنے ذہن و دل سے یکسر فراموش کر کے شہر کی رنگا رنگ پر فریب سڑکوں پر چلا آیا جہاں اُسے اِس دنیا کا خدا کہیں نظر نہ آتا تھا

جب اُس کی کار فراٹے بھرتی ہوئی شہر کی بارونق سڑکوں پر دوڑنے لگی تو وہ اُس اللہ سے دور، بہت دور ہو گیا جس نے اُسے محض اپنے فضل و کرم سے یہ معزز عہدہ، دنیا کی تمام آسائشیں، خوبصورت و تندرست بیوی اور دو بچے عطا فرمائے تھے۔ اِن ہی فانی و دنیاوی چیزوں کو وہ اپنی زندگی کا حاصل، اپنی سوچوں کا مرکز اور اپنی کل کائنات سمجھ بیٹھا تھا۔ اس کے پیچھے وہ خدا کو ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا۔ اپنے اوپر کسی نگران کا تصور بھی گویا اُس کے معزز عہدے کو بٹا لگاتا تھا۔

جب وہ تھکا ماندا اپنے گھر میں قدم رکھتا تو بیوی اور بچے اُس کے منتظر ہوتے۔ اُس کی بیوی ایک دین دار گھرانے کی تھی۔ لیکن شادی کے بعد وہ اپنے شوہر کو راہِ راست پر لانے کے اُلٹا اسی کی روش پر چل پڑی جہاں وہ تمام اِسلامی روایات کو دقیانوسیت تصور کر کے اپنی زندگی کی گاڑی کو جیسے بغیر پہیوں کے کھینچ رہا تھا۔ اللہ و رسولؐ کی محبت سے قطع نظر کر کے، خوفِ آخرت کو دل سے

کھر ج کے دونوں بچّوں کو اعلیٰ مشنری اسکول میں داخل کر دیا گیا تھا جہاں کے درو دیوار کبھی اللہ اور رسول ؐ کی باتوں سے مانوس نہیں تھے۔ اللہ و رسول ؐ کی باتوں کا جہاں کبھی بھی گزر نہیں ہوا تھا۔

شاذ و نادر بھی ان میاں بیوی کے دلوں میں کبھی یہ احساس پیدا نہیں ہوا کہ ہمارے ہاتھ میں اللہ نے امتحان کے جو دو پرچے بچوں کی صورت میں عطا فرمائے ہیں ہم اُن کی تربیت کس بنیاد پر کر رہے ہیں۔ ماہِ رمضان اپنے دامن میں ہزاروں رحمتوں کو سمیٹے چلا آتا لیکن یہ بابرکت مہینہ بھی یوں ہی کھاتے پیتے گزر جاتا۔ نادان بچے بیچارے کیا جانتے کہ روزہ کیا ہے، نماز کیا ہے۔ اُنھیں تو اللہ کے الف سے بھی شناسائی نہیں کرائی گئی تھی۔

یکایک اُن کی زندگی کے رخ نے پلٹا کھایا، جیسے قدرت کو کچھ اَور ہی منظور تھا!!!

پڑوس میں آج جو نئے صاحب آئے تھے، صبح سویرے تلاوتِ قرآن کر رہے تھے۔ بچوں کے کانوں میں آج تک ایسی روح پرور آواز سُنائی نہیں گئی تھی۔ امجد جو اُس جادو بیان آواز سے بہت دیر سے سرشار ہو رہا تھا، ماں کے پاس آتا ہے اَور پوچھتا ہے

"یہ آواز کیسی ہے ماں! جو آج مجھے دنیا کی تمام آوازوں پر حاوی سُنائی دے رہی ہے؟ ذرا مجھے بھی اِس کی تعلیم دینا!"

ماں جس کی آنکھوں پر مغربی تہذیب کی عینک چڑھ گئی تھی کہتی ہے "جاؤ اَپنا کام کرو۔ یہ دقیانوسی تعلیم میں تم کو نہیں دوں گی۔"

امجد ماں کا یہ جواب سُن کر مایوس ہو جاتا ہے۔ بچوں کی فطرت دینِ فطرت کی طلبگار تھی لیکن انھیں صحیح تربیت نہ ملنے کی وجہ سے حالات کے رحم و کرم پر بے پتوار کشتی کی طرح چھوڑ دیے گئے۔ رفتہ رفتہ بچّے والدین سے چھپ چھپ کر پڑوس کے گھر میں جانے لگے اَور اُن صاحب کو نماز پڑھتے ہوئے غور سے دیکھنے لگتے۔ یہ صاحب اندر ہی اندر بچوں کو دین کی چھوٹی موٹی باتیں بتانے لگے۔ آخر کار ان صاحب کی کوششیں رنگ لانے لگیں۔ ایک دن بچہ امجد بے حد پُر درد آواز میں اپنی ماں سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا:

"امی جان! جب آپ ہمیں دنیوی تعلیم دلانے کے لئے اتنی تگ و دو کرتے ہیں تو آخر اس دینی تعلیم سے اتنی غفلت کیوں برت رہی ہیں جس پر ہماری زندگی کی فلاح کا دار و مدار ہے۔ ماں! ہمیں دینی تعلیم دینے کے لئے ایک اُستاد مقرر کر دیجئے۔"

امجد کی یہ بات سُن کر اچانک جیسے ماں کے دل کی گہرائیوں میں سویا ہوا ضمیر جاگ اُٹھا۔ دل کے کسی گوشے سے آواز آئی "ہاں، میں بے حد گناہ گار ہوں۔ میں جانتے بوجھتے ہوئے بھی اپنے بچوں کو چار بنیادی باتیں بھی نہ بتا سکی۔ روزِ قیامت مجھے اِس کا جواب دینا ہوگا..... جاؤ بیٹے، جاؤ۔ اِنشاء اللہ کل سے میں اِس کا انتظام کر دوں گی۔"

دوسری صبح جب طلوع ہوئی تو اپنے اندر ایک مژدۂ نوید لئے ہر برگ و گل، ہر شجر و ثمر کو سُناتی پھر رہی تھی: "آج عدنان کے گھر ایک مولوی صاحب آئے ہیں جو اُس کے بچوں کو عربی تعلیم دے رہے ہیں۔ امجد و ارشد ٹوپیاں پہنے مولوی صاحب کے کلام کو بغور سُن رہے ہیں اور اپنے دلوں میں اُتار رہے ہیں۔"

عدنان جیسے ہی دفتر سے گھر آکر کار پارک کر کے اپنے صحن کی طرف مڑا، ایک خوش الحان، رعب دار آواز نے اُس کے قدم روک دئے۔ یہ آواز اُسے دور، بہت دور، اُس دیہات کی نورانی مسجد سے آتی ہوئی سُنائی دی جس میں وہ اپنے ماضی کی ساری روایات کو، ساری یادوں کو ندر کر آیا تھا۔ آہستہ آہستہ اُس کے دل پر چڑھا ہوا زنگ مولوی صاحب کے اِن کلمات کو سُن کر ترتا جا رہا تھا۔ مولوی صاحب کہہ رہے تھے:

"کیا اللہ کے بھٹکے ہوئے بندوں پر ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ جب وہ خدا کی عظمت اور رگی کا اعتراف کر کے پچھلے گناہوں پر توبہ و استغفار کر کے اُس کی طرف پلٹ آئیں۔ بے شک ذ بڑا غفور الرحیم ہے۔ خوفِ خدا و حبِّ رسولؐ پر زندگی کی عمارت کھڑی کر کے غلط روش کو وڑ کر پاکیزہ روش اختیار کریں اور سجدۂ شکر بجا لائیں۔"

ننھے امجد و ارشد کی معصوم صورتوں کے آئینے میں اُسے اپنی جوانی کا عکس صاف نظر آ رہا تھا،

جب کہ وہ اپنی مبارک و معصوم آواز سے اللہ کے گھر پر کھڑا ہو کر اُس کی عظمت و کبریائی کا ڈنکا اذان کی صورت میں بجایا کرتا تھا۔

اُس کی آنکھیں وفورِ خوشی سے چمک اُٹھیں۔ وہ فوراً غسلخانے میں جاکر وضو کر کے اللہ کے حضور دو رکعت سجدۂ شکر ادا کر رہا تھا اور اپنا ماتھا رگڑ رگڑ کر پیشانی سے اُن سارے داغوں کو مٹا رہا تھا جو پچھلی سیہ کاریوں کا نشان بن کر اُس کی پیشانی پر چھا گئے تھے اور آج اُس نے ندامت اور شرمندگی کے آنسو بہا بہا کر اپنے دامن کو سارے گناہوں سے پاک و صاف کر دیا تھا۔

درود شریف کی برکت

◉ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اُس پر دس بار درود بھیجتا ہے ◉ عامر بن ربیعہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اُن کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے اور فرماتے سُنا کہ جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے، فرشتے اُس پر درود بھیجتے رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا رہتا ہے ◉ حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: قیامت کے روز میرے ساتھ رہنے کا سب لوگوں سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجے گا ◉ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اُس میں ذکرِ خدا نہ کریں اور اپنے نبیؐ پر درود نہ بھیجیں تو لازماً وہ مجلس اُن کے حق میں تباہی ہوگی، خدا چاہے اُنھیں عذاب دے، چاہے اُنھیں بخش دے ◉ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے ◉ مرسلہ :- ساجدہ فرزانہ صادق

تحسین انصاری

ایک منزل دو راہیں

ٹرین اپنی پوری رفتار سے چلی جارہی تھی اور اس کے ساتھ اردگرد کی ہر شے بھاگی جارہی تھی۔ لہلہاتے کھیت، سوکھے اور اُجڑے درخت، سرسبز یا بنجر زمین سب کے سب۔ نجمہ دنیا کی ہر کشمکش سے بے نیاز اپنے خیالات میں گم تھی۔ اُس کے نزدیک ساری دنیا تھمی ہوئی تھی۔ اور صرف وہ گردش میں تھی۔ اس کا ماضی اپنی پوری تلخیوں کے ساتھ اس کی آنکھوں سے آنسو بن کر ٹپکے جارہا تھا۔ الیاس اس کے پہلو سے اُٹھ کر کمپارٹمنٹ کے دروازے میں جاکھڑا ہوا تھا۔ اُس نے بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ویران نظروں سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں دور خلاؤں میں شاید اپنے مستقبل کو دیکھنے کی سعی ناکام کررہی تھیں۔ مستقبل جو تابناک بھی ہوسکتا تھا اور تاریک بھی۔

نجمہ نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ وہ ایک سال سے چلنے والی کشمکش کو ختم کرکے اپنے مندر کے دیوتا کے ساتھ جارہی تھی۔ اس نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ اس کے والدین اُسے الیاس کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دے دیں، مگر یہ ممکن نہ ہوسکا۔ اُن کا کہنا تھا کہ وہ ایک غیر ذمہ دار اور ناکارہ لڑکے کے ساتھ اس کی زندگی برباد نہیں کرسکتے تھے انھیں یقین تھا کہ الیاس اپنے والدین کی چھوڑی ہوئی جائیداد کو سنبھال نہیں سکے گا۔ اور ایک دن راستے کا بھکاری بن جائے گا۔

اس کی آنکھوں میں خالد کی تصویر گھومنے لگی۔ کشادہ پیشانی، گھنگھریالے بال ہمیشہ مسکراتی آنکھیں کتنا اچھا لگتا تھا وہ! وہ اکثر سوچتی تھی۔ کاش اس نے الیاس سے زندگی بھر ساتھ دینے کا عہد نہ کیا ہوتا تو یقیناً خالد ایک اچھا جیون ساتھی ثابت ہو سکتا تھا۔ اور اس کی بہن انجم کتنی پیاری لڑکی تھی۔ کتنی محبت کرتے تھے۔ وہ دونوں اس کے ساتھ لیکن وہ کیا کرتی۔ اس کا ضمیر ہمیشہ اسے اپنے عہد کو پورا کرنے کے لئے اکساتا رہتا تھا اور وہ ایک بااصول لڑکی تھی۔ اس لئے اسے الیاس سے شادی کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔

ان ہی دنوں اس کے والدین نے اس کی شادی خالد کے ساتھ طے کر دی۔ اب اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ الیاس کے ساتھ کہیں دور چلی جائے۔

نجمہ نے اپنی بھیگی آنکھیں صاف کیں اور سوچنے لگی۔ اس کے والدین کو اس کے فرار کا علم ہو چکا ہوگا۔ شادی کا گھر ماتم کدہ بن گیا ہوگا اس کی ماں مسلسل روئے جا رہی ہوگی۔ اس کے والد رسوائی اور بدنامی کے خیال سے پریشان آرام کرسی میں پڑے ہوں گے۔ اس کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ کتنا اعتماد تھا انھیں اپنی لڑکی پر۔ اس نے سوچا یہ دنیا کتنی عجیب جگہ ہے۔ جہاں کسی سے وفا کرنے کے لئے دوسروں سے بے وفائی کرنا ضروری ہوتا ہے۔

تصورات نے اسے پھر اپنے گھر پہنچا دیا۔ اس نے دیکھا گھر میں سناٹا چھایا ہوا ہے۔ برقی قمقموں کی وہ قطاریں جنہوں نے گھر کو بقعۂ نور بنا دیا تھا تاریکی میں ڈوب چکی ہیں۔ لوگ مکان کے سامنے سے قہقہے لگاتے گزر رہے ہیں۔ جیسے کہہ رہے ہوں۔ اب یہ لوگ کیسے کسی کو منہ دکھائیں گے

نجمہ نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ بات ختم ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے اندر کی کشمکش ابھی تک جاری تھی۔ تیز دوڑتی ہوئی ٹرین کی رفتار کم ہوتی جا رہی تھی۔ اور کسی اسٹیشن کی آمد کی خبر دے رہی تھی۔ آخر ٹرین رک گئی۔ پلیٹ فارم پر مسافروں کا ہجوم تھا۔ کمپارٹمنٹ کے سامنے ہی ایک بارات کھڑی تھی۔ ایک دم بھیڑ کمپارٹمنٹ میں گھس آئی۔ کچھ عورتوں نے ایک بڑی پیاری سی دلہن کو اس کے قریب لا بٹھایا۔ سرخ لباس میں

سمٹی سمٹائی، دُلہن زیورات سے لدی ہوئی تھی۔
اس کے چہرے پر خوشی اور ملال کا عجیب رنگ تھا
اس کے گرد میکے اور سُسرال والوں کی بھیڑ تھی۔
نجمہ نے اُسے دیکھا اور اس کے دل پر چوٹ سی
لگی۔ اُس نے سوچا، کل وہ بھی دلہن بنے گی لیکن
اُس کے گھر کوئی برات نہیں آئے گی۔ اُسے وداع
کرنے والی کوئی اپنے نہیں ہوں گے۔ اور اُسے
لے جانے والا بھی سوا اس کے شوہر کے اور کوئی
نہیں ہوگا۔ ایک انجان مقام پر وہ مجسٹریٹ کی
موجودگی میں ایک دوسرے کے ہوجائیں گے۔
ان کے لئے ان کے اپنے گھروں کے دروازے
بند ہوچکے ہوں گے اور اُن کے والدین رسوائی
اور بدنامی کے دامن میں منہ چھپائے سسک
رہے ہوں گے۔

اُس نے الیاس کی طرف دیکھا جو ٹرین سے
اتر کر پلیٹ فارم پر دور تک چلا گیا تھا۔ اسی وقت
اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح ایک
آواز اُتر گئی۔ کوئی دلہن سے کہہ رہا تھا۔ "بیٹی آج
رونے کا دن نہیں ہے۔ ماں باپ کے لئے اس
سے زیادہ خوشی کا کوئی دن نہیں ہوتا کہ اُن کی بیٹی

عزت و آبرو کے ساتھ اپنے شوہر کے گھر جا
کوشش کرنا کہ آج ہی کی طرح تمہارا استقبال
تمہارے والدین کے لئے عزت و وقار کا
رہے۔"

نجمہ پر بجلی سی گری۔ وہ بھی تو کسی کی بیٹی
ہے۔ والدین کی عزت۔ پھر وہ کیا کرے؟ کیا
ایک فرد کے لئے سارے خاندان کو بھول جائے
اسی وقت دوسرے پلیٹ فارم پر مخالف
سمت جانے والی ٹرین آکر رُکی۔ نجمہ نے الیاس
کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک پلیٹ فارم پر کھڑا
ہوا تھا۔ اس نے الوداعی نظر الیاس پر ڈالی
اور اپنا بیگ لے کر ٹرین سے اُتر گئی۔ اُسے
اپنے شہر جانا تھا، اپنے گھر، وہ صرف ایک لڑکی
نہیں تھی۔ وہ اپنے خاندان کی عزت و آبرو بھی
تھی۔ آخر وہ اُسے کیسے فراموش کر دیتی؟ ♥♥

ہاتھ سے بلائی کا بسکٹ

نرائن داس ڈھمیجھ

فارمولا نمبر ۱

آٹا۔ ۸۰۰ گرام ، سوجی۔ ۲۰۰ گرام ، چینی پسی ہوئی۔ ۶۰۰ گرام ، دودھ۔ ۲۵۰ گرام
گھی۔ ۴۰۰ گرام

یہ فارمولا اتنا مشہور ہے کہ اس وقت میرے تجربے کی بنا پر ہر لحاظ سے کامیاب ہے۔ ان کی بلائی کرنے کے بعد اس کے اوپر اگر بڑی الائچی کا دانہ موٹا کٹا ہوا اندازاً دس گرام لگا دیا جائے تو بسکٹ زیادہ دل پسند تیار ہوگا۔ یہ بسکٹ کم خرچ بالا نشین ہے۔

فارمولا نمبر ۲

فارمولا ۱ میں چینی جہاں ۶۰۰ گرام ہے وہاں ۵۰۰ گرام کر دی جائے اور جہاں گھی ۴۰۰ گرام ہے وہاں ۵۰۰ گرام کر دیا جائے اور بنانے والا یہ دھیان رکھے کہ اس میں دودھ کی مقدار فارمولا ۱ سے ۲۵ تا ۳۰ گرام کم لگے گی۔ یہ بسکٹ ایکدم خستہ بوڑھوں کے کھانے لائق بنتے ہیں۔

فارمولا نمبر ۳

آٹا۔ ۳ پاؤ ، سوجی۔ ایک پاؤ ، چینی پسی ہوئی۔ ۶۰۰ گرام ، دودھ۔ ۳۰۰ گرام
اس فارمولے سے بنایا ہوا بسکٹ زیادہ تر ان لوگوں کو پسند آئے گا جو دودھ یا چائے میں ڈبو کر کھاتے ہیں۔ یہ تھوڑا کرارا رہے گا خستہ کم رہے گا۔

فارمولا نمبر ۴

فارمولا ۱ میں دئے ہوئے سامان کے ساتھ کچھ مغزیات اور بڑھا دئے جائیں جس میں مثال کے طور پر خربوزے کا بیج، بادام کی گری موٹی موٹی کٹی ہوئی، پستہ (ٹوٹا ہوا)، چرونجی وغیرہ۔ یہ دھیان رکھیں کہ اس میں کشمش وغیرہ کا کام نہیں ہوتا۔ گھی دیسی ہو۔ یہ مغزیات حسب خواہش مقدار میں قوام بناتے وقت آٹے کے اندر ملا دئے جائیں تو سردی کے دنوں میں پنیاں وغیرہ جو گھروں میں بنائی جاتی ہیں اُن کی ضرورت نہیں رہے گی۔

فارمولا نمبر ۵

فارمولا ۱ کے ساتھ پاؤ بھر دودھ کا کھویا (ماوا) اور بغیر دانے کی آدھ پاؤ چینی اور بڑھا دی جائے۔ بنانے والا یہ دھیان رکھے کہ اس فارمولا میں قوام بناتے وقت کھویا اور چینی کو ہی سب سے پہلے خوب آپس میں ملالیں۔ یہ بسکٹ زیادہ تر سردی میں ہی بڑھیا رہتا ہے۔

فارمولا نمبر ۶

اس فارمولا میں فارمولا ۴ کی طرح مغزیات نہ ڈال کر صرف آدھ کلو کھوپرا (ناریل) جو کدو کش کیا ہو (جو بازار میں بھی عام طور پر مل جاتا ہے) ڈال دینے سے اس قسم کا بنا ہوا بسکٹ گھر میں کام نہ لے کر صرف پارٹیوں میں کام آتا ہے۔ اس میں جہاں باقی سارے گُن ہیں وہاں دو نقص بھی ہیں۔ اگر گھر میں بچے زیادہ کھالیں تو کھانسی کا خطرہ بھی ہے اور دس پندرہ دن سے زیادہ رکھنے سے کڑوا پن بھی آجاتا ہے۔

فارمولا نمبر ۷۔ صرف سوجی کا بسکٹ

سوجی۔ ایک کلو، چینی پسی ہوئی ـ ۲۵۰ گرام، گھی ـ ۲۵۰ گرام، دودھ ـ ۲۰۰ گرام

بنانے والا آٹا ذرا سخت رکھے۔ اس طرح سے بنا ہوا بسکٹ اوپر والی سب قسموں کے مقابلے میں کم لذیذ ہوگا اور کم خستہ ہوگا لیکن مریضوں کے لئے بہت مفید ہے۔

کیلے کے دہی بڑے

بیس پچیس کچے کیلے لے کر اُن کو معہ چھلکوں کے اُبال لئے۔ پھر گودا پیس ڈالئے۔ اِس میں نمک، دھنیا، لال مرچ، سونٹھ، گرم مصالحہ، ہینگ، زیرہ وغیرہ حسب ضرورت مِلا کر حسب مرضی تیل یا گھی میں بڑوں کی طرح تل لیجئے۔ اس کے بعد دہی میں نمک، زیرہ، پودینہ، ہری مرچ، ادرک کا لچھا وغیرہ ملا کر اُس میں بڑے ڈال دیجئے۔ دس پندرہ منٹ کے بعد کھانے کے قابل ہو جائیں گے۔ دہی میں ڈالنے کے بجائے تلے ہوئے بھی ذائقہ میں کم نہیں ہوتے۔

مولیوں کے کوفتے

مولیاں کدوکس کر کے جتنی مولیاں ہوں اُن میں ۱/۲ حصہ بیسن ڈال کر تھوڑا پانی اور ذرا سا میٹھا سوڈا ڈال کر اور نمک مِلا کر اچھی طرح پھینٹ لیا جائے۔ پھر گھی یا تیل میں حسب ضرورت لڈو بنا کر تل لیا جائے۔ لڈو تیل میں چھوڑتے وقت دہی کے پانی کا ہاتھ لگاتے جانا چاہیئے۔ پھر پیاز، دھنیا، ایک یا دو لونگ، لال مرچ اور ہلدی کا مصالحہ پیس لیا جائے۔ جب ایک اُبال آجائے اور رس اچھی طرح تیار ہو جائے تو اس میں لڈو ڈال دیئے جائیں۔ ایک اُبال کے آنے پر لڈو نرم ہو جائیں گے پھر پسی ہوئی کالی مرچ ڈال کر اتار لیں۔ کوفتے تیار ہیں۔ بے حد لذیذ ہوں گے۔

پورن پوڑی

چنے کی دال بھگو رکھئے۔ بھیگی ہوئی دال کو اُبال کر پیس لیں۔ اِس کھانڈ حسب ضرورت مِلا لیں اور پھر اِس میں گھی شامل کر کے خوب گوندھ لیں۔ اِس دال کو آٹے کے پیڑوں کے اندر ڈال کر بیلن سے بیل کر پوڑیاں بنائیے اور حسب دستور گھی میں تل لیجئے۔

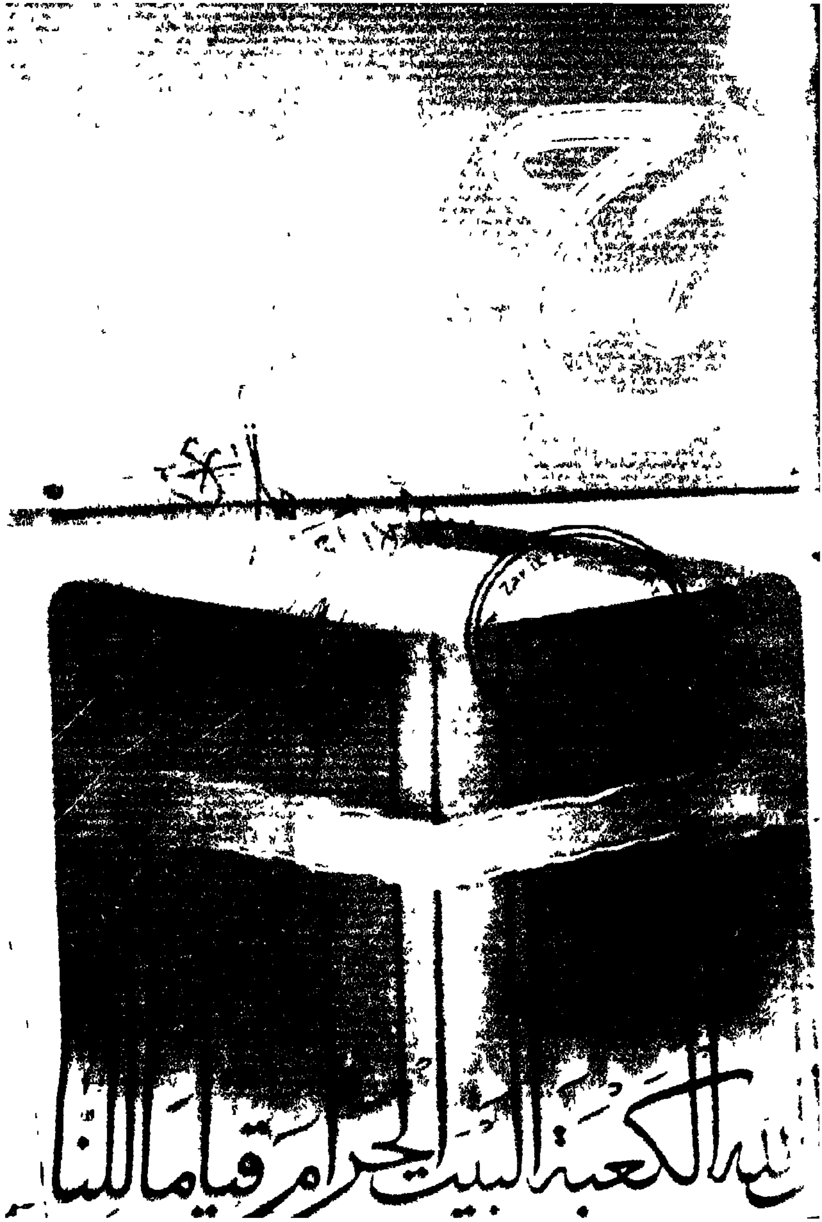
یہ اصلاحی اور دلچسپ کتابیں

تصانیف مائل خیرآبادی

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
چٹائیں	۲/۵۰	بھولے بھیا	۱/-	زبان کا زخم	-
اندیشوں کے گرفتار	۵/۵۰	بہت خوب	۱/۵۰	طویلے کی بلا	-
امّ المومنین حضرت عائشہؓ	۵/۵۰	بڑوں کی مائیں	۱/۲۵	گڈو کے گیت	۴۰
امانت کا بوجھ	۲/-	بڑوں کا بچپن	۲/-	گڈو کی گڑیا	۰۴۰
ایک شعر ایک کہانی	۱/۵۰	بشریٰ کے خطوط	۱/-	گڑیا کا وعظ	'
اچھی، سچی اور مزیدار باتیں	-/۷۰	پیشین گوئیاں	۱/۲۵	مہمان ریچھ	۰۶۰
اسلامی تہذیب اور آداب	۱/-	پھول کی پتی	۱/۵۰	میں نے مضمون نویسی کیسے سیکھی؟	۲۵
امرود بادشاہ	۱/۲۵	پیارے نبیؐ ایسے تھے	۱/۵۰	مرحلے	۲-
ہمارا ابن بطوطہ	۶/-	تربیتی کہانیاں اول	۱/-	مزدور یا فرشتے	۱-
ابن بطوطہ کا بیٹا	۲/۵۰	〃 〃 دوم	-/۷۵	ننانوے ۹۹ قتل کے بعد	۱۲۵
اچھی نظمیں ۔ اول	-/۵۰	〃 〃 سوم	-/۷۵	ہمارے بزرگ ۔ اوّل	۰۵
اچھی نظمیں ۔ دوم	-/۴۰	〃 〃 چہارم	-/۷۵	〃 〃 دوم	۰۵
اب تک یاد ہے	۲/۲۵	ہیرے کا جگر	۶/-	شہزادہ توحید	۱۵۰
اچھے افسانے	۳/-	ترکستان سے ترکی تک	۲/-	نقلی شہزادہ	۲/۵
سچے افسانے	۲/-	جنتی بچہ	-/۶۰	قرآن میں عورت کی حیثیت	۵/-
ہم ایسی نہیں	۳/-	جانباز ساتھی	۲/-	سعد و سلمیٰ	۴/-
ہندوستانی عورت	۱/۵۰	حضرت عمر ثانیؒ	۲/۵۰	بنت سراقہ	۵/-
ایک انسان دو کردار	۱/۲۵	خواتین کے دلوں کی باتیں	۳/۵۰	آج کا حاتم	۸/-
دو انسان ایک کردار	۲/-	خانہ آبادی	-/۵۰	رسولِ کریمؐ	۱۵/-
بیوقوف کی تلاش	۱/۵۰	حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ	-/۵۰	نماز کیسے پڑھیں؟ (ہندی)	۲/-
بدنصیب	۱/۳۰	دودھ کا پوت	۱/۲۵	اسلامی شریعت (ہندی)	۸/-
بنتِ حوا	۱/۳۰	دانا حکیم	۱/۶۰	فہرست کتب	
بنتِ اسلام	۱/۳۰	دانا حکیم کی دانا بیٹی	۱/۲۵	مفت طلب فرمائیں	

مرکزی مکتبہ اسلامی ۔ چتلی قبر ۔ دہلی ۶

تجاب


الكعبة البيت الحرام قياما للنا

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ

ماہنامہ

حجاب

رامپور

ستمبر ۱۹۸۴ء

مطابق

ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ

جلد ۱۵ ٭ شمارہ ۱۷۱ ٭ مدیر: مائل خیرآبادی



جعل الله الكعبة البيت الحرام قياما للناس

زرِ تعاون

سالانہ --- --- --- --- پچاس روپیہ

سالنامہ کی رجسٹری کیلئے --- تین روپیہ

کُل --- --- --- --- ترپن روپیہ

وی پی سے --- --- --- ساٹھ روپیہ

ایک شمارہ --- --- --- پانچ روپیہ

پروپرائٹر، پرنٹر، پبلشر محمد اسحٰق، مقام اشاعت بارہ دری محمود خاں رامپور یوپی، مطبوعہ مثالی آفسیٹ پریس دہلی

اداریہ

ایمانیات

مقالات و مضامین

افسانے اور کہانیاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسائل و وسائل نمبر کے مضامین و مقالات کی

ایک جھلک

مسائل و وسائل نمبر کا اعلان کرنے کے بعد جب اس سے متعلق مضامین کا خاکہ تیار کیا تو معلوم ہوا کہ اِس کے لئے ایک ضخیم و عظیم نمبر بھی ناکافی ہوگا۔

اِس کی تکمیل اور ترتیب کے لئے برسوں مطالعہ اور پھر لکھنے کے لئے ہزاروں صفحات چاہئیں ہماری زندگی کے مسائل وسائل محدود نہیں ہیں جن کو گنا جاسکے۔ پھر یہ کہ آئے دن نت نئے مسائل پیدا ہوتے جا رہے ہیں اور اُن کو حل کرنے کے لئے وسائل تلاش کئے جا رہے ہیں۔ غور فرمائیے، ہمارے سامنے دینی مسائل ہیں۔ ہم صرف دینی مسائل و وسائل پر بات کریں تو صرف اِس پر لاکھوں بڑی بڑی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ دینی مسائل کے لئے آئے دن جو دشواریاں پیش آرہی ہیں اور اُن کو حل کرنے کے لئے جو وسائل اپنائے جا چکے ہیں یا اپنائے جا رہے ہیں وہ ایک سو یا دو ایک ہزار نہیں ہیں۔ لاکھوں ہیں۔ ان کو ترتیب دینے والا کن مسائل کو لے اور کن وسائل کو اختیار کرے؟

اِسی طرح ہمارا تعلیمی مسئلہ ہے۔ اقتصادی مسئلہ ہے۔ معاشرتی اور معاشی مسئلہ ہے۔ مُلکی اور ملّی مسئلہ ہے۔ سیاسی اور قانونی مسئلہ ہے۔ ادبی اور ثقافتی مسئلہ ہے مطلب یہ کہ یہ ایک مسئلہ نہیں ہے۔ پھر ان کے ضمن میں جو مسائل پیدا ہوتے ہیں، ان وسائل کا مسئلہ ہے وغیرہ۔

اِن محسوسات کو سامنے رکھ کر سوچا تو طے کیا کہ دین و مذہب کے انفرادی اُور اجتماعی مسئلے کے بنیادی اُور سیر حاصل عنوانات کے تحت اِس طرح بات کی جائے کہ کم سے کم یہ گوشہ مضبوط ہو جائے اُور اِسے اِس طرح سمجھ لیا جائے کہ اِس سلسلے کے آئندہ اُٹھنے والے سوالات کو ذہن خود ہی حل کر لے۔ اِس لئے ہم مسائل و سائل نمبر میں بات "بنیادی عقیدے کی حفاظت" سے شروع کریں گے۔ پھر اِس سے پیدا ہونے والے بڑے بڑے تقاضے جیسے جیسے سامنے آتے جائیں گے اُن کو حل کرتے چلے جائیں گے۔

الحمدللہ ہمیں سیر حاصل اُور ٹھوس مضامین مل گئے۔ اِس سلسلے میں جماعت اِسلامی سے متعلق امیر مقامی، ناظم علاقہ اُور امیر علاقہ کی طرف سے بڑی رہنمائی ملی۔ باقاعدہ ایک نظم کے تحت مجھ سے خاص خاص مضامین لکھوائے اُور اجتماعات میں پڑھوائے گئے۔ سامعین سے مشورے دِئے گئے۔ اسی سلسلے میں امیر مقامی جناب مولانا محمد عزیر صاحب صائب المظاہری کی ستم ظریفی بھی فرمائیں۔ آں محترم نے ایک موضوع پر تین تقریریں کرنے کو کہا۔ میں نے کبھی نہ تقریر کی اُور نہ اِس میدان کا مرد بننا چاہا۔ لیکن اِطاعتِ امیر کے تحت تقریریں کیں۔ میری تینوں تقریریں ناکام ہو گئیں تو فرمایا کہ اچھا اِنھیں لکھ ڈالو۔

اسی سلسلے میں محترم رفیق جناب جاوید اقبال صاحب پرنسپل مرکزی درس گاہ رام پور کی خاص عنایت مجھ پر یہ ہوئی کہ مسائل و سائل نمبر کے لئے جو کچھ ترتیب دیا جا چکا تھا، موصوف نے اس پر ایک تنقیدی نظر ڈالی۔ بہت عمدہ مشورے دئے۔ واقعی کسی نے سچ کہا ہے کہ اپنا عیب محسوس نہیں ہوتا۔ اگر رفیق محترم اِس مجموعے پر ایک نظر نہ ڈال لیتے تو ایسے ایسے سقم اُور عیب رہ جاتے جن کی وجہ سے میری شخصیت ہی مضحکہ خیز ہو جاتی۔ میں جہاں اُمیر مقامی مولانا محمد عزیر صاحب، ناظم علاقہ مولانا مقبول احمد صاحب اُور امیر علاقہ مولانا سید حامد حسین صاحب کا ممنون ہوں، ساتھ ہی پرنسپل صاحب کے احسان کو بھی نہیں بھول سکتا۔ اللہ تعالیٰ اِن سب کو زیادہ سے زیادہ ثواب اُور اجر عطا فرمائے اُور ہم معمورین کی تربیت و اِصلاح کے لئے زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

اِس مختصر تمہید کے بعد اب آپ مسائل و سائل نمبر کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

① بنیادی عقیدے کی حفاظت

اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کے مسائل حل کرنا چاہتا ہے تو آپ سے آپ ایسے وسائل پیدا فرما دیتا ہے کہ دل کی گہرائیوں سے شکر و احسان کے جذبات امڈنے لگتے ہیں۔ میں اِس عنوان پر لکھتا تھا لیکن دل مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ اِس لئے پھاڑ کر ردّی کی ٹوکری کی نذر کر دیتا تھا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ یہ بنیادی مضمون ٹھیک سے احاطۂ تحریر میں آجائے تو حضرت سعدیؒ کے طنز سے بچ جاؤں کہ :

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج ٭ تا ثریا می رود دیوار کج

یعنی کسی عمارت کو بنانے کے لئے اگر پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھ دی گئی تو پھر اونچی سے اونچی دیوار بنائے جاؤ، وہ ٹیڑھی ہی ہوتی جائے گی، جس کا گر جانا یقینی ہے۔

مجھے اپنی اِس شکست کے اظہار میں ذرا بھی عار نہیں ہے۔ مضمون، جیسا کہ میرا دل چاہتا تھا، نہ لکھا جا سکا تو اِس سلسلے میں پھر سے مطالعہ کی بات سوچی۔ اب دیکھئے، واقعی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے اور جو اُس کی طرف ایک قدم آگے بڑھتا ہے تو سچ مچ اللہ تعالیٰ دس قدم اُس کی طرف بڑھتا ہے۔ پہلی ہی نظر میں میرے ہاتھ ایک نہایت ٹھوس، مدلل اور سیر حاصل مضمون آگیا۔ یہ مضمون برصغیر کے جانے پہچانے مشہور و معروف عالم جناب مولانا صدرالدین صاحب اِصلاحی کا ہے۔ پڑھا تو دل خوش ہو گیا۔ خوشی یوں ہوئی کہ مضمون حالانکہ علمی اور تحقیقی ہے لیکن ایسا آسان ہے کہ حلقہ حجاب بھی پسند کرے گا اور پڑھ کر بول اُٹھے گا کہ مولانا نے یہ مضمون گویا حجاب کے لئے لکھا ہے۔ آپ ابتدائی سطریں ملاحظہ فرمائیں۔ آپ کا دل مولانا کی سہل نگاری کی گواہی دے گا اور آپ یہ بھی ماننے پر مجبور ہوں گے کہ مولانا کو سامنے کی اور آسان مثال پیش کرنے میں یدطولیٰ حاصل ہے۔ فرماتے ہیں :

"کسی ایک نقطے سے اگر آپ دو خط کھینچیں جو صرف ایک آدھ درجے کا زاویہ بناتے ہوں تو ابتداء میں کچھ فاصلے تک یہ دونوں خط اتنے قریب سے گذریں گے کہ دیکھنے والے انھیں دو کے بجائے ایک ہی خیال کریں گے حالانکہ انہی خطوں کو اگر برابر کھینچتے چلے جائیں تو آپ دیکھیں گے

کہ ایک وقت چل کر اُن کے درمیان گزوں اَور فرلانگوں کا نہیں میلوں کا فصل ہو چکا ہوگا۔"

کیا خیال ہے آپ کا؟ مولانا کا یہ مضمون حیرت انگیز طور پر سہل نگاری کا بہترین نمونہ ہے کہ نہیں؟ پھر جیسے اِس آسان اَور جانی پہچانی مثال سے مضمون شروع کیا ہے اُسی طرح کی دوسری دلیلوں سے یہ بتایا ہے کہ اللہ نے تو اپنے بندوں کو ایک ہی دین (اسلام) دیا تھا لیکن......... لیکن کے بعد مولانا ہی کے لفظوں میں ایک نہایت بلیغ بات سنئے۔ فرماتے ہیں:

"اِن نازک حقائق کے بارے میں ذرا سی بھی بے پروائی کو راہ دی گئی تو سخت اندیشہ ہے کہ نیت اَور خواہش کے ہزاروں خلوص کے باوجود اِنسان دین کی پیروی کا حق ادا کرنے میں ناکام ہو جائے اَور اُس کی راہ دمنزل کچھ سے کچھ ہو رہے اَور اُسے اِس کی خبر تک نہ ہونے پائے۔"

آپ کے حضرت ماٗل خیر آبادی اگر یہی لکھتے تو لٹھ مار دیتے کہ پہلے پہل دین تو بس اِسلام تھا لیکن پھر شیطان نے اِنسان کو بہکایا اَور پھر طرح طرح کے غلط دین اِنسان نے گھڑ لئے۔ مولانا کا بلیغ جملہ ہے "نیت اَور خواہش کے ہزار خلوص کے باوجود اِنسان دین کی پیروی کا حق ادا کرنے میں ناکام ہو سکتا ہے۔"

مضمون پڑھ کر میرے علم میں اِضافہ ہوا کہ خلوص کے باوجود بھی اِنسان غلط کار ہو سکتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ابوجہل اپنے دین میں مخلص تھا لیکن غلط تھا۔ کون نہیں جانتا کہ عیسائیوں اَور یہودیوں کے رہبان اَور اَحبار مخلص ہی تھے اَور اُنھوں نے بڑے بڑے مجاہدے بڑے ہی خلوص سے کئے لیکن وہ سب غلط رَو تھے۔ اِسی طرح وحدت الوجود، وحدتِ ادیان، وحدت الشہود، علم الیقین، حق الیقین اَور عین الیقین کے علمبردار سارے کے سارے نہیں تو بیشتر مخلص ہی تھے۔ امام غزالیؒ کے خلوص کو کون چیلنج کر سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو کون مخلص نہیں کہے گا۔ کیا دیوہ شریف کے بزرگ حاجی وارث علیؒ مخلص نہیں تھے؟ یہ سب مخلص تھے لیکن اپنے خلوص کے باوجود امام غزالیؒ اَور شاہ صاحبؒ تصوف کی باتیں کرنے پر آتے ہیں تو اپنا وہ علمی میدان پیچھے چھوڑ جاتے ہیں جس کی بدولت آج مسلمان انھیں رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ حاجی وارث علی مرحوم کا عقیدہ تھا کہ جنت اہل ایمان کو ملے گی لیکن وہ ہندو اَور مسلم سب کو مرید کرتے تھے۔ اِسی طرح دوسرے علمبردارانِ تصوف پر قیاس کر لیجئے۔ ابھی کل کی بات ہے تبلیغی جماعت کے بانی

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے کلمہ اور نماز کے سلسلے میں جو کارِ نمایاں انجام دیا اُس نے اُن کو مجدّد کا مقام دے دیا ہے لیکن اُن کے مخلص اور صاحب علم ارادت مندوں نے بڑے خلوص کے ساتھ اُن کے بارے میں 'مامور من اللہ' ہونے کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ 'انتقال تصرف' کا حق انھیں دے دیا تصوف کی ستم ظریفی یہ ہے کہ ایک عارف سے 'ماموریت' کی سند ہندوستان کے مشہور و معروف عالم حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی سے دلوا دی۔ میرا دعویٰ ہے اور میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ علی میاں جیسے مخلص حضرات چند ہی ہوں گے لیکن تصوف انھیں کہاں سے کہاں اُڑا لے گیا۔

مسائل و سائل نمبر کے مضامین کا مختصر تعارف کرا رہا تھا۔ بات کہاں سے کہاں پہونچ گئی۔ مطلب یہ ہے کہ مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کا یہ مضمون "بنیادی عقیدے کی حفاظت" ہمارے علم میں اضافہ کرنے والا ہے، ہمارے عقیدے کی اصلاح کرنے والا ہے اور بڑا سیر حاصل اور آسان مضمون ہے۔ اس مضمون کے مل جانے سے مسائل و سائل نمبر کی پہلی اینٹ سیدھی رکھی گئی اور الحمدللہ اس پر جو دیوار اُٹھائی گئی ہے وہ جہاں تک اٹھی ہے سیدھی ہی اُٹھی ہے۔

۲ عشق و محبّت

یہ وہی مضمون ہے جس کے بارے میں پہلے گذارش کر چکا ہوں کہ انشاءاللہ عشق اور محبت کے فرق کو آپ کے سامنے واضح کروں گا۔ میں نے ان کے معنی بتائے۔ دونوں کے تقاضے پیش کئے۔ زندگی پر ان دونوں لفظوں کی حقیقتوں کے کیا اثرات پڑتے ہیں۔ یہ سب بتایا اور مثالیں بھی دیں۔ واضح کیا گیا ہے کہ محبت قرآنی لفظ ہے اور اسلام کو مطلوب ہے عشق ایجادِ بندہ ہے اور قرآن نے لفظِ عشق کو اپنی سطروں میں جگہ دی اور نہ اس کے کسی مشتق تعشق، عاشق، معشوق وغیرہ کو۔ پھر اس لفظ کی جو نسل چلی اور اس سے واصل بحق، وصالِ یار، وصل باللہ، وصل مرشد، عرس و عروس، کشف و کرامات، بشارات و منامات، غوث، اوتاد اور ابدال وغیرہ کی جو پیداوار ہوئی اس نے لفظِ عشق کو بڑا گھناؤنا روپ دیا۔ اللہ تو بڑا علیم ہے۔ وہ جانتا تھا کہ عشق کیا 'برکات' لائیگا۔ اسلئے اُس نے اپنے کلام کو لفظ عشق اور اُسکے مشتقات سے پاک رکھا۔ عشق و محبت کے سلسلے میں جو بات کہی گئی ہے وہ دلیل اور مثال کے ساتھ کہی گئی ہے اور دونوں کے جو اثرات انسان کی زندگی پر پڑتے ہیں انھیں بھی بیان کر دیا گیا ہے ٭ (مسائل و سائل نمبر کے باقی مضامین کا تعارف آئندہ ماہ پیش کیا جائے گا)۔

مطالعۂ قرآن

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ (آل عمران)

اللہ کے نزدیک دین، صرف اسلام ہے۔ اِس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے اُن لوگوں نے اختیار کئے جنھیں کتاب دی گئی تھی۔ اُن کے اِس طرزِ عمل کی کوئی وجہ اِس کے سوا نہ تھی کہ اُنھوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لئے ایسا کیا۔ اور جو کوئی اللہ کے احکام و ہدایات سے انکار کردے، اللہ کو اُس سے حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔

دین اور اسلام

دین اور اسلام کے معنی سمجھنے کے لئے یہ بنیادی بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ دنیا اور جو کچھ اسمیں ہے سب اللہ ہی نے پیدا فرمایا ہے۔ بنایا ہے۔ جب اللہ ہی نے ہر چیز پیدا کی اور بنائی ہے تو اللہ ہی ہر چیز کا مالک ہوا۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ جب اللہ ہی مالک ہے تو ہم سب اللہ ہی کے بندے ہوئے۔ یہ ایک سیدھی سی بات ہے اور سمجھ میں بھی آتی ہے۔

...... یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کا حکم مانیں، اسی کی مرضی پر چلیں، اسی کو خوش کرنے کی کوشش کریں۔ یہی معنی ہیں دین کے اور یہی معنی ہیں اسلام کے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ہر کام اور ہر بات میں دل کی پوری لگن کے ساتھ اللہ کی اطاعت کی جائے۔ اللہ کے حکموں پر چلا جائے۔ جو کچھ اللہ نے فرمایا ہے وہی کیا جائے۔ جس بات کے یا جس کام کے کرنے سے اللہ نے منع کیا ہے وہ نہ کیا جائے۔ اس آیت میں یہ جو بات کہی گئی ہے کہ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے، وہ بالکل ٹھیک اور سمجھ میں آنے والی ہے۔ بے شک اللہ کو وہی دین پسند ہے جس کا نام اسلام ہے اور جو پورے کا پورا قرآن میں موجود ہے۔ یہی بات قرآن کی سورۂ مائدہ کی آیت ۳ میں اس طرح فرمائی گئی ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی، ساری کی ساری اُتار دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کر لیا۔

یوں سمجھنا چاہیے کہ اسلام کے بارے میں اللہ کی طرف سے یہ سند مل گئی۔ اس سرٹیفکیٹ کی بنا پر اب اللہ کے ہر بندے پر فرض ہو گیا کہ وہ اسی بات کو جائز اور حلال سمجھے جسے اللہ جائز اور حلال فرمائے اور ہر اُس بات اور کام کو ناجائز اور حرام سمجھے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے، روکا ہے۔

غلط قسم کے دین کیسے بنے؟

اس کے بعد قرآن یہ بتاتا ہے کہ دین اسلام کے علاوہ دوسرے غلط قسم کے دین کیسے بنے۔ قرآن اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے کتاب عطا فرمائی تھی یعنی یہود اور نصاریٰ جنھیں تورات اور انجیل دی گئی تھی، ان کتابوں کے عالموں نے اپنی دنیا بنانے کے لئے اس طرح سوچنا شروع کیا کہ دین کے بارے میں جس طرح ہم بتائیں، عام لوگ اسی کو مانیں۔ جو ہم کہیں اسی کو حق جانیں۔ ہمارے علاوہ دوسرے عالموں کی بتائی ہوئی باتوں کو غلط جانیں۔ منشا یہ کہ

ہمارے معتقد اور مرید زیادہ ہوں اور ہمارا گروہ سب سے بڑا ہو تاکہ دنیوی فائدے ہم ہی سب سے زیادہ حاصل کرسکیں۔

تاریخ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہودی اور عیسائی علماء بری طرح دنیوی لالچ میں پھنس گئے تھے اور اصل دین سے ہٹ کر بڑی ہی گھناؤنی حرکتیں کرنے لگے تھے اور عوام کو گمراہ کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص نہیں کیا تھا بلکہ اپنی من مانی کرنے لگے تھے اور اپنے دین میں غلو کرتے تھے۔ یہودی علماء کا غلو یہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی مخالفت میں حد سے گزر گئے تھے اور عیسائی علماء کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا اور خدائی میں شریک بنالیا تھا۔ یہودی اور عیسائی علماء کو قرآن نے اس طرح ٹوکا:

يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ وَلَا تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلۡحَقَّ

اے اہل کتاب (یہودیو اور عیسائیو!) اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔ (سورہ نساء آیت ۱۷۱)

آج کے علماء

عجیب بات ہے۔ آج بھی یہ روگ پایا جاتا ہے۔ آج بھی علماء ایک دوسرے پر زیادتی کر رہے ہیں جس طرح یہودی اور عیسائی علماء کرتے تھے۔ آج بھی علماء گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور انھوں نے الگ الگ اپنی اپنی ٹولیاں بنالی ہیں اور قرآنی احکام کے بدلے اپنی اپنی ڈفلی بجا رہے ہیں اور اپنا اپنا راگ الاپ رہے ہیں اور اپنے سوا دوسرے عالموں کو بے دین کہہ رہے ہیں۔ عوام اُن کے کہنے میں ہیں اور باہم لڑ رہے ہیں۔

قولِ فیصل

قرآن میں ایک جگہ اللہ نے صاف فرمادیا کہ: فَٱحۡكُم بَيۡنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَآءَهُمۡ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ ٱلۡحَقِّ (مائدہ۔ ۴۸)

(اے محمدؐ!) پس تم اللہ کے اُتارے ہوئے قانون کے مطابق ہی ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق (قرآنی فیصلہ) تمہارے پاس آیا ہے اُس سے منھ موڑ کر ان کی خواہش کی پیروی نہ کرو۔ سب سے کہہ دو کہ جو کوئی اللہ کے حکموں اور اُس کی ہدایتوں سے انکار کرے گا تو پھر جان رکھو کہ

... کتاب بھیجے تو پڑھی نہ کی۔

اللہ کا یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔ مسلمانوں کو بھی ہر وقت یہی دھیان میں رکھنا چاہیئے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ کی یہ تنبیہہ یہود اور نصاریٰ کے لئے ہے۔ نہیں، بلکہ جو اللہ کے حکموں کو نہ مانے گا وہ اِس دنیا میں بھی ذلیل ہوگا اور آخرت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اُس کے حکموں پر چلیں۔ ❁

فواحِش ومنکرات

..... شراب کی ایک بوتل، اخلاق بگاڑنے والی ایک فلم، عریانی پھیلانے والی ایک تصویر، فحش گیتوں کی ایک تان اور بے پردگی ..... توپ کے گولے اور نیپام بم سے زیادہ تباہ کن ہے۔ اپنے گھروں، محلوں اور بستیوں کو اِن کی تباہ کاریوں سے بچانے کے لئے ہم کیا کر رہے ہیں؟ اگر یہ تمام برائیاں عام ہو جائیں تو ہمیں ڈر ہے کہ کہیں خدائے تعالیٰ ہمیں اپنی گرفت میں نہ لے لے اور اُس کا عذاب ہم پر نازل ہو جائے (نعوذ باللہ) جو کہ پچھلی قوموں پر آچکا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ کے عذاب سے پہلے اپنا محاسبہ کریں۔ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے "اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ (ترجمہ)"۔ اور فرمایا "تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر کامل ایمان رکھتے ہو (ترجمہ)"۔ آپ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ خود نیک بنیں اور دوسروں کو نیک بنائیں۔ آپ کو اُس بھائی پر ترس آنا چاہیئے جو بدی کی طرف مائل ہے کیونکہ بدی آدمی کو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔ رسول اکرم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو اُس کے رہنے والوں پر الٹ دو۔ حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا اے اللہ اس میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے کبھی ایک لمحہ بھی تیری نافرمانی نہیں کی تو نے جواب دیا ہاں جاؤ اُس بندے پر بھی بستی الٹ دو اور دوسرے تمام رہنے والوں پر بھی کیونکہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا لیکن پھر بھی اِتنا کیا کم ہے کہ برائیاں دیکھ کر اُس کے چہرے پر ذرہ برابر بھی تغیر نہ ہوا۔ یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ وہ گروہ یا فرد ہرگز اللہ کے غضب سے نہیں بچ سکتا جو برائیاں پھیلتی دیکھتا رہے اور اُس کے ماتھے پر شکن تک نہ آئے۔

امۃ اللطیف .... کوئٹہ

شیخ الحدیث رح

...ص نیت

...ابر حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم
...طولیٰ رکھتے تھے۔ چنانچہ درس حدیث کے دوران بڑی پیاری
...رح کی ایک بہت ہی ایمان افروز حکایت جو اخلاص نیت

کے تحت ہے، حضرت مولانا نے درس حدیث کے دوران بیان فرمائی۔ اس حکایت کو عزیز الرحمن غفرلہ مدنی دار الافتا بجنور حال وارد آستانہ عالیہ خواجہ غریب نواز ہندالولی اجمیر شریف نے اپنی ترتیب دی ہوئی کتاب "ولی کامل" (سن طباعت ۱۹۷۰ء مطبوعہ اعلیٰ پرنٹنگ پریس دہلی) میں صہ ۱۲۸ پر درس حدیث کے نمونے کے تحت جگہ دی ہے جو من وعن یہاں نقل کی جا رہی ہے:

درس حدیث کا نمونہ

حضرت شیخ الحدیث زید مجدہم کے درس حدیث میں زیادہ بیٹھنے کا تو اتفاق نہیں ہوا بعض مرتبہ ضرور بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ آپ ابتدائی باب پر تفصیلاً کلام فرماتے ہیں اور پھر حسب ضرورت کلام کرتے ہیں۔ درس نہایت سلجھا ہوا اور حل المشکلات اور مغلقات ہوتا ہے۔ آپ کی تقریر کا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔ حدیث انما انا قاسم واللہ یعطی کے ذیل میں فرمایا:

دینے والی صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ میں نے اپنے پیرو مرشد کو ایک مرتبہ خط لکھا تھا کہ

میری طرف توجہ فرمائیے تو جواب آیا کہ میں کیا ہوں، کچھ بھی نہیں ہوں۔ میری مثال تو "نل" کی سی ہے۔ کھینچنے والا جتنی قوت سے کھینچے گا مبداءِ فیاض سے اتنا ہی پائے گا لیکن آئے گا نل ہی کے واسطے سے۔ بغیر نل لگائے کوئی زمین پر کھودتا رہے تو حاصل نہ ہوگا۔ فرمایا اللہ ہی دینے والا ہے۔ جو کوئی بھی اللہ جل شانہٗ کے کام میں اُس کے دین کے کام میں اللہ کے واسطے اخلاص کے ساتھ لگے گا تو اللہ جل شانہٗ اس کو ضرور رحمت فرمادیں گے۔ دنیا کا بھی یہی دستور ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی کی خدمت میں لگا رہے تو کیا وہ یہ گوارا کرلے گا کہ اُس کا خادم بھوکا رہے اور مخدوم خوب کھائے پیئے۔ تو جب ایک انسان کی غیرت یہ تقاضہ نہیں کرتی تو اللہ جل شانہٗ کی ذات تو اغیر اور بہت زیادہ غیرت مند ہے۔ وہ کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ اُس کی خدمت میں لگنے والا ضائع ہو جائے۔

ایک ڈاکو تھا۔ جب وہ بوڑھا ہوگیا تو اُس نے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اب گذر اوقات کی کیا صورت ہو۔ طے پایا کہ پیر بن کر بیٹھ جانا چاہیئے۔ چنانچہ وہ ایک بناوٹی پیر بن کر ایک بناوٹی خانقاہ میں بیٹھ گیا۔ اُس کے کئی چیلے تھے۔ وہ دن بھر پھرتے رہتے تھے اور لوگوں کی ضروریات معلوم کرتے رہتے تھے کہ کس کو کیا تکلیف ہے اور کس کو کیسا تعویذ چاہیئے۔ اور شام کو پیر صاحب کا جلوس نکلا کرتا تھا۔ وہ سارے چیلے جلوس سے کافی دیر پہلے آکر اس بناوٹی پیر سے سارے واقعات بیان کردیا کرتے تھے کہ فلاں ایسے رنگ کا اور ایسے قد کا ہے اور اُس کو یہ ضرورت ہے۔ شام کو جلوس کے وقت لوگ اپنی اپنی ضروریات پیش کرتے تو وہ ڈانٹ کر فرماتے کہ ارے فلاں تجھے فلاں ضرورت ہے۔ وہ کوئی میرے پاس ہے۔ وہ بے چارہ بہت ہی گرویدہ اور معتقد ہو جاتا اور تعویذ کے لئے اصرار کرتا تو پیر صاحب فرماتے کہ اچھا بھائی اِس کو فلاں تعویذ دے دینا اور خدام اُس سے خوب نذرانہ وصول کرتے۔ اور لوگ بھی اُن کو بڑا بزرگ سمجھنے لگے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت آئی اور اولاد نہ ہونے کی شکایت کی۔ اُس سے رات کو آنے کو کہا۔ وہ رات کو آئی۔ اور پیر صاحب اُس سے زناکاری میں مشغول ہوگئے۔ پیر صاحب کا خادم محمد ابراہیم بازار کسی کام سے گیا ہوا تھا۔ اتفاق سے ایک دوسرا آدمی محمد ابراہیم نامی آیا اور اُس نے کواڑ کھٹکھٹائے۔ دریافت کیا کون؟ کہا محمد ابراہیم

پیر صاحب اُس کو اپنا خادم سمجھے اُور کیواڑ کھول دئے۔ یہ دیکھ کر آنے والے مرید کے اعتقاد میں کوئی فرق نہیں آیا۔ پیر نے دریافت کیا کیوں آئے ہو؟ اُس نے جواب دیا اللہ کا نام سیکھنے۔ پیر نے کہا اللہ کا نام اِتنا سستا نہیں ہے کہ ویسے ہی بتا دیا جائے۔ جاؤ فلاں باغ کی کھدائی کرو۔ وہ مرید اس باغ کی کھدائی کرنے لگا۔ باغ والے نے ہر چند مزدوری دینا چاہی مگر وہ مرید تو یہی کہتا رہا میرے پیر کا حکم ہے چند دن گذرنے کے بعد ایک ابدال کا انتقال ہوگیا (اَبدال کو ابدال اِسی وجہ سے کہتے ہیں کہ جب اُس کا انتقال ہوتا ہے تو اُس کی جگہ دوسرا مقرر کر دیا جاتا ہے)۔ کسی نے کسی کا نام لیا اَور کسی نے کسی کا۔ ایک نے کہا کہ وہ فلاں آدمی جو کھیت میں کام کر رہا ہے۔ بہر حال وہ منتخب ہوگیا اَور سب نے مل کر اُس کی طرف توجہ کی اَور اُسے ابدالیت کے مرتبے پر پہونچا دیا۔

اُوپر جو حکایت حضرت شیخ الحدیثؒ نے درسِ حدیث کے دوران فرمائی اس سے حضرتِ شیخؒ کی طبیعت کی پاکیزگی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اَور اِس کا بھی کہ وہ احادیث کا احترام کس درجہ ملحوظ رکھتے تھے۔ واللہ اعلم اَور اخلاصِ نیت کو سمجھانے کے لئے حضرتِ شیخؒ کو یہی پاکیزہ حکایت ملی۔ کوئی اور کہانی گھڑ لیتے۔

دوسری جس بات کا اندازہ ہوتا ہے وہ ہے حضرت شیخؒ کا لومۃ لائم کی پرواہ نہ کرنا حق بات کہنے میں کسی سے نہ ڈرنا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمانا کہ اگر ایسی کہانی معیارِ شریعت پر پوری نہیں اُترتی تو اس کی تاویل کرنی پڑے گی۔ کیا اچھا ہوتا کہ اِس پاکیزہ کہانی کی تاویل بھی فرماتے جاتے تاکہ ہمیشہ کے لئے سند رہتی اَور بر وقت ضرورت کام آتی۔

ابدال اِس پاکیزہ کہانی کے ہیرو کو ابدال کا رتبہ ملا۔ عوامی سطح کا مسلمان اَبدال کے معنی نہیں جانتا ہوگا۔ یہ اہلِ تصوف کی روحانی ریاست کے اعلیٰ عہدوں میں سے ایک عہدہ ہے۔ اُن کی روحانی ریاست کا انتظام بالکل اس طرح ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ آسمانی حکومت کا [انتظا]م فرماتا ہے۔ روحانی حکومت میں سب سے بڑا عہدہ غوث الاعظم کا ہوتا ہے۔ اِس شہنشاہ کی مٹھی میں پوری زمین کی باگ ڈور ہوتی ہے۔ یہ غوث الاعظم اسی طرح عہدے تقسیم کرتا

[illegible] بہت سے دیوتا مختلف امور
کے ذمہ دار ٹھہرائے ہیں۔ کوئی سوریہ دیوتا ہے کوئی بارش کا، کوئی ہوا کا تو کوئی اناج کا، وغیرہم۔ اِس
طرح غوث الاعظم بڑے پیر دستگیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، اُن کے تحت بہت سے غوث
ہیں۔ اُن کو ریاست اعظم کی مملکتوں کا حاکم اعلیٰ یا وائسرائے کہہ لیجئے۔ اُن سے چھوٹا عہدے دار
قطبِ عالم، قطبِ ارشاد، اوتاد اور اِسی طرح نیچے اُترتے اُترتے آخری حاکم اَبدال ہوتا ہے۔
آپ سمجھیں روحانی سٹی مجسٹریٹ۔

اَبدال کا تعارف تصوف کی اعلیٰ کتابوں میں اِس طرح کرایا گیا ہے کہ کہیں اَپنے عِلاقے میں
وہ جوتا گانٹھتا ہوتا ہے اَور کہیں پاگلوں کی طرح گھومتا ہے۔ کہیں میلا کچیلا پڑا ہوتا ہے۔ کہیں گرمیوں
میں مشک اَور کٹورا لئے پانی پلاتا ہوتا ہے۔ کہیں شراب کی بھٹی پر پڑا ہوتا ہے کہیں کسی طوائف کی
غلامی کرتا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اِس طرح چھپا رہتا ہے کہ عام لوگ اُسے پہچان نہیں سکتے۔
"کتاب "ولی کامل" میں صفحہ ۱۳۰ پر اَبدال کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ ابدال کو اِسی
درجہ سے ابدال کہتے ہیں کہ جب اُس کا انتقال ہو جاتا ہے تو اُس کی جگہ دوسرا مقرر کر دیا جاتا ہے۔
ابدال کے سلسلے میں آج کل کسی کو یہ اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ دنیا میں بہت سی جگہوں پر
اللہ کے نافرمانوں کا تسلّط ہے۔ کیا ایسی جگہوں کے اَبدال اللہ کے ان نافرمانوں سے ڈر گئے یا بے بس
ہو گئے کہ سب کچھ دیکھتے ہیں اَور بجائے اِس کے کہ تختہ اُلٹ دیں اُن کی ریاست کو مضبوط سے مضبوط تر
کرتے چلے جاتے ہیں یا پھر کہہ لیجئے کہ آج کل کے سارے ابدال، اوتاد، قطب اَور غوث سب بےغیرت
ہو گئے کہ برائیاں بڑھتی چلی جارہی ہیں، شیطانوں کے پنجے مضبوطی سے روئے زمین پر جمتے چلے جارہے
ہیں اَور یہ بےغیرت ٹکر ٹکر دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق اپنی جگہ دم بخود ہیں۔ کیا کہنے ہیں حضرت شیخ
الحدیث رحمۃ اللہ علیہ! ہم تو بریلویوں کو اِس میدان کا مرد سمجھتے تھے آپ اِن رستموں کے بھی باوا نکلے۔

حکیم الامت نے کہا تھا

کہا اقبال نے شیخ حرم سے — تہِ محراب مسجد سو گیا کون؟
ندا مسجد کی دیواروں سے آئی — فرنگی بتکدے میں کھو گیا کون؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حج

حضرت ابراہیمؑ کی قربانیوں کی عظیم یادگار

حج کے معنی عربی زبان میں زیارت کا قصد کرنے کے ہیں۔ حج میں چونکہ ہر طرف سے لوگ کعبے کی زیارت کا قصد کرتے ہیں، اس لئے اُس کا نام حج رکھا گیا۔ سب سے پہلے اس کی ابتدا جس طرح ہوئی اس کا قصہ بڑا سبق آموز ہے۔ اس قصے کو غور سے سُنیئے تاکہ حج کی حقیقت اچھی طرح آپ کے ذہن نشین ہو جائے۔ پھر اس کے فائدوں کا سمجھنا آپ کے لئے آسان ہوگا۔

کون مُسلمان، عیسائی یا یہودی ایسا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے واقف نہ ہو؟ دُنیا کی دو تہائی سے زیادہ آبادی اُن کو پیشوا مانتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم تینوں انہی کی اولاد سے

برس سے زیادہ مُدّت گذری جب وہ عراق کی سرزمین میں پیدا ہوئے تھے۔ اُس وقت ساری دُنیا خُدا کو بھولی ہوئی تھی۔ رُوئے زمین پر کوئی ایسا انسان نہ تھا جو اپنے اصلی مالک کو پہچانتا ہو اور صرف اُسی کے آگے اطاعت و بندگی میں سر جھکاتا ہو۔ جس قوم میں اُنہوں نے آنکھیں کھولی تھیں وہ اگرچہ اُس زمانہ میں دُنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم تھی، لیکن گمراہی میں بھی وہی سب سے آگے تھی۔ عُلوم وفنون اور صنعت وحرفت میں ترقی کر لینے کے باوجود اُن لوگوں کو اتنی ذراسی بات نہ سوجھتی تھی کہ مخلوق کبھی معبود ہونے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ ان کے ہاں ستاروں اور بُتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ نجوم، فال گیری، غیب گوئی، جادُو ٹونے اور تعویذ گنڈے کا خُوب چرچا تھا جیسے آج کل ہندوؤں میں پنڈت اور برہمن ہیں اسی طرح اُس زمانے میں بھی پُجاریوں کا ایک طبقہ تھا جو مندروں کی محافظت بھی کرتا، لوگوں کو پُوجا بھی کراتا، شادی اور غمی وغیرہ کی رسمیں بھی ادا کرتا اور غیب کی خبریں بھی لوگوں کو بتانے کا ڈھونگ رچاتا تھا۔ عام لوگ اُن کے پھندے میں ایسے پھنسے ہوئے تھے کہ اُنہی کو اپنی اچھی اور بُری قسمت کا مالک سمجھتے تھے، اُنہی کے اشاروں پر چلتے تھے اور بے چون وچرا ان کی خواہشات کی بندگی کرتے تھے کیونکہ اُن کا گمان تھا کہ دیوتاؤں کے ہاں ان پُجاریوں کی پہنچ ہے، یہ چاہیں تو ہم پر دیوتاؤں کی عنایت ہوگی، ورنہ ہم تباہ ہو جائیں گے۔ پُجاریوں کے اس گروہ کے ساتھ

کے مددگار تھے، اور پجاری بادشاہوں کے۔ ایک طرف حکومت ان پجاریوں کی پشت پناہی کرتی تھی اور دوسری طرف یہ پجاری لوگوں کے عقیدے میں یہ بات بٹھاتے تھے کہ بادشاہِ وقت بھی خداؤں میں سے ایک خدا ہے۔ ملک اور رعیت کا مالک ہے۔ اُس کی زبان قانون ہے اور اُس کو رعایا کی جان و مال پر ہر قسم کے اختیارات حاصل ہیں۔ اِتنا ہی نہیں بلکہ بادشاہوں کے آگے پورے بندگی کے مراسم بجالائے جاتے تھے تاکہ رعایا کے دل و دماغ پر اُن کی خدائی کا خیال مُسلّط ہو جائے۔

ایسے زمانے اور ایسی قوم میں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور لُطف یہ ہے کہ جس گھرانے میں پیدا ہوئے وہ خود پجاریوں کا گھرانہ تھا۔ ان کے باپ دادا اپنی قوم کے پنڈت اور برہمن تھے۔ اس گھر میں وہی تعلیم اور وہی تربیت اُن کو مل سکتی تھی جو ایک پنڈت زادے کو ملا کرتی ہے، اسی قسم کی باتیں بچپن سے کانوں میں پڑتی تھیں، وہی پیروں اور پیرزادوں کے رنگ ڈھنگ اپنے بھائی بند اور برادری کے لوگوں میں دیکھتے تھے، وہی مندر کی گدی اُن کے لئے تیار تھی جس پر بیٹھ کر وہ اپنی قوم کے پیشوا بن سکتے تھے وہی نذر و نیاز اور چڑھاوے جن سے ان کا خاندان مالا مال ہو رہا تھا اُن کے لیے بھی حاضر تھے، اُسی طرح لوگ اُن کے سامنے بھی ہاتھ جوڑنے اور عقیدت سے سر جھکانے کے لئے موجود تھے، اسی طرح

دیوتاوں سے رشتہ ملا کر اور غیب لوئی کا ڈھونگ رچا کر وہ ادنیٰ انسان سے۔
کر بادشاہ تک ہر ایک کو اپنی پیری کے پھندے میں پھانس سکتے تھے۔ اس ز
میں جہاں کوئی ایک آدمی بھی حق کو جاننے اور ماننے والا موجود نہ تھا نہ تو اُن کو
کی روشنی ہی کہیں سے مل سکتی تھی اور نہ کسی معمولی انسان کے بس کا یہ کا
تھا کہ اس قدر زبردست ذاتی اور خاندانی فائدوں کو لات مار کر محض سچائی
پیچھے دُنیا بھر کی مصیبتیں مول لینے پر آمادہ ہو جاتا۔

حضرت ابراہیمؑ کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ کسی اور ہی مٹی سے اُن کی
ن سنبھالتے ہی اُنہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ سُورج، چاند ا
بوں کی طرح گردش کر رہے ہیں اور یہ پتھر کے بُت جن کو آدمی خو
ہاتھ سے بناتا ہے اور یہ بادشاہ جو ہم ہی جیسے انسان ہیں، آخر یہ خُدا کیسے ہو سکتے
جو بجائے خود اپنے اختیار سے جنبش نہیں کر سکتے، جن میں آپ اپنی مدد کرنے کی ق
نہیں، جو اپنی موت اور زیست کے بھی مختار نہیں، ان کے پاس کیا دھرا ہے
انسان ان کے آگے عبادت میں سر جھکائے، اُن سے اپنی حاجتیں مانگے، ان
طاقت سے خوف کھائے اور اُن کی خدمت گاری و فرمانبرداری کرے۔ زمی
اور آسمان کی جتنی چیزیں ہمیں نظر آتی ہیں۔ یا جن سے کسی طور پر ہم واقف ہ
اُن میں سے تو کوئی بھی ایسی نہیں جو خود محتاج نہ ہو، جو خود کسی طاقت سے دبی ہ
نہ ہو اور جس پر کبھی نہ کبھی کوئی زوال نہ آتا ہو۔ پھر جب اُن سب کا یہ حال ہے

لیا، نہ کسی کے ہاتھ میں میری موت اور زیست کا اور نفع اور نقصان کا اختیار ہے،
نہ کسی کے ہاتھ میں رزق اور حاجت روائی کی کنجیاں ہیں، تو میں اُن کو رب کیوں
مانوں اور کیوں اُن کے آگے بندگی و اطاعت میں سر جھکاؤں ؟ میرا رب تو وہی
ہو سکتا ہے جس نے سب کو پیدا کیا، جس کے سب محتاج ہیں اور جس کے اختیار میں
سب کی موت و زیست اور سب کا نفع و نقصان ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ
نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ جن معبودوں کو میری قوم پوجتی ہے اُن کو میں ہرگز نہ پوجوں
گا اور اس فیصلہ پر پہنچنے کے بعد انہوں نے علی الاعلان لوگوں سے کہہ دیا کہ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا
تُشْرِكُوْنَ "جن کو تم خدائی میں شریک ٹھہراتے ہو، اُن سے میرا کوئی واسطہ نہیں"۔ اِنِّیْ
وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ
"میں نے سب سے منہ موڑ کر اُس ذات کو عبادت و بندگی کے لئے خاص کر لیا ہے جس نے
آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والا نہیں ہوں"۔

اِس اعلان کے بعد حضرت ابراہیمؑ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ باپ
نے کہا میں عاق کر دوں گا اور گھر سے نکال باہر کروں گا۔ قوم نے کہا ہم میں سے
کوئی تمہیں پناہ نہ دے گا۔ حکومت بھی اُن کے پیچھے پڑ گئی اور بادشاہ کے سامنے مقدمہ
پیش ہوا۔ مگر وہ یکہ و تنہا انسان سب کے مقابلہ میں سچائی کی خاطر ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔
باپ کو ادب سے جواب دیا کہ جو علم میرے پاس ہے وہ تمہیں نہیں ملا۔ اس لئے بجائے

اِس کے کہ میں تمہاری پیروی کروں، تمہیں میری پیروی کرنی چاہیئے۔ قوم کی دھمکیو
جواب میں اس کے بتوں کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر ثابت کر دیا کہ جنہیں تم پوجتے ہو وہ خو
کس قدر بے بس ہیں۔ بادشاہ سے بھرے دربار میں جا کر صاف کہہ دیا کہ تو میر
رب نہیں ہے بلکہ وہ ہے جس کے ہاتھ میں میری اور تیری زندگی و موت ہے او
جس کے قانون کی بندش میں سورج تک جکڑا ہوا ہے۔ آخر شاہی دربار میں فیصل
ہوا کہ اس شخص کو زندہ جلا ڈالا جائے۔ مگر وہ پہاڑ سے زیادہ مضبوط دل رکھنے وا
انسان، جو خدائے واحد پر ایمان لا چکا تھا، اِس ہولناک سزا کو بھگتنے کے لئے بھی
تیار ہو گیا۔ پھر جب اللہ نے اپنی قدرت سے اِس کو آگ میں جلنے سے بچا لیا تو وہ
اپنے گھر بار، عزیز و اقارب، قوم اور وطن سب کو چھوڑ چھاڑ کر صرف اپنی بیوی
اور اپنے بھتیجے کو لے کر غریب الوطنی میں مُلک مُلک کی خاک چھاننے کے لئے نکل کھڑا
ہوا۔ جس شخص کے لئے اپنے گھر میں مہنت کی گدّی موجود تھی، جو اُس پر بیٹھ کر اپنی
قوم کا پیر بن سکتا تھا، دولت و عزت دونوں جس کے قدم چُومنے کے لئے تیّار
تھیں، اور جو اپنی اولاد کو بھی اِس مہنتی کی گدّی پر مزے لُوٹنے کے لیے چھوڑ
سکتا تھا، اس نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے جلا وطنی اور بے سرو سامانی
کی زندگی پسند کی۔ کیونکہ دُنیا کو جھوٹے خداؤں کے جال میں پھانس کر خود مزے
کرنا اُسے گوارا نہ تھا اور اس کے مقابلہ میں یہ گوارا تھا کہ ایک سچے خُدا کی بندگی
کی طرف لوگوں کو بُلائے اور اس جُرم کی پاداش میں کہیں چین سے نہ بیٹھ سکے۔

وطن سے نکل کر حضرت ابراہیمؑ شام، فلسطین، مصر اور عرب کے ملکوں میں پھرتے رہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس مسافرت کی زندگی میں اُن پر کیا گزری ہوگی۔ مال و زر کچھ ساتھ لے کر نہ نکلے تھے اور باہر نکل کر اپنی روٹی کمانے کی فکر میں نہیں پھر رہے تھے بلکہ رات دن فکر تھی تو یہ تھی کہ لوگوں کو ہر ایک کی بندگی سے نکال کر صرف ایک خُدا کا بندہ بنائیں۔ اِس خیال کے آدمی کو جب اس کے اپنے باپ نے اور اس کی اپنی قوم نے برداشت نہ کیا تو اور کون برداشت کر سکتا تھا؟ کہاں اس کی آؤ بھگت ہو سکتی تھی؟ ہر جگہ وہی مندروں کے مہنت اور وہی خدائی کے مدّعی بادشاہ موجود تھے اور ہر جگہ وہی جاہل عوام بستے تھے جو ان جھوٹے خداؤں کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے۔ اُن لوگوں کے درمیان وہ شخص کہاں چین سے بیٹھ سکتا تھا جو نہ صرف خود ہی خدا کے سوا کسی کی خُدائی ماننے کے لئے تیار نہ تھا، بلکہ دوسروں سے بھی علانیہ کہتا پھرتا تھا کہ ایک اللہ کے سوا تمہارا کوئی مالک اور آقا نہیں ہے۔ سب کی آقائی و خداوندی کا تختہ اُلٹ دو اور صرف اُس ایک کے بندے بن کر رہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو کسی جگہ قرار نصیب نہ ہوا۔ سالہا سال بے خانماں پھرتے رہے کبھی کنعان کی بستیوں میں ہیں تو کبھی مصر میں اور کبھی عرب کے ریگستان میں۔ اسی طرح ساری جوانی بیت گئی اور کالے بال سفید ہو گئے۔

آخر عمر میں جب ۹۰ برس پورے ہونے میں صرف چار سال باقی تھے اور اولاد سے مایوسی ہو چکی تھی، اللہ نے اولاد دی لیکن اس اللہ کے بندے کو اب بھی یہ فکر نہ ہوئی کہ خود خانماں برباد ہوا ہوں تو کم از کم اپنے بچوں ہی کو دُنیا کمانے کے قابل

بناؤں اور اُنہیں کسی ایسے کام پر لگا جاؤں کہ روٹی کا سہارا بل جائے۔ نہیں، اِس بوڑھے مسلمان کو فکر تھی تو یہ تھی کہ جس مشن کو پھیلانے میں خود اُس نے اپنی عمر کھپا دی تھی، کاش کوئی ایسا ہو جو اس کے مرنے کے بعد بھی اِسی مشن کو پھیلاتا رہے! اِسی غرض کے لئے وہ اللہ سے اولاد کا آرزومند تھا اور جب اللہ نے اولاد دی تو اُس نے یہی چاہا کہ اپنے کام کو جاری رکھنے کے لئے اُنہیں تیار کرے۔ اس اِنسانِ کامل کی زندگی ایک سچے اور اصلی مسلمان کی زندگی تھی۔ ابتدائے جوانی میں ہوش سنبھالنے کے بعد ہی جب اُس نے اپنے خدا کو پہچانا اور پالیا تو خُدا نے اس سے کہا تھا کہ اَسْلِمْ (اِسلام لے آ، اپنے آپ کو میرے سپُرد کر دے، میرا ہو کر رہ) اور اُس نے جواب میں قول دے دیا تھا کہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (میں نے اسلام قبول کیا۔ میں رب العٰلمین کا ہو گیا، میں نے اپنے آپ کو اس کے سُپرد کر دیا) اس قول و قرار کو اُس سچے آدمی نے تمام عمر پوری پابندی کے ساتھ نباہ کر دکھا دیا۔ اس نے ربّ العٰلمین کی خاطر صدیوں کے آبائی مذہب اور اس کی رسموں اور عقیدوں کو چھوڑا اور دنیا کے ان سارے فائدوں کو چھوڑا، اپنی جان کو آگ کے خطرے میں ڈالا، جلاوطنی کی مصیبتیں سہیں، مُلک مُلک کی خاک چھانی۔ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ ربّ العٰلمین کی اطاعت اور اُس کے دین کی تبلیغ میں صرف کر دیا اور بڑھاپے میں جب اولاد نصیب ہوئی تو اس کے لئے بھی یہی دین اور یہی کام پسند کیا، مگر ان آزمائشوں کے بعد ایک اور آخری آزمائش باقی رہ گئی تھی جس کے بغیر یہ فیصلہ نہ ہو سکتا تھا کہ یہ شخص دُنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر

رب العلمین سے محبت رکھتا ہے اور وہ آزمائش یہ تھی کہ اس بڑھاپے میں جبکہ پوری مایوسی کے بعد اسے اولاد نصیب ہوئی ہے اپنے اکلوتے بیٹے کو رب العلمین کی خاطر قربان کرسکتا ہے یا نہیں، چنانچہ آزمائش بھی کر ڈالی گئی، اور جب اشارہ پاتے ہی وہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے پر آمادہ ہو گیا، تب فیصلہ فرما دیا گیا کہ ہاں اب تم نے اپنے مسلم ہونے کے دعوے کو بالکل سچا کر دکھایا۔ اب تم اس کے اہل ہو کہ تمہیں ساری دُنیا کا امام بنایا جائے۔ اسی بات کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ○ (بقرہ-۱۵)	اور جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن میں پُورا اُتر گیا تو فرمایا کہ میں تجھ کو انسانوں کا امام (پیشوا) بناتا ہوں۔ اس نے عرض کیا اور میری اولاد کے متعلق کیا حکم ہے؟ جواب دیا ان میں سے جو ظالم ہوں گے انہیں میرا عہد نہیں پہنچتا۔

اِس طرح حضرت ابراہیمؑ کو پیشوائی سونپی گئی اور وہ اسلام کی عالمگیر تحریک کے لیڈر بنائے گئے۔ اب اُن کو اس تحریک کی اشاعت کے لیے ایسے آدمیوں کی ضرورت پیش آئی جو مختلف علاقوں کو سنبھال کر بیٹھ جائیں اور ان کے خلیفہ یا نائب کی حیثیت سے کام کریں۔ اس کام میں تین آدمی اُن کے لیے قوتِ بازو ثابت ہوئے

ایک اُن کے بھتیجے حضرت لُوط علیہ السلام دُوسرے اُن کے بڑے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جنہوں نے یہ سُن کر کہ رب العٰلمین ان کی جان کی قربانی چاہتا ہے، خود اپنی گردن خوشی خوشی چُھری کے نیچے رکھ دی، تیسرے اُن کے چھوٹے صاحبزادے حضرت اسحٰقؑ۔

بھتیجے کو آپ نے سدوم کے علاقہ میں بٹھایا جس کو آج کل شرقِ اُردن (ٹرانس جورڈینیا) کہتے ہیں۔ یہاں اس وقت کی سب سے زیادہ پاجی قوم رہتی تھی، اس لیے اس کی اصلاح مدِّنظر تھی اور ساتھ ہی دُور دراز کے علاقوں پر بھی اثر ڈالنا مقصُود تھا کیونکہ ایران، عراق اور مصر کے درمیان آنے جانے والے سب تجارتی قافلے اسی علاقے سے گزرتے تھے اور یہاں بیٹھ کر دونوں طرف تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا جا سکتا تھا۔

چھوٹے صاحبزادے حضرت اسحٰقؑ کو کنعان کے علاقہ میں آباد کیا جس کو آجکل فلسطین کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ شام اور مصر کے درمیان واقع ہے، اور سمندر کے کنارے ہونے کی وجہ سے دُوسرے ملکوں پر بھی یہاں سے اثر ڈالا جا سکتا ہے۔ یہیں سے حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ (جن کا نام اسرائیل بھی تھا) اور پوتے حضرت یوسفؑ کی بدولت اسلام کی تحریک مصر تک پہنچی۔

بڑے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ کو حجاز میں مکّے کے مقام پر رکھا اور ایک مدّت تک خود اُن کے ساتھ رہ کر عرب کے تمام گوشوں میں اسلام کی تعلیم پھیلائی۔ پھر یہیں دونوں باپ بیٹوں نے اسلامی تحریک کا وہ مرکز تعمیر کیا جو کعبہ کے نام سے

آج ساری دُنیا میں مشہور ہے۔ اِس مرکز کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا تھا اور خود ہی اس تعمیر کی جگہ تجویز کی تھی۔ یہ عمارت محض ایک عبادت گاہ ہی نہ تھی جیسے مسجدیں ہُوا کرتی ہیں بلکہ اوّل روز ہی سے اس کو دینِ اسلام کی عالمگیر تحریک کا مرکزِ تبلیغ و اشاعت قرار دیا گیا تھا اور اس کی غرض یہ تھی کہ ایک خُدا کو ماننے والے ہر جگہ سے کھنچ کھنچ کر یہاں جمع ہوا کریں، مل کر خُدا کی عبادت کریں اور اسلام کا پیغام لے کر پھر اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں۔ یہی اجتماع تھا جس کا نام "حج" رکھا گیا۔ اس کی پوری تفصیل کہ یہ مرکز کس طرح تعمیر ہوا، کن جذبات اور کن دُعاؤں کے ساتھ دونوں باپ بیٹوں نے اس عمارت کی دیواریں اُٹھائیں اور کیسے حج کی ابتدا ہوئی قرآن مجید میں یوں بیان کی گئی ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ ۚ۬ وَمَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ (آل عمران - ۱۰)	بیشک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی تھا جو مکّہ میں تعمیر ہوا۔ برکت والا گھر اور سارے جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت۔ اس میں اللہ کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیمؑ ہے اور جو اس میں داخل ہو جاتا ہے اس کو امن مل جاتا ہے۔
اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِھِمْ ؕ (عنکبوت - ۔)	کیا لوگوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے کیسا پُرامن حرم بنایا ہے حالانکہ اس کے گرد و پیش لوگ اُچک لیے جاتے ہیں (یعنی جبکہ عرب میں ہر طرف لوٹ

مار، قتل و غارتگری اور جنگ و جدل کا بازار گرم تھا اس حرم میں ہمیشہ امن ہی رہا حتیٰ کہ وحشی بدو تک اس کے حدود میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ پاتے تو اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کرتے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً
لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ
اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ۗ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى
اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا
بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ
السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ
اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ
اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ
مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ... وَ
اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۗ رَبَّنَا تَقَبَّلْ
مِنَّا ۗ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا
وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ
اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا
وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ

اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرکز و مرجع
اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیم کے
مقام عبادت کو جائے نماز بنالو اور ابراہیم اور
اسمٰعیل کو ہدایت کی کہ میرے گھر کو طواف کرنے
والے، اور ٹھیرنے والے اور رکوع و سجدہ کرنے
والے لوگوں کے لیے پاک صاف رکھو، اور
جبکہ ابراہیمؑ نے دعا کی کہ پروردگار! اس شہر کو
پُرامن شہر بنا دے اور یہاں کے باشندوں
کو پھلوں کا رزق بہم پہنچا، جو ان میں سے
اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے والا ہو....
اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل اس گھر کی بنیادیں
اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے کہ...
پروردگار ہماری اس کوشش کو قبول فرما تو
سب کچھ سنتا اور جانتا ہے، پروردگار! اور
تو ہم دونوں کو اپنا مسلم (اطاعت گزار) بنا

الرَّحِيۡمُ ۝ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝ (بقرہ ۱۵۱)

اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہم پر عنایت کی نظر رکھ کہ تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے پروردگار! اور تو ان لوگوں میں انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول بھیجو جو انہیں تیری آیات سنائے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق درست کرے یقیناً تو بڑی قوت والا ہے اور بڑا حکیم ہے۔

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجۡنُبۡنِىۡ وَبَنِىَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ‌ۚ فَمَنۡ تَبِعَنِىۡ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡ‌ۚ وَمَنۡ عَصَانِىۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝ رَبَّنَاۤ اِنِّىۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ بِوَادٍ غَيۡرِ ذِىۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِۙ رَبَّنَا لِيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ

اور جب کہ ابراہیمؑ نے دعا کی کہ پروردگار اس شہر کو پرامن شہر بنا اور مجھ کو اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار ان بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ سو جو کوئی میرے طریقہ کی پیروی کرے تو میرا ہے اور جو میرے طریقہ سے پھر جائے تو یقیناً تو غفور اور رحیم ہے۔ پروردگار! میں نے اپنی نسل کے ایک حصّہ کو تیرے اس عزت والے گھر کے پاس اس بے آب وگیاہ وادی میں لا بسایا ہے تاکہ یہ نماز کا نظام قائم کریں۔

مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝

(ابراہیم - ۶)

پس اے رب لوگوں کے دلوں میں ایسا شوق ڈال کہ وہ ان کی طرف کھنچ کر آئیں اور ان کو پھلوں سے رزق پہنچا۔ امید ہے کہ یہ تیرے شکرگزار بنیں گے۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْقَائِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ ۝

(الحج - ۴)

اور جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کی جگہ مقرر کی اس ہدایت کے ساتھ کہ یہاں شرک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنیوالوں اور قیام کرنیوالوں اور رکوع اور سجدہ کرنیوالوں کے لیے پاک صاف رکھو اور لوگوں میں حج کی عام منادی کردو کہ تمہارے پاس آئیں خواہ پیدل آئیں یا ہر دُور دراز مقام سے دُبلی اُونٹنیوں پر آئیں تاکہ یہاں آکر وہ دیکھیں کہ ان کے لیے کیسے کیسے دینی و دُنیوی منافع ہیں اور ان چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر جو اللہ نے ان کو دیے ہوں اللہ کا نام لیں (یعنی قربانی کریں) اور اس میں خود بھی کھائیں اور تنگدست و محتاج لوگوں کو بھی کھلائیں۔

برادرانِ اسلام! یہ ہے اُس حج کی ابتدا کا قصہ جسے اسلام کا پانچواں رُکن قرار دیا گیا ہے۔ اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ دُنیا میں سب سے پہلے جس نبی کو

اِسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے پر مامور کیا گیا تھا، مکہ اس کے مشن کا صدر مقام تھا۔ کعبہ وہ مرکز تھا جہاں سے یہ تبلیغ دُنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچائی جاتی تھی، اور حج کا طریقہ اس لیے مقرر کیا گیا تھا کہ جو لوگ خدائے واحد کی بندگی کا اقرار کریں اور اس کی اطاعت میں داخل ہوں، خواہ وہ کسی قوم اور کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں، سب کے سب اس ایک مرکز سے وابستہ ہو جائیں اور ہر سال یہاں جمع ہوکر اس مرکز کے گرد طواف کریں۔ گویا ظاہر میں اپنی اس باطنی کیفیت کا نقشہ جما لیں کہ ان کی زندگی اس پہیے کی طرح ہے جو ہمیشہ اپنے دُھرے کے گرد ہی گھومتا ہے۔

حج

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے
اور پھر
حضورؐ کی اصلاحاتِ قرآنی کی روشنی میں (۴)

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے بعد اُن کی اولاد کب تک اس دین پر قائم رہی جس پر ان کے باپ اُن کو چھوڑ گئے تھے۔ بہرحال چند صدیوں میں یہ لوگ اپنے بزرگوں کی تعلیم اور ان کے طریقے سب بھول بھال گئے اور رفتہ رفتہ ان میں وہ سب گمراہیاں پیدا ہو گئیں جو دوسری جاہل قوموں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اسی کعبے میں جسے ایک خدا کی پرستش کے لیے دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا گیا تھا، سینکڑوں بُت رکھ دیئے گئے تھے اور غضب یہ ہے کہ خود حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو بھی بُت بنا ڈالا گیا جن کی ساری زندگی بتوں ہی کی پرستش مٹانے میں صرف ہوئی تھی۔ ابراہیم حنیف کی اولاد نے لات، منات، ہُبل، نسر، یغوث، عزّیٰ، اساف، نائلہ اور خدا جانے کس کس نام کے بُت بنائے اور ان کو پوجا۔ چاند، عطارد، زہرہ، زحل اور معلوم نہیں کس کس ستارے کو پوجا۔

جن، بھوت، پریت، فرشتوں اور اپنے مُردہ بزرگوں کی رُوحوں کو پُوجا۔ جہالت کا زور یہاں تک بڑھا کہ جب گھر سے نکلتے اور اپنا خاندانی بُت انہیں پُوجنے کو نہ ملتا تو راستہ چلتے میں جو اچھا سا چکنا پتھر مل جاتا اُسی کو پُوجا ڈالتے، اور پتھر بھی نہ ملتا تو مٹی کو پانی سے گوندھ کر ایک پنڈا سا بنا لیتے اور بکری کا دُودھ چھڑکتے ہی وہ بے جان پنڈا ان کا خدا بن جاتا۔ جس پنڈت گری اور پنڈتائی کے خلاف ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام نے عراق میں لڑائی کی تھی وہ خود انہی کے گھر میں گھس آئی۔ کعبے کو انہوں نے ہردوار یا بنارس بنا لیا، خود وہاں کے پنڈت بن کر بیٹھ گئے، حج کو تیرتھ جاترا بنا کر اس گھر سے جو توحید کی تبلیغ کے لیے بنا تھا بُت پرستی کی تبلیغ کرنے لگے اور پجاریوں کے سارے ہتھکنڈے اختیار کر کے انہوں نے عرب کے دُور و نزدیک سے آنے والے جاتریوں سے نذر چڑھاوے وصُول کرنے شروع کر دیئے۔ اس طرح وہ سارا کام برباد ہو گیا جو ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کر گئے تھے اور جس مقصد کے لیے اُنہوں نے حج کا طریقہ جاری کیا تھا اس کی جگہ کچھ اور ہی کام ہونے لگے۔

اس جاہلیت کے زمانے میں حج کی جو گت بنی اس کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ یہ ایک میلہ تھا جو سال کے سال لگتا تھا۔ بڑے بڑے قبیلے اپنے اپنے جتھوں کے ساتھ یہاں آتے اور اپنے اپنے پڑاؤ الگ ڈالتے۔ ہر قبیلے کا شاعر یا بھاٹ اپنی اور اپنے قبیلے والوں کی بہادری، ناموری، عزّت، طاقت اور سخاوت کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا اور ہر ایک ڈینگیں مارنے میں دُوسرے سے بڑھ

جانے کی کوشش کرتا یہاں تک کہ دُوسرے کی ہجو تک نوبت پہنچ جاتی۔ پھر فیاضی کا مقابلہ ہوتا۔ ہر قبیلے کے سردار اپنی بڑائی جتانے کے لیے دیگیں چڑھاتے اور ایک دُوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے اُونٹ پر اُونٹ کاٹتے چلے جاتے۔ اس فضول خرچی سے ان لوگوں کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس میلے کے موقع پر اُن کا نام سارے عرب میں اُونچا ہو جائے اور یہ چرچے ہوں کہ فلاں صاحب نے اتنے اُونٹ ذبح کیے اور فلاں صاحب نے اتنوں کو کھانا کھلایا۔ اِن مجلسوں میں راگ، رنگ، شراب خوری، زنا اور ہر قسم کی فحش کاری خوب دھڑلّے سے ہوتی تھی اور خُدا کا خیال مشکل ہی سے کسی کو آتا تھا۔ کعبے کے گرد طواف ہوتا تھا، مگر کس طرح؟ عورت مرد سب ننگے ہو کر گھومتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس حالت میں خُدا کے سامنے جائیں گے جس میں ہماری ماؤں نے ہمیں جنا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی مسجد میں عبادت ہوتی تھی، مگر کیسی؟ تالیاں پیٹی جائیں، سیٹیاں بجائی جائیں اور نرسنگھے پھونکے جاتے۔ خُدا کا نام پکارا جاتا، مگر کس شان سے؟ کہتے تھے لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا ھُوَلَکَ تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ (یعنی میں حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ جو تیرا ہونے کی وجہ سے تیرا شریک ہے۔ تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کی ملکیت کا بھی مالک ہے)۔ خدا کے نام پر قربانیاں کرتے تھے، مگر کس بدتمیزی کے ساتھ؟ قربانی کا خون کعبے کی دیواروں سے لتھیڑا جاتا اور گوشت دروازے پر ڈالا جاتا، اس خیال سے کہ نعوذ باللہ یہ خون اور گوشت خُدا کو مطلوب

ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حج کے چار مہینوں کو حرام ٹھیرایا تھا اور ہدایت کی تھی کہ اِن مہینوں میں کسی قسم کی جنگ و جدل نہ ہو۔ یہ لوگ اس حرمت کا کسی حد تک خیال رکھتے تھے مگر جب لڑنے کو جی چاہتا تو ڈھٹائی کے ساتھ ایک سال حرام مہینے کو حلال کر لیتے اور دوسرے سال اس کا بدلہ کر دیتے تھے۔

پھر جو لوگ اپنے مذہب میں نیک نیت تھے انہوں نے بھی [illegible] عجیب عجیب طریقے ایجاد کر رکھے تھے۔ کچھ لوگ [illegible] کھاتے چلے جاتے تھے۔ ان کے نزدیک نیکی کا کام تھا [illegible] کی طرف جا رہے ہیں۔ پھر [illegible] یا کمائی کے لیے محنت مشقت کرنا [illegible] سمجھا جاتا تھا۔ [illegible] میں کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے اور اسے بھی نفل عبادت سمجھتے تھے [illegible] نکلتے تو بات چیت کرنا ترک کر دیتے۔ اس کا نام حجِ مصمت یعنی گونگا حج تھا۔ [illegible] کی اور غلط رسمیں بے شمار تھیں جن کا حال بیان کرنے میں آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔

یہ حالت کم و بیش دو ہزار برس تک رہی۔ اس طویل مدت میں کوئی نبی عرب میں پیدا نہیں ہوا نہ کسی نبی کی خالص تعلیم عرب کے لوگوں تک پہنچی۔ آخر کار حضرت ابراہیمؑ کی اُس دُعا کے پورا ہونے کا وقت آیا جو انہوں نے کعبے کی دیواریں اُٹھاتے وقت اللہ سے مانگی تھی یعنی "پروردگار! ان کے درمیان ایک پیغمبر خود ان ہی کی قوم میں سے بھیجیو۔

جو انہیں تیری آیات سنائے اور کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق درست کرے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے پھر ایک انسان کامل اٹھا جس کا نام پاک محمد بن عبداللہ تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے پنڈتوں اور مہنتوں کے خاندان میں آنکھ کھولی تھی، اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُس خاندان میں آنکھ کھولی جو صدیوں سے کعبہ کے تیرتھ کا مہنت بنا ہوا تھا۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ہاتھ سے خود اپنے خاندان کی مہنتی پر ضرب لگائی، اسی طرح آنحضرتؐ نے بھی اس پر ضرب لگائی اور محض ضرب ہی نہیں لگائی بلکہ ہمیشہ کے لیے اس کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ پھر جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے تمام باطل عقیدوں اور جھوٹے خداؤں کی خدائی مٹانے کے لیے جدوجہد کی تھی اور ایک خدا کی بندگی پھیلانے کی کوشش کی تھی، بالکل وہی کام آنحضرتؐ نے بھی کیا اور پھر اُسی اصلی اور بے لوث دین کو تازہ کر دیا جسے حضرت ابراہیمؑ لے کر آئے تھے۔ ۲۱ سال کی مدت میں جب یہ سارا کام آپ مکمل کر چکے تو اللہ کے حکم سے آپؐ نے پھر اُسی طرح کعبے کو تمام دنیا کے خدا پرستوں کا مرکز بنانے کا اعلان کیا اور پھر وہی منادی کی کہ سب طرف سے حج کے لیے اس مرکز کی طرف آؤ۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ	اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو کوئی اس گھر تک
مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ	آنے کی قدرت رکھتا ہو وہ حج کے لیے آئے پھر جو
كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝	کوئی کفر کرے (یعنی قدرت کے باوجود نہ آئے)
(آل عمران - ۱۰)	تو اللہ تمام دُنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

اس طرح حج کا از سرِ نو آغاز کرنے کے ساتھ ہی جاہلیت کی وہ ساری رسمیں بھی یک قلم مٹا دی گئیں جو پچھلے دو ہزار برس میں رواج پا گئی تھیں۔ کعبے کے سارے بُت توڑے گئے، خُدا کے سوا دُوسروں کی جو پرستش وہاں ہو رہی تھی وہ قطعاً روک دی گئی، سب رسمیں مٹا دی گئیں، میلے ٹھیلے اور تماشے بند کر دیئے گئے اور حکم دیا گیا کہ اب جو طریقہ عبادت کا بتایا جا رہا ہے اسی طریقے سے یہاں اللہ کی عبادت کرو۔

وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ (بقرہ-۲۵)

اللہ کو یاد کرو اس طرح جیسی تمہیں اللہ نے ہدایت کی ہے ورنہ اس سے پہلے تو تم گمراہ لوگ تھے۔

تمام بیہودہ افعال کی سخت ممانعت کر دی گئی:

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (بقرہ-۲۵)

حج میں نہ شہوانی افعال کیے جائیں، نہ فجور ہو، نہ لڑائی جھگڑے ہوں۔

شاعری کے دنگل، باپ دادا کے کارناموں پر فخر، بھٹئی اور ہجو گوئی کے مقابلے سب بند کر دیئے گئے۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (بقرہ-۲۵)

پھر جب اپنے مناسکِ حج ادا کر چکو تو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کیا کرتے تھے اب اللہ کو یاد کرو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

فیاضی کے مقابلے، جو محض دکھاوے اور ناموری کے لیے ہوتے تھے ا

بجاب

ستمبر ۱۹۸۳ء

کا خاتمہ کر دیا گیا اور اس کی جگہ دوبارہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے کا طریقہ پھر زندہ کیا گیا کہ محض اللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جائیں تاکہ خوشحال لوگوں کی قربانی سے غریب جانوروں کو بھی کھانے کا موقع مل جائے۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (اعراف - ۳) — کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (الحج - ۵) — ان جانوروں کو خالص اللہ کے لیے اسی کے نام پر قربان کرو، پھر جب ان کی پیٹھیں زمین پر ٹھہر جائیں (یعنی جب جان پوری طرح نکل چکے اور حرکت باقی نہ رہے) تو خود بھی ان میں سے کھاؤ اور قانع کو بھی کھلاؤ اور حاجتمند سائل کو بھی۔

قربانی کے خون کعبہ کی دیوار [illegible] لتھیڑنا اور گوشت لا کر ڈالنا موقوف کیا گیا اور ارشاد ہوا:

لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ (الحج - ۵) — اللہ کو ان جانوروں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے تمہاری پرہیزگاری و خدا ترسی پہنچتی ہے۔

برہنہ ہو کر طواف کرنے کی قطعی ممانعت کر دی گئی اور فرمایا گیا:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ (اعراف - ۴) — اے نبی ان سے کہو کہ کس نے اللہ کی اُس زینت کو حرام کیا جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی تھی (یعنی لباس)؟

قُلْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۔ اے نبی کہو کہ اللہ تو ہرگز بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ اے آدم زادو! ہر عبادت کے وقت اپنی زینت (یعنی لباس) پہنے رہا کرو۔ (اعراف-۳)

حج کے مہینوں کا اُلٹ پھیر کرنے اور حرام مہینوں کو لڑائی کے لیے حلال کر لینے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا:-

إِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ (التوبہ - ۵)

نسی تو کفر میں اور زیادتی ہے (یعنی کفر کے ساتھ ڈھٹائی کا اضافہ ہے) کافر لوگ اس طریقے سے اور زیادہ گمراہی میں پڑتے ہیں۔ ایک سال ایک مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال اُس کے بدلہ میں کوئی دوسرا مہینہ حرام کر دیتے ہیں تاکہ جتنے مہینے اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں ان کی تعداد پوری کر دی جائے۔ مگر اس بہانے سے دراصل اُس چیز کو حلال کر لیا جائے جسے اللہ نے حرام کیا تھا۔

زادِ راہ لیے بغیر حج کے لیے نکلنے کو ممنوع ٹھہرایا گیا اور ارشاد ہوا۔

وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (بقرہ - ۲۵)

زادِ راہ ضرور لو کیونکہ دُنیا میں زادِ راہ دُنیا زادِ آخرت نہیں ہے، بہترین زادِ آخرت تو تقویٰ ہے

سفرِ حج میں کمائی نہ کرنے کو جو نیکی کا کام سمجھا جاتا تھا۔ اور روزی کمانے کو ناجائز خیال لیا جاتا تھا اس کی تردید کی گئی۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ — کوئی مضائقہ نہیں اگر تم کاروبار کے ذریعے
تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (بقرہ - ۲۵) — اپنے رب کا فضل تلاش کرتے جاؤ۔

گو نگے حج اور بھوکے پیاسے حج سے بھی روکا گیا، اور اس طرح جاہلیت کی دُوسری تمام رسموں کو مٹا کر حج کو تقویٰ، خدا ترسی، پاکیزگی اور سادگی و درویشی کا مکمل نمونہ بنا دیا گیا۔ حاجیوں کو حکم دیا گیا کہ جب اپنے گھروں سے چلو تو اپنے آپ کو تمام دنیوی آلائشوں سے پاک کر لو، شہوات کو چھوڑ دو، بیویوں کے ساتھ بھی اس زمانہ میں تعلقِ زن و شو نہ رکھو۔ گالی گلوچ اور تمام بیہودہ اعمال سے پرہیز کرو۔ کعبہ کی طرف آنے والے جتنے راستے ہیں، ان سب پر بیسیوں میل دُور سے ایک ایک حد مقرر کردی گئی کہ اس حد سے آگے بڑھنے سے پہلے سب لوگ اپنے اپنے لباس بدل کر احرام کا فقیرانہ لباس پہن لیں تاکہ سب امیر و غریب یکساں ہو جائیں، الگ الگ قوموں کے امتیازات مٹ جائیں، اور سب کے سب اللہ کے دربار میں ایک ہو کر، فقیر بن کر عاجزانہ شان کے ساتھ حاضر ہوں۔ احرام باندھنے کے بعد انسان کا خون بہانا تو درکنار، جانور تک کا شکار کرنا حرام کر دیا گیا تاکہ امن پسندی پیدا ہو، بہیمیت دُور ہو جائے اور طبیعتوں پر رُوحانیت کا غلبہ ہو۔ حج کے چار مہینے اس لیے حرام کیے گئے کہ اس مدت میں کوئی لڑائی نہ ہو، کعبہ کو جانے والے تمام راستوں میں امن رہے اور زائرینِ حرم کو کوئی نہ چھیڑے۔ اس شان کے ساتھ جب حاجی حرم میں پہنچیں تو اُن کے لیے کوئی میلہ ٹھیلہ، کھیل تماشا، ناچ رنگ وغیرہ نہیں

ہے۔ قدم قدم پر خدا کا ذکر ہے، نمازیں ہیں، عبادتیں ہیں، قربانیاں ہیں، کعبہ کا
طواف ہے، اور کوئی پکار ہے تو بس یہ ہے کہ:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ۔	حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں یقیناً تعریف سب تیرے ہی لیے ہے نعمت سب تیری ہے۔ ساری بادشاہی تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

ایسے ہی پاک صاف، بے لوث اور مخلصانہ حج کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ "جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں شہوات اور فسق و فجور سے پرہیز کیا اس طرح پلٹا جیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔"

اب قبل اس کے کہ آپ کے سامنے حج کے فائدے بیان کیے جائیں، یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ فرض کیسا ہے؟ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا، وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۝ (آل عمران۔۱۰)	اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے جس نے کفر کیا تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے

اس آیت میں قدرت رکھنے کے باوجود قصداً حج نہ کرنے کو کفر کے لفظ۔

تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی شرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو حدیثوں سے ہوتی ہے:

مَنْ مَّلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا۔

جو شخص زادِ راہ اور سواری رکھتا ہو جس سے بیت اللہ تک پہنچ سکتا ہو اور پھر حج نہ کرے تو اس کا اس حالت پر مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا یکساں ہے۔

مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا۔

جس کو نہ کسی صریح حاجت نے حج سے روکا ہو، نہ کسی ظالم سلطان نے نہ کسی روکنے والے مرض نے اور پھر اس نے حج نہ کیا ہو اور اسی حالت میں اسے موت آجائے تو اسے اختیار ہے خواہ یہودی بن کر مرے یا نصرانی بن کر۔

اور اسی کی تفسیر حضرت عمرؓ نے کی جب کہا کہ "جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے میرا جی چاہتا ہے کہ ان پر جزیہ لگا دوں وہ مسلمان نہیں ہیں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اور رسولؐ و خلیفۂ رسولؐ کی اس تشریح سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ فرض ایسا فرض نہیں ہے کہ جی چاہے تو ادا کیجیے اور نہ چاہے تو ٹال دیجیے بلکہ یہ ایسا فرض ہے کہ ہر اس مسلمان کو جو کعبے تک جانے آنے کا

خرچ رکھتا ہو اور ہاتھ پاؤں سے معذور نہ ہو، عمر میں ایک مرتبہ اسے لازماً ادا کرنا چاہیے خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں ہو اور خواہ اس کے اُوپر بال بچوں کی اور اپنے کاروبار یا ملازمت وغیرہ کی کیسی ہی ذمہ داریاں ہوں۔ جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج کو ٹالتے رہتے ہیں اور ہزاروں مصروفیتوں کے بہانے کرکر کے سال پر سال یونہی گذارتے چلے جاتے ہیں ان کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ رہے وہ لوگ جن کو عمر بھر کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض ان کے ذمہ ہے، دُنیا بھر کے سفر کرتے پھرتے ہیں، کعبۂ یورپ کو آتے جاتے حجاز کے ساحل سے بھی گزر جاتے ہیں جہاں سے مکہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے اور پھر بھی حج کا ارادہ تک اُن کے دل میں نہیں گزرتا، وہ قطعاً مسلمان نہیں ہیں۔ جھوٹ کہتے ہیں اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، اور قرآن سے جاہل ہے جو انہیں مسلمان سمجھتا ہے۔ ان کے دل میں اگر مسلمانوں کا درد اُٹھتا ہے تو اُٹھا کرے، اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم پر ایمان کا جذبہ تو بہرحال ان کے دل میں نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا

حضرت عمرؓ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص حج کی طاقت رکھتا ہو اور حج نہ کرے، قسم کھا کر کہہ دو کہ وہ نصرانی مرا ہے یا یہودی مرا ہے۔

(فضائل حج صفحہ ۳ مرتبہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ)

حج کے اثرات

جب ایک ایک حاجی حج کی نیت کرتا ہے اور اس نیت کے ساتھ ہی اس پر خوفِ خدا اور پرہیزگاری اور توبہ و استغفار اور نیک اخلاق کے اثرات چھانے شروع ہوتے ہیں، اور وہ اپنے عزیزوں، دوستوں، معاملہ داروں اور ہر قسم کے متعلقین سے اس طرح رخصت ہوتا اور اپنے معاملات صاف کرنا شروع کرتا ہے کہ گویا اب یہ وہ پہلا سا شخص نہیں ہے، بلکہ خدا کی طرف لَو لگ جانے کی وجہ سے اُس کا دل پاک صاف ہو رہا ہے، تو اندازہ کیجئے کہ ایک حاجی کی اس حالت کا کتنے کتنے لوگوں پر اثر پڑتا ہوگا۔ اور اگر ہر سال دُنیا کے مختلف حصّوں میں ایک لاکھ آدمی بھی اوسطاً اس طرح حج کے لئے تیار ہوتے ہوں تو اُن کی تاثیر کتنے لاکھ آدمیوں کے اخلاق تک پہنچتی ہوگی پھر حاجیوں کے قافلے جہاں جہاں سے گزرتے ہوں گے، وہاں اُن کو دیکھ کر، اُن سے مل کر اُن کی لبیک لبیک کی آوازیں سن کر کتنوں کے دِل گرما جاتے ہوں گے، کتنوں کی توجہ اللہ کی طرف اور اللہ کے گھر کی طرف پھر جاتی ہوگی، اور کتنوں کی سوئی ہوئی رُوح میں حج کے شوق سے حرکت پیدا ہو جاتی ہوگی۔ پھر جب یہ لوگ اپنے مرکز سے پھر کر اپنی اپنی بستیوں کی طرف دُنیا کے مختلف حصّوں میں حج کی کیفیتوں کا خمار لئے ہوئے پلٹتے ہوں گے اور لوگ اُن سے ملاقات کرتے ہوں گے تو اُن کی زبانِ حال اور زبانِ قال سے اللہ کے گھر کا ذکر سن کر کتنے بے شمار حلقوں میں دینی جذبات تازہ ہو جاتے ہوں گے۔

پس اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ جس طرح رمضان کا مہینہ تمام اسلامی

دُنیا میں تقویٰ کا موسم ہے، اسی طرح حج کا زمانہ تمام روئے زمین میں اسلام کی زندگی اور بیداری کا زمانہ ہے۔ اِس طریقہ سے شریعت بنانے والے حکیم و دانا نے ایسا بے نظیر انتظام کر دیا ہے کہ انشاء اللہ قیامت تک اسلام کی عالمگیر تحریک مٹ نہیں سکتی۔ دُنیا کے حالات خواہ کتنے ہی بگڑ جائیں اور زمانہ کتنا ہی خراب ہو جائے، مگر یہ کعبے کا مرکز اسلامی دُنیا کے جسم میں کچھ اِس طرح رکھ دیا گیا ہے جیسے آدمی کے جسم میں دل ہوتا ہے۔ جب تک دل حرکت کرتا ہے، آدمی مر نہیں سکتا، چاہے بیماریوں کی وجہ سے وہ ہلنے تک کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ بالکل اسی طرح دُنیا کا یہ دل بھی ہر سال اُس کی دُور دراز رگوں تک سے خُون کھینچتا رہتا ہے اور پھر اُس کو رگ رگ تک پھیلا دیتا ہے۔ جب تک اس دل کی یہ حرکت جاری ہے اور جب تک خون کے کھینچنے اور پھیلنے کا یہ سلسلہ چل رہا ہے، اس وقت تک یہ بالکل محال ہے کہ اس جسم کی زندگی ختم ہو جائے، خواہ بیماریوں سے یہ کتنا ہی زار و نزار ہو۔

ذرا آنکھیں بند کر کے اپنے دل میں اس نقشے کا تصوّر تو کیجئے کہ اِدھر مشرق سے، اُدھر جنوب سے، اِدھر مغرب سے، اُدھر شمال سے اَن گنت قوموں اور بے شمار ملکوں کے لوگ ہزاروں راستوں سے ایک ہی مرکز کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ شکلیں اور صُورتیں مختلف ہیں، رَنگ مختلف ہیں، زبانیں مختلف ہیں، مگر مرکز کے قریب ایک خاص حد پر پہنچتے ہی سب اپنے اپنے قومی لباس اُتار دیتے ہیں، اور سارے کے سارے ایک ہی طرز کا سادہ یونیفارم پہن لیتے ہیں۔ احرام کا یہ یونیفارم پہننے کے بعد علانیہ

یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ سلطانِ عالم اور بادشاہِ زمین و آسمان کی یہ فوج، جو دُنیا کی ہزاروں قوموں سے بھرتی ہو کر آرہی ہے، ایک ہی بادشاہ کی فوج ہے، ایک ہی اطاعت و بندگی کا نشان ان سب پر لگا ہوا ہے۔ ایک ہی وفاداری کے رشتے میں یہ سب بندھے ہوئے ہیں۔ اور ایک ہی دار السلطنت کی طرف اپنے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہونے کے لئے جا رہے ہیں۔ یہ یونیفارم پہنے ہوئے سپاہی جب میقات سے آگے چلتے ہیں تو ان سب کی زبانوں سے وہی ایک نعرہ بلند ہوتا ہے لَبَّیْکَ۔ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ۔ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ۔ بولنے کی زبانیں سب کی مختلف ہیں۔ مگر نعرہ سب کا ایک ہی ہے۔ پھر جوں جوں مرکز قریب آتا جاتا ہے دائرہ سمٹ کر چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے۔ مختلف ملکوں کے قافلے ملتے چلے جاتے ہیں سب کے سب مل کر نمازیں ایک ہی طرز پر پڑھتے ہیں۔ سب کا ایک یونیفارم، سب کا ایک امام، سب کی ایک ہی حرکت، سب کی ایک ہی زبان، سب اللہ اکبر کے ہی اشارے پر اُٹھتے اور بیٹھتے اور رکوع اور سجدہ کرتے ہیں، اور سب ایک ہی قرآنِ عربی کو پڑھتے اور سنتے ہیں۔ یوں زبانوں اور قومیتوں اور وطنوں اور نسلوں کا اختلاف ٹوٹتا ہے اور یوں خدا پرستوں کی ایک عالمگیر جماعت بنتی ہے۔ پھر جب یہ قافلے یک زبان ہو کر لبیک لبیک کے نعرے بلند کرتے ہوئے چلتے ہیں، جب ہر بلندی اور ہر پستی پر یہی نعرے لگتے ہیں، جب قافلوں کے ایک دوسرے سے ملنے کے وقت دونوں طرف سے یہی صدائیں اُٹھتی ہیں، جب نمازوں کے وقت اور صبح کے تڑکے میں یہی آوازیں گونجتی ہیں تو ایک عجیب

پیدا ہو جاتی ہے جس کے نشے میں آدمی سرشار ہو کر اپنی خودی کو بھول جاتا ہے اور
بس لبیک کی کیفیت میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر کعبے پہنچ کر تمام دنیا سے آئے
ہوئے آدمیوں کا ایک لباس میں ایک مرکز کے گرد گھومنا، پھر سب کا ایک ساتھ
صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، پھر سب کا منیٰ میں کیمپ لگانا، پھر سب کا عرفات
کی طرف کوچ کرنا اور وہاں ایک امام سے خطبہ سننا، پھر سب کا مزدلفہ میں رات گ
زارنا، پھر سب کا ایک ساتھ منیٰ کی طرف پلٹنا، پھر سب کا [illegible]
کنکریاں ... پھر سب کا قربانیاں کرنا، پھر سب کا ایک سا
تھ حرم ... طواف کرنا، پھر سب کا ایک ہی مرکز کے گرد ... نماز [illegible]
اپنے اندر وہ کیفیت رکھتا ہے جس کی نظیر دنیا میں ناپید ہے۔

دنیا بھر کی قوموں سے نکلے ہوئے لوگوں کا ایک مرکز پر اجتماع، اور وہ
بھی یک دلی و یک جہتی کے ساتھ، ایسی ہم خیالی و ہم آہنگی کے ساتھ، ایسے پاک
جذبات پاک مقاصد اور پاک اعمال کے ساتھ، حقیقت میں اتنی بڑی نعمت ہے جو
آدم کی اولاد کو اسلام کے سوا کسی نے نہیں دی۔ دنیا کی قومیں ہمیشہ ایک دوسرے سے
ملتی رہی ہیں، مگر کس طرح؟ میدانِ جنگ میں گلے کاٹنے کے لیے، یا صلح کانفرنسوں
میں ملکوں کی تقسیم اور قوموں کے بٹوارے کے لیے، یا مجلسِ اقوامِ متحدہ میں، تاکہ
ہر قوم دوسری قوم کے خلاف دھوکے، فریب، سازش اور بے ایمانیوں کے جال
پھیلائے اور دوسروں کے نقصان سے اپنا فائدہ کرنے کی کوشش کرے۔ تمام قوموں

کے عام لوگوں کا صاف دلی کے ساتھ ملنا، نیک اخلاق اور پاک خیالات کے ساتھ ملنا محبت اور خلوص کے ساتھ ملنا، قلبی و رُوحانی اتحاد کے ساتھ ملنا، خیالات، اعمال اور مقاصد کی یکجہتی کے ساتھ ملنا، اور صرف ایک ہی دفعہ مل کر نہ رہ جانا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہر سال ایک مرکز پر اسی طرح اکٹھے ہوتے رہنا، کیا یہ نعمت اسلام کے سوا بنی نوع انسان کو اور بھی کہیں ملتی ہے؟ دُنیا میں امن قائم کرنے، قوموں کی دشمنیوں کو مٹانے اور لڑائی جھگڑوں کے بجائے محبت، دوستی اور برادری کی فضا پیدا کرنے کے لیے اس سے بہتر نسخہ کس نے تجویز کیا ہے؟

اِسلام صرف اتنا ہی نہیں کرتا۔ اس سے بڑھ کر یہاں اور بہت کچھ ہے۔ اس نے لازم کیا ہے کہ سال کے چار مہینے جو حج اور عمرہ کے لیے مقرّر کیے گئے ہیں، ان میں کوشش کی جائے کہ کعبے کی طرف آنے والے تمام راستوں میں امن قائم رہے۔ یہ دنیا میں امن قائم رکھنے کی سب سے بڑی دوامی تحریک ہے اور اگر دُنیا کی سیاست کی باگیں اسلام کے ہاتھ میں ہوں، تو کم از کم سال کا ایک تہائی حصہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنگ اور غارتگری سے خالی رہ سکتا ہے۔

اس نے دُنیا کو ایک ایسا حرم دیا ہے جو قیامت تک کے لیے امن کا شہر ہے جس میں آدمی تو کیا جانور تک کا شکار نہیں کیا جا سکتا، جس میں گھاس تک کاٹنے کی اجازت نہیں، جس کی زمین کا کانٹا تک نہیں توڑا جا سکتا، جس میں حکم ہے کہ کسی کی کوئی چیز گری پڑی ہو تو اسے ہاتھ تک نہ لگاؤ۔

حجاب

عید الاضحیٰ

دُنیا میں اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا فائدہ اور نقصان ایک ملک، ایک قوم، ایک سماج کو ہوتا ہے درست ملک کے سارے ہی لوگ متاثر ہوتے ہیں مثلاً اگر فصل اچھی ہوتی ہے تو پورا ملک اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور جو اس فصل خراب ہوتی ہے تو کسان ہی نہیں غیر کسان بھی افسوس کرتا ہے کیونکہ غلّے کی ارزانی اور گرانی تو پورے ملک کا مسئلہ ہے نہ کہ کسی ایک شخص کا۔ یہی وجہ ہے کہ میدانی علاقوں کے لوگ اناج کاٹنے کے دنوں میں مل جل کر خوشی مناتے ہیں جس دن مل جل کر یہ خوشی مناتے ہیں یہی ان کے تیوہار کا دن ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کے بعض تیوہار اسی بنیاد پر منائے جاتے ہیں

ایک مثال دوسرے ملک کی ملاحظہ ہو۔ جاڑے کے موسم میں وہاں کی زمین یخ بستہ ہو جاتی ہے یعنی وہاں برف جم جاتی ہے۔ جاڑے کا زور ٹوٹنے پر جب سورج کی گرم کرنیں برف پگھلا دیتی ہیں تو وہاں کے لوگ دیکھتے ہیں کہ اس برف کے نیچے طرح طرح کے پھولوں اور پھلوں کے پودے انھیں مستی اور سرور کا پیغام دے رہے ہیں۔ ایران میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں کی زمین کے نیچے ایسے بیج بھر دیئے ہیں جو برف کے نیچے دبے دبے نشو و نما پاتے رہتے ہیں اور جب برف پگھل کر بہہ جاتی ہے تو سارا ملک گل و گلزار نظر آتا ہے۔ اس گل و گلزار سے سارا ملک خوشی مناتا ہے۔ جس دن اُن کے یہاں سورج کی پہلی گرم کرن پڑتی ہے وہ دن اُن کی اجتماعی خوشی کا دن ہوتا ہے۔ اس دن کا نام انھوں نے "نوروز" رکھا ہے۔ نوروز اُن کے تیوہار کا دن ہے۔ دنیا کے ٹھنڈے ملکوں میں تیوہار کی نوعیت اسی نوروز سے ملتی جلتی ہے۔

اُوپر کی دو مثالوں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اجتماعی خوشی سے تیوہار کی بنیاد کس طرح پڑتی ہے اسی طرح دوسرے تیوہار ہیں مضمون طویل نہ ہو جائے اس ڈر سے اب ہم دوسرے تیوہاروں پر بعد میں بات کریں گے۔

بعض تیوہار ملک اور قوم کے کسی ہیرو کی یاد میں منائے جاتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال رکشا بندھن ہے

کا ایک کارنامہ ہے۔ کہتے ہیں کہ جب رام چندر جی اپنی بیوی سیتا جی کے ساتھ چودہ برس کا بن باس گزار رہے تھے تو وہ بندیا چل کر کے دکن کے جنگلوں میں بھی پہنچے۔ لنکا کا راجہ راون سیتا جی کو اُٹھا لے گیا۔ رام چندر جی نے راون سے جنگ کی۔ راون کو م سیتا جی کو واپس لائے۔ دسہرے کا تیوہار اسی یادگار میں منایا جاتا ہے۔

اسی طرح جنم اشٹمی کا تیوہار منایا جاتا ہے۔ یہ تیوہار شری کرشن جی کی یاد میں اُن کے جنم دن کے طور پر منایا جاتا۔ شری کرشن جی کورو پانڈو کی جنگ کے ہیرو ہیں۔ اُن کا ایک کارنامہ اور ہے، انھوں نے بھارت کے مشہور ظالم کنس کو رعایا کو اُس سے نجات دلائی۔ اُن کی نصیحتوں کی ایک کتاب گیتا ہے جو الہامی کتاب کہی جاتی ہے۔

اس طرح کے تیوہاروں میں جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خوشیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتی ہیں وہ اپنے عقے کے مطابق خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اس دن اچھے کپڑے پہننا، اچھا کھانا کھانا، مختلف طرح کے ذوق کی تکمیل کرنا سارے تیوہاروں کا مشترک ذوق ہے۔

اسلامی تیوہار سال میں صرف دو ہیں۔ ایک عید الفطر، دوسرا عید الضحیٰ۔ یہ کسی آزادی، کسی فتحیابی، کسی فصل حاصل کرنے یا کسی دنیاوی کامیابی پر نہیں منائے جاتے۔ اِن کی بنیاد دوسری ہے۔

مسلمان عید الفطر کا تیوہار ماہ رمضان کے بعد یکم شوال کو مناتے ہیں۔ رمضان میں پروردگارِ عالم نے اپنے کو اپنی وہ اعلیٰ ترین نعمت عطا فرمائی جس کا نام قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید حق و باطل کے فرق کو بتاتا ہے۔ انسان کو انسا کے اصول دیتا ہے۔ وہ اصول جن کو پاکر انسان اپنے رب کو خوش کر سکتا ہے، جنت جیسی نعمت پا سکتا ہے۔ ظاہر ہے ا زیادہ انسان کو اور کیا چاہیئے۔ اس نعمت کے پانے کی خوشی میں اللہ کا بندہ اپنے نفس کو اللہ کی طرف رجوع کرنے کے لئے ر رکھتا ہے اور جب اِس تربیت اور ٹریننگ سے نکلتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ ٹریننگ اور تربیت بھی اللہ ہی کی توفیق سے حا تو رمضان کا مہینہ ختم ہوتے ہی اپنے محسن کے آگے ماتھا رکھ دیتا ہے اور اُس کا شکر ادا کرتا ہے۔ یہ ہے اسلامی تیوہار ک عید الضحیٰ کے معنی قربانی کی عید کے ہیں۔ اللہ کو خوش کرنے کے لئے ہر اُس چیز کی قربانی جس کرنا خدا کی محبت رکاوٹ بنے۔ 'حق' سامنے آنے کے بعد اُسے قبول کر لینا، حق کو حق کہنے اور اُس پر عمل کرنے کے لئے اگر ہمارا نفس راہ رد کے تو اُسے ٹھوکر مار دینا، اپنی خواہشات کو دبا دینا، اپنے من کو مارنا۔ یہ بہت بڑی قربانی ہے۔

حجاب

غلط عقیدے، باپ دادا کے زمانے کی بُری رسمیں، ذات برادری کے تعلقات، دشمن، دولت، وطن، بیوی اور بیٹے کی محبت، یہ سب حق کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ ان سب کو ٹھوکر مار دینا آسان کام نہیں ہے۔

ان ساری قربانیوں کی مثال اگر کوئی پورے طور پر کسی شخصیت میں دیکھنا چاہے تو وہ اللہ کے نبیوں میں دیکھے خصوصیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات میں ہمیں اس طرح کی ساری قربانیوں کی پوری تصویر ملتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جس دن "حق" واضح ہوا، آپؑ نے بڑھ کر اُسے قبول کر لیا۔ صرف قبول ہی نہیں کر لیا۔ باپ، ... بھائی، بیوی، برادری، بستی، راجہ، پرجا... سب کو اس کی تلقین بھی کرنے لگے۔ باپ نے ناراض ہو کر گھر سے نکال دیا۔ برادری نے اپنے سماج سے خارج کر دیا۔ آپؑ کی ہنسی اڑائی گئی۔ طرح طرح سے ستایا گیا حتیٰ کہ قوم نے آگ میں جھونک دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے یہ سب گوارا کیا لیکن جو حق سامنے آچکا تھا اُس سے منھ نہ موڑا۔ اس کے بعد مادر بھومی کی قربانی کا نمبر آیا۔ آنحضرتؐ کو یہ قربانی بھی دینا پڑی۔ آپؑ نے وطن سے ہجرت کی۔ ایک بیوی اور بھتیجے کے ساتھ (جو آپؑ پر ایمان لا چکے تھے) نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانی۔ جوانی سے بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھا۔ اولاد کی تمنا پیدا ہوئی۔ اللہ سے دعا کی کہ پروردگار! میرے بعد اس مشن کو چلانے کے لئے جانشین عطا فرما۔ دعا قبول ہوئی۔ اللہ نے ایک بیوی اور عطا فرمائی۔ دوسری بیوی سے حضرت اسمٰعیلؑ جیسا فرزند ارجمند عطا کیا۔ آپؑ نے بیٹے کی تربیت شروع کی۔ بیٹا ہونہار تھا۔ باپ کی آنکھ کا تارا بن گیا۔

اچانک ایک کٹھن قربانی پیش کرنی پڑی۔ حکم ہوا کہ اپنی سب سے زیادہ محبوب شے کی قربانی کرو۔ آنحضرتؐ نے غور کیا تو سب سے پیاری شے وہی اکلوتا بیٹا اسمٰعیلؑ دکھائی دیا۔ اس کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ قریب تھا کہ اپنے ہاتھ سے بیٹے کو قربان کر دیں کہ اوپر سے کامیابی کا سرٹیفکیٹ آگیا۔ ابراہیمؑ! تم پاس ہو گئے۔ بیٹے کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ لو! اس کے بدلے یہ مینڈھا ذبح کرو۔

آج ہم عیدالاضحیٰ کے دنوں میں اس بدلے کے مینڈھے کی قسم کے چند جانوروں کی قربانی کر کے سنتِ ابراہیمیؑ تو ادا کرتے ہیں لیکن ہم نے دل سے ان تمام قربانیوں کو بھلا دیا ہے جو اس عظیم المرتبت رسول نے پیش کی تھیں جس کی سنت ... یہ تم یہ تیوہار مناتے ہیں۔ اللہ تو یہ فرماتا ہے کہ اُسے گوشت اور خون نہیں پہنچتا ہے بلکہ وہ تقویٰ جس کا تعلق تمہارے

دل سے ہے جو اس قربانی کی روح ہے۔ جس شخص نے حج بھی کرلیا، کعبے کی زیارت بھی کرلی، سارے مناسکِ حج ادا کئے، عرفات گیا، منیٰ گیا، رمی جمرات بھی کی، طواف کعبہ کیا، حجرِ اسود کو بوسہ بھی دیا۔ اسکے بعد واپس آیا لیکن اُس کے اندر وہ جذبہ ابراہیمی نہ اُبھرا تو وہ اپنی جگہ خوش ہولے کہ حاجی ہوگیا لیکن اُسے یاد رکھنا چاہئے کہ اُسے حج مبرور حاصل نہیں ہوا یعنی وہ حج جو اللہ کو پسند ہے۔

اللہ جس حج کو پسند کرتا ہے وہ وہی ہے جو حاجی مکّے سے واپس آکر عمر بھر نبھائے۔ وہ اللہ کی مرضی پر چلنے کے لئے بیقرار رہے چاہے اُس کے گھر والے اُس کے دشمن ہو جائیں، چاہے صاحبانِ اقتدار اُس کا جینا دوبھر کردیں، چاہے بستی والے اُسے شہر بدر کردیں۔ وہ اللہ کے حکم پر عمل کرتا رہے اور دُنیا کے سارے طاغوتوں کا انکار کرتا رہے۔ دُنیا کے سارے بناوٹی خداؤں سے لڑکر جب وہ نکلتا ہے تو اللہ اُسے مسلم کے لقب سے پکارتا ہے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو مسلم کہہ کر پکارا۔ اللہ تعالیٰ یہی توفیق ہم کو بھی دے۔

بقرعید کے دن

نماز دوگانہ واجب

ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو دو رکعت نماز دوگانہ شکر کے طور پر پڑھنا ہر عاقل اور بالغ مرد مسلم پر واجب ہے لیکن اُن لوگوں پر واجب نہیں جو مسافر ہیں اور اُن پر بھی واجب نہیں جو اتنے بوڑھے اور ایسے بیمار ہیں کہ عیدگاہ یا اُس مسجد تک نہیں جا سکتے جہاں دوگانہ کی نماز ہوتی ہے۔ یہ نماز بستی سے باہر پچھم کی طرف کسی کھلی جگہ میں پڑھنا سنت ہے۔ عذر ہو تو بستی کی مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اندھے اور غلام، عورت اور نابالغ پر بھی واجب نہیں۔ دوگانہ کی نماز جماعت سے پڑھنا واجب ہے۔ اگر یہ قضا ہو جائے تو پھر اس کی قضا نہیں ہوتی۔ بقرعید کی نماز اگر ۱۰ تاریخ کو کسی وجہ سے نہ پڑھی جا سکے تو بارہویں تاریخ تک پڑھ سکتے ہیں۔ دوپہر سے پہلے پہلے ہی اس کا وقت ہے۔

عیدگاہ جانے کی تیاری

بقرعید کے دن شرع کے مطابق اپنی حیثیت کے موافق اپنی آرائش کرنا چاہیئے۔ نہانا، مسواک کرنا، اچھے سے اچھے کپڑے (جو گھر میں ہوں) پہننا، خوشبو لگانا اور جلد سے جلد عیدگاہ جانے کی تیاری کرنا چاہیئے بقرعید کے دن نماز دوگانہ سے پہلے کچھ نہ کھایا جائے تو بہت اچھا ہے۔

تیاری کے سلسلے میں جو باتیں بتائی گئی ہیں واجب نہیں ہیں، سُنت ہیں۔ جہاں تک ہوسکے سُنّت پر عمل کریں۔

عیدگاہ جانا

عیدگاہ کے راستے میں بقرعید کے دن بلند آواز سے (چیخ کر نہیں) یہ تکبیر پڑھتے رہنا چاہیئے:

اَللّٰہُ اَکْبَر۔ اَللّٰہُ اَکْبَر۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ وَاللّٰہُ اَکْبَر۔ اَللّٰہُ اَکْبَر۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد

(اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اور تمام تعریف اور شکر اللہ ہی کے لئے ہے)

عیدگاہ پہنچ کر

عیدگاہ پہنچ کر جہاں جگہ ملے خاموش بیٹھنا چاہیئے۔ اگلی صفوں میں بیٹھنا اور نماز پڑھنا افضل ہے لیکن لوگوں کو پھلانگ کر آگے جانا ٹھیک نہیں۔ کچھ لوگ دوگانہ کی نماز سے پہلے نفل نماز یا فجر کی قضا پڑھتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ دوگانہ کی نماز سے پہلے نفل یا قضا کوئی نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

عام نمازوں اور نماز دوگانہ میں فرق

دوگانہ اور دوسری نمازوں کے پڑھنے میں یہ فرق ہے کہ دوگانہ کی نماز میں حنفی فقہ کی رو سے مزید چھ تکبیریں اور دوسرے اماموں کی فقہ میں مزید گیارہ تکبیریں پکاری جاتی ہیں۔ اور دوگانہ کی نماز کے بعد خطبہ دیا جاتا ہے۔ اس خطبہ میں امام بیچ بیچ میں تکبیریں پڑھتا جاتا ہے۔ اول خطبے میں نو بار اور دوسرے خطبے میں سات بار۔ دوگانہ کی نماز کے لئے اذان اور اقامت نہیں کہی جاتی۔

خطبے کے دوران بات کرنا یا کوئی نماز پڑھنا حرام ہے۔

قربانی

بقرعید کے دنوں میں قربانی کرنا ہر اُس شخص پر واجب ہے جس کے پاس بقرعید کے دنوں (دس گیارہ بارہ تاریخوں میں) اتنا مال ہو جائے جس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ واجب کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا شخص قربانی نہ کرے گا تو بہت بڑا گناہگار ہوگا۔ مسافر اور بچوں پر قربانی واجب نہیں (چاہے وہ کتنے ہی مالدار ہوں)۔

قربانی کا ثواب

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قربانی کے دنوں میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو قربانی سے زیادہ پسند نہیں۔ اِن دنوں میں یہ نیک کام ساری نیکیوں سے بڑھ کر ہے۔ قربانی کرتے وقت یعنی جانور کو ذبح کرتے وقت اس کے خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے تو زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اُسے قبول فرما لیتا ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کے جانور کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

قربانی کے دن اور وقت

قربانی کے دن ذی الحجہ کی دس، گیارہ اور بارہ تاریخیں ہیں۔ دسویں تاریخ قربانی کرنا افضل ہے۔ قربانی نماز کے بعد کرنا چاہئے۔ نماز سے پہلے انہی لوگوں کے لئے اجازت ہے جو دیہات میں رہتے ہیں اور شہر کی عیدگاہ میں نماز پڑھنے آتے ہیں۔ شہر اور قصبہ کے رہنے والے پہلے نہیں کر سکتے۔ قربانی بارہ تاریخ تک سورج ڈوبنے سے پہلے ہی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد قربانی کے دن ختم ہو جاتے ہیں۔ ان دنوں میں دن یا رات، قربانی کر سکتے ہیں لیکن اندھیرے میں قربانی نہ کرنا چاہیئے۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قربانی ٹھیک ہوئی یا نہیں اور وہ رگیں کٹ گئیں یا نہیں جن کا کٹنا ضروری ہے۔

قربانی اپنے ہاتھ سے کرے کا بڑا ثواب ہے۔ اگر کوئی اپنے ہاتھ سے نہیں کر سکتا تو کسی دوسرے سے ذبح کرائے وقت دیکھتا رہے۔ اگر ذبح کرنے کی جگہ پردے کا انتظام نہ ہو تو عورت وہاں کھڑی نہ ہو۔ جائے۔ کچھ حرج نہ ہوگا۔

[ق]ربانی کی نیت اور طریقہ قربانی کی نیت کر کے جانور کو قبلہ رخ لٹا دینا چاہیئے۔ پھر یہ دعا پڑھنا چاہیئے :۔

اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِی فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۝ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ، اَللّٰهُمَّ لَکَ مِنْکَ، بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ۔

[ذب]ح کرتے میں اتنا کافی ہے کہ دل میں ارادہ کرلے۔ دعا یاد نہ ہو تو صرف بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہے۔ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ [کر ذ]بح کرنا چاہیئے۔ ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھی جائے :

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِیْلِکَ اِبْرَاهِیْمَ وَحَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

[قر]بانی کا جانور بکری، بکرا، بھیڑ، دنبہ، گائے، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی۔ بس ان جانوروں کی قربانی [درست] ہے۔ ان کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی درست نہیں۔ اگر بکری، بکرا، بھیڑ، دنبہ کرتا ہو تو ایک شخص ان میں سے ایک [...] اور گائے، بیل، بھینس، بھینسے میں سات حصے دار بھی ہو سکتے ہیں لیکن اس شرکت میں یہ ضروری ہے کہ ساتوں [...] ساتوں اور سب کی نیت قربانی کی ہو یا کسی حصے دار کی نیت عقیقے کی۔ اگر کسی شریک کا حصہ کم ہوگا تو سارے شریکوں [کی] قربانی ٹھیک نہیں ہوگی۔

[اگ]ر بڑا جانور ایک ہے اور قربانی میں شریک ہونے والے کم ہیں تو بھی حصے سات ہی لگیں گے۔ کوئی شریک کئی کئی [حصے لے سکتا] ہے۔ سات آدمیوں سے زیادہ شریک ہوں گے تو کسی کی قربانی قبول نہ ہوگی۔

کلہ اور پائے تقسیم کرنے میں سات حصے کرنے میں زحمت ہوتی ہے تو اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپس میں سمجھوتہ کر لیا [جائے]۔ کچھ لوگ ان میں سے کلہ یا پائے لے لیں اور اس کے بدلے دوسرے کو گوشت دے دیں۔ کھال کے لئے زیادہ اچھا یہ ہے

کہ کسی مستحق کو دیدی جائے یا ذبح کرکے قیمت دیدی جائے۔ یہ کھال یا اُس کی قیمت حقدار غریب کو دینا چاہئے۔ حقدار وہ غریب ہے جو زکوٰۃ لینے کا حقدار ہو۔ کھال کی قیمت کسی مسجد کی مرمت یا کسی نیک کام میں لگانا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ ہر حال میں خریدار کو ہی ملنا چاہئے

نوٹ:۔ اگر قربانی کرنے والا شخص کھال اپنے کام میں لائے جیسے مشک یا ڈول یا جانماز بنانا چاہے تو بنوا سکتا ہے جائز ہوگا۔

- گوشت، چربی، چھیچھڑے، ہڈی قصائی کو مزدوری میں نہ دے اور نہ مفت دے بلکہ مزدوری الگ سے دینا چاہئے۔ اگر وہ کا جانور رسّی اور جھول سمیت خریدا ہے تو یہ بھی خیرات کردے۔
- بکرا، بکری، بھیڑ، دُنبہ سال بھر کا ہونا چاہئے۔ تب ہی اُس کی قربانی ہوسکتی ہے۔ یا پھر یہ اتنے تگڑے ہوں کہ سال بھر کے معلوم ہوتے ہوں۔ گائے، بیل، بھینس، بھینسے دو برس کے ہونے چاہئیں اور اُونٹ، اونٹنی کی عمر پانچ سال کی ہو۔
- ناقص جانور کی قربانی جائز نہیں۔ ناقص کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں کوئی عیب ہو جیسے اندھا ہو، کانا ہو، اُس کی ایک آنکھ کی تہائی یا اُس سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو یا دُم اور ایک کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو۔ یا جانور ایسا لنگڑا ہو تین پاؤں سے چلتا ہو۔ چوتھا پیر بیکار ہو۔ اگر چلتے وقت چوتھا پیر ٹیک سکتا ہو تو ایسا لنگڑا جانور ٹھیک مانا جائے گا۔ ایسا مریل جو ہڈیوں اور کھال کا ڈھانچہ ہو قربانی کے لئے جائز نہیں۔
- جس جانور کی قربانی جائز ہے اُس کے سینگ تھے لیکن جڑ سے اُکھڑ گئے تو یہ جانور بھی ناقص ہوگیا۔ اِس کی قربانی نہیں ہوسکتی۔ سینگ ٹوٹ جانے سے جانور ناقص نہیں مانا جائے گا۔ یا جانور کی پیدائش ہی سے سینگ نہیں ہیں تو بھی ناقص نہ ہوگا اس کی قربانی ہوسکتی ہے۔

قربانی کا گوشت

قربانی کا گوشت ہر مسلمان کھا سکتا ہے۔ قربانی کرنے والے کو چاہئے کہ خود کھائے۔ اپنے رشتہ دار دوستوں اور محلّے والوں کو بھی دے۔ غریبوں کو بھی بانٹے۔ غریبوں کو قربانی کے گوشت کا کم سے کم ⅓ حصّہ (تہائی) دینا چاہئے اگر تہائی سے کم غریبوں کو پہنچے گا تو بھی گناہگار نہ ہوگا۔ ویسے غریب ⅓ کے حقدار ہیں۔ قربانی کا گوشت مالدار غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے اور غریب غیر مسلم کو بھی۔ **نوٹ** + جس نے قربانی کرنے کی منت مانی بھر وہ کام پورا ہوگیا جس کے

جواب

منت مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے۔ ایسا شخص چاہے مالدار ہو چاہے نہ ہو۔ منت کی قربانی کا سارا گوشت حقدار لوگوں میں تقسیم کر دے۔ نہ تو خود کھائے نہ کسی امیر آدمی کو دے۔ اگر خود کھا لیا یا کچھ کسی مالدار کو دے دیا تو اتنا ہی گوشت پھر خیرات کرنا پڑیگا۔

+ اسی طرح کوئی مرنے والا وصیت کر گیا ہو کہ میرے ترکے میں سے میری طرف سے قربانی کر دی جائے اور اُس کی وصیت پر اُس کے چھوڑے ہوئے مال سے قربانی کی گئی تو اس قربانی کا سارا گوشت خیرات کرنا ہوگا۔ اس گوشت کے مستحق بھی غریب لوگ ہیں۔

حج

حج کا فرض ہونا

حج کے معنی ہیں زیارت کرنا، قصد کرنا۔ اسلامی شریعت میں حج اُن عبادتوں کا نام ہے جو مکہ معظمہ، منیٰ اور عرفات میں ذی الحجہ کی ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲ تاریخوں میں اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلعم کے بتائے ہوئے طریقے پر ادا کی جاتی ہیں۔ یہ حج ہر اُس عاقل و بالغ مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے جس کے پاس ضرورت سے زیادہ اتنی رقم ہو کہ وہ مکہ معظمہ تک جانے اور واپس آنے کے خرچ کے لئے کافی ہو۔

ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ جتنے دن حج میں لگیں اُتنے دنوں کے لئے گھر پر کھانے پینے وغیرہ کا سامان موجود ہو بال بچے اپنی ضرورتیں پوری کر سکیں اور قرض ہو تو وہ بھی ادا ہو جائے۔

حج کا ثواب

قرآن اور حدیث میں حج کا بہت زیادہ ثواب بتایا گیا ہے۔ حضرت عمرو ابن العاص جب مسلمان ہونے حضور کے پاس گئے تو آپ نے اُن سے جو فرمایا اُس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ حج کرنے سے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو حج گناہوں اور برائیوں سے پاک ہو (یعنے حج مبرور) اُس کا بدلہ جنت ہی ہے۔

حدیث میں حج کے ساتھ عمرہ کا بھی بڑا ثواب بتایا گیا ہے۔ حج کے دنوں کے علاوہ احرام باندھ کر جو زیارت کعبہ کی جا

اُسے عمرہ کہتے ہیں۔ فرمایا: حج اور عمرہ دونوں کے دونوں گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے

نوٹ: عمر میں ایک بار حج فرض ہے۔ اگر ایک کے بعد اور بھی حج کئے جائیں تو وہ نفل ہونگے۔ اس کا بھی بڑا ثواب ہے۔

- بالغ ہونے سے پہلے حج فرض نہیں۔ اگر کسی لڑکے یا لڑکی نے بالغ ہونے سے پہلے حج کیا تو بالغ ہو کر فرض حج ادا کرے
- اندھے شخص پر حج فرض نہیں ہے چاہے وہ کتنا ہی مالدار ہو۔
- عورت مالدار ہے لیکن اگر اُس کے ساتھ محرم نہیں ہے تو اُسے حج کیلئے نہ جانا چاہیئے۔ محرم کے بغیر جائیگی تو حج قبول نہ ہوگا۔
- محرم اگر بے دین ہے اور اُس کے چال چلن پر اطمینان نہیں ہے تو اُس کے ساتھ بھی حج نہ کرے۔
- قابلِ اطمینان محرم ملنے پر اُسے ساتھ لے جائے تو اُس کا خرچ عورت پر واجب ہے۔
- اگر ساری عمر عورت کو محرم نہ مِل سکے تو بھی حج کو اکیلی نہ جائے۔ وصیت کر جائے کہ اُس کے لئے حج بدل کرا دیا جائے پھر حکم یہ ہے کہ اُس کے مال سے اُس کے ورثا کسی شخص کو حج کرنے بھیج دیں۔ اگر عورت کے چھوڑے ہوئے مال کے حصّے میں حرج پورا نہ ہوتا ہو تو پھر اُس کی وصیت پر عمل نہ کرنے سے ورثا پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ ورثا باقی رقم اپنے پاس سے پوری کر دیں۔ نابالغ وارث کے حصے میں سے رقم نہیں لی جا سکتی۔
- کسی شخص پر حج فرض ہو گیا لیکن وہ شخص (مرد یا عورت) اندھا ہو گیا ہو تو بھی جانے کی بجائے اپنے بدلے کسی کو بھیج دے
- اگر کوئی عورت عدت کے دن گزار رہی ہے اور اُس پر حج فرض ہے تو وہ عدت گزار کر حج کو جائے۔

حج نہ کرنے پر کسی پر حج فرض ہے اور وہ نہ کرے تو اُس کے لئے بڑا عذاب ہے۔ ایک حدیث میں تو ایسے شخص کے لئے بڑی سخت بات آئی ہے۔ فرمایا کہ جس شخص کے پاس کھانے پینے اور سواری کا اتنا سامان ہے جس سے وہ بیت اللہ تک پہنچ سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ اللہ کو اس کی کچھ پروا نہیں۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ حج نہ کرنا اور چھوڑ دینا اسلام کا طریقہ نہیں۔

حج کی ضروری باتیں ہمارے ملک سے عام طور پر لوگ بحری یا ہوائی جہاز سے سفر کرتے جاتے ہیں بحری جہاز

سے جانے والوں کے راستے میں ایک پہاڑ پڑتا ہے۔ اس کا نام یلملم ہے جو یمن میں ہے اور مکہ معظمہ سے دکھن کی طرف ہے۔ جب اس کے پاس سے جہاز گزرتا ہے تو اعلان ہو جاتا ہے کہ حاجی احرام باندھ لیں۔ اس اعلان کے ہوتے ہی احرام باندھ لینا چاہئے۔ احرام ہیں مردوں کے لئے بغیر سلی ہوئی دو چادریں ہیں۔ ایک کا تہمد باندھ لیں اور دوسری اس طرح اوڑھ لیں کہ داہنا کندھا کھلا رہے اور بایاں کندھا بند۔ طریقہ یہ ہے کہ ایک دامن بائیں کندھے پر ڈال کر پیچھے سے داہنی بغل میں کرتے ہوئے دوسرا دامن پھر بائیں کندھے پر ڈال لیں۔ سر بالکل کھلا رہے۔ اب اسی حالت میں ساری عبادتیں ہوں گی۔ اگر حج کے دنوں میں زیادہ عرصہ ہو تو صرف عمرہ کریں۔ مکہ پہنچنے پر زیارت کی شرطیں ادا کر کے احرام کھول دیں اور حج کے دنوں میں پھر باندھیں۔ عورتوں کا احرام یہ نہیں ہے۔ وہ اپنے کپڑے پہنے رہیں۔ وہ سر پر صرف ایک رومال باندھ لیں اور چہرہ کھول دیں۔ احرام کی حالت میں یہ دعا بار بار پڑھیں۔ مرد بلند آواز سے پڑھیں، عورتیں کم آواز سے:

لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک

لا شریک لک (میں حاضر ہوں۔ اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی ساتھی نہیں۔ میں حاضر ہوں تعریف تیرے لئے ہے نعمتیں تو نے ہی دی ہیں۔ بادشاہی تیری ہی ہے۔ تیرا کوئی ساتھی نہیں)

اس طرح کہنے کو تلبیہ کہتے ہیں۔

جدہ کے ساحل پر اتریں تو یہاں اپنا معلم چن لیں۔ جدہ سے مکہ معظمہ جا کر کعبے کا طواف کریں۔ طواف میں سات چکر لگاتے ہیں حجر اسود والے کونے سے طواف شروع کریں۔ جو دعا یاد ہو پڑھتے جائیں۔ ویسے معلم کا آدمی [illegible] طواف کے بعد صفا مروہ کے درمیان سات بار دوڑیں۔ اس کا طریقہ بھی معلم کا آدمی [illegible] اس کو سعی کہتے ہیں۔ سعی کے بعد سر منڈائیں اور احرام کھول دیں۔ کپڑے پہن لیں۔ عورتیں اپنی چوٹی کے آخر سے ذرا سے بال کاٹ دیں۔ سر سے رومال کھول دیں اور چہرہ ڈھانپ لیں۔ مکہ معظمہ میں معلم اپنے حاجیوں کے ٹھہرنے اور حج کرانے کا انتظام کرتے ہیں۔

مکہ معظمہ میں جہاں تک ہو سکے کعبے کا طواف زیادہ سے زیادہ کریں۔ طواف کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز بھی پڑھا کریں۔ پاس ہی زمزم کا کنواں ہے۔ اس کا پانی بھی خوب پئیں۔

مکہ پہنچنے پر اگر حج کے دن شروع ہونے میں دو چار دن باقی ہوں تو حاجی ایک دو دن کے لئے [illegible]

حجاب

یا ہیں تو یلملم ہی سے حج کی نیت کریں اور مکہ پہنچ کر احرام باندھے رہیں اور حج کریں۔

نوٹ: ۔ چونکہ حاجی مدینہ منورہ جانے کے لئے بے چین رہتے ہیں اس لئے حج سے زیادہ دنوں پہلے مکہ معظمہ پہنچنا ہو تو پھر یلملم پر احرام نہ باندھیں۔ جدے سے مدینے چلے جائیں اور جب مدینے سے مکہ میں داخل ہونے کی نیت کریں تو وہیں سے احرام باندھ کر چلیں۔

حج کے دن

۸ ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد مکہ معظمہ سے حج کے لئے چل دیتے ہیں۔ چلنے سے پہلے اپنے معلّم سے ہدایات ضرور لیں۔ سواری پر جانا ہو تو اُس سے کہہ دیں کیونکہ وہ اپنے حاجیوں کو سہولت پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ مکہ معظمہ سے چل کر منیٰ میں اپنے معلّم کے کیمپ میں ٹھہریں۔ رات وہیں بسر کریں۔ دوسرے دن ۹ ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد عرفات روانہ ہو جائیں۔ حج کے لئے عرفات میں ٹھہرنا فرض ہے چاہے کچھ ہی دیر ٹھہریں۔ یہاں دل لگا کر نماز پڑھتے رہیں۔ قرآن پڑھتے رہیں یادِ خدا کرتے رہیں۔ ظہر ابھی نہ پڑھیں۔ عصر کا وقت آتے ہی ظہر اور عصر کی فرض نماز پڑھیں۔ مغرب کے وقت عرفات سے منیٰ کو واپس ہوں۔ مغرب کی نماز یہاں نہ پڑھیں۔

عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک مقام مزدلفہ پڑتا ہے۔ رات کو مزدلفہ آکر ٹھہریں۔ مغرب اور عشا کی فرض نماز یہیں ایک ساتھ پڑھیں۔ دونوں نمازوں کے درمیان سنت و نفل نہ پڑھیں۔ صبح فجر کی نماز کے بعد منیٰ کو چل دیں۔ وہاں سے منیٰ سامنے ہی تھوڑی دور نظر آتا ہے۔ بیچ میں ایک نالی وادی ہے۔ اس وادی میں ابرہہ کے لشکر پر ابابیلوں کا عذاب نازل ہوا تھا جس کا تذکرہ سورۂ فیل میں ہے [illegible] جلد گزر جائیں۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اگر [illegible] تو [illegible] آدھ گھنٹے میں منیٰ میں پہنچ جائیں گے۔ منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے آخری جمرہ کی رمی کو کنکر ماریں [illegible] ایک ایک کر کے ماریں۔ جمرہ کے سامنے کھڑے ہو کر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے کنکری [illegible] کنکری مار کر تکبیر کہنا بند کر دیں۔ اب قربانی کریں۔ قربانی کے لئے جگہ خاص ہے وہاں [illegible] قربانی کریں۔ [illegible] فارغ ہو کر سر منڈائیں۔ عورتیں اپنی چوٹی کے آخر سے دو انگل بال کاٹ [illegible] عورتیں [illegible] رومال کھول لیں اور چہرہ چھپا لیں

سمبر ۱۹۸۲ء عمر

۱۲۷

زیادہ اچھا یہ ہے کہ اسی دن مکہ معظمہ جا کر کعبے کا طواف کرلیں اور اسی دن واپس آجائیں۔ دوسرے روز یعنی ۱۱ ذی الحجہ کو ظہر کی نماز پڑھ کر رمی جمرات کے لئے جائیں۔ چنے کے برابر ۲۱ کنکریاں ساتھ لیں۔

جمرہ عا کے پاس پہنچیں تو ایک ایک کر کے سات کنکریاں اُس کے ماریں۔ خیال رکھیں کہ کنکریاں اُسے لگ جائیں۔ اس کے بعد آگے بڑھیں۔ جمرات ع۲ کو بھی سات کنکریاں ماریں۔ پھر آگے بڑھیں۔ جمرات ع۳ کے پاس پہنچیں۔ اُسے بھی سات کنکریاں ایک ایک کر کے ہی ماریں۔ اِسی کو رمی جمرات کہتے ہیں۔ رمی جمرات کے وقت دل میں یہ خیال جمائیں کہ ہم شیطان کو مار رہے ہیں۔ رمی جمرات کا اصل مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کے سامنے شیطان سے نفرت کرتے ہیں اور یہ وعدہ کرتے ہیں کہ زندگی بھر شیطان سے دور رہیں گے اور اللہ ہی کے حکموں پر چلنے کی کوشش کریں گے۔

اسی طرح رمی جمرات ۱۱ ذی الحجہ کو بھی ہو گی اور ۱۲ ذی الحجہ کو بھی۔ اِن تین دنوں (۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ) میں کسی دن مکہ جا کے طوافِ کعبہ ضرور کر لینا چاہیئے۔ زیادہ اچھا یہ ہے کہ پہلے ہی دن فراغت حاصل کرلیں۔ اس طواف سے حج مکمل ہو گیا۔ تین دن ٹھہر کر مکہ معظمہ واپس آئیں۔ اب جتنے دن مکہ معظمہ میں ٹھہریں خوب طواف کریں۔ عبادتیں کریں۔ اللہ توفیق دے تو کچھ عمرے کرلیں۔

مدینے کی حاضری

مدینہ منورہ میں جانا حج میں شامل نہیں ہے لیکن وہ کون ایسا مسلمان ہے جو مکہ معظمہ تک جائے اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر نہ جائے۔ پھر پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مکہ تک آئے اور مدینہ نہ آئے اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اب بتائیے اتنا بڑا سفر کر کے جائیں اور مدینہ میں حاضری نہ دیں۔ یہ تو بڑی بدنصیبی ہے۔

مدینہ جانے کا انتظام بھی معلم کرتا ہے۔ اب مدینہ جانا بہت آسان ہو گیا ہے۔ چند گھنٹوں میں بس یا ٹیکسی سے پہونچ جاتے ہیں۔ یہاں دس دن ٹھہرنے کی اجازت ملتی ہے۔ ۵۵ وقت کی نمازیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ یہاں مسجد نبوی میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارئے۔ مسجد کے اندر ہی ایک حجرہ ہے۔ اس میں حضورؐ کی قبر شریف ہے۔ اسی حجرے میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ کی بھی قبریں ہیں۔ یہی حجرہ ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کا گھر تھا۔ پیارے رسولؐ نے اسی حجرے میں وفات فرمائی تھی۔ پیارے رسولؐ کے شیدائیوں کو چاہیئے کہ اس کے سامنے کھڑے

ہو کر حضورؐ پر درود و سلام بھیجیں۔

مدینے کی کھجوریں بہت مشہور ہیں۔ اللہ توفیق دے اور پاس پیسہ ہو تو یار دوستوں اور رشتہ داروں کو تحفہ دینے کے لئے کھجوریں خرید لیجئے۔ پیارے رسولؐ کے گھر کا یہ بڑا عمدہ تحفہ ہے۔ دس دن کے بعد مکہ واپس آ جائیے۔ پھر جب جہاز روانہ ہو، آخری طواف کر کے روانہ ہو جائیے۔ دعا کیجئے کہ اللہ پھر یہ دن نصیب کرے۔ آمین۔

خطبۂ حجۃ الوداع

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کا خطبۂ مبارک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہونے کے تیرہویں سال ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ اس کے بعد دس برس ہو گئے۔ آپؐ نے کوئی حج ادا نہیں فرمایا۔ ۱۰ھ میں آپؐ نے حج کا ارادہ فرمایا۔ مسلمانوں کو یہ خبر ہوئی تو حضورؐ کے ساتھ حج کرنے کے شوق میں چاروں طرف سے حج کو چلے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ لگ بھگ ایک لاکھ مسلمان عرفات کے میدان میں جمع ہو گئے۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا جامع خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اسلام کی بنیادی باتوں کے ساتھ تمام اسلامی باتیں سمیٹ کر سمو دیں۔ یہی خطبہ حضورؐ کے آخری حج کا خطبہ ہے۔ اس خطبہ میں آپؐ نے یہ پیشین گوئی بھی فرمائی کہ یہ آپؐ کا آخری حج ہے۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف ٹھیک ثابت ہوئی۔ حج کے بعد آپؐ کا انتقال ہو گیا۔ اسی لئے یہ خطبہ حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ یہ خطبہ آپؐ نے اپنی سواری کی اونٹنی "قصواء" پر سوار ہو کر فرمایا تاکہ سارا مجمع آپؐ کو دیکھتا رہے۔ آپؐ نے اللہ کی تعریف کے بعد فرمایا:-

- اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں۔ وہ ایک ہے۔ کوئی اس کا ساجھی نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ اس نے اپنے بندے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد فرمائی اور اس اکیلے (اللہ) نے سارے (باطل) گروہوں کو شکست دی۔

○ لوگو! میری بات سنو۔ میں نہیں سمجھتا کہ اب پھر ہم تم اس طرح ایک جگہ اکٹھا ہو سکیں گے۔
(یہی وہ پیشین گوئی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا)

○ لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے انسانو! اللہ نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہوں اور قبیلوں میں (اس لئے) بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف اور بزرگ وہی ہے جو اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والا ہے۔ تو پھر تقویٰ کے ساتھ نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر بڑائی حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے"

تمام لوگ آدم سے پیدا کئے گئے ہیں اور آدم مٹی سے۔ خبردار! اب برتری کے سارے دعوے، خون اور مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے۔ صرف کعبہ کی تولیت (متولی ہونا) اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات ویسی کی ویسی رہیں گی جس حال میں ہیں۔ قریش کے لوگو! کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا کے سامنے تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہو اور دوسرے لوگ آخرت کا سامان لے کر پہنچیں۔ اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ قریش کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جاہلیت کا غرور اور باپ دادا کے کارناموں پر فخر کرنا ختم کر دیا۔ لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئیں۔ تمہارے لئے ان چیزوں کی حرمت ایسی ہی ضروری ہے جیسی تمہارے اس دن (حج کے دن) کی حرمت ہے، جیسی تمہارے اس مہینے (ذی الحجہ) کی حرمت ہے، اور جیسی تمہارے اس شہر (مکہ) کی حرمت ہے۔ تم سب اللہ کے حضور جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گا

○ خبردار! میرے بعد گمراہی کی طرف نہ پلٹ جانا۔ ایک دوسرے کی گردن نہ مارنے لگنا۔ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔

○ لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ ویسا ہی پہناؤ جیسا تم

خود پہنتے ہو۔

○ جاہلیت کی ساری باتیں میں نے اپنے پاؤں سے روند ڈالیں۔ جاہلیت کے سارے بدلے ختم کر دئے۔ پہلا بدلہ جو میں ختم کرتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بچے کا خون جس کو بنی ہذیل نے مار ڈالا تھا اب میں معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کے زمانے کے سود کی کوئی حیثیت نہیں۔ پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے۔ وہ سارا ختم ہو گیا۔

○ لوگو! اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا۔ اب کوئی کسی وارث کے لئے وصیت نہ کرے

○ بچہ اسی کا کہلایا جائیگا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا ہو۔ جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے اور حساب کتاب اللہ کریگا

○ جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا غلام اپنے آقا کے مقابلے میں اپنی نسبت ظاہر کرے گا اس پر خدائی لعنت۔

○ قرض ادا کرنا ضروری ہے۔ مانگی ہوئی چیز واپس کرنا ضروری ہے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہئے اور جو کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے۔

○ کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور جو خوشی خوشی دے۔ لہذا اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔

○ عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔

○ لوگو! تم پر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اور ان پر تمہارے کچھ حق ہیں۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے۔ اور وہ کوئی خیانت نہ کریں۔ کھلی بے حیائی کا کوئی کام نہ کریں۔ پھر اگر ایسا کریں تو اللہ نے تم کو اجازت دی کہ چھوڑ دو تنہائی میں۔ اور یہ کہ اس طرح پٹائی کرو کہ ان کے بدن پر نشان نہ پڑنے پائیں۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پلاؤ۔

○ عورتوں سے اچھا سلوک کرو کیونکہ وہ تمہاری نگرانی میں ہیں اور وہ خود اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتیں۔ لہذا انکے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ تم نے اللہ کے نام پر ہی ان کو پایا ہے اور اللہ ہی کے فرمانوں کی بدولت وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔

پروین بھابی

مآل خیرآبادی

جی ۔ پی ۔ مصرا ایم ۔ ایل ۔ اے ۔ چناؤ میں بھاری ووٹوں سے جیتے تو امجد بھائی کو بڑی خوشی ہوئی ۔ امجد بھائی نے اپنے دوست کو کامیاب کرانے کے لئے دن رات ایک کر دیا تھا ۔ اِس خوشی میں امجد بھائی نے اپنے دوست کے اعزاز میں بھاری ڈنر دیا ۔ اِس ڈنر میں معززینِ شہر کی بیویوں کے علاوہ رشتے کی بہت سی خواتین بھی مدعو تھیں ۔ اِن میں زیادہ تر پردہ دار خواتین تھیں ۔ اُن کی دعوت کا نظم گھر کے صحن میں شامیانہ لگا کر کیا تھا ۔ پروین بھابی امجد میاں کی پھوپی زاد بہن تھیں ۔ پروین بھابی کی انتظامی صلاحیتیں امجد بھائی جانتے تھے ۔ اُنھوں نے اپنی بہن کو اِس اعزاز کے ساتھ مدعو کیا کہ عورتوں کو کھلانے پلانے کا نظم بھی آکر سنبھال لیں ۔

پروین بھابی نے مجھے تو اِس لئے ساتھ تاکہ میں اُن کے ننھے کو سنبھال لوں اور دلہ کو اِس لئے کہ وہ استقبالیہ کے فرائض خوش اسلوبی اور خندہ جبینی کے ساتھ تھیں ۔ ہم دونوں کو ساتھ لے کر وہ صبح کے وقت ہی امجد بھائی کے دولت خانے پر پہونچ گئیں ۔ گھر کی دوسری عورتوں سے کہہ دیا کہ وہ بعد میں وہاں آجائیں ۔

پروین بھابی کو امجد میاں نے بتایا ۔ چند اعلیٰ عہدیداروں کی بیویوں کے علاوہ باقی ہندو خواتین بھی یہیں پردہ دار خواتین کے ساتھ شریک طعام ہوں گی ۔

پروین باجی نے فوراً ناصر، اپنے چھوٹے بھائی، کو بلایا اور اپنے کالج کی بارہ ساتھیوں

خط لکھا کہ وہ فوراً آجائیں۔ ناصر بھاگا ہوا گیا۔
بارہ بجے تک سب تو نہیں، سات گریجویٹ
لڑکیاں پروین باجی کا ہاتھ بٹانے کے لئے آگئیں۔
اِن میں ہندو اور مسلمان دونوں تھیں۔ شکنتلا اور
فہمیدہ کو تو دلہن بھابی کا معاون بنا کر الگ کر دیا
گیا۔ باقی پانچ ساتھی اور کچھ گھر کی اور رشتے کی
سنجیدہ لڑکیوں کو اپنی معاونت میں لیکر نشستوں
کا انتظام کرنے لگیں۔ دلہن بھابی نے مجھے
اشارہ کیا کہ میں ساتھ رہوں۔ میں ننھے کی وجہ
سے پریشان تھی۔ میں بہت خوش ہوئی امی جان
اپنے قافلے کے ساتھ ایک بجے سے پہلے آگئیں۔
میں ننھے کو اُن کی گود میں ڈال کر دلہن بھابی کے
ساتھ اُن کی ہدایتوں پر عمل کرنے لگیں۔

ٹھیک چار بجے ڈنر شروع ہوا۔ آدھ پون
گھنٹے میں فارغ ہو کر مردوں میں کچھ تقریری پروگرام
ہونے لگا۔ یہاں عورتوں نے بھی قینچی کی طرح
اپنی زبانیں چلانا شروع کر دیں۔ کوئی منظم گفتگو تو
ہو نہیں رہی تھی۔ جو جس کے جی میں آتا کہتا۔
ہنسی مذاق کی باتیں بھی ہوئیں۔ دلہن بھابی نے
شکنتلا اور فہمیدہ کے ساتھ خواتین کا استقبال
ایسے حسین انداز اور دلآویز مسکراہٹ سے کیا
اور ایسے قاعدے سے سیٹوں پر بٹھایا کہ یہی تینوں
عورتوں کی نظروں کی آماجگاہ بن گئیں۔ ان کا تعارف
چاہا گیا تو پروین بھابی نے بتایا کہ شکنتلا اور
فہمیدہ ساتھ کی پڑھی ہوئی ہیں اور یہ محترمہ ہیں
بی عصمت آرا بیگم میرے دیور عدنان کے لئے
عشقِ پیچاں کی بیل۔

'عشقِ پیچاں کی بیل' پر جوان لڑکیوں کو
تو مزا آ ہی گیا اور انھوں نے قہقہہ بلند کر کے
پروین باجی کو اس فقرے کی داد دی، بوڑھی اور
سنجیدہ خواتین بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکیں۔ اس
کے بعد میرے لئے سب سے زیادہ اہم گفتگو
وہ تھی جو کالج کی ہسٹری ٹیچر مس مینا دیوی نے
چھیڑی تھی۔ انھوں نے گویا بھاشن دینا شروع
کر دیا:

"آج ایشور کی کرپا سے ہمیں کیسا اچھا
اوسر پراپت ہوا ہے کہ ہم ہندو مسلم بہنیں اس طرح
ایک ہو کر بیٹھی ہیں کہ ہمیں دین دھرم کا بھید بھاؤ
بھی محسوس نہیں ہوتا۔ محسوس ہونا بھی نہیں چاہئے
جبکہ ہم سب ایشور کو ماننے والی ہیں۔ ایشور نے
جتنے بھی دھرم بنائے ہیں وہ سب ہی سچے
کوئی اپنے دین دھرم ہی کو سچا کہے یہ بات

اُور بخشش بات کو ہوا دینے والی ہے . . . ."
میں چونکی۔ دلہن بھابی نے تو قرآن پڑھاتے
ہوئے مجھے بتایا تھا کہ اللہ کے نزدیک اسلام ہی سچا
دین ہے۔ باقی جو دھرم ہیں وہ لوگوں نے خود گھڑ
لئے ہیں۔

مس مہادیوی یہ کہہ رہی تھیں اُور تمام
مسلمان عورتیں اُن کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھیں،
خاص طور پر اُمجد بھائی کی بیوی ناظمہ آپا۔ میں اپنی
جگہ جھنجلا رہی تھی کہ سب کی سب پڑھی لکھی ہیں
اُور سب ہی مہادیوی کی تائید کر رہی ہیں۔ ناظمہ
آپا تو خیر اس لئے قابلِ معافی تھیں کہ وہ میزبان
کی بیوی تھیں۔ وہ مہمان خاتون کے خلاف
بولنا مناسب نہیں سمجھ رہی تھیں۔ باقی مسلمان
عورتوں نے منہ میں گھن گھنیاں کیوں بھر لیں۔
میں نے دیکھا کہ مسلمان عورتیں تعلیم یافتہ تو
ہیں لیکن اُن کو اسلام سے ذرا بھی لگاؤ نہیں ہے
وہ سب مہادیوی سے مرعوب اُور شرمندہ سی
ہو رہی ہیں۔

اُچانک میں بول پڑی "مس صاحبہ!
ایک بات سمجھائیے۔ میں اللہ کو ایک سمجھتی ہوں
اُور یہ مانتی ہوں کہ اس کا کوئی ساجھی نہیں لیکن
آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ ایشور کے علاوہ اُور بھی
بہت سے دیوی دیوتا ہیں جو خدائی میں شریک
ہیں۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ خدا تین ہیں۔
تو یہ سب باتیں سچی کیسے ہو سکتی ہیں۔ ایک خدائے
وحدہٗ لاشریک کا عقیدہ بھی ٹھیک اُور یہ عقیدہ
بھی ٹھیک کہ ایشور کے ساتھ بہت سے دیوی
دیوتا اس کی خدائی میں شریک ہیں اُور عیسائیوں
کا یہ عقیدہ بھی ٹھیک کہ خدا ایک بھی ہے
بھی"۔ میں ہمت کر کے جلدی جلدی یہ
تمام عورتوں کی نظریں میری طرف اُٹھ گئیں
پھر سب مس مہادیوی کو دیکھنے لگیں کہ دیکھیں
کیا جواب دیتی ہیں۔ مس صاحبہ نے جواب د
"دراصل بات یہ ہے کہ یہ سب ایشو
تک پہونچنے کے الگ الگ راستے ہیں۔ کوئی کس
طرف سے جاتا ہے کوئی کسی طرف سے۔ انسانی
کا سبق سب دھرم دیتے ہیں۔ سچ تو اچھا
ہی مانتے ہیں، جھوٹ سب کے یہاں برا۔
اسی طرح دوسری اچھی بری باتیں سمجھیں
میں سمجھی تو کچھ بھی نہیں لیکن میری سم
یہ نہیں آیا کہ اب میں کیا جواب دوں۔ اللہ کا
دلہن بھابی کا اُنھوں نے مجھے خاموش

خود بول پڑیں :

"دیکھئے مِس مہادیومی جی! اِس بچّی کی سمجھ میں آپ کی بات نہیں آئی تو اُس نے پوچھا۔ اس نے بنیادی بات کہی تھی۔ اصل سوال جڑ کا ہے جس درخت کی جیسی جڑ ہوگی اسی کے مطابق پھل پھول پیدا ہوں گے اور ویسا ہی ذائقہ۔"

یہ کہہ کر دلہن بھابی نے تمام خواتین کو مخاطب کیا۔ کہنے لگیں :

"آپ سب غور کریں۔ میں اِسلام کا مکمل عقیدہ پیش کرتی ہوں۔ اِسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اُسی نے سب کچھ بنایا اور وہی سب کا مالک ہے۔

اور دیکھئے! مسلمانوں کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ اِنسان ایک بار مرتا ہے۔ پھر قیامت کے دن حساب کتاب ہونے کے بعد یا تو جہنم میں جائے گا یا جنت پائے گا۔ آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ اِنسان جب مرجاتا ہے تو اس کی روح دوسری یونی میں چلی جاتی ہے۔ اِس طرح یہ چکّر چلتا رہتا ہے۔ یہ دونوں عقیدے بھی الگ ہیں۔ دونوں ٹھیک کیسے ہو سکتے ہیں۔

اِس کے بعد ایک بات اور سوچنے کی ہے۔ جب اِیشور نے سب کچھ پیدا کیا تو وہی سب کا مالک اور سوامی ہوا۔ تو اُس سوامی کی آگیا اُس مالک کے احکام ہم کو معلوم ہونے چاہئیں ورنہ ہم اس کی عبادت کیسے کرسکیں گے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو اپنا آخری رسول بنا کر بھیجا۔ اُن پر قرآن اُتارا جس سے ہم کو اللہ کی مرضی معلوم ہوتی ہے۔ آپ بتائیں کہ آپ کو ایشور کی مرضی کیسے معلوم ہوتی ہے۔ آپ ہمیں وہ کتاب دیں۔ ہم اس پر غور کریں۔

جب یہ بنیادی بات طے ہو جائے تب ہی آگے اخلاقی باتیں سمجھی جا سکتی ہیں۔ ایک سچی بات ہے : اہنسا پرمو دھرم۔ کسی کو نہ ستانا اُتم دھرم ہے۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ نہیں، سچی بات یہ ہے کہ اگر طاقت ہے تو بری بات ہوتے دیکھو تو اُسے دبا دو۔ مظلوم کی طرف سے ظالم سے لڑ جاؤ۔ اب بتائیے اخلاقی قدروں میں فرق شروع ہو گیا۔ آپ سمجھائیے۔ آپ سمجھدار ہیں۔ ہم بہت خوش ہوں گے آپ یہ سمجھا دیں کہ ایک خدا کا عقیدہ بھی سچ ہو اور دو سے زیادہ والا عقیدہ بھی سچ۔ قیامت ہوگی یہ بھی سچ اور قیامت نہیں ہے

یہ بھی سچ ۔ انسان ایک بار مرتا ہے یہ بھی سچ اور
یہ بھی سچ کہ وہ بار بار یونی بدلتا ہے ۔ آپ سمجھا
دیں تو میں کچھ اور باتیں سمجھنے کے لئے کچھ عرض کرونگی"
دلہن بھابی کی ٹھوس باتیں اور پھر کہنے کا
سلجھا ہوا طریقہ اور پیارا اندازِ بیان ہندو مسلم سبھی
عورتوں کو پسند آیا اور سب نے مس مہا دیوی
سے مانگ کی کہ وہ جو بات کہہ رہی ہیں وہ بظاہر
اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن ایک دوسری سے برعکس
باتیں سب ہی سچی کیسے ہو سکتی ہیں؟"
"میں اس سلسلے میں پھر آپ سے بات
کروں گی ۔" مس مہا دیوی نے دلہن بھابی سے کہا
"ٹھیک ہے ۔ اب عصر کا وقت بھی
ہو گیا ہے ۔ وہ دیکھئے مرد واپس جانے لگے ۔
ان شاء اللہ پھر آپ سے بات کریں گے۔"
مس مہا دیوی گھبرا گئی تھیں ۔ ان کے
چہرے پر بد حواسی کے آثار آچکے تھے ۔ دلہن
بھابی نے ان کی عزت رکھ لی ۔ عورتیں ایک ایک
کرکے کھسکنے لگیں ۔ جب ہم سب آپس کی سب
عورتیں رہ گئیں تو شگفتہ دیدی اور فہمیدہ آپا
نے کہا :
"دلہن بھابی ! آپ نے بات ختم کر دی ۔

ان سے اقرار کرانا چاہئے تھا کہ وہ غلط اصول پیش
کر رہی ہیں ۔"
"نہیں بھئی ! ہماری بات اس لئے
نہیں تھی کہ ہم جیتیں اور کوئی ہارے ۔ اچھا ہی
ہوا کہ ہم نے اپنے مہمان کو عزت کے ساتھ
رخصت کیا ۔"
مسلمان خواتین میں جو بڑی عمر کی تھیں
انھوں نے دلہن بھابی کو بڑی دعائیں دیں ،
بھائی کی بیوی بھی بہت خوش ہوئیں ۔
"ہٹو ، بھاگو ! نظر نہ لگانا ، آؤ ،
چلو ، گھر چلیں ۔"
اور یہ کہہ کر پروین بھابی نے ناصر سے
تین چار رکشائیں منگوائیں اور ان پر لد کر ہم سب
گھر آ گئے ۔ گھر آکر پروین بھابی نے عجب مذاق کیا ،
عدنان بھائی کو بلایا اور کہا :
"اونٹ جب پہاڑ کے پاس پہونچتا ہے
تب پتہ چلتا ہے کہ اس سے بھی کوئی اور اونچا ہے ۔"
"کیا مطلب ؟" عدنان بھائی ہکا بکا
ہو گئے ۔
"آج مہا دیوی نے عصمی کے چھتھڑے
اڑادئے ۔ بھری محفل میں ان کی ٹکر ہو گئی ۔ خواہ مخواہ

ہی تو بول پڑیں یہ ۔ بھلا دیکھو تو کیا پڑی تھی دوست
احباب پر تقریر کرنے کی ۔ رہا بیوی نے بھری محفل میں
ان کا منھ بند کر دیا ۔ ہم سب بھی ذلیل ہوئے ۔ تو
نہ جانے کیوں بیوی کی قابلیت کے بارے میں
جھوٹ اُڑاتا ہے ۔ لے یہ بیس روپے لے مٹھائی
لے آ۔ آج میں اِس خوشی میں مٹھائی کھلاؤں گی۔"

ایک عدنان بھائی کے کاٹو تو لہو نہیں
بدن میں ۔ اور ہم سب کا یہ حال کہ ہم سب منھ پر
پلو رکھے اندر ہی اندر مسکرا رہے تھے ۔ عدنان
بھائی اُداس اُداس شرمائے شرمائے روپے پھینک
کر چلے گئے اور گھر کے اندر وہ قہقہہ بلند ہوا کہ ممی
کو ڈانٹنا پڑا اور کہنا پڑا کہ مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولتے

نبی کریم کی نصیحت

ساجدہ فرزانہ صادق

حضرت ابو ایوب انصاری سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیے اور مختصر فرمائیے
(تاکہ یاد رکھنا آسان ہو) ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ (ایک بات تو یہ یاد
رکھو کہ) جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اس شخص کی سی نماز پڑھو جو
کو الوداع کہنے والا اور سب سے رخصت ہونے والا ہو (یعنی دنیا
جانے والے کی نماز جیسی [illegible] پڑھتے
[illegible] کوئی بات زبان
[illegible]
[illegible]
[illegible]

... اللہ
انہیں فر...
... طرف
... صلی اللہ علیہ
... مو دین یہی خطبہ
... نا کوئی حرف بحرف ٹھیک ثابت
... اپنی سواری کی اونٹنی "قصواء" پہ
... کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ۔ وہ ایک ہے ۔ کوئی اس کا ساجھی نہیں ۔ ...
... (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور اس ایک (اللہ) نے سارے ...

میری ساس

"مسلمہ بیٹی!"

"جی امی جان! آئیے۔" اور میں جھٹ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"بڑا اچھا ہے تیرا نام!" اور میں خوش ہو گئی۔

"کیا معنے ہیں بیٹی! 'مسلمہ' کے؟"

"ام..... می..... مم..... مم" میں ہکا بکا ہو کر رہ گئی۔

"مسلمہ کے معنی ہیں اللہ کی فرمانبردار، پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والی۔"

"ایسا؟"

"ہاں بیٹی! تو ہوا نا اچھا نام مسلمہ؟"

"جی امی جان! تو اللہ رسول کی کوئی بات بتائیے!"

"شاباش بیٹی!" اور امی جان کمرے میں بیٹھی بیٹھی ادھر اُدھر نظر ڈالنے لگیں۔

"...سلیقے سے سجایا ہے تم نے اپنا کمرہ!"

"...نبیؐ کی کوئی بات بتائیے امی!"

"...کمرے کے یہ کواڑ ہیں نا، یہ تمہاری مسہری ہے نا! ان کے فریموں میں گرد جمی..."

"...بات بتائیے!"

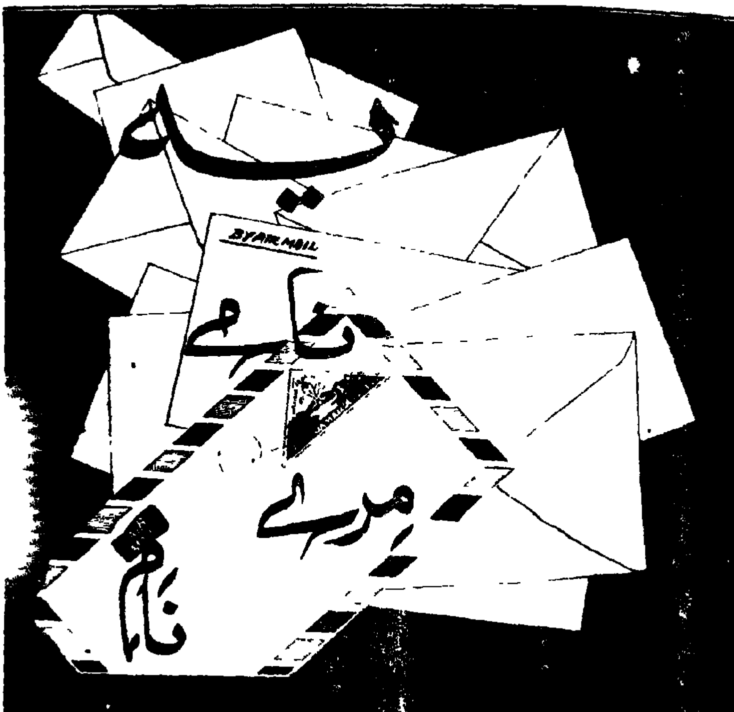
"...وسلم صفائی ستھرائی کو بہت پسند فرماتے تھے!"

"..." اور یہ کہہ کر میں نے جھاڑن اُٹھا لیا۔ امی اپنے ...ف کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی "کیسی اچھی ہیں یہ...

مفید معلومات

- قرآن شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گیارہ جگہ یَاَیُّهَا النَّبِیُّ اور ۲۳ جگہ صرف 'نبی' کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔
- پورے قرآن پاک میں بارہ مقامات پر 'امام' کا لفظ آیا ہے۔
- قرآن شریف میں ستر سے زائد مقامات پر دعا مانگنے کی تاکید آئی ہے۔
- خانہ کعبہ کی عمارت کی بلندی ۴۹ فٹ ½ ۲ انچ ہے۔
- مسلمانوں کا پہلا قبلہ بیت المقدس تھا۔
- دُنیا کا سب سے بڑا شہر لندن ہے۔
- ہندوستان میں ریل کی شروعات ۱۸ اپریل ۱۸۵۴ء سے ہوئی۔
- دنیا کا سب سے بڑا عجائب گھر لندن میں ہے۔
- دنیا کی سب سے بڑی لائبریری روس میں ہے۔ اِس میں سات لاکھ نو ہزار کتابیں ہیں۔
- دنیا کی سب سے گھنی آبادی والا جزیرہ مالٹا ہے۔
- دنیا کی سب سے چوڑی ندی جنوبی امریکہ کی آمیزن ندی ہے۔
- دنیا کی سب سے لمبی نہر بالٹک نہر ہے جو کہ روس میں ہے۔ اِس کی لمبائی ۵۲۰ میل ہے۔
- دنیا کا سب سے بڑا پارک ایرا اسٹون ہے جو امریکہ میں ہے۔
- دنیا کا سب سے اُونچا درخت جوائنٹ اسکوایا ٹری ہے جس کی اُونچائی ۳۹۲۵ فٹ ہے۔ یہ درخت کیلیفورنیا میں ہے۔

مرسلہ: ——— کوثر جہاں فاروقی۔ خریداری نمبر ۳۲۸۶



بیگم محمد احمد اف لکھنئو

برادر محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

تقریباً دو سال ہوئے میں نے حجاب کا پرچہ رانچی بک ڈپو پر دیکھا۔ لینے گئی تھی "ہدیٰ" وہ آیا نہیں تھا۔ اسلامی پرچہ دیکھا تو خرید لیا۔ پرچہ پڑھا تو آپ کے کردار، دینی جذبہ اور کاوش نے بہت متاثر کیا۔ بے اختیار "بھائی" کا لفظ دماغ میں آیا اور گم ہو گیا۔ گھر میں حجاب برابر خریدتی رہی۔ میرے شوہر نے بھی حجاب دیکھا اور اتنے متاثر ہوئے کہ خط لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ خلوص کا جواب بھی خلوص سے ملا اور میں حیرت میں پڑ گئی۔ آپ کی بڑائی، کردار اور عظمت کو قائل ہونا پڑا۔ میں بھی کبھی ادیب رہ چکی ہوں مگر اب

تھیں ہوں) اور اس دوران میرا سابقہ کئی ایڈیٹر صاحبان سے پڑا۔ مگر یہ مجھے اعتراف کرنا پڑے گا
خلوص اور اپنائیت حجاب کے ایڈیٹر صاحب میں ملی وہ محبت و خلوص گھریلو طور پر کہیں نہیں ملا۔ مجھے
خوشی ہوئی۔ میں آپ کی تہہ دل سے مشکور ہوں کہ مجھے یہ درجہ آپ نے دیا۔ میرے دل کی آواز آپ
پہونچ گئی۔ شاعری اور ادبیات میری وراثت ہے۔ میرے والد ادیب بھی تھے اور شاعر بھی۔ حنیف
تھا۔ میرے بڑے بھائی بھی شاعر تھے۔ سیماب اکبرآبادی اُن کے اُستاد تھے۔ آسی تخلص تھا۔
"شاعر" میں اُن کا کلام چھپتا تھا۔ دراصل مولانا نے ہی میری ہمت افزائی کی تھی۔ میری پہلی کوشش
بھی اُنھوں نے اپنے رسالہ شاعر میں جگہ دی تھی۔ اصلاح میرے بڑے بھائی محبوب حسن آسی کی تھی
کلام بھی شاعر آگرہ میں چھپتا تھا۔ ادیب نے ادیب کے خون کی بُو سونگھ لی تھی۔ میں یہ بتا چکی ہوا
حجاب کا پہلا پرچہ پڑھنے کے بعد میرے دل میں بھائی کا لفظ گونجا تھا کہ ان کی تو ہر بات میرے بھائی
مرحوم سے ملتی جلتی ہے۔ وہ صرف شاعر تھے اور یہ شاعر اور ادیب دونوں ہیں۔ مگر کردار وہی۔
میں نے آپ کی بینائی کی کمزوری اور آپریشن کے بارے میں پڑھا تھا خطوط میں بھی اور حجاب میں بھی۔
دوران ۲۰ جون ۱۹۸۳ء میں جدّہ جانا ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے حج و عمرہ کی سعادت نصیب فرمائی
دونوں حرمین مبارک میں دوسری مرتبہ حاضری کی توفیق عطا فرمائی اور ذرّہ نوازی عطا کی۔ دونوں
شریف میں آپ کے واسطے دعا کی۔ تیسری دعا جو تھی اور جو سب سے زیادہ مبارک اور اہم تھی، وہ
میدان عرفات میں وقوف کے وقت کی دعا۔ وہ وقت تھا جو سب سے اہم تھا زندگی میں اور میں
اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہی تھی۔ مجھے کچھ بھی ہوش نہیں تھا۔ میں اللہ میاں سے کہہ رہی تھی: اے
اللہ آج کے دن تو میرے گناہوں کو معاف کر دے۔ یہ باغی کنیز آج تیرے حضور حاضر ہے۔ اس پر
فرما کیونکہ نام سیاہ ہے۔ بس نہ جانے کس طرح آپ کا خیال آگیا تو میں نے آپ کے لئے بھی دعا
اللہ! میرے دینی بھائی کو دنیوی روشنی اور صحت عطا کر تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ تیرے دین کی تبلیغ
حصہ لے سکیں۔ پھر میں نے اپنے عزیزوں اور بچوں کے لئے دعا کی۔ والدین اور بیٹے محمود احمد
کی بخشش کے لئے بھی دعا مانگی۔ آپ بھی میرے بھائی دعا کریں کہ اللہ میرا حج اور دعائیں قبول فر

سے میری التجا ہے۔ کچھ ماہ منجھلے بیٹے کے پاس رہ کر ہم لوگ دہلی سے لکھنؤ آئے اور ایک ہفتہ یہاں
کر نومبر میں رانچی چلے گئے۔ ساتھ ہی حجاب کی خریداری کی توفیق بھی ملی۔ آپ نے بھی اپنے خطوط سے
۔ نیا حجاب دیکھ کر تو طبیعت خوش ہو گئی۔ حجاب میں جو آپ نے نیا سلسلہ "تاریخی مشغلہ" شروع کیا ہے
بے حد پسند آیا۔ ہلکا پھلکا یہ سلسلہ قارئین حجاب اور ان کے ملنے والوں کے لئے تبلیغی طور پر بہت ہی
مارہے گا۔ اِن شاء اللہ آج کے طالب علم اور وہ لوگ جو دنیا کے پیچھے دین کو بھلا بیٹھے اسلامی کتب
ے مطالعہ کی طرف مائل ہوں گے۔ آپ کو اس سلسلے میں جتنی مبارکباد دی جائے کم ہے۔ یوں تو پورا
ماب ہی تبلیغی پرچہ ہے اور نئی نئی چیزیں جو آپ شامل کر رہے ہیں بہت خوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو
اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں۔ ۱۹۸۰ء میں ہم لوگ جدہ گئے تھے۔ رات کو آٹھ بجے 'بوجھو تو جانیں' ،
عنوان سے یہ پروگرام عربی میں دیا جاتا تھا۔ اس میں پورے رمضان کے تیسوں دن وہ روزانہ ایک صحا
ی پوری ہسٹری بتاتے تھے۔ کب مسلمان ہوئے۔ کتنی عمر میں ہوئے۔ کتنی شادیاں کیں۔ ایک د
ہجرت کی یا دونوں دفعہ۔ شہادت ملی یا وفات ہوئی۔ کتنی جنگوں میں حصہ لیا اور کون کہاں دفن ہے۔
پوری ہسٹری بتاتے تھے، صرف نام نہیں بتاتے تھے۔ نام دیکھنے والوں کو لکھ کر بھیجنا ہوتا تھا۔ تیسوں
صحیح نام بتانے والوں کو ایک ملین ریال میں سے حصہ دیا جاتا ہے۔ اس پروگرام میں بڑے بڑے
ادارے اور کمپنیاں دل کھول کر چندہ دیتی تھیں جن کا اعلان پروگرام میں کیا جاتا تھا کہ کس ادارے
نے کتنا چندہ دیا۔ خود حکومت بھی اس پروگرام میں چندہ دیتی ہے۔ والسلام۔

شمیم افزا۔ سداشیو پیٹ

محترمی و مکرمی چچا جان صاحب! سلام مسنون۔

امید ہے مع الخیر ہوں گے۔ خدا کرے آپ کا سایہ تا دیر قائم رہے۔ آمین!

چچا جان! کہاں ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ دیکھئے، میں آگئی نا! آپ لیٹر کا ایڈریس دیکھ کر متحیر ہوں گے
کس نے لکھا۔ میں آپ کی وہی بیٹی سیدہ شمیم افزا ظہیر آبادی ہوں۔ دو ماہ سے میں آپ کے پاس خط نہ
بھ سکی۔ میرا احساس ندامت بھی بڑھتا رہا۔ ۱۶ مئی ۱۹۸۴ء کو مجھے ظہیر آباد سے سداشیو پیٹ شفٹ

کیا گیا ہے۔ درّانی چاچا سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا۔ چچا جان! میں آپ کو دعوت نامہ پوسٹ کرنے
لئے بے چین رہی لیکن نہ ہوسکا۔ آپ شرکت تو نہ کرسکتے تھے لیکن میری خواہش تھی کہ آپ کو دکھا
آپ دیکھ کر کتنا خوش ہوتے، کتنی دعائیں دیتے۔ چچا جان! سب سے بڑی خوشی کی بات سناؤں۔
جس گھر آئی ہوں پورا گھرانہ جماعت اسلامی کا متفق ہے۔ یہ میرے رب کا فضل اور آپ لوگوں
دعاؤں کا اثر ہے۔ میرے شوہر ایس آئی او کے صدر مقامی ہند ایم اے عثمانیہ گورنمنٹ جونیر کالج
شیوپیٹ میں ملازم ہیں۔ توحید، رسالت، آخرت کی بنیاد پر گھر میں نور پرائمری اسکول بھی چل رہا۔
میری نند اسکول کی صدر معلمہ اور ناظمہ حلقہ خواتین تھیں۔ شادی ہوچکی ہے۔ اب وہ ذمہ داری
سنبھالنا ہے۔ ۔ ارمئی کو آپ کی مقناطیسی کشش نے مجھے حجاب دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ ماہ مئی کا حج
پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہوا۔ دیکھ کر اور پڑھ کر سرور سا آ گیا۔ آپ نے میرا لیٹر اور مضم
بھی شائع فرما دیا ہے جس کی میں بے حد شکر گزار ہوں 'تاریخی مشغلہ نمبر ا' دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ بہ
ٹھیک ہی ہوا۔ خواتین و طالبات کے لئے یہ معلومات لازمی ہیں۔ ان شاء اللہ میں بھی جوابات لک
بھجوانے کی کوشش کروں گی۔ 'باپ کا خط بیٹی کے نام' مضمون سے اچھی اچھی نصیحتیں ملیں۔ ما
کا حجاب بہت کارآمد رہا۔ ان دنوں کچھ مضمون تیار نہ کرسکی۔ چند پسندیدہ اشعار پیش خدمت
معیاری ہوں تو شامل اشاعت فرما دیجئے۔ مجھے دعاؤں میں نہ بھولئے۔ اللہ تعالیٰ ارادوں میں مض
کے ساتھ قدم جمائے۔ چچا جان! اتر پردیش کی ناظمہ محترمہ قیصر بیگم نیازی صاحبہ کے انتقال کی خبر
بہت رنج و غم ہوا۔ دور تھے لیکن بی اماں صاحبہ کا نام جب کبھی ذہن کے کسی گوشے میں گونج اٹھ
ایک قسم کی ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی۔ آج وہ سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنہ
بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔ خلوص آگیں آپ کی بیٹی سیّدہ شمیم افزا

❀ نعیمہ خاتون ہاشمی۔ وادی نگر

محترمی محبّی چچا جان صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہزاروں رحمتیں، ہزاروں برکتیں اور بے بہا نعمتیں نازل

آمین، ثم آمین! بہت دنوں کے بعد آپ سے شرف ملاقات حاصل کر رہی ہوں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے بزرگوار والد صاحب کے انتقالِ پُرملال کی اچانک اطلاع ملی۔ میرے لئے صرف یہی ایک سہارا تھا جس سے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئی۔ اِنّا للہ و اِنا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین!

حجاب میں جتنی بھی کہانیاں چھپتی ہیں وہ حقیقت پر مبنی معاشرے کی صحیح ترجمانی ہوتی ہیں۔ ایسی اِصلاحی تحریریں پڑھ کر دل بے حد خوشی محسوس کرتا ہے۔ ایسی خوبصورت تحریر کہ آیا ہم افسانہ پڑھ رہے ہیں یا حقیقت کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ الفاظ کو خوبصورتی سے ڈھالنا اور اس کو حقیقت کے قریب تر کرنا آپ کے قلم کا کمال ہے۔ آپ کے لاتعداد افسانے پڑھے اور جہاں تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا پڑھتے رہیں گے۔

آپ کی پیاری تحریریں جس منفرد انداز میں لکھی گئیں میں اُن کو نہیں بھول پاؤں گی۔ آپ کے گفتگو کا انداز، لہجے کا ٹھہراؤ، بارعب شخصیت، خوبصورت آواز......حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔ خدا آپ کے اِس فن کو مزید جلا بخشے۔ آپ بامِ عروج پر ایک درخشاں ستارہ بن کر چمکیں۔ آمین

آپ کی تحریریں بے حد پسند ہیں ہم سب گھر والوں کو۔ آپ کی ہر ایک کہانی نے بہت متاثر کیا۔ آپ بلاشبہ حقیقتوں کے ترجمان ہیں۔ آپ کے قلم میں وہ تاثیر ہے، آپ کے الفاظ میں ایسا جادو ہے کہ پڑھنے والا اپنی ذات کے تمام خول توڑ کر سچائیوں کی طرف لوٹ آتا ہے۔ دعا ہے کہ آپ کا قلم ہمیشہ ایسے ایسے سنہرے حروف تحریر کرتا رہے، آپ کو زندگی کی تمام خوشیاں حاصل ہوں۔ خدا آپ کو زندگی کے ہر موڑ پر کامیاب کرے۔

حجاب بہت ہی باقاعدگی سے ہر ماہ کی پہلی تاریخ سے پہلے ہی مل جاتا ہے۔ خدائے تعالےٰ آپ کو اِس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین!

آپ کی جس بچی کی شادی ہوئی تھی وہ آج کل کہاں ہے اور کیسی ہیں اور سب بچے یعنے ...ا بھائی کیسے ہیں، چچی جان کیسی ہیں۔ سب کو میری طرف سے درجہ بدرجہ سلام و دعا کہدیں۔

دار رسید" کا مصداق بنے، اگرچہ اِس کتاب پر ہمارا، بچوں، بوڑھوں، عورتوں، جوانوں، سبھی کا
ہے۔ مئی کے شمارہ (حجاب) میں شیخ زکریا کی حکایت پر اچھا ریمارک ہے مگر احساس یہ ہے کہ
اب بالکل تبلیغی بنتا جا رہا ہے۔ آپ کی دعاؤں سے میں اچھا ہوں۔ والسّلام

یہ ایک حجابی لڑکی کا خط ہے جو اُس نے اپنے شوہر کو لکھا ہے۔ یہ خط میری معرفت بھیجا جا رہا تھا۔ مجھے سُنا یا بھی گیا۔ میں اِسے حجاب میں دے رہا ہوں۔ حلقۂ حجاب سے عرض ہے کہ اِس متقی لڑکی کے لئے دعائے خیر فرمائیں۔ اِس لڑکی کا نام شائع نہیں کیا جا رہا ہے۔ نام اور پتہ میرے پاس محفوظ ہے۔ (مدیر حجاب)

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ سود پر رقم لے کر عرب گئے ہیں۔ مجھ کو بہت ہی تکلیف اور دکھ ہے کیونکہ سود
نا دینا حرام ہے۔ جس دن سے میں نے سود کا سُنا ہے بس سوچتی رہتی ہوں کہ سود کا ازالہ کیسے
گا اور یہ رقم کاروبار میں شامل ہو جائے گی اس کی وجہ سے یہ رقم حرام ہو جائے گی۔ آپ
ہیں گے کہ مجبوری ہے کیا کریں۔ میرا کہنا ہے کہ مجبوری میں تو چوری بھی کی جاتی ہے اور مجبوری
ں ہی ڈاکہ بھی ڈالا جاتا ہے۔ کیونکہ چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا اور سود لینا دینا تینوں کی کمائی
ہے اور تینوں کی سزا بھی ایک لہٰذا آپ کا کام سود کے بغیر نہیں چلے تو یہ کاروبار بند کر کے کچھ
ر سوچئے۔ مجھ کو چٹنی سے کھانا بہتر ہے لیکن یہ کمائی پسند نہیں ہے۔ آپ وہاں کوئی نوکری کر لیں۔
کو آپ کی دوری گوارا ہے لیکن سود دینا پسند نہیں۔ میں آپ کی کمائی کبھی نہیں کھاتی اور
منت کر کے بچوں کا پیٹ بھرتی، کیا کروں مجبور ہوں۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے آپ کو ناگوار گزرا ہوگا۔ باقی
سب خیریت ہے۔ اللہ آپ کی پریشانی دور کرے۔ آمین۔ ثم آمین!

زمانے کی گواہی

ایک حقیقت کا اعتراف

پچھلے دنوں راجدھانی میں جہیز کے سوال پر ایک مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی تھی۔ اہتمام اس کا جماعتِ اسلامی کی مقامی تنظیم نے کیا تھا جس میں مختلف الخیال افراد اور سیاسی و سماجی تنظیموں کو اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی تھی۔ مذاکرے میں یوں تو بہت سی باتیں سامنے آئیں۔ ظاہر ہے کہ حصہ لینے والوں میں سے کسی نے بھی جہیز کے لین دین کی تائید نہ کی ہوگی۔ سب نے مذمت ہی کی جماعتِ اسلامی کے ذمہ داروں نے بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اِس سماجی برائی کا جائزہ لیا اور اس کا حل پیش کیا۔ البتہ ایک بڑی سیاسی پارٹی کے سرکردہ نمائندے نے کچھ حقیقت پسندانہ بلکہ جرأت مندانہ باتیں کہہ کر سامعین کو چونکا دیا۔ انھوں نے کہا کہ جہیز کی برائی دراصل بنیادی طور پر ہم ہندوؤں کی برائی ہے۔ مسلمانوں میں یہ لعنت ہمارے یہاں سے ہی گئی ہے ورنہ اسلام میں اِس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہمارے ساتھ ایک طویل عرصہ تک رہنے کے نتیجہ میں مسلمانوں نے ہماری یہ برائی اپنالی ہے اور اب اُن کے سماج میں بھی جہیز کا لین دین شروع ہوگیا ہے۔

کہنے کی ضرورت نہیں کہ سیاسی پارٹی کے حقیقت پسند نمائندے نے یہ بات کہہ کر نہ صرف اپنے سماج کی کمزوری کا اعتراف کیا ہے بلکہ ہم مسلمانوں کو بھی یاد دلایا ہے کہ ہمارے یہاں یہ لعنت غیر مسلموں سے آئی ہے۔ ویسے تو ہر ہوشمند مسلمان جانتا ہے کہ جہیز جیسی لعنت کی ہمارے معاشرے میں مذہباً کوئی گنجائش

نہیں لیکن ایک غیر مسلم کا ٹوک دینا بڑی اہم بلکہ غیرت کی بات ہے۔ اسی مذاکرے کے سلسلے میں ایک تجربہ یہ بھی ہوا کہ جب منتظمین ایک غیر مسلم سماجی کارکن کے پاس شرکت کی دعوت لے کر پہونچے تو وہ صاحب چونک پڑے بولے "کیا! جہیز کا مسئلہ تو ہمارا مسئلہ ہے۔ اِس کے لئے آپ کیوں پریشان ہیں۔ کیا یہ برائی آپ لوگوں میں بھی موجود ہے؟" گویا وہ صاحب بھی سمجھ رہے تھے کہ جہیز کے کاروبار سے بھلا مسلمانوں کا کیا تعلق۔ اُن کے مذہب میں تو شادی بیاہ کو بہت آسان اور سادہ بنادیا گیا ہے۔ ہم مسلمانوں کے بارے میں اُن صاحب کی خوش فہمی شاید اِس لئے بھی کہ اُنھوں نے اِسلام کی موٹی موٹی باتیں معلوم کرکے انہی کی روشنی میں مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کا تصور قائم کر رکھا ہے۔

امریکی خاتون کی بغاوت

امریکہ کے علمی حلقوں میں آج کل ایک کتاب جابجا بحث کا موضوع بنی ہوئی ہے۔ اِس کتاب کا نام "جنس اور تقدیر" ہے۔ اِس کی مصنفہ ایک ایسی امریکی خاتون ہے جس نے مغربی زندگی کے ہر پہلو کا نہایت گہرائی سے جائزہ لیا ہے۔ تنازعہ کا باعث یہ کتاب یوں بن گئی کہ مصنفہ نے قدم قدم پر مغربی زندگی کی مذمت کی ہے اور پڑھنے والوں کے سامنے مغربی معاشرے کی ایک ایسی گھناؤنی تصویر رکھ دی ہے جو ہر پہلو سے گھناؤنی، ہر لحاظ سے مکروہ اور ہر زاویہ سے قابل نفرت ہے۔ خصوصاً اہل مغرب کی جنسی بے راہ روی اور اس کی تباہ کاریوں کو مصنفہ نے آئینے کی طرح سامنے رکھ دیا ہے جس میں مغربی سماج کا ہر فرد اپنی تصویر دیکھ سکتا ہے۔ یہ خاتون مغرب کی برائیاں گنوانے کے بعد اہل مغرب سے کہتی ہے کہ "تم اپنے گندے خیالات اپنے ہی پاس رکھو۔ انھیں تیسری دنیا میں منتقل نہ کرو۔ دنیا میں جنسی انارکی پھیلا کر اور بچے کم پیدا کرنے کی مہم چلا کر تم نے پہلے ہی دنیا کو تباہی کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ اب تم اپنی فکر کرو۔"

یہ آواز نئی نہیں ہے

اہل مغرب کے لئے اِس امریکی خاتون کے یہ باغیانہ خیالات ہی کیا کم تھے کہ اُس نے اُن کے سامنے ایک اور بات کہہ ڈالی: "مغرب کی دولت مند اقوام تو بانجھ ہو چکی ہیں۔ اُنھوں نے اپنی آنے والی نسلوں کو

آلاتِ ضبطِ تولید کے ذریعہ ہلاک کر کے اپنا مستقبل تاریک بنا لیا ہے"۔ بات یہاں تک بھی قابل برداشت تھی لیکن آخر میں مصنفہ نے ایک غیر معمولی بات کہہ کر اہل مغرب کو چونکا کر رکھ دیا۔ مصنفہ بانگ دہل کہتی ہے "عورت کو انسانیت کے لئے رحمت اور باعثِ عزت صرف اسلام نے بنایا ہے۔ صرف اسلام ہی ایسی عورت پیدا کر سکتا ہے جو انسانیت کو ہمدردی اور اجتماعی تعاون سے ہمکنار کر سکتی ہے"۔ ظاہر ہے کہ ایک مغربی خاتون کی یہ آواز اہلِ مغرب کے لئے غیر معمولی ہے۔ ٹھیک ہے کہ امریکہ اور یورپ میں ماضی میں بھی کسی نہ کسی گوشے سے یہ آواز اُٹھتی رہی ہے۔ تقریباً ۲۵ سال پہلے بھی امریکہ ہی کی ایک خاتون نے نعرۂ حق بلند کیا تھا جسے آج کی دنیا ملتِ اسلامیہ کی ایک معزز خاتون مریم جمیلہ کے نام سے جانتی ہے۔

مورخ کیا لکھے گا

لیکن آج کے امریکی معاشرے میں اس آواز کا اتنی شدت سے بلند ہونا بڑی اہم بات ہے۔ آج امریکہ مادی ترقی کے بام عروج پر ہے۔ وہ ساری دنیا پر اپنے سیاسی شعور کا سکہ بٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ خود کو جمہوریت کا سب سے بڑا علمبردار کہتا ہے اور عورت کی آزادی کا نعرہ لگاتا۔ اس کا کوئی جواب نہیں۔ لیکن اس ترقی اور عورت کی آزادی کی حقیقت یہ ہے کہ آج کا امریکی معاشرہ اخلاقی بگاڑ میں اس قدر آگے جا چکا ہے کہ اگر اسے سنبھالنے کے لئے کوئی نظریہ آگے نہ بڑھا تو آئندہ صدی اس کے عبرت ناک زوال کی گواہ بن کر شروع ہوگی۔ پھر چند دہوں بعد مستقبل کا مورخ لکھے گا کہ دنیا کے پردے پر ایک ایسا ملک بھی تھا جو مادی ترقی اور خوشحالی کے آسمان پر پہونچ چکا تھا لیکن جنسی بے راہ روی اور بگاڑ نے اسے تباہ کر دیا اور عورت کی آزادی اس کی بربادی بن گئی۔ اسی لئے یہ امریکی خاتون امریکیوں کو آواز دے رہی ہے کہ تم کو اس عبرتناک انجام سے صرف اسلام ہی بچا سکتا ہے۔ لیکن کیا امریکیوں کو اس آواز پر توجہ دینے کی فرصت ملے گی؟ سر دست اس کی امید نہیں۔ مغربی دنیا کو مادی خوشحالی اور جسمانی عیش و آرام نے اندھا جو کر رکھا ہے!

ہزاروں امریکی خواتین اسلام قبول کر رہی ہیں

راولپنڈی۔ امریکن مسلم ویمن ایسوسی ایشن کی صدر سیدہ سنتھیا طالبہ نے کہا ہے کہ غیر مسلم امریکی خواتین ہزاروں

کی تعداد میں اسلام قبول کر چکی ہیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ یہ خواتین اسلام کی سچائی اور سادگی کو ذریعہ نجات سمجھتی ہیں۔ سنتھیا لیہ جو پاکستان کے دورے پر آئی ہوئی ہیں، یہاں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کر رہی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ امریکی مسلم خواتین اس نتیجے پر پہونچی ہیں کہ مغربی تہذیب نے خواتین کو معاشرے میں باعزت مقام سے محروم کر دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ امریکی خواتین اسلام کی روشنی پھیلانے میں مصروف ہیں اور وہ امریکی معاشرے میں موجود برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نومسلم امریکی مسلمانوں کو اپنے والدین کی طرف سے انتہائی حوصلہ شکن رویہ اور ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ اپنی اولاد کو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مغربی ممالک میں آزادی اور مساوات کے نام پر عورت کو ایک مشین یا دل بہلانے کے لئے ایک کھلونا تصور کر لیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے، مغربی تہذیب کے یہ اثرات اکثر مسلم ممالک میں بھی بڑی تیزی سے پھیلتے جا رہے ہیں۔ سنتھیا طالبہ نے کہا کہ امریکی معاشرے کی ان برائیوں نے اُن کی زندگی میں انقلاب برپا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے کہا کہ نومسلم امریکی خواتین اسلام کی پاکیزگی اور سچائی کو نجاتِ اخروی کا ذریعہ تصور کرتی ہیں۔ سنتھیا لیہ طالبہ نے کہا کہ انھیں مسلم ممالک کی خواتین کو مغربی تہذیب کی نقالی کرتے دیکھ کر انتہائی افسوس ہوا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ وہ راستہ ہے جو تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔

یہ صاحبزادے صحیح اسلام سے واقف نہیں ہیں

۳۱ مارچ ۱۹۸۴ء کی شب میں ساتویں کل ہند مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے مندوبین کے تھکے ہوئے ذہن کو سکون پہونچانے کے لئے محفل موسیقی کا انتظام کیا گیا تھا۔ دہلی کے ثقافتی حلقے کی ایک جانی پہچانی شخصیت محترمہ پربھا بھارتی غزلوں اور قوالیوں کا پروگرام سنا رہی تھیں کہ اچانک مسلم یونیورسٹی کا ایک نوجوان طالب علم اسٹیج پر پہونچا۔ اُس نے سامعین اور منتظمین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "دن بھر تو اسلام، مسلمان اور قرآن کا نام لیا جاتا رہا اور اب ایک بازاری عورت کو اسٹیج پر بٹھا کر گانے سننے جا رہے ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟" اس کے اس احتجاج پر چند لمحات کے لئے سناٹا طاری ہو گیا۔ پھر منتظمین اسٹیج کی طرف

لیکن مذکورہ طالب علم کو زبردستی گھسیٹ کر اسٹیج سے اُتار دیا گیا اور ایک کمرے میں بند کر دیا گیا اور یونیورسٹی کے ایک سینیر طالب علم کی مداخلت پر ہی اُسے رہائی ملی۔ اُدھر پربھا بھارتی صاحبہ روٹھ گئیں۔ انھیں منانے کے لئے منت سماجت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اناؤنسر صاحب نے اِس موقع پر دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ "جن صاحب نے اِس پروگرام کو غیر اِسلامی قرار دیا ہے وہ اِسلام سے ناواقف ہیں۔ اُن کو صحیح اِسلام کا علم نہیں ہے۔ اِسلام میں موسیقی پر کوئی پابندی نہیں ہے"۔ ان اناؤنسر صاحب کے تعلق سے یہ بات یقیناً دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ موصوف دہلی میں روسی دفتر اطلاعات میں ملازم ہیں اور ثقافتی محاذ پر ترقی پسندوں کی سرگرمیوں کے روحِ رواں سمجھے جاتے ہیں۔

جہیز کا تازہ ترین بھاؤ

نئی دہلی۔ بہار سے کانگریس آئی کی ممبر مسز کرشنا سہائے نے لوک سبھا کو بتایا کہ ان نوجوان کی جہیز کی شرح اچانک بڑھ جاتی ہے جو آئی اے ایس اور آئی پی ایس کے امتحانات پاس کرلیتے اُنھوں نے بتایا کہ آئی اے ایس کے جہیز کی شرح دو لاکھ روپیہ ہے جب کہ آئی پی ایس کی ایک لاکھ روپیہ ہے۔

انقرہ یونیورسٹی سے

چادر اوڑھنے پر تیس (۳۰) طالبات کا اخراج

انقرہ — انقرہ یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات سے چادر اوڑھ کر آنے والی تیس طالبات کو گھروں کو واپس بھیجے جانے پر یونیورسٹی کے بارہ سو طلباء نے کلاسوں کا بائیکاٹ کر دیا۔

طلباء کا کہنا ہے کہ اِنتظامیہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی کے مذہبی عقیدے میں مداخلت کرتے ہوئے اُسے پابند کردے۔ طالبات کی یہ اپنی مرضی ہے کہ وہ چادر اوڑھنا پسند کرتی ہیں یا نہیں۔ طالبات کو گھروں کو واپس بھیجنے میں وزیر اعظم ترکت اوزال یا اُن کی حکومت ملوث نہیں تھی۔

ترکی کی تمام شعبہ جات میں سر ڈھانپ کر آتی ہیں۔ ترکی میں نقاب اوڑھنا معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن سرکاری طور پر نقاب نہ اوڑھنے کا حکم جاری نہیں کیا گیا ہے۔

جوشی محلہ میں

خانہ خدا کو ڈی ڈی اے کا نوٹس

نئی دہلی، ۵ اپریل ــ ڈی ڈی اے مکانات کو توڑ سکتا ہے، یہ تو روز کا معمول ہے اور ایسی خبروں پر کسی کو تعجب نہیں ہوتا ہے لیکن آج جب منڈاولی گاؤں کے جوشی محلہ کے لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھوٹی سی مسجد کی دیوار پر ڈی ڈی اے کا نوٹس لگا ہے تو وہ حیران رہ گئے۔ نوٹس کسی فرد کے نام نہیں بلکہ خانۂ خدا کے مالک کے نام ہے کہ کیوں نہ اس ناجائز تعمیر کو گرایا جائے۔ خانۂ خدا کا مالک کون ہے؟ یہ تو ڈی ڈی اے والے شاید جانتے نہیں لیکن محلہ والوں کا کہنا تھا کہ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس نوٹس کا نوٹس کون لیتا ہے کیونکہ خانۂ خدا کا مالک کوئی بشر نہیں، خود خدا ہے۔ (روزنامہ 'قومی آواز' نیو دہلی۔ ۶ اپریل ۱۹۸۴ء)

دلچسپ معلومات

- قرآن مجید کا وہ نسخہ جس کی تلاوت کرتے ہوئے حضرت عثمان غنیؓ شہید ہوئے تھے۔ آج کل روس والوں کے قبضے میں ہے۔
- کاغذ بنانے کا کام آج سے دو ہزار سال قبل چینیوں نے شروع کیا تھا۔ حضورؐ کی بعثت کے بعد عربوں نے اُن سے سیکھ لیا اور علم کی طرح اُسے بھی ساری دنیا میں پھیلا دیا۔
- دُنیا کی کل آبادی کا چھٹا حصہ مسلمان قوم کے لوگ ہیں اور اُن کی مجموعی تعداد پچاس کروڑ سے زیادہ ہے۔
- اگر ہر مسلمان سال میں صرف ۵ غیر مسلموں تک دینِ حق کی دعوت پہنچانے کا عہد کر لے تو سال بھر میں ساری دُنیا کے انسانوں تک دین کی آواز پہونچ سکتی ہے۔

میرے پسندیدہ اشعار

فوزیہ سلطانہ بنت جناب اے۔ عبدالکریم۔ کافی پلانٹر۔ ارسے ہلی

جب ملاقات ہو مسلماں سے ——— اُس کا تحفہ سلام ہوتا ہے ——— نامعلوم

ایک اک کرکے مجھ پر پھینک ——— دشنہ، خنجر، تیغ، خدنگ ——— ٭

ہم آہنگی سے ہے محفل جہاں کی ——— اسی سے ہے بہار اس بوستاں کی ——— اقبالؒ

ھاجرہ، اے۔ آر۔ بمبئی

حسنِ صورت چند روزہ، حسنِ سیرت مستقل

اِس سے خوش ہوتی ہیں آنکھیں اُس سے خوش ہوتا ہے دل ——— نامعلوم

ممّی کی زباں اور ہے ڈیڈی کی زباں اور ——— پھر کیوں نہ ہو اولاد کا اندازِ بیاں اور ——— ٭

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن ——— کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت ——— اقبالؒ

کوثر جہاں فاروقی۔ موسیٰ بنی

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیدی ——— مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے ——— اقبالؒ

لاکھ کوشش کی گئی مجھ کو مٹانے کیلئے ——— دیکھ پھر بھی اے غمِ دوراں زندہ ہوں میں ——— نامعلوم

قہر کو قہر کہو، رحمتِ یزداں نہ کہو ——— گل فروشوں کو گلستاں کا نگہباں نہ کہو ——— ٭

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی ——— جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی ——— اقبالؒ

زائرانِ کعبہ سے اقبال یہ پوچھے کوئی ——— کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں ——— ٭

دور پھر آیا ہے مسلم کی جہاں بانی کا ——— دفترِ کفر کو دُنیا میں پریشاں کردے ——— ٭

شفیق اعجاز احمد خاں۔ سری نگر کشمیر

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش ——— میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند ——— اقبالؒ

کریلے پکانا

اِن کا پکانا ذرا کٹھن ہے۔ احتیاط سے پکائے جائیں تو نہایت لذیذ ہوتے۔ اولاً کریلوں کو کھرچ کر اُوپر کی ہریالی دور کرلی جائے۔ پھر کھڑے کھڑے پیٹ چیر کر بیج بھی نکال لئے جائیں۔ اب اِن میں سوکھا نمک پیس کر خوب مل کر رکھ دئے جائیں تو پانی چھوٹے گا۔ وہ پھینک دیا جائے۔ جب پانی بالکل نہ نکلے تو اُن کو رکھ لیا جائے۔ قریب قریب دو گھنٹے تک رکھے رہیں۔ اب اگر املی پکی ہوئی ہے تو اچھا ہے ورنہ ایک چھٹانک کھٹائی بھگو کر پیس لی جائے اور ذرا پتلے کر کے چھلے ہوئے تین پاؤ کریلے اس میں ڈال کر اُبالے جائیں۔ جب کریلے گل جائیں تو اُتار کر نکال لئے جائیں۔ کڑواہٹ دور ہو جائے گی۔ ان کو ذرا رکھدیا جائے تو پانی خشک ہو جائے گا۔ اب چنے کی دال خشک پکالی جائے اور مصالحہ کمپاؤنڈ میں قدرے اور کھٹائی ملا کر دال میں ملا کر اور کچھ بیج (جو پہلے سے اسی کھٹائی کے پانی میں کریلوں کے ساتھ اُبال لئے گئے ہوں) ملا کر بھر کر باندھ کر بدستور مصالحہ میں ڈال کر دہی کی مدد سے پکا لئے جائیں۔ اِن میں مصالحہ لسلسا نہیں رکھا جائے گا۔ اگر ٹھیک سے پکائے جائیں تو کئی روز تک رکھے جا سکتے ہیں۔ اِس کے مصالحہ میں کھٹائی قدرے زیادہ ہونی چاہیئے۔ چاشنی کے لئے قدرے گڑ بھی ڈالا جا سکتا ہے۔ اگر چاہیں تو بیج بھی نہ ڈالیں۔ مصالحہ بھرنے کے بعد تیل میں تل بھی جا سکتے ہیں۔ چنے کی دال کے بجائے کریلوں میں خوب بھنا ہوا خشک قیمہ بھی بھرا جا سکتا ہے لیکن یہ چکنا نہ ہو یعنی اِس میں چربی گھٹی ہوئی نہ ہو۔

آلو کی کھیر

عمدہ بڑے آلو اُبال کر اُن کا پوست دور کریں اور باریک پیس لیں تھوڑی الائچی اور جائفل بھی شامل کردیں گھی میں تھوڑی دارچینی، لونگ، الائچی تل لیں اور اس میں تھوڑے پانی کے ساتھ آلو اور وزن میں آلو سے چارگنی شکر ملا کر کھیر کا ذرا سخت قوام لیں۔ پکتے وقت زرد رنگ اور پکنے کے بعد روح گلاب ملا دیں۔ آلو کی لذیذ کھیر تیار ہے۔

گوبھی کی کھیر

دودھ ڈیڑھ کلو، کھانڈ ڈیڑھ پاؤ، میوہ۔ بادام اور کشمش وغیرہ حسب ضرورت، گوبھی کے سفید پھول باریک تراشے ہوئے ڈیڑھ کلو، بڑی الائچی کے دانے چار ماشے....... پانچ تولہ گھی لیکر چولہے پر چڑھائیں۔ پھر الائچی کے دانے اِس میں ڈال دیں اور گوبھی کا پھول چاولوں کی طرح دانے دانے اس میں ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ جب بادامی رنگ کا ہو جائے تو دودھ، جو پہلے سے گرم کیا ہوا رکھا ہو، اِس میں ڈال دیں اور چولہے پر پڑا رہنے دیں۔ جب پھول گل جائے اور دودھ میں بھی اُبال آجائیں تو اُوپر سے میوہ اور کھانڈ ڈال دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر کیوڑے کا عرق ڈال کر استعمال کریں۔

پیاز کی کھیر

پیاز ایک کلو، دودھ چار کلو، پھٹکری دو گرام، دودھ پاؤ بھر، عرق کیوڑا حسب ضرورت، شکر ایک کلو یا حسب ذائقہ، رنگ میٹھا گاڑھا کر ایک گرام یا کم، چھوٹی الائچی پسی ہوئی تین گرام۔

پیاز کو چھیل کر اور موٹی موٹی کاٹ کر پاؤ بھر دودھ میں پانی دو کلو ملا کر اس میں پھٹکری ڈال کر پندرہ منٹ تک خوب اُبال لیا جائے اور چھان لیا جائے۔ اب پھر سادے پانی میں پیاز کو اتنا اُبال کر چھان لیا جائے۔ اسی طرح ہر مرتبہ سادے پانی میں دو مرتبہ ڈال کر اُبال اُبال کر چھان لیا جائے۔ ہر مرتبہ تازہ پانی لیا جایا کرے۔ اب اس کو خوب کپڑے میں دبا دبا کر نچوڑ لیا جائے۔ پیاز کی بو بالکل نکل گئی ہوگی۔ اگر کچھ باقی رہ جائے تو پھر ایک دو مرتبہ سادے پانی میں اُبالا جائے۔ پھر چار کلو دودھ اور الائچی میں یہ پیاز ڈال کر کھیر پکائی جائے۔ جب پکنے کے قریب ہو تو رنگ اور شکر ڈال کر خوب پکائی جائے۔ بعدہٗ اتار کر کیوڑا ڈال کر اور چلا کر ڈھک دی جائے۔ کھیر تیار ہے۔ نہایت لذیذ اور مثل ربڑی کے ہوگی۔ اسی طرح لہسن کی کھیر بھی پکتی ہے مگر اس کو دودھ اور پھٹکری میں اُبالنے کے بعد دو دو مرتبہ پھٹکری اور نمک کے پانی میں مزید اُبالنا پڑتا ہے۔

نتیجہ تاریخی مشغلہ نمبر(۱)

اس کے بہت سے جوابات موصول ہوئے صحیح جوابات کسی نے نہیں بھیجے۔ پانچ صحیح جوابات بھیجنے والے بہن بھائیوں کے نام یہ ہیں ① فوزیہ سلطانہ بنت اے۔عبدالکریم۔کافی پلانٹر ارے ہلی ۵۷۳۱۰۱ کرناٹک۔ضلع ہاسن ② ولی اللہ سعیدی۔اکبرپور جمنی تلولی بازار۔ بانسی بستی یوپی۔پن۔۲۷۲۱۵۳ ③ سرفراز احمد عربک ۴۔جامعۃ الفلاح۔بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی۔پن۔۲۷۶۱۲۱ ④ نظام الدین۔لال پور۔کوشی میڈیکل ہال پوسٹ آفس بھیم نگر ضلع سہرسا۔بہار ⑤ محمد نعیم ولد محمد سلیم بیگ - 322028 - Pin

V.P. BHATERH SAWAI MADHOPUR-RAJASTHAN

ان بہن بھائیوں کو پانچ پانچ روپے کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔

صحیح جوابات:۔ ۱ ۵۷ سال ۲ حضرت عمار بن یاسرؓ ۳ ۲۶۵ سال حضرت ادریسؑ ۴ ۳۶ سال حضرت عیسیٰؑ اور بعض کے نزدیک ۲۷ سال ۵ سلطان ابراہیم غزنوی ظہیر الدین بابر، سلطان ناصر الدین ابن سلطان التمش، سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ ۶ حضرت ام سلیمؓ ۷ ۴۳ھ ۸ ام الفضلؓ، اسماء بنت عمیسؓ، اسما بنت ابوبکرؓ، فاطمہ بنت خطاب (ہمشیرہ عمر فاروقؓ)۔ واللہ اعلم بالصواب

نتیجہ تاریخی مشغلہ نمبر ۲

اس کے بہت جوابات موصول ہوئے۔صرف ایک بہن فوزیہ سلطان بنت اے عبدالکریم صاحب کافی پلانٹر۔ارے ہلی۔ہاسن۔کرناٹک ۵۷۳۱۰۱ نے تقریباً چھ سوالات کے جوابات صحیح بھیجے۔آپ کو سات روپے کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔

شفیق اعجاز احمد خان چیف آرگنائزر ملت اسلامیہ لائبریری ۹۲-اے نیو کالونی بستہ مالو۔سری نگر

تاریخی مشغلہ نمبر (۴)

(۱) اس ام المومنینؓ کا اسم گرامی بتائیے جو جنگ خیبر میں اسیر ہو کر آئی تھیں۔

(۲) جنگ اُحد میں شہید ہونے والوں میں سے خاص طور پر حضورؐ نے کس کے متعلق دریافت فرمایا کہ وہ زندہ ہیں یا شہید ہو چکے ہیں؟

(۳) حضورؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا انتقال آپؐ کے وصال کے کتنی مدت بعد ہوا؟

(۴) سیدنا حضرت ابراہیمؑ کی کل کتنی بیویاں تھیں؟

(۵) جس چٹان پر حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی خواہش اپنا عصا مارنے سے پوری کی وہ چٹان اس وقت کہاں موجود ہے اور قرآن کے کس سورہ شریف میں اس کا تذکرہ ہے؟

(۶) حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں کتنے اصحاب نے قرآن مجید کو کتابی صورت جمع کر رکھا تھا؟

(۷) حضرت یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ کی کتنی عمر تھی؟

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات بذریعہ ڈاک ہمیں بھیجدیجئے۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۸۴ء تک ملنے والے صحیح جوابات بھیجنے والے بہن بھائیوں کے نام ماہنامہ حجاب رام پور میں شائع کئے جائیں گے اور پانچ بہن بھائیوں کو قرعہ اندازی سے دس دس روپے کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔ اپنی تعلیمی قابلیت لکھنا نہ بھولئے۔

پتہ:۔ شفیق اعجاز احمد خاں چیف آرگنائزر ملت اسلامیہ مسلم لائبریری
۹۳-اے نیو کالونی، بتہ مالو، سرینگر۔ ۱۹۰۰۰۹ (کشمیر)

کے لیے کسی موقع کا متلاشی ہوں۔"

وزیراعظم نے کہا: "ایک معمولی عہدے دار کے لیے عام طور پر اپنے افسروں کو خوش رکھنے کا مسئلہ اس قدر اہم ہوجاتا ہے کہ وہ کوئی خدمت کر ہی نہیں سکتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمھاری صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا جائے۔ تم اس نازک دَور میں سلطنتِ عباسیہ کی نہایت شاندار خدمات سرانجام دے سکتے ہو۔"

طاہر نے محسوس کیا کہ وزیراعظم قاسم کا باپ ہونے کے باوجود ایک قابلِ قدر انسان ہے اور اس کے متعلق بغداد کے لوگوں نے جو رائے قائم کی تھی وہ رقابت اور حسد کی پیداوار تھی۔ اس نے کہا۔" مجھے آپ سلطنتِ بغداد کے لیے بڑی سے بڑی قُربانی کے لیے آمادہ پائیں گے۔"

وزیراعظم نے کہا۔" موجودہ وقت میں بغداد کے خارجی معاملات بہت اُلجھے ہوئے ہیں اور ہمیں دفترِ خارجہ کے لیے نہایت ہوش مند، ذہین اور قابلِ اعتماد آدمیوں کی ضرورت ہے۔"

طاہر کو اچانک اپنی منزل کا زینہ دکھائی دیا۔" اس نے کہا۔" اپنی ذہانت اور ہوشمندی کے متعلق مجھے کوئی دعوٰی نہیں لیکن آپ مجھے قابل اعتماد ضرور پائیں گے۔"

وزیراعظم نے کہا: "میں کل وزیرخارجہ سے بات کروں گا۔ ممکن ہے کہ چند دن تک ایک نہایت اہم مہم تمھارے سپُرد کر دی جائے، شاید قاسم بھی تمھارا رفیق کار ہو۔ تم خوارزم کے سفیر سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرو اور اگر ہو سکے تو اسے یقین دلاؤ کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو خوارزم پر تاتاریوں کا حملہ برداشت نہیں کریں گے۔"

طاہر نے کہا: "کیا اسے یقین دلانے کی بھی ضرورت ہوگی؟ عالم اسلام کا ایک ذلیل ترین فرد بھی خوارزم پر تاتاریوں کا حملہ برداشت نہیں کرے گا لیکن کیا آپ کا یہ خیال

آپ کا پیغام خان ضرور ارسال کیا جائے گا۔

وزیر اعظم نے کچھ سوچ کر جواب دیا "جب تک چنگیز خان کو بغداد کی غیر جانبداری کا یقین نہ ہوگا وہ جرأت نہیں کرے گا اور ممکن ہے کہ اگر اس کی افواج نے ترکستان کی طرف پیشقدمی شروع کر دی تو ہمیں یہ بتانا پڑے کہ ہم اپنے اختلافات کے باوجود ایک اسلامی سلطنت پر تاتاریوں کی یلغار برداشت نہیں کریں گے۔ تازہ اطلاعات یہ ہیں کہ چنگیز خان کی افواج خوارزم کی شمال مشرقی سرحد پر جمع ہو رہی ہیں۔ ممکن ہے ہمیں اسے یہ پیغام بھیجنا پڑے کہ اگر تم نے خوارزم پر حملہ کیا تو بغداد کی افواج خوارزم شاہ کی حمایت کے لیے میدان میں آجائیں گی لیکن خوارزم شاہ کے عمّال کی یہ حالت ہے کہ وہ بغداد سے مملکتِ تاتار میں جانے والے تاجر کو بھی جاسوس سمجھ لیتے ہیں اور ہمارے سفیروں تک کی تلاشی لینے سے باز نہیں آتے اور اب چند دن سے تو وہ بغداد کے کسی ایلچی کو بھی سرحد عبور کر کے چنگیز خان کی مملکت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر یہی حالت رہی تو خوارزم کے ساتھ ہمارے تعلقات پہلے کی طرح کشیدہ ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ ہم ضرورت کے وقت چنگیز خاں کو تنبیہہ بھی نہ کر سکیں۔ اس لیے اگر ہم اس نازک وقت پر خوارزم کے سفیر کے ساتھ تمہارے جیسے نوجوان کی دوستی کا فائدہ اٹھا سکے تو اس میں خوارزم اور بغداد دونوں کی بھلائی ہوگی۔ اسے صلاح الدین ایوبیؒ کی بدولت تمہارے ساتھ بے حد عقیدت ہو چکی ہے۔ اس لیے تم موقع سے فائدہ اٹھاؤ۔ آج تم نے اسے بہت متاثر کیا تھا اور اس نے سب سے پہلے اٹھ کر تمہیں داد دی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ تم سلطنت خوارزم کے متعلق اپنے نیک ارادے ظاہر کر کے اسے دوست بنانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

طاہر نے جواب دیا "خوارزم کے متعلق نیک ارادوں کا اظہار میرے دل کی آواز ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ میں اسے اپنے خلوص سے متاثر کر سکوں گا اور اگر آپ

سے مجھے چنگیز خان کو تنبیہ کرنے کے لیے منتخب کیا ہے تو میں اسے اپنی خوش بختی سمجھتا ہوں۔"

وزیر اعظم نے کہا: "ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ یہ ہم کس کے سپرد کی جائے گی لیکن اگر تم نے خوارزم کے سفیر کا اعتماد حاصل کر لیا تو تمہاری کامیابی کے امکانات بہت روشن ہو جائیں گے کیونکہ خوارزم کی گزرگاہیں ہمارے لیے بند ہونے کی صورت میں ہمارے ایلچی کو مشرق کے دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں سے ایک لمبا چکر کاٹ کر وہاں جانا پڑے گا اور یہ راستہ وحشی اور لٹیرے قبائل کی موجودگی میں اور بھی خطرناک ہے۔"

کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد وزیر اعظم نے طاہر کو رخصت کرتے ہوئے کہا: "مجھے امید ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو باتیں ہوئی ہیں وہ دوسروں تک نہیں پہنچیں گی۔"

طاہر نے کہا: "اگر آپ مجھ سے یہ وعدہ نہ بھی لیتے تو بھی میں کسی کے ساتھ یہ باتیں نہ کرتا۔ بہرحال آپ کی تسلی کے لیے میں وعدہ کرتا ہوں اور میرا وعدہ ایک سیاستدان کا وعدہ نہیں۔ ایک سپاہی کا وعدہ سمجھیے۔"

وزیر اعظم کے اشارے سے اس کا محافظ طاہر کو محل سے باہر چھوڑنے کے لیے اس کے ساتھ ہو لیا۔ پہلا دروازہ گزرنے کے بعد باغ میں پاؤں رکھتے ہوئے طاہر نے کہا۔ "اب آپ جائیے۔ مجھے راستہ معلوم ہے۔"

محافظ نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو گھوڑا اپنی سرائے کے بیرونی دروازے پر بھی موجود ہوگا۔"

(۲)

طاہر پھولوں کی کیاریوں میں گزرتی ہوئی سڑک پر آ گیا [illegible] سے چل رہا تھا۔ پھولوں کی مہک سے لبریز ہوا کے جھونکے اس کے دل و دماغ میں ایک تازگی اور سرور پیدا

دیکھ چکا تھا۔ تیغ زنی کے مقابلے میں اس کی کامیابی نے اس کے لیے منزل مقصود کی کئی راہیں کھول دی تھیں، ولی عہد کا بہترین گھوڑا اور اس کی تلوار اس کے پاس پہنچ چکی تھی۔ شہزادہ مستنصر کو اس نے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ بغداد کے امراء اس کے معترف ہو چکے تھے۔ تاہم اسے یہ خدشہ تھا کہ اس نے وزیر اعظم کو ناراض کر لیا ہے۔ اس کے متعلق وہ یہ سن چکا تھا کہ وہ نہایت منتقم المزاج آدمی ہے اور اس کی ایک تدبیر اس کے تمام ارادوں پر پانی پھیر سکتی ہے لیکن دستر خوان پر وزیر اعظم کی خندہ پیشانی اور حسن سلوک نے ان خیالات کی تردید کر دی تھی اور اس کی باتوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس کا سب سے بڑا دوست اور خیر خواہ ہے۔ بغداد کا یہ جہاں دیدہ سیاست دان جس کی وہ اب تک ہزاروں برائیاں سن چکا تھا اب اسے انسانیت کے بہترین اوصاف کا پیکر مجسم نظر آتا تھا۔ طاہر کو قاسم کا خیال آیا اور اس نے اپنے دل میں کہا۔ "کاش میں اسے میدان میں اس قدر ذلیل نہ کرتا۔ وزیر اعظم وسیع النظری کے باوجود اس کا باپ ہے اور اسے یقیناً اس بات کا دکھ ہوا۔ دستر خوان پر قاسم کا موجود نہ ہونا اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اپنے دل میں ابھی تک پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ طاہر کو وزیر اعظم کے یہ الفاظ یاد آئے کہ قاسم کل یا پرسوں تک تمہارے پاس آئے گا۔ طاہر نے پہلی دفعہ قاسم کے لیے اپنے دل میں برادرانہ شفقت محسوس کی اس نے سوچا کہ وہ شاید اپنے باپ کے مجبور کرنے پر اس کے پاس آئے۔ تاہم اس کے دل میں ایک تکلیف دہ احساس ضرور ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ میں خود پہل کروں۔ خود اس کے پاس جاؤں اور یہ کہوں۔" قاسم میں تمہارا دوست ہوں۔ بغداد کی بھلائی کے لیے ملت عباسیہ کی بھلائی کے لیے ہمیں ایک دوسرے کا دوست بننا چاہیے۔" کاش! میں ... گھر جانے سے پہلے قاسم سے مل سکتا لیکن اتنی جلدی نہیں، مجھے قاسم کا غصہ ٹھنڈا ہو جانے کا انتظار کرنا چاہیے۔ کل میں عبدالعزیز کے ساتھ شکار پر جانے سے پہلے

کروں گا۔

اچانک طاہر نے اپنے ہاتھ پر کسی کی گرفت محسوس کی اور اسے پیچھے سے کوئی یہ کہتا ہوا سُنائی دیا: "ٹھہریے!"

طاہر چونک کر تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیچھے مُڑا۔ اس کے سامنے ایک خواجہ سرا کھڑا تھا۔ خواجہ سرا نے اپنے منہ پر اُنگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی اور کہا: "میرے ساتھ آیئے!"

طاہر ایک لمحے کے لیے تذبذب کے عالم میں کھڑا رہا۔ خواجہ سرا نے کہا: "ڈریے نہیں! میرا پیغام سلامتی کا پیغام ہے۔"

سڑک کے دونوں جانب بہنے والی نہروں پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سنگِ مرمر کی سلیں پلوں کا کام دے رہی تھیں۔ خواجہ سرا جلدی سے نہر عبور کر کے پھولوں کی کیاری میں کھڑا ہو گیا اور طاہر ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس کے پیچھے ہو لیا۔ کسی غیر متوقع خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کا دایاں ہاتھ تلوار کے قبضے پر تھا۔ پھولوں کی کیاری میں سے گزرنے کے بعد وہ خواجہ سرا کے پیچھے گھنے درختوں کے ایک جُھنڈ میں داخل ہوا۔ "یہاں ٹھہریے" یہ کہہ کر خواجہ سرا ایک درخت کے پیچھے غائب ہو گیا۔ خواجہ سرا کے غائب ہو جانے کے بعد طاہر نے اچانک یہ محسوس کیا کہ اس نے اپنی راہ سے بھٹکنے میں غلطی کی ہے۔ اس نے احتیاطاً تلوار نیام سے نکال لی اور درختوں کے درمیان ذرا کھلی جگہ چھوڑ کر ایک درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔

(۳)

تھوڑی دیر بعد درختوں کے پتّوں میں ہلکی ہلکی سرسراہٹ پیدا ہو... اور ایک نوجوان لڑکی درختوں کے تاریک سائے سے نمودار ہو کر اس جگہ آ کھڑ... ں جہاں کچھ دیر پہلے

وہ خوب صورت تھی۔ طاہر نے چاندنی کرنوں کو کسی پھول کی سفید پنکھڑیوں میں اس قدر تازگی اور دلفریبی پیدا کرتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ لیکن وہ کون تھی؟ طاہر ایک لمحے کے لیے تصورِ حیرت بن کر اس حسین، سادہ اور معصوم چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

نوجوان لڑکی پریشان سی ہو کر اِدھر اُدھر جھانک رہی تھی، بالآخر اس نے ہچکچاتے ہوئے آہستہ سے کہا: "آپ کہاں ہیں؟"

طاہر تلوار نیام میں ڈالتے ہوئے درخت کی آڑ سے باہر نکلا۔ لڑکی نے جلدی سے چہرے پر نقاب ڈال لی اور ایک ثانیہ توقف کے بعد کہا۔ "آپ میرے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ میں آپ کی بھلائی کے لیے آپ سے کچھ کہنا ضروری سمجھتی ہوں۔"

طاہر لڑکی کے الفاظ کے معانی سے زیادہ ان کے ترنم سے متاثر ہو رہا تھا۔

لڑکی نے پھر تھوڑی دیر رک کر کہا: "آپ بغداد میں ایک اجنبی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں آپ کے مخلص دوست بھی ہوں لیکن آپ دوست نما دشمنوں کی تعداد ہمیشہ زیادہ پائیں گے اور ممکن ہے کہ جس شخص سے آپ پھولوں کی توقع رکھتے ہوں اس کے ہاتھ میں آپ کے لیے ایک زہر آلود نشتر ہو۔ قاسم سے باخبر رہیے، آپ کے متعلق اس کے ارادے خطرناک ہیں!"

طاہر نے جواب دیا۔ "کل میں نے اس کے ساتھ کچھ زیادتی کی تھی۔ وہ یقیناً مجھ سے خفا ہوگا لیکن مجھے یقین ہے کہ میں اپنے متعلق اس کا دل صاف کر لوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں، مجھے قاسم سے کوئی خطرہ نہیں۔"

لڑکی نے کہا: "بغداد میں آپ جیسے خوش فہم آدمی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ آپ اپنے لیے کوئی ایسا گوشہ تلاش کیجیے جہاں حسد، بغض اور عناد کو دلفریب مسکراہٹوں میں نہیں چھپایا جاتا۔ جہاں دل اور زبان کے درمیان ریا کے پردے نہیں۔ قاسم کو میں

معرفات ثابت ہوئی۔

طاہر نے کچھ سوچ کر جواب دیا: "نیک دل خاتون! اس محل میں رہنے والوں کو میری بجائے قاسم سے زیادہ دلچسپی ہونی چاہیے۔ میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟"

لڑکی نے جواب دیا: "آپ کو یہ جاننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ میں قاسم سے یقیناً قریب تر ہوں لیکن مجھے اُس کا آپ کے ساتھ اُلجھنا پسند نہیں۔"

"میں اس کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟"

"اس کی وجہ؟" لڑکی نے پریشان ہو کر جواب دیا: "اس کی وجہ مجھے معلوم نہیں لیکن آپ مجھ پر اعتبار کیجیے۔ آپ کی جان خطرے میں ہے۔ آپ اپنے لیے بغداد کا کوئی گوشہ محفوظ نہ سمجھیے!"

"آپ میرے متعلق اس قدر پریشان نہ ہوں۔ میرے بازو میری حفاظت کر سکیں گے اور اس کے علاوہ میں موت سے کبھی نہیں ڈرا۔"

لڑکی نے مغموم لہجے میں کہا: "شاید میرے یہاں آنے کی یہی وجہ تھی کہ آپ موت سے نہیں ڈرتے اور میں آپ کو ڈرانا بھی نہیں چاہتی لیکن آپ کو اپنے بازوؤں پر اس قدر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ بہادر کی تلوار پیچھے سے حملہ کرنے والے کا خنجر نہیں روک سکتی۔"

طاہر نے کہا: "میں قاسم کو اس قدر بزدل نہیں سمجھتا۔"

لڑکی نے کہا: "قاسم بزدل نہیں لیکن انتقام کے جوش میں وہ سب کچھ کر سکتا ہے"

"میں اس کا جوش ٹھنڈا کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"میں آپ کی کامیابی کے لیے دعا کروں گی۔"

"میں آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا لیکن اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں"

"اس سوال کا جواب میں دے چکی ہوں۔ آپ مجھے ایک ایسی مسلمان لڑکی سمجھیے جس کے دل میں اپنی قوم کے بہادر فرزندوں کے لیے عزّت ہے۔ آپ کے متعلق میں اتنا جانتی ہوں کہ آپ ایک بہادر باپ کے بیٹے ہیں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی: نہ جاننا چاہتی ہوں۔ آپ بھی میرے متعلق زیادہ جاننے کی کوشش نہ کریں۔ زندگی میں ہمارے راستے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ آپ کی کشتی بھنور کے قریب آ چکی ہے۔ میں نے آپ کی آنکھیں کھولنا ضروری سمجھا۔ میں اپنا فرض پورا کر چکی ہوں ——— میں جاتی ہوں۔ آپ ذرا ٹھہریے۔ میں خواجہ سرا کو بھیجتی ہوں وہ آپ کو راستے پر چھوڑ آئے گا۔"

لڑکی طاہر کو حیران و ششدر چھوڑ کر درختوں میں غائب ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد خواجہ سرا نمودار ہوا اور طاہر کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے آگے آ۔ گے چل دیا پھولوں کی کیاری کے قریب پہنچ کر خواجہ سرا نے کہا "اب آگے آپ راستہ جانتے ہیں۔ مجھے اجازت دیجیے!"

طاہر کے دل میں خواجہ سرا سے اُس لڑکی کے متعلق کچھ پوچھنے کی خواہش پیدا ہوئی لیکن زبان نے دل کی تائید نہ کی۔

(۴)

طاہر مختلف خیالات کی کش مکش میں محل سے باہر نکلا۔ دروازے کے سامنے بگھی کھڑی تھی۔ کوچوان نے اسے جھک کر سلام کیا اور وہ کچھ کہے بغیر بگھی پر سوار ہو گیا۔

"وہ کون تھی؟" طاہر اپنے دل سے بار بار اس سوال کا جواب پوچھ رہا تھا۔ کل اس نے اصطبل کے سامنے دو لڑکیوں کو دیکھا تھا اور وہ غالباً ان میں سے ایک تھی۔ لیکن اس نے اس کے متعلق اس قدر پریشانی کا اظہار کیوں کیا؟ وہ قاسم سے اس قدر بدظن کیوں تھی؟ اچانک طاہر کے دماغ میں ایک خیال آیا اور اس کی پریشانی دور ہو۔ نے

لگی۔ وہ لڑکی اسے یہ سمجھانا چاہتی تھی کہ بغداد میں رہنا اس کے لیے خطرناک ہے اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں اس نے بغداد کے لوگوں کی نہایت گھناؤنی تصویر پیش کی تھی۔ کیا یہ قاسم کی شرارت نہیں۔ اور یہ شرارت اس لیے تو نہیں کی گئی کہ وہ مرعوب ہو کر بغداد سے چلا جائے؟ آخر وزیرِ اعظم کے محل میں رہنے والی ایک لڑکی کو جو یقیناً قاسم کی کوئی رشتے دار یا خادمہ ہوگی، اس کے ساتھ اس قدر ہمدردی کیوں ہونے لگی؟"

لیکن وہ خادمہ نہ تھی۔ وہ ایک شہزادی نظر آتی تھی۔ طاہر کی آنکھوں میں اس کی حسین وجمیل تصویر پھرنے لگی۔ وہ یقیناً وزیرِ اعظم کے خاندان سے تعلق رکھتی ہوگی۔ اس کے الفاظ میں خلوص تھا، اس کے چہرے پر سادگی تھی۔ وہ تصنع اور فریب سے ناواقف معلوم ہوتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اسے قاسم سے کوئی رنجش ہو لیکن وہ بہرحال ایک اجنبی تھا اور اونچے طبقے کے لوگ گھر کے معاملات ایک اجنبی کے سامنے ظاہر نہیں کرتے، پھر اسے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ وہ ایک بہادر باپ کا بیٹا ہے؟ اس نے وہ تمام معلومات کسی مرد سے حاصل کی ہوں گی اور وہ مرد قاسم کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ قاسم کسی پردے کی آڑ میں کھڑا ہو کر وزیرِ اعظم سے اس کی باتیں سن رہا ہوگا اور وزیرِ اعظم کو اس کی طرف بہت زیادہ مائل دیکھ کر اپنے حریف کو راستے سے ہٹانے کے لیے اس نے یہ سازش کی ہوگی۔ اس لڑکی کو یقیناً اس نے سکھا پڑھا کر اسے بے وقوف بنانے کے لیے بھیجا ہوگا اور اب وہ لڑکی قاسم سے جا کر یہ کہے گی کہ میں نے اسے بہت ڈرایا۔ وہ تمہارے پاس آ کر معذرت کرے گا اور تمہارے سامنے دوزانو ہو کر دوستی کے لیے ہاتھ پھیلائے گا۔"

ان خیالات سے طاہر نے دو نتائج اخذ کیے۔ ایک یہ کہ قاسم اپنے باپ کی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد اپنے گزشتہ طرزِ عمل کی تلافی کے لیے تیار ہے لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ دوستی کی تجدید کے لیے میں پہل کروں اور اس مقصد کے لیے وہ اس کے

میں ایک احساسِ مرعوبیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔
دوسرا یہ کہ اگر اس واقعے کے بعد اس نے پہل کی تو وہ یہ سمجھے گا کہ یہ اس
کی دھمکیوں کا اثر ہے' اس لیے بہتر یہ ہے کہ وہ قاسم کا دروازہ کھٹکھٹانے کی
بجائے اس کا انتظار کرے۔

اس لڑکی نے قاسم کو جس قدر خطرناک ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اسی قدر
وہ اسے سادہ اور بے ضرر نظر آتا تھا۔ اپنے گھر پہنچ کر دل میں قاسم کے لیے وہی جذبات
تھے جو ایک بڑا بھائی چھوٹے اور ضدی بھائی کے لیے محسوس کرتا ہے۔ نوجوان لڑکی کے
متعلق اس کی رائے یہ تھی کہ وہ ان امیرزادیوں میں سے ایک ہے جن کی عمر تصنع اور
بناوٹ میں گزر جاتی ہے۔ جو جھوٹ کو سچ بنانا ایک کمال سمجھتی ہیں لیکن رات کو سونے
سے پہلے جب وہ اپنے بستر پر لیٹا ہوا ان تمام واقعات پر غور کر رہا تھا' اس نے اپنے
دل سے سوال کیا۔ "کیا وہ سادہ اور معصوم لڑکی اس قدر جھوٹ بول سکتی ہے ؟"

اس سوال کا جواب سوچتے ہوئے وہ اس ذہنی کیفیت سے دوچار ہو رہا تھا
جس میں دل اور دماغ کی مختلف آوازیں انسان کو کسی فیصلے پر نہیں پہنچنے دیتیں۔

(۵)

اگلے دن صبح سے لے کر دوپہر تک قاسم گھر سے غائب رہا اور صفیہ پریشانی کی
حالت میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد محل کے خادموں سے اس کے متعلق پوچھتی
رہی۔ دوپہر کے وقت اسے معلوم ہوا کہ قاسم آ گیا ہے اور اپنے پندرہ بیس دوستوں
کے ساتھ محل کے مشرقی کونے میں بیٹھا ہوا ہے۔

محل کے اس کونے کے برآمدے کا رُخ دریا کی طرف تھا اور سنگِ مرمر کی
سیڑھیاں برآمدے کی کرسی سے شروع ہو کر دریا تک جا پہنچتی تھیں۔ پانی کی سطح سے
ذرا اوپر آخری سیڑھی پر کہیں کہیں لوہے کی میخیں لگی ہوئی تھیں اور ان میخوں کے

سامنے چھوٹی چھوٹی خوب صورت کشتیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اس سیڑھی پر کھڑے ہو کر اوپر کی طرف قصرِ خلافتؒ اور سپہ سالار اور دوسرے عہدے داروں کے محلات کے وہ حصے جو دریا کے کنارے تعمیر کیے گئے تھے، دکھائی دیتے تھے اور ہر محل کے سامنے کشتیوں کی ایک بڑی تعداد نظر آتی تھی۔

صفیہ قاسم کے ارادوں سے تھوڑی بہت واقفیت حاصل کر چکی تھی۔ اب جب اس نے یہ سنا کہ وہ اپنے پندرہ بیس دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، اس کی تشویش بڑھنے لگی۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد وہ ایک مضبوط ارادہ لے کر محل کے مشرقی کونے کی طرف چل دی۔ اس کونے پر اوپر کی منزل کے کمروں میں کبھی کبھی صبح یا شام کے وقت خواتین آ کر بیٹھتیں اور دریائے دجلہ کے دلکش مناظر سے لطف اندوز ہوتی تھیں۔ تیسری منزل پر ایک وسیع بارہ دری تھی۔ دوسری اور تیسری منزل سے دریا کی طرف اترنے کے لیے پیچ در پیچ سیڑھیاں بنائی گئی تھیں اور ان کا دروازہ دریا کی طرف کھلنے والے برآمدے کے کونے میں تھا۔

صفیہ تیسری منزل کی گیلری میں سے گزرتی ہوئی بارہ دری میں پہنچی اور وہاں سے اس نے تنگ سیڑھیوں سے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ نچلے کمرے کی چھت سے ذرا نیچے اس سیڑھی کا دروازہ ایک گیلری میں کھلتا تھا۔ اس گیلری کا رُخ پائیں باغ کی طرف تھا اور قاسم کبھی کبھی خوش گوار موسم میں اس گیلری میں بیٹھ کر اپنے کسی دوست کے ساتھ شطرنج کھیلا کرتا تھا۔

نیچے اور اوپر سے ان سیڑھیوں کے سوا اس گیلری میں آمد و رفت کا کوئی راستہ نہ تھا۔ وہ کمرہ جس میں قاسم بیٹھا تھا، اس کے دریچے اس گیلری میں کھلتے تھے۔ صفیہ ایک دریچے کے قریب بیٹھ گئی اور پردے کو تھوڑا سا ایک طرف سرکا
[illegible]

قاسم پندرہ بیس ایسے نوجوانوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا جن کے متعلق بغداد کے شریف آدمیوں میں سے کسی کی رائے اچھی نہ تھی۔ صفیہ انھیں اکثر قاسم کے ساتھ دیکھ چکی تھی۔ ان میں لوکس بھی تھا لیکن آج وہ خلاف عادت بہت سنجیدہ نظر آتا تھا۔

قاسم نے کہا: "بدنامی کے داغ خون سے دھوئے جاتے ہیں۔ اُس نے مجھے دھوکہ دیا۔ شروع میں اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ وار کرنا جانتا ہی نہیں اور میں صرف اس خیال سے کہ یہ کھیل جلد ختم نہ ہو جائے' نہایت بے پروائی سے اس پر حملے کرتا رہا۔ اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ میرے بازو شل ہو جانے کے بعد وہ اس قدر تیزی سے حملہ کرے گا تو میں شروع میں ہی یہ کھیل ختم کر ڈالتا اور لوکس کے ساتھ بھی اس نے دھوکہ کیا۔ لوکس پر اس نے خلاف توقع دھاوا بول دیا۔ خیر اب دیکھا جائے گا!"

لوکس نے کہا: "کم از کم میں اپنے متعلق یہ نہیں کہوں گا کہ اس نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ اس کی فتح برتری کا نتیجہ تھی۔ مجھے اگر کسی بات کا افسوس ہے تو وہ یہ کہ ہم نے بہادروں کی طرح ہار مان کر اس کی طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا۔"

لوکس کی زبان سے یہ بات سب کے لیے غیر متوقع تھی اور وہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

کمرے میں ایک اور شخص داخل ہوا اور سب کی نگاہیں لوکس سے ہٹ کر اس کی طرف مبذول ہو گئیں۔

قاسم نے پوچھا: "کیوں کیا خبر لائے ؟"

نووارد نے جواب دیا: "انھوں نے دریا کے اسی کنارے پر نیچے کی طرف یہاں سے کچھ دور خیمہ لگایا ہے۔ اس وقت وہ شکار کھیل رہے ہیں اور رات کے وقت...!"

قاسم نے اس کا فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا: "رات کے وقت گدھے کی نیند سو رہے ہوں گے۔ اسی کنارے پر ادھر کا طرف نیچے...

"یہ نیچے جنگل کے قریب۔"

"وہ کتنے ہیں؟"

"کُل آٹھ!"

"اور کون کون ہیں؟"

"عبدالعزیز۔ عبدالملک۔ مبارک اور افضل۔ باقی فوجی افسر ہیں، ان کے نام میں نہیں جانتا۔ ہاں، شاید ایک طاہر کا نوکر ہے۔"

قاسم نے پوچھا۔ "تمھارے خیال میں ہم گھوڑوں پر جائیں یا کشتیوں میں جانا بہتر رہے گا؟"

اس نے جواب دیا۔ "گھوڑوں پر جانے سے یہ بات راز نہیں رہ سکے گی۔ ہم کشتیوں پر راتوں رات واپس آ سکتے ہیں۔"

قاسم لوکس کی طرف متوجہ ہوا۔ "اگر آپ کو ہمارا ساتھ دینا پسند نہ ہو تو آپ یہاں رہ سکتے ہیں۔ میرے خیال میں ایک آدمی سے کوئی خاص کمی نہ ہو گی۔"

لوکس نے جواب دیا۔ "میں ان لوگوں میں سے نہیں جو غلط اور خطرناک راستوں پر دوستوں کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ بہادروں کی روایات کے خلاف ہے۔ کم از کم سوئے ہوئے دشمن پر حملہ کرنے کے لیے میری تلوار بے نیام نہ ہو گی۔"

قاسم نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تمھارا خیال ہے کہ ہم اٹھارہ ان آٹھ سوئے ہوئے آدمیوں کو قتل کرنے کے ارادے سے جا رہے ہیں۔ نہیں۔ ہم انھیں جگا کر منہ ہاتھ دھونے اور اچھی طرح مسلح ہو کر سامنے آنے کا موقع دیں گے۔ اس کے بعد اگر وہ بھاگ جائیں تو میری یہ خواہش نہیں کہ ہم خواہ مخواہ ان کے خون سے ہاتھ رنگیں۔ میں انھیں مارنا نہیں چاہتا۔ بھگانا چاہتا ہوں [illegible]

مقصد صرف یہ ہے کہ وہ مرعوب ہو کر بھاگ جائیں۔"

لوکس نے کہا: "اگر وہ مقابلہ کرنے پر اتر آئے تو؟"

قاسم نے جواب دیا: "تو ان کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو اپنا مرتبہ نہ پہچاننے والے لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔ آپ ابھی مجھ سے شکایت کر رہے تھے کہ عبدالعزیز آپ کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کرسی پر بٹھا رہا تھا۔ اگر آپ کو اپنی عزت کا پاس نہیں تو مجھے اس کا پاس ضرور ہے۔ طاہر کے ایک دوست کی طرف سے یہ فقط تمہید تھی۔ اگر ہم نے اس کی آنکھیں کھولنے کے لیے کچھ نہ کیا تو بغداد کا ہر فاقہ مست ہمارے سر پر چڑھ جائے گا۔"

"لیکن آپ کے ابا جان؟"

"ابا جان کو اگر ہمارے ارادے معلوم ہو جائیں تو شاید وہ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر منع کریں لیکن مجھے یقین ہے کہ جب میں ان کے سامنے اپنی مہم کی کامیابی کا ذکر کروں گا تو وہ آپ سب کو اپنے دستر خوان پر بلائیں گے۔"

لوکس نے قدرے مغموم لہجے میں کہا: "تو میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

قاسم نے اپنے تمام دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "یاد رکھیے طاہر کا ہر صورت میں بغداد سے کوچ کرنا ہمارے لیے بہتر ہے۔ وہ سپہ سالار کے محل اور قصرِ خلافت تک رسائی حاصل کر چکا ہے اور اگر وہ کسی بڑے منصب پر پہنچ گیا تو ہر میدان میں اپنے دوستوں کو آگے کرے گا اور ہم سب کے لیے ترقی کی راہیں مسدود ہو جائیں گے۔"

(۶)

صفیہ جو کچھ جاننا چاہتی تھی، وہ اسے معلوم ہو چکا تھا۔ وہ اُٹھی اور دبے پاؤں گیلری سے گزر کر سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔ اس کے ذہن میں بار بار یہ الفاظ گُھوم رہے تھے۔ "دریا کے اسی کنارے پر ______ یہاں سے کوئی پانچ کوس دُور۔ نیچے کی طرف۔" اس کے دل کی دھڑکن کبھی سُست اور کبھی تیز ہو رہی تھی، خیالات کے ایک ہیجان کے ماتحت۔

وہ کبھی چلتے چلتے رُک جاتی اور کبھی تیزی سے قدم اٹھانے لگتی۔ وہ طاہر کو ایک بار پھر باخبر کرنا چاہتی تھی۔ اس کی جان بچانا چاہتی تھی۔ لیکن کیوں؟ کیا اس لیے کہ وہ محض ایک بہادر نوجوان تھا ــــ ! کیا صرف اس لیے کہ وہ بغداد میں ایک اجنبی تھا! ایک اجنبی بدّو ــــ بدّو! بدّو!!" اس نے چند بار یہ لفظ دہرایا۔ اور اس میں ایک مٹھاس، ایک لذّت اور ایک کشش محسوس کرنے لگی۔ اس نے اپنے دل میں کہا: "کاش! میں بھی ایک بدّو ہوتی اور کسی صحرا کی تند ہواؤں میں اس کے دامن کا سہارا لے سکتی ــــ!" اسے سنگِ مرمر کا یہ عالی شان محل ایک بدّو کے خیمے کے مقابلے میں غیر مکمل نظر آ رہا تھا۔ وہ ان دلکش فضاؤں میں سانس لینا چاہتی تھی جہاں آزادی کے نخلستانوں میں محبت کے چشمے پھوٹتے تھے۔ جہاں مکر و ریا نے انسانیت کا چہرہ ابھی تک مسخ نہیں کیا تھا۔ اس نے پھر اپنے دل میں کہا۔ "صفیہ! صفیہ!! اپنے دل کو فریب نہ دو۔ اس کی دنیا اور تمھاری دنیا میں ایک ناقابلِ عبور سمندر حائل ہے۔ وہ ایک عام آدمی ہے اور تم وزیرِ اعظم کی بھتیجی ہو۔ تم اس کی جان بچا سکو تو یہ ایک کارِ خیر ہے۔ اس سے زیادہ ایسے خواب نہ دیکھو جن کی کوئی تعبیر نہیں۔"

وہ سکینہ کو تلاش کرتی ہوئی ایک کمرے میں پہنچی۔ سکینہ تکیے کے سہارے قالین پر بیٹھی ایک کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس نے صفیہ کی طرف دیکھ کر پوچھا: "صفیہ! تم کہاں گئی تھیں؟ میں نے تمھیں بہت تلاش کیا۔ آؤ مجھے ان اشعار کا مطلب سمجھاؤ!"

"صفیہ! سکینہ! آج گھوڑے پر سیر کے لیے نہ چلو گی؟"

سکینہ نے حیران ہو کر جواب دیا: "اس وقت؟"

صفیہ نے کہا: "میرا مطلب ہے تھوڑی دیر کے بعد۔"

سکینہ نے کتاب کی طرف دیکھتے ہوئے بے پروائی سے کہا: "شام کے وقت چلیں گے۔"

صفیہ ... [illegible]

سکینہ نے جواب دیا: "ہمارا مقصد ہے کہ بغداد کے لوگ ہم سے اپنی طرح واقف ہو جائیں اور اباجان ہمارا گھوڑوں پر سوار ہونا بند کر دیں۔ یاد ہے پچھلی دفعہ ہم دریائے دجلہ کے کنارے گئی تھیں تو وہ کس قدر ناراض ہوئے تھے!"

صفیہ نے کہا: "نقاب میں ہمیں کون پہچانے گا؟"

"لیکن ہمارے گھوڑے تو پہچانے جا سکیں گے۔" یہ سن کر صفیہ سوچ میں پڑ گئی اور اس نے اس موضوع پر زیادہ بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔

شام ہونے تک سکینہ نے اس سے چند بار پوچھا "صفیہ! تم بہت مغموم ہو، آخر بتاؤ تو سہی تمھیں کس بات کی پریشانی ہے؟" اور اس نے ہر بار یہی جواب دیا "سکینہ! آج میرا جسم ٹوٹ رہا ہے۔ گھوڑے پر ایک لمبی دوڑ لگانے کے بعد میری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔"

صفیہ کے اصرار پر سکینہ معمول سے کچھ دیر پہلے سیر کو جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ جب وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر محل سے باہر نکلیں تو صفیہ نے اپنے گھوڑے کی باگ کھینچنے اور چند بار ایڑ لگانے کے بعد اسے شوخ کرتے ہوئے کہا: "آؤ سکینہ! دریا کے کنارے ایک دوڑ لگائیں۔ ہم جلد واپس آجائیں گی۔ اس کنارے پر شہر کے لوگوں کی آمد و رفت ویسے ہی کم ہے اور اگر بالفرض کوئی ہمارے گھوڑوں سے ہمیں پہچان بھی لے تو اُسے شکایت لے کر آنے کی جرأت نہیں ہوگی اور پھر اس میں بُرائی ہی کیا ہے؟ آخر ہماری وہ مائیں اور بہنیں بھی تو تھیں جو مردوں کے دوش بدوش میدانِ جنگ میں جایا کرتی تھیں۔"

سکینہ نے کہا: "لیکن دریا کے کنارے کون سا میدانِ جنگ ہے؟"

صفیہ نے لاجواب سی ہو کر کہا: "میں سمجھی، تم ڈرتی ہو۔ لیکن میں تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ میرا خنجر تمھاری حفاظت کرے گا۔"

سکینہ کا ارادہ بدل جانے کے خوف سے صفیہ نے جلدی سے گھوڑا دریا کی طرف موڑ دیا اور آنِ کی آن میں یہ دونوں شہر کی آبادی سے نکل گئیں۔ تھوڑی دُور آگے جاکر سکینہ نے شور مچانا شروع کیا۔ "صفیہ! ٹھہرو! آگے جانا خطرناک ہے۔ صفیہ! صفیہ!! کیا تم حسن بن صباح کی جنت میں پہنچنے کا ارادہ کر چکی ہو؟"

صفیہ کی تدبیر کامیاب ہو چکی تھی۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ سکینہ تھوڑی دُور تک اس کا ساتھ دے۔ اس نے گھوڑا روکے بغیر مڑ کر سکینہ کی طرف دیکھا اور یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ گھوڑے کی باگ کھینچ کر اسے روکنے کی کوشش کر رہی ہے، بلند آواز میں کہا۔ "سکینہ! یہ گھوڑا آج ذرا سرکشی دکھا رہا ہے۔ میں اس کا مزاج درست کرنا چاہتی ہوں۔ تم اگر آگے جانے سے ڈرتی ہو تو ٹھہرو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

اور سکینہ کہہ رہی تھی۔ "کیسی بے وقوف ہو تم۔ میں نے تمھیں کہا نہیں تھا کہ اس گھوڑے پر صرف قاسم سوار ہو سکتا ہے۔ تم اس پر مت چڑھو!"

صفیہ نے مڑ کر جواب دیا۔ "اس کا جوش ابھی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ دو کوس اور بھاگے گا۔"

سکینہ نے کچھ دور اور اس کا ساتھ دیا اور بالآخر وہ گھوڑے کو روک کر انتہائی پریشانی کی حالت میں صفیہ کے صبا رفتار گھوڑے کی طرف دیکھنے لگی۔ گھوڑا گرد کے اُڑتے ہوئے بادلوں میں روپوش ہو گیا اور سکینہ دیر تک وہاں کھڑی رہی۔

سُورج غروب ہونے میں کافی دیر تھی۔ کنارے کے آس پاس کسانوں اور چرواہوں کی چند بستیاں دیکھ کر سکینہ نے اپنے متعلق کوئی زیادہ خطرہ محسوس نہ کیا۔

چند بار سکینہ کو غصہ آیا اور اس نے چاہا کہ واپس جائے لیکن جب اسے یہ خیال آتا کہ گھر جا کر کیا بتائے گی؟ تو اس کا ارادہ بدل جاتا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اس کا ایک بُعد

اسے موڑ لیا اور پھر کوئی ایک میل آہستہ آہستہ شہر کی طرف چل کر رک گئی۔

مغرب کی طرف شفق کی سُرخی چھا رہی تھی۔ درختوں کے سائے تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ پرندے کھیتوں سے آشیانوں کی طرف پرواز کر رہے تھے۔ سکینہ کی تشویش بڑھ رہی تھی۔ تاہم وہ اپنے دل کو تسلّی دینے کے لیے یہ کہہ رہی تھی: "وہ ایسی نادان نہیں۔ وہ یقیناً بہت دور نہیں گئی ہوگی۔ وہ مجھے ستانے کے لیے دریا کے کنارے کسی درخت کی آڑ میں چھُپ کر کھڑی ہوگی۔ اگر میں چل پڑوں تو وہ گھوڑا دوڑا کر مجھ سے آملے گی اور پھر میرے قریب پہنچ کر زور سے قہقہہ لگائے گی۔ سکینہ کے دل میں دوسرا خیال آیا لیکن خدانخواستہ اگر اسے کوئی حادثہ پیش آگیا ہو تو! پھر بھی مجھے چلنا چاہیے۔ میں ابّا جان سے کہہ دوں گی کہ اس کا گھوڑا سرکش ہو کر اس طرف نکل آیا تھا۔

بہت دیر سوچنے کے بعد سکینہ نے واپس چلنے کا فیصلہ کیا۔ تاہم اس اُمید پر کہ صفیہ آرہی ہوگی، وہ کبھی کبھی گھوڑے کو روک کر اس کا انتظار کرنے لگتی ٭

سیرت پاک پر بہترین کتب

کتاب	قیمت
رحمۃ اللعالمین	1/25
میلاد النبی	-/75
سرور عالم	-/50
سرور عالم کا اصلی کارنامہ	-/60
سید انسانیت	15/-
حیات رسول (سوالات مع جوابات)	5/-
دُرِّ یتیم	5/-
رسول کریم	[illegible]
پیارے نبی [illegible] ایسے تھے	1/-
سیرت سرور عالم - اول	60/-
سیرت سرور عالم - دوم	60/-
سیرت ختم الرسل	4/-
محسن انسانیت	44/-
حضرت محمد (آغوش آمنہ سے غار حرا تک)	13/-
حضرت محمد (غار حرا سے غار ثور تک)	22/-
محمد عربی	13/-
رسول کریم	15/-
قائد انسانیت	15/-
سیرت کا پیغام	1/-

اپنی غلط فہمیاں دور کیجئے

کتاب	قیمت
علماء کے لئے لمحہ فکریہ	-/75
رُوْ سرگزشت	2/50
معیار حق کیا اور کون؟	2/-
مولانا مودودیؒ پر اعتراضات کی حقیقت	1/50
یا لیت قومی یعلمون	6/50
مولانا مودودیؒ ہی مجرم کیوں؟	2/50
جماعت اسلامی حقیقت کے آئینے میں	2/-
جماعت اسلامی ہند حقائق اور الزامات	1/-
رد فتنۂ مودودیت	4/-
مولانا علی میاں اور مولانا مودودیؒ	3/-
غلط فہمیاں	1/50
مولانا مودودیؒ پر اعتراضات کا علمی جائزہ - اول	12/-
مولانا مودودیؒ پر اعتراضات کا علمی جائزہ - دوم	12/-
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح پر ایک نظر	5/-
امیر جماعت اسلامی ہند کی مولانا حسین احمد مدنیؒ سے مراسلت	9/-

ملنے کا پتہ: **مرکزی مکتبہ اسلامی چتلی قبر دہلی ۶**

REGD. NEWS PAPER

Regd No MRD

HIJAB (URDU MONTHLY) • Rampur (U.P.) 244
Regd No. [illegible] 38470

SEPTEMBER 1984

تین نئے ناول

سعد و سلمیٰ

قیمت [illegible] روپیہ

نومبر ۱۹۸۴ء

صفر ۱۴۰۵ھ

ماہنامہ حجاب

مدیر: مائل خیرآبادی

جلد نمبر ۱۵ — شمارہ ۱۷۳

زرِ تعاون

سالانہ	-/۵۰	پچاس روپیہ
سالنامہ کی رجسٹری کیلئے	-/۳	تین روپیہ
کل	-/۵۳	ترپن روپیہ
وی پی سے	-/۶۰	ساٹھ روپیہ
ایک شمارہ	-/۵	پانچ روپیہ

پرائٹر، پرنٹر، پبلشر محمد اسحٰق، مقام اشاعت بارہ دری محمود خاں رامپور۔ یوپی (۲۴۴۹۰۱) مطبوعہ ماز آفسٹ ورکس دہلی

ایمانیات

یہ نامے میرے نام!

زمانے کی گواہی ۱۳

مقالات و مضامین

افسانے اور کہانیاں

منظومات

اللہ کی نعمتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حجاب کے مسائل وسائل نمبر کے بدلے یہ عام شمارہ پاکر آپ حیران رہ گئے ہوں گے کہ یہ اچانک کیا سے کیا ہوگیا حجاب کی زندگی میں یہ پہلا سوئے اتفاق ہے۔ اِس کے پیچھے کیا کہانی پیش آئی، اِس کا بیان یہاں مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

مسائل وسائل نمبر کے سارے 'وسائل' ہمارے ہاتھ میں تھے لیکن اچانک ایک خاص جذبے کے تحت ہم خود کو ان وسائل سے محروم کر بیٹھے۔ اُمید تھی کہ یہ وسائل بروقت ہمیں پھر مہیا ہو جائیں گے، مگر ایسا نہیں ہوا اور ہمیں وہ چرکا لگ گیا جو نہ لگنا چاہیئے تھا۔

اِس وقت جب کہ مسائل وسائل نمبر پریس کو بھیج دینا چاہیئے تھا، میں نے جلدی جلدی نومبر ۱۹۸۴ء کا شمارہ مرتب کیا۔ اِسی عجلت کی وجہ سے وہ خاص مضمون جو "دلہن بھابی" اور "بیٹی کے نام خطوط" وغیرہ کے عنوان سے آرہے تھے، نہ لکھے جا سکے۔ آپ دیکھیں گے کہ حجاب میں اوریجنل (طبعزاد) مضامین کم ہیں اور دوسرے رسائل سے ماخوذ زیادہ۔

وسائل سے محرومی کے اِس نئے تجربے کے بعد شاید مستقبل قریب میں ہم اِس قابل نہ ہو سکیں گے کہ مسائل وسائل نمبر آپ کو دے سکیں۔ اِس لئے سوچا ہے کہ ہر شمارے میں اِس کے ایک ایک دو دو مضمون دیتے رہیں۔ چنانچہ اِس شمارے میں مسائل وسائل نمبر کے دو مضامین آپ ملاحظہ فرمائیں (۱) جماعتِ اسلامی کی ضرورت، اِس کا قیام اور کام (۲) اِنتشارِ ملت کے اسباب اور اُس کا حل

اِن دونوں مضمونوں کو پڑھ کر آپ اندازہ لگا لیں گے ہم نے مسائل وسائل نمبر کے لئے کتنی محنت کی ہوگی۔ بہرحال تقدیر سے جنگ کسی کے بس کی نہیں۔ اَلسَّعْیُ مِنِّی وَالاِتْمَامُ مِنَ اللہ۔ میرا کام کوشش کرنا ہے، کام کا پورا ہونا اللہ کے بس میں ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے

گزارش

[illegible]



پیارے نامے میرے نام

※ ذوالقرنین۔ شیش گڑھ

مکرمی جناب چچا مائل صاحب! سلام مسنون۔

شدتِ انتظار کے بعد اگست کا حجاب موصول ہوا۔ دلفریب و معنی خیز ٹائیٹل دیکھ کر دلی شادمانی ہوئی۔ میاں طفیل صاحب کی نصیحتیں بہت پسند آئیں اور خواتین میں دینی شعور پیدا کرنے کی مزید ہمت بڑھی ہے۔ اِس شمارے میں آپ نے میرے مضمون 'حیا' کو شائع کرکے جو قوت پیدا کی ہے اور جس طرح آپ نے مجھے آگے بڑھنے میں مدد کی ہے اُس کا اجر خدائے تعالیٰ آپ کو دونوں جہان میں عطا کرے۔ آمین۔

آپ کا 'سعد و سلمیٰ' اور 'بنتِ سراقہ' بہت ہی پسند آیا ہے۔ ہماری بہنیں آپ کی کتابیں بہت ذوق سے مطالعہ کرتی ہیں۔ 'رسول کریمؐ نمبر' لکھ کر تو آپ نے ہم لوگوں کے لئے سیرتِ نبوی پر ایک اچھوتے اور انوکھے انداز میں رہنمائی فرمائی ہے۔ خدا آپ کو تادیر قائم رکھے۔ محترم چچا جان! ہمارے یہاں بحمدللہ خواتین میں دینی شعور بیدار ہو رہا ہے۔ تحریکِ اسلامی سے محبت بڑھتی جا رہی

ہے۔ رمضان المبارک سے باضابطہ درسِ قرآن و درسِ حدیث کا سلسلہ جاری ہے۔ پھر اس وقت چند بہنیں نماز پنجگانہ و نماز جمعہ جامع مسجد سے متصل درس گاہ نسواں میں اکٹھا ہو کر ادا کرتی ہیں۔ مسجد کے امام لاؤڈ اسپیکر سے نماز جمعہ و جماعت پڑھاتے ہیں۔ کیا ہم لوگوں کا یہ سب کرنا باعثِ ثواب ہے یا نہیں؟ مسجد میں آنے والی خواتین شرعی پردے سے آتی جاتی ہیں۔ ویسے اس نئے کام سے بہت سی بہنوں کو نماز کا طریقہ و دعائیں یاد ہو رہی ہیں۔ میرے اس سوال کا جواب حجاب میں شائع کردیں۔ گھر والوں کو سلام قبول ہو۔ والسلام

❋ فوزیہ سلطانہ۔ اریہلی

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

ماہ اگست ۱۹۸۴ء کا حجاب دیدہ زیب ٹائیٹل کے ساتھ ملا۔ مضامین اچھے تھے۔

یہ خط لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جیسے ہی میں نے حجاب کھولا اور فہرست عنوانات میں میرا نام پسندیدہ اشعار میں نظر آیا، بہت خوشی ہوئی کہ میرے بھیجے ہوئے اشعار شائع ہو گئے۔ لیکن حجاب کا کونہ کونہ چھان ماری، اشعار کا کہیں پر پتہ نہیں۔ اور ' امۃ المغر۔ کوٹلہ' کی 'دولت' جو صفحہ ۱۴ پر موجود ہے، فہرستِ عنوانات میں کہیں پر بھی موجود نہیں۔ شاید یہ سب غلطی سے ہو گیا ہے۔ خیر، امید ہے کہ دوسرے شمارے میں میرے اشعار شائع کریں گے۔ والسلام۔

❋ محمد نعیم۔ جامعۃ الفلاح۔ بلریا گنج

خدا کا فضل ہے کہ ماہنامہ حجاب ایک عرصہ سے دین کی خدمت انجام دے رہا ہے اور آپ اپنے قلم مبارک سے دین کی اشاعت کا ایک عظیم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اللہ آپ کو ثواب دارین عطا فرمائے۔ آمین!

حجاب نظر نواز ہوا۔ میاں طفیل محمد صاحب کا 'خواتین' سے خطاب اور نسیم حجازی کا ناول 'آخری چٹان' بہت پسند آئے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگست کا شمارہ بہت زیادہ بے احتیاطی لاپرواہی اور غفلت سے شائع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں بہت زیادہ بے ترتیبی نظر آرہی ہے۔ صفحہ ۵۲ کے

صفحہ ۶۵ آگیا ہے، اور یہ لاپروائی کی بہت بڑی نشانی ہے۔ اِس لئے آپ اِس پر مکمل توجہ فرمائیں اور حجاب کو عوام کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور کارآمد بنائیں تاکہ آپ اپنے فریضے سے سبکدوش ہو سکیں۔ میری یہی دعا ہے کہ اللہ آپ کو صحت عطا فرمائے اور آپ کی عمر دراز کرے۔ فقط والسّلام۔

٭ شبانہ بانو۔ شیش گڑھ ضلع بریلی

محترم جناب چچا مائل صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

میں حجاب کی ممبر ماہ جون سے ہو چکی ہوں۔ خدا کا فضل ہے کہ اب تک برابر ہر شمارہ دستیاب ہوتا رہا ہے۔ آپ سے اور حجاب سے کچھ زیادہ ہی انسیت بڑھ چکی ہے۔ اِسی وجہ سے حجاب پاتے ہی خوشی سے جھوم جاتی ہوں۔ پھر ہماری باجی بھی حجاب کا مستقل مطالعہ کرتی رہتی ہیں۔ خدا آپ کی عمر اور زیادہ کرے جس سے ہم سب دینی تربیت حاصل کر سکیں۔ رسولِ کریم نمبر اور آج کا حاتم ہم لوگوں کو بہت پسند آیا ہے۔

اگست کا شمارہ اب تک موصول نہ ہوا جس کی وجہ سے بڑی بے قراری رہتی ہے۔ کافی اِنتظار کے بعد خط لکھ رہی ہوں۔ آپ فوراً اگست کا حجاب بھیج کر تسلی بخشیں اور مفید مشورے سے نوازیں۔ امّی، باجی آپ کو اور گھر والوں کو سلام کہتی ہیں۔ والسلام

٭ عزیز الرحمن۔ آگنی گاؤں ضلع گلبرگہ

آپ کی کتابیں اِتنی اچھی ہیں کہ بار بار دل پڑھنا چاہتا ہے۔ ایمان تازہ ہوتا ہے۔ ٹانک ہیں۔ مالدار لوگوں کے بچے آج کل اُردو نہیں پڑھ رہے ہیں۔ انگریزی مدرسوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ناچیز کا خیال ہے کہ آپ اپنی کتابوں کو دوسری زبانوں میں ترجمہ کرا کے شائع کریں تو لوگوں کو فائدہ پہونچے گا۔ کم از کم پہلے '۹۹ قتل کے بعد' جو چھوٹی سی کتاب ہے اُس کا ترجمہ کرا کے پہلے ہندی میں اور پھر انگریزی میں شائع کریں۔ ہندوستان میں چودہ ۱۴ بڑی زبانیں ہیں۔ ہر ایک میں ترجمہ ہوجائے تو بہت ہی اچھا ہے۔

اللہ آپ کو تندرست رکھے اور آپ کی عمر میں اِضافہ کرے اور آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے

حجاب

اکتوبر ۱۹۸۳ء

میری کتابوں کے ترجموں کی اشاعت

میری کتابوں کا ترجمہ کنڑی اور ٹامل زبانوں میں

جماعتِ اسلامی کے پرانے رکن جمیل احمد صاحب کی نگرانی میں بہت دنوں سے ہو رہا ہے۔ اب تک دس بارہ کتابوں کے ترجمے کا مجھے علم ہے اور ترجمہ شدہ کتابوں کے دو دو نسخے میرے پاس آچکے ہیں۔ اب انگریزی میں جناب عبد الرشید صاحب شولاپوری نے میری کتابوں کا ترجمہ کرنا شروع کیا ہے اور وہ تین کتابوں کا ترجمہ کر کے نیز ٹائپ کرا کے میرے پاس بھیج چکے ہیں۔ سب سے پہلے موصوف نے "ایک انسان دو کردار" کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد اب یہ کام برابر کر رہے ہیں اور ترجمہ شدہ مسودہ میرے پاس بھیج رہے ہیں۔ ایک سوال ہے اشاعت کا۔ تو اس سلسلے میں ایک تجربہ عرض کروں۔ تین سال ہوئے۔ میں نے اپنی کتاب "اسلامی نظام میں عورت کا مقام" کا ہندی اور انگریزی میں ترجمہ کرایا تھا۔ یہ کام میں نے دِلّی میں ایک ذمہ دار شخص کے سپرد کیا۔ معاوضہ بھی اچھا دیا۔ لیکن جب کتاب چھپ کر آئی تو کمپوزنگ میں بڑی غلطیاں نکلیں۔ میں اس کام کی نگرانی اپنی بینائی کی کمزوری کے سبب سے کر نہیں سکتا اور نہ میرے پاس اتنا پیسہ ہے کہ ان تمام کتابوں کو دوسری زبانوں میں منتقل کرا کے شائع کرسکوں۔ ہاں اگر کوئی اللہ کا بندہ اس کام کو کرنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہو اور مجھ سے تعاون کرنا چاہے تو میں پورا تعاون دوں گا۔ میں آپ کے اس خیال سے بالکل متفق ہوں کہ کم سے کم ہندی میں اور انگریزی میں میری کتابیں آجائیں۔ بے شک فائدہ ہوگا۔ (مائل خیرآبادی)

❋ سفرِیڈر نمبر ۳۳۲۳

بجواب اگست ۸۴ء کی پسندیدگی پر اظہارِ خیال: ★ اداریہ : بہترین۔ ہر مقام کا پن کوڈ نمبر اور پتہ رہنا چاہیئے ★ ص۵ مگر وہ ڈر گئی۔۔۔۔ ذرائع ابلاغ قابلِ تحسین ★ دلہن بھابی : شاندار ★ ص۱۰ اجاب سے سالک وصا پوری کی دل چسپی ترقی کا باعث ★ ص۱۲ بدلتے رُخ : بہتر ★ ص۱۱ ایک منزل دو راہیں قابلِ قدر ★ آپ کے قلم سے تربیت نمبر کی سخت ضرورت ہے۔

زمانے کی گواہی

یوسف اسلام

دین حق کی توسیع و اشاعت کی خبروں
سے دلچسپی رکھنے والوں کو یقیناً یاد ہوگا کہ چند سال
بل یورپ کے مشہور گلوکار کیاٹ اسٹیونس نے
سلام قبول کرکے اعلان کیا تھا کہ وہ اب اسلامی
علیمات پر کاربند رہتے ہوئے اپنی آئندہ زندگی
اسلام کی تبلیغ میں لگا دے گا اسٹیونس یورپ کا
مقبول عام پاپ سنگر تھا اور جدید موسیقی پر
گیت گانے میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا اس
پیشہ میں شہرت اور نام و نمود کے ساتھ اسے
لاکھوں پونڈ سالانہ کی آمدنی بھی ہوتی تھی لیکن جب
وہ کیاٹ اسٹیونس سے "یوسف اسلام" بن
گیا تو اس نے اس پیشہ سے بھی توبہ کرلی اور
اپنے پسندیدہ دین کی تبلیغ میں لگ گیا۔ اسی
یوسف اسلام کے بارے میں معلوم ہوا ہے
کہ وہ لندن کے ایک علاقہ میں دعوت و تبلیغ
کے کاموں میں مصروف ہے اس نے بچوں،
اور نومسلم بالغوں کے لیئے ابتدائی دینی مدرسے
بھی قائم کر رکھے ہیں ہر اتوار کو ایک بڑا اجتماع
کرکے غیر مسلموں کے سامنے دین حق کی دعوت
پیش کرتا ہے اس کی کوششوں کے نتائج
بھی ظاہر ہو رہے ہیں یورپ، امریکہ کے متعدد
افراد اسلام قبول کرچکے ہیں

مکتوب نگار کا احساس

یوسف اسلام
کی ان سرگرمیوں
کا حال ایک اردو روزنامہ میں شائع شدہ
ایک مکتوب سے معلوم ہوا ہے مکتوب لندن
سے لکھا گیا ہے جس کے مطابق یوسف کی تبلیغ
کے نتیجہ میں مسلمان ہونے والے افراد دینی
تعلیمات کی سختی سے پابندی کرتے ہیں اور
دوسروں کو بھی اپنی طرف بلاتے ہیں

قبولِ اسلام کی وجہ سے ان لوگوں کو سخت
آزمائشوں سے گزرنا پڑ رہا ہے والدین اور
رشتہ دار انھیں ورثہ سے محروم کرکے ان کے
لئے مشکلات پیدا کر دیتے ہیں لیکن وہ لوگ
اسلام پر ثابت قدم ہیں ۔ یوسف اس علاقہ
کے لوگوں میں بہت مقبول ہیں ان کی مدد سے
نومسلموں نے ایک جگہ اپنی نئی کالونی بھی آباد کر
لی ہے ۔ یہ سب لکھنے کے بعد مکتوب نگار اپنے
اس احساس کا اظہار کرتے ہیں کہ " جب میں ان
نومسلموں کو اللہ پاک کے فرمان اور سنّت
رسولؐ پر سختی سے عمل کرتے ہوئے دیکھتا ہوں
تو مجھے خود کو مسلمان کہتے ہوئے شرم محسوس
ہوتی ہے ۔"

مجھے ایسا لگا

فرانسیسی خاتون جن کا اسلامی نام امینہ
حسن ہے بین الاقوامی کاروباری حلقوں میں
"ملکۂ تجارت" کے نام سے معروف ہیں ۔ قسامِ
ازل نے انھیں دین و دولت سے یکساں طور
پر مالا مال کیا ہے انھیں ایک معمولی حیثیت
سے سرمایہ دار بنایا اور پھر قبولِ اسلام کا شرف
بھی عطا کیا ۔ امینہ حسن اجناس اور روغنیات
کی تجارت کرتی ہیں ۔ پیشۂ تجارت سے وہ کس
طرح منسلک ہوئیں ؟ اس سوال کا جواب د
ہوئے انھوں نے کہا ۔

" میں غیر ارادی طور پر تاجر بن گئی
ہوا یوں کہ میں بیونس آئرس (ارجنٹینا
دارالحکومت) میں واقع ایک بہت بڑ
تجارتی کمپنی سے منسلک تھی اس کمپنی کی ایک
شاخ پیرس میں بھی تھی اور میں اس میں سکریٹری
طور پر کام کرتی تھی ۔ میری عمر اس وقت اٹھا
سال تھی ۔ ایک روز کمپنی نے ایک اشتہار دیا
ایسے ایک شخص کی ضرورت ہے جو اجناس ک
برآمد کا ایک بڑا سودا طے کر سکے ۔ میں نہیں جانت
کہ اس وقت میں نے خود کو اس اہم ذمہ دار
کے لئے کیوں پیش کر دیا ۔ مجھے تجارت کے
بارے میں بنیادی معلومات بھی حاصل نہیں تھیں
اور میری مثال اس عورت کی تھی جو تیرنا بھی نہ جانت
ہو اور بلا سوچے سمجھے سمندر میں کود پڑے مگر
اس کے باوجود لاشعوری طور پر اس کام کا بیڑا اٹھا
لیا ۔ فلور ملوں میں گئی ۔ اجناس کے معائنہ کے

[خ]صوصی طور پر ٹریو سے رابطہ قائم کیا اور
[خ]ریداروں سے بھی بات چیت کی ۔ الحمدللہ
[تم]ام مراحل خوش اسلوبی سے طے پا گئے ۔

زندگی کا کوئی خوبصورت ترین تجربہ؟

ہماری کمپنی نے میرے ایک رفیق کار کو لیبیا میں ایک کمپنی کے پاس ایک سودا طے کرنے کے لئے بھیجا مگر وہ ناکام ہو گیا اور لیبین کمپنی اور ہماری کمپنی کے مابین تعلقات تقریباً منقطع ہو گئے خریداروں کی طرف سے ایک خط ہماری کمپنی کے منیجر کے نام آیا جس میں لکھا گیا تھا لیبیا میں کسی ایسے شخص کو بھجوایا جائے جو زیادہ تجربہ کار اور ذمہ دار ہو تاکہ بات چیت دوبارہ کی جائے چنانچہ کمپنی نے اس مقصد کے لئے مجھے لیبیا بھجوا دیا اور خدا کا شکر ہے کہ میں کامیاب ہو گئی ۔

شروع میں میں نے مغربی ملکوں میں کام کیا ۔ بعد میں عرب ملکوں کی طرف توجہ دی ۔ چنانچہ الجزائر، مصر، تیونس لیبیا اور شمالی یمن سے تجارت کا آغاز ہوا ۔ سعودی عرب سے بھی محدود پیمانے پر تجارتی تعلقات برقرار رہے ۔ شروع میں اسلامی ملکوں کے تاجر ایک خاتون کے ساتھ کاروبار کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے مگر بتدریج میں نے ان لوگوں کا اعتماد حاصل کر لیا ۔

کیا آپ مرد اور خاتون تاجر میں کوئی فرق محسوس کرتی ہیں ؟

کام تو ایک ہی ہے مگر اس میں مرد کی نسبت عورت کی پوزیشن ذرا مختلف ہوتی ہے بالخصوص عرب ملکوں میں اسے مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان لوگوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے بعض اہم تجربات کرنا پڑتے ہیں یہاں عورت احترام نفس اور اعلیٰ کردار کے ساتھ کاروباری زندگی کا آغاز کرتی ہے اور اس کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کی عادات اس علاقہ کے لوگوں کی عادات سے متصادم نہ ہوں ۔ کاروباری خاتون کے لئے ضروری ہے کہ با کردار، عمل، سادہ اور استقامت پسند ہو اور اپنے افکار کو عمدگی کے ساتھ پیش کرے ۔

مجھے اعتراف ہے کہ اس کام میں

بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں اور استقامت اور صبر کا تقاضہ کرتا ہے۔ میرے ذہن میں اکثر قرآن پاک کا لفظ "صبر" گردش کرتا رہتا ہے۔ اس جگہ آ کر میں بتاؤں کہ میں نے اسلام کیسے قبول کیا؟

میرا خیال ہے کہ میں ہمیشہ ہی اسلام کی طرف مائل رہی ہوں۔ ایک روز جب میں سیاحت کے سلسلے میں مصر کے شہر رسوان گئی ہیں دریائے نیل کے کنارے ایک ہوٹل میں مقیم تھی۔ ظہر کے وقت میں نے اذان کی آواز سنی مجھے اس طرح محسوس ہوا کہ یہ آواز میرے لئے ہے۔ اسی دن میں نے اسلام کے مطالعہ کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ پیرس واپسی پر میں نے جنیوا (سوئٹزر لینڈ کا شہر) میں ایک جامعہ کی طرف رجوع کیا جہاں اسلام کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ یہیں میرا رابطہ عرب باشندوں سے ہوا جنھوں نے مجھے عربی زبان سکھائی۔ اس کے بعد میں نے قرآن پاک پڑھا۔ جامعہ میں تعلیم کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ شیخ عمر کی شاگرد بنی اور ان ہی کے ہاتھوں پر اسلام قبول کر لیا۔ میری زندگی کا یہ اہم ترین واقعہ [illegible]

دوسرا اتفاق یہ ہوا کہ میں طیارے پر سوار ایونس[illegible] کی طرف جا رہی تھی کہ راستے میں پائلٹ حسن [illegible] تعارف ہوا۔ میں اس کے کردار سے متا[illegible] اور اس طرح ہم دونوں شادی کی زنجیر میں [illegible] ہو گئے۔

اتباعِ شریعت

ایک شخص نے حضرت جنید بغداد[illegible] سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص کہے کہ اس کی تمام حر[illegible] و سکنات کا سرچشمہ ذات باری ہے مثلاً آستین کی حرکت جو جنبش دست سے پیدا ہوتی ہے گھاس کے تنکے کی لرزش جس کا سبب ہوا ہے آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا اگر ا[illegible] شخص احکام شرع کا پابند ہے تو میری نگا[illegible] میں وہ مومن ہے موحد پاک ذات ہے لیکن وہ گفتگو میں لطف پیدا کرنے کے فلسفہ بگھارتا ہے تو ایسے شخص کو میں کا[illegible] اور ملحد بے باک کہوں گا۔ یعنی اصل اتباعِ شریعت ہے

وسائل   (سالک دھامپوری)

ایسا بھی ہوتا ہے

ہمارا ملک ایک جمہوری ملک ہے اور اس ملک میں آئے دن غیر جمہوری واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے ملک میں عوام کے لئے قانون ہے اور اس قانون کا مطلب یہ ہے کہ ملک کے عوام کی جان و مال کی ہر ممکن حفاظت کی جائے۔ عوام کو ہر ممکن انصاف دلایا جائے۔ لیکن کیا واقعی ہمارے ملک کے حکمراں اور ہمارا قانون عوام کے ساتھ انصاف کر رہا ہے ...؟

ہم ذیل میں ملک میں ہونے والے ... میں سے کچھ اہم واقعات پر اپنی اظہار کر رہے ہیں۔

بچے کہاں گئے؟

... میں بچوں کے اغواء اور اغواء کئے گئے بچوں کے اعداد و شمار کو لے کر لوک سبھا میں بحث چھڑی تھی۔ لوک سبھا میں بذات خود وزیر داخلہ تک نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ملک میں بچوں کے اغواء کے واقعات بڑی تیزی کے ساتھ رونما ہو رہے ہیں۔

کسی گھر سے اور کسی بھی مقام سے اغواء کنندگان بچوں کو بہلا پھسلا کر، ڈرا دھمکا کر یا کسی قسم کا لالچ دے کر اغواء کر لیتے ہیں۔ اس کے ماں باپ اپنے جگر کے ٹکڑے کی راہ دیکھتے رہتے ہیں۔ اور ان کی آنکھوں کا نور، کلیجے کا ٹکڑا واپس نہیں آتا۔

کتنی لرزہ خیز بات ہے یہ... جو لوگ اس اذیت سے گزرتے ہیں ان کی اس تکلیف کا دوسرے اندازہ نہیں کر سکتے۔ بچہ اگر مر جائے تو صبر آجاتا ہے لیکن جب وہ غائب

ہوجائے تو یہ اذیت انتہائی تکلیف دہ اور مسمار
ڈالنے والی ہوتی ہے۔

حکومت اور حکومت کا محکمہ پولیس ابھی
تک اس قسم کے جرائم کو ختم کرنے میں بری طرح
ناکام رہا ہے۔ حکومت کی ناکامی اور پولیس کی
بے حسی کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہوگا کہ
پچھلے دنوں راجدھانی میں علی پور بال گرہ سے
۳۴ بچوں کا اغوا کیا گیا۔ ان ۳۴ بچوں میں سے
صرف چار بچے ہی واپس آسکے۔ بقیہ ۲۹ بچے
کہاں ہیں، کیسے ہیں، زندہ بھی ہیں یا نہیں..؟
یہاں قانون، پولیس اور حکومت سب خاموش
ہیں۔

یہ چوپڑا خاندان کے بچوں کے قاتلوں کو
تلاش کرنے والی پولیس جس نے رات دن
ایک کر دیا تھا۔ نہ جانے کیوں ان یتیم بچوں کو
آج تک تلاش نہ کر سکی

حکومت چاہے اس بات کو نہ مانے
لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان بچوں کے اغوا کو
میں پولیس کا ہاتھ ہے۔

ملکی اخبارات میں اس طرح کی خبریں پڑھے
ہوں گے کہ فلاں مقام پر ایک بہو کو زندہ
دیا گیا۔ فلاں مقام پر نوجوان لڑکی
خودکشی کر لی

ان خبروں کی تفصیل سے پتہ چلتا
کہ اس طرح کی اموات جہیز کے سبب ہو
واقعی یہ ایک المیہ ہے کہ ہمارے ملک میں
وقت یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا کوئی حل
ملک کے سیاستدانوں کے پاس ہے نہ ملک
کے دانشوروں کے پاس ہے اور نہ ہی
رہنماؤں کے پاس ہے۔

اعداد و شمار کو دیکھ کر اندازہ ہوتا
صرف راجدھانی دہلی میں ہی روزانہ ایک دو لڑ
کو جہیز کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے

تازہ خبروں کے مطابق معلوم ہوا
کہ جہیز کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے کچھ
قانون بنیں گے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قانون سا
[illegible] کیا ہمارے دستور میں
قوانین ہیں۔ [illegible] جہیز کے [illegible] قانون

قانون اور قانون: آپ بھی آگئے دل [illegible]

لیکن اس کے باوجود ہمارے ملک میں جرائم
بھی ہو رہے ہیں ۔ نت نئے مسائل بھی پیدا
ہو رہے ہیں۔ سوال اصل میں قانون سازی
کا ہے ہی نہیں ۔ اصل مسئلہ ہے قانون کے
نفاذ کا اور اس کے مطابق مجرموں کو سزا دلانے
کا ... دوسری بات یہ ہے کہ جب ہمارے
عقیدہ کی بنیاد ہی اس بات پر قائم ہو کہ ہم دھن
دولت کو کشتی سمجھ کر پوجیں تو بھلا کون شخص ایسا
ہوگا جو اس دیوی کا استقبال نہیں کرے گا۔

دراصل دھن دولت کی ہوس ہی اصل
خرابی کی جڑ ہے۔ عوام کو اس حقیقت سے
آگاہ کرانا نہایت ضروری ہے کہ دولت ایک
فانی چیز ہے یہ کسی کی نہیں۔ اس کی ہوس اور اس
کے حصول میں اندھا نہیں بننا چاہیے۔

سب سے بڑی ستم ظریفی ہمارے ملک
میں یہ ہے کہ جو لوگ قانون بناتے ہیں اور عوامی
جلسوں میں اس کے خلاف بلند و بانگ تقریریں
کرتے ہیں انھیں کے یہاں یہ بیماری زیادہ نظر
آتی ہے ۔ اب آپ خود ہی ملاحظہ فرمائیں کہ
کس طرح بھلا قوانین بنانے سے کیا یہ مسئلہ
ختم ہو جائے گا۔؟

شرمناک حرکات

بات زیادہ پرانی نہیں ہے پھر اس سے کوئی اثر
نہیں پڑتا کہ بات پرانی ہے کہ نئی۔ اصل موضوع
ہے بات ہے کیا۔؟

جامع مسجد کے علاقہ مٹیا محل میں ایک
گلی گڑھیا ہے۔ ایک دن اس گلی میں ایک غریب
خاندان کی لڑکی سر پر کچھ سامان رکھے داخل ہوئی
غالباً وہ کچھ فروخت کر رہی تھی ۔ ایک نوجوان
لڑکا اس لڑکی کو بلا کر ایک دوسری تنگ سی گلی
میں لے گیا کہ کچھ سامان خریدنا ہے۔ وہ لڑکی
ڈری ڈری سہمی سہمی اندر گئی ۔ پھر اس کو پتہ چل
گیا کہ معاملہ دوسرا ہی ہے ۔ اس سے پہلے کہ
وہ بھاگے کئی لڑکوں نے اسے آدبوچا اور پھر
اس کو بھیڑیوں کی طرح نوچنے کھسوٹنے لگے ۔
بے چاری لڑکی رونے لگی ۔ لیکن کسی طرح بھیڑیوں
کے چنگل سے نہ نکل سکی۔ اس کا سامان گرا
دیا گیا۔ وہ بڑی بے بسی سے ادھر اُدھر کھڑے
لوگوں سے فریاد کرتی رہی لیکن کوئی اس کی مدد

نہ کر سکا۔

یہ شرمناک واقعہ کسی ویران جگہ پر نہیں ہوا کسی غیر مسلم جگہ بھی نہیں ہوا۔ رات کی تاریکی میں بھی نہیں ہوا۔ بلکہ دن کی روشنی میں مسلم علاقہ میں مہذب لوگوں کی بھیڑ میں ہوا۔

اس لڑکی کے ساتھ دست درازی کرنے والے لڑکے ہماری مسلم قوم کے نونہال تھے۔ اور وہ نالائق اس طرح اپنے مذہب کا تعارف کرا رہے تھے۔

حیرت اور تکلیف اس بات پر ہوتی ہے کہ کیا واقعی اب یہ زمانہ آگیا ہے کہ برائی کو روکنے کی جرآت لوگوں کے اندر نہیں رہ گئی ہے۔ یا وہ اخلاقی طور پر اتنے پست ہو گئے ہیں کہ ان کے ضمیر ہی مردہ ہو گئے ہیں۔

اس طرح کسی بے بس اور مجبور لڑکی کے ساتھ دست درازی کرنے والے ان مسلم لڑکوں کو کم سے کم اس بات کا خیال ضرور رکھنا چاہئے کہ کیا ان کی اپنی ماں، بہن نہیں ہیں۔ کیا وہ یہی حرکت اپنی ماں بہن کے ساتھ ہوتے دیکھ سکتے ہیں.......؟

غزل

جوانو یہ بھی کوئی ولولہ ہے
کہ جس سے گھر کے اندر زلزلہ ہے

بلندی بیکراں ہے، پر تو کھولو
فضاؤں سے پرے بزمِ خلا ہے

خدا کے واسطے اس کو نہ توڑو
ہمارا دل بہت نازوں پلا ہے

گل اپنی پیاس شبنم سے بجھائیں
یہ اربابِ چمن کا فیصلہ ہے

اٹھاؤ بوریا بستر درختو!
سمندر ریت کا بڑھتا چلا ہے

وطن کی سرحدیں طے کرنے والو
دلوں کے درمیاں کم فاصلہ ہے

نہ گھبراؤ مرے کی نیند سو لو
ابھی تو گھر کا دروازہ جلا ہے

ڈاکٹر یعقوب عمر
عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

اِنتشارِ ملّت کے اسباب اور اُن کا حل

انتشارِ اُمت کی تاریخ قرآن نے بڑے اچھے طریقے سے بیان کی ہے۔ سورہ بقرہ آیت ۲۱۳ میں اس کی پوری تفصیل پائی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۚ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۖ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا ۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۗ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۲۱۳ (البقرۃ)

ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔ (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے، جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے، اور اُن کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے اُن کا فیصلہ کرے۔ (اور ان اختلافات کے رونما ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ ابتدا میں لوگوں کو حق بتایا نہیں گیا تھا۔ نہیں،) اختلاف اُن لوگوں نے کیا جنھیں حق کا علم دیا جا چکا تھا۔ انھوں نے روشن ہدایات پا لینے کے بعد محض اس لئے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ پس جو لوگ انبیاء پر ایمان لے آئے انھیں اللہ نے اپنے اذن سے اُس حق کا راستہ دکھا دیا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔ اللہ جسے چاہتا ہے، راہ راست دکھا دیتا ہے۔

حجاب

۱۹۸۴ء

ایک طریقہ

قرآن کریم نے انتشار امت کی تاریخ اِس طرح بیان کی ہے کہ پہلے سارے لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔ اُن کا دین ایک تھا۔ اُن کا عقیدہ ایک تھا۔ اُن کا عمل ایک تھا اور رہنے سہنے کا ڈھنگ بھی ایک تھا۔ اِس بات کی تفصیل ایک مفکر کے مندرجہ ذیل مضمون سے سمجھنے کی کوشش کیجئے:

خداوند عالم نے، جو ساری کائنات کا خالق اور مالک اور فرمانروا ہے، اپنی بے پایاں مملکت کے اِس حصے میں جسے زمین کہتے ہیں، اِنسان کو پیدا کیا۔ اُسے جاننے اور سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں دیں۔ بھلائی اور برائی کی تمیز دی۔ انتخاب اور ارادے کی آزادی عطا کی۔ تصرف کے اختیارات بخشے۔ اور فی الجملہ ایک طرح کی خود اختیاری (AUTONOMY) دے کر اُسے زمین میں اپنا خلیفہ بنایا۔

اِس منصب پر انسان کو مقرر کرتے وقت خداوند عالم نے اچھی طرح اُس کے کان کھول کر یہ بات اُس کے ذہن نشین کر دی تھی کہ تمہارا اور تمام جہان کا مالک، معبود اور حاکم میں ہوں۔ میری اِس سلطنت میں نہ تم خود مختار ہو، نہ کسی دوسرے کے بندے ہو اور نہ میرے سوا کوئی تمہاری اطاعت و بندگی اور پرستش کا مستحق ہے۔ دنیا کی یہ زندگی جس میں تمہیں اختیارات دے کر بھیجا جا رہا ہے دراصل تمہارے لئے ایک امتحان کی مدت ہے جس کے بعد تمہیں میرے پاس آنا ہوگا اور میں تمہارے کام کی جانچ کر کے فیصلہ کروں گا کہ تم میں سے کون امتحان میں کامیاب رہا ہے اور کون ناکام۔ تمہارے لئے صحیح رویہ یہ ہے کہ مجھے اپنا واحد معبود اور حاکم تسلیم کرو، جو ہدایت میں بھیجوں اُس کے مطابق دنیا میں کام کرو، اور دنیا کو دارالامتحان سمجھتے ہوئے اِس شعور کے ساتھ زندگی بسر کرو کہ تمہارا اصل مقصد میرے آخری فیصلے میں کامیاب ہونا ہے۔ اِس کے برعکس تمہارے لئے ہر وہ رویہ غلط ہے جو اس سے مختلف ہو۔ اگر پہلا رویہ اختیار کرو گے (جسے اختیار کرنے کے لئے تم آزاد ہو) تو تمہیں دنیا میں امن و اطمینان حاصل ہوگا اور جب میرے پاس پلٹ کر آؤ گے تو میں تمہیں ابدی راحت و مسرت کا وہ گھر دوں گا جس کا نام جنت ہے۔ اور

اگر دوسرے کسی رویّہ پر چلوگے (جس پر چلنے کے لئے بھی تم کو آزادی ہے) تو دنیا میں تمہیں فساد اور بے چینی کا مزا چکھنا ہوگا اور دنیا سے گزر کر عالم آخرت میں جب آؤ گے تو ابدی رنج و مصیبت کے اُس گڑھے میں پھینک دئے جاؤ گے جس کا نام دوزخ ہے۔

یہ فہمائش کر کے مالکِ کائنات نے نوعِ انسانی کو زمین میں جگہ دی اور اس نوع کے اوّلین افراد (آدم اور حوا) کو وہ ہدایت بھی دے دی جس کے مطابق انھیں اور اُن کی اولاد کو زمین میں کام کرنا تھا۔ یہ اوّلین انسان جہالت اور تاریکی کی حالت میں پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ خدا نے زمین پر اُن کی زندگی کا آغاز پوری روشنی میں کیا تھا۔ وہ حقیقت سے واقف تھے۔ انھیں اُن کا قانونِ حیات بتادیا گیا تھا۔ اُن کا طریقِ زندگی خدا کی اطاعت (یعنی اسلام) تھا، اور وہ اپنی اولاد کو یہی بات سکھا کر گئے کہ وہ مطیعِ خدا (مُسلم) بن کر رہیں لیکن بعد کی صدیوں میں انسان رفتہ رفتہ اس صحیح طریقِ زندگی (دین) سے منحرف ہو کر مختلف قسم کے غلط رویّوں کی طرف چل پڑے۔ اُنھوں نے غفلت سے اسے گم بھی کیا اور شرارت سے اس کو مسخ بھی کر ڈالا۔ انھوں نے خدا کے ساتھ زمین و آسمان کی مختلف انسانی اور غیر انسانی، خیالی اور مادّی ہستیوں کو خدائی میں شریک ٹھیرالیا۔ انھوں نے خدا کے دئے ہوئے علمِ حقیقت (العلم) میں طرح طرح کے اوہام اور نظریوں اور فلسفوں کی آمیزش کر کے بے شمار مذاہب پیدا کر لئے۔ انھوں نے خدا کے مقرر کئے ہوئے عادلانہ اصولِ اخلاق و تمدن (شریعت) کو چھوڑ کر یا بگاڑ کر اپنی خواہشاتِ نفس اور اپنے تعصبات کے مطابق ایسے قوانینِ زندگی گھڑ لئے جن سے خدا کی زمین ظلم سے بھر گئی۔

خدا نے جو محدود خود اختیاری انسان کو دی تھی اُس کے ساتھ یہ بات مطابقت نہ رکھتی تھی کہ وہ اپنی تخلیقی مداخلت سے کام لے کر ان بگڑے ہوئے انسانوں کو زبردستی صحیح رویّہ کی طرف موڑ دیتا۔ اور اُس نے دنیا میں کام کرنے کے لئے جو مہلت اس نوع کے لئے اور اس کی مختلف قوموں کے لئے مقرر کی تھی اُس کے ساتھ یہ بات بھی مطابقت نہ رکھتی تھی کہ اس بغاوت کے رونما ہوتے ہی وہ انسانوں کو ہلاک کر دیتا۔ پھر جو کام ابتدائے آفرینش سے اُس نے

اپنے ذمہ لیا تھا وہ یہ تھا کہ انسان کی خود اختیاری کو برقرار رکھتے ہوئے، اس کی مہلتِ عمل کے دوران میں، اس کی رہنمائی کا انتظام وہ کرتا رہے گا چنانچہ اپنی اس خود عائد کردہ ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے اُس نے انسانوں ہی میں سے آدمیوں کو استعمال کرنا شروع کیا جو اُس پر ایمان رکھنے والے اور اُس کی رضا کی پیروی کرنے والے تھے۔ اُس نے اُن کو اپنا نمائندہ بنایا۔ اپنے پیغامات اُن کے پاس بھیجے۔ اُن کو علمِ حقیقت بخشا۔ اُنھیں صحیح قانونِ حیات عطا کیا اور انھیں اس کام پر مامور کیا کہ بنی آدم کو اسی راہِ راست کی طرف پلٹنے کی دعوت دیں جس سے وہ ہٹ گئے تھے۔

یہ پیغمبر مختلف قوموں اور ملکوں میں اُٹھتے رہے۔ ہزارہا برس تک اُن کی آمد کا سلسلہ چلتا رہا۔ ہزارہا کی تعداد میں وہ مبعوث ہوئے۔ اُن سب کا ایک ہی دین تھا، یعنی وہ صحیح رویّہ جو اوّل روز ہی انسان کو بتا دیا گیا تھا۔ وہ سب ایک ہی ہدایت کے پیرو تھے یعنی اخلاق و تمدن کے وہ ازلی و ابدی اُصول جو آغاز ہی میں انسان کے لئے تجویز کر دئے گئے تھے۔ اور اُن سب کا ایک ہی مشن تھا، یعنی یہ کہ اِس دین اور اس ہدایت کی طرف اپنے ابنائے نوع کو دعوت دیں، پھر جو لوگ اِس دعوت کو قبول کرلیں اُن کو منظم کر کے ایک ایسی اُمت بنائیں جو خود اللہ کے قانون کی پابند ہو اور دنیا میں قانونِ الٰہی کی اطاعت قائم کرنے اور اس قانون کی خلاف ورزی روکنے کے لئے جدوجہد کرے۔ اِن پیغمبروں نے اپنے اپنے دور میں اپنے اِس مشن کو پوری خوبی کے ساتھ ادا کیا، مگر ہمیشہ یہی ہوتا رہا کہ انسانوں کی ایک کثیر تعداد تو اُن کی دعوت کو قبول کرنے پر آمادہ ہی نہ ہوئی اور جنھوں نے اُسے قبول کر کے اُمتِ مسلمہ کی حیثیت اختیار کی وہ رفتہ رفتہ خود بگڑتے چلے گئے حتّٰی کہ اُن میں سے بعض اُمتیں ہدایتِ الٰہی کو بالکل ہی گم کر بیٹھیں اور بعض نے خدا کے ارشادات کو اپنی تحریفات اور آمیزشوں سے مسخ کر ڈالا۔

آخر کار خداوند عالم نے سرزمینِ عرب میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی کام کے لئے مبعوث کیا جس کے لئے پچھلے انبیاء آتے رہے تھے۔ اُن کے مخاطب عام انسان بھی تھے اور پچھلے انبیاءُ

کے بگڑتے ہوئے پر ہو بھی، سب کو صحیح رویّہ کی طرف دعوت دینا، سب کو از سرِ نو خدا کی ہدایت پہنچا دینا اور جو اس دعوت و ہدایت کو قبول کریں انھیں ایک ایسی اُمت بنا دینا اُن کا کام تھا جو ایک طرف خود اپنی زندگی کا نظام خدا کی ہدایت پر قائم کرے اور دوسری طرف دنیا کی اصلاح کے لئے جدوجہد کرے۔ اسی دعوت اور ہدایت کی کتاب یہ قرآن ہے جو اللہ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔

(تفہیم القرآن۔ جلد اوّل۔ صفحات ۱۷ تا ۱۹)

نار کس نے پھیلایا اور کیوں؟

—— یہ عبارت كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۔۔۔ تا ۔۔۔ فِيْمَا لفُوْا فِيْهِ کی بہترین تشریح ہے۔ اِس کے بعد قرآن اُمت میں اختلاف ڈالنے والے اور اِنتشار انے والوں کی طرف اشارہ کرتا ہے، یہ کہ انتشار پھیلانے والے دراصل وہ لوگ تھے جو حق (اسلام) ارے میں پوری جانکاری رکھتے تھے یعنی وہ علمائے دین ہی تھے۔ قرآن اِن علماء کے دلوں کا چور بھی اتا ہے۔ کہتا ہے کہ اِن علماء نے الگ الگ طریقے اِس لئے بنا لئے کیونکہ وہ (بَغْيًا بَيْنَهُمْ) دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ قرآن کی تفسیر کرنے والے علماء (مفسرین) نے بَغْيًا بَيْنَهُمْ کی یح میں " ایک دوسرے پر زیادتی کرنے " کا جو مطلب لکھا ہے وہ اُردو میں یوں کہا جا سکتا ہے ر عالم یہ کوشش کرنے لگا کہ ● میری ہی بات بالا رہے ● میرا ہی اُونٹ سب سے آگے ہے ● میرا تعزیہ سب سے اُونچا ہو ● میرا گروہ سب سے بڑا ہو ● سب میرے ماننے والے ہو جائیں یں جو چاہوں وہ ہو۔ باقی سب لوگ گمراہ اور ضال و مضل قرار دئے جائیں، چاہے وہ حق پر ہی ول نہ ہوں...."

قرآن نے یہ ایسی حقیقت بیان کی ہے جو آج بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ آج بھی علماء اِسی ن میں لگے ہیں۔ عوام پریشان ہیں کہ کس عالم کی بات مانیں اور کس عالم کو رد کریں۔ نتیجہ یہ سامنے رہا ہے کہ آج انتشارِ ملت اتنا بڑھ گیا ہے کہ دنیا بھر کے علماء ایک حق بات پر اکٹھا نہیں ہو سکتے۔ اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ ہے۔ اس نتیجے میں ہر جگہ ذلیل ہو رہے ہیں۔ دوسروں کے غلام بنے ہیں اور اُن پر

مایوسی چھاگئی ہے۔ سچ کہا ہے قرآن نے کہ اگر تم نے حق سے منہ موڑا تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم کہیں کے نہ رہو گے۔

حبل اللہ

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑو اور تفرقہ نہ ڈالو)۔

اللہ کی رسّی سے مراد اللہ کا دین ہے، وہ دین جو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ قرآن کھرا کھوٹا الگ الگ کر دکھانے والا ہے۔ قرآن ہی مسلمانوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرتا ہے اور سارے مسلمانوں کو ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔

دین کو مضبوط پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی کسی بات سے ذرا بھی نہ ہٹا جائے۔ مسلمان اگر کسی سے کٹے تو دین کے لئے، کسی سے جڑے تو دین کے لئے۔ کسی سے لڑے تو دین کے مطابق، کسی سے صلح کرے تو دین کے اصول کے مطابق۔ غرضکہ دنیا کا ہر کام دین ہی کے بتائے ہوئے طریقوں پر کرے۔

امیر جماعت

اس جماعت کے لئے ایک امیر بھی ضروری ہے۔ امیر کے بغیر جماعت ایک بھیڑ سے زیادہ کچھ نہیں جس میں نہ کوئی تنظیم نہ اصول اور نہ اس کا کوئی نگران۔ بھیڑ میں نظم نہیں ہوتا ہڑبونگ ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی کہتا ہے کسی بات پر فیصلہ نہیں ہو پاتا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ملتا ہے کہ تم کہیں دو آدمی بھی ہو تو ایک کو امیر بنالو۔ اس ارشاد کا منشا یہی ہے کہ انتشار سے بچا جائے اور مل جل کر ایک امیر کے تحت کام کیا جائے۔

صحابہ کرامؓ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر بڑی خوبی کے ساتھ عمل کیا۔ حضور نبی کریمؐ کے بعد اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ اسلامی جماعت انتشار کا شکار ہو جائے لیکن صحابہؓ نے بڑی دوراندیشی سے کام لیا۔ حضرت عمرؓ کے تدبّر نے جماعت کو انتشار سے بچا لیا۔ انھوں نے فوراً حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کر لی اور پھر سارے صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ کی امارت پر متفق ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امیر

شخصیت ایسی ہو جس کے علم و تقویٰ اور کردار پر لوگوں کو اطمینان ہو۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں کچھ دولت پرستوں نے انتشار پھیلانا چاہا۔ اسلامی حکومت کے بیت المال میں زکوٰۃ داخل کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُن سے لڑ کر زکوٰۃ لینا چاہی تو صحابہؓ میں یہ اضطراب پھیل گیا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ ان سے جہاد کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی مضبوط دلیلوں سے صحابہؓ کو مطمئن کیا اور فرمایا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو شخص جس مقدار میں زکوٰۃ دیتا تھا، اُس سے وہ مال لیا جائے گا، چاہے وہ بکری باندھنے کی رسّی ہی کیوں نہ ہو۔

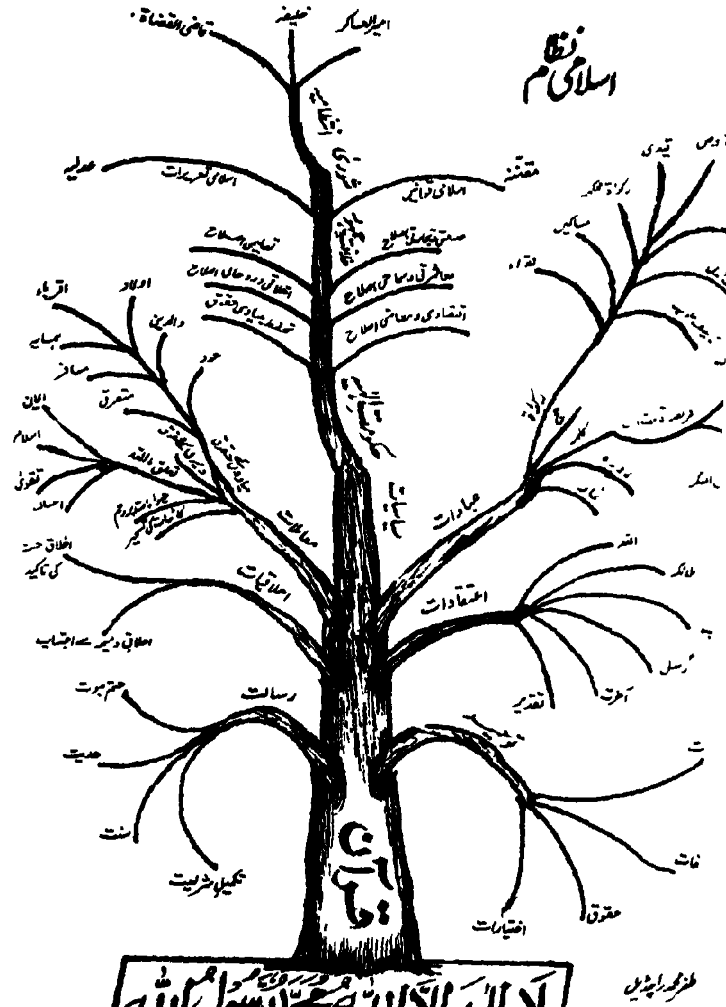
اِس واقعہ سے معلوم ہوا کہ امیر جماعت کو جماعت کے نصب العین اور دستور العمل پر پورا عبور حاصل ہو اور اُسے اصول و ارادے کا مضبوط ہونا چاہیئے تاکہ وہ کنٹرول کر سکے۔

اِس طرح صحابہ کرامؓ کے عہد کی بہت سی باتیں ہم کو ملتی ہیں۔ اگر ہم اِن پر عمل کریں تو انتشارِ ذہن سے بھی بچ سکتے ہیں اور انتشارِ جماعت سے بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دستورِ ملّت

صرف امیر جماعت کا تدبّر اور اُس کی شخصیت کا تاثر ہی کافی نہیں ہے۔ امیر جماعت کے لئے ایک دستورِ ملّت بھی ہو جو قرآن و سنّت پر عبور رکھنے والے علماء کے مشوروں سے بنایا جائے۔ نیز اِس دستور کے مطابق ملّت اور ملّت کے کاموں کو چلانے کیلئے ایک مجلس شوریٰ بھی ہو۔ میرا یہ مشورہ قرآن و سنّت کے عین مطابق ہے۔ "شوریٰ بینہم" پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے خود عمل فرمایا اور اپنے سچّے شاگردوں "صحابہ کرامؓ" کو سارے نمونے دکھا دئیے تھے مجلس شوریٰ میں آپؐ نے صحابہ کرامؓ کے مشوروں کو فوقیت بخشی۔ رائے دینے میں اُن کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ صاحبو! سارے مشوروں کی روشنی میں امیر جماعت جو فیصلہ فرمادے پھر اُس پر اٹل ہو جانا چاہیئے اور وہی فیصلہ پوری ملّت کا ہونا چاہیئے۔ وما علینا الا البلاغ (دسمبر کی ایک تقریر جو ایک مذاکرے میں کی گئی۔ م)

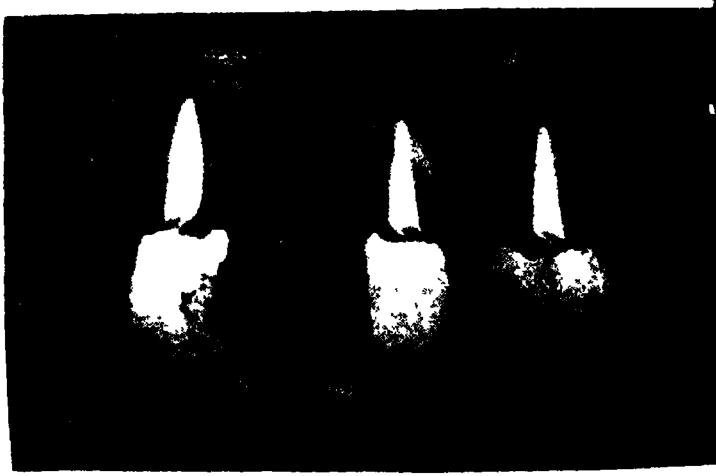
اسلامی نظام



ظفر محمد راجپوت
سرگودھا

علم کے شوق

مد داؤد تاسی



حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شخصیت مجموعہ
ت ہے۔ آپ بڑے جلیل القدر اور عظیم المرتبہ صحابی
ئے ہیں، خلفائے راشدین میں ہیں۔ آپ کے خطبات اور
ے اقوال بڑے قیمتی ہیں، اگر ہم مسلمان آپ کے اقوال
مطابق عمل کریں تو ہماری دنیا و آخرت دونوں ہی
جائے۔ جب آپ کے اقوال کی اتنی عظمت و شان ہے
چاہیے کہ ہم ان کو اپنے لئے حرزِ جاں بنالیں۔ آیئے
ہم آپ آپ کے اقوال میں سے ایک قول پر
غور و فکر کریں اور اپنے کو اس کے مطابق ڈھالنے کی
کوشش کریں۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ دس آدمی بیک وقت آپ سے
ملے اور سب نے بیک زبان ہو کر یہ ایک سوال آپ
سے کیا، بتائیے! علم بہتر ہے یا مال؟ سوال کرنے والوں نے
اس کے ساتھ آپ سے یہ بھی عرض کیا کہ سوال تو بس یہی ایک

ہے مگر اس کا جواب اس طرح ہونا چاہئے یعنی ہم میں سے ہر شخص کو جو جواب دیا جائے اس کی حیثیت مستقل طور پر بالکل جداگانہ ہو آپ نے اس موقع پر جو جواب مرحمت فرمایا وہ اس طرح :۔

۱۔ پہلے شخص سے فرمایا، علم مال سے بہتر ہے، کیونکہ مال کی حفاظت تجھے خود کرنی پڑتی ہے اور علم کی حفاظت تجھے نہیں کرنی پڑتی بلکہ علم خود تیری حفاظت کرتا ہے۔

۲۔ دوسرے شخص سے فرمایا، علم مال سے بہتر ہے کیونکہ مال فرعون و ہامان کی میراث ہے اور علم نبیوں اور رسولوں کی میراث ہے۔

۳۔ تیسرے شخص سے فرمایا، علم مال سے بہتر ہے۔ کیونکہ مال خرچ کرنے سے گھٹتا اور کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور علم جتنا ہی خرچ کیا جاتا ہے وہ اتنا ہی اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔

۴۔ چوتھے شخص سے فرمایا۔ علم مال سے بہتر ہے، کیونکہ مال زیادہ دنوں تک پڑے پڑے فرسودہ ہوجاتا ہے، لیکن علم کسی حال میں فرسودہ نہیں ہوتا۔

۵۔ پانچویں شخص سے فرمایا۔ علم مال سے بہتر ہے مال کے چوری ہوجانے کا اندیشہ اور خطرہ ہے مگر علم کو چوری کا کوئی خوف نہیں۔

۶۔ چھٹے شخص سے فرمایا۔ علم مال سے بہتر ہے کہ مالدار کبھی بخیل کبھی کنجوس کہلاتا ہے مگر عالم ہمیشہ کریم ہی کہلاتا ہے۔

۷۔ ساتویں شخص سے فرمایا، علم مال سے بہتر ہے عموماً مال سے دل سخت اور تیرہ و تاریک ہے لیکن علم سے اس کو روشنی ملتی ہے۔

۸۔ آٹھویں شخص سے فرمایا۔ علم مال سے بہتر ہے مال کی زیادتی اور بہتات سے فرعون وغیرہ کا دعویٰ تک کر دیا، لیکن علم کی وسعت اور اس کے اوج کمال نے حضرت انسان کی سے یہی اعتراف و اقرار کرایا، مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ، یعنی اے پروردگار (تیری عبادت) بندگی کا جیسا حق ادا ہونا چاہئے حق تو یہ ہے حق ہم سے ادا نہ ہوسکا۔

۹۔ نویں شخص سے فرمایا۔ علم مال سے بہتر ہے کیونکہ مال سے بہتیرے دشمن پیدا ہوتے ہیں مگر علم کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے کیونکہ علم سے مقبولیت ہر دلعزیزی حاصل ہوتی ہے۔

۱۰۔ دسویں شخص سے فرمایا۔ علم مال سے بہتر ہے کیونکہ قیامت میں حساب و کتاب کے دن مال کا حساب ہوگا لیکن علم کا اس دن کوئی حساب نہ ہوگا۔

دیکھئے! آپ کے کلام میں کس قدر جامعیت ہے آپ کے اس جواب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علم انسان کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت و دولت ہے لہٰذا ہر انسان کو عموماً اور مسلمان کو خصوصاً علم کی طلب اس کے حصول میں لگے رہنا چاہئے وما علینا الا

محمود [illegible] قاسمی

جناب

اٹھا دو ادھر دست دعا حسانِ حق میں
جھوم اٹھی ہے رحمت کی گھٹا دیکھ ادھر دیکھ

جس خاک پہ ان کے قدم پاک چلے تھے
جھکتے ہوئے کونین کے اس خاک پہ سر دیکھ

کیسی دلِ بیتاب کو آتی ہیں صدائیں
ہوتی ہے ابھی ہوتی ہے رحمت کی نظر دیکھ

کعبہ کے سوا اب کوئی جلوہ ہے تجلی
یہ عشق کی حد ہے یہی معراج نظر دیکھ

عارف کا وسیلہ ہے تو ہی رحمتِ عالم
تجھ پہ ہی نظر ہے مری للہ ادھر دیکھ

محمد عارف نقشبندی

میدالرحمٰن

ریاکاری

شیخ سعدیؒ لکھتے ہیں۔ "میں بچپن میں ایک بار اپنے والد بزرگوار کے ساتھ دمشق گیا۔ ہم دونوں نے رات مسجد میں بسر کی۔ اور بھی بہت سے مسافر وہاں موجود تھے۔ تہجد کے وقت میرے والد صاحب نے مجھے بھی جگا دیا۔ ہم نے نمازِ تہجد ادا کی۔ نماز کے بعد میں نے مسافروں کی طرف اشارہ کر کے کہا: یہ کیسی غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ والد صاحب نے فرمایا۔ اس سے بہتر تھا تو بھی نہ اٹھتا۔"

سعدیؒ نے اس سے یہ بات سمجھائی ہے کہ ایسی عبادت یا نیکی سے جو دل میں غرور پیدا کرے اور جس کے کرنے کے بعد انسان دوسروں کو حقارت سے دیکھنا شروع کر دے، نفع کی بجائے اُلٹا نقصان پہنچتا ہے۔ ہر قسم کا غرور بُرا ہے۔ خواہ دولت کا غرور ہو یا اقتدار کا یا علم کا۔ لیکن نیکی کا غرور بدترین ہے۔ اس سے اپنے سارے کیے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے۔

انہوں نے "گلستاں" میں ایک اور ...دار حکایت لکھی ہے۔ کہتے ہیں: "ایک زاہد کو بادشاہ نے رات کے کھانے پر بلایا۔ وہ رات کے گھر واپس آیا تو اس نے گھر والوں سے کھانا لانے کے لیے کہا۔ اس کے بیٹے نے ... آپ تو بادشاہ کے ہاں کھانے پر گئے ہوئے تھے۔ زاہد نے جواب دیا: میں نے وہاں کھانا کم کھایا تھا تاکہ میرا زہد ثابت ہو۔ بیٹے نے جواب دیا: تو نماز بھی دوبارہ پڑھ لیجیے جو آپ نے لمبی پڑھی ہوگی۔"

> میں نے
> ... کھانا
> کم کھایا
> تاکہ میرا
> زہد ثابت ہو

اس حکایت میں سعدیؒ نے ریاکاری پر بھرپور طنز کی ہے۔ ریاکار وہ لوگ ہیں جن کے پیشِ نظر لوگوں کی خوشنودی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نہیں ہوتی۔

ام ہانی
اقبال منزل، نزد سٹی اسٹیشن
لکھنؤ

اپنی ذمہ داری پہچانیئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:—

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (سورہ بقرہ)

"میں زمین پر (آدم کو) اپنا جانشین بنانے والا ہوں۔"

ارشاد ربّانی ہے:—

انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض
والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا
وحملھا الانسان

(الاحزاب ع ۹)

"ہم نے بارِ امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انھوں نے (کل کائنات نے) امانتِ الٰہی کے بار کو اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس بارِ گراں کو اٹھالیا۔"

— تو اب سوچیے کہ اس بارِ گراں کو ہمیں کس ڈھنگ سے اٹھانا ہے کہ ہم

خوش اسلوبی سے اس عظیم ذمہ داری کو اٹھا سکیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا اپنا خلیفہ بنانے کا مقصد یہ ہے کہ خدائے رحیم و کریم اپنی سنت کو اس جہانِ فانی میں جاری و ساری کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں دُنیا میں ایک مخصوص عہدے اور حیثیت کے مطابق نظم و ضبط قائم رکھنا ہے۔ اب وہ تحکم و غلبہ سے قائم ہو یا رحم و کرم سے۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس نے اپنی صفتوں کا عکس انسان کو بھی تھوڑا بہت ودیعت کیا ہے۔ اور اسی عکس کی بنا پر وہ زندگی کے کارخانے کو بہترین طریقے سے چلا سکتا ہے اور کوئی کارہائے نمایاں انجام دے سکتا ہے۔

جس قدر عہدہ بلند ہوگا اسی قدر اس کی ذمہ داریاں وسیع تر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی مقصد کے تحت ہر انسان پر بار ڈال رکھا ہے۔ اس کا فرمان ہے

احسب الناس ان یترک سدیٰ

"کیا لوگوں (انسانوں) نے یہ گمان کرلیا ہے کہ وہ بے مقصد ہی چھوڑ دیے جائیں گے۔"

پس اللہ تعالیٰ کسی مقصد کے تحت ہی انسانوں میں بعض انسانوں کو حاکمِ جہانِ فانی کے لیے منتخب کرتا ہے۔ دُنیا میں ایک بادشاہ و فرمان روا ایک ایسا کوچوان ہے جو کہ تمام ملکی حکومت کے تمام امور کی باگ ڈور کو صبر و استقلال کے ساتھ سنبھالے رہتا ہے۔ وہ اپنی رعایا کے تمام حقوق و فرائض کا منتظمِ اعلیٰ ہوتا ہے اور ان سب کو عزم و ہمت کے ساتھ ایک دھاگے میں باندھے رکھتا ہے، انھیں موتیوں کی لڑی کی طرح پروئے رکھتا ہے۔

حاکمِ وقت ہی ملک میں نظم و ضبط کا اہتمام کرتا ہے اور امن کو قائم رکھتا ہے۔ وہ ایک ایسا مرکز ہوتا ہے جس کی طرف سب کی نگاہیں لگی ہوتی ہیں۔

وہ ایک ایسا محور ہے جس کے اردگرد ملک کی تمام مخلوق اور اس کے تمام معاملات و امور گردش کرتے رہتے ہیں۔ وہ دنیا میں اللہ عزو جل کا نائب ہوتا ہے۔ اس سرزمین پر اپنے ملک میں خدا تعالیٰ کی نشاندہی کرتا ہے۔ وہ اس جہانِ فانی میں اللہ تعالیٰ کے بندوں پر خدا کا ہی سایہ بن کر ان پر چھا جاتا ہے۔ اور خدا کا نائب بن کر وہ سنتِ خداوندی کو ہر چہار طرف پھیلاتا ہے۔

خدا کی طرف سے ہی وہ اپنی رعایا کو حرام کی ہوئی چیزوں سے رک جانے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اختیار سے ہی وہ اپنی رعایا کے مظلومین اور ستم رسیدہ لوگوں کی دادرسی کرتا ہے اور جو اس کے محکوم بنا دیے گئے ہیں ان کا حامی و مددگار ہوتا ہے۔ خدائے برتر و اعلیٰ اسے اتنی طاقت عطا فرماتا ہے کہ وہ اپنے ملک کے ظالموں و جابروں اور غیر منصفانہ حرکت کرنے والوں کی بیخ کنی کر کے انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اپنی طاقت اور غلبہ کی بنا پر ان کا قلع قمع کر ڈالتا ہے۔ اپنی خوفزدہ و ہراساں رعیت کو مامون کرتا ہے۔ انھیں دلاسہ دیتا ہے۔ انھیں انعام و اکرام اور سہولتیں بہم پہونچا کر مطمئن کرتا ہے۔

دنیاوی حاکم پر ان موخر الذکر ذمہ داریوں کو نبھانا اور تمام فرائض تک پہونچانا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایما رسے اسے بزرگی و عظمت کا قلادہ پہنا دیا ہے۔ جزوی طور پر دنیا میں مختار بنا کر بھیجا ہے۔ اسے اپنی مخلوق و خلقت کے معاملات و امور کے متعلق چند ذمہ داریاں سونپ دی ہیں تو اللہ تعالیٰ کا جس قدر بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے اس حاکم وقت کو اپنی بخشش سے نوازا ہے اور اپنے احسانات سے اسے مخصوص کر لیا ہے۔ اس کو اپنے اقتدار و بادشاہی میں سے تھوڑا حصہ بخش دیا ہے اس کی رعیت پر اسے صاحب اقتدار

نومبر ۹۲ء

احب مرتبہ بنایا ہے۔ اسس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اسی قدر
بخشی ہے کہ وہ اس کی فرمانروائی کا کچھ حصہ جو اسے ودیعت کیا گیا ہے۔
جہاں فانی میں اپنی طرف سے مستعمل کر سکے۔ تو کیا اللہ کی مہربانیوں اور
نوں کے عوض اس دُنیادی حاکم و فرمانروا پر یہ لازم نہیں کہ وہ ان اختیارات
ح طور پر استعمال کرے۔؟ اس پر لازم ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن
ر کا پابند ہو۔ اپنی رعایا کی خاطر فلاح و بہبود کے در وا کرے اور رعیت کی
ی اور کامیابی کا اہتمام کرے۔
اس کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں اور اطاعت گزاروں کے ساتھ
د محبت کا برتاؤ کرے اللہ تعالیٰ نے اسے جو مرتبہ عطا فرمایا ہے
س کا شکر ادا کرے یہی تقاضا ہے کہ باوصف اس کے لوگوں سے بے پروا نہ ہونا
ئے رب العزت نے اسے جو کرامت بخشی ہے اس کے ذریعہ ان کی غم خواری
۔ خدائے کریم نے اسے دنیا کے حاکم کی حیثیت سے دیگر افراد پر بلند کر دیا
اس کی سعادت و اقبال مندی کے وسیلوں کو بآسانی مہیا کر دیا ہے، اسس
سے کہ اس کی خوش نصیبی کے اسباب اس نے فراہم کر دیے ہیں تو اسے
کہ اس خوش بختی کو شقاوت قلبی سے نہ بدلے۔
اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ

کل راع وکلھم مسئول عن رعیتہ

"تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے اور تم سب کے سب
اپنی رعیت کے متعلق جواب دہ ہو گے"
پس کلیہ طور پر یہ واضح ہو گیا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے ماتحتوں اور کمزوروں
ہے اور ان کے نگران کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح ایک گڈریا اپنے

گلے کا نگہبان ہوتا ہے اور انھیں گڑھے میں گرانے کے بجائے صحیح راہ دکھاتا ہے اور ایک جگہ جمع کرکے انھیں ان کے مقام تک پہونچاتا ہے، اسی طرح ہم بھی اپنے سے چھوٹوں اور ضعیفوں کے لئے محافظ بنا کر بھیجے گئے اپنے ماتحتوں کو صحیح راہ دکھانا، انھیں صراط مستقیم پر چلانا اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنانا ہماری ذمہ داری ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ مددگار ہے مگر ان کو اجتماعی طور بہترین مقام کی نشاندہی کروانا ہمارا ہی کام ہے اور ان سب امور و ذمہ داری کے لئے ہم سے خدا کے سامنے پرسش ہوگی۔ دنیا میں جو بھی ہمارا محکوم اور ہمارا ماتحت ہے اس کے اعمال کے متعلق ہمیں بھی جزوی طور پر جواب دہ پڑے گا۔

کیا آج یہ سب ذمہ داریاں نبھائی جارہی ہیں۔؟

کیا خدا کا خلیفہ ہونے کا حق ہم ادا کررہے ہیں۔؟

خدا سے دعا ہے کہ ہمیں ان عظیم ذمہ داریوں کے نبھانے کی توفیق فرمائے۔ ہمارے ایمان کو مستحکم بنائے رکھے۔ خشیتِ الٰہی سے ہمارے دل معمور ہوں! انی توکلت علی اللہ ربی و ربکم

(مرکزی خیال عربی سے)

تم میں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، خدا کا ان سے وعدہ ہے کہ انھیں ضرور زمین کا مالک بنائے گا۔ ٹھیک اس طرح جس طرح ان سے پہلوں کو بنایا تھا۔ اور ضرور ان کے لئے اس دین کو محکم و قائم کردے گا جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ اور ضرور خوف کو امن و امان سے بدل دے گا اس کے بعد وہ میری ہی عبادت کریں، کسی چیز کو بھی میرے ساتھ شریک نہ کریں۔ اس کے بعد بھی جو کفر کرے وہ بلاشبہ فاسق ہے۔

جماعت اسلامی کی ضرورت، اس کا قیام اور اس کی خدمات

جماعت اسلامی کی ضرورت کے سلسلے میں خود بانی جماعت مولانا مودودیؒ نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور جماعت اسلامی کے دوسرے ذمہ دار صاحبان نے بھی اس کے بارے میں سیر حاصل بیانات دیئے ہیں۔ یہ سب چھپا نہیں چھپایا ہے۔ یہ سب پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان موضوعات پر مزید اضافے کی گنجائش نہیں ہے لیکن مقامی امیر جماعت رامپور کے حکم سے تقریر نہیں، اطاعت امیر کا ثواب حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت اسلامی کی ضرورت

بانی تحریک حضرت مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی کے دیگر ذمہ دار صاحبان کی تقریریں ے انداز بیان سے ذرا ہٹ کر میں اپنی تقریر کو اپنے اور آپ کے مشاہدات کی روشنی میں پیش رنے کی کوشش کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ جماعت اسلامی کی ضرورت اور اس کے تعارف کا رخ سامنے آئے اور آپ کی زبان سے برجستہ نکلے کہ :۔

اللہ رے، بیان محبت کی دلکشی   سو بار بھی بیاں ہو لیکن مزہ وہی

حضرات! ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ۱۹۴۱ء سے پہلے دین و اخلاق،

معیشت و معاشرت، ملت اور سیاست کے بارے میں ہم نے اور آپ نے جو کچھ دیکھا اُس کا
کے معیار اور رسولِ محمدؐ کے کردار کو سامنے رکھتے ہوئے نہایت اختصار کے ساتھ اشاروں اشار
میں اس لئے عرض کروں گا کہ یہ سب کچھ آپ کی نظروں کے سامنے گزرا ہے۔ اس وقت تو محض یاد د
کرانا یا جدید لفظوں میں اس کی فلم دکھانا مقصود ہے۔

● کلمہ شہادت:۔ بات عقیدے سے شروع کرتا ہوں۔ غور فرمائیے نبی کریم صلی اللہ
وسلم نے مکے میں جب لا الٰہ الا اللہ کی آواز بلند کی تو اس کے باوجود کہ سردارانِ قریش آپؐ کی عظمت
قائل تھے، قریش کا ایک بے مثل فرد ہونے کے ناتے آپؐ کی ذات پر فخر کرتے تھے اور یہ کہ آپؐ
امین و صادق تسلیم کر چکے تھے لیکن آپؐ ہی کی زبان سے یہ سننا برداشت نہ کر سکے کہ اللہ کے
کوئی اور الٰہ نہیں۔ یہ کلمہ سنتے ہی اس فخرِ قریشؐ اور امین و صادقؐ کی تحقیر و تذلیل پر اُتر آئے جھگڑ
اور ستانے لگے جسمانی اور روحانی اذیت دینے لگے۔ آخر کار شہر بدر کرنے اور جان لینے پر تل گئے
اس فخرِ بنی آدمؐ اور فخرِ قریشؐ پر ایمان لانے والوں نے بھی کلمہ دہرایا تو اُن غریبوں کو جس بید
سے مارا پیٹا اور قتل کیا گیا، آج ہم وہ سب پڑھتے ہیں تو ہماری روح لرزنے لگتی ہے لیکن ۱۹۴۱
سے پہلے اور جماعت اسلامی کے باہر آج بھی جس جگہ حلقہ بنا کر اس کلمے کی ضربیں لگائی جاتی ہیں
وہاں مسلم اور غیر مسلم ارادت مندوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے ہیں۔ انھیں وہاں خیر و برکت
من مانی مرادوں کی وہ گھن گھور گھٹا چھائی ہوئی نظر آنے لگتی ہے کہ خیر و برکت اور مرادوں کا اصل د
ان گھٹاؤں کے اوپر ہی رہ جاتا ہے، ان "الا اللہ" کی ضربیں لگانے والے "ولیوں" کے گھر
برسنے لگتا ہے۔ مرادیں مانگنے والوں کی مرادیں پوری ہوں یا نہ ہوں، ان کے وارے نیارے تو ہو
ہیں۔ ان کے عقیدت مند مرد اور عورتیں ان سے اس طرح محبت کرنے لگتے ہیں جس طرح اللہ
محبت رکھنے کا حق ہے۔ یہ سب میں نے دیکھا ہے اور اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ یہ سب آپ نے
ہے اور اب بھی دیکھ رہے ہیں۔

سیاسی طور پر بھی ہم نے دیکھا اور اب بھی دیکھ رہے ہیں کہ ایک اللہ کی طرف بلانے
لوگ

عصبیت

زندگیاں دوبھر کردی جاتی ہیں کبھی تو ان کو آروں سے چیرا جاتا تھا، اب اُن پر گولوں اور بارود کی آتشیں برکھا ہوتی ہے۔ اُن کی آبادیاں ڈائنامائٹ کی جاتی ہیں لیکن وہیں ایک اللہ کی رٹ لگانیوالے ایسے بھی ہیں جو سیاسی رہنماؤں کی آنکھوں کے تارے بنے ہوئے ہیں۔ اُن کے دامن دل کی گہری عقیدت کے ساتھ چومے جاتے ہیں۔ انھیں مسلمانوں کے سامنے اسلام کا سچا نمائندہ بنا کر پیش کر کے فرمایا جاتا ہے کہ یہی ہیں تمہارے اصل رہنما۔

بھائیو! سوچنے کی بات ہے۔ یہ ہے کیا؟ اللہ کا رسولؐ اور اُس کے پیارے ساتھیؓ وہی کلمہ پڑھیں تو سردارانِ قریش کی نظر میں راندہ درگاہ اور آج وہی کلمہ پڑھنے والا مقبول بارگاہ۔ ببین تفاوت راہ۔ کچھ تو فرق ہے دونوں کے کلمہ پڑھنے میں اور کچھ تو ہے جس کی آج پردہ داری کی جا رہی ہے۔

دوستو! سنو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ جب نعرہ "لا الہ" بلند کرتے تھے تو سیاسی ایوانوں میں زلزلہ آجاتا تھا۔ بت پرستوں کو ایسا لگتا تھا جیسے اُن کے مندر اور مندر کے اندر اُن کے لات، منات، عزیٰ اور ہبل وغیرہ اوندھے منہ گرے جا رہے ہیں۔ اہل ریاست کو محسوس ہوتا کہ قیصر و کسریٰ کے محل ڈھئے جا رہے ہیں۔ اُن سب کو اپنے عقائد، رسوم و رواج اور معیشت و معاشرت کے اصول و نظریات کا پتے نظر آنے لگتے تھے لیکن وہی نعرہ "لا الہ" ہے کہ آج کسی ادنیٰ مکان کی ایک اینٹ بھی مجروح نہیں ہوتی۔ وہی نعرہ "لا الہ" اللہ کے نافرمانوں کے لئے وجہ سکون بن گیا ہے۔ اُن کا معاون و مددگار بن گیا ہے۔ ہم آپ سب جانتے ہیں کہ دنیا کے ولیوں، پیروں، سادھوؤں اور رہبانوں نے مالکانِ ریاست کو ظل اللہ، راجن اور اَن داتا کہا تو دوسری طرف سے اُن کے کمنڈل میں دکشنا کی رقم ڈال دی گئی۔ دونوں میں "من تو شدم تو من شدی" والا ساز باز تھا کہ من ترا عرشی بگویم تو مرا فرشی بگو۔ یعنی دھرم اور بیکنٹھ کی خدائی تیری اور دھرتی کی کھدائی میری۔ باقی رہے عوام، اُن جس حد تک غلام بناؤ کم ہے۔

عزیز بھائیو! جہاں یہ افیون پلائی جاتی ہو اور جہاں محض دکشنا پر جنت مل جاتی ہو وہاں کون احمق ہوگا جو مکروہات سے گھری جنت کی طرف لپکے گا۔ یہاں تو بڑے تیکھے پن سے یہ کہا جاتا ہے

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ صرف زبان سے لا الٰہ کہہ دینے سے جنت میں داخلہ مل جائے گا۔ ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہاری جانوں اور تمہارے مالوں سے جنت کا سودا کیا ہے۔ تم ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اللہ اور اللہ کے رسول ؐ کے فیصلے پر شرح صدر کے ساتھ راضی نہ ہو جاؤ، چاہے یہ بات فساق و فجار، مشرکوں اور کافروں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔" دیکھا آپ نے! اللہ کے نبی ؐ نے کلمہ کی ادائیگی کس طرح سکھائی تھی اور اس کا ردعمل کیا ہوا تھا اور ۱۹۴۷ء سے پہلے اور آج اسی کلمہ کی ادائیگی کے پیچھے کیا کہانی بن رہی ہے۔ خون رُلا دینے والی بات عرض کروں۔ اسی ۱۹۴۷ء سے کچھ پہلے ایک مسلمان کو گورنر بنا دیا گیا تھا۔ یہ پہلا ہندوستانی گورنر ہوا تھا۔ گورنروں کی ایک پرائیویٹ ڈائری (RED BOOK) ہوا کرتی تھی جس میں وہ اپنے تجربے لکھتے تھے۔ اسی ڈائری میں حکومت انگلشیہ کے نمک خواروں کے نام لکھے ہوتے تھے۔ مسلمان گورنر صاحب کے سامنے جب یہ ڈائری پیش کی گئی اور انہوں نے اسے کھول کر پڑھا تو دولت انگلشیہ کے نمک خواروں میں اُن کے پیر و مرشد کا نام سرفہرست لکھا تھا۔ گورنر صاحب حافظ قرآن تھے۔ آہ کر کے رہ گئے۔ صرف اتنا زبان سے نکلا کہ ان الااللٰھیوں نے سارا دین ظل الٰہیوں کے گرد گھما دیا۔ افسوس صد افسوس ہم اصل دین سے کتنے بھٹک گئے۔ میری عمر کے جو صاحبان اس مجمع میں موجود ہیں وہ اس مسلمان گورنر کا نام جانتے ہیں اور اس پیر و مرشد سے بھی واقف ہیں۔ دوستو! ایسا کیسے ہو گیا؟ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ سب کیسے ہوا:

● الناس علیٰ دین ملوکھم:۔ لوگ اپنے بڑوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ اس قول کے مطابق میں آپ کو ۱۹۴۷ء سے پہلے اٹھارہویں صدی عیسوی کی ایک جھلک دکھانا چاہتا ہوں جبکہ ہم نے ایک مدت تک بادشاہی نظام کے تحت زندگی بسر کی تھی۔ وہ بادشاہی نظام جو پورے طور پر اسلامی نہیں تھا مگر پھر بھی اس میں اسلامی قانون نافذ تھا۔ عام لوگوں کی تعلیم و تربیت کا کام علمائے کرام اور صوفیائے عظام انجام دیتے تھے۔ اس وجہ سے (بے شک وہ معاشرہ اس پائے کا تو نہ تھا جس درجے کا رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے زمانے میں تھا

بھی) لوگوں کی عام اخلاقی حالت اتنی بگڑی ہوئی نہ تھی جتنی بعد میں بگڑی اور لوگ اسلام کے علم سے اتنے بے بہرہ نہ تھے جتنے بعد میں ہوئے۔ یہ بات مجھ سے نہیں، اُس وقت کے دشمنِ اسلام انگریز مصنفین سے سنئے۔ وہ لکھتے ہیں: "شراب نوشی مسلمانوں میں تقریباً ناپید تھی۔ لوگ گناہ کرتے تھے مگر علانیہ ڈھٹائی کے ساتھ نہیں کرسکتے تھے۔ کوئی چوری کرتا ہوا پکڑا جاتا تو اُس کا ہاتھ کاٹ لیا جاتا تھا۔ مسلمانوں سے جھوٹ کی توقع نہیں کی جاتی تھی۔ عدالت میں بھی جا کر مسلمان جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ مسلمانوں کی عام آبادی پڑھی لکھی تھی۔ بلکہ سو فیصد مسلمان خواندہ تھے۔" صداقت اور حق گوئی کا مظاہرہ انگریز نے اپنی آنکھوں سے عدالت میں دیکھا۔ مولانا فضل الحق خیرآبادی عدالت کے کٹہرے میں ملزم بنے کھڑے ہیں۔ الزام یہ ہے کہ انھوں نے حکومت انگلشیہ کے خلاف فتوے پر دستخط کئے ہیں۔ انگریز جج مولانا کی شخصیت سے واقف تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ اگر مولانا کو سزا دی گئی تو پھر بغاوت ہو جائے گی۔ ایک سکھایا پڑھایا گواہ اس لئے لایا گیا کہ وہ کہہ دے کہ یہ وہ فضل الحق خیرآبادی نہیں بلکہ وہ کوئی اور شخص ہے۔ یہ جھوٹ سنتے ہی مولانا گرجے "یہ گواہ جھوٹا ہے۔ میں ہی فضل الحق خیرآبادی ہوں اور یہ دستخط میرے ہی ہیں"۔ اور مولانا نے اپنے دستخطوں پر انگلی رکھ دی۔ مسلمانو! یہ تھے ہم اور یہ تھا ہمارا کردار۔ پھر الناس علیٰ دین ملوکھم کے اثر سے نہ ہم وہ رہے اور نہ ہمارا کردار۔ جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزی حکومت مکمل اور مضبوط ہوگئی تو اُس نے ہمارے قوانین بدلے۔ ہمارے معاشی نظام کو بدلا۔ ہمارے معاشرتی نظام پر بدترین اثرات ڈالے۔ اسلامی تعلیم بالکل اس پر منحصر ہوگئی کہ کھاتے پیتے لوگ مدد کریں تو اسلامی مدارس چلیں ورنہ بند۔ حکومت نے ان تعلیم یافتہ لوگوں پر رزق کے دروازے بند کر دئے۔ اس کے برعکس جو نظامِ تعلیم انگریز نے رائج کیا وہ مسلمانوں کے ذہن سے خدا اور رسولؐ اور آخرت کے تصورات کو بالکل مٹا دینے والا تھا۔ ستم ظریفی دیکھئے کہ رزق کے دروازے اسی کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ ایک مثال سنئے۔ مولانا فقیر اللہ صاحب قاسمی ضلع سیتاپور کے قصبہ بسواں میں مدرسہ اسلامیہ کے پرنسپل ہو کر آئے۔ اُن کی تنخواہ سولہ روپیہ تھی۔ یہ ۱۹۲۳ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت میں اسلام سے کورا اور مولانا کے مقابلے میں جاہل محض تھا۔ وہیں ٹریننگ اسکول میں

انسپکٹر تھا۔ اور اُس وقت جب گیہوں بیس سیر کا اور گھی بیس چھٹانک کا تھا میری تنخواہ پینتالیس روپیہ تھی۔ اللہ اللہ! ؎ ایسے ویسے کیسے کیسے ہو گئے اور کیسے کیسے ایسے ویسے ہو گئے۔ قیامت کی نشانیوں سے متعلق جو احادیث پائی جاتی ہیں اُن میں سے ایک حدیث کی ترجمانی اس سے بہتر کیا ہو سکے گی۔

● اکابر پرستی :۔ 'الناس علیٰ دین ملوکہم' کی نسل سے انگریز ظل اللہ کی جو اولاد ہوئی اور پروان چڑھی اُس کا حال انگریز مصنفین سے آپ نے سن لیا۔ اب دوسری طرف ملاحظہ ہو۔ اُس وقت کے دنیادار پیروں کی خانقاہوں میں جن سپوتوں نے جنم لیا اُن کا حال اور احوال قرآن کے اِس بیان کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے :۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (البقرۃ ۔ ۲۱۳)

پہلے پہل سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر یہ بات نہ رہی۔ دین کے بارے میں اُن کے طریقوں میں بگاڑ آ گیا)، تب اللہ نے نبی بھیجے (جنت کی) بشارت دینے والے اور (جہنم سے) ڈرانے والے اور اُن کے ساتھ سچی کتاب (کتابِ برحق) اُتاری تاکہ (سچی کتاب) لوگوں کے درمیان (دھرم کے نام پر) جو الگ الگ طریقے ہو گئے تھے اُن کا فیصلہ کر دے (کہ کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط ہے)۔ یہ الگ الگ طریقے اُن لوگوں نے بنائے جو (دین کے بارے میں) سچی بات جانتے تھے۔ انھوں نے کھلی نشانیاں (ہدایتیں) پا لینے کے بعد اس لئے حق (سچا دین) چھوڑ کر الگ الگ طریقے نکالے کیونکہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ تو جو لوگ اللہ کے نبیوں پر ایمان لے آئے اللہ نے اپنے حکم سے اُن کو وہ سچا طریقہ دکھا دیا جس میں لوگ الگ الگ باتیں مانتے تھے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اُسے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔

متن اَور ترجمے سے یہ بات صاف صاف معلوم ہوتی ہے کہ اُمتِ واحدہ میں غلط طریقے
وقت کے علماء نے نکالے اَور اِس لئے نکالے کہ وہ ایک دوسرے پر زیادتی کرنے والے تھے یعنی
ارادتمندوں کو بڑھانے والے اَور دوسرے حلقوں کو دبانے والے۔

قرآن آج بھی اسی طرح سچائی کا اعلان کر رہا ہے جس طرح اس نے چودہ سو برس پہلے اعلان
تھا۔ آج بھی علماء میں وہی اختلاف رونما ہے اَور اس کا سبب بھی وہی ہے کہ میرا اُونٹ آگے
رہے گا۔ آخِر یہ جو شرک و بدعت مسلمانوں میں گھسی پڑی ہے یہ علماء ہی کے اختلاف کا تو نتیجہ ہے۔ ایک
شخص کو حیرت ہے کہ ذرا ذرا سی فروعی باتوں پر ایک دوسرے کو کافر اَور جہنمی بتایا جاتا ہے۔ اختلاف
پھیلانے والے علماء جانتے ہیں کہ یہ فروعی مسائل ہیں لیکن اگر انھیں پس پشت ڈال دیں تو پھر اُن کے
پاس اپنی بڑائی قائم رکھنے کے لئے رہ کیا جائے گا؟ عوام دین سے دور ہو ہی چکے تھے۔ دین سمجھنے اَور کہاں
تے۔ انہی علماء کے پیچھے ہو لئے۔ اس کے بعد یہ علماء علمائے کرام نہیں رہے۔ یہ اعلیٰ حضرت، حضرت جی،
مرشد شیخ ہو گئے۔ اب عوام قرآن کے بدلے اِن شیوخ اَور اکابرین کے ملفوظات یاد کرنے لگے اَور قرآن کے
لے یہی وردِ زبان کیا جانے لگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الناس علیٰ دین ملوکہم سے ایک اَولاد انگریز نے
کی۔ دوسری طرف اس "اکابر پرستی" نام کی ایک حسین و جمیل پری تولّد ہو گئی۔ اِس پری نے سب کے
ہوش و حواس اَور عقل و خرد کو ماؤف کر دیا۔ اب حق وہ جو اعلیٰ حضرت اَور حضرت جی فرمائیں اَور سیدھے راستے
پر وہ جسے اعلیٰ حضرت اور حضرت جی کی سند حاصل ہو۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ آج ہم آپ دیکھتے
ہیں کہ مسلمان کی گردن میں یا تو سیاسی لیڈروں کا طوق پڑا ہے یا وہ تقلید یورپ پر فخر کرتا ہے اَور یا
اکابر پرستی پر مٹا ہوا ہے۔

نتیجہ بزرگو اَور بھائیو! یورپ کے ملمّے کی چمک دمک نے ہماری آنکھوں کو خیرہ کیا
تو اکابر پرستی نے ہمارے دل و دماغ کو تیرہ کر دیا۔ اب ہمارا دین وہ نہیں جو
قرآن عطا فرماتا ہے۔ اب ہمارا اسلام وہ نہیں جو رسول اللہؐ سونپ گئے۔ اب صحیح اَور غلط وہ نہیں
جو آیاتِ الٰہی سے ثابت ہے بلکہ اَب دین، اِسلام اَور صحیح و غلط وہ ہے جو یورپ کے آسمان سے

یہ ... معاشرتی اور سیاسی زندگی بھی مولانا کی تحریروں سے کون کہاں کہاں متاثر ہوا، اِس فہرست کو گھیرنا آسان کام نہیں۔ تعلیم یافتہ نوجوان جو یورپ کی تعلیم پر فریفتہ تھے، ہوش میں آئے۔ اب وہ اپنے کو مسلمان کہنے اور کہلانے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ عربی زبان کے طلباء نے ترجمان القرآن سے استفادہ شروع کر دیا اور اپنی تقریریں بھی مولانا کی تحریروں سے چلانے لگے۔ میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ صرف چند بڑوں کی رائیں پیش کروں گا۔ یہ رائیں پیش کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ مولانا کی تعریف و ستائش کا حق ادا کیا جائے بلکہ انہی کے ذریعہ جماعتِ اسلامی کے بننے کے لئے زمین ہموار ہوئی تھی۔

(۱) اِس مجمع میں جو صاحبان میری عمر کے ہیں اُنھوں نے کانگریس اور مسلم لیگ کے ٹکراؤ کی تاریخ کو صرف پڑھا ہی نہیں، اپنی آنکھوں سے چلتے پھرتے دیکھا ہے۔ اُنھیں ۱۹۳۷ء کا وہ واقعہ یاد ہوگا جب کانگریس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ہندوستان میں صرف ایک قوم رہتی ہے تو مسلم لیگ نے جواباً کہا "ہرگز نہیں، یہاں ہندو اور مسلم دو قومیں رہتی ہیں۔" یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان ہی دنوں مولانا 'سیاسی کشمکش' کے عنوان سے ترجمان القرآن میں ایک سلسلۂ مضامین چلا رہے تھے اور عین اُس وقت خاص طور پر کانگریس پر سخت تنقید کر رہے تھے۔ اُن کی تنقید مسلم لیگ کے حق میں مفید ثابت ہوئی۔ لکھنؤ کے مشہور بیرسٹر چودھری نعمت اللہ مسلم لیگی ترجمان القرآن کے بنڈل منگاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں کو یہ جریدہ پڑھادو، فتح تمہاری ہے۔ ایسا ہی ہوا۔ مسلم لیگ کو اپنے مقصد میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ مسئلہ قومیت پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور علامہ اقبالؒ میں بحث چھڑی ہوئی تھی۔

(۲) حکیم الامت علامہ اقبالؒ ترجمان القرآن کا مطالعہ بڑی گہری نظر سے کرتے تھے۔ وہ لوگوں کو ترجمان القرآن کے مطالعہ کا مشورہ دیتے تھے۔ مولانا کی کتاب 'الجہاد فی الاسلام' حرف بحرف علامہ مرحوم نے پڑھی اور اِس کے مدّاح رہے۔ پھر علامہ اقبالؒ نے مولانا مودودیؒ کو دعوت دی کہ اقامتِ دین کے فریضہ کو انجام دینے کے لئے دکن کا میدان نہیں، شمالی ہند کا میدان موزوں ہے۔

آپ یہاں آجائیں۔

(۳) ترجمان القرآن دارالعلوم دیوبند میں بہت مقبول ہوا۔ علمائے دیوبند طلباء سے کہتے کہ ترجمان القرآن کی مدد سے اپنی تقریریں تیار کیا کریں

(۴) مولانا ابوالکلام آزاد مولانا مودودیؒ کو گلشنِ اسلام کا گلِ سرسبد کہتے تھے۔

(۵) مفتی کفایت اللہؒ کا مشہور و معروف تفریحی جملہ ہے "اِس نوجوان کی داڑھی، باہر نہیں اندر تم سب سے لمبی ہے"۔ 'تم سب' کا اشارہ ان علماء کی طرف تھا جو مولانا مودودیؒ کے داڑھی نہ رکھنے پر معترض تھے۔

(۶) مولانا عبدالماجد دریابادی ایڈیٹر 'صدق جدید' مولانا مودودیؒ کو متکلم اسلام کہا کرتے تھے۔ اسی سے ملتا جلتا قول سیّد سلیمان ندوی کا ہے۔

یہ چھ سات رائیں صرف چھ سات رائیں نہیں۔ یہ چھ سات لاکھ رائیں ہیں۔ مولانا نے غلبۂ اسلام اور اسلامی حکومت کے قیام کو اپنا گول بنایا اور پھر ہر وہ گیند جو اُن کے ہاتھ آئی اِسی گول میں پھینک دی۔ ملک کے گوشے گوشے سے متاثرین کا تقاضا شروع ہوا کہ آپ تحریک کو منظم کیجئے۔ ہم ساتھ دیں گے بالآخر ۱۹۴۱ء میں ۷۵ جیالے جمع ہو گئے۔ جماعت اسلامی بنی اور مولانا ہی اس کے امیر بنائے گئے۔ مولانا نے اِن جیالوں کا تعاون پایا تو ایک طرف مقررین کی اور دوسری طرف اہل قلم حضرات کی ٹیم میدان میں اُتار دی۔ بنیادی لٹریچر مولانا کے قلم سے نکلتا یا اُن کے مشورے سے لکھا جاتا۔ امدادی لٹریچر دوسرے اہلِ قلم تیار کرتے۔ نصراللہ خاں عزیز جیسے عظیم صحافی بھی اِس ٹیم میں شامل ہو گئے اور تحریک اسلامی پھیلاؤ ہونے لگا۔

خدمات

جماعت اسلامی نے اسوۂ رسول اللہؐ کو سامنے رکھ کر ٹھیک اسی طرح تحریکِ اسلامی تنظیم کے ساتھ لٹریچر لانا شروع کر دیا جس طرح عہد نبویؐ میں اللہ تعالیٰ اسلامی تنظیم کے عین متوازی اسلامی لٹریچر بارش کی طرح برسا رہا تھا۔ جماعتِ اسلامی نے اسی سے استفادہ کیا۔ جماعت اس پر جو اعتراض ہوتا، جماعت کا لٹریچر جواب باصواب دینے کے لئے موجود ہوتا اور جماعت کا کارکن اس جواب باصواب کو پھیلا دیتا۔ جماعتِ اسلامی کی یہ خدمت وہ عظیم خدمت ہے کہ جب تک وہ اپنی تنظیم کے متوازی لٹریچر فراہم کرتی رہے گی، اللہ کے فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہیں گے لیکن اگر تنظیم آگے بڑھ گئی اور لٹریچر پیچھے رہ گیا تو تحریک مُردہ ہو جائے گی اور جماعتِ اسلامی کے کارکن دوسروں کو دعوت پہونچانے کے بدلے معترضین سے منہ چھپانے لگیں گے۔

جماعتِ اسلامی نے ایک عظیم خدمت یہ انجام دی کہ اپنی قوتِ اجتہادی سے ایک طرف اندرونِ ملک کی یلغاروں کا تن تنہا مقابلہ کر کے اُن کا منہ موڑا تو دوسری طرف یورپ سے آنے والے دھارے کو روکا۔ نوجوان مسلم طبقہ بری طرح اس دھارے میں بہا چلا جا رہا تھا لیکن اب وہی نوجوان طبقہ یورپ کے دھارے کا رُخ موڑنے کے لئے جم کر کھڑا ہو گیا ہے۔ جماعت نے یہ سوچ اور فکر بھی دی کہ پتھر کے بتوں کو خود اُن کے ماننے والے رد کر چکے۔ اُن کی تردید پر توجہ دینا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ اِس وقت تین نئے زندہ بتوں کی پوجا ہو رہی ہے۔ اُن پر حملہ آور ہونا چاہئے۔ کمیونزم، سوشلزم، قومیت و وطن پرستی کے مقابلے میں وحدت الٰہ، وحدت بنی آدم اور خدا پرستی کو فروغ دینا چاہئے۔ کارکنوں سے فرمایا کہ غیر مسلم بھی تمہارے بھائی ہیں۔ انھیں بھی اور بہنوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اِس کام کے لئے جماعت نے ملکی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت کا عظیم انتظام کیا۔ ایسے کئی ادارے کلکتہ، مدراس، احمد آباد، کیرلہ وغیرہ میں جماعت کی نگرانی میں قائم ہو چکے ہیں۔

مجیب

نومبر ۱۹۸۴ء

ساتھ ہی جماعت نے بچوں اور عورتوں کے لئے آسان امدادی لٹریچر کے دریا بہا دئے۔ اس لٹریچر نے نئے رنگروٹ جماعت کو دئے۔ اور پھر طلباء اور طالبات کی تنظیمیں بننے میں بڑی آسانی ہو گئی ساتھ ہی اسلامی درسگاہوں کا جال ملک بھر میں پھیلا دیا اور ان کے لئے اپنا بنایا ہوا نصاب تعلیم تیار کیا۔ تجربے کے بعد یہ نصاب بہت کامیاب ثابت ہوا۔

جماعت اسلامی کی ایک عظیم اور بے مثل خدمت کا تذکرہ میں نے آخر میں کرنے کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ یہ خدمت جماعت نے تقسیم ہند کے موقع پر انجام دی۔ تقسیم ہند کے بعد ۱۴ اگست کی رات سو کر جب ہندوستان کے مسلمان جاگے تو سُنا کہ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر جانے اور آنے والے قتل ہو رہے ہیں۔ سیلاب دیکھا، فسادات کا سیلاب! اس نے گویا مسلمانوں کے سوچنے سمجھنے اُمیدِ بقا کی جڑ ہی کاٹ دی۔ مسلمان اُس وقت ایسا سہما ہوا تھا کہ حق بات کہنا اُس کے لئے ناممکن ہو گیا تھا۔ خود مسلمانوں کے اخبار مشورہ دیتے تھے کہ "چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی" مصلحتِ وقت یہی ہے۔ علماء نے ظل اللّٰہوں کے آگے گھٹنے ٹیک دئے تھے اور مسلمانوں کو تلقین کرنے لگے تھے کہ اب جینا اور مرنا ان ہی کے چشم و ابرو کا محتاج ہے۔ جمعیۃ العلماء جو سیاسی امور میں ٹانگ اڑاتی رہتی تھی، کانگریس نے مولانا ابوالکلامؒ کے ہاتھوں لکھنؤ کانفرنس میں اس کے سیاسی تابوت میں آخری کیل ٹھکوا دی۔ اب مسلمانوں کا کوئی لیڈر نہیں رہ گیا تھا۔ ہر شخص ذہنی انتشار میں مبتلا تھا۔ اِس بھیانک کالی آندھی میں ایک دیا ٹمٹمایا۔ جماعتِ اسلامی جو دو حصوں میں بٹ گئی تھی، اس میں سے ایک حصے نے پاکستان کا رخ کیا۔ ہندوستان میں جو ارکانِ جماعت رہ گئے تھے، گو اُن کے ہاتھوں کے طوطے اُڑے ہوئے تھے، گو وہ ہاری ہوئی فوج کی طرح منتشر تھے لیکن جماعت کی یاد انھیں ستا رہی تھی۔ اللہ کو منظور تھا۔ تمام رفقاء کی کوشش سے کسی نہ کسی طرح جماعت پھر سے بنی۔ مولانا ابواللیث امیر جماعت چنے گئے۔ اور پھر اُس وقت جب کہ سارے مسلمانوں کی زبانیں گونگی ہو چکی تھیں، لکھنؤ کے پاس ملیح آباد کے آموں کے ایک باغ سے آواز گونجی "مسلمانو! تم بے سہارا نہیں ہو۔ تمہارا خدا حیّ و قیوم ہے۔ ہند کے قانون نے ہر شخص کو

کا علاج ہے۔"

پھر اِس آواز سے آواز ملا کر ذمہ دارانِ جماعت نے ملک میں پھیل پھیل کر تقریریں شروع کر دیں۔ غیروں نے سُنا تو جماعت کو فرقہ پرست کہا۔ اپنوں نے غیروں کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اِتنا ہی نہیں، وزیرِ اعظم کو جالگائی اور وہاں سے "اینٹی نیشنل" (ANTI-NATIONAL) کا خطاب عطا فرمایا گیا۔ لیکن جس چراغ کو اللہ جلانا چاہے اُسے کون بجھا سکتا ہے۔ وہ وقت بھی آیا جب ذمہ دارانِ جماعت کی گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ اِس کے بعد دوسری بار بڑے منظم طریقے سے پھر اِس سلسلے کو حرکت میں لایا گیا۔ یہ ایمرجنسی کا زمانہ تھا۔ چند دن پہلے آئین میں ترمیم ۴۲ کی گئی۔ اِس کی بنا پر صدرِ مملکت اور وزیرِ اعظم پر تنقید کرنا جرم قرار پایا۔ یعنی اِن دونوں کے فیصلوں کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اندرا رانی کو یہ اختیار ملا تو وہ سمجھیں ہمچو ما دیگرے نیست۔ پہلے تو ہماراں نے اپنے مقابلے میں آنے والوں کو قید کر دیا۔ اس کے بعد الیکشن کرانا طے کر دیا۔ لیکن پانسا اُلٹا پڑا۔ جیل کے باہر رفقاء کو دو اسباب کی بنا پر کسی سے مشورہ کئے بغیر انفرادی طور پر الیکشن میں حصہ لینا پڑا۔ ایک تو یہ کہ ترمیم ۴۲ کو وہ مکمل شرک سمجھتے تھے اس لئے انھیں اندرا دشمن جماعت جنتا پارٹی کا ساتھ دینا پڑا۔ دوسرے یہ کہ اُن کے جیل کے رفقاء چھوٹ جائیں۔ اِس کے علاوہ تیسری چیز سے اُن کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ الیکشن میں کانگریس بری طرح ہاری۔ ترمیم ۴۲ کا خاتمہ ہوا۔ رفقاء رہا ہوکر آئے۔ اور پھر وہی ہم ہیں، وہی دشمن ہے وہی باتیں۔ پھر وہی ہم ہیں، وہی گُن ہیں، وہی گھاتیں ہیں۔ جماعت کا یہ جرأت مندانہ اقدام سب کو سبق دے گیا کہ:۔

ہو کے پامالِ حوادث نہ ترقی سے رُکو
دوب کیطرح سے دب دب کے نکلنا سیکھو

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عبادت کا اصل مفہوم

اُس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اس عبادت کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ یہ عبادت ہر وقت ہو
چاہئے۔ اِس عبادت کے لئے کوئی شکل نہیں ہے۔ ہر کام اور ہر شکل میں اسی کی عبادت ہونی چاہئے۔ جب آ
یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں فلاں وقت خدا کا بندہ ہوں اور فلاں وقت اُس کا بندہ نہیں ہوں تو آپ یہ بھی نہیں ک
سکتے کہ فلاں وقت خدا کی بندگی اور عبادت کے لئے ہے اور فلاں وقت اُس کی بندگی و عبادت کے لئے نہیں ہے

آپ کو عبادت کا مطلب معلوم ہوگیا کہ زندگی میں ہر وقت ہر حال میں خدا کی بندگی و اطاعت کرنے کا نام
عبادت ہے۔ اب آپ پوچھیں گے کہ یہ نماز، روزہ اور حج وغیرہ کیا چیز ہیں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ عبا
جو اللہ نے آپ پر فرض کی ہیں اِس کا مقصد آپ کو بڑی عبادت کے لئے تیار کرنا ہے
آپ کو زندگی میں ہر وقت ہر حال میں کرنی چاہئے۔ روزہ سال میں ایک مرتبہ پورے ایک مہینے آپ کو اس
بندگی کے لئے تیار کرتا ہے۔ زکوٰۃ آپ کو بار بار توجہ دلاتی ہے کہ یہ مال جو تم نے کمایا ہے یہ خدا کا عطیہ
اِس کو صرف اپنے نفس کی خواہشات پر صرف نہ کردو۔ بلکہ اپنے مالک کا حق ادا کرو۔ حج اُن پر خدا کی محبت
بزرگی کا ایک ایسا نقش بٹھاتا ہے کہ ایک مرتبہ اگر وہ بیٹھ جائے تو تمام عمر اس کا ا
دل سے دور نہیں ہو سکتا۔ ان سب عبادتوں کو ادا کرنے کے بعد اگر آپ اِس قابل ہو گئے کہ آپ کی س
زندگی خدا کی عبادت بن جائے تو بلاشبہ آپ کی نماز، نماز ہے۔ رو
روزہ ہے۔ زکوٰۃ، زکوٰۃ ہے اور حج، حج ہے لیکن اگر یہ مقصد پورا نہ ہوا تو محض رکوع اور سجدہ کرنے اور بھوک
اور پیاس کے ساتھ دن گزارنے اور حج کی رسمیں ادا کر دینے اور زکوٰۃ کی رقم ادا کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ اِن ظاہری
کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک جسم ہو۔ اگر اس میں جان ہے اور وہ چلتا پھرتا اور کام کرتا ہے تو بلاشبہ ایک زندہ ا
ہے لیکن اگر اُس میں جان ہی نہیں تو وہ ایک مردہ لاش ہے۔ مُردے کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک سب ہی کچھ
ہیں مگر اُس میں جان نہیں ہوتی۔ اِس لئے تم اُسے مٹی میں دبا دیتے ہو۔ اسی طرح اگر نماز کے ارکان پورے ادا ہ
یا روزے کی شرطیں پوری ادا کر دی جائیں مگر وہ مقصد پورا نہ ہو جس کے لئے نماز اور روزہ فرض کیا گیا ہے تو
بھی ایک بے جان چیز ہوگی۔ (مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر)

مفہوم بے نقاب نظر آئے گا۔ عبادت، انابت، خشیت، استعانت، توکل، خوف اور تقویٰ کا جہاں بھی ذکر ہوگا ہر ایک کی نسبت اللہ جل مجدہٗ ہی کی طرف ہوگی۔ صرف دو چیزیں ایسی ہیں جن میں اللہ کے ساتھ اُس کے رسولؐ بھی شریک ہیں۔ ایک اطاعت، دوسری محبت یعنی اطاعت اور محبت جس طرح خدا کی کرنی چاہئے اسی طرح اس کی تبعیت میں رسولؐ کی بھی کرنی چاہئے۔ باقی چیزوں میں رسولؐ کسی معنی میں بھی اللہ کے شریک نہیں۔ بلکہ عام انسانوں کی طرح خود وہ بھی اِس پر مامور ہیں کہ اللہ ہی کی عبادت کریں، اسی پر بھروسہ رکھیں، اسی سے طلب اعانت کریں اور اُسی کے حضور اپنی التجائیں پیش کریں۔ شیطان نے نصاریٰ وغیرہ کو اسی معاملے میں گمراہ کیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ اپنے انبیاء اور اولیاء کو اُن کے صحیح موقف پر نہ رکھ سکے اور اللہ وحدہٗ لاشریک کی مخصوص صفات میں اُنھوں نے انہیں بھی شریک کرلیا۔ انہی سے دعائیں مانگنے اور ان ہی پر توکل کرنے لگے۔ لیکن مومنین مصلحین کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی اور وہ صراط مستقیم پر چل کر مغضوبوں اور گمراہوں کے ملعون گروہوں میں شامل ہونے سے محفوظ رہے۔ اُنھوں نے دین کو اللہ ہی کے لئے خالص کیا۔ اپنی پیشانیاں اسی کے آستانے پر جھکائیں۔ اسی کو مصیبتوں میں پکارا۔ اسی سے اپنی ساری اُمیدیں وابستہ کیں۔ اسی کی بارگاہ میں عاجزانہ جھکے۔ اپنے معاملات کو اسی کے حوالے کردیا اور ہر قدم پر اسی پر کامل بھروسہ رکھا۔ پھر اُس کے رسولوں کی اطاعت کی۔ اُن سے محبت کی۔ اُن کی تعظیم و تکریم کی۔ اُن سے رفاقت اور موالات کا رشتہ استوار کیا۔ کٹھن گھڑیوں میں اُن کے لئے جان کی بازی لگائی۔ اپنے اعمال میں اُن کی ہدایتوں پر کاربند رہے اور اُن کے روشن کئے ہوئے چراغ لے کر زندگی کی منزلیں طے کیں۔

یہی وہ دینِ اسلام ہے جس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے تمام انبیاء آتے رہے اور جس کے سوا اللہ کے دربار میں کوئی اور دین مقبول نہیں۔ اور یہی ہے عبادت کی حقیقت۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو اس حقیقت کی کامل معرفت عطا فرمائے اور اس کے تقاضوں کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھالنے کا عزم اور استقلال مرحمت کرے۔ آمین! ۔ مولانا صدر الدین اِصلاحی (حقیقت عبودیت) ٭٭٭

نسیم حجازی

آخری چٹان

تلخیص قسط (٦)

سلسلے کے لئے اکتوبر کا پرچہ ضرور پڑھئے (م)

سازش

چند دن بعد وزیر اعظم کے محل کے ایک کشادہ کمرے میں امرائے سلطنت تازہ صورت حالات پر تبصرہ کر رہے تھے۔ طاہر بن یوسف کی تقریریں موضوعِ بحث تھیں۔ ایک عہدے دار نے کہا: "وہ ایک دیوانہ ہے، اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسے گرفتار کر لیا جائے اور جب خلیفہ کا حکم بھی یہی ہے تو ہمیں سہل انکاری سے کام نہیں لینا چاہیے۔"

دوسرے نے کہا: "اس نے کسی ایک شخص پر الزامات نہیں لگائے لیکن بغداد کے لوگوں کی نظر میں ہم سب مجرم ہیں۔ اس کا تدارک فوراً ہونا چاہیے۔ ہمارے لیے سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بغداد کے ہر فرقے کے افراد اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ گزشتہ چالیس برس سے میں نے شیعہ اور سنی کو ایک ساتھ چلتے نہیں دیکھا لیکن اب یہ سنا ہے کہ ان کے مکان کے ایک دروازے پر شیعہ پہرہ دے رہے ہیں اور دوسرے پر سنی ہیں۔ گزشتہ شب چوک مامونیہ میں مناظرہ ہونے والا تھا۔ میں خود وہاں موجود تھا، اس نے قبل از وقت وہاں پہنچ کر تقریر شروع کر دی اور شاید گزشتہ دو صدیوں میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک شخص تمام فرقوں کو کوس رہا تھا اور سامعین خاموش تھے اور جب اس نے یہ سوال کیا کہ تم اب بھی بٹنا چاہتے ہو تو اکثر نے نفی میں جواب دیا اور اس کی تقریر کے بعد سب سے زیادہ

عجیب بات یہ تھی کہ شیعہ اور سنی ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے تھے۔ اس لیے ہم اسے دیوانہ کہہ کر اپنے آپ کو دھوکا دیں گے۔ اگر اسے اس وقت گرفتار کیا گیا تو بغداد کے عوام ہمارے متعلق یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہم واقعی کسی سازش کے انکشاف سے ڈرتے ہیں اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ وہ پُرامن طریقے سے گرفتار ہونے کے لیے تیار بھی نہ ہوگا۔ ہمیں جلد بازی کی بجائے تدبر سے کام لینا چاہیے۔"

نیا وزیرِ خارجہ مہلب بن داؤد جو اس سے قبل وحیدالدین کا نائب رہ چکا تھا، ایک نوجوان تھا۔ لوگ اس کے علم کے معترف تھے اور اس کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ وہ بہت دُور کی سوچتا ہے۔ وزیرِ اعظم نے اس کی رائے دریافت کی تو اس نے کہا۔ "میرے خیال میں ہمیں پہلی تقریر کے بعد ہی اسے گرفتار کر لینا چاہیے تھا، اب اس نے ہماری کوتاہی سے فائدہ اٹھا کر احمقوں کی ایک بڑی جماعت کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اب اس پر ہاتھ ڈالنا خطرناک ضرور ہے لیکن بغداد کو بغاوت سے بچانے کے لیے ہمیں یہ خطرہ مول لینا پڑے گا۔"

ناظمِ شہر نے اُٹھ کر کہا۔ "اگر وزیرِ خارجہ یہ سمجھتے ہیں کہ میری طرف سے کوتاہی ہوئی ہے تو میں یہ بتانا ضروری خیال کرتا ہوں کہ میں نے اسی رات اس کے مکان پر چھاپہ مارا تھا مگر وہاں اس کے نوکروں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اگلی رات مجھے جاسوسوں نے پتہ دیا کہ وہ شہر کی ایک مسجد میں ہے۔ میں نے دو سو سپاہی وہاں بھیجے لیکن اس کی حفاظت کے لیے وہاں تین ہزار نوجوان موجود تھے۔"

وزیرِ خارجہ نے کہا۔ "لیکن ہمارے پاس سپاہیوں کی کمی نہ تھی۔"

وزیرِ اعظم نے جواب دیا۔ "ہمارے سپاہیوں اور افسروں میں سے بہت سے لوگ اس کے طرف دار بن چکے ہیں۔ میرے مکان پر بھی گزشتہ دنوں جتنے فیصلے ہوئے ہیں، اسے کسی نہ کسی طرح ان کی اطلاع ملتی رہی ہے۔ ایک شام ہمیں

پتہ چلا کہ وہ عشا کی نماز کے بعد جامع مسجد میں تقریر کرے گا۔ میں نے پانچ سو سپاہی شہری لباس میں وہاں بھجوا دیے۔ انھیں یہ ہدایت کی تھی کہ تقریر ہونے کے بعد اس کے گرد گھیرا ڈال لیں اور جس وقت وہ مسجد سے باہر نکلے، اسے گرفتار کر لیں لیکن اُسے بروقت پتہ چل گیا اور وہ مسجد میں نہ آیا۔ اب خلیفہ کا حکم یہ ہے کہ اسے بہر صورت گرفتار کیا جائے اور ہمارے لیے اس حکم کی تعمیل کے سوا چارہ نہیں۔ پچاس مفتیوں نے آج یہ فتویٰ دے دیا ہے کہ وہ باغی ہے۔ کل یہ فتویٰ مشتہر کر دیا جائے گا اور اس کے بعد ہم عوام کا ردِ عمل دیکھ کر مناسب قدم اُٹھائیں گے۔"

باقی امرا چلے گئے لیکن مہلب بن داؤد کچھ دیر وزیرِ اعظم کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ مہلب نے پوچھا "آپ کو معلوم ہے کہ بغداد میں اس کے پُرانے دوست کون کون ہیں؟"

وزیرِ اعظم نے جواب دیا "قاسم کو سب پتہ ہے۔"

مہلب کی درخواست پر وزیرِ اعظم نے ایک خادم کو حکم دیا اور وہ قاسم کو بلا لایا۔ قاسم کی آمد پر وزیرِ اعظم اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور قاسم اور مہلب دیر تک باتیں کرتے رہے۔

قاسم کہہ رہا تھا "میرے خیال میں اس کے دوستوں میں سے صرف افضل ایسا ہے جس سے ہم کام لے سکتے ہیں۔ اسے طاہر کے ساتھ دلچسپی ضرور ہے لیکن اس نے عبدالعزیز، مبارک اور عبدالملک کی طرح ملازمت سے استعفیٰ نہیں دیا۔"

مہلب نے پوچھا "اگر آپ اسے کل شام یہاں کھانے کی دعوت دیں تو وہ آجائے گا؟"

"وہ پچھلے دنوں چند بار مجھ سے مل چکا ہے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے

متعلقات اس قدر زیادہ ہیں۔ ایک دن اس نے اپنی گزشتہ ساتھیوں کے لیے معذرت بھی کی تھی اور جب تک وہ حکومت کا ملازم ہے ہم اسے کئی سبز باغ دکھا سکتے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسے یہاں لانے کا کام نئے سپہ سالار کے سپرد کر دیا جائے۔"

مہلب نے اُٹھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔" تو بہت اچھا! کل آپ کے ہاں میری، سپہ سالار اور افضل کی دعوت ہے۔"

صفیہ آج بھی حسب معمول برآمدے کی چھت پر کھڑی اس کمرے کے روزن سے کان لگا کر بہت کچھ سُن چکی تھی۔ جب قاسم اور مہلب باہر نکل گئے تو وہ نیچے اُتر کر اپنے کمرے میں پہنچی۔ اس نے برابر کے کمرے میں جھانک کر دیکھا، سکینہ سو رہی تھی۔ صفیہ سونے سے پہلے روز کے ہر تازہ واقعات کے متعلق ایک مختصر سا مضمون لکھ کر علی الصباح محل کے دروازے کے ایک پہرے دار کو پہنچایا کرتی تھی۔ وہ حسب معمول کاغذ اور قلم لے کر بیٹھ گئی۔

۶

اگلی رات قاسم کے دستر خوان پر نیا سپہ سالار، مہلب اور افضل موجود تھے۔ کھانے کے بعد وہ دریا کے کنارے قاسم کے ملاقات کے کمرے میں پہنچے۔

کھانے کے کمرے کے روزن سے کان لگا کر صفیہ طاہر کے متعلق کوئی خاص بات نہ سن سکی۔ جب وہ دوسرے کمرے میں جانے کے لیے اُٹھے وہ ان سے پہلے ہی تنگ سیڑھی کے راستے باہر کی گیلری میں جہاں اس

کے دریچے کھلتے ہے، جا رہی ہیں۔ وہ اندر بیٹھے رہے۔ سوری دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں، بالآخر مہلب نے سپہ سالار سے کہا۔" وزیر اعظم کا خیال ہے کہ افضل کو فوج میں کوئی بڑا عہدہ دیا جائے۔ کل قاسم نے میرے سامنے ان کی تعریف کی تھی۔ فوج میں قابل اور وفادار نوجوانوں کی بہت ضرورت ہے، وزیر اعظم کو عبدالعزیز اور عبدالملک سے بہت امید تھی لیکن میں نے سنا ہے کہ وہ مستعفی ہو کر طاہر بن یوسف کی حمایت کر رہے ہیں۔"

سپہ سالار نے کہا۔" اگر وزیر اعظم چاہیں تو میں ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

مہلب نے کہا۔" اس کے علاوہ ہمیں مصر کے لیے نئے سفیر کی ضرورت ہے۔ اگر عبدالملک کی وفاداری مشکوک نہ ہوتی تو میرے نزدیک وہ اس عہدے کے لیے نہایت موزوں تھا لیکن مجھے افسوس ہے کہ طاہر بن یوسف نے اچھے بھلے نوجوانوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ کیوں قاسم تمہارا کیا خیال ہے۔ اگر میں خلیفہ سے سفارش کروں تو افضل اس ذمہ داری کو سنبھال سکے گا؟"

قاسم نے جواب دیا۔" مجھے ان کی صلاحیتوں کا اعتراف ہے لیکن ڈر ہے کہ شاید عبدالملک اور عبدالعزیز کے دوست ہونے کی وجہ سے یہ بغداد چھوڑنا پسند نہ کریں۔"

افضل کی حالت اس بچے کی سی تھی جس کے سامنے اچانک کھلونوں کا ڈھیر لگا دیا گیا ہو۔ وہ وزیر اعظم کے محل میں سپہ سالار اور وزیر خارجہ کے ساتھ کھانا کھا چکا تھا۔ بغداد میں اس کے لیے سپہ سالار کا دست راست اور مصر میں اس کے لیے سفیر بننے کے دروازے کھل چکے تھے۔ اسے اپنی زندگی میں پہلی بار اپنی اہمیت کا احساس ہوا۔ اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔" اگر میں بغداد کی کوئی خدمت

کر سکوں تو کسی کی دوستی میرے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔"

مہلب نے فوراً جواب دیا: "آپ بغداد کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں اور اپنے دوستوں کے لیے بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر آپ عبدالملک اور عبدالعزیز کو افسوس ناک تباہی سے بچانا چاہتے ہیں تو آپ کے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے۔"

"وہ کیا؟"

"انھیں سمجھائیں!"

افضل نے جواب دیا: "میری زبان طاہر کا جادو نہیں توڑ سکتی!"

"طاہر کے متعلق ہمیں اب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ خوارزم کے ایما پر بغداد میں بغاوت کروانا چاہتا ہے۔ جب دن اس کا مقصد پورا ہوگا، وہ خوارزم چلا جائے گا لیکن اس کی کارگزاری کی سزا اس کے دوستوں کو بھگتنا پڑے گی!"

افضل جانتا تھا کہ یہ طاہر کے خلاف ایک بہتان ہے لیکن جب انسان کے دل میں بری خواہش پیدا ہوتی ہے تو وہ ضمیر کو تسلی دینے کے لیے غلط باتوں پر بھی یقین کر لیتا ہے۔ وہ بولا: "اگر یہ بات ہے تو آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

مہلب نے کہا: "ہم اسے گرفتار کرنا ضروری سمجھتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ فوج کے ساتھ ان لوگوں کا تصادم ہو جنھیں اس نے جھوٹی سچی باتوں سے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ایک مجرم کو گرفتار کرنے کے لیے کئی بے گناہوں کا خون بہایا جائے۔ ہم طاہر کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں کرنا چاہتے ہم چاہتے ہیں کہ اسے سمجھا بجھا کر یہاں سے نکال دیا جائے۔ اس کے چلے جانے کے بعد یہ فتنہ خود بخود ٹھنڈا پڑ جائے گا۔"

افضل کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ جھوٹ ہے، یہ لوگ اس کے خون

مجاب

نومبر ۱۹۸۹ء

کے پیاسے ہیں تیین اس کے ضمیر کے لیے یہ ایک اور تسلی تھی۔ اس نے کہا: "اگر آپ مجھے یقین دلائیں کہ اس پر سختی نہیں کی جائے گی تو میں آپ کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

مہلب نے کہا: "اس پر سختی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے تو یہ بھی یقین ہے کہ اس کی نیت بُری نہیں۔ خلیفہ یا حکومت کے کسی عہدے دار کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اگر وہ بغداد کے لوگوں کو بھڑکانے کی بجائے سیدھا ہمارے پاس آتا تو ہم اس کی غلط فہمی دُور کر سکتے تھے لیکن اب جب تک وہ گرفتار نہیں ہوتا، ان کے ساتھ ہم بات تک نہیں کر سکتے۔ میرے لیے یہ بڑے دُکھ کی بات ہے کہ اتنا بہادر اور بیدار مغز نوجوان قوم کے کام آنے کی بجائے قوم میں انتشار ڈال رہا ہے اور وہ بھی ایک غلط فہمی کی وجہ سے۔ میں نے اس کے ساتھ ملاقات کی کوشش کی لیکن اس کی خفیہ محفلوں تک رسائی نہیں ہو سکی۔ اگر آپ میری مدد کریں تو یہ ایک بہت بڑا کام ہوگا۔"

سپہ سالار نے کہا: "افضل اگر اس بارے میں کچھ کر سکتا ہے تو یہ یقیناً آپ کا ساتھ دے گا۔"

قاسم نے کہا: "آپ اطمینان رکھیے۔ جو شخص مسلمانوں کی بہتری کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کی ہمت رکھتا ہے، وہ کسی کی دوستی کی پروا نہیں کرے گا؟"

افضل کے ضمیر پر اب ملامت کا بوجھ ہلکا ہو چکا تھا، اس نے کہا: "بات یہ ہے کہ میں چونکہ ابھی تک فوج سے مستعفی نہیں ہوا، وہ مجھ پر زیادہ اعتماد نہیں کرتے۔ طاہر کے چند ٹھکانے مجھے معلوم ہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ آج وہ کہاں ہوگا؟ سے صرف رات کو سوتے وقت پکڑا جا سکتا ہے، دن کے وقت اس کے

گرد بہت آدمی ہوتے ہیں۔ میں ایک دو دن تک آپ کو پتہ دے سکوں گا کہ وہ ان دنوں کہاں سوتا ہے۔"

مہلب نے کہا: "اگر آپ اس مہم میں کامیاب ہوئے تو مجھے یقین ہے کہ خلیفہ اور وزیر اعظم ذاتی طور پر آپ کا شکریہ ادا کریں گے اور ممکن ہے کہ آپ کو نہایت اہم عہدے کا مستحق سمجھا جائے۔"

افضل نے کہا: "لیکن آپ یہ وعدہ یاد رکھیے کہ جابر کے ساتھ بُرا برتاؤ نہیں کیا جائے گا!"

مہلب نے جواب دیا: "میں اس وعدے پر قائم ہوں۔"

مہلب نے اُٹھتے ہوئے قاسم سے کہا: "ابھی وزیر اعظم سے ان باتوں کا ذکر نہ کیجیے۔"

قاسم نے جواب دیا: "نہیں۔ میں خود چاہتا ہوں کہ جب تک ہم اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے، ہماری دوڑ دھوپ کا کسی کو علم نہ ہو۔"

(۳)

قاسم اپنے مہمانوں کو رخصت کرنے کے لیے باہر کے دروازے تک ان کے ساتھ آیا۔ دروازے پر پہنچ کر مہلب نے کہا: "کل وزیر اعظم نے شکایت کی تھی کہ ان کے جاسوسوں سے آپ کا محل محفوظ نہیں۔ کسی نے آج بھی ہماری باتیں سنی ہوں تو؟"

قاسم نے ہنستے ہوئے جواب دیا: "اس کمرے کی چھت میں صرف کبوتر [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کی آئندہ تقریر بہت سخت ہوگی۔

راستے میں پھولوں کی کیاری سے اس نے چند پھول توڑے اور اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر وہ تھوڑی دیر کے لیے کھڑا سوچتا رہا اور پھر مسکراتا ہوا صفیہ کے کمرے کی طرف چل دیا۔ "خدا جانے اسے مجھ سے اس قدر چڑ کیوں ہے؟" وہ بار بار اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔

اگر وہ سو رہی ہوتی تو قاسم دبے پاؤں اس کے بستر پر پھول رکھ کر چلا آتا۔ لیکن اس کے کمرے کے نیم وا دروازے میں سے روشنی آ رہی تھی۔ وہ دروازے کے قریب پہنچ کر رکا اور کچھ سوچ کر واپس چل دیا لیکن دو تین قدم چلنے کے بعد اُسے کمرے کے اندر کسی کے آہستہ آہستہ بولنے کی آواز آئی۔ سکینہ اور صفیہ ایک دوسری کو سوتے وقت کہانیاں سُنایا کرتی تھیں لیکن یہ آواز قدرے موٹی تھی۔ پھر اُسے صفیہ آہستہ آہستہ بولتی سُنائی دی اور وہ جلدی سے مڑ کر دروازے کے قریب جا کھڑا ہوا۔ "دیکھو! یہ باتوں کا وقت نہیں، تم جلدی جاؤ۔ میں بار بار تمھیں تکلیف نہیں دوں گی۔ یہ لو میری انگوٹھی، میں تمھیں اور بھی بہت کچھ دوں گی!"

قاسم جلدی سے پیچھے ہٹ کر ایک ستون کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ دروازہ کھلا اور ایک لونڈی تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی قاسم کے قریب سے گزر گئی۔

قاسم دبے پاؤں وہاں سے نکلا اور ایک اور راستے سے لونڈی سے پہلے محل [illegible] پر جا پہنچا۔ لونڈی نے نیچے اترتے ہوئے اسے دیکھا اور ٹھٹھک کر [illegible]

"[illegible] وقت کہاں جا رہی ہو؟" قاسم نے سوال کیا۔

"[illegible] میں . . . !" لونڈی خوف زدہ ہو کر کانپنے لگی۔ وہ ڈر سے [illegible]گئی۔

"خاموش!" قاسم نے گرج کر کہا۔

"میں بے قصور ہوں۔ مجھ پر رحم کیجیے۔ میں ایک لونڈی ہوں۔ میں صفیہ کے حکم کی تعمیل سے انکار کیسے کر سکتی تھی۔ مجھے معاف کیجیے۔"

"تمہارے بچاؤ کی یہی صورت ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ۔"

"میں سب کچھ بتانے کے لیے تیار ہوں۔"

"صفیہ نے ملاقات کے لیے کون سی جگہ بتائی ہے اور وہ پہرے دار کون ہے جس کے پاس تم یہ خط لے جا رہی ہو؟"

"وہ سعید ہے اور صفیہ نے مجھے کہا ہے سعید اسے جنوبی دروازے پر آ ملے۔"

"اس سے پہلے بھی کبھی ان کی ملاقات ہوئی ہے؟"

"نہیں۔"

"پیام رسانی؟"

"ہاں!"

"تمہیں معلوم نہیں کہ جس کے پاس یہ پیغام جاتے ہیں، کون ہے؟"

"جی نہیں۔ اس کا صرف سعید اور جنوبی دروازہ کے پہرے دار کو علم ہے، صفیہ نے مجھے صرف یہ بتایا ہے کہ وہ ایک بے گناہ کی جان بچانا چاہتی ہے۔"

"بہت اچھا تم ابھی یہ رقعہ سعید کو جا کر دے دو لیکن اگر تم نے اسے یہ بتا دیا کہ ...ں نے یہ رقعہ دیکھ لیا ہے تو تمہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر دجلہ میں پھینک دیا جائے گا ...ر واپس آ کر صفیہ سے بھی اس بات کا ذکر نہ کرنا لیکن اگر اس نے یہ پوچھا کہ تم نے دیر ...ں لگائی تو تم کیا جواب دو گی؟"

لونڈی نے کچھ سوچ کر جواب دیا "میں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی۔ میں یہ

کہوں گی کہ میں نماز کے لیے رُک گئی تھی۔"

"تم بہت ہوشیار ہو۔ یہ لو، تمھیں اور بھی بہت کچھ ملے گا۔" قاسم نے چند سنہری سکے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

(۴)

سعید نے بغداد کی گنجان آبادی کی ایک تنگ گلی میں سے گزرنے کے بعد ایک پُرانے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ ایک شخص باہر نکلا اور سعید کو پہچان کر ایک اور تنگ گلی میں لے گیا۔

"کوئی ضروری پیغام ہے؟" اس نے راستے میں سوال کیا۔

"نہایت ضروری۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ایک سہ منزلہ مکان کے دروازے پر رُکے اور سعید کے ساتھی نے پانچ دفعہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد دروازہ کھٹکھٹایا۔ کسی نے اندر سے دروازے کی چھوٹی سی کھڑکی کھول کر باہر جھانکا اور سعید کے ساتھی کو پہچان کر دروازہ کھول دیا۔

سعید کے ساتھی نے کہا: "انھیں اندر لے جاؤ!"

سعید اندر داخل ہوا تو پہرے دار نے پھر دروازہ بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد طاہر، عبدالعزیز اور عبدالملک صفیہ کا رقعہ پڑھ کر سعید سے طرح طرح کے سوالات پوچھ رہے تھے۔ سعید نے اس بات کی تصدیق کی کہ افضل محل میں گیا تھا اور یہ بھی بتایا کہ اس نے مہلب اور سپہ سالار کو بھی وہاں آتے جاتے دیکھا ہے لیکن وہ یہ نہ بتا سکا کہ صفیہ نے طاہر کو اس وقت کیوں بلایا ہے۔ تینوں دوست کچھ دیر اس موضوع پر بحث کرتے رہے۔ عبدالعزیز کی رائے یہ تھی کہ سپہ سالار، وزیرِ خارجہ اور وزیرِ اعظم نے افضل سے ہمارے ٹھکانے معلوم کر کے یقیناً کوئی

خطرناک فیصلہ کیا ہوگا اور صفیہ ایک عورت کی طرح آپ کے مقصد سے آپ کی جان کو زیادہ قیمتی خیال کرتی ہے۔ وہ غالباً آپ سے یہی کہے گی کہ آپ چاروں طرف سے خطرے میں گھرے ہوئے ہیں، اس لیے اپنی جان کی فکر کیجیے۔"

عبدالملک نے کہا: "میں اپنی معلومات کی روشنی میں صفیہ کو عام لڑکیوں میں شمار کرنے پر احتجاج کرتا ہوں، اگر اسے نسوانی جذبات کا اظہار ہی مقصود ہوتا تو وہ اس خط میں چند سطور کا اضافہ کر سکتی تھی۔"

عبدالعزیز نے کہا: "لیکن اس کے خط کا اختصار تو صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ اسے لکھنے کا موقع نہیں ملا۔"

عبدالملک نے کہا: "یعنی اسے کوئی مجبوری درپیش ہوگی۔ اسی مجبوری کی وجہ سے اس نے طاہر کو بلایا ہے، اب اگر طاہر نہ گیا تو وہ کیا خیال کرے گی!"

طاہر نے اٹھ کر تلوار سنبھالتے ہوئے کہا: "اس نے مجھے خدا کے نام کا واسطہ دیا ہے۔ میں ضرور جاؤں گا۔ اس نے ایک دفعہ میری جان بچائی ہے اگر میرے سر پر اس کا یہ احسان نہ بھی ہوتا تو بھی میں اپنی قوم کی ایک بیٹی کی آواز پر لبیک ضرور کہتا۔"

عبدالعزیز نے کہا: "تو میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"

"نہیں" طاہر نے فیصلہ کن انداز میں کہا: "ہمیں اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔ اگر کوئی خطرہ ہوتا تو وہ مجھے وہاں تنہا پہنچنے کی دعوت نہ دیتی۔"

(۵)

وزیر اعظم کے محل کے جنوبی پھاٹک سے اندر داخل ہونے کے بعد طاہر کو چاند کی روشنی میں صفیہ دکھائی دی۔ وہ کھلی فضا سے نکل کر ایک گھنے درخت کے سائے میں کھڑی ہوگئی۔ طاہر نے اس کے قریب پہنچ کر کہا:۔

"کہیے!"

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کا ایک دوست غدار ہو گیا ہے۔"

طاہر نے کہا: "یہ بات آپ اپنے مکتوب میں ظاہر کر چکی ہیں۔ میں وہ ضروری باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جن کا آپ نے خط میں ذکر کیا ہے۔"

خشک پتوں کے اس انبار کی طرح جنھیں تیز بگولا اُڑا کر لے جاتا ہے۔ صفیہ نے الفاظ کے جو ذخیرے جمع کیے تھے، وہ منتشر ہو گئے۔ وہ خود اپنے دل سے پوچھ رہی تھی کہ میں نے اسے کیوں بلا لیا؟

اس نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: "میری ایک درخواست ہے۔"

"میرے لیے آپ کی ہر درخواست حکم کا درجہ رکھتی ہے۔"

"حکومت آپ کو گرفتار کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اگر چند دن وہ آپ کو پُرامن طریقے سے گرفتار نہ کر سکے تو مجھے یقین ہے کہ وہ قوت کے استعمال سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔"

طاہر نے اطمینان سے کہا: "مجھے معلوم ہے۔"

"تو خدا کے لیے یہاں سے چلے جائیے۔ آپ کو ہر وقت خطرہ ہے۔"

"میں خطرات سے نہیں ڈرتا لیکن آپ کے مشورے سے پہلے ہی میں یہاں سے جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔"

"کب جائیں گے؟"

"بہت جلد۔"

"تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیے!"

طاہر چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا لیکن صفیہ نے آگے بڑھ کر اس کا

دامن پکڑ لیا۔ اس نے کہا۔ "یہ محل میرے لیے ایک قید خانہ ہے۔ دنیا میں میرا کوئی نہیں۔ میں اس زندگی سے تنگ آچکی ہوں۔ میں مدینے جا کر کسی جھونپڑی میں رہنا پسند کروں گی۔ مجھے بغداد سے نفرت ہے۔ مجھے ان ایوانوں سے نفرت ہے جہاں انسان کے بھیس میں سانپ رہتے ہیں۔"

"آپ کو شاید معلوم نہیں کہ میری منزل مدینہ نہیں خوارزم ہے۔"

"میں وہاں جانے کے لیے بھی تیار ہوں۔"

"لیکن وہاں کے حالات آپ کو معلوم نہیں۔ وہاں پہلے ہی قوم کی ہزاروں ایسی بیٹیاں موجود ہیں جن کا نگہبان کوئی نہیں۔ میں ان میں ایک اور کا اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔"

"تو میں آپ کے واپس آنے تک انتظار کروں گی۔ آپ وعدہ کریں کہ آپ مجھے بھول نہیں جائیں گے۔"

طاہر نے مغموم آواز میں کہا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی، میرا خیال تھا کہ آپ کو میرے مقاصد سے ہمدردی ہے۔"

صفیہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے درد بھری آواز میں کہا۔ "آپ جائیے۔ میں سمجھتی تھی کہ آپ اپنے دل میں انسانیت کا درد رکھتے ہیں لیکن آپ خود پسند ہیں۔ آپ کو صرف اپنی ذات سے محبت ہے۔"

طاہر نے کہا۔ "کاش! آپ کو معلوم ہوتا کہ میں کانٹوں پر چلنے کے لیے پیدا ہوا ہوں۔ میں آپ کو اپنے ساتھ نہیں گھسیٹ سکتا۔ آپ نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے، شاید میں اس کا بدلہ نہ دے سکوں۔ میری گردن ہمیشہ جھکی رہے گی۔ ں خود پسند نہیں ہوں لیکن ایک سپاہی کی زندگی میں ایسے مرحلے آتے ہیں جب سے اپنی زندگی کی عزیز ترین خواہشات قربان کرنا پڑتی ہیں۔ وہ کسی کے پسینے کے

حجاب

بدلے خون تک گرانے کے لیے تیار ہوتا ہے لیکن اسے فرض مجبور کرتا ہے تو وہ اس کے آنسوؤں کی بھی پروا نہیں کرتا اور میدانِ جنگ میں چلا جاتا ہے۔ آپ ایک عالیشان محل میں رہ کر بھی اپنا دم گھٹتا محسوس کرتی ہیں لیکن ترکستان میں آپ کی ہزاروں بہنیں ایسی ہیں جنھیں اس کھلے آسمان کے نیچے سر چھپانے کو جگہ نہیں ملتی۔ اس وقت میری توجہ کی زیادہ حق دار وہ ہیں۔ اسلام کی بدنصیب بیٹیاں، اپنی عراق، عرب اور مصر کے پُرامن شہروں میں رہنے والی بہنوں کو پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں کہ اگر تمھارے بھائی شوہر اور عزیز ہماری مدد کو پہنچ سکتے ہیں تو خدا کے لیے ان کا راستہ نہ روکو!"

صفیہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا: "مجھے معاف کیجیے۔ جائیے خُدا آپ کی مدد کرے۔ میں نے آپ کو غلط سمجھا۔ میں ایک عورت ہوں۔ جائیے . . . !"

وہ دروازے تک اس کے ساتھ آئی۔ سعید کے اشارے سے پہرے دار نے دروازہ کھول دیا۔ طاہر نے ایک بار مُڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ آنسوؤں میں ڈھلی ہوئی حسین اور مقدس مسکراہٹ جو بیک وقت روح پرور بھی تھی اور حوصلہ شکن بھی!

"آپ مجھ سے خفا تو نہیں؟" طاہر نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں!" اس نے میٹھی آواز میں کہا: "آپ مجھے بھول تو نہیں جائیں گے؟"

"کبھی نہیں۔" طاہر نے جواب دیا۔

طاہر تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا باہر نکلا اور صفیہ دروازے میں کھڑی ہو کر اُسے دیکھنے لگی۔ وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر رہا تھا کہ اچانک دائیں اور بائیں ہاتھ سے سپاہیوں کی دو ٹولیاں نمودار ہوئیں۔ طاہر تلوار نکالنے سے پیشتر پندرہ بیس آدمیوں کی گرفت میں آچکا تھا۔

صفیہ نے جلدی سے کہا: "سعید تم بھاگ جاؤ!"

سعید اور دو پہرے دار پوری رفتار سے محل کے ایک کونے کی طرف بھاگے۔

صفیہ دروازے سے نکلی لیکن قاسم نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا اور کہا: "صفیہ! تم نے آج بہت بڑا کام کیا۔ چلو اب آرام کرو۔" اور وہ اس کی آہنی گرفت میں بے بس ہو کر ساتھ چل دی۔ چند قدم چلنے کے بعد قاسم نے رک کر سپاہیوں کو آواز دی: "سعید شاید بھاگ گیا ہے۔ اسے بھی گرفتار کر لو۔"

محل کے اندر پہنچ کر قاسم نے صفیہ کو اس کے کمرے کے اندر دھکیل دیا اور باہر سے کنڈی لگا دی۔

واپس آ کر مہلب کے اصرار پر قاسم نے طاہر کو اس کے سپرد کر دیا۔ سعید اور دوسرا پہرے دار محل کا کونہ کونہ چھان مارنے کے باوجود بھی نہ ملے۔ بالآخر ایک سپاہی نے یہ خبر دی کہ محل کی ایک کشتی غائب ہے۔ اس وقت تک وہ دوسرے کنارے پہنچ چکے ہوں گے۔

آدھی رات کے بعد جب مہلب طاہر کو قید خانے کے داروغہ کے سپرد کر کے ہدایات دے رہا تھا، سعید اور اس کا ساتھی عبدالملک اور عبدالعزیز کو اپنی سرگزشت سنا رہے تھے۔

عدم وصولی شمارہ

ہمارے پاس کسی شمارے کی عدم وصولیابی کی اطلاع آتی ہے تو ہم فوراً وہ شمارہ دوبارہ بھیج دیتے ہیں لیکن خط نہیں لکھتے۔ ہاں، اگر شمارہ نہیں بچا ہے تو معذرت کا خط لکھتے ہیں۔

دو خط

(۱) مریم جمیلہ از نیویارک (۲) ابوالاعلیٰ مودودی از لاہور

عورت

(۱)

مریم جمیلہ نیویارک مارچ ۱۹۶۱ء

عزیز القدر مولانا مودودی

[خ]ط کے ساتھ لک LOOK میگزین سے لیا
[ہو]ا ایک عکسی مضمون ارسال خدمت ہے
[ج]س میں عورتوں کے لباس کے تازہ ترین
[ف]یشن کی عکاسی کی گئی ہے۔ امریکہ اور یورپ
[ک]ے فیشن کو 'طرح' دینے والے ہر ممکن کوشش
[ک]رتے ہیں تاکہ وہ ماڈرن مغربی عورت کو
[با]زاری گڑیا بنا کر ہی دم لیں۔

اس فیشن کے سیلاب کو دیکھ کر آسکر وائلڈ
[ن]ے کیا ہی خوب فقرہ چست کیا۔ کہ فیشن
دراصل اس قدر قبیح اور بدشکل ہوتا ہے
[کہ] ہر چھ ماہ بعد بدلنا پڑتا ہے۔ کپڑوں کا ایک
[اہ]م مقصد حیاء و حجاب ہے۔ مضمون میں دی
[گئ]ی تصاویر سے آپ اندازہ لگائیں گے کہ
کہ یہاں عورتوں کے لیئے کپڑوں کو ایسا فیشن
دیئے جانے کی غرض وغایت شہوت رانی کا
بازار گرم کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام
قبول کرنے کے رجحان کے فوراً بعد جس
اولین امر کی طرف میں متوجہ ہوئی وہ یہ تھا کہ
میں نے اپنی اسکرٹ کو لمبا کر دیا۔ میرے رشتہ دار
مجھے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ جب انھوں نے
مجھے ٹخنوں تک اسکرٹ پہن کر دیکھا جبکہ
دوسری عورتیں گھٹنوں کے اوپر پہنتی ہیں۔

میں ان سے بغیر کسی شک و شبہ کے
پوچھتی ہوں کہ عورت کو خصوصاً چھوٹے بچوں
والی عورت کو گھر سے نکال کر تجارتی مراکز اور
کارخانوں میں مردوں کے ساتھ دوڑ میں پھنسانے
سے کیا فائدہ ہے؟ گھروں کو ان سے خالی
کرایا جائے اور اس کے بدلے کنڈرگارٹن

اور بچوں کے پالنے والے ہوسٹل کے قیام میں
کونسی معقولیت ہے؟ یہ دراصل خاندانی تہذیب
کو تباہ کرنے کی غرض سے روس اور چین میں
جان بوجھ کر کیا جا رہا ہے۔ اور اس کو روبہ عمل
لانے کے لئے عورتوں کی آزادی کا نام دیا جا رہا
ہے۔ اگرچہ یہ سب کچھ کم سطح پر ہی سہی میرے
ملک میں بھی ہو رہا ہے۔ آپ کی مخلص مارگریٹ مارکوئس

دے۔ اس طرح وہ بچی کے دوپاٹوں
درمیان پسی جا رہی ہے۔ یہی پروپیگنڈہ
کو ابھارتا ہے کہ جنس مخالف (مردوں)
کے لئے نہیں اپنے آپ کو جاذب نظر بنایا ہے
اور اس طرح نیم عریاں لباس پہن کر
اپنی عزت و عفت کا استحصال کرتی ہیں
کے ہاتھوں میں ان کو کھلونا بنا دیا گیا ہے

(۲)

لاہور یکم اپریل ۱۹۶۱ء

عزیزۃ القدر مارکوئس،

"..... میں نے آپ کا خط بہت ہی توجہ
سے پڑھا۔ امریکہ کی خواتین کے ملبوسات
کی تصاویر کے ذریعہ پروپیگنڈہ میرے لئے
کوئی نئی اطلاع نہیں ہے
مغربی تہذیب نسوانیت کے بارے
میں مکمل بے رحم ثابت ہو چکی ہے۔ یہ تہذیب
چاہتی ہے کہ ایک طرف عورت تنہا بیاہ کر
ہو کر فطرت کے عائد کردہ بوجھ کو برداشت کرے
اور دوسری طرف مرد کے متعدد اعور توں کی

اسلام نے ایک عورت کو تمام
مردوں کی دسترس سے آزاد کر کے ایک
رفاقت میں محفوظ کر لیا ہے۔ اسلام نے
انتہائی قدر و منزلت عطا کرتا ہے
برعکس مغربی تہذیب نے عورت کو
مردوں کا غلام بنا رکھا ہے اور
فریب میں مبتلا کر رکھا ہے کہ
فطری طور پر عائد پابندی کو [illegible]
کی بے عزتی ہے۔

[illegible]

خط و کتابت کرتے وقت
جنسی نمبر ضرور لکھا کریں

عجائب

شیخ ضیاء الاسلام فاروقی

ایک اہم کردار

ایڈورڈس کالج پشاور میں تعلیم اور وہاں کی سرگرمیوں کے ذکر سے پہلے اپنے قریبی ماحول کی
ک اہم شخصیت کا تذکرہ مناسب رہے گا جس نے بعدازاں ایک کارکن کی حیثیت سے کام
رنے میں میری بڑی معاونت کی ۔ میرے فطری ذوقِ مطالعہ کو مہمیز کرنے میں والدہ مرحومہ صاحبہ کا
ا حصہ ہے ۔ والدہ مرحومہ جن کا انتقال دو سال قبل پچاسی سال سے زائد عمر میں ہوا ، گہرے
شغف کی مالک تھیں ۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد انھوں نے اپنا تعلق قرآن حکیم سے
ستوار ۔ اول وقت میں پنج وقتہ نمازوں کی پابندی ، باقاعدگی سے ادائیگیٔ نوافل اور
ری ، درود و وظائف اور تسبیح و تحلیل میں ساٹھ سال سے زائد عرصہ گزرا ۔ رمضان شریف
سے زندگی کے آخری سال تک پابندی کے ساتھ رکھے ۔ نفلی روزے ان کے علاوہ ہوتے
قرآن شریف ہمیشہ ساتھ رہا ۔ بلاناغہ پانچ چھ سیپاروں کی تلاوت اور کچھ حصہ ترجمہ کا
معمول رہا اور آخری سانس تک بہترین سماعت اور بصارت قائم رہی ۔ کہا کرتی
سب کلام پاک کی تلاوت کی برکت کا نتیجہ ہے ۔ بڑے تحکم کی مالکہ تھیں اور بڑی سختی
ایک فرد کو نماز کی پابندی کراتی تھیں ۔ ناظرہ قرآن میں نے انہی سے پڑھا اور
عمر میں مکمل کیا ۔ ہم تین بھائیوں کی پرورش اور تربیت والدہ مرحومہ نے اتنی توجہ
جو اس زمانہ میں بھی بہت کم بچوں کو نصیب ہوگی ۔ چھوٹے بھائی کا تو نوجوانی ہی
ہوگیا تھا لیکن میرے بڑے بھائی اختر الاسلام تحریک کے ایک مثالی کارکن ثابت ہوئے

عورت

عورت بیٹی ہوتی ہے تو باپ اس کا سر
پرست ہوتا ہے۔ بہن ہوتی ہے تو بھائی کے
لئے غیرت ہوتی ہے اور بیوی ہوتی ہے تو شوہر
کی عزت بن جاتی ہے۔ یہ تینوں رشتے بڑے
ہی نازک ہوتے ہیں۔ ان میں ذرا بھی گڑبڑ یا
اونچ نیچ ہو تو پورے معاشرہ میں بد نظمی، بے
راہ روی پھیل جاتی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا
ہے کہ بیٹی، بہن اور بیوی کا رشتہ جتنا مقدس
مستحکم اور مضبوط ہوتا ہے اتنا ہی خطرناک
بھی ہوتا ہے۔ بیٹی اگر باپ کی سرپرستی سے
نکل جائے تو خاندان پر حرف آئے گا۔ لوگ
انگلیاں اٹھائیں گے گھر میں بد نظمی پیدا ہو جائیگی
اگر بہن بھائی کا خیال نہ رکھے تو اس کی غیرت
بھی مٹ جائے گا۔ اور اگر کوئی ایسی ویسی بات
ہو جائے تو وہ [illegible] سینے پر [illegible]
جائے گا۔ اگر بیوی شوہر کا لحاظ، خیال اور اس
کی آبرو کا پاس نہ رکھے تو شوہر کی عزت خاک
میں مل جائے گی۔ وہ منہ دکھانے کے قابل نہیں
رہے گا۔ جو عورت ان رشتوں کا اور ان رشتوں
کی نزاکت کا خیال نہیں رکھے گی وہ خود بھی تباہ
ہوگی اور دوسروں کو بھی تباہ کر دے گی۔ یورپ
نے عورت کو پرانے بندھنوں سے نکالنے کے
لئے آزادیٔ نسواں کی تحریک چلائی لیکن آج
یورپ کا اس تحریک کے باعث کیا حال ہے
خود عورت اپنے آپ کو کہاں پا رہی ہے۔
عورت کے اندر قدرت نے اپنی عزت اپنی
اولاد اور اپنے گھر پر مر مٹنے کا جذبہ رکھا ہے۔
مغرب اسی جذبہ کو مارنے اور ختم کرنے کی
کوشش کئے جا رہا ہے جو ایک انتہائی بھیانک
غلطی ہے۔ (ماخوذ)

نشتر

افسانہ

تسلیم نزہت اعظمی، خان کلینک پھول پور۔ اعظم گڑھ

محبت کا لافانی نقش تو جانے کب کا مٹ چکا تھا۔ اس کی زندگی کے لمحے لمحے پر نفرت کی بے شمار لکیریں میں نے انجانے میں ہی کھینچ دی تھیں۔ یہ لکیریں کبھی کبھی اتنی گہری اور واضح ہو جاتیں کہ میں، جو بے حسی کی سرحد پھلانگتی جا رہی تھی، اس کے احساس کے نازک آبگینے پر بے رحمی کا پتھر پھینک کر اکثر نفس کے کچوکوں سے خود گھائل ہو اٹھتی، پر اگلے لمحے درد کا ابھرتا ہوا ن دھندلا پڑ جاتا۔ اور پھر جور و زیادتی کا ن بے محابا بڑھنے لگتا جس کے سامنے صبا ست کی اٹوٹ چٹان بن جاتی۔ تنفّر کی پلٹ پلٹ کر اس کے وجود پر حملہ آور موجیں ٹکراتیں، سر پھوڑتیں اور ناکام ہو کر ٹوٹ پھوٹ جاتیں۔ لیکن صبا کے دل کی سنگین چٹان میں معمولی شگاف بھی نہ ڈال پاتیں۔

مگر آج..... آج نفرت کے پودے کے اُگے ہوئے خاروں سے خود میرا احساسِ جرم لہولہان ہو اٹھا ہے۔ یہ کانٹے جو میں نے اس کی رگ رگ میں پیوست کر دئے تھے، آج اسکی خلش میرے شعور میں چبھن کا کربناک احساس بکھیر رہی ہے۔ پشیمانی کی جڑیں میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں گھستی جا رہی۔ میرا رُواں رُواں بے کل ہے۔ میری بچی فرح نے میرے ماضی پر سوچ کا کنکر پھینک کر دل کے ساکن جذبوں میں لرزہ خیز تلاطم برپا کر دیا ہے۔

چند سال قبل فرح کی طرح صبا چھوٹی سی تھی۔ اُس کا باپ ہیبنی مل میں مزدور تھا۔ مل کے مزدوروں نے "اُجرت بڑھاؤ" مانگ کے سلسلے میں ہڑتال کر رکھی تھی۔ جب مل کے مالکوں نے اُجرت بڑھانے سے انکار کر دیا تو مزدور تشدد پر اُتر آئے۔ ہنگامہ بڑھا تو پولیس نے آنسو گیس اور لاٹھی چارج سے مزدوروں کے بپھرے ہجوم پر قابو پایا۔ بالآخر مزدوروں کی خونی قربانی کے بعد اُن کا مطالبہ پورا کرا لیا گیا پر اسی قربانی میں صبا کا باپ بھینٹ چڑھ گیا۔ اِس ٹریجڈی کے بعد صبا کے گھر سے میرے رسمی تعلّقات بڑھنے لگے۔ اُس کے رشتہ دار دُور تھے۔ غربت نے مزید دُوری پیدا کر دی تھی۔ پڑوسی ہونے کے ناطے ہم دونوں کے تعلّقات خونی رشتوں کی طرح گہرے ہو گئے تھے۔ چار سال قبل صبا کی امّی کو ٹائیفائڈ ہو گیا۔ اُن سے دوستی اور غربت کے پیشِ نظر تیمارداری کے ساتھ علاج کا ذمہ بھی میں نے اُٹھایا۔ لیکن اُن کی حالت دگرگوں ہوتی گئی۔ ایکدن مزاج پرسی کے لئے میں اُن کے یہاں گئی تو انھوں نے عیادت کے صلے میں اپنی بچی صبا کو میرے حوالے کرنا چاہا۔

"میں نے اناتھ آشرم میں پرورش پائی ہے رباب! وراثت میں یتیمی کا یہ دکھ بھی میں اپنی بیٹی کو دے کر جا رہی ہوں۔ یہ بوجھ تم برداشت کر لو۔ خدا فرح کو اِس اذیت ناک کرب سے ہمیشہ بچائے رکھے۔ میری لاوارث بچی پر شفقت کا ہاتھ پھیر کر رباب تم اپنا اور اپنی بچی کا مستقبل محفوظ کر لو گی۔ اگر میری بچی اناتھ آشرم کی بے بس قید سے بچ گئی تو میں سکون سے مر سکوں گی۔ تمہارے سوا میرا ہے ہی کون درد سمجھنے والا۔"

میں بوکھلا گئی۔ "ایسا نہ کہئے باجی! آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔ صبا آپ کی ہی نہیں میری بچی بھی ہے۔" میں دکھ سے روہانسی ہو گئی جیسے فرح کی بے بس زندگی کا مسئلہ مجسّم روپ میں سامنے آ گیا ہو۔

"خدا کرے میں اِس معصوم کے لئے بچ جاؤں۔ ورنہ زندگی تو ہمیشہ ہی میرے لئے ایک ناگوار بوجھ بنی رہی۔"

زندگی کسی کے لئے وبالِ جان بھی ہو سکتی ہے، مجھے اپنی ہنستی مسکراتی دلکش زندگی بدمزہ، بے رنگ اور پھیکی پھیکی لگنے لگی۔ آزمائش کی یہ آہنی زنجیریں خود میرے پاؤں میں بھی تو پڑ سکتی

ں۔ میں کانپ گئی۔ "باجی یقین کیجئے میں
سے اناتھ گھر سے بچالوں گی۔ پر خدارا ایسا نہ
وچئے۔ آپ اچھی ہو جائیں گی۔ حوصلہ رکھئے۔"
ری آنکھیں بھر آئیں۔

"میں دو دن سے اسی فکر سے پریشان
ں۔ خدا تمہیں بہترین اجر دے۔" اُن کے
، جان لبوں پر آسودگی پھیل گئی۔ چہرہ واقعی
حت سے کھل اُٹھا۔ ننھی صبا بھی کبھی اُن کا
ر دباتی اور کبھی پیر دباتی۔ وہ بے چینی سے
راہتیں تو دوا بے وقت ہی پلانے کا اصرار
رتی۔ میں کافی دیر تک اُنھیں سمجھاتی اور
دلاسہ دیتی رہی اور وہ سکون سے لیٹی کراہتی
رہیں جیسے ڈوبتی کشتی کو اُمید کا ساحل نظر
آگیا ہو۔ میں بھاری دل لئے اُٹھنے لگی تو
یکبارگی اُنھوں نے میرا ہاتھ تھام لیا:

"رباب! میری بچی کو کوئی تکلیف تو
نہ دوگی!"

بے بسی کا ساگر اُن کی آنکھوں میں لہراتا
دیکھ کر میں نے پھر دلاسہ دیا "یقین کیجئے باجی!
آپ کی بچی میری بچی ہے۔ خدا پر توکل کیجئے اور
دل چھوٹا مت کیجئے۔ اِس وقت تو آپ کو
کافی افاقہ ہے۔ حالت بھی نسبتاً بہتر ہے۔ خدا
نے چاہا تو دو چار خوراک کے ساتھ ہی آپ کی
طبیعت سنبھل جائے گی۔"

اُنھوں نے تائید میں سر ہلایا "رات
کے مقابلے میں تکلیف بہت کم ہے۔"

"آنٹی! میری امی اچھی ہو جائیں گی؟
میں چلنے کو ہوئی تو صبا نے میرا آنچل پکڑ کر بڑی
معصومیت سے سوال کیا۔

"ہاں بیٹی! اب تو کافی آرام ہے اُن کو۔"
میں نے ڈھارس بندھائی تو بولی "تب
میری امی کھانا کیوں نہیں کھاتیں؟"

"دوا کھا رہی ہیں نا۔ اچھی ہو جائیں گی تو
کھانا بھی کھائیں گی۔" میں نے شفقت سے
اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"آنٹی مت جائیے۔ مجھے اکیلے بہت
ڈر لگے گا۔" صبا کا گلا رُندھا ہوا اور آنکھیں سوجی
ہوئی تھیں۔

"بیٹی صبا!" اُس کی امی نے بڑی
نقاہت سے کروٹ بدلی "ابھی تو میں زندہ
ہوں۔ مجھے ڈر کیوں ملے گا" جذبات کا بند ٹوٹتا
تو وہ آنسو جنھیں وہ پس مژگاں روکے ہوئے تھیں،

چشمے کی طرح اُبل پڑے۔ انھوں نے بے قرار ہو کر صبا کو لپٹا لیا۔ دونوں کی بے چارگی پر میرا دل کٹ گیا۔ آنسوؤں کو ضبط کرکے بڑی مشکل سے دونوں کو چُپ کرایا۔ تسلیاں دیں۔ صبا کا ہاتھ منھ دھلا کر زبردستی کھانا کھلایا۔ اُس کی امّی کو دوا پلائی۔ اور دعا کی درخواست و شفایابی کا یقین دلاتے ہوئے تشفی دی کہ دوپہر کا کھانا پکا کر میں بس ابھی آئی۔

گھر آئی تو کچھ کرنے کو جی نہ چاہا۔ لیکن وسیم صاحب، ندیم اور فرح کے لئے جیسے تیسے کھانے کا انتظام کرنا پڑا۔ کام پورا کرکے حسبِ وعدہ گھر سے نکلی۔ دروازے پر ہی نیّر مل گیا:

"آنٹی! صبا کی امی ...... حالت زیادہ خراب ہو گئی ...... نہیں وہ انتقال کر گئیں ...... !"

میں دم بخود رہ گئی۔ مجھے اس مرگِ ناگہانی کی قطعی توقع نہیں تھی۔ مگر وہ بجھتے چراغ کا آخری سنبھالا تھیں۔ غالباً انھوں نے موت کی خاموش چاپ محسوس کر لی تھی۔ تبھی تو صبا کو میرے سپرد کر رہی تھیں۔ دُکھ اور ذمہ داری کے احساس میں غلطان و پیچاں میں صبا کے گھر پہونچی۔ پڑوس کی کئی عورتیں اُسے بہلا رہی تھیں لیکن وہ کسی طور بھی قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سُرخ تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی چیخ پڑی

"آنٹی! آپ تو کہہ رہی تھیں میری امی ٹھیک ہو جائیں گی۔ امی کیوں مر گئیں؟"

اُس کی شاکی نظریں مجھ سے جواب مانگ رہی تھیں۔ صبا کی دیوانگی دیکھ کر میری آنکھیں چھلک گئیں۔ اُسے گود میں لے کر تسلی دی "تمہاری امی جنت میں چلی گئی ہیں نا...."

"چھوڑ دو مجھے!" صبا میری گود میں وحشیوں کی طرح مچلنے لگی "میں بھی جنت میں جاؤں گی ...... امی کے ساتھ میں بھی جاؤں گی ...... میں بھی جاؤں گی۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخے جا رہی تھی۔ صبا کے تڑپنے سے ہر ایک کا دل چیخ رہا تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ جنازہ اُٹھا تو اُس کا پاگل پن عروج کو پہونچ گیا۔ صبا کی گریہ وزاری سے جنازے میں شریک لوگوں کا دل پگھلا جا رہا تھا۔ جنازہ چلا گیا۔ صبا کی فلک شگاف چیخیں بھی اُس کی ماں کو نہ روک سکیں۔

میں صبا کو اپنے ساتھ ہی گھر لے آئی۔

شروع میں تو اُس کی دیوانگی کنٹرول ہی میں
آتی تھی۔ اُس کی تفریحِ طبع کا ہر سامان مہیا
کر کے بھی میں اُس کا دُکھ کم کرنے میں قاصر رہتی۔
لیکن گزرتا ہوا وقت اُس کے ہرے زخموں
کی مسیحائی کرتا جا رہا تھا۔ اُس کی وحشت
میں کمی آنے لگی تو میری ہمدردی کے اُمڈے
ہوئے طوفان میں بھی ٹھہراؤ آنے لگا۔ پہلے تو
اسے 'چیف گیسٹ' کی حیثیت سے رکھا۔
پھر اپنی بیٹی فرح کا درجہ دیا۔ رفتہ رفتہ محبت
کی سطح اَب پر ممتا کی متحرک لہریں ساکت ہونے
لگیں اور غمگساری کی سطح بتدریج گھٹنے لگیں۔
یہ سطح نیچی، بہت نیچی ہوتی گئی، حتّٰی کہ پیار کا
سوتا خشک ہوتا گیا۔ اور تب اُس کی تلچھٹ
میں نفرت کی دراڑیں پڑ گئیں۔ اَب وہاں کیچڑ
بھی بھبھک تھی۔ بدرنگ زمین تھی۔ محبت کا
انمول صدف اُتھلے پانی میں ہوتا بھی کہاں ہے۔
یہ گوہرِ نایاب تو ممتا کے حقیقی سمندر کی گہرائی میں
پایا جاتا ہے۔ میرے پاس جو نقلی جذبوں کا ساگر
تھا وہ وقت کی تیز ہواؤں سے بہت جلد سوکھ گیا
صبا کی چھوٹی سی بھول بھی مجھے سنگین
جرم نظر آتی جس کی بڑی سے بڑی سزا دے کر بھی

مجھے تسکین نہ ملتی۔ وہ چوٹ کھائے ہوئے ستار
کی طرح لرزتی ہوئی نگاہیں جھکائے رکھتی۔ تاہم
اُس کی آنکھوں میں نہ کوئی فریاد ہوتی نہ احتجاج۔
وہ میرے سلوک کی کڑواہٹ اُمرت سمجھ کر
پی جاتی اور اُس کے چہرے پر تلخی کا ہلکا سا عکس
بھی نہ ہوتا۔ لیکن کبھی کبھی اُس کی آنکھوں کی
سنگین چٹانوں سے اشکوں کے چشمے پھوٹ نکلتے
تو میری نفرت دو آتشہ ہو جاتی اور سزائیں بے لگام

"فرح کے ساتھ مت کھایا کرو۔"
"کتنی بار کہا آنٹی مت کہو بیگم صاحب
کیوں نہیں کہتیں آخر۔"
"اپنی چارپائی اُس کی مسہری کے پاس
سے ہٹاؤ۔ عجیب لڑکی ہے یہ بھی۔ یہ بات ہیں
فرح کی برابری!"

نفرت نئے نئے احکام نافذ کرتی۔ صبا
تعمیلِ حکم یوں کرتی کہ سجدۂ سہو کی گنجائش
بھی نہ چھوڑتی۔ لیکن ایک غلطی وہ ہر بار کرتی۔
ڈانٹ اور مار کھا کر بھی اِس بھول کا اعادہ کرتی
رہتی۔ لیکن نہیں، یہ غلطی فرح ہی کرتی۔ اپنی
مسہری اُس کی چارپائی سے ملائے رکھتی۔ میں
لاکھ منع کرتی مگر فرح بڑی ضدی تھی۔ اُسے نیند

ہی نہ آتی اُس سے بحواس کئے بغیر۔ اور سزا صبا کو بھگتنا پڑتی۔ شاید ایسا کر کے فرح اپنی ذہنی سطح سے صبا کو گرانا نہ چاہتی تھی۔ میری سخت تنبیہہ سے فرح کو ساتھ کھانے کی ہمت نہ تھی۔ لیکن مجھے محسوس ہوتا کہ وہ میری بندشوں سے سخت نالاں ہے۔ موقعہ پا کر ایک دن میں نے فرح کو سمجھایا:۔

"وہ تمہاری خدمت گار ہے۔ نوکروں کو نوکر ہی سمجھنا چاہیئے۔ انھیں مالک کا درجہ دینے میں الٹی اُن ہی کی خدمت کرنا پڑتی ہے تمہاری سمجھ میں آخر کیوں نہیں آتا!"

"مگر ممی! وہ نوکرانی کب ہے" فرح بے ساختہ بولی "وہ تو آنٹی کی لڑکی ہے۔ اُن کے مرنے سے نوکرانی بن گئی ممی!"

"صبا کی امّی اُسے میرے حوالے کر گئی ہیں نا" میں نے فرح کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا "گھر میں رہے گی تو کام بھی کریگی"۔

"ممی!" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی "آپ مر جائیں گی تو میں بھی نوکرانی بن جاؤں گی؟"

فرح نے غیر شعوری طور پر تلوار کی دھار میرے قدموں کے نیچے رکھ دی۔ میں تڑپ گئی۔

اُس کے معصوم سوال نے میرا روپ بے نقاب کر دیا تھا۔ وقت کی گردش کی زد میں فرح آ تو۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں لرز اُٹھی۔ اُس کے سوال کا تیز دھار نشتر میری رُوح زخمی کرتا جا رہا ہے۔۔۔۔۔

"میری بچّی کو کوئی دُکھ تو نہ دوگی رباب" صبا کی امّی کی التجا صدائے بازگشت بن کر میرے دل میں ارتعاش پیدا کر رہی ہے۔

"یقین کیجئے باجی! آپ کی بچّی میری بچّی بھی ہے۔" اشکوں کا سیلِ رواں میری آنکھوں سے اُبل پڑا۔ جانے کیوں نفرت کا آتش فشاں اگلے لمحے ہی سرد پڑ گیا۔

"بیٹی صبا! مجھے معاف کر دو!" یہ کہتے کہتے تصویرِ حیرت بن کر صبا کو برسوں بعد بے اختیار سینے سے لگا لیا۔

بیوی کی تعریف

○ خاوند وہ ہوتا ہے جو تمام مصیبتوں میں بیوی کا ساتھ دیتا ہے کیونکہ مصیبتیں خاوند ہی کی وجہ سے بیوی پر نازل ہوتی ہیں۔

○ خاوند ایک ایسا شخص ہوتا ہے جو انکم ٹیکس اور انشورنس کی پیچیدگیوں کو بڑی ذہانت اور کامیابی سے حل کر لیتا ہے لیکن اپنی کنگھی یا ٹائی نہیں ڈھونڈ سکتا

○ خاوند وہ ہے جو پالتو کتے کی موجودگی پر ناراض ہوتا ہے لیکن رات کو بڑا کوٹ لے کر اسے سردی سے بچانے کے لیے گیراج میں آ جاتا ہے

○ خاوند وہ ہے جو بچے کے رونے کی آواز سن کر بیوی کو جگا دے۔

ایک معزز خاتون کا خط

ایک معزز خاتون نے اپنی سہیلی کے نام خط میں شوہر ساس اور نند کے متعلق جو باتیں لکھی ہیں وہ یوں ہیں، پیاری سہیلی تم جانتی ہو کہ میں ۳۰ سال کی خوش شکل، خوش پوش، خوش عقل، خوش خوراک اور خوش باش عورت ہوں۔ میں جتنی تیز و طرار تھی میرے سرتاج شوہر نامدار اتنے ہی سیدھے سادھے مرنجاں مرنج، سادہ لوح اور کم گو آدمی تھے خدا جنّت نصیب کرے اس آدمی نے میری خوش فعلیوں پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اگر یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ الّو سے زیادہ ہوشیار آدمی نہیں تھے میرے دشمن اور حاسد کہتے ہیں کہ میری خوش خرچیوں اور خوش باشیوں نے [illegible] دیا مگر اس الزام سے مجھے اختلاف ہے [illegible] ان کی موت کا سبب کچھ اور تھا جسے [illegible] اسراف کر کے میں پولیس کو دعوت نہیں دے [illegible]

میرے خط لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ شوہر جی کے انتقال کے بعد تنہائی کاٹ کھا رہی ہے میں اکیلی نہیں رہ سکتی۔ مجھے ایک ساتھی ایک شریک سفر ایک سہارے کی ضرورت ہے مگر سسر ساس نند وغیرہ ابھی زندہ ہیں اور میرے سینے پر ہر روز مونگ دل رہے ہیں ان کی موجودگی میرے لئے وبالِ جان بن گئی ہے سسر کی عمر ۷۰ سال ہے صحت مند ہیں نہایت خاموش طبیعت ہے منہ میں زبان نہیں، اپنے کام سے کام رکھتے ہیں میں نے انہیں باغیچے کی دیکھ بھال کے لئے رکھا ہے سارا دن گھاس کھودتے ہیں۔ کبھی کبھی کھا لیتے ہیں اس لئے نہیں کہ میں انہیں بھوکا مارتی ہوں بلکہ اس لیے کہ یہ پرانا شوق ہے۔ ایک [illegible] کھانا خوب کھانے میں [illegible] جب تک شوہر زندہ تھے وہ [illegible]

ڈالے آرام و اطمینان سے بیٹھے رہتے تھے بالکل
اس طرح جیسے بادشاہ یا شہنشاہ رہتے ہیں
میں نے شوہر کے بہو کہا "کچھ کام کیجئے۔ یوں بیٹھے
رہنے تو کیسے کام چلے گا" اب وہ مالی کا کام کر رہے
ہیں ان کی خوراک بڑھ گئی ہے۔ شاید محنت کا پھل
ہو گا۔ کبھی کبھی مجھے اور اپنی حالت کو دیکھ کر روتے
ہیں مجھے بوڑھوں کا رونا اچھا نہیں لگتا لہذا میں
سبب ہی نہیں پوچھتی تم ہی بتاؤ بے کار بیٹھے
ہوئے آدمی کو کام پر لگانا کیا بُری بات ہے؟
پہلے وہ سسرے تھے اب مالی بن گئے ہیں۔ کیا
یہ ترقی نہیں ہے؟

ساس اپنے لختِ جگر کی وفات حسرت آیات سے قبل یہ خاتون میری
ساس تھی۔ منہ پوپلا مگر ہمیشہ زردے والے پان
سے بھرا ہوا سرخ اور شرمیلا پہلے ملکہ کی طرح راج
کرتی تھیں اور بیٹے کے ساتھ ساتھ مجھ پر حکومت
چلاتی تھیں مگر اب میں نے ان کی ساری شیخی
ختم کر دی ہے۔ پان اور زردہ یہ کہہ کر بند کر
دیا کہ اس سے سرطان ہو گا اور حلق اور پیٹ کی
بیماریاں پیدا ہوں گی اور پلنگ سے اٹھا کر
باورچی خانے میں بٹھا دیا اب وہی پکاتی ہیں۔ دن
رات چولہے میں لگی رہتی ہیں۔ میں سمجھتی تھی کام کرتے
کرتے اللہ کو پیاری ہو جائیں گی مگر افسوس مر
مراد بر نہیں آئی میں نے ان کی زبان اور آنکھ
بھرے ہوئے زہر کو نکال دیا ہے اب میری ایک
آواز پر بھاگتی ہوئی آتی ہیں پہلے بہو کہتی تھیں اب
بیٹی کہہ کر پکارتی ہیں پہلے زبان چلاتی تھیں اب
زبان بند ہے پہلے گھر کا کوئی کام نہیں کرتی تھیں اب
ہر کام وہی کرتی ہیں برتن اتنا اچھا مانجھتی ہیں کہ ہر
چیز آئینہ بن جاتی ہے گھر اتنا اچھا جھاڑتی ہیں کہ
طبیعت عش عش کر اٹھتی ہے کھانا اتنا اچھا پکاتی
ہیں کہ کھانے والا انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھائے

نند میرے شوہر کی زندگی میں یہ عورت بہت ناک چڑھی تھی اپنی ناک پر
جس طرح اس نے مکھی کو تک بیٹھنے نہیں دیا اسی
طرح شوہر کو میرے قریب تک بیٹھنے نہیں دیا آخری
سانس تک اس نے اپنے بھائی کو سکھایا، بجھایا،
اکسایا اور جھوٹ موٹ لگایا اب میں نے اس کے
کے تمام دانت توڑ دیے ہیں اور گھر میں مہترانی
بنا رکھا ہے (نشیمن، بنگلور)



(سالک دھامپوری)

وہ اپنی بیوی اور ایک بچے کے ساتھ کھلی سڑک پر جارہا تھا۔ اس کے چہرے پر سکون اور اطمینان کی لہریں موجزن تھیں۔ لگ رہا تھا اس نے دنیا بھر کی مسرتیں سمیٹ لی ہوں۔

اچانک تین چار بدمعاش ہاتھوں میں چاقو لئے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ اس کی بیوی بچے کو گود میں لئے ایک جانب سہم کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ بدمعاش چاقو کی نوک پر اس کی تلاشی لے کر نقدی، گھڑی، بیوی کے زیور تک اتروا لیتے ہیں۔

ایک بدمعاش اس کی بیوی کو غور سے دیکھ کر جب اس کی جانب ہوسناک نگاہوں سے بڑھتا ہے تو اس کی غیرت اسے للکارتی ہے۔ وہ نتائج کی پرواہ کئے بغیر بدمعاش سے الجھ جاتا ہے۔ اس کے بعد بدمعاش اسے چاقو گھونپ دیتے ہیں اور اس کی بیوی کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

وہ زخمی حالت میں اِدھر سے اُدھر بھاگتا ہے۔ لوگوں سے فریاد کرتا ہے وہ چلاّ چلاّ کر کہہ رہا ہوتا ہے....

"ارے بچاؤ... بچاؤ... بدمعاش میری بیوی کو اٹھا کر لے گئے.... ارے کوئی ہے۔ میری مدد کرو... پکڑو... پکڑو وہ ادھر کو بھاگے ہیں...."

وہ اسی طرح چلاّ چلاّ کر اپنی مدد کیلئے لوگوں کو بلاتا رہا..

جہاں یہ واقعہ ہوا تھا وہ کوئی ویران جگہ نہ تھی۔ کوئی سنسان گلی بھی نہیں تھی۔ وہ شہر کی ایک ہری بھری سڑک تھی۔ لوگ برابر ادھر سے اُدھر آجا رہے تھے۔ گاڑیاں تیزی سے

"....میں تو یہ کوئی پاگل آدمی معلوم دیتا ہے"

اپنا آدمی

شور بے پناہ ہو رہا تھا۔ ڈھنگ کی
کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ... بس
پکڑو، مارو، بھاگنے نہ پائے کے الفاظ سمجھ
میں آ رہے تھے۔

بس کھچا کھچ بھری تھی۔ لوگ ایک دوسرے
سے گتھے ہوئے تھے۔ اس بھیڑ کا فائدہ اٹھاتے
ہوئے کسی جیب کترے نے کسی شخص کی
جیب صاف کرنا چاہی لیکن شاید اپنے فن
میں اناڑی تھا اس لئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا
اس سے قبل کہ لوگ اسے مار مار کر
ادھ مرا کر دیں ایک سپاہی بھیڑ کو چیرتا ہوا اندر
آگیا۔ لوگوں نے جیب کترے کو اس کے حوالے
کر دیا۔ سپاہی نے اس کے دونوں ہاتھ جکڑے
اور گریبان پکڑا۔ تھانے کی سمت [illegible]

[illegible] نہ جانے کیوں اس سپاہی
[illegible] نے دیکھا کہ آگے جا کر
[illegible] دوں میں [illegible]

ادھر ادھر بھاگ رہی تھیں۔ زندگی پوری طرح
اپنی ڈگر پر رقصاں تھی۔ لیکن کوئی ذی ہوش
بھی اس مظلوم کی فریاد پر آگے نہ بڑھ سکا۔ کسی
کو بھی یہ احساس تک نہ ہوا کہ ہمارے بالکل
قریب کیا کچھ ہو گیا ہے۔۔

وہ اسی طرح چلاتا رہا۔ کیونکہ وہ زخمی
تھا اس لئے خون بہہ جانے کی بنا پر اس پر
بے ہوشی طاری ہو گئی۔ وہ سڑک کے
کنارے گر پڑا۔

لوگ اس کی جانب ایک نظر ڈالتے
اور گزر جاتے۔ کچھ زیادہ ہی "مخیر" حضرات آتے
تو اس کو بھکاری سمجھ کر دس بیس پیسے ڈال
جاتے ... اسی درمیان وہاں ایک پولیس والا
آگیا۔ اس نے دیکھا کہ شہر کی اس بارونق اور
خوبصورت سڑک پر ایک زخمی آدمی پڑا ہے
اور اس کے خون سے شہر کی خوبصورتی متاثر
ہو رہی ہے اس نے آگے بڑھ کر لوگوں سے
معلوم کیا:۔

"یہ کون ہے ... ؟"

لوگوں نے کہا۔ "معلوم نہیں صاحب"

اور پھر دوسرے سپاہی نے اس جیب کترے کو ایک طرف لے جاکر چھوڑ دیا۔ جیب کترا اب ایک دوسری بس میں سوار ہو گیا تھا۔

اس آدمی نے پہلے سپاہی کے پاس جاکر کہا "جناب آپ جس جیب کترے کو پکڑ کر لائے تھے وہ اب کہاں ہے"؟

سپاہی نے اس کو ایک نظر دیکھا۔ اور پھر ہنس کر کہا "اسے رام سنگھ لے گیا ہے"۔ وہ کہہ رہا تھا "یار یہ تو اپنا آدمی ہے"۔

غزل ******** سالک دھام پوری

یہ قید و بند ہمیں کیا بھلا جھکائیں گے
مزید حق کا پرستار ہی بنائیں گے

میں نہ قید کی پروا، نہ دار کا ڈر ہے
مارا فرض ہے، ہم راہِ حق دکھائیں گے

ہ باغ جس کو کبھی خون دے کے سینچا تھا
لسے خبر تھی وہیں سے نکالے جائیں گے

یہ اُن کا ظرف ہے گلشن میں آج ویرانی ہ
ارا ظرف کہ گلشن سنوارے جائیں گے

سے سامنے یہ بھی ہے مرحلہ باقی
رو جبر کا قانون ہم مٹائیں گے

ایک اقتباس

جناب افضل حسین صاحب قیّم جماعتِ اسلامی کے سفرِ امریکہ کی واپسی پر تاثرات

اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کا کام امریکہ میں باقاعدگی کے ساتھ ۱۹۶۳ء میں شروع ہوا تھا اور اُس وقت وہاں نوجوانوں نے سیّد قطبؒ، علی شریعتیؒ اور مولانا مودودیؒ کی کتابوں کے بعد اس ضرورت کا احساس کر لیا تھا اور مل جل کر کام شروع کر دیا تھا۔ مگر اب وہاں پوزیشن یہ ہے کہ گروہی عصبیتیں سر اُٹھا رہی ہیں۔ ایک گروہ نے مسجدوں پر قبضے کر کے وہاں کئی جگہ درسِ قرآن کا سلسلہ بند کروا دیا ہے اور اُنھیں اصرار ہے کہ درسِ قرآن کے بجائے ایک مخصوص کتاب ہی مسجد میں پڑھائی جائے گی۔ (دعوت دہلی ۲۲ اگست ۱۹۸۴ء)

"ایک مخصوص کتاب ہی"

حجاب پڑھنے والے بھائیوں اور بہنوں کے علم و قیاس کی جانچ:- آپ اپنے علم اور قیاس سے کام لے کر ایک پوسٹ کارڈ پر اُس مخصوص کتاب کا نام لکھ کر ایڈیٹر حجاب کے پتے پر بھیج دیں۔ اس کے نیچے اپنا نام اور پورا پتہ لکھیں۔ ہم ایسے تمام خطوط حجاب میں چھاپ دیں گے۔ اُمید ہے کہ حجاب پڑھنے والوں کے لئے یہ ایک دلچسپ اور عبرت انگیز مشغلہ ہوگا۔ 'مدیر حجاب'

تاریخی مشغلہ ⑥

(۱) قرآن مجید میں حضرت زکریاؑ کا اسمِ گرامی کس کس سورہ میں آیا ہے؟

(۲) ان دو محترم خواتین کے اسمائے گرامی بتائیے جن کی قبروں میں آپؐ خود اُترے تھے؟

(۳) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے والد محترم کا نام بتائیے۔

(۴) قبیلہ اوس کا وہ کون سا سردار تھا جو حضورؐ کی زبانِ مبارک سے قرآن مجید کی چند آیات سُن کر ایمان لے آیا تھا۔

(۵) حضرت علیؓ کی اولاد میں سب مِلا کر کتنے لڑکے اور لڑکیاں تھیں؟

(۶) جب قومِ ثمود نے اُس اونٹنی کو جو کہ ایک معجزہ تھی، مارنے کے بعد صالحؑ سے کہا "اب لے آؤ وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈراتے تھے" تو حضرت صالحؑ نے درجواب کیا کہا تھا؟

(۷) ہجرت کے تیسرے سال میں سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کی شادی کے بعد حضورؐ نے اپنی کس صاحبزادی کی شادی کی تھی؟

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات بذریعہ ڈاک ہمیں بھیج دیجئے۔ ۲۳ر نومبر ۱۹۸۴ء تک ملنے والے صحیح جوابات بھیجنے والے بہن بھائیوں کے نام ماہنامہ حجاب میں شائع کئے جائیں گے اور پانچ بہن بھائیوں کو قرعہ اندازی سے دس دس روپیہ کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔ اپنی تعلیمی قابلیت لکھنا نہ بھولئے۔ اپنے جوابات مندرجہ ذیل پتے پر ارسال فرمائیں:

شفیق اعجاز احمد خاں چیف آرگنائزر ملّتِ اسلامیہ مسلم لائبریری
۹۳-اے، نیو کالونی، بٹہ مالو۔ سری نگر ۱۹۰۰۰۹ - کشمیر

جہیز اور دوسری رسمیں

قریب قریب پچھلا پندرھواڑہ کراچی میں گذرا، تقریب سفر ایک شادی میں شمولیت سے پیدا ہوئی۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا یہاں تو گھر گھر شادی ہے۔ جوں جوں احباب کو کراچی میں میری موجودگی کی اطلاع ملتی چلی گئی شادیوں کے دعوت ناموں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ کئی جگہ معذرت بھی کی پھر بھی پانچ شادیوں، دو ولیموں اور دو مہندیوں میں تو شریک ہونا ہی پڑا۔ اکبر الہ آبادی نے کہا تھا کہ،

نقشوں میں تم نہ جانچو لوگوں میں پھر کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

تو اب کے لوگوں میں پھر کے اپنے معاشرے کی وہ جھلکیاں براہ راست دیکھنے کا اتفاق ہوا جن کا تعلق شادی بیاہ کی رسموں سے ہے۔ انھیں دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ماشاءاللہ ہمارا ایک طبقہ کتنا خوش حال، صاحب ثروت، شاہ خرچ اور لکھ لٹ واقع ہوا ہے۔ ایک ایک شادی پر لکھوکھا روپے کے یہ اخراجات دیکھے تو میری نظر میں اُن جھگی نشینوں کے شب و روز پھرنے لگے جن کی بیٹیاں سر ڈھانپنے کے لئے آج بھی دوپٹے سے محروم ہیں۔ ؎

اس طرف بھی آدمی ہیں اُس طرف بھی آدمی
اِن کے جوتوں پر چمک ہے اُن کے چہروں پر نہیں

ایک عزیز دوست کے بیٹے کی شادی دیکھی۔ اُن کا اصرار تھا کہ شادی کی ساری ہی

تقریبات میں شرکت کروں۔ چنانچہ دولہا والوں کی طرف سے دلہن کو مہندی لگانے کے لئے قافلہ روانہ ہوا اس میں میں بھی شامل تھا۔ قافلہ کیا تھا پوری برات تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ دولہا میاں ہمارے ساتھ نہ تھے۔ معلوم ہوا اس تقریب میں وہ بعد میں پدھاریں گے پہنچے تو ماشاء اللہ دلہن کا گھر بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ کوئی چار پانچ سو خواتین و حضرات ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے۔ ماحضر میں چار پانچ کھانے تھے، بعد میں ناچ گانے کا بھی اہتمام تھا مگر میں اہلِ خانہ کو اطلاع دیئے بغیر چپکے سے کھسک آیا۔

اگلے دن لڑکی والوں کو مہندی لے کر آنا تھا۔ وہ اس شان سے آئے کہ ان کے آگے بینڈ نغمہ سرائی کر رہا تھا، دولہا کی برات کے ساتھ تو بینڈ باجے کئی دفعہ دیکھے تھے مگر لڑکی والوں کی طرف سے مہندی لے جاتے وقت بینڈ کا یہ اہتمام پہلی مرتبہ دیکھنے میں آیا۔ اس روز بھی دونوں طرف سے مل ملا کر کوئی چار پانچ سو افراد کھانے میں شریک تھے اور کھانا بھی ماشاءاللہ پانچ اقسام پر مشتمل تھا۔ کھانے کے بعد قوالی ہوئی اور اس طرح رات گئے تک یہ محفل آراستہ رہی۔

ایک دو دن کے بعد نکاح ہوا۔ اس میں البتہ نسبتاً کم لوگ شریک تھے۔ دلہن والوں کی طرف سے پرتکلف کھانا دیا گیا۔ میں نے سمجھا تقریبات کا سلسلہ ختم ہوا اب صرف ولیمہ ہوگا۔ اور بس۔ مگر معلوم ہوا اگلے روز لڑکی والوں کی طرف سے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں استقبالیہ بھی ترتیب دیا گیا ہے۔ استقبالیہ میں کوئی ایک ہزار مہمان ہوں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ فی کس ایک سو روپے سے کم خرچ نہیں اُٹھا ہوگا۔

دو اور ولیمے بھگتائے۔ ایک شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں تھا اور دوسرا فور اسٹار ہوٹل میں۔ دونوں ولیموں میں دو دو ہزار کا اجتماع تھا۔ بڑے ہوٹل والے ولیمے میں تو مجھے معلوم ہے کہ ہوٹل نے دو سو روپے فی کس چارج کیا تھا۔ اس طرح چار لاکھ روپے صرف ولیمے کی دعوت پر ہی صَرف ہو گئے۔ دوسرے ولیمے میں خرچ کا اندازہ ایک سو روپے فی کس ہے۔ اس

کا بل دو لاکھ روپے بنا ہوگا۔

شادیوں میں اسراف و تبذیر اور نمود و نمائش کے علاوہ ایک اور قابلِ ذکر اور لائقِ غور پہلو رسموں کا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شادی بیاہ کے موقع پر اظہارِ مسرت ایک فطری امر ہے اس لیئے زرق برق لباسوں، بینڈ باجوں اور آتش بازی کے مظاہروں پر کچھ زیادہ تنقید نہیں کی جاسکتی۔ مگر جو بات تشویشناک ہے وہ یہ ہے کہ اس موقع پر بعض ایسی لایعنی رسمیں بھی ادا کی جاتی ہیں جن کی جڑیں مسلم ثقافت کے بجائے غیر مسلم اور ہندوانہ ثقافت میں پیوست ہیں۔ مثال کے طور پر مہندی کے ایک موقع پر پندرہ بیس لڑکیوں کے ایک غول نے مہندی کے تھال میں جلتے ہوئے دیے رکھ کر رقص کیا۔ بعد میں لڑکے بھی اس میں شامل ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں میں بھی جلتے ہوئے دیے تھے۔ اس ناچ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ دیوالی کے موقع پر ہونے والے ہندوانہ رقص کا چربہ ہے۔ اسی طرح ایک شادی میں شادی سے قبل دولھا اور دولھن دونوں کے گھر والوں نے ایک دوسرے کے قریبی رشتہ داروں کو طرح طرح کے رنگ ڈال کر نیل کنٹھ بنا دیا۔ یہ ہولی کے تہوار میں رنگوں کی پچکاریاں بھر بھر کر ڈالنے کی نقالی تھی۔ ایک اور شادی میں بچیوں نے جو گانے گائے اُن پر کم سے کم "فحاشی" کا عنوان بھی راست آتا ہے۔ یہ بجا اور درست کہ اس موقع پر دولھا اور دولھن کی عزیز اور رشتہ دار خواتین کا تھوڑا بہت گانا بجانا ہمارے کلچر کا بھی حصّہ ہے۔ لیکن یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ گایا کیا جارہا ہے۔ ایک موقع پر دولھن والوں کے سامنے دولھا کی رشتہ دار خواتین نے جو گانے گائے وہ افسوسناک ہی نہیں شرمناک بھی تھے۔ مثال کے طور پر ایک گانے کے بول یہ تھے،

"دولھن کی بہنیں آنے کی دو دو"

میں آج تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یہ فحاشی شادی بیاہ کے موقع پر مسلم خاندانوں میں کہاں سے گھس آئی ہیں؟

رسموں میں بدترین رسم جہیز کی رسم ہے۔ ان شادیوں میں بھی اس کا خوب خوب مظاہرہ

ہوا اور وہ سارے قوانین دھرے کے دھرے رہ گئے جو پچھلی حکومت نے بنائے تھے۔ اور اس حکومت نے بھی جزوی ترمیموں کے ساتھ ان کی توثیق کی ہے۔ جہیز کے بارے میں بدقسمتی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ سُنّتِ رسول ؐ ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ حضرت فاطمہ زہراؓ کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاجزادیاں اور بھی تھیں۔ اگر جہیز سُنّتِ رسول ہوتا تو آپ نے اُنھیں بھی جہیز دیا ہوتا مگر تاریخ اور سیرت کی کسی کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں پایا جاتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی شادی میں کوئی خاص انفرادیت تھی جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور وہ انفرادیت یہ تھی کہ جناب علی مرتضیٰ رضؓ کو ان کے والد ماجد جناب ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دیا تھا اور آپ ہی کے سایۂ عاطفت میں جناب علی رضی اللہ عنہ پروان چڑھے تھے۔ اس لحاظ سے وہ آپ کے چچا زاد بھائی ہی نہیں آپ کے بیٹے بھی تھے اور اُن کے جملہ اخراجات کی کفالت بھی سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی ہوئی تو ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا اپنی زرہ بیچ کر انھوں نے کچھ رقم اکٹھی کی، انھیں نیا گھر بسانا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرضِ کفالت کی وجہ سے جو آپ نے اپنے ذمے لیا تھا نو بیاہتا جوڑے کو گھر گرہستی کی ضروری اشیاء فراہم کر دیں۔ یہ تھی وہ بات جسے یار لوگ لے اُڑے اور اُسے سُنّتِ رسول ؐ بنا کے چھوڑا اور یہ بھی نہ دیکھا کہ وہ سامان جسے وہ جہیز کا نام دے رہے ہیں اس کی مالیت ہی کتنی تھی؟ اگر بالفرض جہیز سُنّتِ رسول ؐ ہے بھی تو پھر اس پر عمل کرنے کے خواہشمند حضرات اپنی بیٹیوں کو "جہیز فاطمی" دیں نہ کہ اس کی آڑ میں اپنی ثروت و امارت کے وہ وہ ڈنکے بجائیں کہ سوسائٹی میں طبقاتی منافرت کی داغ بیل پڑ جائے۔ دیکھا جائے تو اصل میں "جہیز" بھی ایک ہندوانہ رسم ہے۔ چونکہ ہندو اپنی بیٹی کو وراثت میں کوئی حصّہ نہیں دیتے اس لئے وہ اسے جہیز کے نام پر ہی اپنی دولت کا کچھ حصّہ دان کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام نے بیٹی کو باقاعدہ وراثت کا حق دار ٹھہرایا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ

ہمارے ہاں بھی اس کا یہ حق تو اسے دیا نہیں جاتا محض جہیز دے کر اسے ٹرخا دیا جاتا ہے۔

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا یہ میرے فوری اور سرسری تاثرات ہیں۔ اصل بات جس پر میں اس وقت سے لے کر اب تک مسلسل سوچ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ معاشرہ اس قابل ہے کہ یہاں اسلامی نظام قائم ہو سکے۔ اور کیا یہ معاشرہ فی الحقیقت دل سے اسلامی نظام کا طلبگار ہے بھی کہ نہیں؟ میں نے جہاں تک اس پر غور کیا ہے بدقسمتی سے اس کا جواب نفی میں پایا ہے تمام نعرہ بازیوں، اسلام کے نام پر سیاست کاریوں اور مذہب کی بنیاد پر قائم ہونے والے کاروباری اداروں کے باوجود اصلیت یہی ہے کہ ہم میں سے کچھ مومنین مخلصین کو چھوڑ کر ہر شخص صرف "اسلام زندہ باد" کا نعرہ لگانا چاہتا ہے۔ اس پر عمل نہیں کرنا چاہتا۔

میرے خیال میں ہمیں اس ضمن میں اپنے نفس سے مندرجہ ذیل سوالات کرنے چاہئیں:

۱۔ کیا ہم دل سے سُودی کاروبار کے خلاف ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں بنک، انشورنس کمپنیاں اور زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے اور راتوں رات امیر بن جانے کے امکانات رکھنے والے سُودی ذرائع یک قلم ختم کر دیے جائیں اور ہم رزقِ حلال پر قانع ہو جائیں؟

۲۔ کیا ہم واقعی چاہتے ہیں کہ رشوت اور رزقِ حرام کے دوسرے تمام دروازے بند ہو جائیں؟ کیا واقعی رشوت لینے والے اور انھیں غلط کام کرانے کے لیے رشوت پیش کرنے والے اس ذہنی تبدیلی کے لیے تیار ہو چکے ہیں؟

۳۔ بڑے بڑے سرمایہ داروں، کارخانہ داروں اور لکھ پتیوں ہی کو نہیں ایسے لوگوں کو بھی اپنے دلوں کو ٹٹول کر یہ سوال اپنے آپ سے پوچھ لینا چاہیے جو اس گروہ میں شامل تو نہیں ہیں لیکن رات دن اس گروہ میں شامل ہونے کے جلی اور خفی راستوں کی تلاش میں رہتے ہیں کہ کیا واقعی اسلامی اصولوں کے مطابق سادہ زندگی گذارنے کے خواہش مند ہیں اور شادی بیاہ اور اس طرح کی دوسری معاشرتی تقریبات میں

شاہ خرچیاں کر کے دوسروں پر اپنی امارت کا رُعب نہیں گانٹھنا چاہتے ؟

۴۔ زمین کی ملکیت کے متعلق اسلام کا بنیادی اصول " الارض للہ " کے مختصر مگر جامع الفاظ میں موجود ہے اس کی بہت سی شرحیں ہوئیں لیکن اس کی حقیقی شرح وہی ہوگی جو اس کے سادہ معنوں " زمین اللہ کی ہے " میں مضمر ہے۔ اس پر آپ علمیت کے جتنے خول چاہیں چڑھا لیں لیکن یہ علمی خول آپ کے تبحرِ علم کی دلیل بن جانے کے باوجود اسلام کی حقیقی روح کے آئینہ دار نہیں ہوں۔ سوال یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی زمیندار کوئی جاگیردار مربعوں کا کوئی مالک اس بنیادی اصول کو علمی خول سے نکال کر اس کے سادہ معنوں میں اپنانے پر تیار ہے ؟

یہ اسلام کے نظامِ اقتصادی کی دو سادہ بنیادیں ہیں۔ سُود سے پاک معیشت اور جاگیردارانہ نظام سے پاک معاشرہ۔ اگر آپ ان پر غور فرمانے کی زحمت کریں تو آپ محسوس کریں گے کہ ان سادہ بنیادوں کو اپنا لینے سے ہم سرمایہ دارانہ نظامِ حیات کی ان تمام لعنتوں سے محفوظ ہو سکتے ہیں جو اندر ہی اندر ہماری اسلامیت کو کھوکھلا کیے دے رہی ہیں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ آج کا دور ہو یا تاریخ کا کوئی دوسرا دور کوئی نظریہ اور عقیدہ اس وقت تک مؤثر نہیں ہو سکتا جب تک وہ نظامِ اقتصادی کو متاثر نہ کرے۔ کتابوں میں بند الماریوں میں سجے ہوئے اسلام کو خود اسلام، اسلام نہیں سمجھتا اور قرآن حکیم کی متعدد آیات میں اہلِ کتاب کو آسمانی تعلیمات کو کتابوں میں بند کر دینے کی غلطی میں مُبتلا ہونے پر بڑی سخت وعیدیں سُنائی گئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان وعیدوں کے مصداق ہم کیوں نہیں بنیں گے۔ اور اس طریقِ عمل کے وہ نتائج جو پہلی اُمتیں بھگت چکی ہیں ہمیں اپنی گرفت سے کیوں آزاد کریں گے ؟

قوانین اپنی جگہ ضروری ہیں، ان کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ میں خود سطورِ بالا میں جہیز ایکٹ کے نفاذ پر زور دے چکا ہوں لیکن معاشرے میں ہونے والی ہر خرابی کے لیے ایڈمنسٹریشن کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ ایڈمنسٹریشن بھی تو آخر اسی معاشرے کا ایک حصہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس فلسفے کو ان دو لفظوں میں سمیٹ کر بیان فرما دیا ہے کہ "اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ"
(تمہارے اعمال تمہارے حاکم ہیں) ایڈمنسٹریشن اگر چاہے بھی تو معاشرے میں رائج یہ غلط اقدار
نہیں بدل سکتی۔ ان غلط اقدار نے معاشرے میں مفادات کے بعض ایسے حلقے اور طبقے (پریشر
گروپ) قائم کر دیئے ہیں جن کو توڑنے کے لئے محض حکومت اور انتظامیہ کی تبدیلی کافی نہیں،
اس کے لئے ایک ذہنی اور قلبی انقلاب کی ضرورت ہے جو عوام ہی کی سطح پر جنم لیتا اور یہیں سے
اوپر کا سفر اختیار کرتا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں ایسا کوئی انقلاب موجود نہیں جو ایڈمنسٹریشن کے
حلقوں میں پیدا ہوا ہو اور اس نے معاشرے میں رائج اس نظام کو بدل دیا ہو جس کے
اثرات کی شکایت معاشرے میں ہر ہر قدم پر ہو رہی تھی۔ خود اسلام ایک عوامی ذہنی انقلاب
ہے۔ جس نے ذہنوں میں تبدیلی پیدا کی۔ دلوں کو بدلا اور اس کے بعد ایک قدیم نظام کی جگہ
ایک دوسرا نظام قائم کیا جس کی عظیم الشان اور فقید المثال ایڈمنسٹریشن کی نمائندگی حضرت عمر
فاروق رضی اللہ عنہ نے کی۔ ہم اس عجیب و غریب منطق میں مبتلا ہیں کہ نظام تو وہی برقرار رہے،
معاشرہ تو ویسے کا ویسا ہی رہے لیکن اس نظام اور معاشرے میں ایڈمنسٹریشن وہ ہو جس کی نمائندگی
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔

سوال یہ ہے کہ اس نظام اور معاشرے کی تبدیلی کے لیے ہمارے علماء کرام، ہماری
دینی اور سیاسی جماعتیں، ہمارے ارباب قلم، ہماری صحافت اور دوسرے ذرائع ابلاغ
کیا کر رہے ہیں؟ جب تک ہم میں سے ہر شخص تبدیلی کے لئے دل و جان سے تیار نہیں ہو جائے گا
اُس وقت تک محض خدمت اسلام کی زبانی جمع خرچ اور ایک لولے لنگڑے قانونی ڈھانچے
سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔

ترسم کہ بہ کعبہ نہ رسی اے اعرابی
کاں راہ تو می روی بہ ترکستان است

(ماخوذ)

بیگم سید اصغر حسین

اسلام، نومسلموں کی نظر میں

سردیوں کی ایک شام کو ڈی کیلب میں یونیورسٹی کے کشادہ اور خوبصورت ہال میں لوگ جمع تھے۔ یونیورسٹی کی اسلامی سوسائٹی نے مسلم اور غیر مسلم سامعین کے لئے اسلام پر لیکچر کا انتظام کیا تھا، اس مقصد کے لئے باہر سے دو مقرروں کو مدعو کیا تھا۔ تقریر کے بعد سوال وجواب کے وقفے میں ایک مسلمان طالب علم جو پولیٹیکل سائنس میں پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھا اور سوال پوچھنے کے لئے اس نے وقت لیا۔ اس کا سوال اسلامی معاشرے میں عورت کے مقام سے متعلق تھا۔ وہ سیکولر نظام کے مساویانہ سلوک کا قائل اور اسلامی نظام میں اس کمی کا شاکی تھا۔ ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ اسلامی معاشرے میں عورت کو دوسرے درجے کے شہری سے زیادہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ مقرر نے اس کا معقول جواب دیا۔ اگر عورت کو اسلام میں دوسرے درجہ کا شہری کہا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں پہلے درجے کا حامل کون ہے؟ کیا مرد؟ حقائق اس سے انکار کرتے ہیں۔ اسلام یہ تسلیم کرتا ہے کہ مرد وعورت کی فطرت میں چند بنیادی فرق ہیں اس لئے بعض مخصوص باتوں میں وہ دونوں فریقوں پر جدا جدا ایسی ذمہ داریاں ڈالتا ہے جو ان کے طبعی وفطری مزاج سے میل کھاتی ہوں۔ اس کے علاوہ مرد وعورت اسلام کی نگاہ میں برابر ہیں اگر عورت کو اپنے جسم کو مناسب طریقے سے چھپانے کا حکم ہے تو یہ حکم مردوں کے لئے بھی ہے اگر عورتوں کے لئے غیر محرم مردوں سے اختلاط منع ہے تو مردوں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

اگر مرد اپنی پسند سے شادی کر سکتا ہے تو عورت بھی ایسا کر سکتی ہے۔ اگر مرد اپنی شریک حیات سے کسی مجبوری و ناپسندیدگی کے باعث علیحدگی اختیار کر سکتا ہے تو عورت کو بھی اس کا حق حاصل ہے۔ اگر مرد اپنے مال کا مالک ہے تو عورت بھی اپنے مال پر مکمّل حق تصرف رکھتی ہے۔ اگر مرد نیکی و اخلاص کے باعث اللہ تعالیٰ سے بہت قریب جا سکتا ہے تو عورت کے لئے بھی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ مقرّر کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی، اُدھر سوال پوچھنے والا بھی اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کا سوال اب بھی باقی ہے شاید وہ اپنا سوال کسی دوسرے پہلو سے اٹھانا چاہتا ہو۔ لیکن ایک ملیشیا کی طالب علم لڑکی سوال کرنے کی اجازت لینے کے لئے اپنا ہاتھ اٹھائے ہوئے تھی اور بہت بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔ مقرّر کا جواب ختم ہوتے ہی وہ اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی ایک نگاہ سوال کرنے والے پر ڈالی اور پھر سامعین سے یوں مخاطب ہوئی، میں نے یہ وقت سوال پوچھنے کے لئے نہیں، اس سوال کا جواب دینے کے لئے لیا ہے جو اسلام میں عورت کے مقام کے سلسلہ میں پوچھا گیا ہے۔ میں ایک لڑکی ہوں اور مغربی تہذیب نے عورت کے دامن میں کھوکھلے نعرے ڈالے ہیں، ان کی حیثیت سے میں مردوں سے زیادہ واقف ہوں۔ آج جب مجھے اسلامی ماحول میں دیکھ رہے ہیں لیکن آپ کو یہ بات معلوم نہیں ہوگی چند سال قبل تک میں مکمل طور پر مغربی تہذیب کے مطابق زندگی گذار رہی تھی، یہی وجہ تھی کہ میں تنہا اپنے ملک سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے امریکہ آئی تھی۔ ان دنوں مجھے احساس تھا کہ میں وہ سب کچھ کر سکتی ہوں جو مرد کر سکتا ہے چنانچہ میں ہر معاملہ میں مرد کی برابری کا جذبہ دل میں چھپائے اس طرح زندگی گذار رہی تھی، میں ایک عورت تھی لیکن مغربی تہذیب کے زیر اثر میں ایک مرد کی زندگی گذارنا چاہتی تھی۔ جو نہیں تھی وہ بن جانے کے لئے ساری کوششیں صرف کر رہی تھی۔ الغرض میری زندگی میں ایک زبردست انتشار تھا۔ امریکہ آکر میں اپنی چند مسلمان بہنوں کی کوشش سے اسلام کے قریب

ہوئی اور تب میں نے محسوس کیا کہ اسلام سے دور رہ کر میں نے اپنے اوپر کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ اسلام نے عورت کی حیثیت سے میرے مقام کو تسلیم کیا اور میرے سے ایک متوازن، خوش گوار، باعزت اور بامقصد طرزِ حیات کی نشان دہی کی۔ آج میری زندگی سکون و اطمینان سے بھرپور ہے۔ میں نے حال ہی میں اپنے ہم وطن ایک مسلم نوجوان سے شادی کر لی ہے۔ میں اپنے گھر کی ذمہ دار ہوں اپنی تعلیم اچھی طرح سے پوری کر رہی ہوں، اپنی مسلمان بہنوں کے ساتھ دینی پروگرام میں حصہ لیتی ہوں اور ہفتہ میں ایک بار اس شہر کے مسلم بچوں کو دینی تعلیم دیتی ہوں۔ آج میرے سامنے ایک مقصد ہے اب میں ایک باوقار مسلمان عورت ہوں اور مغربی تہذیب کی طرح کسی احساسِ کمتری کا شکار نہیں۔

اس مقام پر اس لڑکی کی آواز بھرّا گئی اور اس نے جذبات سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا: "اگر کسی شخص کو یہ شکایت ہے کہ اسلام نے عورت کے ساتھ انصاف نہیں کیا تو وہ مجھ سے براہِ راست سوال کرے میں اس کا جواب دوں گی"۔ اس لڑکی کی اس تقریر پر پورے ہال میں سناٹا چھا گیا تھا۔ سوال پوچھنے والا طالب اپنی جگہ پر نہ جانے کب بیٹھ گیا تھا۔ ملیشیا کی آٹھ دس لڑکیوں نے، جو اسلامی لباس زیبِ تن کئے ہوئے تھیں، شکر گذاری کی نگاہوں سے اس لڑکی کی جانب دیکھا جیسے وہ سب کہہ رہی ہوں، شکریہ! بہت بہت شکریہ! تم نے ہم سب کے جذبات کی ترجمانی کی۔

ایک نوجوان امریکی خاتون نے جو حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا اور ایک ایرانی مسلمان سے شادی کی تھی، جب ملیشیا کی وہ لڑکی کھڑی ہو کر اسلام سے اپنی وابستگی کا اظہار کر رہی تھی وہ امریکن لڑکی ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں تعجب، مسرت، محبت اور جوش کے ملے جلے جذبات موجزن تھے اور وہ زبانِ حال سے کہہ رہی تھی، میں نے امریکہ میں آنکھیں کھولیں اور اس کے آزادانہ ماحول میں پرورش پائی ہے جو عورت کو مرد کی طرح مساویانہ مقام دینے کا دعویدار ہے، مگر میں نے آج تک تمہاری طرح اپنے عورت ہونے میں

فخر محسوس نہیں کیا۔ بلند ہے وہ مذہب جس نے تمھاری آنکھوں کو یقین کا یہ نور عطا کیا اور فخر ہے مجھے اب اس بات پر کہ میں ایک مسلمان لڑکی ہوں۔

ان چمکتے ہوئے ستاروں کے درمیان ایک سات آٹھ سال کا مصری نونہال بھی ہے جو ڈی کیلب مڈل اسکول کا طالب علم تھا۔ اور اپنے والد اور بھائی کے ساتھ اکثر مسلم ہاؤس آیا کرتا تھا، وہ نماز کا پابند تھا، اور اسکول میں بھی نماز پڑھنے کا اہتمام کرتا تھا۔ ایک دن جب وہ اسکول کے حمام میں وضو کر رہا تھا تو اُس نے محسوس کیا کہ چند امریکی لڑکے اُسے تعجب سے جسم کا مختلف حصہ دھوتے اور سر پر پانی بھرا ہاتھ پھیرتے دیکھ رہے تھے۔ از راہ تمسخر سے کہا "کیا تم چھوٹا غسل کر رہے ہو؟" اس مصری لڑکے نے وضو ختم کرتے ہوئے کہا، "میرے ذاتی معاملات میں دوسری بار دخل اندازی کا جواب میرا گھونسہ ہوگا۔" اور پرنسپل کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اجازت لے کر داخل ہونے کے بعد اس نے پرنسپل کو سلیقے سے سلام کیا اور اس کے بعد کہا، جناب مجھے اپنی مذہبی عبادت کے لئے روز اس وقت چند منٹ کے لئے ایک پُرسکون جگہ کی ضرورت ہوتی ہے، کیا میں آپ کے آفس کا ایک گوشہ اس کے لئے استعمال کرسکتا ہوں؟ یہ سوال پرنسپل کے لئے نیا تھا۔ اس نے دلچسپی سے اس لڑکے کی طرف دیکھا اور کہا "تم اسکول ختم ہونے کے بعد چرچ میں عبادت کیوں نہیں کرتے؟"

اُس لڑکے نے جواب دیا۔ "اس لئے کہ میں مسلمان ہوں میرا مذہب مجھے خاص اوقات میں عبادت کا حکم دیتا ہے۔ چوں کہ ان میں سے ایک وقت میں یہاں اسکول میں ہوتا ہوں اس لیے مجھے یہاں جگہ کی ضرورت پڑتی ہے۔"

پرنسپل نے اس لڑکے کا شانہ توصیفی انداز میں تھپتھپایا اور کہا، میرے ساتھ آؤ، وہ اُسے ساتھ والے کمرے میں لے گیا اور بولا، تمھیں جب بھی عبادت کرنی ہو تم یہاں آجایا کرو میں چوکیدار کو بھی ہدایت دے دوں گا۔ اس لڑکے نے پرنسپل کا شکریہ ادا کرتے

ہوئے کہا کہ۔ میری ایک درخواست اور ہے۔ میرے کلاس کے لڑکے کیمپنگ کے لیے جا رہے ہیں جن میں، میں بھی شامل ہوں۔ براہ کرم میرے کلاس کے ٹیچر کو بھی ہدایت دیدی جائے کہ میرے کھانے میں کوئی ایسی چیز شامل نہ ہو جس کو اسلام حرام قرار دیتا ہے اور وہاں میری نماز کے لئے جگہ دی جائے۔ میں بھی ایسی چیزوں کی لسٹ پیش کر دوں گا۔

پرنسپل نے اس لڑکے کی طرف غور سے دیکھا۔ اس لڑکے کی نگاہوں میں مرعوبیت کا کوئی شائبہ نہ تھا پرنسپل کے بلند بالا قدو قامت کے مقابلے میں اس ننھے سے سلمان کی شخصیت بہت چھوٹی اور کمزور معلوم ہو رہی تھی، لیکن ایسا لگتا تھا جیسے اس وقت وہ رشتہ استاد و شاگرد کی حیثیت سے ہٹ کر مادیت و اسلام کا رشتہ بن گیا ہو اور وہ ننھا سا بچہ کہہ رہا ہو۔

"میں آپ سے دنیاوی علوم سیکھنے آیا ہوں جناب! لیکن زندگی گذارنے کے اصول تو میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے ہیں۔

"ضرور" پرنسپل کا جواب تھا "ساری چیزیں تمہارے مذہبی اصول کے مطابق کر دی جائیں گی۔" خدا حافظ

(بشکریہ تعمیر حیات)

آنحضرتؐ کا دیدار

علامہ اقبالؒ نے ایک بزرگ کا واقعہ سُنایا کہ اُن سے کسی شخص نے یہ سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کس طرح ہو سکتا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ پہلے اسوۂ حسنہ پر عمل کو اپنا شعار بناؤ اور زندگی اس میں ڈھالو، پھر اپنے آپ کو دیکھو یہی اُن کا دیدار ہے۔

پیسہ

★ ——— محمد ارشاد نوگانوی

آج پیسہ پر قلم اُٹھتے ہوئے شدید تذبذب کی کیفیت سے دوچار ہے کہ آیا اس کو
قیدت کا ہار پہنائے، یا سب وشتم کے طمانچوں سے اس کا چہرہ سُرخ کر ڈالے. محبت کے پھولوں
ر گجروں سے اس کے گلے کو بوجھل کر دے، یا تیر ونشتر کے حملوں سے اک اک بال کا صفایا
ردے، صفحۂ قرطاس پر سرور و فرحت کی کلیاں بکھیرے، یا رنج وغم کے آنسو بہائے، اُن
گوں کی ترجمانی کرے جو اس کو زندگانی کا ماحصل سمجھتے ہیں، یا اُن بیکسوں کے زخموں پر
رہم رکھے جو بھوک سے بلبلاتے ہوئے، سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے، فٹ پاتھ پر پڑے
ے موت و زیست کی کشمکش سے دوچار ہیں، کیونکہ یہ وہ محسن ہے جو کروڑوں ندگاں خدا
مخملی قالینوں اور فرشِ زمرّدیں پر میٹھی نیند سُلاتا ہے، اور وہ ظالم بھی ہے جو لاکھوں یتیموں،
بیوں، مسکینوں کو رات بھر سردی میں ٹھٹھرواتا ہے، یہ وہ مہربان جس کی بدولت ہزاروں
نیں، امیروں، دولتمندوں کی باہوں میں سمائیں، اور وہ سنگدل بھی ہے جس نے بے شمار
م کی بیٹیوں کو ساری ساری زندگیاں کتخدا کے انتظار میں گذارنے پر مجبور کیا، یا پھر سسرال
، ہولناک مظالم، دلخراش طعنے، ملامتیں، سہنے پر، بلکہ بسا اوقات خودکشی پر!!

اپنے کارناموں کی روشنی میں یہ ملامت کا بھی مستحق ہے، تعریف کا بھی، مدح کا بھی، ہجو
بھی، نعرہ ہائے تحسین کا بھی، قصائدِ ذم کا بھی، منظوماتِ عقیدت کا بھی، اہانت، حقارت
بھی، کرۂ ارضی پر دونوں قسم کے حضرات ملیں گے، وہ بھی جو اس کی محبت میں سرشار، اور

وہ بھی جو اس کے وجود سے سخت بیزار ہیں، وہ بھی جو اس کے متوالے، اور وہ بھی جو اس کے دکھیارے، وہ بھی جن کے نزدیک اس کا حصول زندگی کا اولیں مقصد، اور بھی جنھیں اس کی ذات سے سخت نفرت، بہرحال پہلی قسم کے لوگوں کو تکلیف اور دوسروں کو کیف و سرور حاصل ہونا تو اس خامہ فرسائی سے ناگزیر ہے۔

آج کے دور میں آدمیت کا محور، گردشِ انسانیت کا مرکز ہے پیسہ! طیاروں، سیاروں، بسوں، ٹرینوں، رکشوں، موٹروں کی حرکت کا نچوڑ ہے پیسہ! کمپنیوں، ملوں، کارخانوں، فیکٹریوں، مشینریوں کی گردش کا تتمہ ہے پیسہ! جلسوں، جلوسوں، محفلوں، انجمنوں، اسٹیجوں، ڈراموں کی غایت ہے پیسہ!

تاریخ کے ساز میں ذرا کان لگا کر اس کی آواز تو سنیے، کس طرح سینہ پھلا کر فخریہ لہجے میں کہتا ہے کہ اے بنی آدم! میں وہ ہوں کہ جب سلیمانؑ کے ہاتھ میں گیا تو انھیں سلطنتِ عالم کا شہنشاہ خدا کا سب سے مقرب بندہ بنایا، عثمانؓ کے پاس پہونچا تو وہ غنی اور خلیفہ راشد ہوئے، امام ابوحنیفہؒ کی ملکیت میں آیا تو وہ امام اعظم بنے، لیکن قارون مجھ پر چپٹا تو خدا نے اس کو زمین میں دھنسایا، فرعون میری طرف لپکا تو غرقاب ہوا، نمرود نے میری پوجا کی تو ایک مچھر نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اے مردِ نادان! غافل انسان! انجام سے بیگانے، میرے حسن کے دیوانے! میں تیرے لئے عیش بھی ہوں اور طیش بھی، لعنت بھی ہوں اور رحمت بھی، نحوست بھی ہوں اور برکت بھی، دوست بھی ہوں اور دشمن بھی، مخلص بھی ہوں اور معاند بھی، رضا الٰہی بھی ہوں اور قہر خداوندی بھی۔

میرے ایک ہاتھ میں جنت، ایک میں دوزخ۔ ایک ہاتھ میں عرش کا سایہ، ایک میں سورج کی تمازت، ایک ہاتھ میں شفاعت اور ایک میں ہلاکت ہے۔ میں ہوں تیری زندگی اور موت، تیرا ثواب اور عذاب۔ تیری نیکی اور گناہ۔ فرق صرف طریقۂ استعمال کا ہے۔

آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن شریف نے میرا تعارف یوں کرایا تھا "اِنما المالُ والبنونُ زینۃُ الحیوۃ الدنیا" کہ میں اور تیری اولاد یہ سب دنیاوی زندگی کی زینت ہیں"۔ اور تو سمجھتا ہے کہ ہم تیری جنّت ہیں؟ اور "انّما اموالکم واولادکم فتنۃ" میں فتنہ یعنی آزمائش ہوں، تیری اطاعت و فرماں برداری کی، سرکشی و نافرمانی کی، "یُنفِقُونَ اَموالَھُم فِی سَبیلِ اللّٰہِ" کی، یا "اِنّ المبذّرین کانوا اخوان الشیاطین" کی۔

آہ! کہ اب میرے پیچھے دوڑنے والے تو بہت ہیں، وہ لوگ اب کہاں جن کے پیچھے میں دوڑا کرتا تھا، اے مادرِ گیتی تجھے کیا ہوا؟ تو اب ایسے لوگوں کو جنم دیتی ہے جو میرے عاشق ہیں، وہ لوگ اب پیدا کیوں نہیں ہوتے جو میرے معشوق ہوتے تھے، میں آج سب کا محبوب ہوں، لیکن میرے محبوب کہاں گئے؟ ان کی تو شان ہی نرالی تھی، ہر ادا ہی نرالی تھی، اُن کی چاہت میری محبت سے خالی اور اُن کی نگاہِ قلب صرف خدا کی سوالی اور رسولؐ کی متوالی تھی، دولت اُن کے در پہ جاتی تو اس کو ٹھوکریں کھانا پڑتیں، میں ان کی تجوریوں میں پناہ ڈھونڈنے کی خواہش کرتا تو میری جانب گھور کر دیکھتے ــ یہ عمر فاروقؓ کا دورِ خلافت ہے، فتوحات کا دروازہ کھلا ہوا ہے، مالِ غنیمت سیلاب کی مانند اُمنڈ اُمنڈ کر چلا آ رہا ہے، اور ہاتھوں ہاتھ فقرا کے تن اور غربا کے بطن میں سماتا جاتا ہے، یہ سعد بن عمرؓ ہیں، والیٔ حمص، خلیفہ کی طرف سے کئی سو درہم وظیفہ مقرر ہونے کی خبر لگتے ہی اُداس و پژمردہ چہرہ لئے گھر میں داخل ہوتے ہیں، بیوی پوچھتی ہیں، "کیا مسلمانوں کو شکست ہو گئی؟" فرمایا "نہیں!" بولیں، پھر کیا بات ہے آپ آج اس قدر رنجیدہ کیوں ہیں؟" فرمایا، "دَخَلَتِ الدُّنیا فِیْ دِیْنِیْ" (میرے دین میں دنیا داخل ہو گئی) معًا سارا وظیفہ محتاجوں پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں۔ مکہ کے مشہور تاجر لیکن تمام مالِ تجارت دونوں ہاتھوں سے نہایت بے دردی سے، اسلام کی خاطر بہا رہے ہیں، لاکھوں کی رقم سے تیار ہونے والا تاجِ کسریٰ جو بے حد وزنی ہونے کے باعث اس طرح چھت سے لٹکا دیا گیا تھا کہ جب بادشاہ تخت نشین ہوتا

تو وہ عین اس کے سر پر آجاتا۔ آج مسلمان اُسی مایۂ ناز و فخر کو اپنے پیروں تلے روند رہے ہیں۔

اے مجھ پر جھپٹنے والے، میری عبادت کرنے والے، مجھے زندگانی کا حاصل جانے والے، میرے حصول کی خاطر، ایم۔ پی، ایم۔ ایل۔ اے، ڈپٹی، مجسٹریٹی، گورنری، وکالت، ججی، منسٹری، جیسے مناصب کی طرف لپکنے والے! بی۔ اے، ایم۔ اے کی ڈگریاں لے کر، میری تلاش و جستجو میں دفتروں، محکموں، کچہریوں کے چکر لگانے والے! میں ہوں منافق اور خوبصورت ناگ، جوں ہی کسی نے مجھے چھوا، پھن اُٹھا کر کھڑا ہو جاؤں گا، اے مردِ باکمال، میری محبت دل سے نکال، اور میری نفرت کو اپنے دل میں پال۔ میرے دامِ فریب سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے: مجھے وہاں خرچ کر جہاں قرآن نے حکم دیا ہے: "وآتی المال علیٰ حبّہ ذوی القربیٰ و یتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب" اعزہ و اقرباء پر، یتیموں پر، مسکینوں پر، مسافروں پر، مانگنے والوں پر، اور گردن پھنسے ہوؤں پر۔ افسوس تو مجھے ان جگہوں کے بجائے خرچ کرتا ہے اعلیٰ مکان پر، لذیذ دسترخوان پر، شادی بیاہ پر، فیشنی لباس پر، آرائش و زیبائش پر، زیورات پر۔ اور اس کا نتیجہ تجھے معلوم ہے، "یوم لا ینفع مال ولا بنون" روزِ حشر میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا، اور کفِ افسوس ملتے ہوئے تیری زبان سے یہ حسرت ناک صدا نکلے گی۔ "ما اغنیٰ عنّی مالیہ" ہائے۔ میرے مال نے مجھے کچھ بھی فائدہ نہ پہونچایا، چنانچہ اگر تو چاہتا ہے کہ قیامت کے دن میں تیرے کام آؤں تو مجھے میرے صحیح مصرف میں خرچ کر کے دکھا۔

یہ میرے قلب کے چند ٹکڑے اور خونِ جگر کے چند چھینٹے ہیں، جو اک آہ بن کر الفاظ کے پیکر میں، صفحۂ قرطاس پر بکھر آئے ہیں۔ شاید تیرے دل میں عبرت کا سامان کر کے تیرے طرزِ حیات میں انقلاب پیدا کر دیں، اور اے میرے نام پر مر مٹنے والے مشتِ خاک، تیری عاقبت سنور جائے۔

رضوان، لکھنؤ

دو شخص

دو شخص تھے۔ اُن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دیے اور اُن کے گرد کھجور کے درختوں کی باڑ لگائی اور اُن کے درمیان کاشت کی زمین رکھی۔ دونوں باغ خوب پھلے پھولے اور بار آور ہونے میں ذرا سی کسر بھی نہ چھوڑی۔ اُن باغوں کے اندر ہم نے ایک نہر جاری کر دی اور اُسے خوب نفع حاصل ہوا۔ یہ کچھ پا کر ایک دن وہ اپنے ہمسائے سے بات کرتے ہوئے بولا: "میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور تجھ سے زیادہ طاقتور نفری رکھتا ہوں۔" پھر وہ اپنی جنت میں داخل ہوا اور اپنے نفس کے حق میں ظالم بن کر کہنے لگا: "میں نہیں سمجھتا کہ یہ دولت کبھی فنا ہو جائے، اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی کبھی آئے گی۔ تاہم اگر مجھے اپنے رب کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی زیادہ شاندار جگہ پاؤں گا۔"

اُس کے ہمسائے نے گفتگو کرتے ہوئے اُس سے کہا: "کیا تو کفر کرتا ہے اُس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کھڑا کیا۔ رہا میں، تو میرا رب تو وہی اللہ ہے اور میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اور جب تُو اپنی جنت میں داخل ہو رہا تھا تو اُس وقت تیری زبان سے یہ کیوں نہ نکلا کہ ماشاء اللہ، جو کچھ اللہ چاہے وہی ہوگا، اور کسی کا کچھ بس چل سکتا ہے تو اللہ ہی کی توفیق و تائید سے چل سکتا ہے۔ اگر تُو مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کمتر پا رہا ہے تو بعید نہیں کہ میرا رب مجھے تیری جنت سے بہتر عطا فرما دے اور تیری جنت پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے جس سے وہ صاف میدان بن کر رہ جائے، یا اُس کا پانی زمین میں اُتر جائے اور پھر تُو اُسے کسی طرح نہ نکال سکے۔"

آخر کار ہوا یہ کہ اُس کا سارا ثمرہ مارا گیا اور وہ اپنے انگوروں کے باغ کو ٹٹیوں پر اُلٹا پڑا دیکھ کر اپنی لگائی ہوئی لاگت پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور کہنے لگا: "اے کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا ہوتا۔" ـــــ نہ ہوا اللہ کے سوا اُس کے پاس کوئی جتھا کہ اُس کی مدد کرتا، اور نہ کر سکا وہ آپ ہی اُس آفت کا مقابلہ ـــــ اُس وقت معلوم ہوا کہ کارسازی کا اختیار خدائے برحق ہی کے لیے ہے، انعام وہی بہتر ہے جو وہ بخشے اور انجام وہی بخیر ہے جو وہ دکھائے۔

[illegible]

السی اور انجیر

حکیم محمد یوسف

اَلسی

دوسرے نام :۔ السی (کتان) کو سنسکرت میں اَتشی، بنگالی میں مَسِنا تِسو کرناٹکی میں اَگسے، تلنگی میں تل پگ سی چیٹو کہتے ہیں۔

اَلسی کا پودا ایک گز تک اونچا ہوتا ہے۔ اس کی پتیاں اور شاخیں نازک اور باریک ہوتی ہیں۔ لاجوردی رنگ کے پھول آتے ہیں اور چنے کے دانے کے برابر گھنڈیاں لگتی ہیں جو چھوٹے چھوٹے چپٹے نوکدار سُرخی سیاہی مائل بیجوں سے بھری ہوتی ہیں۔ ان بیجوں سے تیل نکالا جاتا ہے جو اَلسی کا تیل (روغن کتاں) کہلاتا ہے۔

السی کا تیل اور بیج بطور دوا کام آتے ہیں۔

السی کے بیج کھانسی اور دمہ میں مفید ہیں، بلغم کو آسانی سے نکال دیتے ہیں۔ اس فائدے کے لئے ان کا جوشاندہ بنا کر پلاتے ہیں اور لعوق بنا کر چٹاتے ہیں
تخم اَلسی (ذرا کوٹے ہوئے) ایک تولہ، مُلیٹھی چھلی کوٹی ہوئی ایک تولہ دونوں کو ایک پاؤ پانی میں جوش دیں۔ جب پانی آدھا رہ جائے تو شہد خالص دو تولہ ملا کر پلائیں۔ کھانسی اور دمہ میں مفید ہے۔ بلغم میں کمی لاتا ہے، اسے خارج

کر کے تکلیفوں کو دُور کر دیتا ہے ۔

اَلسی مقوی جسم ہے، درد کمر کو دُور کرتی ہے، سردیوں میں اس کے لڈو بنا کر کھاتے ہیں ۔

السی وَرموں کو گھٹاتی ہے، دَردوں کو تسکین دیتی ہے۔ چنانچہ پھوڑے پھنسیوں اور وَرموں پر اس کی پلٹس بنا کر باندھتے ہیں۔ اگر ورم گھلنے والا ہوتا ہے تو گھُل جاتا ہے ورنہ پک کر پھوٹ جاتا ہے ۔

السی کی پلٹس بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ ۴ تولے اَلسی کو باریک پیس کر ۳ چھٹانک کھَولتے ہوئے پانی میں ڈال کر پکائیں اور ایک کپڑے پر پھیلا کر ورم کی جگہ لگائیں۔

دوسری ترکیب

السی چار تولے، رائی تین ماشہ کو باریک پیس کر تین چھٹانک کھولتے ہوئے پانی میں ڈال کر چمچہ وغیرہ سے چلاتے رہیں۔ اس کے بعد کپڑے پر پھیلا کر ہلکا گرم سینے پر باندھیں۔ سینے کے درد اور پھیپھڑے کی جھلی کے ورم میں نہایت مفید ہے

اگر اس کے باندھنے سے مریض کو جلن معلوم ہو اور یہ برداشت سے باہر ہو جائے تو اس کو کھول کر اس کے بجائے رُوئی گرم کر کے باندھ دیں، ورنہ دو تین گھنٹے کے بعد دوبارہ پلٹس تیار کر کے باندھیں دو تین بار کے باندھنے سے آرام آجائے گا۔

السی کا تیل بھی وَرموں کو دُور کرتا ہے اور دردوں کو تسکین دیتا ہے۔ اس غرض کے لئے گٹھیا وغیرہ میں اس کی مالش کی جاتی ہے۔

السی کے تیل اور چونے کے پانی سے مرہم بنایا جاتا ہے جو جلی ہوئی جگہ پر لیپ کرنے سے ٹھنڈک ڈالتا ہے اور زخموں کو خشک کر دیتا ہے۔

انجیر: دوسرے نام: انجیر (تین) کو سنسکرت میں انجیر، مرہٹی میں انجیر، گجراتی

ہیں اُجیر، کرناٹکی میں میڈی نیڈد کہتے ہیں.

انجیر مشہور پھل ہے . یہ مزے دار اور میٹھا پھل ہوتا ہے . ایک میوے کی طرح کھایا جاتا ہے اور دواؤں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے' اس میں شکر کافی مقدار میں پائی جاتی ہے اور دوسرے کارآمد اجزا بھی پائے جاتے ہیں' اس لئے بدن کو کافی غذائیت دیتا ہے اور خون کو بڑھاتا ہے . اس کے برابر استعمال سے بدن موٹا ہوتا ہے . اور اس کی رنگت نکھر آتی ہے .

کھانا کھانے کے بعد چند دانے انجیر کھانے سے غذائیت حاصل ہونے کے علاوہ یہ فائدہ بھی پہونچتا ہے کہ قبض نہیں رہتا .

کھانسی اور دمہ میں بھی اس کے استعمال سے فائدہ ہوتا ہے اور بلغم خارج کرنے میں مدد دیتا ہے . یہ تلی کے ورم کو گھلاتا ہے اس غرض کے لئے انجیر کو سرکہ میں ڈال کر رکھ چھوڑتے ہیں اور ایک ہفتہ کے بعد دو تین انجیر کھانا کھانے کے بعد کھاتے ہیں .

چیچک اور موتی جھرہ میں انجیر، مویز منقّی اور خوب کلاں کا جوشاندہ پلانے سے دانے بہت جلد نکل آتے ہیں.

بشکریہ رضوان لکھنؤ

اندھا

اندھا کون ہے ؟ وہ جسے گمراہی نے دین و دنیا سے غافل کر دیا ہے' جسے بزدلی اور جھوٹی آرزوؤں نے اعلاء کلمۃ اللہ اور خدمت امت و وطن سے بٹھا دیا ہے . جو قوم اس دنیا میں ذلت و خواری پر قانع ہے اور عبودیت و مسکنت میں زندگی بسر کرتی ہے' ضرور ہے کہ آخرت میں بھی اسی حال پر رہے' بھڑکتی ہوئی جہنم میں گرے، جنت کی جھلک تک نہ دیکھے کیونکہ وہ کانوں سے محروم نہیں.

ذائقہ

مخدومہ خیر النساء بہتر

کھانا پکانے کی چند ہدایات

یہ بات یاد رہے کہ ہر کام کے لئے احتیاط ضروری ہے۔ یہ خاص کر کھانوں میں تمہیں معلوم ہے کہ ہر شخص برا بھلا کھانا پکا کر کھا ہی لیتا ہے۔ مگر جو کھانے کے شائق ہیں، اور دوسرے سے پکوانا چاہتے ہیں، ان میں سے اکثر کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ ، باتوں سے کھانا مزے دار ہوتا ہے، اور کس وجہ سے بدمزہ ہو جاتا ہے۔ اکثر ی ترکیبوں سے چیز پکائی جاتی ہے لیکن تیار ہونے پر خاطر خواہ نہیں ہوتی، اس ے کئی وجوہ ہیں۔

ایک تو یہ کہ کبھی پتیلی میں قلعی کم ہوتی ہے، اس کے باعث کھانے میں کساؤ ر بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مصالحہ کبھی موٹا ہوتا ہے یا آنچ ہوتی ہے کہ اس میں گھی کا پتہ نہیں چلتا، اس وقت دیکھ کر سخت افسوس نا ہے، اس لئے جو چیز پکانا ہو، پہلے دیکھ لو کہ برتن میں قلعی ہے یا نہیں، اور الحہ وغیرہ کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ باریک پسا ہو، اکثر مامائیں جلدی ابرا بھلا مصالحہ دردرا کر گوشت وغیرہ میں ملا دیتی ہیں، اور آنچ تیز کر کے

ہانڈی تیار کر لیتی ہیں۔ ناتجربہ کار بیبیاں بس چوری کا الزام رکھنا جانتی ہیں مگر اصل قصور پر نظر نہیں کرتیں۔ بہتر یہ ہے کہ کل مصالحہ پسوا کر اور چھان کر رکھ لو۔ خاص خاص چیزیں اس احتیاط پر بھی خود ہی انگاروں پر چڑھا کر تیار کر لیا کرو۔ روز روز کے جھنجھٹ سے بچنے کے لئے المونیم کی پتیلی رکھو، اس کا پکا ہوا کھانا سوندھا ہوتا ہے۔ روز روز قلعی کی ضرورت نہیں ہوتی، خاص کر کھچڑی، بھنی دال، مقوی خشکہ یہ سب بہت لذیذ تیار ہوتے ہیں، مگر اس شرط سے کہ پتیلی کو پکانے کے بعد ہی صاف کر دیا جائے ورنہ کھانے میں بجائے خوشبو کے بدبو آئے گی، اسی طرح ہر چیز میں احتیاط ضروری ہے۔

ہدایتیں اور تدبیریں

کھانا پکانے کی جگہ نہایت صاف رکھنا چاہیے، دیواروں پر قلعی اگر چونے کی نہ ہو تو چکنی مٹی کی ہی ہو کہ مکھیاں کم رہیں، جو دھواں جم جائے اسے جھاڑ ڈالنا چاہیے کہ وہ ہانڈیوں میں اکثر گر جاتا ہے۔ ہانڈی کھلی نہ پکانا چاہیے۔ گھی بغیر چھانے کام میں نہ لاؤ، اکثر گھی میں مکھی وغیرہ ہوتی ہے اور برکت بھی نہیں ہوتی۔ سالن وغیرہ بھونتے وقت جو کفگیر کی رگڑ سے پتیلی کے منھ پر میل آجاتا ہے، وہ صاف کر لینا چاہیے ورنہ سالن خراب ہو جائے گا، صافی یا دیگچی گیر جو بھی ہو صاف رکھو کہ اتارنے چڑھانے میں تکلف نہ ہو۔

احتیاط

ہر چیز پکاتے وقت دیکھ لو، آٹا بغیر چھانے کام میں نہ لاؤ، چاول خوب نا کر دیکھ کر پکاؤ، کیونکہ اس میں اکثر مینگنیاں پائی جاتی ہیں، پکنے سے پھول

تی ہیں۔ علاوہ اس کے اس میں کنکریاں ضرور ہوتی ہیں جو نہایت مضر ہیں۔ دال کی بھی
ی کیفیت ہے۔ بازار کی دال نہایت خراب ہوتی ہے اور بہت دیر میں گلتی ہے۔
ص کر چنے کی دال۔ تو بجائے مصالحہ کے دو سو پچاس گرام دال میں ایک یا دو گرام سوڈا
دو مگر مصالحہ ہرگز نہ ڈالو۔ اور یہ بھی ہے کہ بعض کنووں کا پانی کھاری ہوتا ہے اس
ے دال نہیں گلتی اور اس کی پکی ہوئی چیزیں بھی بدمزہ ہوتی ہیں۔
یہ بات واضح رہے کہ دال ہانڈیوں میں اچھی پکتی ہے، ہانڈی چکنی اور مضبوط ہو
دھونے سے صاف ہو جائے اور تیز آنچ سے نہ ٹوٹے۔

ل سالن کے درست کرنے کی ترکیب

دال اور گوشت جل جانے سے نہایت بدمزہ اور بدنما ہو جاتے ہیں۔ کسی
رکا مزہ ان میں نہیں رہ جاتا۔ جب جلی بو آئے تو فوراً اتار لو، چلاؤ نہیں ورنہ بکار
جائے گا۔ جب پتیلی ٹھنڈی ہو جائے، دال ہو تو اوپر کی دال اور بوٹیاں ہوں تو
، اور اوپر کا مصالحہ دوسری پتیلی میں ڈالو اور گھی میں اسی طریقہ سے بھگار لو، اگر
مالحہ کافی نہ ہو، تو اور تھوڑا مصالحہ ملا کر بھگار لو، اگر مناسب سمجھو اور ضرورت ہو تو
ل کے لئے بھی یہی کرلو۔ سالن میں بجائے مصالحہ کے چکر دہی اسی مقدار سے
وڑ دو اور ٹھیک کرلو، پھر جلی بو باقی نہیں رہ سکتی۔
گوشت وغیرہ دھیمی آنچ پر اچھا پکتا ہے۔ تیز آنچ دینے سے نہ گھی معلوم
دتا ہے اور نہ خوش رنگ ہوتا ہے، پھر جلنے کا بھی اندیشہ رہتا ہے۔

ک کی کمی و بیشی

جو چیز پکانا ہو یہ خیال رکھو کہ اگر پسندے اور کباب وغیرہ ہوں تو نمک پیس کر

ملاؤ۔ اگر اندازہ نہیں تو چکھ لو، جہاں تک ممکن ہو پہلے چیز پھیکی رکھو، کیوں کہ کمی دور ہو سکتی ہے، اگر بالفرض تیز ہو جائے تو گوشت یا مصالحہ کچھ زیادہ کر لو، اگر شوربہ دار پکانا ہو تو نمک پیس کر نہ ڈالو، پسے ہوئے نمک کا اندازہ مشکل ہے، اگر شوربہ میں نمک تیز ہو تو آٹے کو کڑا گوندھ کر اس کی کچی ٹکیہ بنا کر اس میں ڈال دو۔ کڑے کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ شوربہ میں گھل نہ جائے، یا اس کے بجائے کوئلہ ہو کر یہ بھی نمک جذب کر لیتا ہے، تجربہ ہو چکا ہے۔ اگر اس پر بھی تیزی باقی ہو تو بوٹیوں کو نکال کر اور دوسرا مصالحہ گھی میں بگھار کر ٹھیک کر لو، پھر بوٹیاں ڈال کر باقاعدہ تیار کرو، لذیذ ہوگا اور مزے سے کھایا جائے گا۔

● (بشکریہ "رضوان" لکھنؤ)

ہمارے وعظ سن کر دانا و بینا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے اس وسیع دنیا کو صرف کافروں کے لئے مخصوص کر دیا ہے کہ عیش کریں اور سربلندی حاصل کریں اور مومن کے لئے اسے قید خانہ بنا دیا ہے کہ ذلت و خواری محرومی و نامرادی، عبودیت و غلامی کے ساتھ اس میں پڑا زندگی کے دن پورے کرتا رہے؟ کیا مومن کے خلق کرنے سے اس حکیم و برتر کا منشا صرف اس قدر ہے کہ گلے میں تسبیح ڈالے کسی مسجد یا خانقاہ میں بیٹھا چٹائی توڑا کرے؟ گویا جنت صرف کاہلوں، غافلوں اور فلاسوں کے لئے ہے!

حافظ ابن قیم الجوزی (اسوۂ حسنہ)
ترجمہ عبدالرزاق ندوی ملیح آبادی

مائل خیرآبادی کی چار کتابیں

معاصر 'رفیق' پٹنہ کا تبصرہ

(۱) رسول کریمؐ (۲) بنت سراقہ (۳) سعد وسلمے
(۴) نماز کیسے پڑھیں (ہندی)
ناشر: مکتبہ حجاب رام پور یوپی۔

رسول کریمؐ:

جناب مائل خیرآبادی اسلام پسند حلقہ میں محتاج تعارف نہیں ہیں۔ ایک طویل مدت تک مکتبہ الحسنات سے شائع ہونے والے بچوں کے ماہنامہ "نور" اور "ہادی" کے مدیر رہے پچھلے پندرہ سال سے خواتین کا رسالہ "حجاب" نکال رہے ہیں جو اسلام پسند حلقہ میں بے حد مقبول ہے۔ جو لوگ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مولانا صدرالدین اصلاحی، مولانا سید احمد قادریؒ اور مولانا جلال الدین انصر عمری جیسے علماء کی نگارشیں علمی اور ادبی زبان ہونے کی وجہ سے نہیں سمجھ سکتے ان کے لیے عام فہم آسان زبان میں اسلامی لٹریچر تیار کرنے میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ مائل صاحب نے بچوں اور خواتین کے لئے آسان اور عام فہم زبان میں کہانی، افسانہ، نظمیں اور دینی کتابیں سیکڑوں کی تعداد میں لکھی ہیں جو مکتبہ اسلامی دہلی، مکتبہ الحسنات رام پور اور مکتبہ حجاب رام پور سے شائع ہوئی ہیں۔ اگر ایسے ادبار کی فہرست بنائی جائے جنہوں نے بچوں کے لئے کتابیں لکھی ہیں تو اس عہد میں مائل خیرآبادی کا نام سرفہرست ہوگا۔ مکتبہ جامعہ دہلی، کھلونا بک ڈپو اور دیگر اداروں نے بھی بچوں کے لیے کتابیں شائع کی ہیں کرشن چندر، ڈاکٹر ذاکر حسین اور شفیع الدین نیر مرحوم اور دیگر مصنفین کی کتابیں بھی بے حد مقبول ہیں لیکن اسلامی فکر کو بچوں کی کہانیوں میں پیش کرنے کا سہرا مائل صاحب کے سر ہے۔ مولانا اسماعیل میرٹھی کے بعد اس میدان میں وہ اردو کے منفرد ادیب ہیں۔ مائل صاحب کے اسلوب کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ ان کی تحریر آسان اور عام فہم ہونے کے باوجود فصاحت و بلاغت کی خوبیوں سے معمور ہے لیکن جو چیز مائل صاحب کے یہاں کھٹکتی ہے وہ ان کی تخلیقی صلاحیت میں انحطاط اور سہل انگاری ہے۔ ان کی کہانیوں میں بعض کے پلاٹ پامال شدہ، بعض دیگر زبان سے ماخوذ اور دیگر کلاسیکی ادیبوں سے مستعار ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ کہانیاں تخلیق نہیں کرسکتے۔ بلاشبہ ان کے اندر تخلیقی صلاحیت موجود ہے

لیکن وہ اپنی تخلیقی صلاحیت پر اعتماد کرنے اور اسے ترقی دینے کے بجائے بعض دفعہ دوسروں سے مرکزی خیال مستعار لیتے ہیں اور یہی بات ان کے جیسے عظیم اَدیب کے شایان شان نہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اُردو اَدب میں ان کو وہ بلند مقام ملتا جو عالمی اَدب میں ٹالسٹائی، گورکی، ٹیگور اور موپاساں جیسے نامور اَدیبوں کو ملا ہے۔ بہرحال مائل صاحب اپنی اس کمزوری کے باوجود بچوں کے منفرد اَدیب ہیں۔ اُردو کے نقادوں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی تو اس سے مائل صاحب کی حیثیت کم نہیں ہوتی ہاں اردو تنقید پر حرف ضرور آتا ہے۔ اردو کے نقاد (الا ماشاء اللہ) فن پارے کو نہیں فنکار کی سماجی حیثیت کو دیکھتے ہیں جو لوگ اسلام پسند نقاد بنتے ہیں انہیں بھی قرۃ العین حیدر کی قصیدہ خوانی سے فرصت نہیں ملتی، مائل صاحب پر بھلا کیوں لکھیں گے۔

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم" مائل خیرآبادی کی تازہ ترین تالیف ہے۔ اُردو میں سیرت کے موضوع پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں، مختصر سے مختصر بھی اور مطول اور جامع بھی۔ سیرۃ النبیؐ کے بعد نقوش کا سیرت نمبر دس جلدوں میں شائع ہوا ہے جو سیرت کے موضوع پر ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ "نبی رحمتؐ" مولفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور "پیغمبر انقلاب" مولفہ مولانا وحید الدین خاں بھی اس موضوع پر ایک قیمتی اضافہ ہے۔ جماعت اسلامی کے حلقہ سے بھی سیرت کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں ان میں "محسن انسانیتؐ" مولفہ نعیم صدیقی، "حیات طیبہ" ابوسلیم محمد عبدالحی، "محمد عربیؐ" مولفہ محمد عنایت اللہ سبحانی، "درِ یتیم" مولفہ ماہرالقادری مرحوم قابل ذکر ہیں۔ جناب نعیم صدیقی نے مولانا مودودیؒ کی ان تحریروں کو جو انہوں نے تفہیم القرآن اور دیگر تصانیف میں سیرت سے متعلق لکھی ہیں "سیرت سرور عالمؐ" کے نام سے مرتب کیا ہے، مولانا مودودیؒ کی نظرثانی اور اضافہ کے بعد یہ بھی سیرت پر ایک اہم کتاب کی حیثیت سے سامنے آئی ہے۔

سیرت نگاری اور تحقیق مائل خیرآبادی کا میدان نہیں ہے پھر بھی انہوں نے اس موضوع پر لکھنے کی سعادت حاصل کی اس لئے یہ اقدام جراًتمندانہ ہی ہے۔ سیرت کے موضوع پر کچھ لکھنے کے لئے ضروری ہے کہ واقعات کی تحقیق کا حق ادا کیا جائے اور قلم کو نہایت احتیاط کے ساتھ مقام نبوت کا لحاظ رکھتے ہوئے اٹھایا جائے۔ اس عہد میں مسابقت نے ہمیں عجلت پسند بنا دیا ہے اس لئے اب نہ تو واقعات کی تحقیق کی کوشش کی جاتی ہے اور نہ لکھتے وقت احتیاط برتی جاتی ہے۔ بس جلدی سے کچھ ہو جائے یہی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ جیسے طلباء امتحان ہال میں جواب کی کاپیاں لکھتے ہیں اکثر مصنفین اسی عجلت کے ساتھ مضامین اور کتاب لکھتے ہیں ___ مائل صاحب بلاشبہ اُردو کے تجربہ کار اَدیب اور انشا پرداز ہیں زندگی کے پچاس سال تصنیف و تالیف میں گذار چکے ہیں۔ ان کی کتاب کی تعریف کرنا آفتاب کو چراغ دکھانا اور اس پر تنقید کرنا چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے۔

ان کی عظمت اور اپنی کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ لکھنا میں دیانت داری کا تقاضا سمجھتا ہوں کہ ان کی یہ کتاب "سیرت سرور عالم" کی تلخیص ہے مؤلف نے اگرچہ یہ اعتراف نہیں کیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کے لئے مواد حاصل کرنے میں کن کتابوں سے مدد لی ہے پھر بھی اہل نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ یہ کتاب "سرور عالم" کی تلخیص ہے چنانچہ ہجرت تک کے حالات جس طرح "سیرت سرور عالم" کی دو جلدوں میں ہیں اتنی ہی واقعات پر یہ کتاب بھی ختم ہوتی ہے اور مولف نے اس کی کہیں وضاحت نہیں کی کہ ایسا کیوں ہے علمی استفادہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے لیکن ان کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ جناب ابو سلیم محمد عبدالحی صاحب نے 'حیات طیبہ' میں اور محمد عنایت اللہ سبحانی نے "محمد عربی" میں صاف طور پر ان مصنفین کا ذکر کیا ہے جن سے استفادہ کیا گیا ہے۔

تلخیص کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ مرتب صاحب ذوق ہو اور اتنا سلیقہ رکھتا ہو کہ کن باتوں کو تفصیل سے بیان کرے اور کسے اجمالاً لکھے اور کن باتوں کو سرے سے نظر انداز کر دے۔ یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے جب پوری توجہ کیساتھ مرتب یہ کام کرے ورنہ عجلت میں جو بات اہم ہے وہ لکھنے سے رہ جاتی ہے اور جن باتوں کو نہیں لکھنا تھا وہ اجمالاً آجاتی ہیں جس سے بڑی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ مائل صاحب کی اس کتاب میں یہ خامیاں موجود ہیں ویسے یہ کتاب نو عمروں اور خواتین کے لئے بے حد مفید ہے، نظر ثانی کے بعد ہندی ترجمہ کیا جائے تو غیر مسلموں کے لئے مفید ثابت ہوگی۔

کتابت، طباعت عمدہ ہے۔ سفید کاغذ اور سرورق دیدہ زیب ہے۔ قیمت پندرہ روپے مناسب ہے۔

(ایم اے شمسی)

بنت سراقہ :-

(۲) مائل صاحب کا بحیثیت قلم کار امتیازی وصف یہ ہے کہ نہایت سہل زبان میں لکھتے ہیں اور باتوں باتوں میں بڑی بڑی بات کہہ جاتے ہیں مائل صاحب دراصل بچوں کے ادیب ہیں۔ اب تک متعدد چھوٹی بڑی کہانیاں لکھ چکے ہیں اور پڑھنے والوں سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں

ان کی پیش نظر تصنیف 'بنت سراقہ' ایک دلچسپ سبق آموز اور ایمان افروز کہانی ہے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایران فتح ہوا تھا اور عرب مسلمانوں کی آتش پرست ایرانیوں سے گھمسان کی جنگ ہوئی تھی۔ ایران فتح ہونے کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی تھی۔ یہی پیشین گوئی اس کہانی کا بنیادی خیال ہے۔ اس تاریخی واقعے کو مائل صاحب نے ایک خوبصورت کہانی کا جامہ پہنایا ہے اور ایسا دلچسپ انداز بیان اختیار کیا ہے کہ شروع کرنے کے بعد ختم کیے بغیر چین نہیں ملتا بیچ بیچ میں ادبی ٹکڑے اور اشعار بھی سامنے آتے ہیں۔ اشعار کمزور ہیں اگر چہ اور

نعار ہوتے تو اثر انگیزی بڑھ جاتی ۔ مائل صاحب
ا پیشکش بچوں کے ساتھ بڑوں کے لیے بھی مفید
ہے۔ قیمت ۴ روپے مناسب ہے۔ (ابونصر فاروق)

سعد و سلمیٰ :-

(۳) سورہ روم کی ابتدائی آیات جن میں خداوند
دوس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ
پیشین گوئی کی تھی کہ "رومی قریب کی سرزمین میں
مغلوب ہو گئے ہیں لیکن وہ اپنی مغلوبیت کے بعد چند
سال کے اندر ہی غالب ہو جائیں گے۔" کو بنیاد
بنا کر مائل صاحب نے ایک کہانی لکھ دی ہے جس کے
مرکزی کردار سعد اور سلمیٰ ہیں۔

یہ ایک سچی تاریخی کہانی ہے جسے مائل صاحب نے
خوبصورت انداز میں لکھا ہے۔ زیادہ تر جنگ کی
داستان بیان ہوئی ہے۔ کہانی سبق آموز ہے
بچوں اور بڑوں دونوں کے لئے دلچسپی کا سامان
رکھتی ہے۔ اسلامی تاریخ کے حقائق جاننے کا اچھا
ذریعہ ہے۔

اس کتاب کی قیمت چار روپے مناسب ہے،
(ابونصر فاروق)

نماز کیسے پڑھیں؟ :- (ہندی)

(۳) یہ مائل خیرآبادی صاحب کے نئے تالیف کردہ کتابچے
کا نام ہے۔ اس کتابچے کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں
طہارت و پاکیزگی کا بیان ہے اور دوسرے حصے میں
نماز کا ذکر۔ دونوں حصوں میں وہ تمام ضروری
باتیں مذکور ہیں جن کا ایک عام مسلمان کے لئے جاننا
ضروری ہے۔ نماز والے حصے میں جو عربی عبارت
ہے اس کا تلفظ ہندی میں بھی دیا گیا ہے۔

یوں تو ہندی زبان میں نماز کی اور بھی کتابیں
تیار ہوئی ہیں مگر یہ کتاب پچھلی تمام کتابوں پر دو سبب
فوقیت رکھتی ہے اور نہایت مفید ہے۔ اول یہ
کہ طریقہ نماز کے ساتھ طہارت و پاکیزگی کے ضروری
مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں اور دوم یہ کہ عربی عبارت
کا ہندی تلفظ بھی درج ہے جس سے غیر عربی داں
کو صحیح قرأت کرنے میں آسانی ہوگی۔

ان مسلمانوں کے لئے جو اردو سے نابلد ہیں ہندی
جانتے ہیں اور ان نومسلموں کے لئے جن کی زبان
ہندی ہے یہ ایک گرانقدر تحفہ ہے اور اس کی تیاری کے
لئے مائل صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں۔ یہ کتابچہ
اس قابل ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچے۔
اللہ تعالیٰ مائل صاحب کی اس کوشش کو قبول
فرمائے اور اسے آخرت کی نجات کا ذریعہ بنائے۔

مذکورہ بالا تینوں کتابچے آفسٹ کی عمدہ
طباعت سے آراستہ ہیں۔ سرورق بھی خوبصورت
ہے۔ کاغذ بھی اچھا ہے۔

قیمت چار روپے مناسب ہے
(ابونصر فاروق)

تعارف و تبصرہ

۱۔ سعد و سلمیٰ :-

مؤلف مائل خیرآبادی سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۵۰ کتابت طباعت کاغذ عمدہ، قیمت چار روپے، مکتبہ حجاب رامپور ۲۴۴۹۰۱ (یوپی)

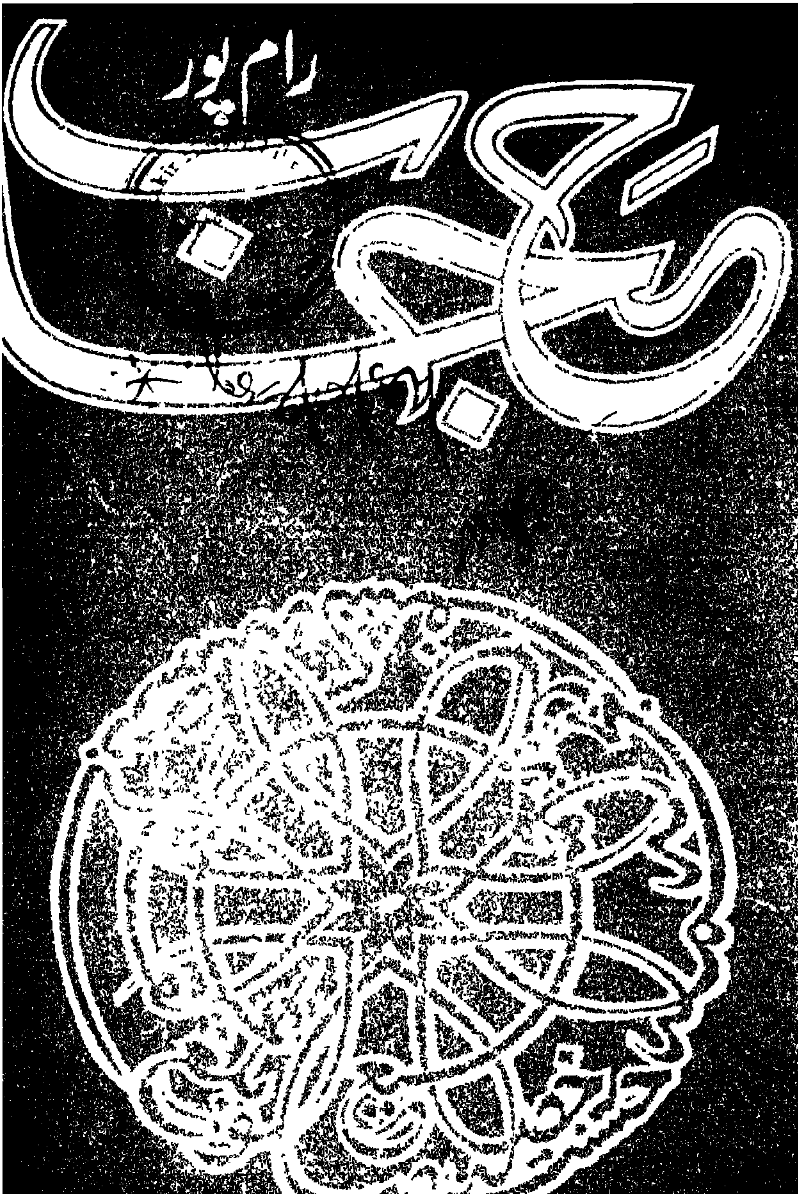
جناب مائل خیرآبادی دینی، علمی اور ادبی حلقوں کے لئے تعریف و تعارف سے بالا ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ آپ ایک ممتاز صحافی بھی ہیں، اور شاعر بھی ادیب بھی ہیں اور متکلم بھی۔ عرصہ دراز تک ادارہ الحسنات سے وابستہ رہ کر ہزاروں صفحات پر مشتمل دینی و اصلاحی مضامین لکھا ہے اور اب خواتین و طالبات کے لئے ایک پاکیزہ رسالہ "حجاب" پابندی و کامیابی کے ساتھ نکال رہے ہیں۔ جسے اسلامی صحافت میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے آپ نے بچوں اور خواتین کے لئے بے شمار کہانیاں، نظمیں، پاکیزہ و اصلاحی ناول اور مفید افسانے لکھے ہیں جن کو بڑے بھی انتہائی شوق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اکثر کتابی شکل میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب مائل صاحب کی نئی تالیف ہے۔ جسے قرآن مجید کی ایک پیشینگوئی کی روشنی میں موثر و دلنشیں انداز میں ترتیب دیا ہے۔ نبوت کے ابتدائی دور میں جبکہ مسلمان کافروں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر حبش کی عیسائی سلطنت میں پناہ لینے کے لئے ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے۔ آتش پرست ایرانیوں اور روم کے عیسائیوں کے مابین ایک زبردست جنگ ہوئی تھی اس جنگ میں ایرانیوں کو فتح اور رومیوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا، جب یہ خبر مکہ پہونچی تو مشرکین پھولے نہ سمائے اور کہنے لگے کہ دیکھو ایران کے آتش پرست فتح پا رہے ہیں اور رسالت کے ماننے والے عیسائی شکست کھا رہے ہیں۔ اسی طرح ہم عرب کے بت پرست بھی مسلمانوں کو ختم کر رکھ دیں گے۔ قرآن مجید نے اس موقع پر پیشینگوئی کی کہ رومی اگرچہ اس وقت مغلوب ہو گئے ہیں مگر اس مغلوبیت کے چند سال بعد ہی وہ غالب آجائیں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی پیشینگوئی کی

1GD. NEWS PAPER

HIJAB

MRD 34

244901


رام پور

دسمبر ۱۹۸۴ء
مطابق
ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

[illegible] کا پاکیزہ ڈائجسٹ

ماہنامہ حجاب
رامپور

مدیر مائل خیرآبادی

شمارہ ۱۲
جلد ۱۵

زرتعاون

▪ سالانہ ۵۰ روپیہ ▪ سالنامہ کی رجسٹری کے لئے ۳ روپیہ ▪ کُل ۵۳ روپیہ
▪ وی پی سے ۶۰ روپیہ ▪▪▪ ایک شمارہ - پانچ روپیہ

پبلشر محمد اسحاق۔ مقام اشاعت بارہ دری محمود خاں رامپور یو پی پن کوڈ ۲۴۴۹۰۱ مطبوعہ

حق پسند علماء

اداریہ

مقالات و مضامین

یہ نامے میرے نام!

افسانے اور کہانیاں

اللہ کی نعمتیں

ایمانیات

منظومات

سیرت

مسائل و مسائل نمبر

مسائل و مسائل نمبر کے متعلق حجاب کے گذشتہ شمارے میں آپ کو معلوم ہو چکا کہ ہم اِس پوزیشن میں نہیں رہے کہ مسائل و مسائل نمبر چھاپ سکیں۔ ایک موہوم سی اُمید تھی کہ جن وسائل سے میں نے خود کو محروم کر لیا تھا، شاید وہ اِس مہینے میں میسّر آجائیں۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا جس کا مجھے افسوس ہے۔ آپ کو بھی افسوس ہوگا۔ اور اب جب کہ میں مسائل و مسائل نمبر کے مضامین حجاب میں دینے لگا ہوں تو میں نے یہ توقع ہی ختم کر دی۔ آپ بھی مطمئن ہو جائیں۔ (مائل خیرآبادی)

عید میلاد النبیؐ

۱۲ ربیع الاوّل کو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا "جشنِ عید" منایا جاتا ہے۔ اور آج کل اسے اہلِ سنت کا خاص شعار سمجھا جانے لگا ہے۔ اس کے بارے میں بھی چند ضروری نکات عرض کرتا ہوں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روحِ ایمانی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ سرمۂ چشمِ بصیرت ہے۔ آپ کی ولادت، آپ کی صغر سنی، آپ کا شباب، آپ کی بعثت، آپ کی دعوت، آپ کا جہاد، آپ کی قربانی، آپ کا ذکر و فکر، آپ کی عبادت و نماز، آپ کے اخلاق و شمائل، آپ کی صورت و سیرت، آپ کا زہد و تقویٰ، آپ کا علم و خشیت، آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، آپ کی صلح و جنگ، خفگی و غصہ، رحمت و شفقت، تبسم و مسکراہٹ، الغرض آپ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت و سکون اُمت کے لئے اُسوۂ حسنہ اور اکسیرِ ہدایت ہے، اور اس کا سیکھنا، سکھانا، اس کا مذاکرہ کرنا، دعوت دینا اُمت کا فرض ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسی طرح آپ سے نسبت رکھنے والی شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ بھی عبادت ہے۔ آپ کے احباب و اصحاب، ازواج و اولاد، خدام و عمال، آپ کا لباس و پوشاک، آپ کے ہتھیاروں، آپ کے گھوڑوں، خچروں اور ناقہ کا تذکرہ بھی عین عبادت ہے۔ کیونکہ یہ درحقیقت ان چیزوں کا تذکرہ نہیں بلکہ آپ کی نسبت کا تذکرہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دو حصے ہیں۔ ایک ولادت شریفہ سے لیکر قبل از نبوت تک کا اور دوسرا بعثت سے لیکر وصال شریف تک کا۔ پہلے حصے کے جستہ جستہ بہت سے واقعات حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں اور حیاتِ طیبہ کا دوسرا حصہ ہے۔ جسے قرآن کریم نے اُمّت کے لئے "اسوۂ حسنہ" فرمایا ہے۔ اس کا مکمل ریکارڈ حدیث وسیرت کی شکل میں محفوظ ہے اور اس کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ آپ باہمہ خوبی وزیبائی گویا ہماری آنکھوں کے سامنے چل پھر رہے ہیں اور آپ کے جمالِ جہاں آرا، کی ایک ایک ادا اس میں صاف جھلک رہی ہے صلی اللہ علیہ وسلم ۔ بلا مبالغہ یہ اسلام کا عظیم ترین اعجاز اور اس اُمت مرحومہ کی بلند ترین سعادت ہے کہ ان کے پاس ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پورا ریکارڈ موجود ہے۔ اور وہ ایک ایک واقعہ کے بارے میں دلیل وثبوت کے ساتھ نشاندہی کرسکتی ہے کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ اس کے برعکس آج دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جن کے پاس ان کے ہادی کی زندگی کا صحیح اور مستند ریکارڈ موجود ہو۔ یہ نکتہ ایک مستقل مقالہ کا موضوع ہے۔ اس لئے یہاں صرف اسی قدر اشارے پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بیان کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کی سیرت طیبہ کے ایک ایک نقشہ کو اپنی زندگی کے ظاہر و باطن پر اس طرح آویزاں کیا جائے کہ آپ کے ہر اُمتی کی صورت وسیرت، چال، ڈھال، رفتار و گفتار، اخلاق و کردار آپ کی سیرت کا مرقع بن جائے اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقع ملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے ہر مجلس و محفل کو معمور و معطر کیا جائے۔ آپ کے فضائل و کمالات اور آپ کے بابرکت اعمال واخلاق اور طریقوں کا تذکرہ کیا جائے اور آپ کی زندگی کے ہر نقشِ قدم پر مرمٹنے کی کوشش کی جائے۔ سلف صالحین صحابہ وتابعین اور ائمہ ہدیٰ ان دونوں طریقوں پر عامل تھے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے۔ اور ہر محفل ومجلس میں آپ کی سیرت طیبہ کا تذکرہ کرتے تھے۔ آپ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ سنا ہوگا کہ ان کے آخری لمحاتِ حیات میں ایک نوجوان ان کی عیادت کے لئے

آیا واپس جانے لگا تو حضرت نے فرمایا، برخوردار تمہاری چادر ٹخنوں سے نیچی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔

ان کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے اپنانے کا اس قدر شوق تھا کہ جب حج پر تشریف لے جاتے تو جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر حج میں پڑاؤ کیا تھا وہاں اُترتے، جس درخت کے نیچے آرام فرمایا تھا اس درخت کے نیچے آرام کرتے، اور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فطری ضرورت کے لئے اُترتے تھے خواہ تقاضا نہ ہوتا تب بھی وہاں اُترتے اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اس کی نقل اُتارتے۔ رضی اللہ عنہ،

یہی عاشقانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے، جن کے دم قدم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ صرف اوراق و کتب کی زینت نہیں رہی بلکہ جیتی جاگتی زندگی میں جلوہ گر ہوتی اور اس کی بوئے عنبری نے مشامِ عالم کو معطر کیا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے جن کی زبان نہیں جانتے تھے۔ نہ وہ ان کی لغت سے آشنا تھے مگر ان کی شکل و صورت اخلاق و کردار اور اعمال و معاملات کو دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جمالِ محمدیؐ کے غلام بے دام بن گئے۔ یہ سیرت نبویؐ کی کشش تھی جس کا پیغام ہر مسلمان اپنے عمل سے دیتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۴) سلف صالحین نے کبھی سیرت النبیؐ کے جلسے نہیں کیے اور نہ میلاد کی محفلیں سجائیں اس ...کہ وہاں ہر روز روزِ عید اور ہر شب شب برات کا قصہ تھا۔ ظاہر ہے کہ جب ان کی پوری زندگی سیرت ...ؐ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، جب ان کی ہر محفل و مجلس کا موضوع ہی سیرت طیبہ تھا اور جب ان کا ...ل و عمل سیرت النبیؐ کا مدرسہ تھا تو ان کو اس نام کے جلسوں کی نوبت کب آسکتی تھی۔ لیکن جوں جوں زمانہ ...نحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے بُعد ہوتا گیا عمل کے بجائے قول کا اور کردار کے ...ئے گفتگو کا سکہ چلنے لگا۔ الحمدللہ یہ اُمت کبھی بانجھ نہیں ہوئی۔ آج اس گئے گزرے دور میں بھی ...مالی کے ایسے بندے موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا آئینہ سامنے رکھ کر

اپنی زندگی سے گیسوو کاکل سنوارتے ہیں اور ان کے لئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت ملک سلیمان اور گنج قارون سے زیادہ قیمتی ہے۔ لیکن مجھے شرمساری کے ساتھ یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ ایسے لوگ کم ہیں جبکہ ہم میں سے اکثریت مجھ ایسے بدنام کنندہ گوڑہ اور نعرہ بازوں کی ہے جو سال میں ایک دو بار سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نعرے لگا کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کے ذمہ ان کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حق تھا وہ فرض انھوں نے پورا ادا کر دیا اور اب ان کے لئے شفاعت واجب ہو چکی ہے مگر ان کی زندگی کے کسی گوشے میں دور دور تک سیرت طیبہ کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت کے ایک ایک نشان کو انھوں نے اپنی زندگی کے دامن سے کھرچ کھرچ کر صاف کر ڈالا ہے اور روزمرہ نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کی مشق جاری رہتی ہے مگر ان کے پتھر دل کو کبھی احساس نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سنتوں اور اپنے طریقوں کے مٹنے سے کتنی تکلیف اور اذیت ہوتی ہوگی۔ وہ اس خوش فہمی میں ہیں کہ بس قوالی کے دو چار نغمے سننے، نعت شریف کے دو چار شعر پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

(۵) میلاد کی محفلوں کے وجود سے اُمت کی چھ صدیاں خالی گذرتی ہیں اور ان چھ صدیوں میں جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں مسلمانوں نے کبھی "سیرت النبی کے نام سے کوئی جلسہ یا میلاد کے نام سے کوئی محفل نہیں سجائی"۔ محفل میلاد کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۴ھ میں سلطان ابوسعید مظفر اور ابوالخطاب ابن دحیہ نے کیا جس میں تین چیزیں بطور خاص ملحوظ تھیں۔

۱۔ بارہ ربیع الاول کی تاریخ کا تعین۔

۲۔ علماء و صلحاء کا اجتماع۔

۳۔ اور ختم محفل پر اطعام طعام کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُرفتوح کو ایصال ثواب۔ ان دونوں صاحبوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس قماش کے آدمی تھے؟ بعض مورخین نے ان کو فاسق و کذاب لکھا ہے اور بعض نے عادل وثقہ۔ واللہ اعلم،

جب یہ نئی رسم نکلی تو علمائے اُمت کے درمیان اس کے جواز و عدمِ جواز کی بحث چلی علامہ فاکہانی اور ان کے رفقاء نے ان خود ساختہ قیود کی بنا پر اس میں شرکت سے عذر کیا اور اسے "بدعتِ سیئہ" قرار دیا اور دیگر علماء نے سلطان کی ہمنوائی کی۔ اور ان قیود کو مباح سمجھ کر اس کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیا۔ جب ایک بار یہ رسم چل نکلی تو یہ صرف علماء و صلحا کے اجتماع تک محدود نہ رہی بلکہ عوام کے دائرے میں آکر ان کی نئی نئی اختراعات کا تختۂ مشق بنتی چلی گئی۔ آج ہمارے سامنے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کی جو ترقی یافتہ شکل موجود ہے (اور ابھی خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں مزید کتنی ترقی مقدر ہے)، اب ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے۔

(۶) سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جو فعل صحابہ و تابعین کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا وہ بلکہ جس کے وجود سے اسلام کی چھ صدیاں خالی چلی آئی ہیں آج وہ اسلام کا شعار کہلاتا ہے اس شعارِ اسلام کو زندہ کرنے والے "عاشقانِ رسول" کہلاتے ہیں۔ اور جو لوگ اس نوایجاد شعارِ اسلام سے ناآشنا ہوں ان کو دشمنانِ رسول سمجھا جاتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

کاش! ان حضرات نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ چھ صدیوں کے جو مسلمان ان کے اس خود تراشیدہ شعار اسلام سے محروم رہے ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ کیا وہ سب نعوذ باللہ دشمنانِ رسول تھے اور پھر انہوں نے اس بات پر بھی غور کیا ہوتا کہ اسلام کی تکمیل کا اعلان تو حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ کون پیغمبر آیا تھا جس نے ایک ایسی چیز کو ان کے لئے شعارِ اسلام بنا دیا جس سے چھ صدیوں کے مسلمان ناآشنا تھے؟

"کیا اسلام میرے یا کسی کے آبا کے گھر کی چیز ہے کہ جب چاہو اس کی کچھ چیزیں حذف کر دو اور جب چاہو اس میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ کر ڈالو"

(۷) دراصل اسلام سے پہلے قوموں میں اپنے بزرگوں اور بانیانِ مذہب کی برسی منانے کا معمول ہے جیساکہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت پر "عید میلاد" منائی جاتی ہے اس کے

برعکس اسلام نے برسی منانے کی رسم کو ختم کر دیا تھا اور اس میں دو حکمتیں تھیں۔ ایک یہ کہ سالگرہ کے موقع پر جو کچھ کیا جاتا ہے وہ اسلام کی دعوت اور اس کی روح و مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اسلام اس ظاہری سج دھج یا نمود و نمائش اور نعرہ بازی کا قائل نہیں وہ اس شور و شغب اور ہاؤ ہو سے ہٹ کر اپنی دعوت کا آغاز دلوں کی تبدیلی سے کرتا ہے اور عقائد حقہ، اخلاق حسنہ اور اعمالِ صالحہ کی تربیت سے "انسان سازی" کا کام کرتا ہے۔ اس کی نظر میں یہ ظاہری مظاہرے ایک کوڑی کی قیمت بھی نہیں رکھتے جن کے بارے میں کہا گیا ہے ؏

جگمگاتے در و دیوار دل بے نور ہیں

دوسری حکمت یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح کسی خاص موسم میں برگ و بار نہیں لاتا۔ بلکہ وہ تو ایسا سدا بہار شجرۂ طوبیٰ ہے جس کا پھل اور سایہ دائم و قائم ہے۔ گویا اس کے بارے میں قرآنی الفاظ میں اُکُلُهَا دَائِمٌ وَّظِلُّهَا کہنا بجا ہے۔ اس کی دعوت اور اس کا پیغام کسی خاص تاریخ کا مرہونِ منت نہیں بلکہ آفاق و ازمان کو محیط ہے۔

اور پھر دوسری قوموں کے پاس تو دو چار ہستیاں ہوں گی جن کی سالگرہ منا کر وہ فارغ ہو جاتی ہیں اس کے برعکس اسلام کے دامن میں ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں ایسی قدآور ہستیاں موجود ہیں جو ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور جن کی عظمت کے سامنے آسمان کی بلندیاں ہیچ اور نورانی فرشتوں کا تقدس گردِ راہ ہے۔ اسلام کے پاس کم و بیش سوا لاکھ کی تعداد تو ان انبیاء کی ہے جو انسانیت کے ہیرو ہیں اور جن میں سے ایک ایک کا وجود کائنات کی ساری چیزوں پر بھاری ہے۔ پھر انبیائے کرام کے بعد صحابۂ کرام کا قافلہ ہے ان کی تعداد بھی سوا لاکھ سے کیا کم ہوگی ؟ پھر ان کے بعد ہر صدی کے وہ لاکھوں اکابر اولیاء اللہ ہیں جو اپنے اپنے وقت میں رشد و ہدایت کے مینارۂ نور تھے اور جن کے آگے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں اب اگر اسلام شخصیتوں کی سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو غور کیجئے اس امت کو سال بھر میں سالگرہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لئے ایک لمحہ کی

بھی فرصت ہوتی ہے چونکہ یہ چیز ہی اسلام کی دعوت اور اس کے مزاج کے خلاف تھی اس لئے آنحضرت صلی ا
علیہ وسلم، صحابہ و تابعین کے بعد چھ صدیوں تک اُمت کا مزاج اس کو قبول نہ کر سکا۔ اگر آپ نے اسلامی تا
کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلامی تاریخ میں چھٹی صدی وہ زمانہ ہے جس میں فرزندانِ تثلیث
نے صلیبی جنگیں لڑیں اور مسیحیت کے ناپاک اور منحوس قدموں نے عالمِ اسلام کو روند ڈالا۔ ادھر مسلمانو
کا اسلامی مزاج داخلی و خارجی فتنوں کی مسلسل یلغار سے کمزور پڑ گیا تھا۔ ادھر مسیحیت کا عالمِ اسلا
پر فاتحانہ حملہ ہوا اور مسلمانوں میں مفتوح قوم کا سا احساسِ کہتری پیدا ہوا۔ اس لئے عیسائیوں کی تقلید
میں یہ قوم بھی سال بھر بعد اپنے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کا جشن منانے لگی۔ یہ قوم کے
کمزور اعصاب کی تسکین کا ذریعہ تھا۔ تاہم جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں اُمت کے مجموعی مزاج نے اس کو
قبول نہیں کیا بلکہ ساتویں صدی کے آغاز سے لیکر آج تک علمائے اُمت نے اسے "بدعت" قرار دیا اور
اسے "ہر بدعت گمراہی ہے" کے زمرے میں شمار کیا۔

(۸) اگرچہ "میلاد" کی رسم ساتویں صدی کے آغاز سے شروع ہو چکی تھی، اور لوگوں نے اس میں بہت سے امور کے اضافے بھی کئے لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اسے "عید" کا نام دیتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "میری قبر کو عید نہ بنانا" اور میں اوپر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ "عید" بنانے کی ممانعت کیوں فرمائی گئی تھی مگر اب چند سالوں سے اس "سالگرہ" کو "عید میلاد النبی" کہلانے کا شرف بھی حاصل ہو گیا ہے۔

دنیا کا کون مسلمان اس سے ناواقف ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے "عید" کے دو دن مقرر کئے ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کو بھی "عید" کہنا صحیح ہوتا، اور اسلام کے مزاج سے یہ چیز کوئی مناسبت رکھتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کو عید قرار دے سکتے تھے اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ پسندیدہ چیز ہوتی تو آپ نہ سہی آپ کے خلفائے راشدین ہی آپ کے یومِ ولادت کو " عید کہہ کر جشنِ عید میلاد النبی" کی طرح کہہ

لیتے. مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا. اس سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں یا یہ کہ ہم اس کو "عید" کہنے میں غلطی پر
ہیں. یا یہ کہ نعوذ باللہ ہمیں تو آنحضرتؐ کے یوم ولادت کی خوشی ہے مگر صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین
کو کوئی خوشی نہیں تھی. انھیں آپ سے اتنا عشق بھی نہیں تھا جتنا ہمیں ہے. ستم ظریفی یہ ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں تو اختلاف ہے. بعض ۹ ربیع الاول بتاتے ہیں بعض ۸ ربیع
الاول اور مشہور ۱۲ ربیع الاول ہے لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات شریفہ ۱۲ ربیع الاول ہی کو ہوئی گویا ہم نے "جشن عید" کے لئے دن بھی تجویز کیا تو وہ جس
دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے داغِ مفارقت دے گئے. اگر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ تم لوگ
جشن عید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ طیبہ پر مناتے ہو؟ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی
خوشی میں؟ (نعوذ باللہ) تو شاید ہمیں اس کا جواب دینا بھی مشکل ہوگا.

بہرحال میں اس دن کو "عید" کہنا معمولی بات نہیں سمجھتا، بلکہ اس کو صاف صاف تحریف فی الدین
سمجھتا ہوں. اس لئے کہ "عید" اسلامی اصطلاح ہے اور اسلامی اصطلاحات کو اپنی خود رائی سے غیر
منقول جگہوں پر استعمال کرنا دین میں تحریف ہے۔

(۹) اور پھر یہ "عید" جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق منائی جاتی ہے
وہ بھی لائقِ شرم ہے"۔ بے ریش لڑکے غلط سلط نعتیں پڑھتے ہیں. موضوع اور من گھڑت قصے کہانیاں
جن کا حدیث وسیرت کی کسی کتاب میں کوئی وجود نہیں، بیان کی جاتی ہیں. شور وشغب ہوتا ہے. نمازیں
غارت ہوتی ہیں اور نامعلوم کیا کیا ہوتا ہے. کاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جو "بدعت"
ایجاد کی گئی تھی اس میں کم از کم آپ کی عظمت و تقدس ہی کو ملحوظ رکھا جاتا.

غضب یہ کہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان خرافاتی محفلوں میں بنفس نفیس
تشریف بھی لاتے ہیں. فیا غربۃ الاسلام.

(۱۰) اب میں اس "عید میلاد النبی" کا آخری کارنامہ عرض کرتا ہوں. کچھ عرصہ سے ہمارے کراچی

میں "عید میلاد النبی" کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں۔ لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں اور بیت اللہ کی خود ساختہ شبیہہ کا طواف بھی کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اور علماء کی نگرانی میں کرایا جا رہا ہے فیا اسفاہ!

"جشن عید میلاد النبی" کی ساری چیزوں کو چھوڑ کر اسی ایک منظر کا جائزہ لیجئے کہ اس میں کتنی قباحتوں کو سمیٹ کر جمع کر دیا گیا ہے۔

اوّل۔ اس پر جو ہزاروں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے یہ محض اسراف و تبذیر اور فضول خرچی ہے۔ آپ ملا علی قاریؒ کے حوالے سے سن چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغ اور شمع جلانے والوں پر اس لئے لعنت فرمائی ہے کہ یہ فعل عبث ہے اور خدا کے دئے ہوئے مال کو مفت ضائع کرنا ہے۔ ذرا سوچئے! جو مقدس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قبر پر ایک چراغ جلانے کو فضول خرچی کی وجہ سے ممنوع اور ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیتا ہے اس کا ارشاد اس ہزاروں لاکھوں روپے کی فضول خرچی کرنے والوں کے بارے میں کیا ہوگا؟ اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ یہ فضول خرچی وہ غربت زدہ قوم کر رہی ہے جو روٹی کپڑا مکان کے نام پر ایمان تک کا سودا کرنے کو تیار ہے۔ اس فضول خرچی کے بجائے اگر یہی رقم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصالِ ثواب کے لئے غرباء و مساکین کو چپکے سے نقد دیدی جاتی تو نمائش تو بلاشبہ نہ ہوتی مگر اس رقم سے سیکڑوں اجڑے گھر آباد ہو سکتے تھے۔ ان سیکڑوں بچیوں کے ہاتھ پیلے کئے جا سکتے تھے جو اپنے والدین کے لئے سوہانِ روح بنی ہوئی ہیں۔ کیا یہ فضول خرچی اس قوم کے رہنماؤں کو سجتی ہے جس کے بہت سے افراد و خاندان نانِ شبینہ سے محروم اور جان و تن کا رشتہ قائم رکھنے سے قاصر ہوں؟ اور پھر یہ سب کچھ کیا بھی جا رہا ہے کس ہستی کے نام پر؟ جو خود تو پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے تھے۔ مگر جانوروں تک کی بھوک پیاس سن کر تڑپ جاتے تھے۔ آج کمیونزم اور دین سوشلزم اسلام کو دانت دکھا رہا ہے جب ہم دنیا کی مقدس ترین ہستی کے نام پر یہ سارا کھیل

لیں گے تو لادین طبقے دین کے بارے میں کیا تاثر لیں گے فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن کریم نے "اخوان
شیاطین" فرمایا تھا۔ مگر ہماری فاسد مزاجی نے اس کو اعلیٰ ترین نیکی اور اسلامی شعار بنا ڈالا تھا۔

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبیست

دوسرے اس فعل میں شیعوں اور رافضیوں کی تقلید ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ رافضی حضرت
حسین رضی اللہ عنہ کی سالانہ برسی منایا کرتے ہیں اور اس موقع پر تعزیہ، علم، دلدل وغیرہ نکالا کرتے
ہیں۔ انھوں نے جو کچھ حسینؓ اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کیا، وہی ہم نے خود رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے نام پر کرنا شروع کر دیا۔ انصاف کیجئے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر اور
بیت اللہ شریف کا سوانگ بنا کر اسے بازاروں میں پھرانا اور اس کے ساتھ روضۂ اطہر اور بیت اللہ
کا سا معاملہ کرنا صحیح ہے تو روافض کا تعزیہ اور دلدل کا سوانگ رچانا کیوں غلط ہے؟ افسوس ہے
کہ ملعون بدعت رافضیوں نے ایجاد کی تھی ہم نے ان کی تقلید کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے کی
کوشش کی۔

تیسرے اس بات پر بھی غور کیجئے کہ روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی جو شبیہہ بنائی جاتی ہے وہ شیعوں
کے تعزیہ کی طرح محض جعلی اور مصنوعی ہے جسے آج بنایا جاتا ہے اور کل توڑ دیا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس مصنوعی سوانگ میں اصل روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی کوئی خیر و برکت منتقل
ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی اس چیز میں کسی درجہ میں تقدس اور کوئی برکت
نہیں تو اس فعل کے محض لغو اور بدعت ہونے میں کیا شک ہے؟ اور اگر اس میں تقدس اور برکت
کا اثر آجاتا تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ اور کسی مصنوعی اور جعلی چیز میں روضۂ مقدسہ اور بیت اللہ
شریف سے تقدس و برکت کا اعتقاد رکھنا اسلام کی علامت ہے یا جاہلیت کی؟ اور پھر روضۂ
شریف اور بیت اللہ شریف کی شبیہہ بنا کر اگلے دن اسے توڑ پھوڑ دینا کیا ان کی توہین نہیں؟
آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کی تصویر بادشاہ نہیں ہوتی، نہ کسی عاقل کے نزدیک اس میں بادشاہ کا

ہوئی ملال ہوتا ہے، اس کے باوجود بادشاہ کی تصویر کی توہین کو قانون کی نظر میں لائق تعزیر جرم تصور کیا ہے اور اسے بادشاہ سے بغاوت پر محمول کیا جاتا ہے لیکن آج روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر کل اسے منہدم کرنے والوں کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

چوتھے جس طرح شیعہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تعزیہ پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں اب رفتہ رفتہ عوام کالانعام اس نو ایجاد "بدعت" کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنے لگے ہیں روضۂ اطہر کی شبیہ پر درود و سلام پیش کیا جاتا ہے اور بیت اللہ شریف کی شبیہ کا با قاعدہ طواف ہونے لگا ہے۔ گویا مسلمانوں کو حج و عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ان دوستوں نے گھر گھر میں روضے اور بیت اللہ بنا دیے ہیں جہاں سلام بھی پڑھا جاتا ہے اور طواف بھی ہوتا ہے۔ میرے قلم میں طاقت نہیں کہ میں اس فعل کی قباحت و شناعت اور ملعونیت کو ٹھیک ٹھیک واضح کر سکوں۔ ہمارے ائمہ اہل سنت کے نزدیک یہ فعل کس قدر قبیح ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ایک مثال کافی ہے۔ وہ یہ کہ ایک زمانے میں ایک بدعت ایجاد ہوئی تھی کہ عرفہ کے دن صرف حاجی حضرات عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں تو ان کی مشابہت کے لئے لوگ اپنے شہر کے کھلے میدان میں نکل کر جمع ہوتے ـــ اور حاجیوں کی طرح سارا سارا دن دعا و تضرع و گریہ و زاری اور توبہ و استغفار میں گذاتے اس رسم کا نام "تعریف" عرفہ منانا رکھا گیا تھا۔ بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی بلکہ یہ ایک اچھی چیز تھی کہ اگر اس کا رواج عام ہو جاتا تو کم از کم سال بعد تو مسلمانوں کو توبہ و استغفار کی توفیق ہو جایا کرتی۔ مگر ہمارے علمائے اہل سنت نے (اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) اس بدعت کی سختی سے تردید کی اور فرمایا۔

اَلتَّعْرِيفُ لَيْسَ بِشَيْئٍ۔ یعنی اس طرح عرفہ منانا بالکل لغو اور بیہودہ حرکت ہے۔

شیخ ابن نجیمؒ صاحبِ البحر الرائق" لکھتے ہیں :-

"چونکہ وقوفِ عرفات ایک ایسی عبادت ہے جو ایک خاص مکان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے یہ فعل اس مکان کے سوا دوسری جگہ جائز نہ ہوگا جیسا کہ طواف وغیرہ جائز نہیں۔ آپ دیکھتے ہیں طوافِ کعبہ کی مشابہت کے طور پر کسی اور مکان کا طواف جائز نہیں صـ ۱۷۶ ج ۲

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ "میری قبر کو عید نہ بنانا۔ اس میں تحریف کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ یہود ونصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ یہی کیا تھا۔ اور انھیں حج کی طرح عید اور موسم بنالیا تھا۔"

(حجۃ اللہ البالغہ)

شیخ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مناسک میں فرماتے ہیں کہ :-

طواف کعبہ شریف کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی قبور کے گرد طواف کرنا حرام ہے۔ جاہل لوگوں کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں، خواہ وہ مشائخ وعلماء کی شکل میں ہوں۔

(بحوالہ النخبۃ لاہل السنۃ صـ)

اور بحر الرائق۔ کفایہ شرح ہدایہ۔ اور معراج الدرایہ میں ہے کہ :-

جو شخص کعبہ شریف کے علاوہ کسی اور مسجد کا طواف کرے، اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔ (النخبۃ لاہل السنۃ صـ)

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ روضۂ اطہر اور کعبہ شریف کا سوانگ بنا کر ان کے ساتھ اصل کا سا جو معاملہ کیا جاتا ہے ہمارے اکابر اہل سنت کی نظر میں اس کی کیا حیثیت ہے۔

خلاصہ یہ کہ "جشنِ عید میلاد" کے نام پر جو خرافات رائج کردی گئی ہیں اور جن میں ہر آئے سال مسلسل اضافہ کیا جارہا ہے۔ یہ اسلام کی دعوت، اس کی روح اور اس کے مزاج کے یکسر منافی ہیں۔ میں اس تصور سے پریشان ہوجاتا ہوں کہ ہماری ان خرافات کی روئیداد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں پیش ہوتی ہوگی تو آپ پر کیا گذرتی ہوگی؟

اور اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمارے درمیان موجود ہوتے تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کا کیا حال ہوتا؟ بہرحال میں اس کو نہ صرف "بدعت" بلکہ تحریف فی الدین تصور کرتا ہوں اور اس بحث کو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ایک ارشاد پر ختم کرتا ہوں جو انھوں نے اسی مسئلہ میں اپنے مرشد خواجہ باقی باللہؒ کے بارے میں فرمایا ہے:۔

بہ نظر انصاف ببینند کہ اگر فرضاً حضرت ایشاں دریں زمان در دنیا زندہ می بودند و ایں مجلس و اجتماع منعقد می شد آیا بریں امر راضی می شدند و ایں اجتماع را پسندیدند یا نہ، یقین فقیر آں است کہ ہرگز ایں معنی را تجویز نمی فرمودند مقصود فقیر اعلام بود، قبول کنند یا نہ کنند ہیچ مضائقہ نیست و گنجائش مشاجرہ نہ۔

ترجمہ:۔ انصاف کی نظر سے دیکھئے کہ اگر بالفرض حضرت ایشاں اس وقت دنیا میں تشریف فرما ہوتے اور یہ مجلس اور یہ اجتماع منعقد ہوتا تو آیا آپ اس پر راضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند فرماتے یا نہیں۔ فقیر کا یقین یہ ہے کہ اس کو ہرگز جائز نہ رکھتے۔ فقیر کا مقصود صرف امر حق کا اظہار ہے قبول کریں یا نہ کریں کوئی پرواہ نہیں اور نہ کسی جھگڑے کی گنجائش۔ (دفتر اوّل مکتوب ۲۷۳)۔

ماخوذ ماہنامہ البدر کاکوری

جمیلہ شوکت
پنجاب یونیورسٹی
لاہور

عورتوں کے حقوق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عصرِ جدید میں آزادیِ نسواں کے نعروں کے باوجود، عورتوں کے ساتھ ایک دوسرے طریق سے فریب کھیلا جارہا ہے، وہ یوں کہ زندگی اور تمدن کے لیے مرد و زن کے مابین اشتراک و تعاون اور محبت کی ضرورت ہے۔ مغربی تحریکیں بجائے تالیف کے مخاصمت اور تفریق کی تبلیغ کرکے بیگانگی کی خلیج وسیع کر رہی ہیں اور تعاون کے بجائے باہمی بیزاری پیدا کی جارہی ہے اور آزادی کے نام پر ان کو بے راہ روی اور مادر و پدر آزادی کی تبلیغ کی جارہی ہے۔

مغرب کی تقلید میں مشرقی اور دیگر مسلمان ممالک کو بھی یہی صورت حال درپیش ہے۔ مصر، شام، عراق، ترکی، ایران، افغانستان، پاکستان میں بھی آج اس تحریک کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ موجودہ تہذیب نے عورت کو جو آزادی دی ہے، وہ بھی ایک فریب اور ملمع سازی ہے، ورنہ درحقیقت یہ آزادی نہیں بلکہ یہ تو عہدِ عتیق کی غلامی سے بھی بدتر ہے۔ صحیح آزادی وہی ہے

جو پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے عورتوں کو عطا کی، جس سے عورتوں کو ان کے جائز حقوق بھی مل جاتے ہیں اور اس سے ایک صالح معاشرہ بھی تشکیل پا سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عظیم اصلاحی کارنامہ

حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں مرد و زن کے صحیح رشتہ کو متعین کرنے میں قدیم و جدید تمام تصورات یک طرفہ اور ناقص ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا کو یہ بتایا کہ زندگی مرد و زن دونوں کے ارتباط کی محتاج ہے۔ آپؐ نے بڑے واضح الفاظ میں عورت اور مرد کے لازمی ارتباط پر زور دیا اور یہ واضح کیا ہے کہ نسلی اور فطری اعتبار سے کسی صنف کو دوسری صنف پر برتری حاصل نہیں بجز تقویٰ کے۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: ———

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً

——— (النساء۔ ۴)

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیئے۔"

پھر دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ دونوں کے باہمی حقوق ہیں اور دونوں کے فرائض بھی: ———

نامحرم کے ساتھ سفر کرنے اور تنہائی میں اس کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ ———— (البخاری)

آپ ؐ کا خود یہ طریقہ تھا کہ خواتین سے بیعت لیتے وقت ان کا ہاتھ مس نہیں کرتے تھے۔ ———— (البخاری)

خوشبو اور عطریات، جو جذبات کو برانگیختہ کرنے والے ہیں، آپ ؐ نے خواتین کو گھروں سے باہر نکلتے وقت استعمال کرنے سے منع فرمایا۔

———— (مشکوٰۃ المصابیح)

یہ تھے وہ اصول و ضوابط جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عورت کو اندرونِ خانہ اور بیرونِ خانہ محفوظ رکھنے کے سلسلے میں تلقین فرمائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عورت کو جو حقوق عطا فرمائے ان کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان حقوق نے عورتوں کی زندگی میں جو تبدیلی پیدا کی اس کا اندازہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے ہوتا ہے کہ ————

"مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے، مدینہ میں نسبتاً ان کی قدر تھی، لیکن جب اسلام آیا اور ان کے متعلق آیات نازل ہوئیں تو ہم کو قدر و منزلت کا صحیح احساس ہوا۔" (بخاری)

اس سے بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو صرف چند حقوق ہی عطا نہیں کئے، بلکہ ان کو معاشرے میں ان کا جائز مقام دلا کر انسانیت کی تکمیل کی ہے چنانچہ آپ ؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ: ————

"مرد اپنے اہلِ خانہ کا راعی ہے اور ان سے متعلق اس سے جواب طلبی ہوگی، اور عورت شوہر کے گھر کی محافظ و نگہبان ہے، اور اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔" (البخاری)

آپؐ نے مرد کو قوّام اور اہل خانہ کے نان و نفقہ کا ذمہ دار بنایا (النساء۔۳۴)
تو عورت کو اس سے بھی مشکل، لیکن اہم اور نازک کام یعنی تربیت اولاد کی
ذمہ داری سونپی۔ عورت کو نازک آبگینوں سے تشبیہ دی۔ ایک سفر میں جب کہ
ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں اور حدی خوان ذرا تیز آواز سے سواریوں کو چلا رہے
تھے، تو آپؐ نے فرمایا۔ "انجشہ رویدك بالقواریر" ـــــ (الاصابہ)
یعنی "نازک آبگینوں (خواتین) کا خیال رکھو اور آہستہ آواز سے حدی خوانی کرو"۔
آپؐ نے علم کے دروازے مرد و عورت دونوں کے لئے یکساں طور پر کھول
دیئے فرمایا: ـــــ

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ (مشکوٰۃ)

"علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے"۔
صحابیات آپؐ کی مجالس وعظ و تلقین میں شریک ہوتی تھیں۔ لیکن مردوں
کی کثیر تعداد کی وجہ سے بسا اوقات آپؐ کے ارشادات سن نہ سکتیں تو اس پر
عورتوں نے آپؐ سے ان کے لئے علیحدہ دن مخصوص کرنے کی درخواست کی
جو قبول کر لی گئی۔ چنانچہ آپؐ گاہے بگاہے عورتوں کو خطاب فرماتے۔"
ـــ ـــ ـــــ (البخاری)
عورتوں کو احکام دین سیکھنے کے لئے مساجد میں آنے اور نماز عیدین
میں بھی شریک ہونے کی اجازت دی۔ بشرطیکہ زمانہ فتنے کا نہ ہو اور شرکت کی
صورت میں وہ حکم پہلے سے بچنے اور اختلاط سے محفوظ رکھنے کی خاطر یہ وضاحت
بھی فرمادی کہ عورتیں باجماعت نماز میں سب سے آخری صف میں کھڑی ہوں۔
(مشکوٰۃ المصابیح) ـــــ
مگر یہ بھی فرمادیا کہ ۔ بُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ ـــــ (مشکوٰۃ) یعنی عبادت وغیرہ

سے لئے ان کا گھر ان کے لئے بہترین جگہ ہے۔ کیونکہ باہر کی زندگی میں فتنوں کی کثرت ہے جس سے وہ صنفِ ضعیف ہونے کی وجہ سے نہیں بچ سکتیں۔

خواتین سے شفقت آمیز برتاؤ کا منظر اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ خواتین بلا تکلف آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتیں، ذاتی نوعیت کے مسائل کا حل دریافت کرتیں، یہاں تک کہ شوہروں کی بدسلوکی کے بارے میں شاکی ہوتیں جس پر آپ شوہروں کو تنبیہہ فرماتے۔ (ابوداؤد)

ایک دن خواتین دربار رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ آپؐ (زن و مرد دونوں کے لئے) رسولؐ ہیں، ہم عورتیں آپؐ پر (مردوں ہی کی طرح) ایمان لائیں، مگر ہم پردہ دار ہیں، گھر کی رکھوالی کرنے اور بچوں کی دیکھ بھال کرنے والی ہیں، جبکہ مرد نماز باجماعت، جنازہ اور جہاد میں شرکت کی وجہ سے سبقت لے گئے، جبکہ عورتیں ان فضیلتوں سے محروم رہتی ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: — عورتوں کا شوہر کی خدمت کرنا، ان کی مرضی کے مطابق کام کرنا ان سب کاموں پر بھاری ہے۔ (اسدالغابہ)

مطلب یہ کہ مردوں کی ذمہ داریاں سخت ہیں، جن کو عورتیں اپنی طبعی اور جسمانی ساخت کی بناء پر پورا نہیں کر سکتیں، یہ سخت کام مرد ہی کر سکتے ہیں۔ عورتیں ان گراں خدمات انجام دینے والوں (مردوں) سے اپنی حدود میں اور اپنی استعداد کے مطابق تعاون کریں اور ان کو آرام پہونچائیں تاکہ وہ جہاد جیسی مشقت کو بخوشی برداشت کرنے کے قابل رہیں۔

آپؐ عورتوں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جاتے، ان کی دلجوئی فرماتے اور بطور شفقت تحائف بھی دیتے۔ ام ایک خورد سال بچی خالد کے بارے میں ہے کہ آپ نے انھیں ایک چادر (خمیصہ) بطور ہدیہ دی۔ (طبقات ابن سعد)

"آپؐ نے مختلف مواقع پر اپنی بعض رشتہ دار عورتوں کے ہاں قیام فرمایا۔" ——— (اسد الغابہ)

آپؐ جب بھی قبا تشریف لے جاتے اپنی رضاعی خالہ کے ہاں قیام فرماتے اور ان کے ہاتھ کا تیار کردہ کھانا تناول فرماتے اور انھیں کے گھر آرام بھی فرماتے۔

ایک مرتبہ بعض قرابتدار عورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیٹھی گفتگو کررہی تھیں کہ حضرت عمرؓ آئے تو وہ اٹھ کر چلی گئیں۔ آپؐ نے تبسم فرمایا تو حضرت عمرؓ بولے: "خدا آپؐ کو خنداں رکھے! کیوں تبسم فرمایا۔"؟ فرمایا، ان عورتوں پر تعجب ہوا کہ تمھاری آواز سنتے ہی آڑ میں چھپ گئیں۔ حضرت عمرؓ نے خواتین سے پوچھا کہ کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور آنحضرتؐ سے نہیں ڈرتیں۔"؟ انھوں نے جواب دیا کہ نبی کریمؐ کی نسبت آپ ذرا سخت مزاج ہیں۔"

اسی طرح آپؐ ایک دن حضرت عائشہؓ کے گھر میں منہ ڈھانپ کر سوئے ہوئے تھے، عید کا دن تھا۔ لڑکیاں بالیاں گا بجارہی تھیں۔ اس اثنا میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے تو خفا ہوئے کہ (حضورؐ سو رہے ہیں اور تم نیند میں خلل ڈال رہی ہو، (اس پر) آپؐ نے فرمایا، انھیں کچھ نہ کہو، یہ ان کی عید کا دن ہے۔"

——— (مسلم)

دنیا کی اکثر اقوام نے عورت کو کسی نہ کسی طرح میراث سے محروم رکھا، لیکن اسلام نے عورت کو بحیثیت بیٹی، بیوی اور ماں (اور دیگر ممکن رشتوں کے) میراث سے حصہ دلایا۔ جاہلی عرب معاشرے میں لڑکی کی پیدائش کو منحوس قرار دیا جاتا اور وہ ہر قسم کے حقوق سے محروم رہتی تھی۔ بالعموم بچی کو پیدا ہونے کے ساتھ ہی زندہ دفن کردیا جاتا۔ لیکن آنحضرتؐ نے بچی کی پیدائش کو نزول رحمت سے

تعبیر فرمایا اور پھر بچیوں کی تربیت کی تلقین کی اور بالغ ہونے پر نکاح کرنے والوں کے لئے جنت کی نوید سنائی۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ جس نے دو بیٹیوں یا بہنوں کی بالغ ہونے تک پرورش کی اور ان پر لڑکوں کو ترجیح نہ دی، وہ اور میں قیامت کے دن ـــ (اپنی دو انگلیوں کو اکٹھا کر کے اشارے سے ظاہر کیا) اس طرح اکٹھے ہوں گے۔ ـــــــ (مشکوٰۃ)

آپؐ خود ان تعلیمات کا مکمل نمونہ تھے۔ آپؐ اپنی صاحبزادیوں اور ان کے بچوں کے لئے سراپا شفقت تھے۔ حضرت فاطمہ زہرا رضؓ سے آپؐ کو جو محبت تھی اس کا اندازہ اس قولِ مبارک سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ـــــ

"فاطمہ رضؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، اس کے دکھ سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" ـــــــ (مسلم)

"آپؐ کا معمول تھا کہ جب بھی حضرت فاطمہ رضؓ تشریف لاتیں تو ان کا کھڑے ہو کر استقبال فرماتے اور خوشی کا اظہار فرماتے۔" (البخاری)

"آپؐ کی ننھی نواسی حضرت امامہ رضؓ بنتِ زینبؓ، نماز کے دوران میں آپؐ پر سوار ہو جاتیں، جب آپؐ قیام فرماتے تو آپؐ انھیں گود میں اٹھا لیتے۔"

ـــــــ (مشکوٰۃ المصابیح)

[یہ واقعہ نماز میں حکم سکون کے آنے سے پہلے کا ہوگا کیونکہ حکم سکون کے آنے سے پہلے نماز میں حرکت جائز تھی۔] (محمود آلوسی۔ روح المعانی ۲: ۱۵۸)

لڑکی کے نکاح کے معاملہ میں باپ اور ولی کے لئے لازمی قرار دیا کہ اس معاملہ میں لڑکی کی رائے لیں۔ (مسلم)

خنساء بنت خذام (انصاری خاتون، جو ثیبہ تھیں) کے والد نے ان کا نکاح ان کی مرضی کے بغیر کر دیا، وہ دربارِ رسالت میں والد کی شکایت لے کر

پہونچیں تو انھیں آپؐ نے نکاح کو رد کرنے کا حق دیا۔ (مشکوٰۃ)
بخاری شریف میں ایک ایسی ہی روایت باکرہ کے متعلق بھی ہے۔

بیویوں کے بارے میں حضورؐ کا عمل اور ارشادات

اسلام نے بیویوں کے انفرادی تشخص کو تسلیم کر کے ان کے فرائض کے ساتھ ساتھ ان کے حقوق بھی بیان کئے ہیں۔ (آنحضرتؐ نے خاندانی زندگی میں فرائض اور حقوق کی حد بندی کرتے ہوئے بھی بیویوں کے الگ وجود کو تسلیم کرایا)۔

آپؐ نے فرمایا: ———

اَلدُّنْیَا کُلُّھَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃ

——— (مشکوٰۃ المصابیح)

(یعنی، ساری کی ساری دنیا نعمت ہے اور بہترین نعمت نیک بیوی ہے)

مزید فرمایا: "تم میں بہتر وہی ہے جس کا سلوک اپنی بیویوں سے اچھا ہے اور میرا سلوک میری بیویوں سے سب سے اچھا ہے۔" (الترمذی)

آپؐ نے مزید فرمایا: "کوئی شخص بیوی کو غلام یا باندی کی طرح نہ الٹے پیٹے"

——— (البخاری)

اگر شوہر کو بیوی کی کوئی عادت ناپسند ہو تو یقیناً کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی (یعنی پسندیدہ عادت کی قدر کرے اور ناپسندیدہ پر درگذر اور صبر کرے اور ندریجی اصلاح کی کوشش کرے)۔ ——— (مسلم)

(ہاں اگر وہ ان جرائم میں سے کسی کا ارتکاب کرے، جن کی سزا اسلام نے ضروری قرار دی ہے تو وہ مستحق سزا ہے)۔

عورت بحیثیت ماں

قرآن و سُنّت کی رو سے ماں کا درجہ معراجِ انسانیت ہے۔ قرآن کریم میں بالتصریح ارشاد ہے کہ توحید کے بعد والدین کی اطاعت کا درجہ ہے اور والدین میں بھی (خدمت میں) والدہ کا حق فائق ہے۔ کسی صحابی رضؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ میرے حُسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے تو آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا تمھاری ماں چوتھی بار فرمایا، تمھارا باپ۔ (مسلم)

والدین کی نافرمانی کو آپؐ نے کبیرہ گناہ (اکبرالکبائر) سے تعبیر فرمایا۔ حُسنِ سلوک کے اس دائرے کو حقیقی والدین سے بڑھا کر رضاعی والدین اور دیگر اعزہ و اقارب تک وسیع کر دیا۔ والدہ اگر غیر مسلمہ بھی ہو تو اس صورت میں بھی اسکے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا۔ (الترمذی)

آنحضرتؐ کا باندیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک

اسلام نے مختلف گناہوں کے کفارے میں غلام کی آزادی کا حکم دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈیوں کو آزاد کرنے اور ان سے نکاح کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی مسلمانوں کو تاکید کی اور آقاؤں کو ان کا سرپرست قرار دیا۔ آپؐ لونڈیوں کو آزاد فرما دیتے، ان کے نکاح کا انتظام کرتے اور آزاد ہونے پر انھیں وہی حقوق حاصل ہوتے جو ایک آزاد عورت کو حاصل ہوتے ہیں۔ اُمّ ایمن رضؓ جو آپؐ کی آزاد کردہ لونڈی (اور آپ کی رضاعی ماں تھیں) کو آپؐ یا امّہ (اے ماں) کہہ کر مخاطب فرماتے اور جب آپ کی طرف دیکھتے تو فرماتے یہ میرے اہل بیت میں سے ہے، ان کی خدمت و سعادت کو دیکھ کر

فرماتے۔ "جو کسی جنتی خاتون کو دیکھنا چاہے تو وہ ام ایمن کو دیکھ لے۔" آپؐ اُن سے مزاح بھی فرماتے۔ (طبقات ابن سعد)

آپؐ نے جب حضرت بریرہؓ کو آزاد کیا تو انھیں زمانۂ غلامی کے نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار دیا۔ حضرت بریرہؓ نے اس حق کو استعمال کیا اور جدائی اختیار کی۔ ان کے شوہر کو ان سے بے حد محبت تھی۔ روایات میں ہے کہ اس تفریق کے بعد وہ مدینہ کی گلیوں میں پریشان حال پھرتے۔ آپؐ کو اس کی حالت پر رحم آیا، اور حضرت بریرہؓ سے ان کی طرف رجوع کرنے کے لئے کہا تو بولیں: یا رسول اللہؐ! کیا یہ آپؐ کا حکم ہے۔ ؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں سفارش کرتا ہوں۔ اس پر حضرت بریرہ نے جواب دیا: تو پھر مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ (البخاری)

تعلیم نسواں

پُرانے معاشروں میں عورت پر تعلیم کے دروازے بند تھے، لیکن آپؐ نے آغاز ہی سے اس کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ آپؐ کا فرمان: طلب العلم فریضة علی کل مسلم (علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حصول علم کسی ایک صنف سے مخصوص نہیں، بلکہ یہ مرد و عورت دونوں کا حق ہے۔ آپؐ نے خواتین کو دین کے احکام سیکھنے کے لئے مسجدوں میں آنے کی اجازت دے رکھی تھی، اس کے علاوہ صحابیات رضؓ کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوتیں اور آپؐ سے براہ راست یا بالواسطہ ازواج مطہرات استفادہ کر کے لوٹتیں۔ اس معاملہ میں خواتین انصار پیش پیش تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، "عورتوں میں انصاری عورتیں خوب ہیں کہ انھیں دین کی تعلیم میں حیا مانع نہیں ہوتی۔" (مسلم)

معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی مجالس میں خواتین بڑے شوق سے حاضر ہوتیں۔
حضرت خولہ رضؓ بنت قیس کہتی ہیں، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ جمعہ کے دن سب سے پچھلی صف میں بیٹھی ہوئی سنتی تھی (الاصابہ) اور اگر آپؐ کو کسی وقت یہ محسوس ہوتا کہ خواتین آپؐ کی بات کو سمجھ نہیں سکیں یا ان تک پوری نہیں پہونچی۔ آپؐ اس کا اعادہ فرمادیتے تھے۔ (البخاری)
لیکن جب عورتوں کی اس طرح تسلی نہ ہوئی تو آپؐ نے ان کی درخواست پر ان کے لئے ایک علیحدہ دن مقرر کردیا۔ (البخاری)
ایسا بھی ہوتا کہ آپؐ اس خدمت پر اپنی طرف سے کسی نمائندے کو مقرر فرمادیتے۔
حضرت ام عطیہ رضؓ روایت کرتی ہیں کہ آپؐ جب مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے انصاری خواتین کو ایک گھر میں جمع کیا اور ہمارے پاس حضرت عمر رضؓ بن الخطاب کو وعظ و نصیحت کے لئے بھیجا۔ انھوں نے دروازے کے پاس کھڑے ہوکر سلام کیا اور کہا کہ میں تمھارے پاس آپؐ کے قاصد کی حیثیت سے آیا ہوں۔ حضورؐ نے حکم دیا ہے کہ عیدین میں نوجوان اور حائضہ عورتیں بھی عیدگاہ چلیں (گر مؤخرالذکر نماز میں شریک نہ ہوں) اور یہ کہ عورتوں پر جمعہ فرض نہیں ہے اور آپؐ نے عورتوں کو جنازہ کے پیچھے چلنے سے منع کیا۔ (ابوداؤد)
آپؐ نے والدین اور شوہروں کو اس بات کی تلقین فرمائی کہ وہ اپنی بچیوں کو دین کے احکام سے روشناس کرائیں۔ آپؐ نے اس صنف کو فکری اور عملی اعتبار سے آگے بڑھانے کی مختلف طریقوں سے ترغیب دلائی۔ کہیں آپؐ نے ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنے والوں کے لئے جنت کی بشارت سنائی (البخاری) اور کہیں فرمایا کہ مہر کے عوض بیوی کو چند سورتیں ہی سکھادی جائیں۔
(البخاری)

آپؐ نے ضروری خیال فرمایا کہ یہ صنف زبانی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ کتابت سے بھی واقف ہو۔ آپؐ نے حضرت شفاء بنت عبداللہ رضؓ سے فرمایا کہ تم نے حضرت حفصہ رضؓ کو جس طرح کتابت سکھائی ہے اس طرح چیونٹی کے کاٹنے کی دعا بھی سکھا دو۔ ——— (ابو داؤد)

آپؐ کی اسی توجہ اور تعلیم کا نتیجہ تھا کہ نہایت قلیل عرصے میں صحابیات رضؓ کی ایک کثیر تعداد مختلف اساسی علوم میں ماہر ہو گئیں۔

حضرت عائشہ رضؓ، حضرت اُم سلمہ رضؓ اور اُم ورقہ رضؓ نے پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ ——— (فتح الباری)

حضرت ہند بنت اسید رضؓ، حضرت ام ہشام رضؓ بنت حارثہ اور اُم سعد رضؓ قرآن مجید کے بعض حصوں کی حافظہ تھیں۔ ام سعد رضؓ تو قرآن مجید کا درس بھی دیتی تھیں۔ ——— (طبقات ابن سعد)

تفسیر میں حضرت عائشہ رضؓ کو خاص درک حاصل تھا۔ صحابیات کی ایک کثیر تعداد نے آپ سے احادیث کی روایت بھی کی ہے۔ امہات المومنین کے علاوہ ام عطیہ رضؓ، اسماء بنت ابوبکر رضؓ اور فاطمہ رضؓ بنت قیس کا شمار بھی کثیر الروایات صحابیات میں ہوتا ہے۔

فقہ میں صحابیات رضؓ کو خاص درک حاصل تھا اور ان کی فہم و بصیرت نے لوگوں کی رہنمائی کا اہم فریضہ سر انجام دیا ہے۔ فقہ میں حضرت عائشہ رضؓ کا درجہ تو اتنا بلند ہے کہ ان کا شمار مجتہدین صحابہ میں ہوتا ہے۔ (الاستیعاب)

علوم اسلامیہ کے علاوہ دیگر علوم میں بھی صحابیات کو عبور حاصل تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ کو طب، تاریخ عرب اور حضرت ام سلمہ رضؓ کو علم اسرار الدین میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ حضرت ام سلمہ رضؓ کی فراست و ذہانت کا اندازہ حدیبیہ

کے اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ جب صلح حدیبیہ کی شرائط کی وجہ سے
بددلی پھیلی تو آپؐ نے صحابۂ کرامؓ کو اپنے جانور ذبح کر دینے کا تین بار حکم دیا۔
لیکن وہ اتنے شکستہ خاطر تھے کہ ان میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔
حضورؐ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لائے اور واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے
کہا کہ آپؐ باہر نکل کر خود قربانی کیجیے اور عملی نمونہ پیش کیجیے۔ چنانچہ آپؐ نے
ایسا ہی کیا۔ آپؐ کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ بھی اٹھے اور آپؐ کی پیروی میں قربانی
کی اور بال کٹائے۔ (البخاری)

حضرت اسمارؓ بنت سکن اتنی عمدہ خطیبہ تھیں کہ ایک موقع پر آپؐ نے
ان کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف فرمایا تھا۔ (اسد الغابہ)

علم تفسیر میں حضرت اسماء بنت قیس کا شہرہ تھا۔ (الاصابہ)

علم طب میں حضرت عائشہؓ کے علاوہ رفیدہ اسلمیہ، ام مطاعؓ، ام کبشہؓ،
ام عطیہؓ، ربیع بنت معوذ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ
رفیدہؓ کا خیمہ، جس میں سامان جراحی ہوتا تھا، مسجد نبویؐ کے پاس تھا۔ (الاصابہ)

صحابیات کو زبان و ادب پر بھی پورا ملکہ حاصل تھا۔ اس صنف نازک نے
شاعری کو اپنے جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ صحابیاتؓ میں اروی بنت عبدالمطلب
اور ان کی بہن امامہ، ہند بنت حارث، سعدیٰ، میمونہ وغیرہا شاعری میں زیادہ
معروف ہیں۔ اور حضرت خنسار بنت تماضر تو چوٹی کی شاعرہ تھیں (ان تمام
صحابیات کے لئے دیکھئے۔ الاصابہ ج ۴)۔

عورت میدانِ عمل میں

یہ حقیقت ہے کہ اسلام نے عورت کا حقیقی میدان عمل اس کا گھر قرار دیا ہے۔

اور معاشی مشقت کے جھمیلوں سے حتی الامکان اسے دور رکھا ہے اور مرد کو عورت کا معاشی کفیل بنایا ہے، اس لئے نہیں کہ وہ عورت سے معاشی استقلال یا حق عمل چھین لے، کیوں کہ انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں میں اس کے اس حق کی ضمانت دے دی گئی ہے۔ مرد کو عورت کا کفیل اس لئے بنایا گیا کہ عورت اپنے فرائض یعنی گھر کی دیکھ بھال، بچوں کی تربیت عمدگی سے کر سکے اور دوسری طرف مرد اپنی بھرپور قوتوں کے ساتھ زندگی کے مشقت طلب اعمال اور ضروریات زندگی کے حصول میں لگا رہے، لیکن ہنگامی صورتوں میں عورت باہر کی عملی زندگی میں بھی حصہ لے سکتی ہے، (لیکن اس میں شدید ضرورت اور ہنگامی غیر معمولی حالات خاص طور سے مدنظر رہیں) آپؐ نے بعض مخصوص حالات میں کسب معاش کی اجازت دے کر یہ بات واضح کر دی ہے کہ عورت اپنی ہنرمندی، ذہانت اور فطانت سے دوسرے کام بھی سر انجام دے سکتی ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین نے کھیتی باڑی، تجارت اور صنعت و حرفت میں بھی حصہ لیا ہے۔

مدینہ منورہ میں بعض انصاری عورتوں کا مشغلہ کاشتکاری تھا۔ (البخاری)

بعض صحابیاتؓ تجارت کے پیشے سے بھی وابستہ تھیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضؓ کی تجارت وسیع پیمانے پر مختلف علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ قیلہ رضؓ ام انمار، حضرت اسماء رضؓ بنت مخربہ، حولاء، ملیکہ رضؓ وغیرہا عطر کی تجارت کرتی تھیں۔ ——— (طبقات ابن سعد)

صحابیات مختلف صنعتوں سے بھی آگاہ تھیں۔ ام المومنین حضرت سودہ رضؓ کے بارے میں ہے کہ وہ کھالوں کی دباغت کا کام جانتی تھیں۔ ——— (اسد الغابہ)

حضرت زینب رضؓ امور دستکاری میں ماہر تھیں ——— (اسد الغابہ)

ایک اور صحابیہ حضرت ربطہ رضؓ (بنت عبداللہ) بھی دستکاری میں مہارت

رکھتی تھیں۔ (طبقات ابن سعد)

دینی خدمات

یہ بھی حقیقت ہے کہ خواتین نے اپنے دین کی حفاظت و تبلیغ اور اشاعت کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ حضرت سمیہ رضؓ والدہ عمار بن یاسر رضؓ کو راہِ حق میں ثابت قدم رہنے کی پاداش میں ابوجہل نے سخت تکالیف کا نشانہ بنایا، اور بالآخر وہ راہِ حق میں شہید ہوگئیں۔ (الاصابہ)

مذہبی خدمات کے سلسلے میں سب سے اہم خدمت جہاد ہے۔ خواتین نے (غیر معمولی اور شدید ضرورت کے وقت) جس عزم و حوصلہ سے یہ خدمت انجام دی ہے اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ تاہم بیرون خانہ عورت کی سرگرمیوں کی آپؐ نے ہمیشہ حوصلہ شکنی فرمائی، اور گھر کو لازم پکڑنے کی تلقین کی۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ تمہارا جہاد حج ہے۔

(البخاری)

آپؐ نے ایک اور موقع پر یہ حقیقت بھی واضح کردی تھی کہ عورت کا شوہر کی خدمت اور بچوں کی دیکھ بھال کرنے کا ثواب مردوں کے جہاد اور باجماعت نماز میں شرکت سے بڑھ کر ہے۔ (اسد الغابہ)

لیکن بوقت ضرورت آپؐ نے خواتین کو جہاد میں شرکت کی اجازت دی اور اس شرکت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پیشگی اجازت لینی ضروری تھی۔ اگر آپؐ کسی عورت کے مزاج، اس کی گھریلو مصروفیات اور حفاظت کے تمام انتظامات سے مطمئن ہوتے تو اس کو شرکت کی اجازت دیتے تھے۔ جنگِ احد میں جس وقت کفار نے عام حملہ کردیا تھا اور آپ کے ساتھ چند جاں نثار رہ گئے تھے

تو اس افراتفری میں حضرت ام عمارہ بنت کعب المجاریہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہونچیں اور سینہ سپر ہوگئیں۔ کفار جب آپ کی طرف بڑھتے تو حضرت ام عمارہؓ ان کو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں اور اس طرح وار کو روکنے کی کوشش میں خود شدید زخمی ہوگئیں۔ آپؐ نے اس موقع پر ان کی شجاعت کی تعریف فرمائی۔ (سیرۃ ابن ہشام)

غزوۂ خندق میں حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب نے جس پامردی سے ایک یہودی کو قتل کیا اور قلعہ میں موجود عورتوں کی حفاظت کی وہ نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ ان کے متعلق غزوۂ اُحد (رک بہ احد) میں بھی دشمن پر نیزے سے حملہ کرنے کی شہادت موجود ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام)

غزوۂ حنین میں حضرت ام سلیمؓ کا یہ حال تھا کہ وہ خنجر لئے پھرتی تھیں، تاکہ جہاں دشمن دین نظر آئیں ان کا پیٹ چاک کردیں۔ (مسلم)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ حضرت ام سلمہؓ اور دیگر انصاری عورتوں کو جنگوں میں لے جاتے تھے اور وہ سپاہ اسلام کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی خدمت انجام دیتی تھیں۔ (مسلم)

کعیبہؓ بنت سعد کے بارے میں روایت ہے کہ وہ آپ کے ساتھ غزوۂ احزاب اور غزوۂ خیبر میں شریک ہوئیں۔ جنگ خندق میں جب حضرت سعد بن معاذؓ زخمی ہوئے تو ان کا علاج بھی وہی کرتی رہیں۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت ربیع بنت معوذ بھی آپؐ کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوتیں، مجاہدوں کو پانی پلانا، جنگ میں کام آنے والوں اور زخمیوں کو مدینہ پہونچانا ان کے ذمہ تھا۔ (البخاری)

(بشکریہ رضوان لکھنؤ)

احادیث (صحت و صفائی کے بارے میں)

اسلامی تعلیمات

حکیم محمد اقبال حسین

مسلمان اگر اس بات پر فخر کریں، تو بے جا نہ ہوگا کہ صفائی، ستھرائی، پرہیزگاری اور اعتدال کی زندگی بسر کرنے کا سبق آج سے چودہ سو سال قبل، سب سے پہلے دنیا کو اسلام ہی نے دیا تھا اور بتایا تھا کہ تندرستی اور درازی عمر کا کوئی تصور ان کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ آج جدید طبی لٹریچر میں اس موضوع پر جو کچھ بھی پایا جاتا ہے وہ اسلامی تعلیمات ہی کا رہین منت ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر اپنے اس دعوے کی سند میں، یہاں میں صفائی، پرہیزگاری، اور اعتدال پر علی الترتیب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث اور بزرگانِ دین کے چند اقوال پیش کر دوں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہ ہماری ہی متاع گم شدہ ہے جسے آج طبی سائنس صحت و تندرستی کے بنیادی اصولوں کے طور پر اس طمطراق سے پیش کر رہی ہے جیسے اسی کی دریافت ہے۔ چنانچہ محض صفائی کے ضمن میں ان احادیثِ نبوی کو ملاحظہ فرمائیے۔

صفائی

عام صفائی۔ اِنّ اللہ طیبٌ یحبّ الطیّب، نظیفٌ یحبّ النظافۃ (ترمذی)

اللہ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔ صاف ہے اور صفائی ہی چاہتا ہے۔

تنظفوا بکل ما استطعتم فان اللہ تعالیٰ بنی الاسلام علی النظافۃ

جس طرح ہو سکے، صفائی کا خیال رکھو، کیونکہ خدا نے اسلام کی بنیاد صفائی پر رکھی ہے۔

الطھور شطر الایمان (ترمذی)۔ صفائی (پاکی) ایمان کا جزو ہے یا آدھا

(ب) ۔ بدن کی صفائی :۔

۱۔ طهروا هذه الاجساد طهركم الله

اَے مسلمانو! تم اپنے بدنوں کو پاک صاف رکھو، خدا بھی تمہیں ہر قسم کی کثافتوں سے پاک صاف رکھے گا۔

اِس کے علاوہ وضو اَور غسل سے متعلق جتنی ہدایات حدیث کی کتابوں میں درج ہیں ان کا مقصدِ عظیم بھی یہی ہے کہ بدن کو پاک و صاف رکھو۔

(ت) مکان کی صفائی :۔

نظفوا آفنیتکم ولا تشبهوا بالیهود (ترمذی)

اپنے مکانوں کے صحنوں کو صاف رکھو اَور یہود جیسے مت بنو (یہودیوں میں عام رواج یہ تھا کہ گھر کے باہر کوڑا کرکٹ جمع رکھتے تھے)

ترفع البرکته من البیت اذا کانت فیه الکناسة

برکت اس مکان سے اُٹھ جاتی ہے، جس میں کوڑا اَور کثافت ہو۔

(ث) کھانے کی صفائی اَور پاکیزگی

طهور الطعام یزید فی الطعام والدین والرزق

کھانے کی صفائی اَور پاکیزگی سے کھانے میں، دین میں اَور روزی میں ترقی ہوتی ہے

الوضوء قبل الطعام وبعده ینفی الفقر

کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ منہ دھونے سے افلاس دُور ہوتا ہے۔

برکته الطعام الوضوء قبل الوضوء بعده (ترمذی)

کھانے سے پہلے اَور بعد میں ہاتھ دھونا برکت کا باعث ہے

من احب ان یکثر الله خیر بیته. فلیتوضاء اذا حضر غذاءه و اذا رفع۔ ـــــ جو آدمی چاہتا ہے کہ خدا اس کے گھر میں بہت سی برکتیں نازل کرے، اس کو چاہیئے کہ جب کھانا آئے اور جب کھانا بڑھایا جائے، ہاتھ منہ ضرور دھوئے[1]

تخللوا علی اثر الطعام وتمضمضوا فانه مصحۃ للناب والنواجذ.

لایبیتن احدکم ـــــ کھانے کے بعد خلال کرو اور کلی کرو کیونکہ خلال اور کلی کرنا تمام دانتوں کے لئے موجبِ تندرستی ہے[2]

من بات وفی یدہ غمر لم یغسل فاصابہ شیئ فلا یلومن الا نفسہ

(ابوداؤد) وہ شخص جس کے ہاتھ میں کھانے کی چکنائی لگی ہوئی ہے اور وہ اس کو دھوئے بغیر سو جاتا ہے۔ اگر اس حالت میں اُسے کوئی گزند پہنچ جائے۔ تو اُسے اپنے آپ ہی کو ملامت کرنی چاہیئے۔

(د) سونے کی صفائی :-

من بات علی طہارۃ ثم مات من لیلہ مات شہیداً

اگر کوئی شخص رات کو پاک صاف ہو کر سو جائے اور اُسی رات کو مر جائے تو وہ شہیدوں میں شمار کیا جائے گا۔

---

[1] و [2] مغرب کے تہذیب یافتہ اَوراں کے متبعین تو آج بھی کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے ہیں نہ کلی کرتے ہیں اور آج بھی ایامِ جاہلیہ کے اطوار پر قائم ہیں۔ یہ جواب کہ وہ انگلیوں کے بجائے چھری کانٹے سے کھاتے ہیں اس اعتراض کو رفع نہیں کرتا۔ اس لئے کہ کھانے کے بعد کلی نہ کرنے اور اجابت کے بعد آبدست نہ لینے کی آخر آپ کیا توجیہ کریں گے۔

ستمبر ۱۹۷۰ء

الطاهر النائم كالصائم القائم

جو شخص پاک صاف ہو کر سوتا ہے وہ مرتبہ کے لحاظ سے اس روزہ دار کے برابر ہے جو دن بھر نماز پڑھتا رہا ہو۔

متعدد احادیث میں سونے سے پہلے وضو کرنے کی تاکید ہے، کئی حدیثیں اس مضمون کی ہیں کہ سونے سے پہلے اور سو کر اٹھنے کے بعد بستر کو جھاڑ دو سونے سے پہلے کھانے پینے کے برتن ڈھک دو تاکہ کوئی کثافت ان میں گرنے نہ پائے جیسے یہ ارشاد نبوی۔ ۔

غطوا الاناء واوکوا السقاء فان فی السنۃ لیلۃ ینزل فیھا وباء لا یمر باناء لیس علیہ غطاء او سقاء لیس علیہ وکاء نزل فیہ من ذالک الوباء (مسلم)

برتن ڈھک کر رکھو اور مشکیزے کو ڈوری باندھ دو کیوں کہ سال میں ایک ایسی رات آتی ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے۔ اس وبا کا گزر جس کھلے برتن یا کھلے مشکیزے پر ہوتا ہے وہ اس میں اپنا اثر چھوڑ جاتی ہے ۔

(ط) کپڑوں کی صفائی :-

البسوا الثیاب البیض فانھا اطھر واطیب وکفنوا موتاکم (نسائی)

سفید لباس استعمال کرو کیونکہ وہ نہایت پاکیزہ اور صاف ہوتا ہے اور اپنے مُردوں کو بھی سفید کپڑے میں کفناؤ ۔

۲ - پرہیزگاری (۱) شراب اور نشہ آور چیزوں سے بچنے کی ہدایت :-

اجتنبوا الخمر فان خطیئتھا تفرع الخطایا کما ان شجرھا تفرع الشجر (ابن ماجہ)

شراب سے بچو اس کا گناہ دوسرے گناہوں پر اس طرح حاوی اور غالب رہتا ہے جیسے اس کا پودا (یعنی انگور کی بیل) دوسرے پودوں پر۔

دسمبر ۱۹۸۲ء

(دستخط)

اجتنبوا الخمر فانها مفتاح کل شر

(ا) شراب سے پرہیز کرو، کیونکہ وہ تمام برائیوں کی جڑ ہے

اجتنبوا کل مسکر — ہر نشے کی چیز سے پرہیز کرو۔

(ب) زنا اور بدکاری سے بچنے کی ہدایت

الزنا یورث الفقر — بدکاری سے انسان پر افلاس کی مصیبت طاری ہوتی ہے

یا معشر المسلمین اتقوا الزنا فان فیہ ستۃ خصال ثلٰث فی

الدنیا و ثلٰث فی الآخرۃ فاما اللواتی فی الدنیا فیذھب بہاء

الوجہ و یورث الفقر و ینتقص العمر الخ

اے مسلمانو! بدکاری سے دور رہو کیوں کہ اس میں چھ خرابیاں ہیں تین خرابیاں دنیا میں ہیں اور تین آخرت میں۔ دنیا کی خرابیاں یہ ہیں۔ اول یہ کہ انسان کے چہرے کی رونق اڑ جاتی ہے۔ دوم یہ کہ اس پر افلاس کی بلا نازل ہوتی ہے اور سوم یہ کہ اس کی عمر کوتاہ ہو جاتی ہے۔

۳۔ اعتدال۔ زندگی کے ہر معاملہ میں اعتدال کی روش اختیار کرنے کی ہدایت

(ا) کھانے میں اعتدال:۔

اذا قل الرجل الطعام ملأ جوفہ نوراً

جو شخص بھوک سے کم کھاتا ہے وہ اندرونی روشنی سے بھر جاتا ہے۔

کلوا فی انصاف البطون — آدھی بھوک کھانا کھایا کرو۔

ما زین اللہ رجلاً بزینۃ افضل من عفاف بطنہ ان کثرۃ الاکل شوم

خدا نے انسان کو اس سے زیادہ کوئی زینت کی چیز نہیں دی کہ وہ اپنے معدے کو تندرست رکھے۔ بہت کھانا بدبختی درنحوست کی علامت ہے۔

دسمبر ۱۹۸۴ء

[signature]

المومن یاکل فی معیً واحدٍ والکافر یاکل فی سبعة امعاء (ترمذی)

مومن ایک آنت بھر کھاتا ہے اور کافر سات آنت بھر کھاتا ہے

زیادہ کھانے سے چوں کہ معدہ خراب ہو جاتا ہے اور معدے کی صحت و تندرستی پر پورے

جسم کی صحت و تندرستی موقوف ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کی حدیث میں

کیسی حکمت آمیز بات فرمائی ہے:۔

المعدة حوض البدن والعروق الیها واردة فاذا صحت المعدة

صدرت العروق بالصحة واذا فسدت المعدة صدرت العروق بالسقم (بیہقی)

معدہ بدن کے لئے حوض ہے اور رگیں اس کی طرف آنے والی نالیاں ہیں۔ اس لئے

اگر معدہ صحیح و تندرست ہے تو رگیں صحت لے کر لوٹیں گی اور اگر معدہ ہی مریض اور بیمار ہے

تو رگیں بھی اس سے بیماری حاصل کریں گی۔

حضرت عمرؓ اکثر فرمایا کرتے تھے:۔

اے مسلمانو! کھانے پینے میں زیادتی سے بچو کیوں کہ یہ عادت جسم کو بگاڑتی ہے۔ بیماری

پیدا کرتی ہے اور نماز سے غافل کرتی ہے۔ تم پر لازم ہے کہ کھانے پینے میں اعتدال سے کام لو۔

کیوں کہ اعتدال کی عادت سے جسم کی اصلاح ہوتی اور فضول خرچی نہیں ہوتی۔

(ب) **جماع میں اعتدال:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نسبت فرماتے ہیں:۔

یکفی المومن الوقعة فی الشهر

مسلمان آدمی کو مہینے میں ایک مرتبہ صحبت کرنا کافی ہے۔

حکمائے اسلام کا مقولہ ہے:۔

من قل جماعه فهو اصح بدناً وانقی جلداً واطول عمراً

جو شخص کم جماع کرتا ہے اس کا بدن تندرست اور جلد صاف اور پاکیزہ رہتی ہے اور ...

کی عمر دراز ہوتی ہے۔

معتدل ریاضت جسمانی بھی صحت کو قائم رکھنے اور زندگی کو بڑھانے کے لئے ضروری ہے چنانچہ دینِ اسلام نے جہاں رُوحانیت کو بڑھانے کی تلقین کی ہے۔ وہاں جسمانی ریاضت اور ورزش کی طرف بھی متوجہ کیا ہے۔ **قوی مسلمان کمزور مسلمان پر فضیلت رکھتا ہے۔**

دیکھا آپ نے صحتِ جسمانی سے متعلق آج جدید طبی سائنس جو کچھ پیش کر رہی ہے وہ ہو بہو اسی تعلیم کا چربہ اور نقل ہے جو معاشرتی زندگی سے متعلق اسلام اپنے پیروؤں کو اب سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے دے چکا ہے۔

حسد

بعض لوگ حسد، کینہ اور تخریب پسندی کا شکار ہو جاتے ہیں اور جل جل کر اپنے آپ کو گھن لگا لیتے ہیں۔ ہماری روزمرّہ کی زندگی سے اس کی بے شمار مثالیں مل جائیں گی۔ مثلاً زید سے بکر کو کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے۔ بکر اپنے اس نقصان کی تاب نہ لا کر زید کو جوابی نقصان پہنچانے کی فکر میں لگ جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے نقصان پہنچا کر اپنا حساب بے باق کرلے۔ مگر جلد موقع نہ پا کر سخت اُلجھن میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کے دل میں ایک آگ ہر وقت سلگتی رہتی ہے۔ طرح طرح کی تجویزیں سوچتا ہے اور رات دن اسی فکر میں لگا رہتا ہے کہ کب موقع ملے اور کب میں زید کو نقصان پہنچاؤں۔ یہاں تک کہ اس کی راتوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔ بکر کو خبر بھی نہیں ہوتی وہ تو آرام اور سکون سے رہتا ہے۔ مگر زید صاحب ہیں کہ مستقلاً ذہنی کوفت اور جلن میں مبتلا رہتے ہیں۔ پھر اس مستقل کوفت اور جلن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا **ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔**

قیلولہ

"دوپہر کے کھانے کے بعد قدرے آرام کرنا چاہیئے۔ دراصل کھانے کے بعد نہ جسمانی دماغی محنت اچھی ہے اور نہ اتنا آرام کہ آدمی خوب نیند لے لے۔ اس لئے کہ کھانے کے فوراً بعد اگر جسمانی و دماغی محنت کی جائے تو دورانِ خون کا زور اعضائے ہضم سے ہٹ جائے گا جس کی وجہ سے معدے اور آنتوں کی رطوباتِ ہضم کم ہو جائے گی اور ہضم غذا میں فتور لاحق ہو جائے۔ اسی طرح اگر اتنا آرام لے لیا جائے گا کہ آدمی گھنٹہ دو گھنٹہ سو جائے تو اعضائے ہضم بھی آرام لینے لگیں گے اور اس کی وجہ سے بھی ہاضمہ بگڑ جائے گا۔ اس لئے مناسب صورت یہی ہے کہ دوپہر کے کھانے کے بعد بیس تیس منٹ تک قیلولہ کر لیا جائے۔

پاکیزہ جذبات

اچھے جذبات و تصورات درحقیقت ہمارے جسم کے انجن کے لیے ایک صحیح قسم کے ایندھن کا کام کرتے ہیں۔ آپ کی کار کا انجن مٹی کے تیل سے بھی چل سکتا ہے لیکن اس کے لیے صحیح ایندھن مصفیٰ پٹرول ہے۔ اگر آپ اس میں صحیح ایندھن استعمال کریں گے تو آپ کی کار کے انجن کی قوتِ کارکردگی بہت بڑھ جائے گی اور وہ زیادہ عرصہ تک بغیر خراب ہوئے چل سکتا ہے۔ بالکل اسی پر آپ اپنی جسمانی حالت کو قیاس کر لیجئے۔ اگر آپ کے اندر ہمدردی، رحم، عفو و درگذر، صلۂ رحمی، حسنِ ظن، رجائیت اور شادمانی جیسی اعلیٰ خصلتیں موجود ہیں تو گویا آپ کے جسم کے انجن کے اندر بہت عمدہ قسم کا ایندھن موجود ہے

محمد طاہر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں

ایک بڑھیا تھی

مکہ معظمہ میں ایک بڑھیا تھی۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام سے نفرت کرتی تھی۔ وہ اپنے باطل خداؤں سے آپ کی ذات پاک کو نقصان پہنچانے کی دعا کرتی رہتی تھی۔ جب اس نے اپنی دعاؤں کا کوئی اثر نہیں دیکھا تو مکہ معظمہ چھوڑنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اور ایک دن اپنا سامان باندھ کر مکہ سے نکلنے کے ارادہ سے اپنے دروازے پر آکر کھڑی ہو گئی کہ کوئی مزدور ملے تو اسے اپنے ساتھ کر لے۔

اتفاق کی بات نبی کریم احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُدھر سے گزر ہوا۔ آپ نے بڑھیا کو پریشان دیکھا تو پوچھا اماں کیا بات ہے۔ کیوں پریشان کھڑی ہو۔ میں آپ کی مدد کے لئے حاضر ہوں۔ بڑھیا نے جواب دیا یہ سب سامان ہیں ان ہی کو لے چلنا ہے۔ جو مناسب مزدوری ہو گی میں دوں گی۔ اگر تم راضی ہو تو انہیں لے چلو۔

پیارے نبیؐ نے بڑھیا کا سارا سامان سر پر رکھا اور آگے آگے چلنے لگے۔ بڑھیا پیچھے تھی۔ آپؐ نے اس کو اس کی منزل تک پہنچا دیا۔ جب واپس ہونے لگے۔ تو بڑھیا نے کہا اپنی مزدوری لے لو۔ آپؐ نے جواب دیا اماں مزدوری کیسی یہ تو میرا فرض تھا۔ میں نے اپنے فرض کو انجام دیا۔ آپ پر تو کوئی احسان کیا نہیں۔ میرا کام یہی ہے کہ پریشانوں کی مدد کروں۔ یہ کہتے ہوئے آپؐ نے بڑھیا سے اجازت طلب کی۔ تو بڑھیا آپؐ کی نیکی سے نہایت خوش ہوئی۔ اور پیار بھرے انداز سے کہنے لگی۔

بیٹے تم نے مزدوری نہیں لی اور
میری اتنی مدد کی تو ٹھہر جاؤ۔ میری چند باتیں
سنتے جاؤ۔ تمہارے لئے مفید ہوں گی۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن گوش
ہو گئے اور آپ نے کہا۔ فرمایئے!
بڑھیا نے نصیحت شروع کی "دیکھو
بیٹا! مکّہ میں ایک آدمی پیدا ہوا ہے۔ جو
ہمارے ان خداؤں کو جھٹلاتا ہے جن کی
عبادت و پرستش ہمارے آباؤ اجداد۔
صدیوں سے کرتے آرہے ہیں۔ وہ آدمی
ایک نئے دین کی اشاعت کرتا ہے۔ تم
اس کے پاس نہ جانا۔ اور نہ اس کی باتیں
سننا۔ کیونکہ اس کی باتوں میں عجیب جادو
ہے۔ جو اس کی بات سنتا ہے وہ اس کا
دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اور اپنے آبائی آقاؤں
اور پرانے معبودوں کو بھول جاتا ہے۔
اس کی زبان میں ایسی تاثیر ہے کہ جو اس کے
پاس جاتا ہے اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔
اس کے اس نئے دین کی وجہ سے مکّہ میں
ہا چل مچا ہوا ہے۔ خاندانوں میں پھوٹ پڑ
گئی ہے۔ وہ بہت بڑا جادوگر ہے"۔

آپ نے دریافت کیا کہ اس آدمی کا
نام کیا ہے۔ بڑھیا نے کہا۔ لوگ اسے محمدؐ کے
نام سے پکارتے ہیں۔ تب پیارے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے نہایت شیریں اور نرم لہجہ میں
فرمایا۔ اماں مجھے ہی لوگ محمدؐ کہتے ہیں۔
اتنا سننا تھا کہ بڑھیا فوراً بول اٹھی۔
اگر آپ ہی وہ نبی ہیں تو میں آپ کی نبوت کا اقرار
کرتی ہوں اور کلمہ پڑھتی ہوں۔
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

بلا تبصرہ

(۱) جس نے رجب کے تین روزے رکھ
لئے اس کے تمام گناہ معاف ہو گئے اگرچہ بحر زخّار
کی مانند ہوں۔ بغیر کسی حساب کے جنت میں
پہونچا دیا گیا اور اتنی نعمتوں سے شادکام ہوا جن کا
اندازہ بجز خدا کے کوئی نہیں کرسکتا

(۲) جو شہادتین کا اقرار کرتا ہے، اگرچہ عمل نہ
کرے، اُمت محمدیہ میں ہے اور اُمت محمدیہ کے
لئے ہمیشہ خوشخبری ہے۔

:- ایک مشہور کتاب کے دو اقتباسات :-

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

١. میری اصل پونجی .... معرفت (اپنے بندہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کے مالک ہونے کی شناخت) ہے
٢. میرے دین کی جڑ .... عقل (فطرتِ انسان) ہے
٣. میری بُنیاد .... محبت ہے۔
٤. میری سواری .... شوق ہے
٥. میرا انیس .... اللہ کا ذکر ہے
٦. میرا خزانہ .... خدا پر اعتماد ہے
٧. میرا رفیق .... دل کا غم (جو اُمت کی بہتری اور بہبود کیلئے دل ہی دل میں موجزن رہتا ہے) ہے
٨. میرا ہتھیار .... علم (جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے) ہے
٩. میرا شاندار لباس .... صبر ہے۔
١٠. میرا مالِ غنیمت .... رضائے الٰہی ہے۔
١١. میرا فخر .... عجز (اللہ کی بارگاہ میں انکساری) ہے
١٢. میرا پیشہ .... زہد (دنیا اور دنیا کے مال و متاع سے بے رغبتی) ہے
١٣. میری خوراک .... یقین ہے
١٤. میرا ساتھی .... صدق ہے
١٥. میرا بچاؤ .... اطاعت الٰہی ہے
١٦. میری خصلت .. جہاد (تمام کوشش محنت، طاقت اور توجہ کو کسی کام میں لگا دینا) ہے
١٧. میری آنکھوں کی ٹھنڈک .... نماز ہے

مرسلہ: شفیق اعجاز احمد خان ۹۳-اے ریوہ لولی بتہ مالو۔ سرینگر۔ کشمیر

میری ساس

"جھوٹی ۔ نالائق ۔ پاجی !" اور میں نے فاطمہ کو مارنے کے لئے ہاتھ اُٹھایا ہی تھا کہ میری ساس آگئیں ۔ میں نے ہاتھ روک لیا ۔ ناراض ناراض اپنے کمرے میں چلی گئی ۔

عشا کی نماز کے بعد انھوں نے یہ کہانی سنائی :

ہارون رشید ایک بادشاہ تھا ۔ ایک دن اپنے لشکر کو لے کر شکار کو چلا ۔ ایک جنگل سے گزر رہا تھا اور اُس کا وزیر اُس کی تعریف کر رہا تھا ۔ "حضور! آپ کا رعب اِس جنگل پر بھی ہے ۔ دیکھئے آپ کے ادب میں چڑیاں تک خاموش ہیں ۔"

"کہنے والا بھی جھوٹا اور سننے والا بھی جھوٹا ۔" ایک جھاڑی سے آواز آئی ۔ بادشاہ نے سپاہیوں کو اشارہ کیا ۔ وہ ایک بوڑھے فقیر کو پکڑ لائے ۔ ہارون رشید نے اُس سے پوچھا "تم نے کیا کہا تھا ؟"

"تم کو بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سوار پیدل کو سلام کرے ۔ تم کو چاہیئے تھا کہ کلام سے پہلے سلام کرتے ۔"

"السلام علیکم !" ہارون رشید گھوڑے سے اُتر پڑا اور وہیں بیٹھ گیا ۔ سارے لشکری وہیں بیٹھ گئے ۔ فقیر کو بھی بٹھایا ۔ ہارون رشید نے اُس سے پوچھا "یہ بتائیے ، فرعون مجھ سے اچھا تھا یا میں اُس سے اچھا ہوں ۔"

"فرعون کافر تھا ۔ آپ ماشاءاللہ مسلمان ہیں ۔ مسلمان بہر حال کافر سے اچھا ہوتا ہے ۔"

"آپ نے سچ کہا" ہارون الرشید نے کہا "اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے پاس بھیجا تو تاکید فرمائی کہ اُس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا ۔ وہ ایک بگڑا ہوا آدمی ہے ۔ حضرت ! میں مسلمان ہوں ۔ آپ کی نظر میں بگڑا ہوا سہی لیکن فرعون سے اچھا ہوں ۔ آپ سوچیں کیا ایک مسلمان قول لین (کلام نرم) کا حقدار نہیں !" فقیر نے اپنی غلطی محسوس کی اور اُس سے معافی مانگی ۔

یہ کہانی سُنا کر میری ساس نے کہا کہ بچی ہونے کے سبب فاطمہ اور بھی کلام نرم کی حقدار ہے ۔ اور میں نے فاطمہ کو سینے سے لگا لیا

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

محمد سلیمان میرٹھی

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتقال کے وقت کوئی سکہ چاندی یا سونے کا نہیں چھوڑا اور نہ ہی کوئی بکری یا اونٹ۔ (چونکہ مال نہیں تھا اس لئے) آپؐ نے مالی طور پر کوئی وصیت بھی نہیں فرمائی۔

یہ اُس ذاتِ گرامی کے حالاتِ زندگی کا ایک تابناک پہلو ہے جو عرب و عجم کا سردار تھا۔ جس کے ایک اشارے پر سر کٹانے کے لئے ہزاروں عرب و عجم کے جانباز کھڑے رہتے تھے۔ جو غزوۂ حنین سے اِس شان کے ساتھ واپس ہوا کہ اُس کے ساتھ میدانِ جنگ سے پکڑے ہوئے چھ ہزار قیدی، ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ (چھٹانک) چاندی تھی۔ یہ سب سامان وہ تھا جو مالِ غنیمت میں آپؐ کو حاصل ہوا تھا لیکن تاریخ شاہد ہے، دیکھنے والوں نے دیکھا، اور جو دیکھا بلا کم و کاست بیان کر دیا کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا اسباب اور سامان انصار و مہاجرین میں تقسیم فرما دیا۔ اپنے یا اپنے اہل و عیال کے لئے اِس میں سے کچھ نہ رکھا۔ اِس سے زیادہ ایثار اور اِس سے زیادہ متوکلانہ زندگی اور کیا ہو سکتی ہے۔ دنیا آج تک ایسی کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

معلی بن زیاد حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک سوالی آیا اور اپنی حاجت بیان کی۔ فرمایا کہ بیٹھو، خدا دے گا۔ پھر دوسرا اور تیسرا آیا۔ آپؐ نے اُن سے بھی یہی کہا اور بٹھا لیا۔ حسنِ اتفاق کہ اُس وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس دینے کو کچھ نہ تھا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ

ایک شخص آیا اور اُس نے چار اُوقیہ چاندی خدمتِ اقدس میں پیش کی۔ آپؐ نے ایک ایک اُوقیہ چاندی ہر ایک کو دے کر تینوں کو رخصت کر دیا۔ اِس تقسیم کے بعد آپؐ کے پاس ایک اوقیہ چاندی بچ گئی۔ آپؐ نے باآوازِ بلند فرمایا کہ اگر کوئی اور حاجت مند ہو تو آ جائے۔ جب کوئی نہ آیا اور شام ہوگئی تو آپؐ کی بے چینی بڑھی۔ سونے کا وقت ہوگیا لیکن آپؐ کو نیند نہیں آئی۔ کروٹیں بدلتے رہے جس سے اضطراب اور بے چینی کا بخوبی اظہار ہو رہا تھا۔ آخر تھوڑی دیر کے بعد اُٹھے اور نماز پڑھنی شروع کر دی۔ کچھ دیر بعد پھر آرام کرنے کے لئے لیٹے مگر چین نہ مِل سکا جلدی ہی اُٹھ کر پھر نماز میں مصروف ہو گئے۔ امّ المومنینؓ نے پوچھا کہ کیا حضورؐ کو کوئی تکلیف ہے۔ فرمایا "نہیں"۔ دوبارہ آپؐ سے دریافت کیا گیا: کیا آج اللہ کا کوئی خاص حکم آیا ہے جس کی وجہ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بیقراری ہے۔ فرمایا: نہیں۔ امّ المومنین نے فرمایا: پھر حضورؐ آرام کیوں نہیں فرماتے؟

اس وقت آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ چاندی نکال کر دکھائی۔ فرمایا: یہ ہے جس نے مجھے بیقرار کر رکھا ہے۔ مجھے خوف ہوا کہ اِس کے مستحق کے پاس پہونچنے سے پہلے ہی کہیں میری موت نہ ہو جائے۔ (اعلام النبوۃ بحوالہ رحمۃ اللعالمین)

یہ واقعہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے ایسے پہلو اُجاگر کرتا ہے جن سے اِنسانی شرافت، محبت، ایک دوسرے کے دکھ درد کا احساس اور احسان و سلوک کا شعور حاصل کیا ہے۔ اپنے اُوپر عائد ہونے والے بندوں کے حقوق کو پہچاننے اور اُن کی ادائیگی کا سلیقہ سیکھا ہے۔ اَمانت و دیانت کے تقاضے اِس سے واضح ہوتے ہیں اور اسی ذمہ داری کا احساس طبیعت میں پیدا ہوتا ہے کہ اِنسان اپنی دُنیوی ذمہ داریوں سے جس قدر جلد ہو سکے سُبک دوش ہو جائے۔ اِس لئے کہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ پیامِ اجل کب آجائے۔

چنانچہ دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ دُنیا کا کام دُنیا ہی میں ختم کر کے آخرت کی جواب دِہی سے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے۔ ... ... (ماخوذ)

حضورؐ کی شکل و شباہت

حضرت علیؓ بن ابی طالب جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا وصف بیاں کرتے تو فرماتے کہ آپؐ نہ تو بہت زیادہ لمبے تھے اور نہ پستہ قد بلکہ لوگوں میں آپؐ متوسط قامت کے تھے۔ آپؐ کے بال نہ بہت گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے بلکہ ہلکا خم لئے ہوئے تھے۔ آپؐ نہ تو بہت موٹے تھے اور نہ چھوٹے چہرے والے تھے۔ آپؐ کا چہرہ (بالکل گول ہونے کے بجائے) ہلکی گولائی لئے ہوئے سفید سُرخی مائل تھا۔ آپؐ کی آنکھیں سیاہ اور پلکیں دراز تھیں ہڈیوں کے سرے یعنی جوڑ موٹے تھے۔ بدن پر زیادہ بال نہ تھے۔ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی۔ ہتھیلیاں اور پاؤں پُر گوشت تھے۔ جب چلنے کو قدم اُٹھاتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا بلندی سے پستی میں اُتر رہے ہیں جب کسی طرف متوجہ ہوتے تو پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپؐ خاتم النبیّین تھے۔ آپؐ لوگوں میں کشادہ دل اور دیانت اور زباں کے نہایت سچے تھے۔ طبیعت کے نہایت نرم اور قوم کے نہایت شریف اور بزرگ تھے۔ جو کوئی آپؐ کو یکایک دیکھتا اُس پر آپؐ کی ہیبت طاری ہو جاتی اور جو پہچان کر آپؐ سے ملتا جلتا وہ آپؐ کا گرویدہ ہو جاتا۔ آپؐ کے اوصاف بیان کرنے والا کہتا ہے کہ میں نے آپؐ جیسا کوئی نہیں دیکھا، نہ آپؐ سے پہلے اور نہ آپؐ کے بعد۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔ (ترمذی)

کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب (کسی وجہ سے) خوشی ہوتی تو آپؐ کا چہرہ ایسا چمک اُٹھتا گویا روئے مبارک چاند کا ٹکڑا ہے اور ہم اس سے واقف ہو نے تھے (بخاری مسلم)

ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر کہتے ہیں کہ میں نے ربیع بنت معوذ بن عفراء سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کیجئے۔ اُنھوں نے کہا: بیٹے اگر تم انھیں دیکھتے تو اس طرح دیکھتے جیسے آفتاب طلوع ہوا ہے (دارمی)

مرسلہ --- --- --- --- --- --- --- --- --- ساجدہ ذرارہ صادق۔ کریم نگر۔ اے پی

ایک صحابی

(بہ زبانِ حال)

رو کو راہ کی دشواریاں کیا مسئلہ
رتِ جوتے کہستاں سوئے منزل میں چلا
پہ سدِ راہ بن کر پنجہ کش ہوتے رہے
نہ ہوتا مجھے کیا جب تھے میرِ کارواں
ں قدم میرے پھسلتے جب تھے میرے ہمسفر
دیں کیلئے بنتا رہا میں گردِ راہ
ا ہر نقشِ قدم تاریخ نو لکھتا رہا
نے دیکھا مصر و روما کی ہیں نظریں شعلہ زن
بہ عجم خود جہیتا رب کا تھا وہ بھی حریف
یاں آتی رہیں یوں ہی مہیب و پُر خطر
حق کو میں نے بالآخر فروزاں ہی رکھا
رہ بر اندام میرے حوصلے کو دیکھ کر
ب بآسانی کوئی پاتا ہے منزل کا سراغ
رش اک دن زمانہ یوں مرے قدموں میں تھا

ہاں مگر ہو عزم زندہ اور محکم فیصلہ
دھیرے دھیرے ہوئے ہوئے مرحلہ بہ مرحلہ
کتنے طوفانِ حوادث، کتنے سیلابِ بلا
رہبرِ کامل محمدؐ مصطفٰے اصلِ علیؑ
بوذرؓ و عمارؓ و سلمانؓ و بلالؓ و حنظلہؓ
اور آخر کیا تھا میری زندگی کا مشغلہ
راہ میں آتے رہے بدر و حنین و کربلا
شام و فارس کی جبینیں پُر شکن ہیں برملا
وہ بھی مارِ آستیں جو میرے ہی گھر میں پلا
پھر بھی کیا راہِ محبت سے قدم میرا ٹلا
کیسی ہی جاں پر بنی کتنا ہی خونِ دل جلا
کوہ و دریا، شہر و ویرانہ مثالِ زلزلہ
میں نے وقت آنے پہ زیرِ تیغ رکھا ہے گلا
میں رُکا تو سب رُکے جب میں چلا عالم چلا

آج بھی ثاقب مرا افسانہ ہر جا ثبت ہے
خاکداں ہو یا جہانِ ماہ و انجم یا خلاء

ثاقب عباسی

خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ

میری پسندیدہ شخصیت ——— فریضۂ اقامتِ دین کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو المال والبنون سے سرفراز کر کے اور کچھ لوگوں کو ان دونوں نعمتوں سے محروم کر کے آزماتا ہے۔ میرے خیال میں جن لوگوں کو المال والبنون سے نوازا جاتا ہے۔ وہ سخت ترین امتحان میں ڈالے جاتے ہیں کیونکہ جس شخص کو یہ دونوں نعمتیں ملی ہوتی ہیں۔ اسے دنیا میں کھُل کھیلنے کے لئے ذریعہ تلاش کرنا نہیں پڑتا۔ ذریعہ اس کی مٹھی میں ہوتا ہے۔ رہا مفلس آدمی، اس غریب کا جی بھی چاہتا ہے کہ۔

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں ٭ اور زندگانی بھی رہی تو نوجوانی پھر کہاں؟

تو خالی ہاتھ ہونے سے اسے اپنا جی مارنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کے مقابلے میں جس کا گھر المال والبنون سے بھرا ہوتا ہے وہ اپنا ہر ارمان پورا کر سکتا ہے۔ وہ چاہے تو المال والبنون اقامت دین کی راہ میں لگا کر جنت خرید لے اور چاہے ان دونوں فتنوں میں پڑ کر جہنم کا ایندھن بن جائے میں نے بہت سوچا کہ جب المال والبنون فتنہ ہے اور عشرہ مبشرہ میں تقریباً سب صاحبانِ المال والبنون تھے تو انھیں جنت کی بشارت کیوں ملی۔ غور کرنے سے پتہ چلا کہ یہ دونوں نعمتیں ان کے لئے فتنہ نہیں بن سکیں۔ انھوں نے ان دونوں نعمتوں کو پہلے دین قائم کرنے میں لگایا اور پھر دین قائم رکھنے کے لئے وقف کر دیا۔ انھوں نے ان نعمتوں سے اپنا وہ ارمان پورا کیا جس کا نام رضائے الٰہی ہے۔

میں نے اس کسوٹی پر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو پرکھا تو کھرا پایا، وہ مفلس تھے نہیں، انھوں نے جان بوجھ کر اپنے مال اور بنون کو دین قائم رکھنے کے لئے افلاس کی

بھٹی میں جھونک دیا تھا۔ ان کی اس خصوصیت نے ان کی شخصیت کو میرے لئے پسندیدہ بنا دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے دین قائم ہو چکا تھا۔ دین کی عمارت عقیدہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ کی بنیاد پر اٹھائی جا چکی تھی۔ اس کی چھت نماز، زکوٰۃ روزہ، حج ان چار ستونوں پر مضبوطی سے قائم ہو چکی تھی۔ ہاں جب خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھوں میں اسلامی حکومت کی باگ ڈور آئی۔ اس وقت دستور اسلامی کی صرف ان تین دفعات میں قدرے ضعف آ گیا تھا۔

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سربراہی میں اسلامی ریاست کا جو سو فیصد مثالی نظام چالیس سال تک چلتا رہا اور اس کے بعد بارہ سو سال تک اپنا اثر ڈالتا رہا۔ اس کے دستور کی اولین دفعہ یہ تھی کہ ملک اللہ کا ہے، ملک کے رہنے والے اللہ کی رعیت ہیں اور ملک کا سربراہ، اللہ کی رعیت کا بادشاہ نہیں، راعی نگراں اور محافظ ہے۔ رعیت کے دین کا بھی اور اس کی دنیا کا بھی۔ وہ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ رعیت کی دنیا دین کے مطابق سنوارے۔ رعیت کے بارے میں اس راعی سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔

اس پہلی اور بنیادی دفعہ کا پہلا تقاضہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست کا سربراہ اللہ کی غلامی کا طوق سب سے پہلے اپنے گلے میں ڈالے اور مسلم معاشرے کا نمائندہ بن کر دنیا کے سامنے مجسم کر کھڑا ہو۔ لوگ قرآن کو پڑھ کر نہیں، اس نمائندے کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ اسلام یہ ہے! دوسرا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے اپنی جسمانی اور روحانی صلاحیتوں کا سارا ایندھن اسلامی ریاست کی فیکٹری میں جھونک دے۔

(۲) اسلامی دستور کی دوسری دفعہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست کا سربراہ مشورے سے چُنا جائے، پھر وہی سربراہ مشورے سے اسلامی حکومت کو چلائے۔ اس کے چُننے والے اور اس کے مشیر وہ لوگ ہوں، جن کے علم، تقویٰ، حق گوئی اور اصابت رائے پر عوام کو پورا پورا

بھروسا ہو نہ کہ ان کی طرح ہر وہ شخص جو اکیس سال کا ہو جائے، اس کے بعد چاہے وہ جاہل، اُجڈ، شرابی، جواری، اور بدمعاش ہی کیوں نہ ہو۔ اپنا سربراہ چننے کا حق رکھتا ہے

(۳) اسلامی دستور کی تیسری دفعہ یہ ہے کہ بیت المال میں جو کچھ ہے، خدا کا ہے اور مسلمان اس کے امین ہیں اس بیت المال میں جو چیز آئے گی وہ حق ہو گی اور وہ حق راستے سے آئے گی۔ اور جو چیز نکالی جائے گی۔ وہ حق کے لئے نکالی جائے گی۔

اسلامی ریاست کا سربراہ بیت المال کا مالک نہیں، چوکیدار ہوتا ہے جو ہر وقت اس اندیشے سے اپنیار رہتا ہے کہ بیت المال میں بکری باندھنے کے لئے رسّی کا جو ٹکڑا آیا ہے ضائع نہ ہو جائے ور اس کی جوابدہی کے لئے خدا اور خدا کے بندوں کے سامنے کھڑا ہونا پڑے۔

خدا گواہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلیفہ ہونے سے پہلے ان تینوں دفعات کے نامحسوس ضُعف کو محسوس کر لیا تھا اور اس پر وہ اپنے پیشرو خلفاء عبدالملک ولید اور سلیمان کو ٹوکتے رہتے تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے خود ان کو خلافت عطا فرمائی تو انھوں نے اس ضعف کو طاقت سے بدل دیا۔ تینوں دفعات کو پھر سے نافذ کیا اور دین قائم رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ ان کا وہ کارنمایاں تھا جس کا اعتراف کر کے اُمتِ مسلمہ نے انھیں پانچواں خلیفۂ راشد تسلیم کیا۔ یہ ان کی دوسری خصوصیت ہے جس نے ان کی شخصیت کو میرے لئے پسندیدہ بنا دیا۔

تعارف:- یہ بات ہم آپ سب جانتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے بعد خلافت خاندان اُمیّہ میں منتقل ہو گئی تھی۔ خاندان اُمیّہ کے خلفاء میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ساتویں خلیفہ ہیں۔ ترتیب اس طرح ہے حضرت معاویہؓ، یزید، مروان، عبدالملک، ولید، سلیمان، اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ۔

اللہ تعالیٰ نے خلیفہ مروان کو جو اولاد عطا فرمائی تھی اس میں عبدالملک اور عبدالعزیز دو بیٹے بڑے خوش نصیب نکلے۔ عبدالملک خلیفہ ہوئے اور عبدالعزیز بیس اکیس برس

مصر جیسے خوشحال صوبے کے گورنر رہے۔ اسلامی تاریخ میں عبدالعزیز کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اتنے دنوں تک کبھی گورنر نہیں رہا۔ انھوں نے اپنی زندگی بڑی شان سے گزاری۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز رح ان ہی خوش نصیب گورنر عبدالعزیز کے چشم و چراغ اور فرزند ارجمند تھے۔

یہ تو ہوا باپ کی طرف سے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا تعارف۔ ماں ایک ایسی بزرگ خاتون کی بزرگ بیٹی تھیں جن کی خدا ترسی کے بارے میں ایک نہایت دلچسپ اور نصیحت آموز واقعہ تاریخ کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ :۔

ایک رات خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے غلام اسلم کے ساتھ رعایا کی دیکھ بھال کے لئے نکلے۔ گشت لگاتے لگاتے تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے۔ پاس ایک ہی گھر تھا۔ اچانک گھر کے اندر سے آواز آئی "بیٹی! دودھ میں پانی ملا دو"۔ پھر اسی گھر سے دوسری مہین آواز سنی۔ "امی! امیرالمومنین کا حکم ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے"۔ ماں نے پھر کہا "اس وقت امیرالمومنین کہاں ہیں، تم دودھ میں پانی ملا دو"۔ لڑکی نے پھر کہا "خدا کی قسم، ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں ایک طرف امیرالمومنین کی اطاعت کا دم بھروں اور دوسری طرف رات کی تنہائی میں ان کی نافرمانی کروں"۔

خلیفۂ دوم نے یہ گفتگو سن لی۔ صبح اپنے لڑکوں کو بلایا۔ رات کا واقعہ سنایا۔ پھر فرمایا۔ "اگر مجھے نکاح کی ضرورت ہوتی تو میں خود اس لڑکی سے شادی کرتا۔ لیکن تم میں جسے ضرورت ہو، اس سے نکاح کر دوں"۔ بیٹوں میں حضرت عاصم نے اپنی ضرورت بیان کی۔ انہی کے ساتھ اس نیک اور خدا ترس لڑکی کا نکاح کر دیا گیا۔ اس لڑکی سے امّ عاصم نامی ایک دیندار صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ امّ عاصم کی شادی مصر کے گورنر عبدالعزیز بن مروان سے ہوئی۔ یہی امّ عاصم خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رح کی والدہ ماجدہ تھیں۔

اس مختصر تعارف سے معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رح کو ایک طرف عبد العزیز جیسے شاندار بزرگ گورنر اور عبد الملک، ولید اور سلیمان جیسے ذی شان خلفاء سے تعلق رہا تو دوسری طرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تربیت یافتہ حضرات عبد اللہ بن عمر رض، حضرت عبد الرحمن رض، حضرت عاصم رض اور ام عاصم جیسے عظیم بزرگوں سے قریبی لگاؤ تھا۔ ان صاحبانِ دین و دنیا کا اثر عمر بن عبد العزیز کی زندگی پر جو کچھ پڑا اس میں ان کے استاد حضرت صالح بن کیسان کے طریقۂ تعلیم اور حسن تقویٰ کو بڑا دخل تھا۔ عمر بن عبد العزیز رح کے نانا حضرت عبد اللہ بن عمر رض نے اس وقت کے سب سے بہتر عالم اور متقی تابعی حضرت صالح بن کیسان کی نگرانی میں تعلیم دلائی۔ ان کی نگرانی میں پہلے قرآن حفظ کیا پھر حدیث وفقہ میں وہ کمال حاصل کیا کہ وہی عبد الملک جس کی تعریف نہایت ذہین تابعی حضرت شعبیؒ فرمایا کرتے تھے اپنے بھتیجے کے علم سے مرعوب تھا۔ سید التابعین حضرت سعید بن مسیبؒ اور خواجہ حسن بصریؒ جنہوں نے خدا جانتا ہے کتنے صحابہؓ کی تعلیم کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا عمر ثانی کی ٹکر کے نہ تھے۔ عمر ثانی خود فرماتے ہیں کہ میں مدینے سے علم حاصل کر کے نکلا تو مجھ سے بڑا کوئی عالم نہ تھا لیکن چچا نے شام کا گورنر بنا دیا تو میں سب بھول گیا۔

اس شان کے فقیہ، مجتہد، امام قرآن کے حافظ اور حدیث کے حامل نوجوان کو گھر میں دیکھ کر عبد الملک بہت خوش ہوا۔ وہ قدر دان اور علمی گھرانوں سے رشتہ کرنے کا حریص تھا مشہور ہے کہ اس نے حضرت سعید بن مسیبؒ کی عالمہ فاضلہ بیٹی سے اپنے بیٹے کا رشتہ کرنے میں کیا کچھ کوشش نہ کی تھی مگر ناکام رہا۔ عمر بن عبد العزیز تو اس کے گھر کے بچے تھے ان سے اپنی بیٹی فاطمہ کا نکاح کر دیا اور انھیں خناصرہ کا گورنر بنا دیا۔

عبد الملک کے بعد ولید جس کے جبروت کے آگے بڑے بڑے گورنروں اور گلے ٹھلے کے لوگوں کا پتہ پانی ہو جاتا تھا۔ وہ بھی عمر بن عبد العزیز کے علم سے مرعوب رہا۔ مدینے کے نظم میں کوئی گورنر کامیاب نہیں ہوتا تھا۔ ولید نے عمر بن عبد العزیز رح کا تبادلہ شام سے مدینے کر دیا۔

یہاں ان کے کلاس فیلو تابعین کرامؒ موجود تھے۔ وہ خوش ہو گئے کہ عبداللہ بن عمرؓ کا نواسا اور صالح بن کیسانؒ کا شاگرد آرہا ہے۔ یقیناً وہ اپنے پرنانا عمر فاروقؓ کا مثل ہوگا، پھر جب گورنر صاحب کا سامان تیس اونٹوں پہ مدینے پہنچا تو سب کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا بلکہ زبان سب نے کہا کہ علم حکومت کے نیچے دب گیا لیکن جب اسی مدینے میں مدینے کے نئے گورنر نے پہلا خطبہ دیا تو حضرت میمون بن مہرانؒ، حضرت رجاء بن حیوٰۃؒ اور حضرت رباح بن عبیدہؒ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اشاروں اشاروں میں کہا، کہ شاہزادوں سے بڑھ کر ٹھاٹ باٹ کرنے والا یہ شگفتہ جبیں گورنر کیا کہہ رہا ہے؟ علمائے مدینہ نے اس تقریر میں وہ چنگاری دیکھ لی جو شعلہ بننے کے لئے بیچین تھی۔ سب نے ایک ایک شوق پر سر تسلیم خم کر کے تعاون کا یقین دلایا کہ ہم :-

• انصاف کرنے میں آپ کی مدد کریں گے • نیکی کے کاموں میں پورا تعاون دیں گے • حاجتمندوں کی حاجتیں آپ تک پہنچائیں گے • آپ کے سامنے کسی کی غیبت نہیں کریں گے • امانتوں کی حفاظت کریں گے۔

حضرت سعید بن مسیبؒ جو بڑے بڑے گورنروں کو خاطر میں نہ لاتے تھے خواجہ حسن بصریؒ جو اونچے اونچے محلوں پر نظر ڈالنا گوارا نہ کرتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ ان کلّے ٹھلّے کے اماموں کے پاس مسئلہ پوچھنے کے لئے آدمی بھیجتے تو مسئلہ بتانے کے بدلے خود تشریف لے آتے اور گورنر صاحب کو معذرت کرنی پڑتی کہ آپ کو بُلا لانے کا حکم نہیں دیا تھا۔

اب خلیفہ ہوتے ہیں

خاندانِ اُمیہ کے چھٹے خلیفہ سلیمان کی روح پر اللہ تعالیٰ قیامت تک اپنی رحمتیں نازل رمائے۔ انھوں نے وہ کام کیا جو خلافت بنو اُمیہ کے بانی حضرت معاویہؓ سے نہ ہو سکا تھا اسلامی حکومت میں خاندانِ اُمیہ کے خلفاء نے بیٹوں کو خلیفہ نامزد کر جانے کا رواج ڈال دیا تھا

گویا خلافت کوئی جاگیر تھی۔ جسے وارث کی طرف منتقل کرنا ضروری تھا سلیمان نے اس پر کاری چوٹ ماری۔ حضرت رجا بن حیواۃ سے کہا کہ میں اپنے بیٹوں کے بدلے عبدالعزیز کے بیٹے عمر کو خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔

حضرت رجا بن حیواۃ رح اس اچانک انکشاف پر خوشی کے مارے اچھل پڑے بولے "امیر المومنین! اگر آپ یہ کام کر گئے تو امید ہے کہ قیامت کے دن آپ کا یہی عمل آپ کی بخشش کے لئے کافی ہوگا"

اچھا تو پھر لکھو وصیت نامہ! حضرت رجاء نے اسی وقت وصیت نامہ لکھا خلیفہ نے اپنی زندگی میں بڑی حکمت کے ساتھ وصیت نامہ کا مضمون بتائے بغیر نامزد خلیفہ کی بیعت سب سے لے لی پھر جب ان کا انتقال ہو گیا اور وصیت نامہ کا مضمون پڑھا گیا تو اپنا نام سن کر عمر بن عبدالعزیز رح نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی۔ پھر منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا لوگو! مجھ پر خلافت کا بوجھ میری رائے لئے بغیر ڈال دیا گیا ہے مجھ کو خلیفہ بنانے کے لئے خاص و عام سے رائے نہیں لی گئی۔ اس لئے میں اپنی بیعت کا طوق تمہاری گردن سے نکالے لیتا ہوں۔ اب تم جسے پسند کرو، اپنا خلیفہ بنا لو۔

اس استعفے پر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اسلامی دستور کی پہلی دفعہ اپنی جھلک دکھا کر پھر غائب ہونے کو تھی کہ علمائے کرام اور خاص و عام سب نے نعرۂ پسندیدگی بلند کیا کہ ہم آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔ ہم نے آپ کو اپنا خلیفہ چن لیا" ہنگامہ ختم ہوا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بڑی معرکہ آراء تقریر کی۔ تقریر کے کچھ فقرے یہ ہیں :-

"لوگو! جو شخص خدا کی اطاعت کرے۔ اس کی اطاعت تم پر واجب ہے جو شخص خدا کا حکم نہ مانے اس کا حکم ماننا تمہارے لئے جائز نہیں، جب تک میں خدا کے حکموں پر چلوں میرے حکموں پر چلو، جس دن میں اللہ کی نافرمانی کروں، اس دن میرا حکم ماننا تم پر واجب نہیں ہے"

اس تقریر کے بعد گھر چلے تو کپتان پولس نیزہ لے کر ہٹو بچو کرتا ہوا آگے آگے تھا

اُسے ہٹا دیا اور کہا کہ میں بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں، پھر شاہی سواریاں، خچر
ترکی گھوڑے پیش کئے گئے۔ حکم دیا "انھیں بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ شاہی
اور شاہی فرش کی طرف اشارہ کیا گیا کہ تشریف فرمائیں تو اسے بھی بیت المال میں بھجوا د
اس کے بعد ایک چٹائی پر بیٹھ کر پہلا حکم یہ دیا کہ خلفاء کے ذاتی مال کے علاوہ تمام سام
بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔

یہ سب کر کے گھر آئے۔ کھانا کھایا۔ لیٹ گئے۔ سوچا تھا کہ ذرا کی ذرا قیلولہ کر
پھر جائیں گے۔ پیچھے پیچھے فرزند ارجمند عبدالملک پہنچے۔ جو حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کی زندگی
نمونہ تھے۔ سلام کر کے عرض کیا۔ "ابا جان! ابھی عوام کا مال ہمارے گھروں میں موجود ہے آ
اُسے واپس کرنے سے پہلے سونا چاہتے ہیں! فرمایا۔ "ظہر کی نماز کے بعد یہی کام کروں گا۔"
سعید بیٹے نے عرض کیا۔ "اس کی کیا ضمانت ہے کہ آپ ظہر تک زندہ رہیں گے۔"

"جزاک اللہ" کہہ کر اٹھے، بیٹے کو گلے سے لگایا، خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایسی
اولاد دی جو دین کے کاموں میں مدد دیتی ہے۔ اس کے بعد گھر سے نکلے مسجد میں جا بیٹھ
اپنے غلام حضرت مزاحمؒ سے کہا۔ "پہلے ہماری جائیداد کے کاغذات لاؤ۔ مزاحمؒ نے کاغذ
پڑھنا اور سنانا شروع کئے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ قینچی سے ایک ایک کاغذ کو کترتے گئے،
یک کر ڈھیر لگ گیا۔ آخر میں انگوٹھی کا ایک نگینہ رہ گیا۔ یہ ولید نے ان کو دیا تھا اسے بھی بیت
المال میں جمع کرنے کا حکم دیا۔ تو مزاحمؒ رو پڑے۔ عرض کیا۔ ہم سب کا کیا بنے گا؟ فرمایا
قرآن بھول گئے۔ رزاق میں ہوں یا وہ!" آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ پھر فرمایا۔ "تم سب کو خدا
حوالے کرتا ہوں۔" اس کے بعد گھر آئے۔ بیوی سے کہا "تم کو تمہارے باپ خلیفہ عبدالملک
نے بیت المال سے جو کچھ دیا تھا۔ وہ واپس کر دو یا طلاق لو۔" بیوی نے کہا۔ "آپ پر ہزار
[illegible] کر سکتی ہوں۔ پھر شام نہیں ہوئی تھی کہ سجاوٹ کا سارا سامان اور عیش و آرام کی
[illegible] لونڈیاں، باندیاں، غلام، عطر، لباس، مشک، عنبر، بوریوں لونگیں جوان کے لئے

پڑتی تھیں۔ گھوڑے، خچر، اصطبل کا سامان، سب کا سب بائیس ہزار دینار میں بیچ ڈالا۔ اور یہ ساری رقم اللہ کی راہ میں لٹا دی۔ پھر جب مغرب کی نماز پڑھنے کو گئے تو وہ خاندانِ اُمیّہ کے جامہ زیب شہزادے نہ تھے۔ وہ عمر بن خطابؓ اور عبداللہ بن عمرؓ تھے۔

دوسرے دن خاندانِ اُمیّہ میں اعلان کرادیا کہ جس کے پاس غلط قسم کی جائیداد ہو، اس کے وارث کو واپس کردے۔ پھر سب کے وظائف بند کردینے کا حکم دیا۔ اُموی نوجوان نماز میں غفلت برتنے لگے تھے۔ حکم دیا کہ سب جماعت میں باقاعدہ شرکت کیا کریں۔ ان باتوں سے حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد کو چھوڑ کر سارا گھرانہ ان کا مخالف ہوگیا لیکن انھوں نے کسی کی پروا نہیں کی۔

اِصلاحات

اس کے بعد زکوٰۃ کے نظم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کی وصولیابی اور خرچ کا بندوبست باقاعدہ نہیں تھا۔ خراج، جذیہ، ٹیکس، عشر، زکوٰۃ، مالِ غنیمت اور ایسی ہی دوسری آمدنیاں گڈ مڈ تھیں۔ انھیں شرع کے مطابق منظم کیا، تو حکومتِ الٰہیہ کی کھیتی میں بہار آگئی۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کے زمانے میں رعایا ایسی خوشحال تھی کہ زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔ زکوٰۃ اور صدقہ وصول کرنے کے لئے متقی اور دیانت دار علماء مقرر تھے۔ وہ زکوٰۃ وصول کر کے غلام خریدتے اور آزاد کردیتے۔ یہ رپورٹ منظوری کے لئے آتی تو اس پر جزاک اللہ والحمدللہ لکھ کر واپس کرتے۔

پھر جیلوں کی اصلاح کی، قیدیوں اور جیلروں کی اصلاح کی۔ بستی اور بستی والوں کی اصلاح کی، بازار اور بازار والوں کی اصلاح کی۔ فوج اور فوج والوں کی اصلاح کی۔ ظالم گورنروں کے بدلے خداترس گورنر مقرر کئے۔ جنگ کیسے لڑی جائے، صلح کیسے کی جائے۔ اس کے لئے شرعی قوانین اخذ کئے۔ پھر معاشرے کی اصلاح کی طرف بڑھے۔ اس سے پہلے معاشرے کی اصلاح کے لئے کاغذی کتابیں نہیں تھیں۔ گوشت پوست کی جاندار کتابیں، مسجدوں میں پانچوں نت، گلیوں اور بازاروں میں چلتی پھرتی تھیں۔ جسے مسئلہ معلوم کرنا ہوتا ان سے پوچھ لیتا

اس وقت کاغذی کتابوں کی ضرورت ہی محسوس نہ کی گئی لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ احساس بڑھتا جارہا تھا کہ یہ صدی ختم ہونے کو ہے۔ وہ اس دن بہت گھبرائے جب سنا کہ صحابہؓ میں صرف ابوالطفیلؓ باقی رہ گئے ہیں اور وہ کہتے پھرتے ہیں کہ لوگو! اس صدی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنے والا زندہ نہ رہے گا جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو، پھر جب ۹۹ھ کے آخر میں ان کا بھی انتقال ہوگیا تو فرمایا۔ اب معاشرہ پستی کی طرف چلا۔ حکم دیا کہ عوام کی فکر و فہم کے لئے علمائے اسلام اور فقہائے عظام آگے بڑھیں۔ فرائض اور سنن کو زبان و قلم سے پھیلا دیا جائے۔ اور ان کے مطابق افراد کے کردار کو ڈھالا جائے۔ اس زمانے میں حدیثیں تابعین کے سینوں میں تھیں۔ گورنروں کو حکم بھیجا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو تلاش کرو۔ ان کو لو، مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہونے کا خطرہ ہے۔

سچ ہے کہ اگر حاکم نیک ہوتا ہے تو اموِ مملکت میں آپ سے آپ برکت ہوتی ہے عمر بن عبدالعزیز کے گورنروں نے پورا تعاون کیا۔ اعلیٰ درجے کے نیک سیرت اور متقی علماء جو گوشۂ گمنامی میں جا بیٹھے تھے۔ باہر آئے۔ اور انھوں نے حدیثوں کے دفتر کے دفتر لکھ کر پیش کر دئیے کسی منچلے نے تبصرہ کیا کہ اب تو کنواریاں بولنے لگیں۔

- ایک دن بے طلب آپ سے آپ ایک شخص آیا۔ عرض کیا۔ مدینے کا رہنے والا ہوں قرآن کا حافظ اور فرائض کا عالم ہوں۔ پوچھا: کس خاندان سے ہو؟ عرض کیا: حضرت علیؓ کا آزاد کردہ غلام ہوں۔ یہ سنتے ہی بڑھ کر گلے سے لگا لیا۔ حضرت مزاحمؒ سے پوچھا۔ اس استعداد کے علماء کو کیا دیا جاتا ہے؟ انھوں نے گریڈ بتایا۔ "سو درہم تا دو سو درہم" فرمایا کہ انھیں پچاس دینار فی الفور دو اور آخری گریڈ دے کر رجسٹر میں نام لکھ لو۔
- حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تلامذہ اور غلام آتے تو سارے کام چھوڑ کر ان کا پتپاک ستقبال کرتے، پھر انھیں اشاعتِ علم کے لئے اپنا معاون بنا لیتے۔ مدینہ علم دین سے منور تھا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے غلام حضرت نافعؒ زندہ تھے۔ انھیں اپنے رشتے کا واسطہ دیکر

بلایا۔ اور علماء کو اصلاح و تبلیغ کی ٹریننگ دینے کے لئے آمادہ کر لیا۔ ان کے دورے شروع ہو گئے۔ جگہ جگہ پندرہ پندرہ بیس بیس دن کے ریفریشر کورس منعقد ہونے لگے۔ گھر گھر علم کا چرچا ہونے لگا۔

حضرت میمون بن مہران، رجاء بن حیواۃ، رباح بن عُبیدہ، سعید بن مسیّب، سالم بن عبداللہ، محمد بن کعب، خواجہ حسن بصری، علامہ بسر بن سعید، حضرت ربیع بن سبرہؓ، خود ان کے بیٹے عبدالملک، بھائی سہل بن عبدالعزیز، غلام حضرت مزاحم، ان سب پر اللہ کی رحمت ہو، یہ سب کے سب گویا ان کے بے تکلف دوست تھے۔ یہ آتے تو ان کے سامنے کوئی مسئلہ چھیڑ دیتے اللہ تعالیٰ نے انھیں فرات بن مسلم جیسا بے مثل پرائیویٹ سکریٹری بھی عطا فرمایا تھا جو باریک سے باریک بال کو تقویٰ کی عینک سے دیکھتے رہتے تھے۔ میں اللہ کی برکتوں میں سے کس کس کا تذکرہ کروں۔ قصہ مختصر یہ کہ اسلامی حکومت کی حدود میں درس و تدریس اور ذکر و تذکیر کے بے شمار مراکز قائم ہو گئے۔ اس کا پھل اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کو محدثوں اور فقہ کے اماموں کی شکل میں دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے لئے زمین ہموار کرنے والے اور مواد فراہم کرنے والے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز ہی تھے۔

جس ریاست کو عمر بن عبدالعزیزؒ جیسا سربراہ مل جائے اور جس ریاست میں قال اللہ اور قال الرسول کی آواز گونجے اس ریاست میں نیکیوں اور نیکیوں کو پھولنے اور پھلنے کا موقع کیوں نہ ملے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:۔

- ولید بن عبدالملک عمارتیں بنوانے کا بڑا شوقین تھا۔ اس کے زمانے میں عمارتوں کے نقشوں پر بحث ہوتی تھی۔

سلیمان بن عبدالملک کھانے کا بڑا شوقین تھا اس کے زمانے میں لذیذ کھانوں کی ترکیبوں پر بحث ہوتی تھی۔

- عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو ایک شخص دوسرے سے پوچھتا۔ آج کتنا قرآن پڑھا۔ کتنی حدیثیں یاد کیں۔ فقہ کا کون سا نیا مسئلہ معلوم کیا؟ اس ماہ میں کتنے روزے رکھے۔ آج کون سا وظیفہ وردِ زبان رہا۔ وغیرہ

سربراہ مملکت کے اچھا اور برا ہونے کے بارے میں ان بزرگ کا یہ تبصرہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ کی کتنی عمدہ تفسیر ہے۔

لطیفہ نمبر ۱ ۔ بصرہ کے گورنر حضرت عدی بن ارطاۃؓ نے رپورٹ بھیجی کہ فقرا اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ لوگ اتنا خوشحال ہیں کہ مغرور ہونے کا خطرہ ہے۔" اس رپورٹ پر لکھا "ابھی جنت کی نعمتیں باقی ہیں۔ لوگوں کو ان کا حریص بناؤ اور شکر کی آیتیں یاد کراؤ"

لطیفہ نمبر ۲ ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتمؓ سے فرمایا تھا کہ خدا کی قسم اے عدی! تم دیکھو گے کہ ایک کجاوہ نشین عورت حیرۃ سے کعبہ کی زیارت کو تنہا چلے گی اور اُسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ اے عدی! خدا کی قسم! تم دیکھو گے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے فتح ہو گئے۔ اور اے عدی! اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا چاندی خیرات کرنے کو نکلے گا تو خیرات لینے والا نہیں ملے گا۔

حضرت عدیؓ نے پہلی دو پیشین گوئیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھیں تیسری پیشین گوئی لفظ "اگر" کے ساتھ مشروط تھی۔ یہ پیشین گوئی ان کے بعد لوگوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں پوری ہوتے دیکھی

لطیفہ نمبر ۳ ۔ ایک دن ایک مسافر عورت اسلامی ریاست کی راجدھانی میں آئی تاکہ خلیفہ سے [illegible] [illegible] نے لوگوں سے پوچھا کہ خلیفہ کا محل [illegible] [illegible] خلیفہ [illegible] [illegible] اجازت لے کر [illegible] [illegible] وہ سامنے [illegible] گھر ان ہی کا ہے [illegible] حضرت فاطمہؒ نے [illegible] [illegible] جائے گا؟ [illegible] [illegible] کا مرتبہ بڑھایا جائے [illegible]

والے ہیں بامراد جاؤ گی۔

لطیفہ ۲۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ منصور کو نصیحت کرتے ہوئے اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے گیارہ لڑکے اور سترہ دینار چھوڑے۔ کفن دفن کے بعد سترہ سترہ درہم (تقریباً ساڑھے چار روپیہ) ہر لڑکے کو ملے۔ ہشام بن عبدالملک کے بھی گیارہ لڑکے تھے وہ مرا تو اس کے لڑکوں نے دس دس لاکھ درہم پائے۔ اے خلیفہ منصور! پھر میں نے دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز کے ایک بیٹے نے ایک دن میں بیک وقت سو گھوڑے جہاد میں دئے اور ہشام کا ایک لڑکا چوراہے پر کھڑا صدقہ مانگ رہا تھا۔

رفقائے کرام! دنیا میں جو آیا ہے اُسے ایک نہ ایک دن جانا ہے۔ جانے والے چلے گئے۔ اپنی کہانی چھوڑ گئے۔ کیا وہ ہمارے لئے اپنی کہانی محض حظ حاصل کرنے کو چھوڑ گئے اگر مقصد محض حظ حاصل کرنا نہیں، تو ہمیں اپنی جسمانی اور روحانی قوتیں زبانی اور قلمی طاقتیں فکری اور ذہنی کاوشیں اقامتِ دین کی راہ میں لگا دینی چاہئیں ورنہ یہی مال جو اپنی اولاد کے لئے جمع کر رہے ہیں وہ اولاد کے لئے فتنہ بن جائے گا۔ یہ فتنہ ایک نہ ایک دن رنگ دکھائے گا۔ خدا نہ کرے ہمارا کوئی بیٹا ہشام کا بیٹا ثابت ہو۔ کاش! ہمارے بیٹوں کو وہ توفیق ملے جو عمر بن عبدالعزیزؒ کے بیٹوں کو ملی تھی۔ لیکن بھائیو! ہمارے چاہنے سے کچھ نہ ہوگا شرط ہے کہ ہم خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی پیروی کریں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

بنت مجتبیٰ مینا

کس کی آواز ہے یہ!

س کی آواز ہے یہ! کون بلاتا ہے مجھے؟
ی ویرانے سے شاید یہ صدا آتی ہے؟
یا فلسطین کے اُجڑے ہوئے گھر بول اُٹھے؟
ں شبِ تار میں یہ کس نے پکارا ہے مجھے؟

○

ں کی آواز ہے یہ! کون بلاتا ہے مجھے؟
بحوۂ جورِ مسلسل کی صدا آتی ہے
ہیں آسام کی لاشوں میں کوئی زندہ ہے
س شبِ تار میں یہ کس نے پکارا ہے مجھے؟

○

کس کی آواز ہے یہ! کون بلاتا ہے مجھے؟
سسکیاں لیتی ہواؤں میں لہو کی بُو ہے
کیا گوہاٹی کے درندوں سے کوئی بچ نکلا؟
[illegible] میں یہ کس نے پکارا ہے مجھے؟

کس کی آواز ہے یہ! کون بلاتا ہے مجھے؟
تاجکستان کے باسی ہیں کہ یہ ازبک ہیں
ازبکستانی فضاؤں سے ندا آتی ہے
لہریں لیتی ہیں یہاں خون کی ندیاں اب تک
جن کے قبضے میں ہیں کوہ قاف کی پریاں اب تک
کوئی ان پریوں کو آزاد کرانے اُٹھے

○

کس کی آواز ہے یہ! کون بلاتا ہے مجھے؟
بڑھ رہی ہے جو تپش آگ کہاں ہے مینا؟
دلِ مظلوم میں اب تک یہ نہاں تھی شاید
یہ سمرقند و بخارا کی فغاں تھی شاید
ایک ہلچل سی مچی ہے کہ سحر ہوتی ہے
کسی افغان مجاہد نے اذاں دی شاید
کس کی آواز ہے ....؟

ہاتھی کے دانت

عاطو پسر

کہتا ہے کہ ایک بُرائی سے دوسری بُرائی جنم لیتی ہے اور یوں بُرائی کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پہلی بُرائی کا سُراغ لگانا ناممکن ہو جاتا ہے ——— لیکن عقلمندوں کا کہنا ہے کہ 'ناممکن' کا لفظ اُن کی لغت میں نہیں۔

ان ہی لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہوئے بارہا سوچا کہ ہمارے معاشرے کی بڑھتی ہوئی برائیوں کا سبب کیا ہے۔ ایک نکتہ ذہن میں آیا، وہ یہ کہ ہم لوگ جتنا اپنے حقوق کی بات کرتے ہیں اُتنا ہی اپنے فرائض سے کوتاہی برتتے ہیں۔ گھریلو زندگی پر نظر ڈالئے تو مَردوں کی طرف سے اِصرار ہے کہ جی ہمیں تو چار شادیوں کا حق مذہب نے دیا ہے، آپ کون ہیں منع کرنیوالے؟

شادی بیاہ کے معاملات دیکھئے تو لڑکے والوں کی طرف سے نت نئے انداز ملتے ہیں اینٹھنے کے۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ رسول صلّٰی نے اپنی بیٹی کو شادی کے وقت کچھ سامانِ گرہستی دیا تھا تو آپ کیوں اپنی بیٹی کو خالی ہاتھ یا کم جہیز کے ساتھ رخصت کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی بہت ہی راست اقدام کے عادی ہوئے تو صاف کہہ دیا کہ فلاں گھر سے تو ہمارے بیٹے کو سلامی میں گاڑی دینے کا وعدہ لیا گیا ہے آپ اُن سے مالی حیثیت میں بھی کم نہیں۔ آپ تو یقیناً اپنی بیٹی داماد کو کچھ نہ کچھ تو دیں گے۔

مساجد میں بڑی بڑی پُراثر تقاریر ہوتی ہیں۔ سوشل ورک سے متعلق افراد تقاریر، سیمینار، مذاکرے کرواتے ہیں کہ سادگی کو اپنایا جائے، جہیز کی لعنت کو ختم کیا جائے، شادی بیاہ اور دیگر تقاریب میں نمود و نمائش نہ کی جائے وغیرہ وغیرہ لیکن ہاتھی کے دانت کھانے کے اَور دکھانے کے اَور۔ ایسے لوگ عوامی تقریبات میں عوامی انداز میں سامنے آتے ہیں لیکن اپنی گھریلو تقریبات نہ صرف پورے کرّوفر کے ساتھ کرتے ہیں بلکہ پریس کو بُلوا کر اُن سے اپنی تشہیر کرا لیتے ہیں۔

سیاست کی طرف آئیے تو وہاں عجیب ہی رنگ ہیں۔ سیاسی لیڈر اپنا حق سمجھتے ہیں کہ عوام اُن کے اِشارے پر اپنی جانیں تک قربان کر دیں لیکن ایک معمولی سا سیاسی لیڈر بھی الیکشن جیت لینے کے بعد اُس علاقے کو چھوڑ کر شہر کے مہنگے علاقہ کو منتقل ہو جاتا ہے۔ اِس طرح نہ صرف اپنا معیارِ زندگی بلند کر لیتا ہے بلکہ اپنے ووٹروں سے بھی دور ہو جاتا ہے۔ عالم بے عمل ہمارے یہاں ہر شعبے میں نظر آتے ہیں۔ جانے حضورؐ کا وہ ارشاد انھیں یاد ہے یا نہیں کہ عالم بے عمل کی چراغ جیسی ہے جو دوسروں کو تو روشنی پہونچاتا ہے لیکن خود کو جلاتا ہی رہتا ہے۔ (اُردو ڈائجسٹ)

دعوت و تبلیغ کا سب سے بڑا فائدہ

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رح)

دعوت و تبلیغ کا صرف یہی ایک فائدہ نہیں ہے کہ آدمی دوسروں کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتا ہے جو اس کی عافیت کیلئے مفید ہے بلکہ اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ آدمی کی اپنی اصلاح بھی ساتھ ساتھ ہوتی جاتی ہے۔ جو شخص کسی چیز کو حق مان کر اپنی جگہ بیٹھا رہ جاتا ہے اور صرف اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے پر قانع ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک سرمایہ لیکر گھر بیٹھ جائے اور اس پر گذر بسر کرتا رہے۔ ایسے شخص کا سرمایہ صرف یہی نہیں کہ بڑھتا نہیں ہے بلکہ کام میں نہ لگنے کی وجہ سے اُلٹا گھٹتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ بخلاف اس شخص کے جو حق بات کو پا کر اسے پھیلانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے اسکی مثال اس تاجر کی سی ہے جو اپنے سرمائے کو کاروبار میں لگا دے اس طرح وہ دوسرے بہت سے لوگوں کی رزق رسانی کا موجب بھی بنتا ہے اور اس کا اپنا سرمایہ بھی یومًا فیومًا بڑھتا چلا جاتا ہے۔ تبلیغ حق کی یہ خاصیت ہے کہ جو شخص اس میں مشغول ہو اس کی اپنی ذات پر وہ حق خود بخود طاری ہوتا چلا جاتا ہے جس کی تبلیغ میں وہ سرگرم ہوتا ہے۔ اس کا چرچا کرنے، اس کی اشاعت کی راہیں تلاش کرنے، اس کی تائید میں دلائل ڈھونڈنے اور اس کی راہ کی رکاوٹیں دور کرنے کی فکر جتنی زیادہ اس کو لاحق ہوتی ہے اسی قدر زیادہ وہ اس میں مستغرق ہوتا چلا جاتا ہے اس کی خاطر جب وہ طرح طرح کی مزاحمتوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ گالیاں سنتا ہے، طعنے سہتا ہے، الزامات اور اعتراضات برداشت کرتا ہے اور بسا اوقات چوٹیں کھاتا ہے اور ستایا جاتا ہے تو یہ ساری تکلیفیں حق کے ساتھ ساتھ اس کے عشق کو اور زیادہ بڑھاتی چلی جاتی ہیں پھر یہ تبلیغ اسکی تکمیل میں ایک اور طرح سے بھی مددگار ہوتی ہے جب وہ کہتا ہے کہ اپنی پوری زندگی خدا کی بندگی میں دے دو۔ اپنی زندگی سے تضاد اور منافقت کو دور کر دو۔ اور جاہلیت کے ایک ایک اثر کو اپنے اندر سے نکالو تو اس کے گرد و پیش کی دنیا سے سینکڑوں نگاہیں خوردبین لگا لگا کر اسکی اپنی زندگی کا جائزہ لینا شروع کر دیتی ہیں اور اس کی کوئی خامی ایسی نہیں رہ جاتی جس کی نشاندہی کرنے سے زبانیں چوک جائیں۔"

نسیم حجازی

غیبی ہاتھ تلفیص آخری چٹان قسط (۱)

۱

"جاؤ سکینہ سوجاؤ" صفیہ یہ کہتی ہوئی بستر پر لیٹ گئی۔

سکینہ اپنے کمرے میں جاکر سوگئی۔ صفیہ کچھ دیر بستر پر لیٹ کر چھت کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کتاب اُٹھاکر پڑھنے کی کوشش کی لیکن چند ورق اُلٹنے کے بعد کتاب ایک طرف رکھ دی اور شمع بُجھاکر سونے کی کوشش کی لیکن اسے نیند نہ آئی۔ چند کروٹیں بدلنے کے بعد وہ اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ ٹہلتے ٹہلتے کُرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر اُٹھ کر دروازہ کھولا اور دبے پاؤں باہر نکل آئی۔ برآمدوں سے گزرتی ہوئی محل کے دوسرے سرے دریا کے کنارے جا پہنچی۔ راستے میں اُسے یہ خیال آیا کہ وہ ننگے پاؤں ہے لیکن اس نے پروا نہ کی۔

وہ کچھ دیر کونے کے کمرے کے سامنے بلند چبوترے پر کھڑی چاند کی روشنی میں دریا کا منظر دیکھتی رہی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ سیڑھیوں پہ پاؤں رکھتی نیچے اُتری اور آخری سیڑھی پر جو پانی کی سطح سے ایک بالشت اُوپر تھی، بیٹھ گئی۔ قاسم اسے یہ خوش خبری دے چکا تھا کہ طاہر آج رات آزاد ہوجائے گا اور شاید آزاد ہوتے ہی بغداد سے نکل جائے۔ اسے جس قدر اس کے آزاد ہونے کی توقع تھی اُسی قدر اس بات کا غم تھا کہ باقی تمام زندگی بغداد کا پُر رونق شہر اسے سونا نظر آئے گا۔ اس کی زندگی کی مسکراہٹیں ہمیشہ کے لیے چھن جائیں گی۔ "میرے اللہ! مجھے ہمت دے، مجھے صبر دے۔ ایک بے کس عورت جس کا دنیا میں کوئی نہیں، آج تیری رحمت کا سہارا لیتی ہے!"

وہ اُٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اُسے اپنے قریب پانی میں ہلکا سا شور سنائی

دیا۔ اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ سیڑھی سے چند قدم کے فاصلے پر کوئی پانی میں آہستہ آہستہ ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ خوف سے اس کا دل دھڑکنے لگا اور وہ چند سیڑھیاں اوپر چڑھ کر کھڑی ہوگئی۔ ایک آدمی پانی میں ڈوب ڈوب کر اُبھرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ صفیہ نے محسوس کیا کہ اس کی طاقت جواب دے چکی ہے۔ چند گز نیچے جانے کے بعد وہ سیڑھی کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے دونوں بازو سیڑھی پر پھیلا کر اپنا سر ٹیک دیا لیکن کمر سے نیچے اس کا باقی جسم پانی میں تھا۔ ایک دفعہ صفیہ کو بھاگ جانے کا خیال آیا لیکن خوف پر ہمدردی غالب آگئی۔ وہ ڈرتے ڈرتے نیچے اتری۔

"تم کون ہو؟" اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

اس نے جنبش تک نہ کی۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ صفیہ ذرا اور جرأت کر کے آگے بڑھی اور اس سے دو سیڑھیاں اوپر کھڑی ہو کر بولی: "میں پوچھتی ہوں تم کون ہو اور اس وقت یہاں کیوں آئے؟"

اس نے سر اوپر اٹھایا اور ایک نظر صفیہ کو دیکھنے کے بعد پھر نیچے ڈال دیا۔

ایک ثانیے کے لیے صفیہ کے پاؤں زمین سے پیوست ہو کر رہ گئے۔ اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا: "طاہر! . . . . طاہر!! آپ . . . . . ! اس حال میں؟"

اس نے دوبارہ گردن اٹھائی: "کون صفیہ؟"

صفیہ نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا اور اوپر کھینچنے لگی۔ طاہر سیڑھی پر چڑھ کر لیٹ گیا۔ صفیہ نے اس کی کمر کے ساتھ بندھی ہوئی پتھر کی سل دیکھ کر کہا۔ "ظالم، دغاباز، کمینہ!"

"کون؟ . . . . میں؟" طاہر نے ذرا گردن اٹھا کر سوال کیا۔

"نہیں نہیں۔ میں قاسم کے متعلق کہہ رہی ہوں۔ اس نے آپ کو قید سے چھڑانے کا وعدہ کیا تھا۔"

طاہر نے اُٹھ کر اپنا سر ہاتھوں میں دباتے ہوئے کہا "یہ تمہارا محل ہے۔"

"جی ہاں۔"

"بہت دُور آگیا ہیں۔ یہ پتھر مجھے بری طرح دوسری دنیا کی طرف دھکیل رہا تھا۔ مجھ سے غلطی ہوئی، مجھے ان دو آدمیوں سے کشتی پر ہی نپٹ لینا چاہیے تھا!"

صفیہ نے کہا "یہاں خطرہ ہے۔ اُٹھیے میرے ساتھ آئیے!"

طاہر لڑکھڑاتا ہوا صفیہ کے ساتھ چل دیا۔ دونوں کنارے سے چند قدم کے فاصلے پر ایک گھنے درخت کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔

صفیہ نے پُوچھا "آپ زخمی تو نہیں؟"

"نہیں لیکن تھکاوٹ سے چُور ہو چکا ہوں میں نے قید خانے کے قریب سے اس پتھر کے ساتھ تیرنا شروع کیا تھا آپ یہاں کیا کر رہی تھیں؟"

"کچھ نہیں۔ لائیے میں یہ پتھر کھول دوں۔ زندہ آدمی کو پتھر باندھ کر دریا میں پھینکنے والا قاسم کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟"

"میں نے قاسم کو نہیں دیکھا اور مجھے دریا میں پھینکنے والوں کو یقین تھا کہ میں مر چکا ہوں۔"

"وہ کیسے؟"

"میں ابھی آپ کو بتاتا ہوں لیکن مجھے یہ بتائیے کہ اس نئے قید خانے سے نکلنے کا کون سا راستہ ہے؟"

"ادھر دیکھیے، وہ کشتیاں کھڑی ہیں۔ آپ کشتی چلا سکتے ہیں نا؟ ورنہ محل میں ایک نوکر ہے جسے میں آپ کے ساتھ بھیج سکتی ہوں۔"

"نہیں میں کشتی چلانا جانتا ہوں۔ اس دن میری طرح آپ کا وہ نوکر گرفتار تو نہیں ہو گیا تھا؟"

"نہیں، میں نے اسے بھگا دیا تھا۔ آپ کے باقی دوستوں میں سے بھی کوئی گرفتار نہیں ہوا۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ مجھ سے بدظن ہو گئے ہوں گے۔ قاسم نے آپ کو ستانے کے لیے مجھ سے کہا تھا۔ بات یہ تھی کہ قاسم نے وہ رُقعہ لونڈی سے چھین کر پڑھ لیا تھا۔"

طاہر نے کہا۔ "آپ کو صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں قاسم کو اچھی طرح جانتا ہوں اور آپ کی تسلی کے لیے یہ کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ میں آپ کو بغداد کی تمام خواتین سے زیادہ قابلِ احترام سمجھتا ہوں۔ آپ کسی سے اس ملاقات کا ذکر نہ کریں۔ میرے دشمن آج سے یہ سمجھیں گے کہ میں مر چکا ہوں۔ ممکن ہے کہ مجھے پھر بغداد آنا پڑے۔ مجھے قید خانے میں انھوں نے زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میری بجائے وہ کھانا ایک اور شخص نے کھا لیا۔ وہ میرے ساتھ والی کوٹھڑی میں بند تھا۔ ہم تنگ سُرنگ کے راستے ایک دوسرے کے پاس آ جا سکتے تھے۔ رات کے وقت وہ میرے کمرے میں آیا۔ میرا کھانا پڑا ہوا تھا۔ اس نے زہر آلود خمیرہ کھا لیا اور مر گیا۔ میں اسے سُرنگ میں دھکیل کر اوپر سلیں رکھ آیا ہوں۔ اس کے بعد میں دم سادھ کر لیٹ گیا اور انھوں نے مجھے مُردہ سمجھ کر دریا میں پھینک دیا۔ مجھے زہر دینے کی سازش میں شہر کا ناظم، قید خانے کا داروغہ اور مہلب بن داؤد شریک تھے۔ قاسم کے متعلق مجھے علم نہیں۔"

"ایسی ناپاک سازش قاسم کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ شام سے تھوڑی دیر بعد اس نے باہر جاتے ہوئے مجھے بتایا تھا کہ مہلب اور ناظم شہر اس کے ساتھ آپ کو آزاد کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ وہ ابھی تک شاید واپس نہیں آیا۔"

طاہر نے کہا۔ "قاسم کا اس سازش میں شریک ہونا میں بعید از قیاس نہیں سمجھتا۔ اب آپ کے ذمّے ایک کام ہے اور وہ یہ کہ آپ اپنے چچا کو ان حالات سے باخبر کر دیں۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ میں انھیں آپ کے متعلق بتا دوں؟"

"نہیں، میرے متعلق کچھ نہ بتایئے۔ انھیں صرف یہ بتا دیجیے کہ مہلب کے دیے ہوئے زہر سے وحیدالدین سابق وزیر خارجہ ہلاک ہو چکا ہے اور وہ چھپا ہُوا نہیں تھا بلکہ مہلب نے اسے قید کر رکھا تھا۔ چنگیز خان کو پیغام بھجوانے کی سازش مہلب نے کی تھی اور اب سازش کے انکشاف کے خوف سے اس نے دو بے گناہوں کی جان لی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وحیدالدین کی لاش اس سرنگ میں پڑی ہوئی ہے۔ اپنے چچا کو مجبور کریں کہ وہ صبح ہوتے ہی قید خانے کی ان کوٹھڑیوں کا معائنہ کریں ورنہ کل رات اسے بھی میری طرح دریا میں پھینک دیا جائے گا۔ تمھارے چچا ان باتوں پر اعتبار کرنے سے پہلے تم سے یہ پوچھیں گے کہ تمھیں ان واقعات کا عِلم کیسے ہُوا؟ تم اس کا یہ جواب دے سکتی ہو کہ قید خانے کے ایک سپاہی نے یہ واقعات میرے کسی دوست کو بتائے ہیں اور اس نے تمھارے نوکر سعید کو آدھی رات کے وقت تمھارے پاس بھیجا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ان واقعات کی چھان بین کرنے کی بجائے فوراً قید خانے کی طرف متوجہ ہوں گے!"

صفیہ نے کہا۔" میں اس کا بندوبست کروں گی۔ میں علی الصباح گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں جاؤں گی اور وہاں سے فوراً واپس آکر چچا کو یہ سب کچھ بتا دوں گی۔ اگر وہ پوچھیں گے تو میں کہوں گی کہ میدان میں مجھے ایک اجنبی نے یہ تمام واقعات بتائے ہیں اور مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں فوراً آپ کو باخبر کر دوں۔"

" اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ خلیفہ کی حمایت کے باوجود مہلب کا بغداد میں رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ آپ اپنے چچا کو مشورہ دیں کہ وہ داروغہ یا ناظم کو دھمکی دیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اصلی مجرم کو ظاہر کرنے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن اس سے پیشتر وہ وحیدالدین کی لاش ضرور برآمد کرلیں۔ میں اب جاتا ہوں، شاید کل رات میں ترکستان روانہ ہو جاؤں گا۔ آپ نے وہاں کی کوئی خبر سنی ہے؟"

"ہاں۔ بہت بری خبریں۔ تاتاری بخارا اور سمرقند کے علاوہ شمال کے بھی اور شہر فتح کر چکے ہیں اور اب ان کی افواج جنوب اور مشرق کے شہروں کی جانب بڑھ رہی ہیں۔"

"بلخ کے متعلق کوئی خبر سنی؟"

"بلخ پر حملہ ہونے والا ہے!"

"بہت اچھا میں جاتا ہوں!"

صفیہ نے کہا" اب آپ جائیے۔ جب تک آپ کی کشتی نظر آتی رہے گی میں دیکھتی رہوں گی۔ خدا حافظ!"

"خدا حافظ" کہہ کر صفیہ نے کشتی دریا کی لہروں میں دھکیل دی۔

ثریّا

شام کے دُھندلکے میں طاہر ایک ویران بستی میں داخل ہوا۔ اُجڑے ہوئے مکان گواہی دے رہے تھے کہ تاتاریوں کے سیلاب کی کوئی لہر اس بستی سے گزر چکی ہے۔ گھوڑے کی رفتار یہ ظاہر کر رہی تھی کہ آس پاس کا کوئی مکان اس کی منزل مقصود نہیں۔ طاہر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کسی مکان کے روزن سے روشنی کی جھلک تلاش کر رہا تھا۔ اکثر مکانوں کے دروازے کھُلے تھے ا

طاہر کے سامنے ایک بلند مکان تھا۔ وہ قوتِ ارادی جس کے باعث وہ یہاں پہنچا تھا، اب جواب دے چکی تھی۔ جلتی ہوئی انگیٹھی کے سامنے لیٹ کر سو جانا اس کی سب سے بڑی خواہش تھی۔

مکان کی ڈیوڑھی کا دروازہ کھُلا تھا لیکن اندر روشنی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ گھوڑا ڈیوڑھی میں داخل ہو کر رُک گیا۔ طاہر گھوڑے سے اُترا۔ اس کے پاؤں سُن ہو چکے تھے۔ ٹانگوں میں جسم کا بوجھ اُٹھانے کی طاقت نہ تھی۔ اس نے سوچا شاید اس مکان میں بھی کوئی نہ ہو۔ شاید گھوڑے نے اس کی آخری منزل کے لیے اس بستی کے اُجڑے ہوئے مکانوں میں سے بہترین مکان منتخب کیا ہو۔ وہ اپنی ساری طاقت کے ساتھ چِلّانے لگا۔ "کوئی ہے؟ کوئی ہے؟" اور اس کی آواز پتھر کی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر

واپس آنے لگی۔ اس نے گھوڑے کو چھوڑ دیا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر دیواروں کو ٹٹولتا اور بدستور چلاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ڈیوڑھی عبور کرنے کے بعد وہ ایک کمرے میں داخل ہوا اور اس کمرے کی دیوار کے ساتھ چلتا ہوا دوسرے سرے تک جا پہنچا لیکن کہیں سے اسے اپنی آواز کا جواب نہ آیا۔ معاً اسے خیال آیا کہ وہ ریت پر امیدوں کا محل تعمیر کر رہا ہے۔ اگر یہاں کوئی انسان ہوتا تو مکان کے تمام دروازے کھلے نہ ہوتے۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔ اس وقت آگ کی ایک چنگاری میری جان بچا سکتی ہے لیکن آگ جلانے کے لیے اس کے پاس کچھ نہ تھا ـــــ اچانک اس نے اپنے پاؤں کے نیچے کوئی نرم شے محسوس کی۔ اس نے جھک کر ہاتھوں سے ٹٹولا تو یہ ایک پوستین تھی۔ اس نے فرش پر بیٹھ کر پوستین اپنے گرد لپیٹ لی اور جلد ہی یہ محسوس کیا کہ اس کی بدولت اس کی کھوئی ہوئی حرارت واپس نہیں آسکتی لیکن چند گھڑیاں پیشتر اس نے گھوڑے کو تائیدِ غیبی سمجھا تھا۔ اب بھی اس کا ضمیر یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے تنہا چھوڑ دے گا۔ اسے یقین تھا کہ خدا نے اسے اپنی رحمت سے یہاں تک پہنچایا ہے۔ خدا سے اس نے ایک اعلیٰ مقصد کے لیے زندہ رہنے کی دعا کی تھی اور یہ مقصد یہاں پہنچ کر پورا نہیں ہوتا۔ یہ مکان اس کی آخری منزل نہیں۔ قدرت فقط اس کا امتحان لینا چاہتی ہے۔ مایوس ہونا مومن کی شان نہیں۔ یہ رات گزر جائے گی۔ صبح کو سورج کی حرارت اسے نئی زندگی کا پیغام دے گی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس مکان کے کسی گوشے میں کوئی اللہ کا بندہ آگ جلا کر اس کا انتظار کر رہا ہو۔ اس ذہنی کش مکش کے دوران اسے نماز کا خیال آیا۔ اس نے جلدی سے تیمم کیا اور اپنی رہی سہی طاقت کو بروئے کار لاتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

نماز کی نیت کا ارادہ کرتے ہی اس کے دل میں خیال پیدا ہوا: ہوسکتا ہے کوئی اس مکان کے کسی گوشے میں تاتاریوں کے خوف سے چھپ کر بیٹھا ہو! اس نے بلند

آواز میں اذان دی اور ایک لمحہ انتظار کرنے کے بعد کسی کی آمد سے مایوس ہو کر نماز کی نیت باندھ لی۔

نماز میں محو ہونے کے بعد جسمانی تکلیف کا احساس آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔ نماز ختم کر کے دُعا کے وقت کمرے میں اچانک دُھندلی سی روشنی دیکھ کر اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے جلدی سے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔

(۲)

ایک آٹھ سال کا بچہ ہاتھ میں مشعل لیے کھڑا تھا اور اس کے ساتھ ایک نوجوان تھا جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ نوجوان کے چہرے میں غایت درجہ کی جاذبیت تھی۔ لباس سے وہ ایک ترک سپاہی معلوم ہوتا تھا۔ طاہر نے اپنی زندگی میں کسی انسان کا اس سے زیادہ دلفریب چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے اس کی طرف مبہوت سا ہو کر دیکھتا رہا۔ کمسن لڑکے اور اس نوجوان کی صورت میں کافی مشابہت تھی۔

طاہر نے یہ محسوس کیا کہ خدا نے اس کی رہنمائی کے لیے آسمان سے دو فرشتے بھیجے ہیں۔ دونوں پریشانی کی حالت میں اس کی طرف گھُور رہے تھے۔ طاہر نے "السلام علیکم" کہا۔ کمسن لڑکے اور نوجوان نے ایک ساتھ اس کے سلام کا جواب دیا لیکن لڑکے سے زیادہ نوجوان کی آواز کا ترنّم تھوڑی دیر کے لیے اس کے کانوں میں گونجتا رہا۔

نوجوان نے عربی زبان میں کہا: "اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ عرب ہیں؟"

طاہر نے حیران ہو کر سوال کیا: "آپ نے کیسے پہچانا؟"

"آپ کی اذان سُن کر۔ آپ کا لہجہ بالکل عربی تھا۔"

طاہر نے کہا: "اور اگر میں بھی غلطی نہیں کرتا تو آپ کا لہجہ بھی عربوں سے زیادہ مختلف نہیں۔"

نوجوان کے چہرے پر ایک ہلکی سی اداس مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے کہا۔ "میری ماں عرب تھی لیکن یہ ایسی باتوں کا وقت نہیں۔ آپ برف کے طوفان سے گزر کر آئے ہیں۔ آیئے ہمارے ساتھ چلیے!"

نوجوان کی آواز میں ایک موسیقی تھی۔ وہ موسیقی جو کانوں کے راستے دل کی گہرائیوں تک اُتر جاتی ہے۔

طاہر اُٹھ کر اس کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ نوجوان نے دو تین قدم اُٹھانے کے بعد رُک کر پوچھا۔ "لیکن رات کے وقت آپ یہاں کیسے پہنچے؟"

طاہر نے جواب دیا۔ "مجھے یہاں سے چند کوس دُور برف میں پڑے ہوئے ایک مسلمان سپاہی کا گھوڑا مل گیا تھا اور اس گھوڑے نے مجھے یہاں پہنچا دیا۔"

نوجوان کے چہرے پر رنج و افسوس کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس نے کہا:

"آپ نے اچھی طرح دیکھا ہے، وہ سپاہی زخمی تھا یا برف کے طوفان کے باعث ہلاک ہوا ہے؟"

"وہ زخمی تھا، اگر وہ آپ کا کوئی عزیز تھا تو مجھے افسوس ہے۔"

نوجوان نے کہا۔ "وہ ہمارا پُرانا خادم تھا۔ میں نے آج اسے ایک ضروری پیغام دے کر سمرقند روانہ کیا تھا لیکن آپ کے ہونٹ نیلے ہو رہے ہیں۔ آیئے ہمارے ساتھ۔ یہ جگہ محفوظ نہیں۔"

کمسن لڑکا شمع لیے ہوئے آگے چل دیا۔ دو کمروں میں سے گزر کر یہ لوگ ایک تنگ کوٹھڑی میں داخل ہوئے۔ نوجوان نے اس کوٹھڑی کے ایک کونے سے پتھر کے فرش کی ایک سِل اُٹھائی۔ سِل کے نیچے ایک شگاف تھا جس میں سے ایک آدمی بآسانی نیچے اُتر سکتا تھا۔ اس شگاف سے لکڑی کی سیڑھی نیچے اُترتی تھی۔ پہلے کمسن لڑکا اور اس کے بعد طاہر اور وہ سیڑھی سے نیچے اُتر کر ایک تہ خانے میں داخل ہوئے۔ سب

سے آخر میں نوجوان نے سیڑھی پر پاؤں رکھ کر اوپر کا شگاف اسی سل سے بند کر دیا۔

تہ خانے کے ایک کونے میں آگ جل رہی تھی۔ فرش پر ایک خوب صورت قالین بچھا ہوا تھا اور ایک طرف تین چار پوستینیں پڑی ہوئی تھیں۔ نوجوان نے طاہر کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا: "آپکو بھوک لگ رہی ہوگی۔ ہمارے پاس گوشت کے چند سوکھے ٹکڑوں کے سوا کچھ نہیں۔"

"مجھے آپ کے ملازم کے تھیلے سے کھانے کو بہت کچھ مل گیا تھا۔ اس وقت مجھے آگ سے زیادہ کسی شے کی ضرورت نہیں۔" یہ کہتے ہوئے طاہر نے اپنے موزے اُتار کر آگ کے سامنے پاؤں پھیلا دیے۔ کمرہ کافی گرم تھا۔ طاہر بیٹھے بیٹھے لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ نوجوان نے اٹھ کر اس پر پوستین ڈال دی۔

(۳)

شام کے وقت طاہر نے جب نماز کے بعد دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اسے اوپر محل میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ ثریا نے فوراً اُٹھ کر سلگتی ہوئی آگ کو پتھر کی سلوں سے ڈھانپ دیا۔ طاہر دُعا ختم کر کے ثریا کی طرف متوجہ ہوا اور وہ خوف زدہ صورت بنائے دبی زبان میں بولی: "یہ شاید تاتاری ہیں لیکن گھوڑے پانچ چھ سے زیادہ نہیں۔"

طاہر نے آہستہ سے کہا: "ہو سکتا ہے کہ ان کے پیچھے کوئی فوج آ رہی ہو۔"

اسماعیل نے مغموم لہجے میں کہا: "اب ہم شاید بلخ نہ جاسکیں۔"

طاہر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: "نہیں۔ انشاءاللہ ہم ضرور جائیں گے!"

"کب؟"

"شاید آج ہی روانہ ہو جائیں۔"

ثریا نے چونک کر پوچھا: "آج؟"

سپاہی کی بیٹی

تہ خانے کی تاریکی میں ہر لحظہ اضافہ ہو رہا تھا۔ تاتاری اپنی زبان میں کوئی راگ گا رہے تھے۔ طاہر عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد دیر تک بیٹھا رہا۔ جب تاتاریوں کا راگ ختم ہوا تو وہ ثریا اور اسماعیل کو تیار رہنے کا مشورہ دے کر سیڑھی پر چڑھا اور چھت سے قریب کان لگا کر سننے لگا۔ ایک تاتاری باتیں کر رہا تھا اور باقی خاموش تھے۔ تاتاری زبان کے چند الفاظ طاہر بھی سیکھ چکا تھا اور وہ صرف یہ اندازہ لگا سکا کہ بولنے والا اپنے ساتھیوں کو کوئی کہانی سنا رہا ہے۔ طاہر نے آہستہ سے سل کھسکا کر ایک طرف کر دی اور سوراخ میں سے سر اوپر نکال کر یہ محسوس کرتے ہوئے کہ کمرے میں کوئی نہیں، باہر نکل آیا اور پتھر کی سل اسی طرح شگاف پر رکھ دی۔

تاریکی میں چند قدم چلنے کے بعد طاہر کے ہاتھ ایک دروازے پر لگے۔ اس نے آہستہ سے دروازے کو باہر دھکیلا لیکن دروازے کی چرچراہٹ نے اسے پریشان کر دیا اور وہ اسے جلدی سے بند کر کے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ بند ہوتے وقت دروازے کی چرچراہٹ کی آواز نسبتاً زیادہ تھی۔

کہانی سنانے والا تاتاری اچانک خاموش ہو گیا۔ ایک ثانیے کے بعد اس نے اپنے کسی ساتھی سے کچھ کہا اور وہ نیم خوابی کی سی حالت میں بڑبڑانے لگا۔ یہ دو آدمی جن میں سے ایک طاہر کے اندازے کے مطابق داستان گو تھا،

وہاں آگ کی وجہ سے کافی روشنی تھی۔ تاتاری اُٹھ کر اپنی تلواریں سنبھال رہے تھے کہ طاہر کی تلوار ان پر صاعقہ بن کر کوندی اور ان میں سے دو بسمل ہو کر فرش پر لوٹنے لگے۔ اتنی دیر میں باقی تین تاتاری سنبھل چکے تھے۔

طاہر کی تلوار کئی مرتبہ اپنے تینوں حریفوں کی تلواروں سے ٹکرائی۔ تاتاریوں نے اسے ایک خطرناک مدمقابل سمجھتے ہوئے منتشر ہو کر لڑنے کی کوشش کی لیکن طاہر نے انھیں ایک کونے سے ادھر اُدھر ہٹنے کا موقع نہ دیا۔ چند لمحات گزر جانے کے بعد ان میں سے ایک زخمی ہو کر تڑپ رہا تھا۔ طاہر کے بازو پر بھی ہلکا سا زخم آچکا تھا۔ لیکن اپنے سامنے ایک کونے میں صرف دو آدمی پا کر وہ پرجوش حملہ کرنے کی بجائے قدرے اطمینان سے لڑ رہا تھا۔

(۳)

اچانک طاہر کو اپنے عقب سے ایک چیخ سُنائی دی۔ وہ جلدی سے پینترا بدل کر ایک طرف ہٹا۔ اس کے بائیں ہاتھ ثریّا خون آلود تلوار لیے کھڑی تھی اور اس کے سامنے ایک اور تاتاری جسے طاہر نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا' زخمی ہو کر تڑپ رہا تھا اتنی دیر میں طاہر کے دو حریف منتشر ہو کر اس کے لیے دو محاذ بنا چکے تھے۔ ثریّا طاہر کے کسی اشارے کا انتظار کیے بغیر ان میں سے ایک کے سامنے جا کھڑی ہوئی لیکن طاہر نے چلّا کر کہا "ثریّا! تم ایک طرف ہٹ جاؤ۔ میرے پیچھے۔"

طاہر نے پہلی بار اس کا نام لیا تھا اور اسے آپ کی بجائے تم کہہ کر مخاطب کیا تھا اور یہ ثریّا کے لیے بہت بڑا انعام تھا۔ اس نے کہا "آپ میری فکر نہ کریں۔ میں نے بھی ایک عرب ماں کا دُودھ پیا ہے۔"

"لیکن اسماعیل اکیلا ....؟"

"وہ بھی میرا ہی بھائی ہے"

دسمبر ۱۹۸۲ء

اب طاہر اور ثریا ایک دوسرے کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے تھے اور دو تاتاری پھر ایک کونے میں سمٹ رہے تھے۔ اچانک طاہر نے پینترا بدلا اور اس کی تلوار بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ثریا کے مدِمقابل کا دایاں بازو کاٹ گئی۔ دوسرے لمحے میں ثریا کی تلوار اس کے سینے کے آرپار ہو چکی تھی۔

اب طاہر کے سامنے صرف ایک تاتاری تھا اور ثریا اطمینان کے ساتھ گرے ہوئے دشمن کی قبا کے ساتھ اپنی خون آلود تلوار صاف کر رہی تھی۔

تاتاری اب زندگی اور موت سے بے نیاز ہو کر ایک زخمی درندے کی طرح حملے کر رہا تھا۔ اچانک طاہر کے ہونٹوں پر ایک تبسّم نمودار ہوا۔ ایک مجاہد کا تبسّم جو دشمن کے کانوں میں موت کا مہیب ترین قہقہہ بن کر گونجتا ہے۔ اس کی تلوار تاتاری کے سر پر چمکی۔ گری اور سینے تک پہنچ گئی۔

ثریا کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ مسکراہٹ جو قرونِ اولیٰ میں دخترانِ اسلام کا غازیانِ اسلام کے لیے سب سے بڑا انعام ہوا کرتی تھی۔

طاہر چند لمحات کے لیے اپنے گردوپیش کو فراموش کر کے اس حسین زمانے کا تصوّر کر رہا تھا۔ جب ایک سیدھی سادی عرب لڑکی سرفروشانِ اسلام کی فوج کو اپنی بستی سے گزرتے ہوئے دیکھ کر یہ گایا کرتی تھی :

" قوم کے غیور بیٹو! تمھارے گھوڑوں سے اُڑنے والی گرد مجھے کہکشاں سے زیادہ عزیز ہے۔"

" تمھارے غبار میں اَٹے ہوئے چہرے میری نگاہ میں چاند سے زیادہ حسین ہیں۔"

طاہر کی آستین پر خون کا نشان دیکھ کر ثریا جلدی سے اپنا رومال نکال کر بولی: "آپ کو زخم آگیا ہے۔ لایئے میں پٹی باندھ دوں۔"

ثریا مسکرائی۔ آنسوؤں میں بھیگی ہوئی مسکراہٹ، شبنم میں نہائے ہوئے پھول کا تبسم۔ جس میں حورانِ خلد کے بے شمار قہقہے چھپے ہوئے تھے۔ اس نے کہا: "نہ جانے میں آج کیوں اپنے تمام غم بھول گئی ہوں۔ شاید اس لیے کہ آج میں نے اپنی قوم کے دشمنوں میں سے ایک کو قتل کیا ہے؟"

"نہیں۔ اس لیے کہ تم نے اپنی قوم کے ایک سپاہی کی جان بچائی ہے لیکن اب چلو۔ اسماعیل پریشان ہوگا اور گھوڑے بھی ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

طاہر نے ایک جلتی ہوئی لکڑی اُٹھائی اور ثریا کے ساتھ تہ خانے کی طرف چل دیا۔

جب اس نے راستے سے پتھر کی سِل ہٹائی تو نیچے سے اسماعیل نے چلا کر کہا:

"ٹھہرو! تم کون ہو۔ میرا نشانہ خطا نہیں جاتا۔"

ثریا نے کہا: "اسماعیل ہم ہیں۔"

"اجازت ہے۔" اس نے خوشی سے اُچھلتے ہوئے کہا۔

جب طاہر اور ثریا نے نیچے اتر کر جلتی ہوئی لکڑی کی روشنی میں دیکھا تو اسماعیل اپنے ہاتھ میں تیر کمان لیے کھڑا تھا۔

طاہر نے کہا: "اسماعیل! ہم بلخ جا رہے ہیں۔"

"کب؟"

"ابھی۔ تمھیں سردی تو نہیں لگے گی؟"

"نہیں جی۔ آپا جان تو کہتی تھیں کہ سردی آپ زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ آپ گرم ملک کے رہنے والے ہیں۔"

ثریا نے بھنے ہوئے گوشت سے بھرا ہوا ایک تھیلا طاہر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے تہ خانے کے ایک کونے سے جلانے کی لکڑیاں ایک طرف ہٹا کر نیچے سے ایک ...

دسمبر ۱۹۸۲ء

[illegible]

سا تھیلا نکالا اور طاہر سے کہا: میں قوم کی یہ امانت آپ کے سپرد کرتی ہوں۔ والد مرحوم نے تاتاریوں کے حملے کا خطرہ محسوس کرتے ہی بیت المال کا بیشتر حصّہ سمرقند بھیج دیا تھا، یہ باقی دو ہزار اشرفیاں انھوں نے میدانِ جنگ میں جانے سے پہلے میرے سپرد کر دی تھیں۔ اشرفیوں کے علاوہ اس تھیلے میں چند ہیرے ان کی ذاتی ملکیت تھے لیکن میں ان پر قوم کے شہیدوں کے لاوارث بچوں کا زیادہ حق سمجھتی ہوں۔ ابّا جان اپنی آمدنی کا بیشتر حصّہ نانا جان کو تجارت میں لگانے کے لیے دیتے رہے ہیں اور انھوں نے بلخ میں ہمارے لیے کافی جائداد خرید رکھی ہے۔"

طاہر نے دونوں تھیلے اٹھا لیے ثریا نے جلتی ہوئی لکڑی سے ایک شمع روشن کی اور تینوں سیڑھی کے راستے دوبارہ اوپر چڑھ کر محل کے کمروں میں سے گزرتے ہوئے اصطبل میں داخل ہوئے۔

اصطبل میں تاتاریوں کے آٹھ گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ طاہر، ثریا اور اسماعیل تین گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور باقی گھوڑوں کو محل سے باہر لا کر تتر بتر کر دیا۔ باہر کے پھاٹک سے نکل کر چند قدم چلنے کے بعد ثریا نے اپنا گھوڑا روکا اور طاہر سے کہا، "تھوڑی دیر ٹھہریے۔ میں اس شہر کو چھوڑنے سے پہلے ایک دعا مانگنا چاہتی ہوں۔" طاہر اور اسماعیل اپنے گھوڑے روک کر ثریا کی طرف دیکھنے لگے۔

ثریا نے آسمان کے جگمگاتے ہوئے ستاروں کی طرف دیکھا اور نہایت دردناک لہجے میں یہ دعا مانگی :

> پروردگارِ عالم! میں تیرے محبوبؐ کی امت کی ہزاروں بےکس لڑکیوں میں سے ایک ہوں۔ تو ان سب کی حفاظت کے لیے قوم کے جوانوں کو ہمارے اسلاف کی غیرت اور شجاعت عطا کر۔ وہ اس محل پر اسلام کی عظمت کا پرچم پھر ایک بار لہرائیں۔

(باقی)

ندوہ سے مولانا مودودیؒ تک

حکیم خواجہ اقبال احمد ندوی

(۱)

میں گھر سے فارسی اور اردو وغیرہ پڑھ کر ندوہ گیا تھا اس لئے داخلہ تو میرا وہاں درجۂ اوّل عربی ہی میں ہوا لیکن میں اِس اِعتبار سے ندوہ کا ایک خوش قسمت طالب علم تھا کہ مجھے داخلہ کے بعد ہی سے اُستاذ محترم مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی متعنا اللہ بطول بقاءہ کی شفقت حاصل رہی ۔ ساتھ ہی مجھے مولانا موصوف کی راتوں کو بھی دیکھنے کے کچھ مواقع حاصل رہے اور مولانا موصوف کی یہ راتیں ایسی نہیں تھیں جو ایک نوجوان کے لوحِ دل پر اپنے نقوش مرتسم کئے بغیر چھوڑ دیتیں ۔ چنانچہ یہ نقوش میری آئندہ زندگی کے لئے ایک دولتِ بے بہا اور مشعلِ راہ ثابت ہوئے ۔

پھر مولانا موصوف نے اپنے طور پر تبلیغ کا کام شروع کیا تو مجھے مولانا موصوف کا مزید قرب حاصل ہوا ۔ تبلیغی سفر چلتا پھرتا مدرسہ بھی تھے اور متحرک تربیت گاہ بھی ۔ راستہ میں مولانا موصوف کبھی صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے ایمان افروز واقعات سُناتے اور کبھی سید صاحبؒ اور دوسرے مجاہدین کی سرفروشی اور جاں سپاری کے کارنامے ، کبھی جذبۂ جہاد بیدار کرنے والی آیات و احادیث کی تشریح فرماتے اور کبھی خانقاہوں کے شب و روز پر جہاد کی تیاریوں کی فضیلت بتاتے ۔ بات کہیں سے بھی چلتی ، گھوم پھر کر سرفروشی و جان سپاری تک پہونچ جاتی ۔ اسی زمانے میں مولانا اپنی تصنیف " سیرت سید احمد شہیدؒ " کے مسودہ پر نظر ثانی فرمارہے تھے یا مسودہ کتابت کی منزل سے گذر رہا تھا اور مولانا موصوف سید صاحبؒ کی شخصیت سے بہت زیادہ متاثر تھے ۔

ور کسی شخصیت سے بہت زیادہ متاثر ہونے کا مطلب مولانا علی میاں صاحب کے نزدیک
تعلقہ شخصیت کے رنگ میں کلیتہً رنگ جانا ہوا کرتا ہے ۔ چنانچہ جب سید صاحبؒ کی شخصیت
سے متاثر ہونے کے بعد مولانا موصوف سید صاحبؒ کے رنگ کو اپنا رہے تھے تو اقامت دین کا
مسب العین مولانا کی حیات کا نصب العین بن گیا تھا اور خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام کی
نا مولانا موصوف کی حیات کی سب سے بڑی تمنا بن گئی تھی ۔ اور رگ و پے میں وہی خون تھا
گردش کر رہا تھا اور دل میں وہی جوش و ولولہ تھا اور وہی عزم و حوصلہ جو موجزن تھا ، سرفروشی
وہی تمنائیں تھیں اور جاں نثاری کی وہی آرزوئیں ۔ کتاب و سنت کا وہی مقام تھا اور کتاب
سنت کی دلیل کے سامنے ہر دلیل قابلِ رد معلوم ہوتا تھا کہ ایک تنور ہے جو مولانا موصوف
سینے میں دہک رہا ہے اور یہ کہ اگر آنے والے برسوں میں اگر ہم لوگوں کو مولانا موصوف کی معیت
رہنا ہے تو ابھی سے مئی جون کی چلچلاتی دھوپ میں ٹیلہ کی مسجد کے صحن میں ٹہل ٹہل کر اپنے
ول کو مضبوط کر لینا چاہیئے ۔ مولینا موصوف کی حیات کے مختلف ادوار میں اُن کی حیات کا
ور مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے ۔ ممکن ہے اس محبت میں اِس چیز کا بھی دخل ہو کہ میری
یت مولانا موصوف کے اسی دَور کی رہینِ منت ہے ۔

مولانا علی میاں صاحب کی حیات کے اِس سنہرے باب کے متعلق جو اب خود اُن کیلئے
مرحوم باب بن چکا ہے ، برسوں میں یہی سمجھتا رہا کہ وہ خود اُن کے جذبات و احساسات کا
تھا مگر مولانا موصوف کی خدمت میں میرے قیام کے دَوران ہی جب اُن کی شخصیت سے
صاحبؒ کی شخصیت کا رنگ زائل ہونا شروع ہو گیا تو اس کی علت نہ تو میں اُس وقت
پایا اور نہ برسوں بعد تک ۔ پھر سید صاحب کی شخصیت کی طرح بالکل دوسری قسم کی شخصیتوں
نگ میں مولانا موصوف کی شخصیت کو رنگا ہوا دیکھ کر بات سمجھ میں آگئی کہ مولانا کی شخصیت
تلف دَور خود اُن کے جذبات و احساسات کا پرتو نہیں بلکہ اُن شخصیتوں کے جذبات و
سات کا پرتو ہوا کرتے تھے جن سے مولانا موصوف بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور یہ اُن کی

تھا جس طرح کہ وہ اپنے کسی بندے سے کوئی خاص کام لینا چاہتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ اُن کو اِس کام کی خاص حکمت اور تفقہ سے بھی نوازا تھا۔ ہم نے درحقیقت اُن ہی کے طرزِ عمل اور اُن کی باتوں سے اِس کام کو اور اِس کے اصولوں کو سمجھا اور اپنے غور و فکر سے بھی بالکل صحیح پایا۔ پھر تجربے نے ان پر ہمیں اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ ہم اُن ہی کی باتوں کو بس اپنی زبان میں بیان کر دیتے ہیں۔ اب تک بھی ہمارا حال یہ ہے کہ حضرت مولانا کے سوانح حیات اور ملفوظات اور مکتوبات کے مطالعہ سے اِس کام میں ہماری بصیرت اور ہمارے اطمینان میں الحمدُ للہ اور اضافہ ہوتا ہے۔

اور مولانا مرحوم کے صاحبزادے اور جانشین مولینا محمد یوسف کی ذات دراصل اِس سلسلے کی سب سے اہم زندہ کتاب ہے۔ اِس سلسلے میں اُن پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ اِس کام کے نقطۂ نظر سے یہ بات بے تکلف ظاہر کر دینا ہمارے لئے ضروری ہے کہ اِس دعوت کی روح و حقیقت اور اِس کے اُصول و امتیازات کو سمجھنے کا سب سے بڑا ذریعہ مولانا موصوف کی باتیں سُننا ہے۔ ہم بغیر کسی انکسار اور تکلف کے کہتے ہیں کہ مولانا کی باتیں سننے سے دعوت کے بارے میں بھی خود ہمارے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء [سلہ]

مولانا الیاس صاحبؒ کے انتقال کے بعد اُن کے صاحبزادے کے زمانے میں مولانا نعمانی صاحب کے علمِ کتاب و سنّت کے مفلوج رہنے کی وجہ اُن کا یہ خیال تھا کہ باپ کی ساری خصوصیات بیٹے میں حلول کر گئی ہیں اور باپ پر ہونے والے فیضانِ الٰہی کا رُخ بیٹے کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

میں بدقسمتی سے دو دن پہلے ایک خاص ضرورت سے اُس وقت اپنے مستقر بریلی آ گیا تھا اور دہلی اُس وقت پہونچا جب لوگ حضرت کے دفن سے فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے۔ خلافت و جانشینی کا واقعہ میں نے وہاں پہونچ کر سُنا۔ چونکہ اُس وقت میری ناقص نگاہ میں مولانا محمد یوسف صاحب میں کوئی خاص امتیاز سوائے صاحبزادگی کے نہیں تھا اور اپنے علم و انداز کے مطابق تبلیغی

سلہ اشاعت خاص ماہنامہ الفرقان دسمبر ۱۹۵۲ء وجنوری فروری ۱۹۵۳ء - ص ۱۱۷

حدیہ ہے کہ مولانا موصوف کو شمہ برابر اس کا احساس نہیں۔

(۲)

سیرت سیّد احمد شہیدؒ کی تصنیف سے شروع ہونے والا سفر جس طرح اپنی سمت اُور منزل بدلتا رہا ہے اُسے سمجھنے کے لئے ضروری تھا کہ اِس سفر کا نقطۂ آغاز سامنے رہے۔ چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر مذکورہ بالا کتاب کے بعض اقتباسات یہاں دئے گئے ہیں۔

سیرتِ سید احمد شہیدؒ کی تالیف کے جو مقاصد بیان کئے گئے تھے اُن میں سے پہلا مقصد یہ تھا:

> ایک نہایت رنجدہ منظر یہ ہے کہ بہت سے ہمت و عزم کے جوان قوتِ ارادی اُور قوتِ عمل کے مالک، بے توفیقی، کم نگاہی یا مسلمانوں کی بدقسمتی سے اپنی کارآمد قوتیں بے کار اُور اکثر مضر چیزوں میں ضائع کر رہے ہیں۔ اِن آوارگانِ فکر و عمل کو اگر صحیح راستہ نظر آجائے اُور خدا کی توفیق سے اِس پر قدم اُٹھائیں تو بہت جلد منزل تک پہونچ سکتے ہیں۔ اِسلام کی خدمت اُور نوعِ اِنسانی کی سعادت کا ایک ہی لائحۂ عمل ہے جو اس کتاب میں بتایا گیا ہے اُور وہ وہی ہے جس کے مطابق جناب رسول اللہ صلعم، آپؐ کے خلفائے راشدین اُور بعض مجددینِ اُمت نے عمل کیا یعنی دُنیا میں اِسلامی شریعت اُور خلافت کا صحیح نظام قائم کرنا اُور اِسلام کے اخلاقی، روحانی، مادی، سیاسی غلبہ کی کوشش کرنا
>
> اِسی طرح مسلمانوں کی منزلِ مقصود کا بھی صرف ایک راستہ ہے اُور وہ وہی راستہ ہے جس سے اِس اُمت کا پہلا قافلہ منزل تک پہونچا ہے۔ لن یصلح اٰخر ھٰذہ الامۃ الا ما اصلح اولھا (اس امت کے پچھلوں کی اصلاح صِرف وہی چیز کر سکتی ہے جس نے اِس کے اگلوں کی کی یعنی دینِ خالص اُور اس کی پیروی۔

چوتھے مقصد کے ذیل میں بتایا گیا تھا:

> ...... لیکن قرآن کی اشاعت اُور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بعد صرف انہی

حضرات کی سیرت پورے طور پر مفید ہو سکتی ہے جو سیف و تسبیح کے جامع ہوں اور جن سے
محبت و شوقِ الٰہی کے ساتھ حرکت و عمل کی قوت پیدا ہو۔

اس سیرت کی حیثیت یہ بتائی گئی تھی :۔

ایک صوفی، ایک مصلح اور ایک مجدد کی حیثیت سے بھی یہ سیرت مکمل ہے اور مسلمانوں کے
ہر طبقے کے مطالعہ کے لائق ۔

نوجوانوں کے نام اس سیرت کا پیغام تھا :۔

نوجوانوں کو یہ پیغام دیتی ہے کہ وہ خود بدلنے کے بجائے زمانہ کو بدلنے کی ہمت کریں ــــ

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانہ نے تمہیں ؎ مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

سلطنتوں کو فتح کرنے کا حوصلہ رکھیں کہ نوجوانوں نے یہ بھی کیا ہے جسم کی آرائش و زیبائش چھوڑ
کر بزمِ جہاں کی آرائش کی فکر کریں اور دیکھیں کہ کیا چیزیں کم ہیں کہ پوری کر دیں۔ کیا رخنے ہیں کہ
بھر دیں۔ کیا چیزیں بیکار ہو گئی ہیں کہ نکال دیں۔

اہلِ خانقاہ و مشائخ کو اس کا پیغام ہے کہ

اہلِ خانقاہ اور مشائخ کو اس کا پیغام ہے کہ :۔

اے پیرِ حرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ ؎ مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت ؎ دے اُن کو سبق خود شکنی خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے ؎ مغرب نے سکھایا انہیں فن شیشہ گری کا
دل توڑ گئی اُن کا دو صدیوں کی غلامی ؎ دارو کوئی سوچ اُن کی پریشاں نظری کا

(ضربِ کلیم)

پھر مصلحین و مجددینِ اُمت کا سید صاحبؒ سے موازنہ کرتے ہوئے بتایا گیا تھا :۔

اگرچہ ان میں ہر ایک اپنے رنگ میں کامل تھا لیکن ان کاملوں میں بھی کامل وہ ہے جو رسول اللہ

۱؎ سیرت سید احمد شہیدؒ۔ اول ایڈیشن ص ۱۷ تا ۲۰

صلے اللہ علیہ وسلم کا نمونہ کامل ہے جس میں صحابہؓ کامل کی شان سب سے بڑھ کر تھی جس سے رسول اللہ صلعم کے مذہب و مقصد کی زیادہ خدمت و ترقی ہوئی جس کی صحبت و تربیت سے ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے خیر القرون کی یاد تازہ کردی۔[۲]

سید صاحبؒ نے اِس نکتہ کو اچھی طرح سمجھا کہ حکومت الٰہی اور اسلامی نظام و قوانین و حدود کے اجراء اور ماحول کی تبدیلی کے بغیر یہ سب کوششیں "کوہ کندن اور کاہ برآوردن" ثابت ہوں گی۔ صرف چند خاص لوگوں کی اصلاح ہوگی لیکن ضرورت فضا بدلنے اور جڑ مضبوط کرنے کی ہے۔ آپ اسی نقشہ پر کام کرنا چاہتے تھے جس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفائے راشدین نے کیا۔ اور تجربہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ اور پائیدار کامیابی اسی کو ہوئی اور قیامت تک اسلام کی ترقی کے لئے وہی نظام عمل ہے۔

اِسلام صرف خواص کا مذہب نہیں اور چند منتخب لوگوں کا اِس پر عمل کرنا کافی نہیں۔ اِسی طرح اِسلام عیسائیت کی طرح چند عقائد و رسوم کا نام نہیں۔ وہ زندگی کا نظام ہے۔ وہ زمانہ کی فضا، طبیعت بشری کا مذاق اور سواد اعظم کا رنگ بدلنا چاہتا ہے اور عقائد کے ساتھ اخلاق و معاشرت، زندگی کے مقصد و معیار، زاویۂ نظر اور انسانی ذہنیت کو بھی اپنے قالب میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ اس کو مادی و سیاسی اقتدار حاصل ہو صرف اسی کو قانون سازی اور تنفیذ کا حق حاصل ہو۔ اُس کے صحیح نمائندے ہی دنیا کے لئے نمونہ ہوں۔ اِسلام کے مادی اقتدار کا لازمی نتیجہ اُس کا روحانی اقتدار اور صاحبِ اقتدار جماعت کے اخلاق و اعمال کی اشاعت ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن نے اِس طرح بیان کیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ	یہ (مظلوم مسلمان) وہ ہیں کہ اگر ہم نے زمین
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ	میں انھیں صاحبِ اقتدار کر دیا (یعنی اُن کا حکم

---

[۲] سیرت سید احمد شہیدؒ ص۳

وَأْمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنُهُوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ٥ (الحج)

چلنے لگا) تو وہ نماز کو قائم کریں گے، زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم ہوں گے، نیکیوں کا حکم دیں گے، برائیاں روکیں گے۔ اور تمام باتوں کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔

دوسری نہایت اہم بات یہ ہے کہ شرعی حکومت کے بغیر شریعت پر پورا عمل بھی نہیں ہو سکتا اسلام کا دنیا میں ایک مستقل نظام ہے جو حکومت پر موقوف ہے۔ بغیر حکومت کے قرآن مجید کا ایک پورا حصہ ناقابل عمل رہ جاتا ہے۔ خود اسلام کی حفاظت بھی بغیر قوت ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر اسلام کا پورا نظام ملکی و دیوانی و فوجداری معطل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن علم و عزت کے حصول پر زور دیتا ہے اور اسی لئے خلافت اسلامی بہت اہم اور مقدس چیز سمجھی گئی ہے اور اس کو اکابر صحابہؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین پر مقدم رکھا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام میں جس قدر اہم فریضہ ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ اُمت کی بعثت کا مقصد یہی بتایا گیا:

کنتم خیر امۃ اخرجت	تم بہترین قوم ہو جو دنیا میں اس لئے
للناس تامرون بالمعروف	ظاہر کی گئی ہے کہ تم بھلائی کا حکم دیتے رہو
وتنھون عن المنکر	اور برائی سے روکتے رہو۔

اور قیامت تک کے لئے مسلمانوں کا یہی فرض قرار دیا گیا ہے

ولتکن منکم امۃ یدعون	تم میں ایک جماعت رہنی چاہئے جو بھلائی
الی الخیر ویامرون بالمعروف	کی طرف دعوت دیتی رہے، نیکی کا حکم کرتی
وینھون عن المنکر۔	رہے اور برائی سے روکتی رہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ اس کے لئے امر (حکم) اور نہی (ممانعت) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ امر و نہی کے لفظ میں اقتدار اور تحکم کی شان ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ بھلائی

اختیار کرنے کے لئے درخواست وعرض کریں گے۔ پس امر ونہی کے لئے سیاسی اقتدار اور مادّی قوت کی ضرورت ہے اور اُمّت کا فریضہ ہے کہ وہ اس کا اِنتظام کرے صحیحین کی مشہور حدیث ہے:

من رأى منكرا فليغيره بيده	جو تم میں سے کوئی بُرا کام دیکھے اُس کو ہاتھ سے
فان لم يستطع وبلسانه	روک دے اور اگر ہاتھ سے نہ روک سکے تو
فان لم يستطع فبقلبه و	زبان سے روکے اور اگر زبان سے بھی نہ روک
وذالك اضعف الايمان ۔	سکے تو دل سے برا سمجھے اور یہ آخری درجہ
(بخاری، مسلم)	ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے ۔

ظاہر ہے کہ 'تغییر بالید' (ہاتھ سے بدل دینے) اور عملی اصلاح کے لئے قوت و اختیار کی ضرورت ہے۔ زبان سے روکنے کے لئے کچھ قوت اور آزادی کی ضرورت ہے ۔ اگر یہ کچھ نہیں ہے تو تیسرے درجہ پر قناعت کرنی پڑے گی جو ایمان کا آخری درجہ ہے اور جس کے بعد بعض روایات کے مطابق ایک ذرّہ برابر بھی ایمان نہیں رہ جاتا۔ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ غلامی میں دل سے برا سمجھنا اور زشت و نیک کا احساس بھی جاتا رہتا ہے :

جو تھا ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

۳

پھر مولانا مودودیؒ نے اپنے رسالہ ترجمان القرآن میں مولانا الیاسؒ کی تبلیغی سرگرمیوں کا ایک اہم دینی تحریک' کے نام سے تعارف کرایا تو اسے پڑھ کر ہم سب بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ سی تعارف کو پڑھ کر مولانا علی میاں صاحب کو مولانا الیاس صاحب کے کام کو سمجھنے کا اشتیاق وا۔ چنانچہ انھوں نے مراسلت کی اور جب مولانا الیاس صاحب کے سہارن پور تشریف لانے کا روگرام معلوم ہوا اور وہ سہارن پور تشریف لے جانے لگے تو علی میاں ہم لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ اِس طرح ہم لوگوں کو بھی مولانا الیاس صاحب کی خدمت میں حاضری کا موقع مل گیا۔ اور

میں اپنی سعادت کے اِس خدا داد موقع سے جو مجھے میسّر آ گیا تھا، پورا پورا فائدہ اُٹھانے لگا۔ مولانا موصوف دعائیں دیتے رہے۔ پھر میری زیرِ مطالعہ کتابیں اور میرے حالات دریافت فرماتے اور محنت سے اپنے اسباق تیار کرنے کی ہدایت فرماتے رہے۔ مولانا موصوف کی توجہات اپنی طرف منعطف دیکھ کر میں نے اُن سے مولانا مودودیؒ کی دعوت کے متعلق اُن کی رائے معلوم کرنے کے لئے سوال کر ڈالا جو ندوہ سے چلنے کے بعد ہی سے میرے دل میں پیدا ہونے لگا تھا۔ میرا سوال سُن کر مولانا موصوف اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اُن کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہنے لگے۔ مولانا کی یہ کیفیت دیکھ کر میں سہم سا گیا۔ خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ میرے سوال کے الفاظ یا اُس کے انداز میں کوئی ایسی بات رہی جس سے مولانا موصوف کو تکلیف پہونچ گئی۔ لیکن اُس وقت اُن کی کیفیت ایسی نہیں تھی جس میں افسوس کرنے کے سوا کچھ عرض کرنے کی گنجائش ہو۔ اِس لئے خاموش رہا۔ مولانا موصوف کی طبیعت سنبھلی تو خود ہی فرمانے لگے " بھائی! اصل کام تو وہی ہے جس کی مولانا مودودی دعوت دے رہے ہیں۔ یہ تو ابتدائی کام ہے۔ اِن شاء اللہ اس کا بھی وقت آئے گا۔" بھر کئی دن تک مولانا کا بدن دباتے ہوئے اُن کی زبان سے "اصل کام" کی جو تفصیل مجھے معلوم ہوتی رہی وہ اقامتِ دین ہی کے نصب العین کی اُن کے اپنے الفاظ اور مخصوص طرزِ ادا میں تشریح و توضیح تھی۔ بعد میں مولانا علی میاں صاحب نے بعض تحسین آمیز کلمات کا اعادہ کرتے ہوئے مجھ سے کئی بار فرمایا کہ اقبال! مولانا تمہارے متعلق یہ فرماتے تھے مگر اِس تحسین کے مستحق تو مولانا علی میاں خود ہی تھے جنھوں نے ہم لوگوں کو اسی طرح انگلی پکڑ کر حق کی طرف بڑھنا سکھایا جس طرح بچہ کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا جاتا ہے۔ فجزاہ اللہ عنا خیرالجزا

اِسی طرح برادرم مولانا عبدالغفار صاحب ندوی سکریٹری شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی ہند اُترپردیش نے جو اِس سفر میں ہم لوگوں کے ساتھ تھے، مجھ سے کئی بار اِس بات کا اعادہ فرمایا کہ آپ کے ندوہ سے مولانا مودودیؒ کی خدمت میں چلے جانے کے بعد بات ... جب ندوہ کی جماعت نظام الدین گئی ہوئی تھی اور صبح ہماری جماعت کو نظام الدین سے جامعہ جانا تھا

تب مولانا الیاس صاحبؒ ازراہ کرم خود ہماری جماعت کو رخصت کرنے تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ آپ لوگ پیدل جا رہے ہیں اس لئے اپنے کو میمنہ، میسرہ، قلام اور خلف میں ترتیب دے کر جائیے۔ یہ تو نقل ہے۔ اِن شاء اللہ اصل کام کا بھی وقت آئے گا۔ مولانا موصوف کے اس ارشاد سے برادرم عبدالغفار صاحب بتلاتے رہے کہ میں اتنا زیادہ متاثر ہوا کہ جماعتِ اسلامی سے رکنیت کا تعلق قائم ہو جانے کے بعد بھی ۱۹۴۲ء تک تبلیغی جماعت کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیتا رہا۔

مولانا موصوف کی ذات جس طرح غلو سے پاک تھی اسی طرح یہ حقیقت بھی اُن سے مخفی نہ تھی جو غالی عقیدت مند غلو میں آکر کر ڈالتے ہیں۔ اسی لئے وہ اپنی جماعت کے لوگوں کو اس انجام سے خبردار کرتے رہتے تھے جو اُن کے "ابتدائی کام" کو "اصل کام" قرار دئے جانے کی صورت میں ہو سکتا تھا۔ ملاحظہ ہو:

> فرمایا: لوگ میری تبلیغ کے برکات دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ کام ہو رہا ہے۔ حالانکہ کام اور چیز ہے اور برکات اور چیز ہیں۔ دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ ہی سے برکات کا ظہور ہونے لگا تھا مگر کام بہت بعد میں شروع ہوا۔ اسی طرح یہاں سمجھو۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ابھی تک اصل کام شروع نہیں ہوا۔ جس دن کام شروع ہو جائے گا تو مسلمان سات سو برس پہلے کی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اور اگر کام شروع نہیں ہوا بلکہ اسی حالت پر رہا جس پر ایک تک ہے اور لوگوں نے اس کو بھی منجملہ تحریکات کے تحریک سمجھ لیا اور کام کرنے والے اس راہ پر چل گئے تو جو فتنے صدیوں میں آتے ہیں وہ مہینوں میں آجائیں گے۔ اس لئے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔[۳]

برمیاں محمد عیسیٰ صاحب فیروز پوری اپنی کتاب میں اس ملفوظ کو نقل کرنے کے بعد اس پر یہ تبصرہ فرماتے ہیں:

> یہ ملفوظ بہت ہی غور طلب ہے کیونکہ آپ کی زندگی کے آخری دنوں تک جس قدر کام ہو رہا تھا اُس کے بارے میں آپ خود فرما رہے ہیں کہ یہ کام نہیں ہے بلکہ کام کی برکات ہیں۔ حالانکہ آپ کے

۳؎ ملفوظات ۱۹۵۰ء ایڈیشن۔ ص ۴۲

زمانے میں ہندوستان کے آخری کناروں تک جماعتیں پہونچ چکی تھیں تقسیم سے پہلے ۱۹۴۴ء میں
آپ کا انتقال ہوا ہے اور اُس وقت تک جماعتیں پشاور، کلکتہ، کراچی اور شاید بمبئی تک بھی
دہلی سے پیدل سفر کرتے ہوئے، گاؤں گاؤں کام کرتے ہوئے پہونچ چکی تھیں اور دوآبہ ومیوات
میں مسلسل جماعتیں پھرنے لگی تھیں ۔ [۴]

مگر مولانا الیاس صاحبؒ کی اِس سخت تنبیہہ کے باوجود اِس "چلت پھرت" اور "ابتدائی کام" کو "اصل کام" اور اصل دین بنا ڈالا گیا۔ اور جس انجام سے اُنھوں نے خبردار کیا تھا وہ ہوکر رہا۔ چنانچہ جو تفصیلات میسّر ہیں اُن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس سلسلے میں سب سے پہلے مولانا موصوف کو "مامور من اللہ" قرار دیا گیا۔ ملاحظہ ہو، مولانا علی میاں یوں رقمطراز ہیں :۔

مولانا فرماتے تھے کہ مدینہ طیبہ کے اِس قیام کے دوران میں مجھے اِس کام کے لئے امر ہوا اور ارشاد ہوا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ کچھ دن میرے اِس بے چینی میں گزرے کہ میں ناتواں کیا کرسکوں گا۔ کسی عارف سے ذکر کیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ پریشانی کی کیا بات ہے، یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کروگے۔ یہ کہا گیا ہے کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ بس کام لینے والے کام لے لیں گے۔ اِس سے بڑی تسکین ہوئی اور آپ نے مدینہ منورہ سے مراجعت فرمائی۔ پانچ مہینے حرمین میں قیام رہا۔ ۱۳ ربیع الثانی کو کاندھلہ واپسی ہوئی ۔ [۵]

اِس اجمال کی تفصیل بتاتے ہوئے مولانا موصوف کے ایک دوسرے شارح آخر میں یہ تحریر فرماتے ہیں :۔

اللہ رب العزت کو آپ کی یہ کیفیت پسند آگئی اور اللہ نے محض اپنے لطف وکرم سے اِس گمراہی کے دَور میں ہدایت پر آنے کے اصول آپ پر الہام فرمائے۔ ان کے ملنے کے بعد آپ کے چہرے پر انوارات کا پرتو محسوس کیا گیا اور آپ کی طبیعت میں سکون اور طمانیت محسوس ہونے لگی اور

---

[۴] تبلیغ کا مقامی کام ۔ ص ۲۲

[۵] حضرت مولانا الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت ۔ ص ۷۷، ۸۷

آپ پر تقاضا ہو گیا کہ جلد ہندوستان چلنا چاہیئے۔[۵۶]

ایک عارف سے "ماموریت" کی توثیق مولانا علی میاں صاحب اِس طرح کراتے ہیں:۔

صاحبزادہ مولوی محمد یوسف صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ اپنی قیام گاہ پر جو باب العمرہ کے برابر والے مکان میں تھی، بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت کچھ فرما رہے تھے اور ہم سب سن رہے تھے کہ ایک شخص دروازے کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے اور خطاب کر کے کہا کہ جو کام تم کر رہے ہو اُس میں مشغول رہو۔ اِس کا اجر و انعام اتنا بڑا ہے کہ اگر تمہیں بتلا دیا جائے تو تم برداشت نہ کر سکو۔ شادی مرگ ہو جائے۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلے گئے اور ہمیں کچھ نہ معلوم ہوا کہ وہ کون بزرگ تھے۔ مولانا بدستور اپنی گفتگو میں مشغول رہے اور اُدھر التفات بھی نہ کیا۔[۵۷]

ایک بتایا جاتا ہے کہ ہدایت کے اُصولوں کا متن تو اللہ نے مولانا الیاس صاحبؒ پر الہام کیا تھا اور اِس کی تشریح اُن کے صاحبزادے سے کرائی تھی۔ ملاحظہ ہو:۔

اصل بات یہ ہے کہ اُصولوں کا متن حضرت مولانا الیاس صاحبؒ پر اللہ نے کھولا تھا اور اُن کی تشریح حضرت مولانا محمد یوسفؒ سے کرائی تھی۔ اب بعد والوں کی ذمہ داری ہے کہ اُن کو معلوم کرتے رہیں اور اُن پر جم کر کام کرتے رہیں کیونکہ اصل اصول وہ ہی ہیں جو یہ حضرات بتلا گئے ہیں۔[۵۸]

اِس نئی ہدایت اور اِس کی شرح کا کتاب و سنت کے تابع نہ ہونا اور کتاب و سنت کے بالمقابل اور مستقل بالذات ہونا ہی شاید اِس امر کا سبب بن گیا ہے کہ تبلیغی جماعت کے پلیٹ فارم سے دینی اقدار کا انہدام ہوتا رہتا ہے اور علمائے کرام نہایت اطمینان سے بالکل خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ مگر اِس الہام کے متعلق جس کی بنیاد پر ایک نیا نظامِ فکر و عمل تصنیف کر ڈالا گیا ہے، مولانا منظور صاحب نعمانی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خواب تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

---

[۵۶] تبلیغ کا مقامی کام۔ ص ۳۷

[۵۷] حضرت مولانا محمد الیاس اور اُن کی دینی دعوت۔ ص ۹۴

[۵۸] تبلیغ کا مقامی کام۔ ص ۴۲

...... پھر فرمایا: آج کل خواب میں مجھ پر علوم صحیحہ کا القا ہوتا ہے۔ اس لئے کوشش کرو کہ مجھے نیند زیادہ آئے (خشکی کی وجہ سے نیند کم ہونے لگی تھی تو میں نے حکیم صاحب اور ڈاکٹر صاحب کے مشورہ سے سر میں تیل کی مالش کرائی جس سے نیند میں ترقی ہو گئی)۔ آپ نے فرمایا کہ اس تبلیغ کا طریقہ بھی مجھ پر خواب میں منکشف ہوا۔[۹]

(۴)

خواب و خیال اور کشف و الہام کی بنیاد پر شروع ہونے والے اس کام کو تین ہی چیزیں ایسی تھیں جو راہ راست پر رکھ سکتی تھیں — اللہ کی کتاب، اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور علمائے کرام کا علم کتاب و سنت اور دینی بصیرت۔ یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ محض اس بات پر کہ "اصولوں کا متن حضرت مولانا الیاس صاحب پر اللہ نے کھولا تھا اور ان کی تشریح حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے کرائی تھی" ہمارے علماء کرام کا علم کتاب و سنت کس طرح مفلوج اور معطل ہو جاتا ہے، مولانا منظور صاحب نعمانی کی مندرجہ ذیل وضاحت میں دیکھا جا سکتا ہے کہ اس میں کہیں بھی کتاب و سنّت سے کوئی سروکار نہیں۔ سروکار ہے تو صرف حضرت مولانا کے سوانح حیات، ملفوظات اور مکتوبات کے مطالعہ سے۔ ملاحظہ ہو کام کی حقیقت اور اسکے اصول کے متعلق ایک اہم بات:۔

اپنی اس دینی دعوت کے مقصد اور اصول کے متعلق جو کچھ ان صحبتوں میں بیان کرنا ضروری سمجھا وہ سب تو میں نے بیان کر دیا لیکن اس سلسلے میں یہ بات آپ ہمیشہ ملحوظ رکھیں اور یاد رکھیں کہ ہمارا یہ کام اس زمانہ کے دوسرے رواجی کاموں سے اس بارے میں بھی مختلف ہے کہ اس کا کوئی مرتب دستور اور ضابطہ نہیں ہے جس کو کسی کمیٹی نے وضع کیا ہو اور اس میں اغراض و مقاصد اور اصول اور قواعد و ضوابط خاص ترتیب سے بیاں کئے گئے ہوں — بلکہ نفس الامری واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ کو اس کام کے لئے کچھ اس طرح فکرمند اور بے چین کیا

---

[۹] ملفوظات۔ ص ۵۰

شخصیت کا بہت بڑا نقص بھی ہے اور اُن کے مقام و مرتبہ اور اُن کے سن و سال سے بھی بہت فروتر ہے
اِسی طرح مولانا علی میاں صاحب شاعر نہیں ہیں مگر شعریت اُن کی بہت بڑی کمزوری ہے
چنانچہ جس طرح شاعر پر کسی پھڑکتے ہوئے مطلع کا نزول ہو جاتا ہے تو وہ لطف لے لے کر بار بار
اُسے سُناتا رہتا ہے، یہاں تک کہ پوری غزل تیار ہو جائے۔ اِسی طرح مولانا موصوف کے ذہن
میں شعریت کا لباس حریر زیب تن کئے ہوئے کوئی اچھوتا خیال آجاتا ہے یا دوسرے کا ایسا کوئی
خیال اُنھیں پسند آجاتا تو وہ لطف لے لے کر بار بار اُسے سُناتے رہتے تھے، یہاں تک کہ وہ کسی
مضمون کی شکل اختیار کر لے یا کسی تقریر دلپذیر کی۔ اور اب تو میرا خیال ہے کہ وہ کسی کتاب کی شکل
اختیار کر لیتا ہوگا۔ ایسے خیالات کی پشت پر بہر حال فکر سے زیادہ شعریت ہی کا عمل دخل رہتا تھا
اِسی لئے اِن خیالات کو دوام حاصل نہیں ہو سکا۔ مولانا شاعر بھی تھے مگر اُن کی شاعری کو اُن کے
برادر بزرگ نے سختی سے دبا دیا تھا البتہ شعریت باقی رہ گئی اور اُس نے مولانا کے مزاج و طبیعت
میں ایسا مقام حاصل کر لیا ہے کہ بغیر اِس کو سمجھے ہوئے مولانا کی کسی چیز کو بھی سمجھا نہیں جا سکتا
اِس سے صرفِ نظر کر کے مولانا کا جو بھی مطالعہ کیا جائے گا وہ ناقص ہی رہے گا۔

مولانا موصوف کی توجہات کا کسی ایک نقطہ پر مرکوز نہ ہونا اور اُن کی کسی کیفیت کا قلیل
مدت سے زیادہ قائم نہ رہنا عالمِ اسلام کا بہت بڑا المیہ ہے اور یہ اِس افتادِ طبع ہی کا نتیجہ ہے
اُن کی خداداد صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ نہ عالمِ اسلام کو پہونچ سکا، نہ ندوہ کو اور نہ ہی مولانا
موصوف اُن موضوعات کے ساتھ انصاف کر سکے جن پر اُنھوں نے قلم اُٹھایا۔ اُن کی تصنیفات
اُن کے مختلف ادوار کی یادگار بن کر رہ گئی ہیں اور اِس افتادِ طبع کا افسوس ناک پہلو یہ ہے
کہ بعض انتہائی اہم مسائل اور بعض نصوص تک کے متعلق بھی اُن کی کتابوں میں متضاد آراء اور
متضاد موقف موجود ہیں اور اِن متصادم خیالات اور متحارب نظریات کی موجودگی میں قارئین
کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ آیا مولانا موصوف کے نزدیک یہ دونوں صورتیں درست
ہیں یا اُن میں سے کوئی ناسخ ہے اور کوئی منسوخ، اور اگر ہے تو کون ناسخ ہے اور کون منسوخ؟

کام سے تو اُن کو گہری دلچسپی بھی نہیں تھی بلکہ اِس لحاظ سے قاری داؤد صاحب وغیرہ حضرت کے بعض پُرانے خادم اور رفیق اُن سے آگے تھے ۔ اِس لئے مجھے اِس واقعہ کو سُن کر کوئی خوشی نہیں ہوئی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کے بارے میں بھی دل میں طرح طرح کے وسوسے آئے اور میں اِن وساوس سے اِتنا مغلوب ہوا کہ ان کی تاریکی میں بارہ دن پہلے کی حضرت شیخ الحدیث والی عارفانہ بات بھی بالکل یاد نہ آئی [۱] دن کا باقی حصہ اور پوری رات اسی حالت میں گزری ۔ اگلے دن صبح کو جب مولانا محمد یوسفؒ نے فجر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معمول کے مطابق تقریر شروع فرمائی تو تھوڑی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ یہ تو مولانا محمد یوسفؒ کی زبان سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بول رہے ہیں ۔ اس وقت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی وہ بات یاد آئی اور اس تقریر کے ختم ہونے سے پہلے یہ یقین ہوگیا کہ حضرت شیخ نے جو کچھ فرمایا تھا ، اُس کا ظہور ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے وہ دولت مولانا محمد یوسف میں منتقل فرمادی ہے ۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء ۔

انتقالِ نسبت کا لفظ سنا بھی تھا اور کتابوں میں بھی پڑھا تھا لیکن اِس کا مشاہدہ اُس دن پہلی بار ہوا تھا ۔[۲]

پھر مولانا الیاس صاحبؒ کی زندگی میں تین باتیں (۱) دین کا درد و فکر (۲) اللہ تعالیٰ پر اعتماد و یقین (۳) معارف و حقائق کا فیضان جو غیر معمولی درجہ میں تھیں ۔ اِن کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا نعمانی صاحب یوں رقمطراز ہیں :

پھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہر دیکھنے والے نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ تینوں باتیں دفعتاً حضرت مولانا محمد یوسفؒ میں آگئیں اور تینوں میدانوں میں وہ بہت تیز رفتاری

---

[۱] اِس سے مولانا نعمانی صاحب کے اپنی یادداشت کے متعلق کئے ہوئے دعوے کی صداقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔

[۲] الفرقان یوسف نمبر ص۷۵ بحوالہ سوانح حیات مولانا محمد یوسف کاندھلوی ۔ ص ۲۰۱ ، ۲۰۲

بلکہ برق رفتاری سے آگے بڑھتے رہے۔[۱۳]

اور یہ "انتقالِ نسبت" سوانح نگار کے نزدیک اِس طرح ہوتا ہے :۔

انتقال سے کچھ ہی دیر پہلے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے اپنے فرزند مولانا محمد یوسفؒ کو اپنے پاس بلایا۔ محبت بھری نگاہ ڈالی اور فرمایا: 'یوسف! آ مل لے۔ ہم تو چلے'۔ خدا جانے اِس پر محبت نگاہ میں کیا جادو بھرا تھا اور اِس شفقت بھرے جملے میں کیا مقناطیسیت تھی جس نے دردِ فکر، فیضانِ الٰہی، یقین و ایمان کی نہ بجھنے والی آگ بجلی کے کرنٹ کی طرح ایک سے دوسرے کے اندر منتقل کر دی اور وہ خلا جو ایک عظیم شیخ و داعی الی اللہ کے جانے سے پیدا ہو رہا تھا وہ اسی انتقالِ نسبت سے اور خدا کی شانِ عطائی اور فضلِ سرمدی سے پُر ہوا۔ اور ایسا پُر ہوا جس کو ہر آنکھ دیکھتی ہے اور ہر کان سنتا ہے۔ غالباً اسی موقع پر کسی شاعر نے کہا ہوگا :

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ[۱۴]

۵

جہاں تک "انتقالِ نسبت" کا معاملہ ہے تو یہ اُن امور میں سے نہیں ہے جس کی اللہ نے اور اُس کے رسولؐ نے کوئی خبر دی ہے۔ البتہ کتاب و سنت اور احوالِ صحابہؓ کے مطالعہ سے جو حقائق سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں :

حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں بتایا جاتا ہے کہ جب "کشتی اُن لوگوں کو لئے چلی جا رہی تھی اور ایک ایک موج پہاڑ کی طرح اُٹھ رہی تھی، نوحؑ کا بیٹا دُور فاصلے پر تھا۔ نوحؑ نے پکار کر کہا: بیٹا! ہمارے ساتھ سوار ہو جا۔ کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ اُس نے پلٹ کر جواب دیا میں ابھی پہاڑ پر چڑھا جاتا ہوں جو مجھے پانی سے بچالے گا۔ نوحؑ نے کہا: آج کوئی چیز اللہ کے حکم سے

۱۳۔ ایضاً ص ۲۰۰

۱۴۔ ایضاً ص ۱۹۸

بچانے والی نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم فرمائے۔ اِتنے میں ایک موج دونوں کے درمیان حائل ہوگئی اور وہ بھی ڈوبنے والوں میں شامل ہوگیا۔" پھر ارشاد ہوتا ہے:

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ (هود: ۴۵، ۴۶)

نوح نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا اور بہتر حاکم ہے۔ جواب میں ارشاد ہوا، اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں۔ وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے۔ لہٰذا تو اس بات کی مجھ سے درخواست نہ کر جس کی حقیقت تو نہیں جانتا۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو جاہلوں کی طرح نہ بنالے۔

اب اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اِس حالت میں کہ بیٹے کے غرق ہونے کا وقت آن پہونچا ہے اور بیٹا غرق ہوا چاہتا ہے، حضرت نوح علیہ السلام نے کیسی کیسی محبت بھری نظریں بیٹے پر ڈالی ہوں گی اور کس شفقت بھرے لہجے میں کہا ہوگا "بیٹا! ہمارے ساتھ سوار ہوجا۔ کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ آج کوئی چیز اللہ کے حکم سے بچانے والی نہیں ہے سوائے اِس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم فرمائے۔" مگر اُن پرمحبت نگاہوں کے 'جادو' اور اُن شفقت بھرے جملوں کی مقناطیسیت کا اتنا بھی اثر نہیں ہوتا کہ بیٹا باپ پر ایمان لے آئے۔ اب اللہ نے اگر اپنے محبوب بندوں کو 'فیضانِ الٰہی' کے رُخ کو موڑنے کا اختیار دے رکھا ہوتا تو یقیناً حضرت نوح علیہ السلام اِس سے محروم نہ رہتے اور ایسے نازک موقع پر وہ اللہ کے دئے ہوئے "فیضانِ الٰہی" کا رُخ اِتنا تو بیٹے کی طرف موڑ ہی دیتے کہ وہ ایمان لے آئے، مگر قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔

اِسی طرح آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے ایمان کا معاملہ ہے۔ اُنھوں نے

اِس طرح آپؐ کی پرورش کی کہ باپ کی کمی کا آپؐ کو احساس نہیں ہونے پایا۔ سوتے تو آپؐ کو اپنے ساتھ لے کر سوتے۔ باہر جاتے تو آپؐ کو ساتھ لے کر باہر جاتے۔ وہ زندگی بھر آپؐ کے لئے ڈھال بنے رہے۔ آپؐ کی محبت میں اُنھوں نے سارے عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ کوئی ایسی تکلیف نہیں تھی جو اُنھوں نے آپؐ کی خاطر برداشت نہ کی ہو۔ تین برس تک آپؐ کی خاطر شعب ابی طالب میں بے آب و دانہ محصور رہے۔ بھوک و پیاس کی تکلیف برداشت کی طلح کے پتوں پر گذر کی۔ مگر ایمان نہیں لائے تھے جس کا آں حضرتؐ کو سخت قلق رہتا تھا۔ چنانچہ اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا شبلی تحریر فرماتے ہیں:۔

> ابوطالب کی وفات کے وقت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تشریف لے گئے، ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ پہلے سے موجود تھے۔ آپؐ نے فرمایا "مرتے وقت 'لا الٰہ الا اللہ' کہہ لیجئے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں۔" ابوجہل اور ابن امیہ نے کہا "ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے!" بالآخر ابوطالب نے کہا "میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔" پھر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا "میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔" آپؐ نے فرمایا "میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کروں گا جب تک کہ خدا مجھ کو اِس سے منع نہ کردے۔" ۱۵

ایسی حالت میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا پر کیسی 'پُر محبت' نگاہ ڈالی ہوگی اور کس شفقت و محبت سے اُنھیں کلمہ پڑھنے کو کہا ہوگا۔ مگر سب کو معلوم ہے کہ اِس شفقت و محبت سے 'سنت اللہ' کے اندر کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی اور آپؐ کے چچا نے کلمہ نہیں پڑھا۔

اِسی طرح اُس خلا کا معاملہ ہے جس کا حضرت عمر فاروقؓ کے دنیا سے رخصت ہوتے وقت

---

۱۵ صحیح بخاری باب الجنائز اور مسلم، ابوطالب کا اخیر فقرہ مسلم میں ہے، بخاری میں نہیں۔ بحوالہ سیرت النبی حصہ اوّل۔

صحابہ کرامؓ کو احساس تھا چنانچہ جب سخت کاری زخم کھانے کے بعد حضرت عمرؓ کو مسجد سے اُٹھا کر گھر لایا جاتا ہے اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ اُن کے منہ میں ڈالی گئی سیال اشیاء زخموں کے راستے باہر نکل جاتی ہیں تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ اُن کا آخری وقت آن پہونچا اور اُسی وقت سے اِس خلا کو پُر کرنے کی فکر دامنگیر ہو جاتی ہے۔ مولانا شبلی اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

> اُس وقت اِسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا تمام صحابہؓ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اِس مہم کو آپ طے کر جائیے۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اِس کو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے اُن کو اِس حالت میں دیکھا تھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے بارے میں غلطاں و پیچاں ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی آپ کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی۔ بار بار اُن کے منہ سے بے ساختہ آہ نکل گئی کہ "افسوس اِس بارگراں کا کوئی اُٹھانے والا نظر نہیں آتا" تمام صحابہؓ میں اُس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی لیکن حضرت عمرؓ اُن سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے اور اِس کا اُنھوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا۔

> حضرت عمرؓ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اُس کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہاں تک اُن کی قوت اور حواس نے یاری کی، اِسی دھن میں مصروف رہے۔[16]

اب ایک عظیم داعی الی اللہ کے جانے سے پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرنے کا اختیار اگر اللہ نے دین کے داعیوں کو دے رکھا تھا تو یقیناً حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ اس سے بےخبر نہیں رہ سکتے تھے اور حضرت عمرؓ کو اِس جاں کنی کی حالت میں یہ فکر لاحق نہ ہوتی اور نہ ہی وہ اُس حالت میں بھی ان صحابہؓ کو بلا بلا کر نصیحت کرنے کی زحمت برداشت کرتے جو اُن کے نزدیک متوقع

---

[16] الفاروق۔ ص ۲۱۰ تا ۲۱۲

خلیفہ ہو سکتے تھے۔ بس کسی صحابی کو اپنے پاس بلا کر محبت بھری نگاہ ڈالتے اور فرماتے "آ ہل۔ ہم تو چلے"۔ اور اس پُر محبت نگاہ کا جادو اور اس شفقت بھرے جملے کی مقناطیسیت "درد و فکر، فیضانِ الٰہی، یقین و ایمان کی ایک نہ بجھنے والی آگ بجلی کے کرنٹ کی طرح ایک سے دوسرے کے اندر منتقل کر دیتی اور وہ خلا جو ایک عظیم شیخ و داعی الی اللہ کے جانے سے پیدا ہو تھا وہ اسی انتقالِ نسبت سے اور خدا کی شانِ عطائی اور فضل سرمدی سے پُر ہو جاتا اور ایسا ہو جاتا جس کو ہر آنکھ دیکھ لیتی اور ہر کان سن لیتا اور صبح ہوتے ہوتے یہ محسوس کر لیا جاتا کہ ہو نہ ہو خلیفہ کے اندر سے حضرت عمرؓ بول رہے ہیں اور یہ یقین کر لیا جاتا کہ وہ دولت اللہ نے خلیفہ کے اندر منتقل فرما دی ہے اور حضرت عمرؓ کی ساری صلاحیتیں دفعتاً نئے خلیفہ کے اندر آ گئی ہیں اور وہ بہت تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری سے آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے"۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت راشدہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کی خواہش پر امت پر "رحمتِ خداوندی، شانِ عطائی اور فضل سرمدی" حرکت میں نہیں آتی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، سید احمد شہید رحمہم اللہ دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں اور ان حضرات کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا وہ پُر نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں یہ دعویٰ مولانا الیاس صاحبؒ کے لئے ایسے اختیار کا دعویٰ کرنا ہے جو اختیار آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور مجددین کرامؒ میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں تھا۔

پھر سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے سوانح نگار کے مطابق جب "درد و فکر، فیضانِ الٰہی، یقین و ایمان کی ایک نہ بجھنے والی آگ محض مولانا الیاس صاحبؒ کی پُر محبت نگاہ کے جادو اور شفقت بھرے جملے کی مقناطیسیت" سے اُن کے بیٹے کے اندر منتقل ہو جاتی ہے تب اس کے ساتھ اُن کے "خدا کی شانِ عطائی اور فضل سرمدی" کے الفاظ اور مولانا منظور صاحب نعمانی کے اس جملے "اور اللہ تعالیٰ نے وہ دولت مولانا محمد یوسف صاحب میں منتقل

فریادی ہے" کا جوڑ بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ مولانا نعمانی نے جو اضافہ کیا ہے اس کا کوئی ذکر "سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی" میں نہیں ہے۔

بہر حال مولانا منظور نعمانی صاحب ملاحظہ فرمائیں مولانا الیاس صاحبؒ کی طرف منسوب یہ الفاظ دعائیہ کلمات نہیں ہیں:

"یوسف آ تو مل لے ہم تو چلے"

یہاں تو ایک صاحب نسبت باپ کی قوتِ تصرف حرکت میں آتی ہے اور اس طرح آتی ہے کہ صرف باپ کے درد و فکر اور یقین و ایمان کی ایک نہ بجھنے والی آگ ہی کو بیٹے کی طرف منتقل نہیں کر دیتی بلکہ باپ کی طرف ہونے والے فیضانِ الٰہی کو بھی مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اپنا رُخ بیٹے کی طرف موڑ دے جبکہ فیضانِ الٰہی، مشیتِ ایزدی اور رشد و ہدایت کسی کی خواہش کے تابع اور پابند نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:-

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ (القصص ۵۶)

اے نبی تم جسے چاہو اُسے ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔

پھر مندرجہ ذیل آیات سے اس امر کی توضیح ہو جاتی ہے کہ اللہ کی عطا کے مستحق کس قسم کے لوگ ہوتے ہیں:-

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۝ (العنکبوت ۶۹)

جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے اُنھیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے۔ اور یقیناً اللہ نیکوکاروں ہی کے ساتھ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۗ (الرعد-۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔

مذکورہ بالا آیات میں دیکھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عطا و بخشش سے اُن ہی لوگوں کو نوازتا ہے جو اُس کی راہ میں سعی و جہد کرنے والے تھے۔ جو راہ راست اختیار کرنے والے ہیں اور جو اپنی آخرت سنوارنے کی دُھن میں کوشاں ہیں۔ احادیث میں زیادہ وضاحت کے ساتھ اس کی تفصیل موجود ہے۔ اِن حقائق کی روشنی میں "اِنتقالِ نسبت" کی حیثیت کو متعین کیا جا سکتا ہے۔

حجاب — یہ مضمون ماہنامہ "زندگی" کی پانچ قسطوں کی تلخیص ہے۔ (م)

****

غزل

حسرت ہٹکلی

کہاں ہوتے ہیں آدابِ محبت اِک ستم گر میں — نہیں ممکن کہ پیدا ہو کبھی جنبش بھی پتھر میں

محرک ہی سے چلتی ہے ہر اِک تحریک اے قاتل — اگر شل ہوں ترے بازو تو کیا رکھا ہے خنجر میں

قسم ضربِ کلیمی کی وہی تجھ کو بچائے گا — ڈبویا لشکرِ فرعون کو جس نے سمندر میں

کسی کی شکل سے سیرت کا اندازہ نہیں ہوتا — نہاں ہوتے ہیں اکثر گوہر و الماس پتھر میں

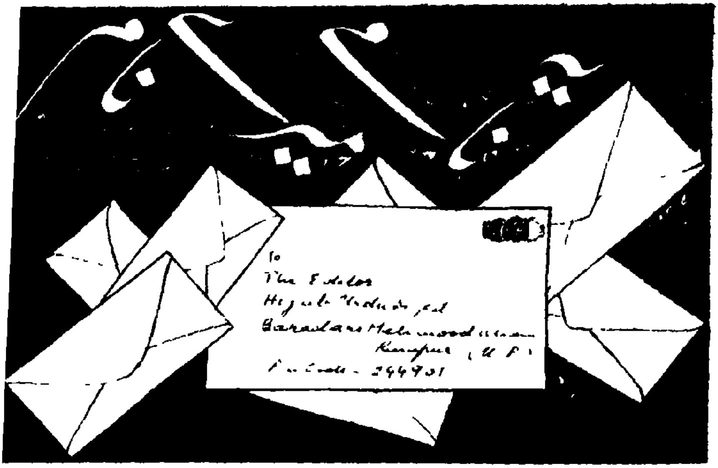
مقدر کا لکھا تو بے طلب مل جائے گا تجھ کو — تقاضا اُس کا کیجے جو نہیں اپنے مقدر میں

ہمارے ظرف کا لیتا ہو کوئی امتحاں شاید — سمٹ آئے ہیں دنیا کے اَلَم اپنے مقدر میں

مقدر سے ہوئے وہ رہنمائے کارواں لیکن، — قیامت ہے قیادت کے نہیں اوصاف رہبر میں

کسی سے پوچھتے کیا ہو مزے موجِ حوادث کے — ذرا خود ڈوب کر دیکھو محبت کے سمندر میں

اجنتا اور ایلورا دیکھ کر ایسا لگا مجھ کو
کسی نے ڈال دی ہو جان حسرت آج پتھر میں



ظفر عالم۔ ردھولی ضلع پرتاپ گڑھ

غالباً آنجناب کی نظر سے "آئینۂ مودودیت" مصنفہ علامہ مفتی رضوان الرحمٰن صاحب مکتبہ انوار المصطفےٰ مغل پورہ حیدر آباد (ضمیمہ ۲) گذرا ہوگا۔ عام مسلمانوں اور سطحی علم رکھنے والوں کے لئے باعثِ گمراہی اور دماغی الجھن کا سبب ہو رہا ہے۔

آپ سے دست بستہ التماس ہے کہ آپ اپنے رسالے میں ہر غلط الزام کا دندان شکن جواب سیاق و سباق کے ساتھ قسطوں میں شائع کر کے دینی خدمت انجام دیں اور الزامات کا پردہ چاک کریں۔ میرے اس عریضے پر اپنی رائے، "آمادگی یا غیر آمادگی" کا اظہار کر کے مجھ کو جواب عنایت فرما کر ممنون ہونے کا موقع دیں۔

جواب

"آئینۂ مودودیت" میں نے آج سے ۳۰-۳۱ سال پہلے دیکھی تھی۔ یہی کتاب میرے لئے جماعتِ اسلامی کی طرف توجہ دلانے کا سبب بنی۔ میں نے وہ تمام الزامات

پڑھے، پھر جماعت کے لٹریچر کا مطالعہ کیا تو الزامات غلط ثابت ہوئے۔

آپ، اس کے بدلے کہ میں ان الزامات کا دنداں شکن جواب دوں، یہ کریں کہ جن لوگوں کے لئے یہ کتاب وجہ گمراہی اور الجھن کا سبب بنی ہے انھیں جماعت کا لٹریچر پڑھوا دیں۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔ اول یہ کہ پڑھنے والوں کے علم میں اضافہ ہوگا اور وہ گمراہ ہونے سے بچ جائیں گے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ پھر وہ میری طرح جماعت کا بنیادی لٹریچر پڑھتے پڑھتے جماعت ہی کے ہو رہیں گے اور آپ تبلیغ کا حق ادا کر سکیں گے۔

محمد سراج الدین۔ نظام آباد

ماہ جولائی کا پرچہ 'حجاب' وصول ہوا جسے پا کر انتہائی خوشی ہوئی۔ ہمارے افراد خاندان میں یہ کشمکش شروع ہو گئی کہ کون پہلے پڑھے۔ تاہم ماہ جون ۱۹۸۴ء کا پرچہ مجھے وصول نہ ہوا جس سے مجھے اس وہم کو مزید تقویت پہونچ رہی ہے کہ شاید پرچے کسی غیر متعلقہ شخص کے ہاتھ لگ رہے ہیں۔ لہٰذا میرا ارادہ ہے کہ پرچے اگر رجسٹرڈ پوسٹ کے ذریعہ منگوائے جائیں زیادہ بہتر رہے گا خواہ اس میں مجھے کچھ زیادہ ہی خرچ کیوں نہ برداشت کرنا پڑے، اسلئے جب ایک ماہ کا پرچہ وصول ہوتا ہے تو دوبارہ آئندہ ماہ کے پرچے کے لئے نظریں ٹکی رہتی ہیں کہ کب پرچہ وصول ہوگا اور پرچہ نہ ملنے پر جھنجلاہٹ اور صدمہ ہوتا ہے کہ تسلسل قائم نہ رہ سکا۔

اس لئے آپ سے گذارش ہے کہ اگر میں پرچے رجسٹرڈ پوسٹ کے ذریعہ منگوانا چاہوں تو مجھے مزید کتنی رقم آپ کو بھجوانا پڑے گی۔ مہربانی فرما کر مطلع کریں۔ والسلام

عبید اللہ فیضی صدر مدرس مدرسہ رحمانیہ سلفیہ۔ شیشگڑھ۔ بریلی

مکرمی جناب چچا مائل صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس سے قبل ایک عریضہ ذوالقرنین سلمہا کے نام ارسال کیا تھا۔ بحمداللہ جواب سے آگاہی ہو گئی ہے۔ اس وقت شیشگڑھ میں تحریک اسلامی کا کام تقریباً دو سال سے تھوڑا بہت

ہو رہا ہے۔ ایک اِسلامی لائبریری کا قیام عمل میں آچکا ہے اَور خواتین میں بھی اِسلامی تڑپ پیدا ہو رہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اِس وقت نماز پنجگانہ اجتماعیت سے ہو رہی ہے۔ بعد نماز فجر تفہیم کا درس باضابطہ دیا جا رہا ہے جس کو خواتین بھی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سنتی ہیں۔ چند نوجوان بچیاں خواتین میں دین کی تبلیغ اَدا کر رہی ہیں جن میں ذوالقرنین، شبین بانو، شبانہ بانو، ریحانہ آفریدہ، شہناز بانو، یہ چند بچیاں پیش پیش ہیں۔ اِن بچیوں میں جو ذوق پیدا ہوا ہے، آپ کے "آج کا حاتم' 'رسول کریم نمبر' اَور دیگر کتابوں کا صدقہ ہے۔ پھر ساتھ ہی ساتھ ناچیز کا تعاون بھی رہتا ہے۔ حجاب کے شمارے میں مفصّل جواب دیں کہ آج کے دَور میں عورتیں شرعی نقطۂ نظر سے مسجد میں امام مرد کے ساتھ نماز پڑھ سکتی ہیں یا نہیں۔

آپ کا ماہنامہ 'حجاب' جاری کرانے سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ خواتین ہر شمارہ بڑے ذوق سے پڑھتی ہیں۔ آپ کی کچھ اَور تصانیف بھی یہاں پر بہت مقبول ہیں۔ اَللہ آپ کی محنتوں کو قبول فرما کر اَجرِ آخرت بنائے۔ آمین!

کسی موقعہ پر وقت نکال کر آپ شیش گڑھ ضرور تشریف لائیں اَور حالات کا جائزہ لے کر اپنی نصیحتوں سے نوازیں۔ بچیاں مضمون نگاری بھی تھوڑی بہت کر رہی ہیں جس کو اپنی بساط بھر اِصلاح کر کے بھیج رہا ہوں۔ خاص طور سے توجہ فرمائیں اَور اِصلاح فرما کر شائع کر دیا کریں۔ اِس سے بھی بچیوں کے زبان و قلم اَور مطالعہ میں اِضافہ ہوگا۔ پھر اُن کی ہمت بڑھے گی۔

شیش گڑھ میں ابھی منفرد رُکن کی حیثیت سے ہوں۔ اَللہ کرے کہ جلد ہی مقامی جماعت قائم ہو جائے۔ گھر میں محترمہ چچی صاحبہ و دیگر پرسان حال کو سلام ہدیہ عرض کیجئے۔ جلد ہی آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ خدا اِرادے کو پورا کرے۔ والسلام۔

جان محمّد بٹ ۔ اِقبال میموریل اِنسٹی ٹیوٹ۔ اِقبال آباد۔ بیمینہ۔ سرینگر

محترم المقام جناب مائل خیرآبادی صاحب السلام علیکم

اُمید ہے کہ جناب کے مزاج بخیر ہوں گے اَور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قلم میں زیادہ سے زیادہ

حجاب ۔ ستمبر ۱۹۸۴ء

طاقت بخشے تاکہ باطل نے جو نام نہاد اَدب کا حجاب اپنے مکروہ چہرے پر ڈالا ہے وہ تار تار ہو جائے اَور باطل باطل کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آئے۔

چند دنوں پہلے مسلم ویلفیئر سوسائٹی کے دفتر میں برادرم محمد یعقوب خان صاحب کے ٹیبل پر آپ کا مشہور ناول 'آج کا حاتم' ملا۔ فوراً اپنے قبضے میں لے کر اپنی پہلی فرصت میں پڑھ ڈالا۔ ہماری لائبریری میں آپ کے تقریباً سبھی ناول موجود ہیں اَور سب ناول میں نے پڑھے ہیں لیکن 'آج کا حاتم' واقعی ایک نئی جوانی اَور ایک اچھوتا پلاٹ لے کر نمودار ہوا ہے۔ واقعی قاضی محی الدین صاحب کے بقول یہ ناول اُردو اَدب کا معجزہ ہے کیونکہ ہر ایک ناول کی اپنی ایک لائن ہوتی ہے۔ کوئی جاسوسی ہوتا ہے، کوئی رومانی ہوتا ہے، کوئی دعوتی وغیرہ۔ مگر آپ نے سب لائنوں کی چاشنی ایک لائن میں بھر دی ہے جو کہ واقعی ایک معجزہ ہے۔ والسلام۔

صفیہ طلعت بنتِ لیاقت علی۔ حیدرآباد

محترم المقام جناب چچا جان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اُمید ہے کہ مزاجِ اقدس بخیر ہوگا۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا حجاب کو اپنے گھر آتے دیکھا۔ ہمیشہ کی طرح اِس ماہ بھی حجاب خوبصورت ٹائیٹل، بے شمار نصیحتوں اَور سبق آموز تحریروں کے ساتھ موصول ہوا۔ سب سے پہلے جناب طفیل محمد صاحب امیر جماعت اسلامی پاکستان کا جامع پیغام پڑھا جو ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ تمام مضامین دلچسپ اَور سبق آموز ہیں۔ کہانیوں میں 'تین منی کہانیاں'، 'بدلتے رُخ'، 'ایک منزل دو راہیں' اور 'دلہن بھابی' بہت اچھی لگیں۔ نسیم حجازی کے ناول 'آخری چٹان' کی تیسری قسط بہت ہی دلچسپ اَور خوبصورت ہے۔ بے انتہا پسند آئی۔

چچا جان! میں اِنٹر کی طالبہ ہوں۔ بچپن سے اِنگلش میڈیم اِسکول میں پڑھتی ہوں۔ میں ہمیشہ آپ کو خط لکھنے اَور کچھ تحریریں بھیجنے کا سوچتی تھی۔ پھر اپنی اُردو کی قابلیت کو مدّنظر رکھ کر اپنا ارادہ بدل دیتی تھی۔ لیکن آج ہمت کر کے اپنے کو تھوڑا بہت اِس قابل بنا کر آپ کو یہ تحریر روانہ کر رہی ہوں اَور یہ اُمید کرتی ہوں کہ آپ جواب ضرور دیں گے۔ والسلام۔ آپ کی بیٹی صفیہ طلعت بنت لیاقت علی۔ حیدرآباد۔

دسمبر ۱۹۸۴ء

منتخبہ

اللہ کی نعمتیں

گاجر کھائیں سرطان سے نجات پائیں

اس میں وٹامن اے بڑی مقدار میں شامل ہوتا ہے جو شدید بیمار افراد کے مفر تولیدی خلیوں کو ۔۔ بہ فی صد تک کم کرنے کے سلسلے میں بڑا کامیاب اور مفید ثابت ہوتا ہے سرطان میں تحقیق کے مرکز کے ڈاکٹر ہانز اسٹیچ نے کہا ہے کہ فلپائن کے ۲۶ مرد اور عورتیں تمباکو اور چھالیہ والے پان چبانے کی روایتی عادت کے باعث ہونٹ اور منہ کے کینسر میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے ان کے جسم میں مفر خلیوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا تھا ڈاکٹر ہانز کا کہنا ہے کہ انھوں نے ان فلپائینیوں کو وٹامن اے ۔۔۔۔ ۵ انٹرنیشنل یونٹ (آئی یو) اور بلٹا کیروٹنس کے ۔۔۔۵۱ آئی یو ہفتہ میں دو بار کھانے کو دیئے تین ماہ بعد ان کے جسم میں مفر یا قبل از سرطانی خلیوں کی تعداد ڈرامائی طور پر کم ہو کر تقریباً معمول کی سطح پر آ گئی صرف تین افراد پر علاج کا ردعمل معلوم نہ ہوا ۔

بالوں کے سفید ہونے کا سبب

تانبے کی کمی سے بال قبل از وقت سفید ہو جاتے ہیں نوجوانوں میں تانبے کی کمی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے زیادہ تر نوجوانوں کے بال سفید ہوتے ہیں پٹنہ کی اسٹیٹ فارنسک سائنس لیبارٹری کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ گھروں میں تانبے کے برتنوں وغیرہ کا استعمال چونکہ متروک ہو گیا ہے اس کی وجہ سے جسم کو مطلوبہ تانبے کا حصہ نہیں ملتا اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ تانبے کے کڑے اور چھلے وغیرہ انسانی جسموں کے لئے انتہائی مفید ہیں ۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ تانبے پر جو قلعی کی جاتی تھی وہ بھی انسانی صحت کے لئے بہت ہی مفید تھی ۔

...ل مسیح الدین صدیقی

یہ مجبوریاں

انسان کتنا مجبور و بے بس ہے!

پیدائش اختیار میں نہ موت قابو میں۔ سر کا ایک معمولی بال اگر گر جائے تو نیا بنانا تو درکنار، گرا ہوا بال دوبارہ اپنی جگہ پر نہیں لگا سکتا۔ پھر کیوں وہ اتنا مغرور و خود سر واقع ہوا ہے؟

کچھ تو دنیا کے ظاہری اسباب و وسائل نے اس کی آنکھیں موند رکھی ہیں، اور کچھ شیطان ملعون بھی اس کے تالو پر 'روغنِ غرب' کی مالش کرتا رہتا ہے جس سے بیچارہ انسان اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا ہے کہ ہاں وہ بھی 'کچھ' ہے۔ پھر تو اسے یہ ماننے میں بھی تکلف ہونے لگتا ہے کہ وہ حقیقت میں کسی کا تابع اور محتاج ہے، ایک زبردست حاکمِ مطلق کی ہر لحظہ گرفت میں ہے۔

ایک انسان جب اپنی حدوں سے تجاوز کرنے لگتا ہے تو پھر اس کے لئے کوئی 'مجبوری' فراہم کر دی جاتی ہے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ وہ بہرحال ایک بندہ اور عاجز غلام ہے، اس کے تمام معاملات کی باگ ڈور اللہ جل شانہ' کے ہاتھ میں ہے۔

اگر کوئی غور کرے تو اس کی بے شمار چھوٹی بڑی مجبوریاں اسے متنبہ کرنے اور اس کی آنکھیں کھول دینے کے لئے بہت کافی ہیں۔ اس کی یہ مجبوریاں اسے احساسِ عبدیت سے ہمکنار کر سکتی ہیں اور اسے سرکش و آزاد بننے سے روک سکتی ہیں۔

جب کوئی شخص کسی معاملہ میں مجبور و بے بس ہو جاتا ہے تو پھر پورے خلوص اور دلی جذبے کے ساتھ اپنے آقا اور کارسازِ حقیقی کو پکارتا ہے اور اس کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ مجبوری انسان کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ وہ خود سب کچھ نہیں ہے۔ نہ دنیا کے اسباب و وسائل ہی سب کچھ ہیں۔ اپنے بہت سارے وسائل کے باوجود وہ کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی معاملے میں بالکل بے بس و لاچار ہو کر رہ جاتا ہے اور یہی وہ موقع ہوتا ہے جب وہ اپنی ساری شان و شوکت اور کرّوفر بھول کر اپنے عاجز و ناتواں ہونے اور

اللہ تعالیٰ کے بزرگ و برتر اور مقتدرِ اعلیٰ ہونے کا دل سے اعتراف کرتا ہے۔ اور یہی اعتراف اور احساسِ بندگی اُسے سربلندی عطا کر دیتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ایسے ہی موقعوں پر، اور اسی احساسِ عبودیت نے کتنے ہی انسانوں کو خدا سے قریب کر دیا۔ اُن کی زندگیاں سنور گئیں۔ خدا نے اُنھیں اپنے بے پایاں فضل و اکرام سے نوازا۔

لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج کتنے ہی محروم و بدنصیب لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی مجبوریوں سے کوئی سبق نہیں لیتے۔ مجبوریوں کو دیکھتے ہیں، اپنی بے بسی ولاچاری کو محسوس کرتے ہیں مگر پھر بھی خدا سے بے نیاز رہ کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں جبکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ دُنیا بھر کے وسائل، دولت و قوت اکٹھا کر کے بھی وہ اپنی ایک ادنیٰ مجبوری کو دور نہیں کر سکتے تاوقتیکہ خدا ہی اُن کی مجبوری اُن سے دور نہ کر دے۔

کاش! لوگ اپنی مجبوری اور بے بسی کے گوناگوں معاملات کو دیکھ کر شہنشاہِ کائنات سے اپنا معاملہ سُدھارنے اور درست کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور اُسی سے اپنا رشتہ و تعلق جوڑ کر سرفراز و سربلند ہو جائیں!

غزل

17352
29/9/83

شگفتگی کا وقار رکھتے زمانے کا اعتبار کرتے
نہ دیکھتے گُل گر فسردہ تو ہم بھی ذکرِ بہار کرتے

طریقِ اظہارِ شوق بدلا بدل کے دنیا نے ذوق بدلا
وہی جو ہوتا مزاجِ عالم تو جامہ ہم تار تار کرتے

میں خوب واقف ہوں زندگانی کی پیچ در پیچ اُلجھنوں سے
اِک آفتِ جاں کو میں نے دیکھا ہے زلف کو تابدار کرتے

صعوبتِ نارسیٔ منزل جو پوچھنا ہے تو اس سے پوچھو
سفر کی مدت گذار دی جس نے راستہ استوار کرتے

یقیں کے بندے وفا کے تابع تھے پھر بھی دل کو نہ چین آیا
نکل گئے تیری جستجو میں جو تھک گئے انتظار کرتے

یہ کب کی وعدہ خلافیاں ہیں جو وسوسے کر رہی ہیں پیدا
لرزنے لگتے ہیں ہونٹ اپنے کسی سے قول و قرار کرتے

جناب محمود سروش

کڑھی

ضروری چیزیں:۔ دہی کھٹا۔ دو کلو ٭ بیسن۔ ڈھائی کلو ٭ نمک، مرچ، زیرہ، گرم مصالحہ، پیاز اور میتھی حسبِ ذائقہ ٭ **ترکیب:۔** ہلدی اس قدر ہو کہ خوب زرد ہو جائے۔ ساتھ میں مصالحہ ملا کر دہی کو کپڑے میں چھان لو۔ اور اگر کچّا دہی ہو تو پانی ڈال کر اس کو پتلا کر لو۔ مصالحہ ملا کر چھان کر آگ پر چڑھا دو مگر تھوڑے سے تیل میں میتھی کا بگھار دے کر پھر برابر اس کو چلاتی رہو۔ جب پکنے لگے تو اس کو بند کر دو۔ اور آنچ دھیمی کر دو۔ اتنی دیر تک آگ پر رکھو کہ سرخی آجائے اور یہ گاڑھی بھی ہونے لگے۔ اس وقت بیسن لے کر نمک، مرچ، اور پیاز کے باریک لچھے کاٹ کر اس میں ڈالو اور پھلکیاں بنا دو، اور تل کر پانی میں ڈال کر نکالتی جاؤ۔ پھر سب کڑھی میں چھوڑ دو اور دو تین منٹ کے بعد اُتار کر زیرے سے بگھار دو۔ زیرہ اور گرم مصالحہ پیس کر اس میں ملا دو۔ بعض لوگ کڑھی میں کوفتے بھی ڈالتے ہیں۔ (بشکریہ "رضوان"، لکھنؤ)

نبی کریمؐ کھانا کیسے کھاتے تھے؟

آپؐ اکثر زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا کرتے۔ بالعموم گھٹنوں کے بل یا اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ سہارا یا ٹیک لگا کر کھانا نہ کھاتے۔ کھانا تین انگلیوں سے کھاتے۔ بسم اللہ سے شروع کرتے اور خدا کی حمد و ثنا پر ختم فرماتے۔ کھانے کے معاملے میں حضورؐ کی عادت یہ تھی کہ جو حلال غذا سامنے رکھ دی جاتی آپؐ اسے تناول فرماتے اور اُسے ردّ نہ فرماتے اور نہ کبھی غیر موجود چیز کی طلب میں تکلف فرماتے۔ البتہ اگر کوئی چیز غیر مرغوب ہوتی تو اُسے نہ کھاتے۔ کسی کھانے کے مزیدار نہ ہونے کی شکایت نہ فرماتے۔ دسترخوان پر آپؐ کا معمول یہ تھا کہ جو چیز سامنے رکھی ہوتی اُسے کھانا شروع کرتے۔ اِدھر اُدھر ہاتھ نہ بڑھاتے۔ آپؐ نے اِس کی ممانعت فرمائی ہے کہ دوسروں کے سامنے رکھے ہوئے کھانوں پر ہاتھ چلایا جائے۔ عموماً بھوک رکھ کر کھانا کھاتے۔ فرمایا کرتے مومن کی شان یہ ہے کہ وہ غذا کم کھایا کرے۔

تاریخی مشغلہ نمبر (۷)

★★★★★★★★★★

(۱) حضورؐ کی اُس زوجۂ مطہرہ کا نام بتائیے جنہوں نے جنگِ جمل میں شرکت کی۔

(۲) کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ حضورؐ کے جنگِ اُحد میں لگنے والے زخموں سے بہتا ہوا خون روکنے کے لئے سیدہ فاطمہؓ نے کیا کیا تھا؟

(۳) جنگ بدر ختم ہونے کے بعد حضورؐ نے ابوجہل کی لاش کے بارے میں تحقیق کرنے کا حکم دیا۔ جو لوگ ابوجہل سے ناواقف تھے اُن کی واقفیت کے لئے آپؐ نے کیا علامت بتائی؟

(۴) حضرت ابوذر غفاریؓ کس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے؟

(۵) حضورؐ کے اُس عم محترم کا اسم گرامی بتائیے جو آپؐ کے خالہ زاد بھائی بھی تھے۔

(۶) کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ قرآن پاک میں کن کن کیڑے مکوڑوں کے نام درج ہیں؟

★★★★★★★★★

مندرجہ بالا سوالات کے جوابات بذریعہ ڈاک ہمیں بھیج دیجئے۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۴ء تک صحیح جوابات بھیجنے والے بہن بھائیوں کے نام ماہنامہ حجاب رامپور میں چھاپے جائیں گے اور پانچ بہن بھائیوں کو دس دس روپے کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔ تعلیمی قابلیت، نام، مکمل پتہ اور تاریخ لکھنا نہ بھولئے۔

شفیق اعجاز احمد خاں چیف آرگنائزر ملت اسلامیہ مسلم لائبریری

۹۳-اے، نیو کالونی بٹہ مالو، سری نگر ۱۹۰۰۰۹ - کشمیر۔

★★★★★★★★★